بین الاقوامی معاشیات

چارلس پی کنڈل برجر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

بین الاقوامی معاشیات

چارلس پی۔ کنڈل برجر

مترجم

لیاقت علی خاں

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی۔ 110025

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلی اشاعت	:	1983
دوسری طباعت	:	2010
تعداد	:	550
قیمت	:	-/145 روپے
سلسلۂ مطبوعات	:	315

Bainul Aqwami Maashiyat

by

Charls P. Kandal Barjar

ISBN :978-81-7587-412-1

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی 110025

فون نمبر: 49539000، فیکس: 49539099

ای میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in

طابع: جے۔ کے۔ آفسیٹ پرنٹرز، بازار مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی-110006

اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق نطق اور شعور کا ہے۔ ان دو خداداد صلاحیتوں نے انسان کو نہ صرف اشرف المخلوقات کا درجہ دیا بلکہ اسے کائنات کے ان اسرار و رموز سے بھی آشنا کیا جو اسے ذہنی اور روحانی ترقی کی معراج تک لے جا سکتے تھے۔ حیات و کائنات کے مخفی عوامل سے آگہی کا نام ہی علم ہے۔ علم کی دو اساسی شاخیں ہیں باطنی علوم اور ظاہری علوم۔ باطنی علوم کا تعلق انسان کی داخلی دنیا اور اس دنیا کی تہذیب و تطہیر سے رہا ہے۔ مقدس پیغمبروں کے علاوہ، خدا رسیدہ بزرگوں، سچے صوفیوں اور سنتوں اور فکر رسا رکھنے والے شاعروں نے انسان کے باطن کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں وہ سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ظاہری علوم کا تعلق انسان کی خارجی دنیا اور اس کی تشکیل و تعمیر سے ہے۔ تاریخ اور فلسفہ، سیاست اور اقتصاد، سماج اور سائنس وغیرہ علم کے ایسے ہی شعبے ہیں۔ علوم داخلی ہوں یا خارجی ان کے تحفظ و ترویج میں بنیادی کردار لفظ نے ادا کیا ہے۔ بولا ہوا لفظ ہو یا لکھا ہوا لفظ، ایک نسل سے دوسری نسل تک علم کی منتقلی کا سب سے موثر وسیلہ رہا ہے۔ لکھے ہوئے لفظ کی عمر بولے ہوئے لفظ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لیے انسان نے تحریر کا فن ایجاد کیا اور جب آگے چل کر چھپائی کا فن ایجاد ہوا تو لفظ کی زندگی اور اس کے حلقۂ اثر میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

کتابیں لفظوں کا ذخیرہ ہیں اور اسی نسبت سے مختلف علوم و فنون کا سرچشمہ۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابیں طبع کرنا اور انھیں کم سے کم قیمت پر علم و ادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔ اردو پورے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور

پڑھی جانے والی زبان ہے بلکہ اس کے سمجھنے، بولنے اور پڑھنے والے اب ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ کونسل کی کوشش ہے کہ عوام اور خواص میں یکساں مقبول اس ہر دلعزیز زبان میں اچھی نصابی اور غیر نصابی کتابیں تیار کرائی جائیں اور انھیں بہتر سے بہتر انداز میں شائع کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کونسل نے مختلف النوع موضوعات پر طبع زاد کتابوں کے ساتھ ساتھ تنقیدیں اور دوسری زبانوں کی معیاری کتابوں کے تراجم کی اشاعت پر بھی پوری توجہ صرف کی ہے۔

یہ امر ہمارے لیے موجب اطمینان ہے کہ ترقی اردو بیورو نے اور اپنی تشکیل کے بعد قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے مختلف علوم و فنون کی جو کتابیں شائع کی ہیں، اردو قارئین نے ان کی بھرپور پذیرائی کی ہے۔ کونسل نے ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے، یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو امید ہے کہ ایک اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔

اہل علم سے میں یہ گزارش بھی کروں گا کہ اگر کتاب میں انھیں کوئی بات نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ جو خامی رہ گئی ہو وہ اگلی اشاعت میں دور کر دی جائے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
ڈائرکٹر

فہرست مضامین

دیباچہ 13

1۔ بین الاقوامی معاشیات کا مطالعہ: صفحہ 15 تا 34

بین الاقوامی تجارت اور معاشیات۔ بین الاقوامی تجارت کی روایات۔ بین الاقوامی معاشی مسائل۔ بین علاقائی بنام بین الاقوامی تجارت۔ عوامل کی صلاحیت نقل و حرکت۔ مختلف کرنسیاں۔ مختلف قومی پالیسیاں۔ جداگانہ بازار۔ سیاسی اعتبار سے مختلف اکائیاں۔ قومی معاشی زندگی۔ معاشی اور سیاسی اکائی کی توسیع۔ کتاب کی اسکیم۔ خلاصہ حوالہ جاتی نوٹ

حصہ اول بین الاقوامی تجارت کا نظریہ

2۔ بین الاقوامی تجارت کا خالص نظریہ ــ رسد: صفحہ 35 تا 57

نسبتی فائدے کا قانون۔ پیداواری امکانات کے قوس۔ یکساں لاگتیں۔ بڑھتی ہوئی موقعہ لاگتیں۔ تناسبات عوامل تجارت اور عوامل کی کارگردگی۔ عوامل کی قیمتوں میں مساوات کا قیام۔ بڑھتے ہوئے ماحصل۔ خلاصہ۔

3۔ بین الاقوامی تجارت کا نظریہ ــ مانگ: صفحہ 58 تا 78

جوابی مانگ کا قانون۔ مارشل۔ ایج ورتھ بیش کش قوس۔ گراہم کا حملہ۔ بے نیازی کے قوس۔ شرائطِ تجارت۔ مختلف شوق اور پسند۔ ایک سے عوامل ایک سے شوق۔ عام توازن۔ خلاصہ۔

4۔ تجارت کی تقابلی ساکنیات شوق و پسند عوامل کے عطیات اور ٹیکنولوجی میں تبدیلیاں: صفحہ 79 تا 96

نسبتی فائدے کی ساکن نوعیت۔ شوق و پسند میں تبدیلیاں۔ عوامل کے عطیات میں تبدیلیاں۔ ٹیکنولوجی میں تبدیلی ــ پرانی اشیاء کو کم لاگت پر بنانا۔ عوامل کی نشو و نما اور تکنیکی تبدیلیاں۔ نئی اشیاء

خلاصہ۔

5 ۔ ترقی پذیر معیشتوں میں تجارت اور نشوونما : صفحہ 97 تا 117
ترقی پذیر معیشتوں میں تجارت اور نشوونما۔ انیسویں صدی کی ترقی پذیر معیشتوں میں برآمدات کے سبب نشوونما۔ صنعتی میدان کے رہبر ملکوں میں برآمدات کے سبب نشوونما۔ آج کے ترقی یافتہ ملکوں میں برآمدات کے سبب نشوونما۔ شرائطِ تجارت اینجل کا قانون۔ متعصب عامل اور تکنیکی تبدیلی، اور اجارہ ۔ اندرونی حالات کا اثر۔ درآمد کا بدل ۔ خلاصہ ۔

6 ۔ نقل و حمل کی لاگتیں اور نظریۂ مقامِ صنعت : صفحہ 118 تا 138
نقل و حمل کی لاگتیں اور قیمتوں کی برابری۔ جزوی توازن میں نقل و حمل کی لاگتیں۔ نقل و حمل کی لاگتوں کا اثر۔ نقل و حمل کی لاگتوں کا منطقی جواز۔ رسد نژاد اشیاء ۔ بازار کے ساتھ ارتباط۔ آزاد قدم صنعتیں۔ معاشیاتِ مقام گیری ۔ خلاصہ ۔

حصہ دوم۔ کمرشل پالیسی

7 ۔ کمرشل پالیسی ۔ ترِیف : صفحہ 139 تا 173
آمدی اثر۔ حفاظتی اثر۔ صرفی اثر۔ ترِیفی کارخانے اور تحفظ کی کارگر شرح ۔ مالیاتی اثر۔ از سرِ نو تقسیم سے متعلق اثر۔ غیر معاشی دلائل ۔ شرائطِ تجارت سے متعلق اثر۔ مسابقتی اثر۔ آمدنی اثر اور میزانِ ادائیگی سے متعلق اثر۔ کنیڈی دور۔ اثرات کا باہمی ردِّ عمل۔ خلاصہ ۔

8 ۔ کوٹے ۔ مبادلہ کنٹرول، سرکاری تجارت، معاشی فلاح، مشرق مغرب تجارت: صفحہ 174 تا 194
کوٹوں کے اثرات۔ کوٹوں کے سرچشمے۔ کوٹے، ترِیف اور اجارہ ۔ ادائیگیوں کی میزان۔ زرِ مبادلہ پر کنٹرول کی دیگر وجوہات۔ حکومت کا تجارت کرنا اور نہ کرنا۔ سوشلسٹ ممالک کے مابین تجارت ۔ معاشی جنگ۔ مشرق و مغرب کی تجارت ۔ خلاصہ ۔

9 ۔ امتیازِ قیمت اور کارٹیلیں : صفحہ 195 تا 223
مسابقت کی اقسام۔ بازاروں کے مابین امتیازِ قیمت ۔ امتیاز برتنے والا خریدار [illegible] امتیاز قیمت اور پالیسی ۔ ڈمپنگ اور الٹا ڈمپنگ ۔ ڈمپنگ کے

10 - ترقی پذیر ممالک کے لیے کمرشل پالیسی۔ صفحہ: 224 تا 241
اشیائی قیمت کا استحکام۔ مالیاتی طریقے۔ اشیائی کارٹل۔ مصنوعات کو ترجیح۔ جوابی عمل بنام عدم امتیاز

11 - معاشی یک جہتی: صفحہ: 242 تا 263
کسٹم یونین کا نظریہ۔ کسٹم یونین کے فعال اثرات۔ معاشی یک جہتی۔ کسٹم یونینوں اور آزادانہ تجارت والے علاقوں کے بعض کم سنگین مسائل EEC میں زراعت کے لیے خاص نظام۔ ترقی پذیر ملکوں میں علاقائی یک جہتی۔

12 - بسیار جہتی تجارت کا کیس: صفحہ: 264 تا 284
نظامِ قیمت کی خوبیاں۔ نظامِ قیمت کی برائیاں۔ نظامِ قیمت کے نعم البدل۔ کارکردگی اور فلاح و بہبود۔ بسیار جہتی تجارت کا کیس، آزادانہ تجارت کے لیے ضروری شرائط۔ بہترین دوم کا نظریہ۔ بارِ ثبوت۔ سماجی بنام معاشی اشیاء۔ خلاصہ۔

حصہ سوم۔ وسائل کا بین الاقوامی تعین، نظامِ ٹیکس، اور ہجرت

13 - بین الاقوامی نظامِ ٹیکس: صفحہ: 286 تا 302
سرکاری مالیات کی مبادیات۔ سرکاری فعل اور نسبتی فائدہ۔ ٹیکس کے نظاموں میں اختلافات کا اثر۔ 1: تجارت قومی زمین، غیر متحرک عامل۔ 2۔ تجارت، بین اقوامی زمین، غیر متحرک عامل۔ 3۔ کرنسیوں میں فرق اور عامل کی حرکات۔ خلاصہ۔

14 - محنت کی بین الاقوامی نقل و حرکت: صفحہ: 303 تا 324
بین الاقوامی محنت بازار۔ محنت کی نقل و حرکت کے نمونے۔ یورپ کا محنت بازار۔ کیا ہجرت سے اس ملک کو فائدہ پہنچتا ہے جو لوگوں کو باہر بھیجتا ہے۔؟ کیا باہر سے لوگوں کے آنے سے ملک مستفید ہوتا ہے۔؟ ہجرت کی عالمی پالیسی، تکنیکی امداد۔ نقل و حرکت کی آزادی اور سماجی ہم آہنگی۔ خلاصہ

حصہ چہارم۔ تطبیق کا عمل

15 - تطبیق کا نظامِ قیمت: صفحہ: 326 تا 345
متغیر شرح مبادلہ۔ فاضل مانگ اور رسد کے قوس۔ شرح مبادلہ میں گراوٹ۔ مارشل۔ لرنر شرط۔

مارشلی جیومیٹری۔ غیر مستحکم توازن۔ لچک سے متعلق رجائیت و قنوطیت۔ شرائطِ تجارت اور شرح کی گراوٹ۔ جزوی بنام کامل لچکیں۔ بدلتی قیمتیں اور جامد شرحیں۔ خلاصہ۔

16 - آمدنی میں تبدیلیاں اور بین الاقوامی تجارت : صفحہ: 346 تا 369

مفروضہ، درآمد کا تفاعل۔ ریاستہائے متحدہ کے رجحانات۔ برآمدات اور قومی آمدنی۔ مضروب فیہ، ایک بند معیشت میں۔ غیر ملکی تجارت کا مضروب فیہ۔ نہ بچت نہ سرمایہ کاری۔ غیر ملکی تجارت کا مضروب فیہ بچت۔ آمدنی کی تبدیلیاں اور میزانِ ادائیگی۔ غیر ملکی اثرات۔ درآمد کرنے کے لیے مختلف رجحانات کا جوڑ۔ زری رسد۔ خلاصہ۔

17 - آمدنی اور قیمت کا باہمی ردِ عمل۔ صفحہ: 370 تا 388

مفروضات۔ میزان ادائیگی سکّہ کی قیمت میں (سرکاری) کمی کے آمدنی اثرات۔ کامل روزگار کے تحت شرح کی گراوٹ۔ تخفیف شرح مبادلہ، ڈھانچائی افراطِ زر اور آمدنی کی دوبارہ تقسیم۔ لچکیلی مبادلہ شرحیں اور متوازن تجارت۔ صلاحیت پیداوار میں تبدیلی۔ بیرونِ ملک آمدنی اور قیمت میں تبدیلیاں۔ لچکیں بنام انضمام۔

18 - انتقال کا عمل۔ صفحہ: 389 تا 423

عملِ انتقال کی راہیں۔ کلاسیکی طریقہ۔ بہاؤ۔ کلاسیکی نظر۔ جدید نظریہ۔ سیالیت بڑھانے کے لیے زری قرض لینا۔ شرائطِ تجارت اور انتقال۔ شرائطِ تجارت آمدنی میں تبدیلیاں۔ شرائطِ تجارت اور رسد کی لچکیں۔ شرائطِ تجارت پر بحث کا خلاصہ۔ مرغی یا انڈا۔ انتقال — حقیقی دنیا میں۔ خلاصہ۔

حصۂ پنجم - حرکاتِ سرمایہ

19 - قلیل مدتی حرکاتِ سرمایہ۔ صفحہ: 425 تا 456

حرکاتِ سرمایہ کی اقسام۔ قرض کے قلیل مدتی کاغذات اور ان کے حامل۔ قلیل مدتی حرکات اور زر۔ زر میں بنیادی اور ثانوی تبدیلیاں۔ تجارتی بینکوں کا رول۔ زر کا بازار۔ مختلف امکانات۔ قلیل مدتی سرمایہ، سٹہ اور سود کی شرح۔ استحکام کش حرکات۔ استحکامی فنڈ۔ ریاستہائے متحدہ کے استحکامی فنڈ۔ سونے کو بے اثر و بے ثمر بنا دینے کا عمل میسل بھوتہ۔ زرِ مبادلہ میں مرکزی بینک کے مستقبل کے سودے۔ مبادلہ کنٹرول۔ کاغذی معیار کے تحت

سرمائی حرکات۔ اعداد و شمار پر مبنی تشریحات۔ خلاصہ۔

20 ۔ طویل مدت والا تمسکاتی سرمایہ۔ صفحہ: 457 تا 486

طویل مدتی قرض۔ بیرونی اور گھریلو سرمایہ کاری۔ قرض دینے کے اداراتی نمونہ۔ سرکاری کنٹرول۔ استحکامی قرضے۔ درآمد کے لیے قرض دینا۔ بندھے ہوئے قرضے۔ قرضوں کے پروجیکٹ کی بنیاد۔ سرمایہ جذب کرنے کی صلاحیت۔ سائیکلی اثرات کو زائل کرنے والے قرضے۔ قرض دینے کا سائیکلی نمونہ۔ جمع ہوتے جانے والے قرضے۔ سود ادھار لینے کی ضرورت۔ خدمت قرض کا تناسب۔ خلاصہ۔

21 ۔ براہِ راست سرمایہ کاری۔ صفحہ: 487 تا 512

براہ راست سرمایہ کاری کا نظریہ۔ اجارہ دارانہ مسابقت۔ سرمایہ کار ملک کا میزانِ ادائیگی۔ میزبان ملک کی میزانِ ادائیگی پر پڑنے والا اثر۔ کم ترقی یافتہ ممالک کا استحصال۔ بین اقوامی کارپوریشن۔ کارکردگی اور شہرت۔ قومی پالیسیوں کو ہم آہنگ بنانا۔ خلاصہ۔

22 ۔ بین حکومتی معاشی امداد۔ صفحہ: 513 تا 548

معاشی امداد۔ تعریف کا مسئلہ۔ قرضہ۔ بیٹہ، باہمی امداد اور فوجی راحت UNRRA کی اور اس کے بعد امداد۔ برآمد۔ درآمد بینک اور اینگلو امریکن سمجھوتہ۔ ٹرومین کا فلسفہ اور مارشل پلان۔ فوجی امداد اور دفاعی سہارا۔ تکنیکی تعاون اور ترقیاتی امداد۔ بین حکومتی امداد کے مسائل۔ امداد بعض مقاصد کے لیے دی جائے یا عام شکل میں؟۔ امداد کی مناسب رقم۔ بالواسطہ مدد۔ امداد کی شرطیں۔ قرضے بنام گرانٹ۔ دو فریقی بنام علاقائی بنام بین الاقوامی انصرام۔ بار امداد کی تقسیم۔ خلاصہ۔

حصہ ششم

میزانِ ادائیگی کا توازن اور بین الاقوامی زری انتظامات

23 ۔ بیرونی زر مبادلہ کا بازار۔ صفحہ: 550 تا 574

بیرونی مبادلہ بازار کے کام۔ بین الاقوامی بے باقی۔ قرض کی فراہمی۔ یورو۔ ڈالر بازار۔ باڑھ بندی کا کام۔ فرقی تجارت۔ بیرونی شرح مبادلہ۔ مداخلت کی اقسام۔ غیر ملکی مبادلہ بازار

اور میزانِ ادائیگی۔ خلاصہ۔

24۔ میزانِ ادائیگی۔ صفحہ: 575 تا 599

مقاصد۔ تعریف۔ معاشی لین دین۔ میزانِ ادائیگی کا حساب کتاب۔ کل میزان کے اندر میزانیں۔ اشیائی تجارت میزان۔ رواں کھاتے کی میزان۔ بنیادی میزان۔ باقاعدہ سودوں کی میزان۔ سرکاری سودوں سے بے باق شدہ میزان۔ اختیاری بنام ترمیمی مدیں۔ بنک کاری بنام تاجر۔ اعداد و شمار۔ قرضداری کی میزان۔ خلاصہ۔

25۔ توازن میں خلل اندازیاں۔ صفحہ: 600 تا 625

توازن۔ مساواتِ قوتِ خرید کا فلسفہ۔ بنیادی عدم توازن۔ عدم توازن کی قسمیں۔ افراطِ زر۔ تجارت میں رکاوٹ کے بعد زیادتیٔ شرح۔ آمدنی کا سائیکلی راستہ۔ آمدنی لچکوں کا رول۔ سائیکلی اتار چڑھاؤ کا ارتقار پذیر نمونہ۔ طویل عدم توازن۔ تکنیکی تبدیلی۔ اشیائی سطح پر ڈھانچائی عدم توازن۔ ڈھانچائی عدم توازن۔ عوامل کی سطح پر۔ ضرورت سے زیادہ سرمائی حرکات۔ خلاصہ۔

26۔ عدم توازن کو صحیح کرنے کے قومی اور بین الاقوامی طریقے۔ صفحہ: 626 تا 646

نیم اصلاحی اقدامات تقسیم خرچ میں ترمیم یا خرچ میں تبدیلی۔ داخلی اور خارجی توازن۔ زرئی اور تحصیلی پالیسی۔ عام توازن میں تبدیلی۔ مالیاتی عدم توازن۔ مالیات کے ذرائع۔ بین الاقوامی زرئی فنڈ۔ طویل مدتی سرمائی کھاتے کے ذریعہ ادائیگیوں کو متوازن کرنا۔ مطابقت اور مالیاتی کارروائی کی لاگتیں۔ خسارے اور بیشی والے ممالک کے مابین عدم توازنوں کی لاگتوں نیز ذمہ داری کو تقسیم کرنا۔ خلاصہ۔

27۔ بین الاقوامی زرئی انتظامات۔ صفحہ: 647 تا 670

مطابقت، سیالیت، اور اعتماد۔ غیر ملکی مبادلہ کا لچکیلا پن۔ کناڈائی لچکیلی شرح۔ کرنسی کا مثالی علاقہ۔ جامد شرح مبادلہ کا نظام۔ سیالیت کے لیے مناسب زر ردز؟۔ اعتماد۔ ٹریفن منصوبہ۔ زر روا کائیاں۔ مالکانہ بنام مستعار زر ردز اور بحران۔ سیالیت اور بین اقوامی مالیاتی میانہ روی۔

خلاصہ۔

28 - بین الاقوامی معاشی نظام۔ صفحہ: 671 تا 683
کلاسیکی نظام - قومی آمدنی کو بیشترین کرنا - بین الاقوامی معاشی نظام کی تعمیر - قومی امدادیات میں تال میل پیدا کرنا - تحریر دستور بنام ارتقاء - بین الاقوامی معاشی ارتباط و یکجہتی قومی بنام بین الاقوامی پالیسی - خلاصہ۔

ضمیمے

ضمیمہ A برائے باب 2 : رسدِ عوامل، ٹکنالوجی اور امکانات پیداوار صفحہ: 684 تا 691

ضمیمہ B برائے باب 2 : مال - قیمت برابر کرنا - صفحہ: 692 تا 700

ضمیمہ C برائے باب 3 : پیداواری امکانات کے قوس اور نقشۂ بے نیازیٔ صرف کے ساتھ پیش کش قوس کا تعلق صفحہ: 701 تا 708

ضمیمہ D برائے باب: 7 مثالی ترلیف۔ صفحہ: 709 تا 712

ضمیمہ E برائے باب: 8 کوٹہ کا اجارائی اثر صفحہ: 713 تا 715

ضمیمہ F برائے باب: 15 مارشل لرنر شرط صفحہ: 716 تا 725

ضمیمہ G برائے باب: 16 غیر ملکی تجارت کے مضروب فیہ صفحہ: 726 تا 735

ضمیمہ H برائے باب: 23 آمدہ مبادلہ بازار صفحہ: 736 تا 744

دیباچہ

تربیت دینے والوں کی دھیمی مگر قابل فہم فرمائش کے پیش نظر چوتھے ایڈیشن کی ترتیب میں تبدیلی کی گئی ہے۔ میزان ادائیگی کی بنیاد پر گذشتہ من مانی تنظیم کو اب ترک کر دیا گیا ہے۔ کتاب بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کی گئی ہے جن میں سے ہر ایک کے تین جز ہیں۔ ان میں ایک حصہ بین الاقوامی تجارت کے ایک تعلیمی عرصے کے لیے ہے اور دوسرا بین الاقوامی زرّی مسائل کے واسطے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میزان ادائیگی کے باب کو جو پہلے بعض طلبا کے لیے راستے کا پتھر ثابت ہوا کرتا تھا باب 2 کے عرفاً مقام سے ہٹا کر پیچھے پہنچا دیا گیا ہے۔ دوسری تبدیلیاں کم ترقی یافتہ ممالک کے لیے نظریہ تجارت اور کمرشل پالیسی پر واضح ابواب کا اضافہ ہے۔ ایک باب معاشی یک جہتی پر بڑھایا گیا ہے۔ مبادلہ کنٹرول پر علیحدہ باب کو ختم کر دیا گیا ہے اور اس کے مواد کو عدم توازن پر بحث میں ملا دیا گیا ہے۔ میری رائے میں ان تبدیلیوں سے بحث کی ترتیب زیادہ منظم، منطقی، اور قابلِ فہم ہو گئی ہے۔ جس استاد کو صرف ایک تعلیمی کورس کا درس دینا ہے وہ اپنی دلچسپیوں اور ضروریات کے مطابق کام کرے گا۔ میری ذاتی رائے جس لائق ہے اس کے اعتبار سے ایسا تعلیمی کورس چودہ ابواب پر مشتمل ہونا چاہیے۔ اور اس میں ابواب 24، 23، 18، 17، 16، 15، 12، 11، 8، 7، 4، 3، 2 اور 27 کو خاص طور پر شامل کیا جانا چاہیے۔

اس نئی ترتیب کے فوائد کو کسی حد تک میزانِ ادائیگی کے توازن اور بین الاقوامی مالیاتی میانہ روی پر بحث میں سنک آمیز تعصب کے داخلے نے کم کر دیا ہے۔ بقول سیموئلسن ایسی ’ذاتی سنک‘ جسے ان کے خیال میں اس طرح کے کاموں میں کوئی جگہ نہیں دی جانی چاہیے۔ تاہم پورے کام میں یہ مقصد سامنے رہا ہے کہ بین الاقوامی تجارت اور مالیات کے نظریہ میں جو بھی پیش رفت ہوئی ہے اسے میں جس حد تک بھی سمجھ سکا ہوں اس کتاب میں شامل کیا جائے۔ بین الاقوامی فنڈ اور بینک کے خالص اداراتی بیان کو تجزیہ پر زیادہ توجہ دینے کی

غرض سے کم کیا گیا ہے۔

بحث کی سطح اونچی رہی ہے لیکن ریاضی کا استعمال صرف مارشل۔ لرنر شرط اور بین الاقوامی تجارت کے مضروب فیہ سے متعلق ضمیموں میں ہی کیا گیا ہے جنھیں اس ایڈیشن کے لیے پروفیسر ملتیادس چاچولیادس نے تیار کیا ہے۔ اس کا سبب اتنا بازار کی ضرورت نہیں رہی ہے جتنا کہ استعداد کی کمی۔ میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں کہ اعلیٰ تعلیم کے طالب علم کو اور آگے بڑھ کر تخیلی تراکیب پر کام کرنا چاہیے تاہم میں سمجھتا ہوں کہ جیومیٹری کے ذریعہ منظری طریقہ کار تواریخی اور بین الاقوامی مسائل پر بحث کے میدانوں میں آج بھی ایک اہم مقام حاصل ہے۔ یہ ایک طالب علم کو مضمون میں معقول سطح کی مہارت حاصل کرنے کی استعداد پیدا کرتا ہے۔ اور ایک ایسی بنیاد تیار کر دیتا ہے جہاں سے کوئی ماہر طالب علم آگے کی باریکیوں میں بآسانی داخل ہو سکتا ہے۔

ستمبر 1967 سی۔ پی۔ کے

باب 1 بین الاقوامی معاشیات کا مطالعہ

بین الاقوامی تجارت اور معاشیات

بین الاقوامی تجارت کا مطالعہ شروع کرنے والا طالب علم بجا طور پر یہ سوال کر سکتا ہے کہ اس موضوع کو معاشیات کی علاحدہ شاخ کیوں قرار دیا جاتا ہے؟ زر اور بنک کاری، معاشیات محنت اور نظریۂ قیمت سب ہی کو مضمون کے نمایاں حصے قرار دینے کی معقول وجہ ہے۔ تاہم بین الاقوامی تجارت کے میدان میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عام معاشی اصولوں کو صرف ایک خاص ڈھنگ سے استعمال کیا گیا ہے۔ بین الاقوامی تجارت 'وسائل کے استعمال' اور 'مبادلہ' سے متعلق مسائل پر عنصری معاشیات میں بحث کی جا سکتی ہے اور اس کے زر و آمدنی والے حصہ پر معاشیات کلاں میں۔ پس کیوں نہ اس مضمون کی جداگانہ حیثیت کو ختم کیا جائے۔؟

یہ ایک معقول سوال ہے اور اس کے کئی جواب ہو سکتے ہیں۔ مثلاً بین الاقوامی تجارت کو نمایاں حیثیت اس لیے دی جاتی ہے کہ (1) ایسا کرنا ایک پرانا دستور ہے۔ (2) حقیقی دنیا میں بین الاقوامی معاشی سوالات بہت سے فوری اور اہم مسائل کو سامنے لاتے ہیں۔ (3) بین الاقوامی تجارت اور داخلی تجارت کے قوانین اور ضابطے ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور (4) بین الاقوامی تجارت کا مطالعہ علم معاشیات کے بارے میں ہماری سمجھ بوجھ کو روشنی دیتا ہے اور اس میں اضافہ کرتا ہے۔

بین الاقوامی تجارت کی روایات

آج کی دنیا میں ذہنی انقلاب کی رفتار تیز ہے اس لیے بہت سے طلبا یہ کہہ سکتے ہیں کہ صرف روایات کو برقرار رکھنے کی خواہش بین الاقوامی تجارت کے علاحدہ مطالعہ پر بہت زیادہ مجبور نہیں کر سکتی۔ اس خواہش کو پورا کرنے کے لیے معاشی فکر کی تاریخ میں بین الاقوامی تجارت کو الگ رکھنا اور اس کے بارے میں آدم اسمتھ، ریکارڈو، مِل، اور مارشل کے نظریات کو جان لینا ہی کافی ہوگا۔ اس کے علاوہ سویڈن کے جدید معاشی برٹل اوہلن نے ثابت کر دیا ہے کہ بین علاقائی اور بین اقوامی

تجارت میں درحقیقت کوئی فرق نہیں ہے پھر کیوں نہ بین الاقوامی کو بین علاقائی معاشیات میں شامل کر لیا جائے۔

لیکن واضح رہے کہ بین الاقوامی تجارت کی جداگانہ حیثیت کا انحصار صرف نظریاتی بحث پر نہیں ہے۔ معاشیات کو سیاسی فلسفے سے سماجی سائنس میں ڈھالنے کے لیے حقائق اور اعداد و شمار کی ضرورت تھی ہے۔ شروع میں ان اعداد و شمار کو حاصل کرنے کے صرف دو ذرائع تھے۔ شہروں اور گاؤں کے الگ الگ بازار اور بادشاہوں کی کسٹم چوکیوں کے ریکارڈ۔ بازار سے ملنے والے اعداد و شمار کو یکجا کر کے معاشی صورت حال کی پوری تصویر بنا لینا ممکن نہ تھا کیونکہ تمام بازاروں کے بارے میں جانکاری نہ مل پاتی تھی۔ داخلے کے بندرگاہوں پر جمع کی گئی معلومات کی مدد سے صرف بیرونی تجارت کا خاکہ تیار کیا جا سکتا تھا۔ غیر قانونی درآمد اور برآمد کے سبب پیدا ہونے والے فرق کو چھوڑ کر یہ خاکہ ٹھیک ہی ہوتا تھا۔ پس بیرونی تجارت سے متعلق اعداد و شمار اس مواد کا پہلا سرچشمہ تھے جس کو معاشیات میں تجرباتی تحقیقات کے لیے استعمال کیا گیا۔ اس کے علاوہ معاشی عناصر میں آپسی تعلق کا مطالعہ قومی سطح پر شروع ہونا چاہیے، کیونکہ صرف یہی ایک ایسی اکائی ہے جس کے بارے میں ہمارے پاس حسب ضرورت اعداد و شمار ہوتے ہیں۔

بین الاقوامی معاشی مسائل

لیکن بین الاقوامی معاشیات کا مطالعہ ایک علاحدہ مضمون کے طور پر کرنے کے لیے دوسری اور زیادہ اہم وجوہات موجود ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ بین الاقوامی معاشیات اور دوسرے مضامین کی تفصیلات ایک ہی جیسی ہوں لیکن اپنی اہمیت کے اعتبار سے وہ یقیناً ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ زر و بنک کاری، اجرت اور قیمت معاشیات کی ان تین علاحدہ شاخوں کو ہی لیجیے جن سے ہم نے مقابلہ کا آغاز کیا تھا۔ ان سے متعلق مسائل کا حل قومی سطح کی نسبت بین الاقوامی میدان میں کہیں زیادہ مشکل ہوتا ہے۔

زر اور بنک کاری میں بین الاقوامی مسائل زیادہ پیچیدہ ہوتے ہیں۔ یہ بات بالکل واضح ہے۔ کچھ ملکوں میں جیسے ارجنٹائن ہندوستان اور ترکی میں زر مبادلہ کا بحران کافی سنگین اور پرانا ہے اور کچھ دوسرے ممالک جیسے برطانیہ میں اتفاقی اور عارضی یورپ کے ملکوں کے میزانِ ادائیگی میں دس سال تک متواتر بیشی رہی مگر 1963 کے تقریباً بیت جانے پر انھیں کبھی بیشی کبھی کمی کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے لیے میزانِ ادائیگی کا صحیح تصور کیا ہوگا اور مصنف کی

رائے میں حتمی طور پر یہ کہنا دشوار ہے کہ یو۔ایس۔اے کی بیرونی تجارت میں وہ خسارہ فی الواقع ہے بھی یا نہیں جس کے بوجھ تلے عام خیال کے مطابق امریکہ دبا جا رہا ہے۔ یہ مسائل واضح کرتے ہیں کہ عالمی سطح کی نسبت کسی ایک ملک کے اندر راد انگیزیوں میں کہیں زیادہ ٹھہراؤ ہوتا ہے۔

[illegible] کے
اعتبار سے وہ ان مشکلات سے مختلف ہوتی ہیں جن کا سامنا بین الاقوامی تجارت کے میدان میں کرنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر نیو انگلینڈ کے سوتی ملوں میں کام کرنے والوں کا کیرولینا زاور جنوب کے دوسرے علاقوں کے مزدوروں سے مقابلہ رہتا ہے مگر وہ اُن کی اجرتوں میں اضافے کی پرزور حمایت کرتے ہیں۔ لوہے کی صنعت میں مزدوروں کی یونین جو سمجھوتے کرتی ہے ان میں ایک ہی جیسے کام کے لیے اجرتوں میں کسی علاقائی فرق کو گوارا نہیں کیا جاتا۔ ٹیمسٹرز یونین ٹرک ڈرائیوروں کے لیے پورے ملک میں اجرتوں کو یکساں کرانا چاہتی ہے۔ لیکن یو۔ایس۔اے میں ایسی مثالیں بہت ہی کم ملتی ہیں۔ ملک کے دوسرے حصوں میں ایک ہی پیشے میں لوگوں کو کیا ملتا ہے مقامی طور پر نہ تو مزدور اس بارے میں عام طور پر بیدار ہیں اور نہ ہی اس سے کوئی دلچسپی رکھتے ہیں۔ اس کے برعکس بین الاقوامی تجارت کے میدان میں ہم دوسرے ملکوں کی "کنگال محنت" سے غیر پسندیدہ مقابلہ کی شکایت برابر سنتے رہتے ہیں۔

قیمتوں سے متعلق بین علاقائی مسائل زیادہ تیزی اور کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ کسان برابری کے خواہاں ہوتے ہیں۔ شہری لوگ رہن سہن کی اونچی لاگت کے بارے میں تشویش کا شکار رہتے ہیں۔ ہنگامی حالات میں قیمتوں کے طرز عمل کو بدلنے کے لیے ان پر کنٹرول لاگو کر دیا جاتا ہے۔ لیکن عالمی سطح پر تو قیمتیں شاید ہی کبھی مناسب و معقول تصور کی جاتی ہیں۔ پسماندہ ملکوں کو شکایت ہے کہ ابتدائی چیزوں پر جنھیں وہ فروخت کرتے ہیں نفع کم ملتا ہے۔ ان کا مطالبہ ہے کہ ان چیزوں کی قیمت (وہ برازیل کی کافی ہو یا چلی کا تانبہ، ملایا کا ربر یا ٹن ہو یا کچھ اور) مناسب اور منصفانہ ہونی چاہیے۔

ہمارے سامنے بڑا دلچسپ منظر ہوتا ہے۔ اگر پسماندہ ملک بگڑی ہوئی شرائط تجارت (ان قیمتوں کا آپسی رشتہ جن پر وہ خریدتے اور بیچتے ہیں) کے بارے میں فکرمند ہیں تو ساتھ ہی ترقی یافتہ ممالک خاص طور پر برطانیہ اپنے کاروبار کی شرائط کو خطرناک حد تک غیر موافق سمجھتے ہیں۔

اوپر پیش کی گئی دلیلیں فیصلہ کن نہیں ہیں تاہم یہ خیال بے بنیاد نہیں کہا جا سکتا کہ ایک ہی حکومت کے دائرۂ اختیار میں رہنے والے معاشی مسائل کے مقابلے میں ممالک کے مابین ابھرنے والے مسائل کی نوعیت مختلف اور ان کا حل زیادہ دشوار ہوتا ہے۔

بین الاقوامی مسائل بڑے پیچیدہ ہوتے ہیں اور ان کو سلجھانا آسان نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ ان کے بدلتے رہنے کا ایک الگ انداز ہے۔ 1920 سے شروع ہونے والے دس سالوں میں سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ جرمنی اتحادیوں کو جنگ کا ہرجانہ کیسے ادا کرے اور اتحادی یو۔ ایس۔ اے کا جنگی قرضہ کس طرح واپس کریں۔ 1930 کی دہائی میں سب سے بڑا مسئلہ روزگار کا ہوگیا۔ اس مسئلہ کا بین الاقوامی پہلو یہ تھا کہ کسی ملک کو اپنی بیروزگاری دوسرے ملکوں میں پھیلانے سے کیسے روکا جائے دوسری بڑی جنگ کے بعد بین الاقوامی معاشی مسئلہ پھر بدلا۔ چالیسویں دہائی کے آخری برسوں میں یورپ اور مشرق بعید کے ملکوں کی دوبارہ تعمیر کا مسئلہ درپیش تھا۔ 1950 کی دہائی میں تجارت کی توسیع اور مبادلہ زر کی بحالی توجہ کا مرکز بنے۔ ساٹھویں دہائی کے آخر میں تو گوناگوں مسائل کا گویا ڈھیر ہی لگ گیا۔ جنگ کے بعد سے 1957 تک ڈالر کی کمیابی کو نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ اب اس کی جگہ یو۔ ایس۔ اے کے میزان ادائگی میں رونما ہونے والے خساروں نے لے لی۔ یورپ (بغیر بالشمول برطانیہ) وسطی اور لاطینی امریکہ، یورپا افریقہ، مشرق وسطیٰ وغیرہ کے مختلف علاقوں میں ترقی پذیر ممالک کے درمیان معاشی تعاون کے مسائل سامنے آئے۔ ترقی یافتہ اور پسماندہ ممالک کے بیچ تجارت اور اس کی راہ میں حائل رکاوٹوں کا مسئلہ پیدا ہوا۔ اس سلسلہ میں ایک بات قدرے دلچسپ ہے۔ ترقی یافتہ ممالک نے اپنے درمیان تجارت پر رکاوٹوں کو کافی کم کر دیا ہے۔ لیکن کم ترقی یافتہ ملکوں سے آنے والی اشیاء کی راہ میں ان کے یہاں رکاوٹی دیواریں آج بھی پریشان کن حد تک اونچی ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ان ہی ملکوں کی معاشی امداد کے لیے ترقی یافتہ قومیں بڑے بڑے وعدے کرتی ہیں۔ پھر موجودہ عالمی زری نظام کو بہت سے معاشی، ساہوکار، اور سیاستداں کسی نہ کسی پہلو سے غیر تسلی بخش سمجھتے ہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اس نظام کو کس طرح ایسا روپ دیا جائے جس سے اس کے بارے میں تشویش کچھ کم ہو۔

بین علاقائی بنام بین الاقوامی تجارت

بین علاقائی اور بین الاقوامی تجارت میں وہ کونسا فرق ہے جو ان دونوں میں پیدا ہونے والے معاشی مسائل کی نوعیت اور شدت میں پائے جانے والے اختلافات کو واضح کر سکے؟ بین الاقوامی اور گھریلو تجارت کے اصول اور ضابطے کیوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں؟

ان سوالوں کے مختلف جواب دیے گئے ہیں اور کوئی ایک جواب ضروری نہیں ہے کہ دوسرے

جواب کی کاٹ ہی کرتا ہو۔ پرانے زمانے کے ماہرینِ معاشیات نے وسائل پیداوار ـــــ زمین، محنت اور سرمایہ ـــــ کے بین علاقائی اور بین الاقوامی طرزِ عمل میں فرق کو امتیاز کی بنیاد قرار دیا۔ بعض لوگوں کی رائے میں زر اور نظامِ زر کے اختلافات دونوں کو الگ کرتے ہیں۔ نئے حریت پسند لفظ 'حریت پسندی' کو ایک خاص مفہوم دیتے ہوئے بین الاقوامی تجارت میں سرکار کی مداخلت کو بنیادی معاملہ سمجھتے ہیں۔ سیاسی نظریہ کے مطابق وجہ اختلاف قومی استحکام کے تقاضے ہیں۔

بہرحال اہم بات یہ ہے کہ بین علاقائی اور بین الاقوامی تجارت کے اس پہلو کو واضح کیا جائے جو ان دونوں کو باقی معاشیات سے علاحدہ کرتا ہے۔ ان دونوں موضوعات میں اہم چیز علاقہ ہے۔ عمومی توازن کا نظریہ عام طور پر یہ تاثر دیتا ہے کہ گویا قومی معیشت پورے علاقے میں کسی ایک نقطہ پر قائم ہے اور بہت سی مختلف معیشتیں ایک دوسرے کے پاس الگ الگ نقاط کی شکل میں ہیں۔ ایسی صورت میں اشیاء اور خدمات بنا لاگت حرکت کرتی ہیں اور عمومی توازن سے متعلق بحث کا یہ بنیادی مفروضہ سمجھا جاتا ہے۔ بین علاقائی اور بین الاقوامی تجارت کے بیان میں یہ دکھایا جاتا ہے کہ ایسا نہیں ہے یہاں بہت سے مقاصد کے لیے بنا لاگت حرکت کا مفروضہ عمومی توازن کے نظریہ نے مستعار لیا جاتا ہے لیکن اور بہت سے معاملات میں اس کو کھلے طور پر ایک طرف رکھ دیا جاتا ہے۔ چھٹے باب میں ہم قیمتوں، اشیاء کی نقل و حرکت، اور صنعت کے 'قیدِ مقام' پر جگہ کے اثرات کا جائزہ لیں گے۔

عوامل کی صلاحیتِ نقل و حرکت

بین الاقوامی اور گھریلو تجارت کے فرق کو واضح کرنے کے لیے پرانے معاشیوں نے پیداواری عوامل کے طرزِ عمل پر کافی زور دیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ ملک کے اندر تو محنت اور سرمایہ حرکت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن عالمی سطح پر یہ صلاحیت مفقود ہوتی ہے۔ اگر ہم جغرافیائی صلاحیت حرکت کو نظر انداز کر کے معاملہ کو استعمال کے اعتبار سے دیکھیں تو کسی ملک کے اندر زمین تک متحرک دکھائی دیتی ہے۔ مثال کے طور پر آراضی کے ایک ہی ٹکڑے کو حسب خواہش کبھی گیہوں اگانے اور کبھی مویشی پالنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ امکان اس میں محدود حرکت پیدا کر دیتا ہے۔

ملک کے اندر عوامل پیداوار کی حرکت پذیری کو اس لیے اہمیت دی جاتی تھی کہ اس کی وجہ سے ...یں عوامل کا م... ...ضہ تقریباً یکساں رہتا تھا لیکن عالمی سطح پر اس صلاحیت کے فقدان کی وجہ

فرانس میں ایک جیسی ہونے کی توقع کی جاسکتی تھی لیکن اجرت کی اس سطح کا ان ہی جیسے جرمن یا اطالوی برطانوی یا آسٹریلیائی مزدوروں کی سطح اجرت سے کوئی تعلق ہونا ضروری نہیں تھا۔ اگر کسی بنکر کو پیرس کی نسبت لیونز میں زیادہ اجرت ملتی تو پیرس سے بنکر اتنی تعداد میں لیونز جانے لگتے کہ وہاں اجرتیں کم اور پیرس میں زیادہ ہونے لگتیں اور یہ عمل دونوں مقامات پر اجرتوں کے لگ بھگ یکساں ہوجانے تک جاری رہتا۔ اس کے برعکس لیونز اور میلان، درسڈن مانچسٹر، یا نیو بڈفورڈ کے ... درمیان ایسی کوئی قوتیں کارفرما نہیں ہوتیں جو اس یکسانیت کو قائم رکھ سکیں۔ ان شہروں میں بنکروں کی اجرتوں کا تعین بالکل آزادانہ طور پر ہوتا ہے اور وہ ایک دوسرے پر اثر ڈالے بغیر گھٹ بڑھ سکتی ہیں۔ زمین اور سرمایہ کے بارے میں ملک کے اندر عوامل کے معاوضوں میں یکسانیت اور ملکوں کے بیچ ان میں فرق کی موجودگی کو بھی حقیقی تصور کیا جاتا تھا۔

آج خیال کیا جاتا ہے کہ پرانے معاشیوں نے ایجنٹوں کی قومی اور عالمی حرکت پذیری کو الگ کرنے میں زیادہ سختی سے کام لیا ہے۔ عوامل عالمی سطح پر بھی حرکت کی کچھ صلاحیت رکھتے ہیں۔ امریکہ میں دوسرے ملکوں سے آکر بسنے والوں کی کافی اہمیت رہی ہے۔ موجودہ دور میں آسٹریلیا، ارجنٹائنا، اور اسرائیل کی معاشی زندگی ایسی چند مثالیں پیش کرتی ہے جن میں دوسرے ملکوں سے آ بسنے والوں نے اہم کردار ادا کیا ہے نہیں جس کو اب امر کہتے ہیں اور اکی میں بہت سے یورپی ملکوں کی معاشی زندگی میں ترکِ وطن ایک عنصر رہا ہے خاص طور پر آئرلینڈ لیکن جنگ کے بعد کے دور میں ترکِ وطن کا سب سے زیادہ دلچسپ رخ غالباً بڑے پیمانے پر ہونے والی وہ نقل وحرکت ہے جس سے چالیس لاکھ مزدور متاثر ہوئے۔ یہ لوگ بحیرۂ روم کے ممالک پرتگال، اسپین، جنوبی اٹلی اور ترکی سے نکلے اور شمالی پہاڑوں کو پار کرکے جرمنی، فرانس، سوئٹزرلینڈ وغیرہ میں جابسے۔ 1966 میں کساد بازاری کی وجہ سے یورپ میں ترقی کی رفتار کافی دھیمی پڑگئی جس کی وجہ سے یہ نقل وحرکت کمزور ہوگئی۔ تاہم اس میں کوئی نمایاں تبدیلی پیدا نہیں ہوئی اور اسی بنا پر آج ہم ایک معنی میں یورپی محنت بازار کا تصور کرسکتے ہیں۔

عالمی سطح پر ہی نہیں ملکوں کے اندر بھی نقل وحرکت کی راہ میں کافی رکاوٹیں موجود ہوتی ہیں۔ اوپر دی گئی پیرس اور لیونز کی مثال زیادہ صحیح نہیں ہے کیونکہ فرانسیسی طبعاً ایک سے دوسرے مقام پر جاکر بسنا پسند نہیں کرتے۔ امریکہ میں لوگ بڑی تعداد میں ترکِ سکونت جنگ جیسے محرکات کے زیر اثر ہی کرتے ہیں پہلی عالمی جنگ کے زمانے میں اور اس کے فوراً بعد ادیو، مشیگن، اور الی نائس پر جنوب سے حملے ہوئے اور لوگ کافی بڑی تعداد میں کیلیفورنیا اور ٹکساس کی جانب چلے گئے۔ ایسا ہی دوسری عالمی جنگ

کے دوران بھی ہوتا تاہم بڑے پیمانے پر افراد کی نقل و حرکت عام نہیں ہے۔

یہ کہنا غالباً صحیح ہوگا کہ بین علاقائی اور بین الاقوامی نقل و حرکت کی صلاحیت کی شدت میں فرق ہوتا ہے۔ اور عام طور پر لوگ اندرون ملک نقل کرنا زیادہ پسند کریں گے بہ نسبت ملک کے باہر جانا۔ ملک کے مختلف علاقوں میں زبان۔ رواج اور روایات میں یکسانیت ہونا ضروری نہیں تاہم دوسرے ملکوں کی بہ نسبت اندرون ملک اس کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔

سرمایہ بھی ممالک کی نسبت اندرون ملک زیادہ متحرک ہوتا ہے تاہم ملک کے اندر بھی اس کی نقل و حرکت رکاوٹوں سے پورے طور پر مبرا نہیں ہے۔ شرح سود میں عام طور پر علاقائی فرق پائے جاتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ملکوں کے بیچ سرمایہ بالکل ہی غیر متحرک نہیں ہے۔ حصہ چہارم میں ہم دیکھیں گے کہ ایک سے دوسرے ملک میں سرمایہ جانے سے کیا صورت حال سامنے آتی ہے۔

اس بحث کے باوجود قومی اور عالمی سطحوں پر عوامل پیداوار یکساں طور پر حرکت پذیر نہیں ہوتے جس حد تک ان میں فرق ہوتا ہے اسی لحاظ سے بین الاقوامی تجارت کے اصول بھی مختلف ہوتے ہیں۔ اگر نیو انگلینڈ کے خالص اون کے کپڑوں کی مانگ جنوب کے مصنوعی اونی ملاوٹ والے کپڑوں کے حق میں بدل جائے تو سرمایہ اور محنت دونوں وہاں سے جنوب میں منتقل ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس اگر فرانسیسی ریشم کی مانگ کم اور۔۔۔ ریشم کی مانگ زیادہ ہو جائے تو فرانس سے اٹلی کی جانب سرمائے اور محنت کی ایسی حرکت رونما نہ ہوگی۔ ایسی صورت میں ضروری تبدیلی کے لیے دوسرے طریقۂ کار کی حاجت پڑتی ہے۔

مختلف کرنسیاں

عام انسان کے لیے گھریلو اور بین الاقوامی تجارت میں خاص فرق یہ ہے کہ آخر الذکر میں مختلف ممالک کی کرنسیوں کا استعمال ہوتا ہے۔ ڈالر کیلیفورنیا میں اتنا ہی مقبول عام ہے جتنا مینا من میں۔ سوئس اب تک بیسل سرکار کا سکّہ ہے لیکن وہاں سے صرف چند میل پر واقع اسٹراسبرگ (فرانس) یا فرائی برگ (جرمنی) سے اشیاء خریدنے کے لیے تب ہی استعمال کیا جا سکتا ہے جب اسے فرانسیسی فرینک کا جرمن مارک میں تبدیل کر لیا جائے۔

بہر حال اگر ذرا باریکی سے دیکھا جائے تو صاف ظاہر ہے کہ زیادہ اہم کرنسیوں کا فرق نہیں بلکہ ان کی آپسی شرح مبادلہ کے بدل جانے کا امکان ہے۔ جب سوئٹزرلینڈ، بلجیم اور فرانس لاطینی زری یونین کے ممبر تھے اور بیلون فرینک ایک کے بدلے ایک کی شرح پر آپس میں بدلے جا سکتے تھے اس وقت کوئی بھی شخص زیادہ تر

وہ کچھ خریدنے والا ہی نہ ہو) اس بارے میں شاذ ہی کوئی دلچسپی رکھتا تھا کہ اس کے پاس تینوں میں سے کونسا فرینک ہے۔ یہ صحیح ہے کہ خریداری کے وقت اس فرینک کا پاس ہونا ضروری تھا جسے چیز کو فروخت کرنے والا قبول کرنے کو تیار ہو لیکن اگر (i) شرح مبادلہ پہلے سے مقرر ہو (ii) سکے آپس میں بنا روک ٹوک بدلے جا سکیں، اور (iii) ان دونوں صورتوں کے لینے دینے کی امید ہو تب کرنسیوں کا اختلاف بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔

— بین الاقوامی تجارت کا یہ پہلو صاف طور پر سرمایہ کی حرکت پذیری سے تعلق رکھتا ہے۔ یو۔ ایس۔ اے میں سرمایہ کی آزادانہ نقل و حرکت کا سبب یہ ہے کہ فلوریڈا سے من سوٹا تک ڈالر صرف ڈالر ہے اور کچھ بھی نہیں (گو 1932 اور 1960 کے ڈالر قوت خرید کے لحاظ سے مختلف ہیں)۔ ملک کے اندر سرمائے کی نقل و حرکت زیادہ ہونے کی اور بھی وجوہات ہیں۔ مثلاً قرض دینے اور لینے والے دونوں ایک ہی قانون کے پابند ہوتے ہیں اس لیے قرضوں کی وصولیابی آسان ہو جاتی ہے لیکن قابلِ ذکر فائدہ یہ ہے کہ زر سے متعلق تمام اندیشے اور شبہات مٹ جاتے ہیں۔ کرنسیوں کی شرح مبادلہ میں تبدیلی سرمائے کی نقل و حرکت کو متاثر کر سکتی ہے بعض حالات میں یہ حرکت بڑھ جائے گی۔ مثلاً جرمن فارک کے بدلے زیادہ برطانوی پونڈ ملنے کی امید برطانوی سرمائے کو جرمنی جانے پر اکسائے گی۔ مجموعی طور پر غیر ملکی کرنسیوں کی قیمت میں رد و بدل کا اندیشہ لوگوں میں سرمائے کو ملک ہی میں رکھنے کا رجحان پیدا کرتا ہے لیکن مستحکم شرحوں کے ایک طویل دور کے بعد سرمایہ دنیا میں گھومنے پھرنے کے لیے زیادہ دلیر ہو جاتا ہے اور اس کی گھریلو اور بین الاقوامی حرکت پذیری تقریباً ایک سی ہو جاتی ہے۔

طلائی معیار میں مبادلہ شرحیں مقرر رہتی ہیں اور ان میں تبدیلی کی گنجائش بہت کم رہ جاتی ہے۔ اگر دنیا کی سبھی کرنسیاں طلائی معیار پر ہوں تو مبادلے کی شرحیں (جیسا کہ بعد میں زیادہ تفصیل سے بیان کیا جائے گا) مستحکم رہیں گی۔ اس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ بین الاقوامی تجارت میں فرق درحقیقت مختلف کرنسیوں کے وجود سے نہیں بلکہ غیر ملکی شرح مبادلہ کے بارے میں مختلف ممالک کی پالیسیوں میں اختلاف کے سبب پیدا ہوتا ہے۔

مختلف قومی پالیسیاں

واضح رہے کہ جن معاملات میں مختلف ممالک الگ الگ راہوں پر گامزن ہوتے ہیں ان میں سے شرح مبادلہ صرف ایک ہے۔ کسی کرنسی کی داخلی قوتِ خرید اور اس کی بیرونی شرح مبادلہ میں گہرا تعلق ہوتا ہے قوت خرید زری و بنک کاری پالیسیوں، سرکاری قرضوں کے انتظام، سرکاری خرچ اور ٹیکس کے طریقوں سے

متاثر ہو سکتی ہے۔ لیکن بین الاقوامی تجارت میں مداخلت کی غرض سے حکومتیں درآمد و برآمد پر ٹیکس کی پالیسی، کوٹہ سسٹم، برآمد کرنے والوں کو مالی امداد دینے اور دیگر پابندیوں کا استعمال بھی کر سکتی ہیں۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حکومتیں ملک کے مختلف علاقوں کی معاشی زندگی میں مخل نہیں ہوتیں۔ بلاشبہ ایسا بھی ہوتا ہے تاہم فرق یہ ہے کہ یہ مداخلت عام اصولوں کی صورت اختیار کرتی ہے۔ ملک کے باشندے ان اصولوں سے یکساں طور پر متاثر ہوتے ہیں اور ان کے اثرات میں جغرافیائی اختلاف محض اتفاقی ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جیسا کہ حریت پسند معاشی ہمیں بتاتے ہیں، بین الاقوامی تجارت میں قومی پالیسی کا مدعا جغرافیائی فوائد کا حصول ہوتا ہے۔

اپنے مطلب کی وضاحت ہم تدریجی ٹیکس کی مثال سے کر سکتے ہیں۔ اگر ہم کسی ملک میں تدریجی ٹیکس کے اصولوں پر عمل کریں اور یہ قانون بنا دیا جائے کہ آمدنی میں اضافے کے ساتھ ٹیکس میں نسبتاً زیادہ اضافہ ہوگا تو اس کے علاقائی اثرات ضرور مرتب ہوں گے۔ مالدار علاقے اپنی آمدنی کے مقابلہ میں کل ٹیکس کا زیادہ حصہ دیں گے اور غریب علاقے کم لیکن آمدنی پر لگایا جانے والا تدریجی ٹیکس اپنے اثرات کے لحاظ سے اس تدریجی ٹیکس سے بالکل مختلف ہے جو علاقوں میں امتیاز کرتا ہے۔ پہلی صورت میں مالدار علاقے کا غریب شخص اتنا ہی ٹیکس ادا کرے گا جتنا اس کی برابر آمدنی والا شخص غریب علاقے میں۔ دوسری صورت میں پہلے شخص کا ٹیکس دوسرے کے ٹیکس سے زیادہ اس کے برابر یا اس سے کم ہو سکتا ہے۔ ان میں سے کونسی صورت رونما ہوگی اس کا انحصار علاقوں کے بیچ ٹیکس کے بار کی تقسیم پر ہوگا۔ بین الاقوامی تجارت میں خود مختار قوموں کی پالیسیاں الگ الگ قومی اکائیوں کو صرف اکائی کی حیثیت سے ہی متاثر کرتی ہیں جبکہ ملک کے عوام پر لاگو قوانین سے مختلف علاقے صرف ثانوی طور پر متاثر ہوتے ہیں۔

قدرے پرانے حریت پسندوں کے پاس اس استدلال کا جواب موجود تھا۔ بین الاقوامی معاشی رشتوں کے میدان میں اگر جملہ قومی پالیسیاں ایک جیسی ہوتیں تو مختلف ممالک پر ان کے اثرات کے فرق کی نوعیت تقریباً ایسی ہی ہوتی جیسے اثر میں اس فرق کی جو ایک ہی پالیسی کے نتیجہ میں کسی علاقے کے مختلف حصوں پر پڑتا ہے۔ پس ان آزمودہ کھرے ضوابط اور سچے اصولوں کے سلسلہ میں جو سالہا سال کے تجربہ کی دین ہیں سرکار کو عدم مداخلت کی پالیسی اختیار کرنی چاہیے۔ یہ اقدام طلائی معیار۔ چھوٹے اور متوازن بجٹ اور آزادانہ تجارت ہوتے تھے۔ عدم مداخلت کی پالیسی صرف تجارت پر لاگو ہوتی تھی۔ زرعی اور مالیاتی میدانوں میں ٹھوس اقدام اٹھانے کی ضرورت تھی۔ اگر ان ضابطوں کی پابندی کی جاتی اور سرکار دخل اندازی سے پرہیز کرتی تو تجارت فرموں اور صارفین کے درمیان بغیر کسی قومی امتیاز کے ہوا کرتی۔ فرانس کے گیہوں

بازار' کا تصور بے کار ہوتا کیونکہ فرانس اور کسی دیگر قوم کے خریداروں کے بیچ امتیاز کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔

جداگانہ بازار

بہرحال سرکاری مداخلت کے علاوہ بھی بعض وجوہات سے قومی بازاروں کی حیثیت اکثر جداگانہ ہوجاتی ہے۔ کبھی کبھی ان کے علاحدہ وجود کا سبب قومی مفاد کے پیشِ نظر بنائے گئے قوانین ہوجاتے ہیں۔ برطانیہ میں لوگ بائیں ہاتھ پر گاڑی چلاتے ہیں اور فرانس میں دائیں ہاتھ پر۔ حکومت ٹریفک میں حفاظت کے پیشِ نظر آمد ورفت سے متعلق ان احکامات کو جاری کرتی ہے۔ کار میں اس رُخ پر بیٹھنا جو مخالف سمت سے آنے والے ٹریفک کے سیلاب کی طرف رہتا ہے زیادہ مناسب ہے اس لیے اہل برطانیہ دائیں جانب بیٹھ کر چلائی جانے والی کاروں کا استعمال کرتے ہیں اور فرانسیسی بائیں جانب بیٹھ کر چلائی جانے والی گاڑیوں کا۔ بیرونی بازار میں موٹریں بیچنے کے لیے ڈیزائن میں کئی طرح کی تبدیلیاں درکار ہوتی ہیں اس کی وجہ سے پیداوار کی رفتار کچھ سست ہوجاتی ہے۔ لاگتیں بڑھ جاتی ہیں اور کسی حد تک بازار بھی الگ ہوجاتے ہیں۔

زبان' رواج' دستور' عادت' ذوق اور امتیاز کے بہت سے دیگر اسباب کی وجہ سے بھی بازار الگ الگ ہوجاتے ہیں۔ مثلاً پیمانے مختلف ہوتے ہیں۔ کچھ چیزیں انچوں' منٹوں' پاؤنڈ اور چھوٹے ٹنوں کی رو سے ڈیزائن کی جاتی ہیں اور کچھ میٹرک پیمانوں کے مطابق۔ ان ممالک تک میں جہاں میٹرک پیمانوں کا استعمال نہیں ہوتا ایک ہی چیز کے لیے مختلف پیمانے استعمال کیے جاتے ہیں۔ امریکن تیل کو 'بیلرز ان' میں ناپتے ہیں اور برطانیہ والے 'فی سال چھوٹے ٹن' میں۔ ان بے شمار چیزوں کے بارے میں جانکاری حاصل کرنے کے لیے جن کا ذکر مختلف الفاظ میں کیا جاتا ہے' جن کے پیمانے مختلف ہوتے ہیں' اور جو مختلف شرائط پر نیز مختلف کرنسیوں میں خریدی اور بیچی جاتی ہیں۔ برآمد ودرآمد کی تجارت کو گھریلو بازار کی تہذیب سے باہر نکلنا ہوگا۔

سیاسی اعتبار سے مختلف اکائیاں

بازاروں کے بیچ ان تہذیبی امتیازات نے جو مختلف قومی پیمانوں کی عدم موجودگی میں بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ سیاسیات کے ماہرین کو ممالک کی فطرت کا قریبی جائزہ لینے کی جانب مائل کیا ہے۔ یہ بات ہمیں غالباً سب سے اہم امتیاز کی طرف لے آتی ہے۔ کوئی بھی ملک اپنے آپ کو ایک سیاسی اکائی میں منظم کرتا ہے۔ اس مقصد میں اس کی کامیابی کی وجہ اس کے شہریوں اور رعایا میں باہمی یکسانیت اور تعلق کا احساس ہوتا ہے۔ قومی طرزِ عمل کے دھارے سے انحرافات کی صورت میں اوپر سے تھوڑا بہت تادیبی دباؤ

استعمال کیا جا سکتا ہے تاہم کسی مرکزی طاقت کا وجود ضروری ہے ورنہ ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ اپنی تصنیف Invertebrate Spain == 1921 میں اورٹیگا گیسیٹ نے اس نکتہ پر بڑا زور دیا تھا اور بتایا تھا کہ علاقائی نفرت، طبقاتی لڑائی، اور انفرادی شکوک کے تخریبی عناصر نے کس طرح 1930 کی دہائی میں کمزور مرکزی حکومت کو زیر و زبر کر دیا تھا اور خانہ جنگی کو ہوا دی تھی۔

علاقائی احساس برتری موجود ہو سکتا ہے ٹیکساس، کیلیفورنیا اور ریاست ہائے متحدہ کے نسبتاً چھوٹے علاقوں کے رہنے والوں میں یہ احساس نمایاں طور پر پایا جاتا ہے لیکن اگر کوئی ملک پھل پھول رہا ہے تو اس طرح کا احساس مزاح یا جذبات کا موضوع تو ہو سکتا ہے فیصلے اور کارروائی کا نہیں۔ افراد جن گروہوں سے تعلق رکھتے ہیں ان کے سماجی پس منظر ـــــ خاندان، شہر، چرچ، رہائش گاہ، سیاسی پارٹی، پیشہ، کالج، صوبہ اور علاقہ ـــــ مختلف ہوتے ہیں لیکن ان کو بنیادی وفاداری قوم کے ساتھ ہوتی ہے اور ہر ایک دیگر جغرافیائی وفاداری کی حیثیت صرف ثانوی ہوتی ہے۔

قومی گروہ میں یہ ہم رنگی ہمیں ذوق اور رواج کے ان قومی اختلاف کو واضح کرنے میں مدد دیتی ہے جو قومی بازاروں کو الگ الگ کر دیتے ہیں۔ اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ معاشی پالیسیاں قومی ہوتی ہیں۔ حکومت کی ذمہ داری قومی گروہ کے تئیں ہوتی ہے۔ گو حریت پسند فارمولوں میں یہ دیگر ممالک کے افراد یا ایک عالمی ضابطہ کی بعض ذمہ داریاں بھی قبول کرتی ہے۔ انیسویں صدی میں یہ بات اتنی زیادہ صحیح نہیں تھی جتنی آج ہے کیونکہ قومیت کا احساس بڑھتا جا رہا ہے، اور پرانی عالمی برادری ٹوٹتی جا رہی ہے۔ اکثر یہ بات کہی جاتی ہے کہ بڑے مختلف ممالک کے baute bourgeoisie. اور یا درمیانی طبقے ـــــ کے افراد سو سال پہلے ذہنی طور پر جتنا ایک دوسرے کے نزدیک تھے اتنا قرب انھیں اپنے ملک کے کامگار طبقے سے نہیں تھا۔ ایسے حالات میں ایک بین الاقوامی ضابطہ عمل کا وجود ممکن تھا۔ آج یہ ناممکن ہے۔ بین علاقائی اور بین اقوامی تجارت کے بیچ فرق یہ ہے کہ بین علاقائی تجارت ایک ہی گروہ کے لوگوں میں ہونے والی تجارت ہوتی ہے جبکہ ملکوں کے درمیان ہونے والی تجارت مختلف یک رنگ گروہوں کے بیچ ہوتی ہے۔ اسی بات کو سو سال پہلے فریڈرک لسٹ نے ان الفاظ میں بیان کیا تھا "گھریلو تجارت ہمارے اپنے درمیان ہوتی ہے۔ بین الاقوامی تجارت ہمارے اور ان کے بیچ ہوتی ہے۔"

فرق کو بیان کرنے کا یہ ایک طریقہ ہے اور ایسا طریقہ ہے جو بین الاقوامی معاشیات اور بین الاقوامی سیاسیات کے بیچ کی کڑیوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ لیکن دوسرے طریقے بھی موجود ہیں اور یہ زیادہ مثبت اور امید افزا ہیں۔ بین الاقوامی معاشیات کا کام معاشی رشتوں کے لیے اگر ہو سکے تو ایسی بنیاد کا پتہ لگانا ہے جو ایک پُرامن

دُنیا کے بہت سے ٹکڑوں کے درمیان اطمینان بخش ثابت ہو سکے۔ ترقی یافتہ ممالک کے شمالی اٹلانٹک کے سماج میں، مغرب میں ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کے باہمی رشتوں میں، یا مشرق و مغرب کے معاملات میں، ترقی یافتہ اور ترقی پذیر جملہ ممالک کے مابین غرض جہاں ہم چاہیں اس رائے کا اطلاق وہیں کیا جا سکتا ہے۔

قومی معاشی زندگی

داخلی طور پر کم و بیش سیاسی ہم رنگی کی حامل قومی اکائیوں کے بیچ معاشی رشتوں سے متعلق بین الاقوامی معاشیات کے تصور کو خود انفرادی اکائیوں کے بدلتے ہوئے کردار کے بارے میں حاصل شدہ قیمتی جانکاری کو بالکل ہی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ یہ نکتہ ہمیں کسی حد تک اس ابتدائی نظریہ کی طرف واپس لے آتا ہے کہ ہمارے پاس قومی اکائیوں کے بارے میں تو ضروری اعداد و شمار ہوتے ہیں لیکن اسے تشکیل کرنے والے علاقوں کے بارے میں نہیں لیکن یہ نکتہ اور بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

یہ ایسی دنیا ہے جہاں دوسری عالمی جنگ کے بعد کے برسوں میں قومی آزادی کو ایک نیا عروج حاصل ہوا ہے۔ سیاسی آزادی کے ساتھ ساتھ معاشی خود کفالت اور خودداری کی مانگ میں اضافہ ہوا ہے اور مطالبہ زیادہ تر منصوبوں اور معاشی ترقی کی امید کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ بڑھتی ہوئی پیداوار، سرمایہ سازی، اور صرف قومی اکائیوں کی جستجو کی منزل بنے ہوئے ہیں۔ بین الاقوامی تجارت کا مطالعہ ہمارے اندر یہ سمجھنے کی صلاحیت کسی حد تک ضرور پیدا کرتا ہے کہ کیا ہو رہا ہے۔ دیگر حالات میں معاشی نشو و نما کیسے ہوا ہے اور آج معاشی تبدیلیوں کی جو ہوا چل رہی ہے اس سے دنیا کے دیگر ممالک پر کس طرح کے اثرات مرتب ہونے کا امکان ہے۔

معاشی ترقی میں ریاستہائے متحدہ کی دلچسپی دنیا کے نئے ابھرتے ہوئے ممالک کے بارے میں بالواسطہ فکر تک ہی محدود نہیں ہے۔ معاشی نشو و نما کا عمل بوسیدگی اور زوال کے آخری مدارج تک پہنچا ہے۔ بعض حلقوں میں ہو سکتا ہے اس امکان کے بارے میں سوچنا بھی معیوب تصور کیا جائے کہ کبھی یہ ملک دنیا کی سب سے زیادہ مالدار اور طاقتور ترین قوم نہ رہ سکے گا۔ لیکن (تاریخ شاہد ہے کہ) دوسرے ملکوں کو اس بارے میں اپنا اندازِ فکر بدلنا پڑا ہے۔ برطانیہ کو خاص طور پر اپنی معاشی دنیا اور سیاسی پوزیشن میں تبدیلی کا سامنا کرنا پڑا ہے اس بات کا امکان ہے کہ سماجی، سیاسی اور معاشی ارتقا کے وہ قوانین جو زوال کی منزل تک لے جاتے ہیں ہمارے ملک کے بارے میں بے عمل ہو جائیں گے۔ بین الاقوامی تجارت کے نظریہ میں ایسے سبق موجود ہیں جو ہمیں یہ سکھاتے ہیں کہ کوئی ملک دنیا میں اپنی پوزیشن (بدلنے کے ساتھ) کے ساتھ کیسے ہم آہنگی پیدا کرنے کی بہترین راہ اختیار کر سکتا ہے۔

معاشی اور سیاسی اکائی کی توسیع

آج اگر ایک طرف افریقہ، ایشیا، لاطینی امریکہ اور مشرقِ وسطیٰ میں سیاسی اور معاشی جذبۂ قومیت پروان چڑھ رہا ہے۔ وہاں دوسری جانب یورپ اور شمالی امریکہ میں قومی مفاد کے معنیٰ میں پرانے ملل اپنی بیشتر اہمیت کھو چکے ہیں۔ فرانس کسی حد تک پرانی ڈگر پر قائم ہے لیکن یورپ کے چھوٹے ممالک اور بڑی حد تک اٹلی اور جرمنی اب قومی حدود کو بڑا تنگ تصور کرتے ہیں۔ برطانوی دولت مشترکہ کے معاشی روابط کا شیرازہ بکھر جانے کے بعد برطانیہ ایک بڑی معاشی اکائی میں داخل ہونے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ ریاستہائے متحدہ، کناڈا اور مغربی یورپ سب تنظیم برائے معاشی تعاون و ترقی کی معاشی ساجھے داری میں شریک کار ہیں اور 1967 کے کنیڈی راؤنڈ میں ترغیبوں کو کم کر دیا ہے۔ بین الاقوامی کارپوریشن جو تمام تر پیداوار ایک ہی ملک میں کیا کرتی تھیں آج ان کا دائرۂ نظر روز بروز بڑھ کر تمام دنیا تک پھیل گیا ہے۔ اور انھوں نے یورپ، جاپان اور کم ترقی یافتہ ممالک میں پیداواری سہولتوں کو تشکیل کیا ہے بین الاقوامی تنظیموں کے ملازمین، قومی حکومتوں کے باہم تعاون کرنے والے افسران اور معاشی رشتوں میں بندھے ہوئے تجارتی عہدیدار نئے بین الاقوامی سماج میں نئے مشترک عناصر کو جنم دے سکتے ہیں۔

ایسی دنیا میں جہاں نیشنل ازم زور پکڑ رہا ہے انٹرنیشنل ازم بڑھ رہا ہے یا دونوں ہی میں اضافہ ہو رہا ہے بین الاقوامی معاشیات معاملہ فہمی اور بات چیت کا ایک اہم اوزار ہے۔

کتاب کی اسکیم

اس کتاب کے گذشتہ ایڈیشنوں کی تنظیم کسی اصول کے تحت نہیں کی گئی تھی۔ ان میں کچھ ترتیب و تسلسل میزانِ ادائیگی کے بعد دکھائی دیتا تھا۔ اس موضوع پر بیرونی زرِمبادلہ کے بازار اور عمل مطابقت کے موضوعات کے ساتھ اس ابتدائی باب کے فوراً بعد بحث کی گئی تھی۔ تاہم وقت کے ساتھ ساتھ یہ ترتیب بڑی بے اصولی اور من مانی ثابت ہوئی اور موجودہ ایڈیشن میں کافی تبدیلی کی گئی ہے۔ ...

اس کتاب میں پہلے بین الاقوامی معاشیات کے عنصری معاشی پہلوؤں —— تجارت کا خالص نظریہ اور تجارتی پالیسی کے نظریہ پر بحث کی گئی ہے اور پھر احتجاجی معاشی پالیسی پر یعنی —— عمل مطابقت، سرمائی حرکت، میزانِ ادائیگی اور بین الاقوامی نظام زر پر۔ تھوڑی سی تشریحی دشواری اس معنیٰ میں سامنے آتی ہے کہ مثال کے طور پر ترغیبوں کے میزانِ ادائیگی سے متعلق پہلو پر بحث عمل مطابقت کا جائزہ لینے سے پہلے

کرنا ضروری ہو جاتا ہے لیکن منطقی صورت میں ہونے والے فائدہ کے مقابلہ میں اس وقت کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ حصہ اول میں جو اس باب کے بعد شروع ہوتا ہے تجارت کے خالص نظریہ اور اس پر ٹیکنولوجی معاشی ترقی، اور نقل وحمل کی لاگتوں میں ہونے والی تبدیلیوں کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ حصہ دوم میں تجارتی پالیسی پر بحث کی گئی ہے۔ حصہ سوم میں دو ایسے مخصوص مسائل پر غور کیا گیا ہے جنھیں بین الاقوامی معاشیات کی کسی کتاب میں عام طور پر شامل نہیں کیا جاتا لیکن جن کی اہمیت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ مسائل بین الاقوامی ٹیکسوں اور محنت کے ترکِ وطن (ہجرت) سے متعلق ہیں۔ اسی کے ساتھ کتاب کا پہلا نصف حصہ جسے عنصری معاشیات کے خانے میں رکھا جا سکتا ہے مکمل ہو جاتا ہے۔ دوسرے نصف حصہ میں معاشیات کلاں کے مسائل پیش کیے گئے ہیں اور اسے بھی تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ حصہ چہارم عمل مطابقت پر ہے حصہ پنجم سرمائے کی حرکات پر اور حصہ ششم میزانِ ادائیگی اور بین الاقوامی زری انتظامات پر۔

خلاصہ

بین الاقوامی معاشیات علم معاشیات کی ایک پرانی شاخ ہے۔ اس کے علیحدہ مطالعہ کے لیے روایت سے زیادہ ٹھوس بنیاد موجود ہے۔ گھریلو یا بین علاقائی تجارت سے یہ درجے میں مختلف ہے۔ عوامل ملکوں کے بیچ اتنے حرکت پذیر نہیں ہوتے جتنے ایک ہی ملک کے مختلف علاقوں کے درمیان ہوتے ہیں۔ اس لیے آخر الذکر صورت میں عوامل کے معاوضوں میں بھی زیادہ یکسانیت رہتی ہے۔ ذوق ولپسند، رہتی رواج اور عادات کی وجہ سے قومی بازار علاقائی بازاروں سے بہت زیادہ مختلف ہوتے ہیں۔ لیکن بین الاقوامی تجارت بین علاقائی تجارت سے نوعیت کے اعتبار سے بھی الگ کی جا سکتی ہے۔ یہ تجارت مختلف سیاسی اکائیوں کے درمیان ہوتی ہے جن میں سے ہر ایک اکائی کی خود مختار حکومت ہوتی ہے جو اپنی اکائی کی فلاح وبہبود کی ذمہ دار اور نگراں ہوتی ہے۔ اس کی وجہ سے زر، مبادلہ، تجارت، اجرت، اور ایسے ہی دیگر میدانوں میں قومی معاشی پالیسیاں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔

بین علاقائی اور بین الاقوامی دونوں ہی لوپ کی تجارتوں کا تعلق فاصلے کی وجہ سے پیدا ہونے والے مسائل سے رہتا ہے۔ علاقوں کے بیچ تجارت کے مقابلہ میں قوموں کے مابین ہونے والی تجارت کے ریکارڈ بہت زیادہ دستیاب ہیں اس وجہ سے پیچیدہ معاشی، سیاسی اور سماجی اکائیوں کے ارتقاء اور زوال کے مطالعہ کے لیے اول الذکر زیادہ بہتر مضمون ثابت ہوتا ہے۔

حوالہ جاتی نوٹ

ہر ایک باب کے آخر میں مزید مطالعہ کے لیے تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ ان تجاویز کو نوعیت کے اعتبار سے تقسیم کیا گیا ہے تاکہ ایک ہی مواد پر بحث کی مختلف سطحوں ـــــ سہل اور مشکل دونوں ـــــ کے بیچ امتیاز کیا جا سکے، اس کے بعض حصوں کے زیادہ عمیق جائزہ کی طرف طالب علم کی رہنمائی کی جا سکے اور متن میں دیے گئے مخصوص نکات کے حوالہ جات فراہم کیے جا سکیں۔ (کیونکہ کوئی ذیلی نوٹ نہیں دیے گئے ہیں)۔ یہ تقسیم 'درسی کتب'، 'تحقیقی رسائل وغیرہ' اور 'نکات' کے زمروں پر مشتمل ہے کیونکہ ماہرین معاشیات قیمت کے بارے میں خاص طور پر متفکر رہتے ہیں اس لیے پیپر بیک (نرم جلد والے) ایڈیشنوں پر خاص توجہ دی گئی ہے جنھیں ممکن ہے طالب علم اپنی لائبریری کے لیے لینا چاہیں۔ وہ پانچ درسی کتابیں جن کا حوالہ اکثر مصنف کے نام سے دیا جاتا ہے یہ ہیں۔

Delbert A Snidor, Introduction to International Economics 4th. edition, Housewood III, Richard D.Irwin Inc 1967

یہ موجودہ کتاب سے ذرا کم مشکل کتاب ہے۔

Leland B Yeager International Monetary Relations,(New York. Harpar and Row Publishers, 1966) یہ کتاب تقریباً اتنی ہی مشکل ہے جتنی موجودہ کتاب لیکن اس میں مواد کے مالیاتی حصہ پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔

M.O.Clement, R.L.Pfisher and K.J.Rothwell, theoretical issues in International Economics(Boston:Houghton Mifflin Co., 1967).

اس میں بعض موضوعات پر زیادہ گہری نظر ڈالی گئی ہے۔

Murrey C.Bemp,The Pure Theory of International Trade(Englewood Cliffs.N.I. Prectice Hall Inc 1964)

یہ ایک اونچی تکنیکی سطح پر بحث کرتی ہے اور اس میں ریاضی کا استعمال زیادہ کیا گیا ہے۔

Jaroslav Vanek, International Trade Theory and Economy Policy (Home Wood III: Riccard D Irwin Inc 1962).

یہ بھی کافی اونچی سطح کی کتاب ہے۔

تحقیقی رسائل کے تحت بعض کتابوں کا حوالہ بار بار دیا گیا ہے جنھیں کوئی طالب علم یا طالبہ اپنی ذاتی لائبریری میں شامل کرنے پر غور کرسکتا/کرسکتی ہے (اگر وہ بین الاقوامی معاشیات کا اور گہرا مطالعہ کرنا چاہے تو) اور جن سے کسی یونیورسٹی یا کالج کی لائبریری کو محروم نہیں رہنا چاہیے۔ ان کتابوں میں مندرجہ کتب شامل ہیں۔

American Economic Association, Readings in the theory of, International Trade, (Homewood III:Richard D. Irwin IncFormerly Phildetphia: The Blockxiotao Co.,), 1949).

American Economic Association, Readings in International Economics(Housewood III Richard D.Irein Inc 1967).

ان دونوں جلدوں میں وقتاً فوقتاً شائع ہونے والے ادب سے بہترین مضامین کو جمع کیا گیا ہے۔

Richard & Caves, Trade and Economic Structure(Cambridge Mass Harvard University Press, 1960)

G.Haberlev, The Theory of International Trade(London: Macmillan & Co. Ltd: 1937)

Harry G.Johnson, International Trade and Economic Growth(London: George Allen aod Urwin Ltd. 1958).

J.E.Meade, The Thepry of International Economic Policy,(Vol.I,The Balance of Payments(New York, Oxford University press Inc 1951)

J.E.Meade, A. Geometry of International Trade(London:George Allen anu Urwin Ltd. 1952)

J.E.Meade The Theory of International conomic Policy, Vol II Trade and Welfare (New York Oxford University Press Inc 1955

J.Viner, Studies in the Theory of International Trade,(New York: Harper & Bros. 1937)

اہم پیشہ ورانہ رسائل سے دیگر مضامین کا حوالہ ان اختصارات کے ذریعہ دیا گیا ہے۔

AER- American Economic Review

EIF- Essays on International Finance(Princeton)

EJ-Economic Journal(London)

ECOM- Economica(London)

JPE- Journal of Political Economy

MS-The Manchester School

OEP-Oxford Economic Papers

QJE-Quarterly Journal of Economics

RES- Review of Economic Studies(London)

REVS-Review of Economics and Statistics

SP-Staff Papers(of the International Monetary Fund.

فرانز میچلپ کی زیرادارت Essays on International Finance, Studies in special papers in International Finance اور and International Finance شائع کر کے پرنسٹن کے بین الاقوامی مالیات کے شعبہ نے حال کے برسوں میں بین الاقوامی معاشیات میں بڑے اہم ادب کا اضافہ کیا ہے۔ اس میدان میں مضامین کی تلخیص American Economic Association کے شائع کردہ Journal of Economic Abstracts میں ملتی ہے۔ یہ رسالہ ساری دنیاے مختلف موضوعات کے تحت آنے والے مضامین کے خلاصے جمع کرتا ہے اور ان میں ایک موضوع بین الاقوامی معاشیات کا بھی ہے۔

یہاں ہم ایسے بہت سے مضامین کا حوالہ دے سکتے ہیں (کیوں کہ اس کام کے لیے اس کتاب میں اس سے بہتر یا موزوں اور کوئی موقع نہیں ملےگا) جن میں بین الاقوامی تجارت کے نظریہ کو مختصر طور پر پیش اور اس پر تبصرہ کرنے کا کام کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ حال کے برسوں میں اس طرح کے مضامین لکھنے کا رواج عام ہو گیا ہے۔ ان میں سے چند مضامین یہ ہیں۔

LIOYD A Meizter,"The Theory of International Trade" in H.S.Ellis(ed.) A Survey of Contemparary Economics(Philadephia:The Blackistan Co 1948)

تحقیقی رسائل کے تحت بعض کتابوں کا حوالہ بار بار دیا گیا ہے جنھیں کوئی طالب علم یا طالبہ اپنی ذاتی لائبریری میں شامل کرنے پر غور کر سکتا / کر سکتی ہے (اگر وہ بین الاقوامی معاشیات کا اور گہرا مطالعہ کرنا چاہے تو) اور جن سے کسی یونیورسٹی یا کالج کی لائبریری کو محروم نہیں رہنا چاہیے۔ ان کتابوں میں مندرجہ کتب شامل ہیں۔

American Economic Association, Readings in the theory of, International Trade, (Homewood III:Richard D. Irwin Inc Formerly Phildetphia: The Blackistan Co.,), 1949).

American Economic Association, Readings in International Economics(Housewood III Richard D.Irwin Inc 1967).

ان دونوں جلدوں میں وقتاً فوقتاً شائع ہونے والے ادب سے بہترین مضامین کو جمع کیا گیا ہے۔

Richard & Caves, Trade and Economic Structure(Cambridge Mass Harvard University Press, 1960)

G.Haberlev, The Theory of International Trade(London: Macmillan & Co. Ltd: 1937)

Harry G.Johnson, International Trade and Economic Growth(London: George Allen and Urwin Ltd. 1958).

J.E.Meade, The Thepry of International Economic Policy,(Vol.1,The Balance of Payments(New York, Oxford University Press Inc 1951)

J.E.Meade, A. Geometry of International Trade(London:George Allen and Urwin Ltd. 1952)

J.E.Meade The Theory of International Economic Policy, Vol II Trade and Belfare (New York Oxford University Press Inc 1955)

J.Viner, Studies in the Theory of International Trade,(New York: Harper & Bros. 1937)

اہم پیشہ ورانہ رسائل سے دیگر مضامین کا حوالہ ان اختصارات کے ذریعہ دیا گیا ہے۔

AER- American Economic Review

EIF- Essays on International Finance(Princeton)

EJ-Economic Journal(London)

ECOM- Economica(London)

JPE- Journal of Political Economy

MS-The Manchester School

OEP-Oxford Economic Papers

QJE-Quarterly Journal of Economics

RES- Review of Economic Studies(London)

REVS-Review of Economics and Statistics

SP-Staff Papers(of the International Monetary Fund.

فرٹز میچلپ کی زیرادارت Essays on International Finance, Studies in International Finance اور special papers in International Finance شائع کرکے پرنسٹن کے بین الاقوامی مالیات کے شعبہ نے حال کے برسوں میں بین الاقوامی معاشیات میں بڑے اہم ادب کا اضافہ کیا ہے۔ اس میدان میں مضامین کی تلخیص American Economic Association کے شائع کردہ Journal of Economic Abstracts میں ملتی ہے۔ یہ رسالہ ساری دنیا کے مختلف موضوعات کے تحت آنے والے مضامین کے خلاصے جمع کرتا ہے اور ان میں ایک موضوع بین الاقوامی معاشیات کا بھی ہے۔

یہاں ہم ایسے بہت سے مضامین کا حوالہ دے سکتے ہیں (کیونکہ اس کام کے لیے اس کتاب میں اس سے بہتر یا موزوں اور کوئی موقع نہیں ملے گا) جن میں بین الاقوامی تجارت کے نظریہ کو مختصر طور پر پیش اور اس پر تبصرہ کرنے کا کام کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ حال کے برسوں میں اس طرح کے مضامین لکھنے کا رواج عام ہو گیا ہے۔ ان میں سے چند مضامین یہ ہیں۔

LLOYD A Metzler, "The Theory of International Trade" in H.S.Ellis(ed.) A Survey of Contemparary Economics(Philadephia:The Blackistan Co 1948)

Norman S.Buchanan "International Finance" in B.F. Haley(Ed).
A Survey of Contemporary Economics, Vol II(Homewood, III,
Richard DIrwin Inc 195.)

Gottfried Haberler "A Survey of International Trade Theory"
Princeton, Special Papers in International Economics No 1
July 1961.

J.Bhagwati "The Pure Theory of International Trade" EJ March
1964- W.M.Garden "Recent International Trade" Princeton Special
Papers in International Economics, No 7 March 1963.

John S Chipman "A Survey of the Theory of International Trade,
Econometrica, July 1965 and January 1966--

تخیلی اور مشکل ہے۔

ایسے بہت سے کورس ہیں جن میں بین الاقوامی معاشی مسائل پر مقررہ عرصے میں مقالے لکھنے ہوتے ہیں اس لیے اعداد و شمار اور دیگر مواد کے اہم بین الاقوامی ذرائع کی ایک فہرست دینا کارآمد ثابت ہو سکتی ہے۔ بے شک بعض مسائل کے لیے گھریلو اعداد و شمار کی سالانہ جلدیں، سالانہ معاشی رپورٹیں (صدر یا وزیر خزانہ کی) ماہانہ اور سالانہ تجارت اور مالیات کے اعداد و شمار وغیرہ سے مدد لینی چاہیے۔

تازہ ترین اعداد و شمار کے دو اہم سرچشمے ہیں بین الاقوامی زرئی فنڈ (IMF) کا ماہنامہ International Financial Statistics جسے ممالک ترتیب دیتے ہیں اور اقوام متحدہ (Un) کا ماہنامہ Monthly Bulletin of Statistics جس میں بہت سے ملکوں کے بارے میں اعداد و شمار فعل کے اعتبار سے جمع کیے جاتے ہیں۔

بین الاقوامی تجارت کے تفصیلی اعداد و شمار کے بارے میں یو۔این کا ماہنامہ Direction of World Trade. اور اس کی سالانہ جلد Year Book of International Trade Statistics. دیکھی جا سکتی ہیں۔

ان اعداد و شمار کے علاوہ اقوام متحدہ بہت سی سالانہ کارآمد رپورٹیں شائع کرتی ہے اور کبھی کبھی تجزیہ کی سہ ماہی بلیٹن اپنے نیویارک کے صدر دفاتر اور یورپ، لاطینی امریکہ، ایشیا اور مشرق بعید نیز افریقہ کے علاقائی کمیشنوں کے ذریعہ شائع کرتی ہے۔ ان میں سالانہ شائع ہونے والے

World Economic Report. اور Economic Survey of Europe in 196.

خاص طور پر نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

بین الاقوامی مالیاتی مسائل پر The Bank for International Settlement.

1931 سے ہر سال ایک Annual Report شائع کرتا رہا ہے۔

International (GATT) ٹریف وتجارت کے عام معاہدہ میں شامل ہونے والے فریق

Trade, کے نام سے ایک سالانہ رپورٹ شائع کرتے ہیں یہ کام 1952 سے ہر متعلقہ سال کے لیے

کیا جاتا رہا ہے۔

بین الاقوامی معاشیات کے لیے اہم اعداد وشمار کے تشریح وتجزیہ کے لیے ایک نہایت کارآمد

کتاب یہ ہے۔ A.G.D.Allen & J.S.Ely(Eds.) International Trade

Statistics(New York: John Wiley & Sons Inc. 195?)

عالمی معاشی مسائل پر معلومات کے دو نہایت اہم ذرائع بے شک The New York

Times. اور The Economist (لندن کا ہفتہ وار رسالہ) ہیں۔ یہ بات اکثر کہی جاتی رہی ہے کہ

ریاستہائے متحدہ میں آخرالذکر جیسے رسالے کی سخت کمی ہے۔ بین الاقوامی معاشی اور سیاسی معاملات

موقر رائے زنی کرنے والا اور باخبر کوئی ہفتہ وار رسالہ یہاں نہیں ہے۔ لیکن موسم کی طرح اس بارے میں

بھی کوئی شخص اس سلسلے میں کامیاب قدم نہیں اٹھا سکا ہے۔

آخر میں طالب علم اور استاد دونوں ہی کو اس کارآمد اور غور وفکر کی دعوت دینے والے مواد کو

ذہن میں رکھنا چاہیے جو کم از کم ریاستہائے متحدہ میں عدالتی کارروائی کے منبع سے سیلاب کی صورت

میں امڈا آرہا ہے، کانگریس کی کمیٹیوں کے سامنے شنوائی، وہ رپورٹیں جو یہ ادارے طلب کرتے ہیں۔

انتظامیہ سے ملنے والی معلومات (یا پروپیگنڈہ)، لائبریری سے حاصل ہونے والی جانکاری جن میں یو۔

ایس ایوان تجارت اور AFL—CIO جیسے نمائندہ ادارے اور معاشی ترقی کی کمیٹی اور دستورات

دوٹروں کی لیگ جیسے غیر جانبدار گروہ سب ہی حصہ لیتے ہیں۔ ان سب ذرائع کو حقیقت اور رائے

کے لیے اس وقت چھانا جا سکتا ہے۔ جب کوئی قانون کانگریس کے زیر غور ہوتا ہے خاص طور پر کارآمد وہ

شہادتیں اور بیان ہوتے ہیں جو یو۔ ایس معیشت کے بین الاقوامی پہلوؤں پر ریاستہائے متحدہ کی کانگریس

کی جوائنٹ اکنامک کمیٹی کے سامنے دیے جاتے ہیں۔ یہ تمام مواد قیمتی حقائق اور رائے سے بھرا ہوتا ہے

لیکن اس میں اپنے لیے کوئی راستہ ڈھونڈنا مشکل ہوتا ہے۔

مطالعہ کے لیے تجاویز

تحقیقی رسائل وغیرہ

اس موضوع پر اہم کام بی۔ اوہلن کی کتاب ہے Interregional & International Trade. (Cambridge Mass. Harvard University Press, 1933 rev. Ed. 1967) اس نئی راہ کھولنے والے مطالعہ میں یہ نظریہ پیش کیا گیا ہے کہ بین الاقوامی تجارت شاذ ہی بین علاقائی تجارت سے مختلف ہوتی ہے اور اس طرح اس میں بین الاقوامی تجارت کے نظریہ کو پورے طور پر بدل دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

لیونل رابنس کی Economic Planning and International Order (London Macmillan & Co., Ltd: 1937): اس رائے کی نمائندہ ہے کہ بین الاقوامی تجارت میں مسائل سرکاری مداخلت کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں۔

Marina Von Neumann Whitman "International and Interregional Payments Adjustments A Synthetic View" Princeton Studies in International Finance No. 19 (1967) یہ کتاب معیشتوں کے اندر اور ان کے مابین زری مطابقت کے عمل میں فرق کے اختلافات تلاش کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اور ادب کا ایک مفید خلاصہ بھی پیش کرتی ہے۔ ہیبرلر کا باب i اور وینر کا ضمیمہ A بھی دیکھیں۔

حصّہ اوّل

بین الاقوامی تجارت کا نظریہ

باب 2 — بین الاقوامی تجارت کا خالص نظریہ

— رسالہ —

حصہ اوّل کا آغاز ہم سیدھے بین الاقوامی تجارت کے نظریہ سے کریں گے یہ نام نہاد خالص نظریہ ہے۔ اس کا تعلق پیداوار اور مبادلہ کے اُن بنیادی سوالات سے ہے جن پر ہم اشیاء کے باہم تبادلہ کی سطح پر غور کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں تبادلہ کے کام میں زر کے استعمال اور زری مسائل کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ سرمائے کی بین الاقوامی حرکات اور آمدنی کے انتقال پر بھی دھیان نہیں دیا جاتا گو انھیں تجزیہ میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ یہاں زیرِ غور صرف یہ مسئلہ ہے کہ کوئی ملک کن اشیاء کو برآمد اور درآمد کرتا ہے اور ان کی اضافی قیمتیں یعنی شرائطِ تجارت کیا ہوتی ہیں۔ حصہ دوم میں ہم ان رکاوٹوں کا جائزہ لیں گے جو تجارت کی راہ میں حائل ہوتی ہیں اور دیکھیں گے کہ انھیں پورے یا جزوی طور پر دور کرنے کے لیے کیا طریقہ کار استعمال کیا جاتا ہے۔ مختلف قومی کرنسیوں سے متعلق مسائل اور ان کے ایک دوسرے میں بدلنے نیز میزانِ ادائیگی سوالات پر کافی بعد میں بحث کی گئی ہے۔ باب 2 سے شروع ہونے والے چار ابواب میں ہم نے اپنا آدھا وقت اور دو باب اس سوال کے کلاسیکی اور نوکلاسیکی جواب پر صرف کیے ہیں کہ تجارت کن کن اشیاء کی کی جاتی ہے اور کن شرائط پر۔ بعد کے تین ابواب میں زیادہ پیچیدہ جوابات پر غور کیا گیا ہے۔ ان جوابات کی بنیاد ایک دوسرے سے کافی مختلف مفروضے ہیں۔

نسبتی فائدے کا قانون

کلاسیکی معاشیوں نے اپنی بحث کا آغاز اس سوال سے کیا تھا کہ دو ملکوں کے درمیان کن اشیاء کی تجارت ہوگی کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ممالک کے بیچ ہونے والی تجارت کی بنیاد ایک ہی ملک کے اندر ہونے والی تجارت کی بنیاد سے مختلف ہوتی ہے۔ ملک کے اندر کوئی خطہ اسی چیز کو پیدا کرتا ہے جو وہ دوسرے علاقوں کی نسبت سستے طور پر تیار کر سکتا ہے اس کے علاوہ درونِ ملک کسی چیز کی قیمت کا تعین اس کے بنانے میں صرف کی گئی محنت سے ہوتا ہے۔ اگر کسی صنعت کی پیداوار اس پر صرف کی

گئی محنت سے زیادہ قیمت پر فروخت کی جاسکتی ہے تو دیگر پیشوں سے مزدور اس صنعت میں آئیں گے۔ رسد بڑھنے لگے گی یہاں تک کہ قیمت کم ہو کر مذکورہ پیداوار میں صرف کردہ محنت لاگت کے برابر ہو جائیگی اسی طرح اگر کسی چیز کی قیمت اس کے بنانے میں صرف کی گئی محنت سے کم ہوگی تو اس صنعت سے اس وقت تک مزدور دوسری صنعتوں میں منتقل ہوتے رہیں گے جب تک یہ فرق ختم نہ ہو جائے۔ کسی ایک ملک میں اجرتوں کے مساوی ہو جانے کے رجحان کی وجہ سے اشیاء کی قیمتیں ان پر صرف کردہ محنت کے برابر ہو جاتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام پیشوں اور علاقوں میں محنت کا معاوضہ یکساں ہو جاتا ہے۔ اگر مانچسٹر کے مقابلہ میں اجرتیں ادھر میں زیادہ ہوں تو محنت کا انتقال ادھر کے حق میں ہوگا۔ ادھر میں اجرتیں گھٹیں گی اور مانچسٹر میں بڑھیں گی اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک محنت کا معاوضہ مساوی نہیں ہو جاتا۔ مختلف علاقوں میں مزدوروں کے اس طرح پھیل جانے کے بعد کہ ہر جگہ اجرت کی شرح ایک ہو جائے یہ علاقے اُن اشیاء کو پیدا اور ایک دوسرے کو فروخت کریں گے جن کو ہر ایک علاقہ دوسرے علاقوں کے مقابلہ میں سستا تیار کر سکتا ہے۔ ان اشیاء کے معاملہ میں اس کو دیگر علاقوں پر برتری مطلق حاصل ہوگی۔ اور وہ نظریہ جو کسی ملک کے مختلف علاقوں کے مابین وجہ تجارت کی وضاحت کرتا ہے مطلق فائدہ کا یہی نظریہ ہے۔

قیمت کا نظریہ محنت ملک کے اندر ہونے والی تجارت کے سلسلہ میں صحیح ہے مگر قوموں کے بیچ ہونے والی تجارت پر اس کو لاگو نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ کلاسیکی معاشیوں کی رائے میں عوامل پیداوار بین الاقوامی سطح پر حرکت پذیر نہیں ہوتے مثال کے طور پر اگر ریاستہائے متحدہ میں اُجرتیں برطانیہ سے زیادہ اونچی ہیں تو وہ اونچی ہی رہیں گی کیونکہ اس فرق کو مٹانے کے لیے جتنے بڑے پیمانے پر ہجرت کی ضرورت ہوگی۔ اس کا عمل میں آنا ناممکن ہے۔ کلاسیکی معاشیوں کا سوال یہ تھا کہ اُن حالات میں ریاستہائے متحدہ کونسی اشیاء برطانیہ کے ہاتھ فروخت کرے گا اور برطانیہ کونسی چیزیں امریکہ کو بیچے گا۔؟

مان لیجیے کہ دو ملک ہیں اور دو ہی چیزیں۔ اگر ہر ایک ملک دوسرے کے مقابلہ میں ایک چیز زیادہ سستی بنا سکتا ہے یعنی دوسرے ملک سے کم محنت کے ذریعہ جیسا کہ داخلی تجارت میں ہوتا ہے تو ہر ایک ملک کو صرف ایک ہی چیز پیدا کرنے میں فائدہ رہے گا۔ دوسری چیز بنا کر وہ خسارے میں رہے گا پس ہر ایک ملک اس چیز کو برآمد کرنے کا خواہش مند ہوگا جس میں اسے دوسرے پر برتری حاصل ہے۔ اور وہ اس چیز کو باہر سے منگانا چاہے گا جسے پیدا کرنے کے لیے اس کے حالات کم سازگار ہیں۔ نیچے دی گئی مثال سے یہ صورت حال واضح ہو جاتی ہے۔

ایک فرد کی فی ہفتہ پیداوار

پیداوار	ریاستہائے متحدہ میں	برطانیہ میں
گیہوں	6 بوشل	2 بوشل
کپڑا	2 گز	6 گز

اس مثال کی رو سے گیہوں ریاستہائے متحدہ میں کم لاگت پر پیدا ہوتا ہے اور کپڑا برطانیہ میں۔ ریاستہائے متحدہ کو گیہوں کے معاملہ میں فائدہ مطلق حاصل ہے اور کپڑے کی پیداوار میں مطلق خسارہ۔ بس وہ گیہوں برآمد کرے گا اور کپڑا درآمد۔ مثال میں دیے گئے اعداد کی بنیاد پر ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ ن کی باہمی شرح مبادلہ گیہوں کے ایک بوشل کے بدلے تقریباً 1 گز کپڑا ہوگی۔

لیکن مان لیجیے کہ ریاستہائے متحدہ میں گیہوں اور کپڑا دونوں چیزوں کے لیے برطانیہ سے کم عنت درکار ہوتی ہے، مزید فرض کیجیے کہ ریاستہائے متحدہ میں ایک فرد کی محنت سے ہفتہ بھر میں 2 گز ل بجائے 10 گز کپڑا تیار کیا جا سکتا ہے۔ ان مفروضوں کے تحت صورت حال یہ ہوگی۔

ایک فرد کی محنت سے فی ہفتہ پیداوار

اشیاء	ریاستہائے متحدہ میں	برطانیہ میں
گیہوں	6 بوشل	2 بوشل
کپڑا	10 گز	6 گز

صاف ظاہر ہے کہ ریاستہائے متحدہ میں محنت کی کارکردگی برطانیہ سے زیادہ ہے۔ لہٰذا وہاں اجرتیں بھی زیادہ ہوں گی لیکن اجرتوں کے فرق کو دور کرنے کے لیے مزدور برطانیہ سے امریکہ منتقل

اب تجارت مطلق فائدے کے اصول پر نہیں ہو سکتی۔ اس کی جگہ ایک نیا اصول وضع کرنا ہوگا۔ یہ اصول 150 سال پہلے ڈیوڈ ریکارڈو نے پیش کیا تھا اور اسے اضافی فائدے کا اصول کہتے ہیں۔ ریکارڈو نے دیکھا کہ اوپر کی مثال جیسے حالات میں ریاستہائے متحدہ کو گیہوں اور کپڑا دونوں چیزوں میں برطانیہ پر فوقیت حاصل ہے۔ انھوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ایسے حالات میں کوئی ملک اس چیز کو برآمد کرے گا جس میں اس کو اضافی فائدہ حاصل ہوگا اور اس چیز کو درآمد کرے گا جس میں اس کو نسبتاً کم نفع ملے یا اضافی خسارے کا سامنا ہو۔ اوپر کی مثال میں ریاستہائے متحدہ گیہوں برآمد کرے گا اور کپڑا برطانیہ سے منگائے گا اگرچہ وہ دونوں ہی اشیا کو برطانیہ سے سستا تیار کر سکتا ہے۔

اس نتیجہ کے پیچھے کارفرما استدلال کو حسابی طور پر واضح کیا جا سکتا ہے۔ بین الاقوامی تجارت نہ ہونے کی صورت میں گیہوں اور کپڑے کا آپس میں تبادلہ ان صرف شدہ محنت کے لحاظ سے ہوگا۔ اور یہ شرح دونوں ملکوں میں مختلف ہوگی۔ ریاستہائے متحدہ میں گیہوں کے 6 بوشل یا ایک ہفتہ کی محنت سے 10 گز کپڑا خریدا جا سکے گا اور اس حساب سے برطانیہ میں جہاں کارکردگی کم ہے گیہوں کے 6 بوشل پیدا کرنے کے لیے 3 ہفتہ کی محنت درکار ہوگی اور اس لیے اتنے گیہوں کے بدلے وہاں 18 گز کپڑا ملے گا۔ اور ریاستہائے متحدہ کو گیہوں کے 6 بوشل کے بدلے میں 10 گز کپڑے سے زیادہ یعنی فی بوشل $1\frac{2}{3}$ گز سے زیادہ کپڑا دیا برطانیہ میں اس کی قیمت 3 گز فی بوشل تک (کچھ بھی) مل سکے تو ریاستہائے متحدہ فائدے میں رہے گا۔ اس کے برعکس اگر برطانیہ کو فی گز کپڑے کے بدلے $\frac{1}{3}$ بوشل گیہوں سے زیادہ اور ریاستہائے متحدہ میں (تجارت کی عدم موجودگی میں) مروج قیمت $\frac{6}{10}$ بوشل فی گز تک گیہوں کی کوئی بھی مقدار مل سکے تو اسے بھی تجارت سے فائدہ حاصل ہوگا۔

موازنہ کے لیے قیمتوں کے تناسب کو ایک ہی چیز کی جانب سے بیان کرنا چاہیے۔ کپڑے کی کوئی بھی ایسی قیمت جو 10 گز کے بدلے 6 بوشل سے کم اور 6 بوشل کے بدلے 18 گز تک جائے۔ ایسی قیمت ہوگی جس پر ریاستہائے متحدہ کو اپنے یہاں کپڑے کی پیداوار بند کر کے اسے گیہوں کے بدلے باہر سے منگانے میں فائدہ رہے گا۔ یا یوں سمجھیے کہ گیہوں کی کسی بھی قیمت پر جو 6 کے بدلے 10 سے زیادہ ہو اسے گیہوں باہر بھیجنے میں (جہاں وہ مقامی بازار کے مقابلہ میں زیادہ قیمت حاصل کر سکتا ہے) فائدہ رہے گا۔ برطانیہ کے معاملہ میں اسی استدلال کو الٹا جا سکتا ہے۔ تجارت سے ریاستہائے متحدہ گیہوں کی قیمت زیادہ اور کپڑے کی کم ہو جائے گی اور برطانیہ میں اس کے برعکس گیہوں کی قیمت کم اور

کپڑے کی قیمت زیادہ ہو جائے گی۔ اس طرح خصوصیت برداری اور مبادلہ سے دونوں ملک فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

ایسی ہی وضاحت کی بنیاد پر کلاسیکی مصنفین نے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ بین الاقوامی تجارت کے لیے فائدہ مطلق ہونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہاں بھی ممکن ہو سکتی ہے جہاں صرف اضافی فائدہ ہی موجود ہو۔ یہ کہنے کی کوئی ضرورت تو نہیں ہے تاہم کیونکہ اس بات کو اکثر فراموش کر دیا جاتا ہے اس لیے ہم اس امر کا اعادہ کرتے ہیں کہ اضافی فائدے کے ساتھ ایک اضافی خسارہ ہمیشہ موجود ہوتا ہے۔ یہ بات خود اضافی فائدے کی تعریف میں مضمر ہے۔

پیداواری امکانات کے قوس

قیمت کے نظریۂ محنت کو جو اس تجزیہ کی بنیاد ہے بعد میں غلط قرار دے کر ترک کر دیا گیا۔ مشاہدے کی روشنی میں یہ خیال کمزور اور غیر پائیدار نظر آیا کہ کسی ملک کے طول و عرض میں اجرتیں برابر ہونے کا رجحان رکھتی ہیں۔ محنت میں یکسانیت کہاں ہوتی ہے۔ لکڑی کے پیپوں کی مانگ بڑھنے پر بڑھئیوں کی اجرتیں لوہاروں سے زیادہ ہو جائیں گی۔ ظاہر ہے لوہار بڑھئیوں کا کام نہیں کر سکتے۔ یہ بات عام طور پر مان لی گئی کہ محنت کو کسی ایک اتنے بڑے خانے میں نہیں رکھا جا سکتا جس میں سب مزدوروں کو ایک ہی اجرت ملتی ہو۔ وہ بہت سے ایسے گروہوں میں بٹے ہوئے ہوتے ہیں جن میں کوئی مسابقت نہیں ہوتی۔ ان گروہوں کے بیچ اجرتوں کا رجحان برابر ہو جانے کا کم از کم قلیل مدت میں یا تو بڑا کمزور ہوتا ہے یا سرے سے ہوتا ہی نہیں۔

بہر حال ایک اور زیادہ بنیادی اعتراض جو محنت کے یکساں قسم کی ہونے اور کامل مسابقت کے بازار کی صورت میں بھی اٹھایا جا سکتا ہے یہ ہے کہ اشیاء کی پیداوار صرف محنت کا نتیجہ نہیں ہوتی بلکہ تمام عوامل پیداوار زمین، محنت، اور سرمائے کی مشترکہ کوششوں کا ثمر ہوتی ہے۔ پٹرول اور کپڑے یا گوشت اور جوتے جیسی اشیاء کی پیداوار میں محض صرف شدہ محنت کا مقابلہ کرنے سے نسبتی قیمتوں کا تصور صحیح طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا۔ کپڑے کے مقابلہ میں پٹرول کی پیداوار میں فی اکائی سرمایہ کہیں زیادہ لگتا ہے۔ جوتوں کے مقابلے میں گوشت کی پیداوار کے لیے زیادہ زمین درکار ہوتی ہے۔ مختلف اشیاء کی پیداوار میں عوامل پیداوار کا تناسب بدلتا جاتا ہے اور اس وجہ سے قیمت کا نظریۂ محنت خواہ ہم اسے کتنا مشروط کیوں نہ کر دیں ناقابل استعمال ہو جاتا ہے۔

اس دلدل سے نکلنے کا ایک طریقہ پروفیسر ہیبرلر نے "موقعہ لاگت" کے اصول کی شکل میں پیش کیا ہے۔ لمبے عرصے میں گیہوں کی لاگت کپڑے کی وہ مقدار ہے جس سے کسی ملک کو گیہوں کی مزید اکائیاں حاصل کرنے کے لیے محروم ہونا پڑے گا۔ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کپڑے کی پیداوار سے بنانے گئے تمام عوامل پیداوار گیہوں کی کاشت کے لیے موزوں ہیں یا نہیں سوال صرف اتنا ہے کہ کسی چیز کی خرید اکائیاں حاصل کرنے کے لیے کسی دیگر چیز کی کتنی اکائیاں قربان کرنی ہوں گی۔

بین الاقوامی تجارت کے نظریہ میں" موقعہ لاگت" کے تصور کی وضاحت پیداواری امکانات یا تبدیلیٔ ہیئت کے قوسوں سے کی جاتی ہے۔ یہ کہنے کی بجائے کہ ایک ہفتہ کی محنت سے یا تو گیہوں کے 6 بوشل پیدا کیے جا سکتے ہیں یا دس گز کپڑا ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ کسی معینہ مدت میں جملہ عوامل پیداوار یا تو گیہوں کے 6 بوشل یا 10 گز کپڑا یا پھر ان کا کوئی درمیانی میل پیدا کر سکتے ہیں شکل 1 2 میں عمودی طور پر گیہوں کی مقداریں اور متوازی طور پر کپڑے کی مقداریں دکھائی گئی ہے۔ ریاستہائے متحدہ کا خطہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ غیر ملکی تجارت نہ ہونے کی صورت میں اس کے وسائل کا استعمال صرف گیہوں کے لیے کیا جائے تو 6 بوشل گیہوں (فی ہفتہ فی نفر) پیدا کیا جا سکے گا۔ صرف کپڑا بنانے کے لیے کیا جائے تو 10 گز کپڑا تیار ہوگا اور اگر گیہوں اور کپڑا دونوں کے لیے کریں تو ان دونوں کے بیچ کا کوئی میل مثلاً 3 بوشل گیہوں اور 5 گز کپڑا حاصل کیا جا سکتا ہے۔ پیداواری امکانات کے قوس سے یہ پتہ نہیں لگایا جا سکتا کہ دراصل کیا چیز کتنی پیدا کی جائے گی۔ اس لیے مانگ کے بارے میں اور جانکاری ہونی چاہیے۔ یہ قوس تو صرف اتنا بتاتا ہے کہ پیداوار کے امکانات کیا کیا ہیں۔

پیداواری امکانات کے قوس، یکساں موقعہ لاگتیں

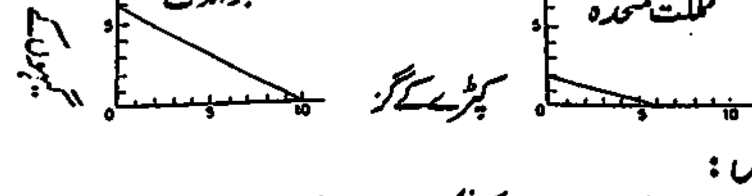

یکساں لاگتیں :

یکساں موقعہ لاگتوں، کو ظاہر کرتا ہے۔ اس خط کے سروں پر ریاستہائے متحدہ میں تمام وسائل یا تو گیہوں کے 6 بوشل پیدا کر سکتے ہیں یا 10 گز کپڑا۔ علاوہ ازیں اگر وسائل کی کوئی مقدار کپڑے کی پیداوار سے ہٹا کر گیہوں کی کاشت میں لگائی جاتی ہے تو گیہوں کے 6 مزید بوشل کو حاصل کرنے کے لیے 10 گز کپڑا قربان کرنا ہوگا۔ وسائل کو گیہوں کی پیداوار سے ہٹا کر کپڑا بنانے میں لگانے سے نتیجہ اس کے برعکس ہوگا۔ خواہ تمام وسائل کو منتقل کیا جائے یا ان کے کچھ حصے کو 10 گز کپڑے کے لیے گیہوں کے 6 بوشل پیداوار میں 'تبدیلیٔ ہیئت' کی مختتم شرح کہلائے گی۔

خطِ مستقیم کی شکل کا پیداواری امکانات کا قوس یکساں لاگتوں کے علاوہ کسی اور بات کی نشان دہی بھی کرتا ہے۔ اس خط کے ڈھال کو ہم قیمت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس معیشت میں گیہوں اور کپڑے کا باہم تبادلہ 10 : 6 کی شرح پر ہوگا۔ کپڑے کی اس سے زیادہ قیمت مثلاً 10 : 7 وسائل کو گیہوں کی پیداوار سے کپڑے کی پیداوار میں منتقل کر دے گی۔ گیہوں کی رسد کم اور کپڑے کی رسد زیادہ ہوتی جائے گی۔ یہاں تک کہ 10 : 6 کی قیمت پر بحال ہو جائے گی۔ کپڑے کی اس سے کم قیمت وسائل کو دوسری طرف منتقل کرے گی تا وقتیکہ 10 : 6 کی قیمت پھر بحال نہیں ہو جاتی۔

اب آیئے اس امر کا جائزہ لیں کہ ریاستہائے متحدہ اور برطانیہ کے درمیان تجارت کا دروازہ کھلنے پر کیا ہوگا۔ شکل 2 — 2 میں پیداواری امکانات کے دونوں قوسوں کو ایک دوسرے پر چسپاں کرنے کے بعد ایک ہی پیمانے پر بڑا کر دیا گیا ہے۔ پہلے دونوں قوسوں کو کپڑا/گیہوں پیمانے پر دکھایا گیا تھا۔ ان میں گیہوں بہرصورت 6 پر اور دونوں ملکوں میں کپڑا بالترتیب 10 اور 18 پر تھا۔ موجودہ خاکے میں پیمانے کو بڑا کر دیا گیا ہے اور اسے کپڑے کے سرے پر ملا دیا گیا ہے۔ تجارت نہ ہونے پر ریاستہائے متحدہ میں 60 گز کپڑے سے گیہوں کے 36 بوشل بدلے جائیں گے۔ برطانیہ میں 60 گز کپڑے کے بدلے گیہوں کے صرف 20 بوشل ہی مل سکیں گے۔

یکساں موقعہ لاگتوں کے تحت بین الاقوامی تجارت

گیہوں کے بوشل

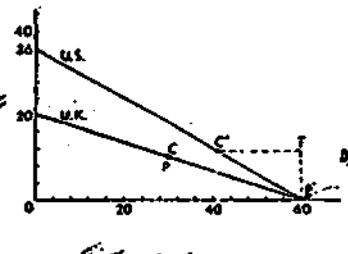

مملکت متحدہ کی درآمدات

تجارت کے بعد مملکت متحدہ کی پیداوار

کپڑے کے گز

مان لیجیے کہ مانگ کی صورت حال ایسی تھی کہ تجارت سے پہلے برطانیہ اپنے خطِ قیمت اور پیداواری امکانات کے قوس پر گیہوں کے 10 بوشل اور 30 گز کپڑے کا استعمال کر رہا تھا (شکل 2-2 میں نقطہ C) - 20 : 60 سے مختلف قیمت پر جو تجارت کے سبب وجود میں آئے گی برطانیہ میں صَرف کی سطح بلند ہوجائے گی۔ مثال کے طور پر اگر وہ ریاستہائے متحدہ کی قیمت پر تجارت کرسکے تو C سے C نقطہ پر پہنچ جائے گا۔ یہاں وہ 12 گیہوں اور 40 کپڑے کا استعمال کرسکتا ہے اس طرح گیہوں اور کپڑے دونوں کے استعمال میں واضح طور پر اضافہ ہوجائے گا۔ واضح رہے کہ برطانیہ ایسا اسی صورت میں کرسکے گا جب وہ اپنے تمام وسائل کو کپڑا بنانے کے لیے استعمال کرے اور اپنی 60 کی کل پیداوار میں سے 20 کپڑے کے بدلے ریاستہائے متحدہ سے 12 بوشل گیہوں حاصل کرلے (شکل 2-2 میں اس کی پیداوار کو تیر سے دکھایا گیا ہے۔ صَرف کو C' سے اور برآمد درآمد کو t پر ملنے والے نقطہ دار خطوط سے۔ متوازی نقطہ دار خط کپڑے کی برآمد بتاتا ہے اسے کل پیداوار میں سے کم کردیا جائے تو کپڑے کا مقامی صَرف معلوم ہوجاتا ہے۔ نقطہ دار عمودی خط گیہوں کی درآمد ناپتا ہے۔ جس تناسب میں برآمد اور درآمد کا آپس میں تبادلہ ہوتا ہے وہ یعنی ان نقطہ دار خطوط سے بنے ہوئے زاویہ قائمہ مثلث کے وتر کا ڈھال ریاستہائے متحدہ کا خطِ قیمت ہے۔ اس مثال میں تجارت سے ریاستہائے متحدہ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ وہاں تجارت سے پہلے اور اس کے بعد کپڑے کے بدلے گیہوں 10 - 6 کی شرح پر ہی ملتا رہا۔ پیداوار میں البتہ تبدیلی ہوگئی۔ گیہوں کے مزید 12 بوشل پیدا کیے گئے اور کپڑے کی پیداوار بقدر 20 گز کم ہوگئی۔

یہ ممکن ہے کہ کسی فریق کے لیے تجارت کے بعد بھی وہی قیمت باقی رہ جائے جو تجارت سے پہلے اس کے یہاں تھی۔ مگر دونوں فریقوں کے لیے ایسا نہیں ہوسکتا۔ تاہم یہ امکان زیادہ ہے کہ نئی قیمت ان قیمتوں کے بیچ میں کہیں ہوگی جو تجارت سے پہلے دونوں ملکوں کے اندر تھیں۔ مثال کے طور پر ہوسکتا ہے کہ یہ قیمت گیہوں کے 28 بوشل کے بدلے 60 گز کپڑے کی شرح پر رکے جیسا کہ شکل 3-2 میں دکھایا گیا ہے۔ ایسی صورت میں تجارت سے دونوں فریقوں کو فائدہ پہنچے گا البتہ برطانیہ کو اتنا فائدہ نہیں ہوگا جتنا اسے پہلی مثال میں حاصل تھا۔ ریاستہائے متحدہ اس فائدے میں شریک ہوجائے گا۔ اس کے فائدے کو خاکے کے ذریعہ دکھانے کے لیے گیہوں اور کپڑے کے محوروں کو باہم تبدیل کرنا ضروری ہے یا پھر یو۔ایس کے پیداواری امکانات کے قوس کو برطانوی قوس کے نیچے لانے کے لیے دونوں قیمتوں کو گیہوں کے محور پر برابر کیا جائے لیکن کسی مزید خاکے کے بغیر بھی یہ بات کافی واضح ہے کہ اگر 36 گیہوں

یکساں موقعہ لاگتوں کے تحت بین الاقوامی تجارت

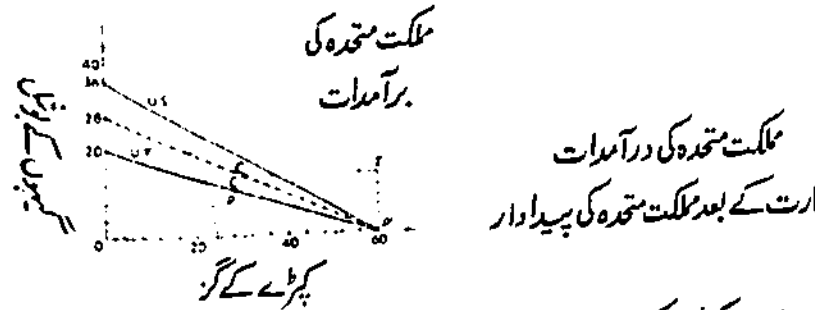

کے بدلے 60 کپڑے کی بجائے ریاستہائے متحدہ اتنا ہی کپڑا 28 بوشل گیہوں کے بدلے حاصل کر سکے تو اسے تجارت کرنے سے فائدہ حاصل ہوگا۔ وہ اپنے نفع کو گیہوں یا کپڑے کا زیادہ صرف کی شکل میں لے سکتا ہے۔ (پہلی صورت میں وہ کپڑے کی اسی مقدار کے بدلے کم گیہوں دے گا اور دوسری صورت میں زیادہ کپڑے کے بدلے گیہوں کی پرانی مقدار)۔ کم حد تک دونوں کے صرف میں اضافہ کر بھی لیکن جب تک اسے تجارت کے سبب کپڑے کی شکل میں گیہوں کی زیادہ قیمت ملتی رہے گی۔ وہ فائدے میں رہے گا۔

موقعہ لاگتوں کے یکساں رہنے کی صورت میں امکانی پیداوار کے قوس خطِ مستقیم کی شکل اختیار کر لیتے ہیں وہاں تجارت کے بعد عمل تخصیص پوری طرح کامل ہوگا۔ تجارت کے آغاز سے پہلے کوئی ملک دونوں اشیاء کی تھوڑی بہت مقدار ضرور پیدا کرتا تھا۔ بڑھی ہوئی قیمت پر تجارت کے نفع کو بیشتر بین کرنے کے لیے برآمد کی جانے والی چیز کی گھریلو مانگ کو ملحوظ رکھتے ہوئے جتنا ممکن ہو اس کی اتنی ہی زیادہ مقدار فروخت کرنی چاہیے۔ پس تجارت سے پہلے والے وسطی نقطہ (شکل 2۔2) سے ہٹ کر پیداوار خط کے کسی سرے پر ہی جا کر رکے گی۔ مثال کے طور پر برطانیہ کو ان وسائل کے ذریعہ جو 6 گز کپڑا یا صرف 2 بوشل گیہوں پیدا کر سکتے ہیں۔ گیہوں پیدا کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اگر جس قیمت پر برطانیہ تجارت کرتا ہے وہ 2 بوشل گیہوں یا 6 گز کپڑے سے زیادہ ہو۔

بڑھتی ہوئی موقعہ لاگتیں

ابھی تک ہمارے پیداواری امکانات کے قوس ایسے رہے ہیں جن میں موقعہ لاگتیں یکساں رہتی تھیں۔ اور اشیاء کی لاگتوں کا تناسب قیمت کے برابر رہتا تھا۔ لیکن یہ خیال کہ تمام وسائل دونوں چیزوں کی پیداوار میں ایک جیسی مہارت رکھتے ہیں اسی طرح کا غیر حقیقی مفروضہ ہے جیسا اب متروک

قیمت کا نظریہ محنت کو۔ لیکن اگر تمام وسائل گیہوں یا کپڑا پیدا کرنے میں ایک سی مہارت نہیں رکھتے ہیں بلکہ کچھ عوامل جیسے زمین اور دیہات کے رہنے والے گیہوں زیادہ بہتر طور پر اگا سکتے ہیں اور دوسرے وسائل جیسے تکلیاں، کرگھے اور شہری مزدور کپڑا تیار کرنے میں زیادہ ماہر ہیں تب لاگتیں بڑھتی ہوئی ہونگی یکساں نہیں رہیں گی۔ ممکن ہے کچھ وسائل گیہوں اور کپڑا دونوں کی پیداوار میں ایک سی مہارت رکھتے ہوں مگر سارے وسائل ایسے نہیں ہو سکتے۔

بڑھتی ہوئی لاگتوں کی صورت میں پیداواری امکانات کا قوس نقطۂ آغاز O کی طرف سے غیر محدب ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر شکل ۲ ۔ 4 ۔ 2 میں جہاں پیداواری امکانات کا ایک قوس B — A دکھایا گیا ہے ۳ اور t نقاط کے درمیان گیہوں اور کپڑا ایک دوسرے کے کافی اچھے بدل ہیں لیکن ۳

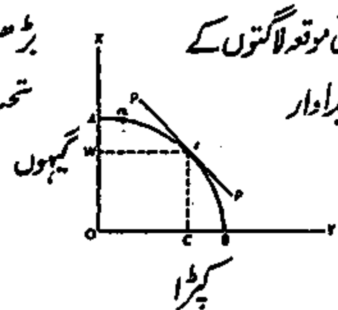

بڑھتی ہوئی موقعہ لاگتوں کے تحت پیداوار

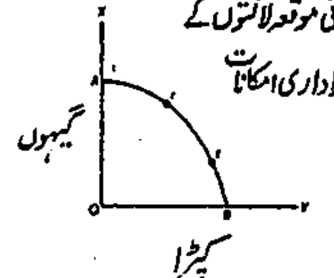

بڑھتی ہوئی موقعہ لاگتوں کے تحت پیداواری امکانات

کے بائیں جانب کپڑے کی قربانی سے گیہوں کی بس تھوڑی سی مزید مقدار حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جن وسائل کو کپڑے کی پیداوار سے ہٹا کر گیہوں کی پیداوار میں لگایا جائے گا۔ وہ گیہوں اگانے کے لیے نسبتاً کم موزوں ہیں۔ ممکن ہے کہ ان مزدوروں کے لیے جو پہلے کپڑے کے کارخانے میں کام کر رہے تھے گیہوں اگانے کے لیے کافی زمین دستیاب نہ ہو۔ اسی طرح t کے دائیں جانب کوئی ملک گیہوں کی بڑی مقدار کو قربان کر کے کپڑے کی مقدار میں تھوڑا بہت اضافہ کر سکتا ہے۔

بڑھتی ہوئی لاگتوں کے تحت پیداواری امکانات کا قوس خود ہی جیسا کہ یکساں لاگتوں کی صورت میں ہوتا ہے خط قیمت نہیں ہوتا۔ ہم پیداواری امکانات کے قوس سے ہی اس قیمت کا تعین نہیں کر سکتے جس پر گیہوں کپڑے سے بدلا جائے گا۔ یہ قیمت مانگ کے بارے میں جانکاری کے بغیر معلوم نہیں کی جا سکتی۔ مانگ کے سلسلے میں پیدا ہونے والے پیچیدہ مسائل پر آنے والے باب میں بحث کی جائے گی۔ یہاں ہم اتنا ہی کہنے پر اکتفا کریں گے کہ قیمت کی نشاندہی x اور y محوروں کے درمیان ایک خطِ مستقیم کرتا ہے جس کا ڈھال وہ تناسب بتاتا ہے جس پر کپڑے کو گیہوں سے بدلا جائے گا۔ علاوہ ازیں کسی ایسے بدل

قوس پر جو بڑھتی ہوئی قیمتوں کو ظاہر کرتا ہو پیداوار ایسے نقطہ پر ہوگی جو بازار قیمت پر مماس ہوگا۔ شکل 2.4.b میں دکھایا گیا ہے کہ جب تک قیمت P-P رہے گی پیداوار بدل قوس A B کے نقطہ r پر ہوگی۔ اس نقطہ پر گیہوں کی O-W اور کپڑے کی O-C اکائیاں پیدا کی جائیں گی۔ اگر معیشت کپڑا اور گیہوں پیداواری امکانات کے قوس پر نقطہ m پر پیدا کرے گی تو P-P′ قیمت قائم نہیں رہ سکے گی۔ اس نقطہ پر کپڑے کی نسبت گیہوں بہت زیادہ ہوگا یا گیہوں کی نسبت کپڑا بہت کم۔ گیہوں کی غیر فروخت شدہ مقدار اور کپڑے کی پوری نہ ہوسکنے والی مانگ کے سبب پیداوار کو m نقطہ پر رکھنے کے لیے قیمت بدلنی پڑے گی۔

اگر مانگ کے سبب قیمت PP پر رہتی ہے تب کپڑے کے کاروبار میں گیہوں کی نسبت زیادہ نفع کمایا جاسکے گا۔ وسائل کپڑے کے کام سے نکل کر گیہوں کی پیداوار میں آتے رہیں گے اور پیداوار m سے r نقطہ کی جانب بڑھتی رہے گی۔ وسائل کا یہ انتقال اس وقت تک جاری رہے گا۔ (قیمت P-P اور پیداواری امکانات کا قوس A B ہونے کی صورت میں) جب تک r نقطہ پر وسائل کی بہترین تقسیم نہ ہوجائے۔ اس نقطہ پر پیداوار میں مختتم بدل شرح تجارت میں مختتم بدل شرح کے برابر ہوجائے گی۔

موٹے طور پر بڑھتی ہوئی لاگتوں کے تحت غیر ملکی تجارت انھیں خطوط پر ہوگی جن پر یکساں لاگتوں کی صورت میں ہوتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہوگا کہ کسی ملک کی ایک واحد چیز میں پورے طور پر خصوصیت حاصل کرلینے کا امکان زیادہ نہیں رہے گا۔ شکل 2.5 میں اس صورت حال پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہاں تجارت شروع ہونے سے پہلے مملکت متحدہ میں کپڑے کی شکل میں گیہوں کی قیمت P P اور پیداوار

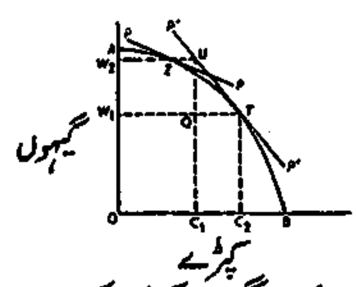

بڑھتی ہوئی موقعہ لاگتوں کے تحت بین الاقوامی تجارت

نقطہ Z پر ہے۔ ان چند باتوں کو حذف کرتے ہوئے جن سے گیہوں اور کپڑے کے بیچ تجارت شروع ہوجانے کے بعد تناسب قیمت طے پاتی ہے (ان پر اگلے باب میں بحث کی گئی ہے) فی الحال یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ تجارت شروع ہونے سے کپڑے کی قیمت گیہوں میں بڑھ کر P′-P′ ہوجائے گی۔ PP کے مقابلہ میں P′P′ کپڑے کی زیادہ (اور گیہوں کی کم) قیمت ہے کیونکہ کپڑے کی ایک مقررہ مقدار کے بدلے آخر الذکر

صورت میں زیادہ گیہوں ملتا ہے۔

اب مملکت متحدہ کو گیہوں کی پیداوار سے وسائل کو کپڑے کی صنعت میں منتقل کرنے سے فائدہ ہوگا۔ نقطہ پیداوار Z سے ہٹ کر T ہو جائے گا اور غیر ملکی تجارت کے ذریعہ کپڑے کے عوض گیہوں حاصل کیا جائے گا کپڑے کی قیمت جتنی زیادہ ہوگی اتنے ہی زیادہ وسائل گیہوں سے منتقل کیے جائیں گے۔ پیداوار اس نقطہ پر جاکر رکے گی جہاں نئی قیمت پیداواری امکانات کے قوس پر مماس ہوگی یعنی جہاں خطِ قیمت پیداوار میں مختتم بدل شرح کے برابر ہو جائے گا۔

گیہوں کے بدلے دیے جانے والے کپڑے کی صحیح مقدار کا پتہ ان اوزاروں سے نہیں لگایا جاسکتا ہے جنھیں ہم نے تجزیہ کے لیے بنایا ہے۔ PP' خط پر صرف کہیں T کے بائیں جانب ہوگا۔ مثلاً W پر۔ مان لیجیے کہ مانگ کی شرائط ایسی ہیں کہ صرف نقطہ W پر ہوگا۔ ایسی صورت میں مملکت متحدہ نقطہ T پر $O - C_2$ کپڑا اور $O - W_1$ گیہوں پیدا کرے گا۔ وہ $C_1 - C_2$ کپڑا برآمد کرکے $W_1 - W_2$ گیہوں درآمد کرے گا۔ وہاں گیہوں کا صرف $O - W_2$ اور کپڑے کا صرف $O - C_1$ ہوگا۔ $C_1 - C_2$ $W_1 - W_2$ مقداریں $Q - T$ اور $Q - W$ کے برابر ہیں اور جو آسان جیومیٹری کی رو سے باہم قیمت کے تناسب PP' پر بدلی جاسکتی ہیں۔ تجارت کے سبب برطانیہ اس سے زیادہ گیہوں اور کپڑا استعمال کر سکے گا جتنا وہ اپنے پیداواری امکانات کی روشنی میں اپنے لیے خود پیدا کر پاتا۔

کامل تخصیص نہ ہونے کی وجہ گھٹتے ہوئے ماحصل ہیں جوں جوں ایسے عوامل کو جو کپڑا بنانے کے لیے کم موزوں ہیں اس صنعت میں لایا جاتا ہے فی گز لاگت پیداوار بڑھتی جاتی ہے۔ جیسے جیسے وہ عوامل پیداوار جو گیہوں کی پیداوار کے لیے کم موزوں ہیں زراعت سے نکالے جاتے ہیں گیہوں کی فی بوشل لاگت کم ہوتی ہے۔ ریاستہائے متحدہ میں صورت حال اس کے برعکس رہتی ہے۔ دونوں ممالک کے بیچ لاگت کے تناسب دونوں میں سے کسی بھی ملک کے اندر عمل تخصیص کامل ہونے سے کافی پہلے برابر ہو جاتے ہیں۔

قیمت کے نظریہ محنت سے محرومی اور موقعہ لاگتوں کی شکل میں پیش کیے جانے کے باوجود نسبتی فائدہ کا قانون اٹل ہے۔ دو اشیاء کی خیالی دنیا میں اگر ملک دوسرے سے دونوں ہی چیزوں کو بنانے میں زیادہ مہارت رکھتا ہے تب بھی اسے اپنی توجہ اس چیز کی پیداوار پر مرکوز کرتے ہیں۔ جہاں اسے نسبتی فائدہ حاصل ہے اور اس چیز کو باہر سے منگانے میں جہاں اس کا یہ نفع کم ہے فائدہ رہتا ہے۔ بنیادی بات یہ ہے کہ تجارت کی بدولت اسے اپنی کارکردگی کی زیادہ قیمت ملتی ہے یا اس چیز کی کم قیمت دینی پڑتی ہے جس کے بنانے میں وہ اتنا ہنرمند نہیں ہے۔

نسبتی فائدہ کا قانون عام طور سے صحیح ہے۔ ماضی میں نیویارک میں بی ریڈ ایک نامور انسان گذرا ہے۔ وہ تھیئٹر کا منیجر اور ٹائپ کا چمپین تھا۔ ٹائپ کا چمپین ہونے کے باوجود اسے ایک سکریٹری رکھنے میں فائدہ تھا۔ ٹائپ کرنے کے کام میں اسے اپنے سکریٹری پر کامل فائدہ حاصل تھا۔ مگر اپنے دوسرے پیشے کے مقابلہ میں اس کا یہ فائدہ بڑا محدود تھا۔ پس اسے اور اس کے سکریٹری دونوں کو تخصیص سے فائدہ تھا۔

عام طور پر یہ بات صحیح ہے کہ اگر باہر کے مقابلہ میں ملک کے اندر y کی x قیمت کم ہے تو اس ملک کو وسائل x سے ہٹا کر y میں لگانے اور x کے بدلے y کی تجارت کرنے (نقل و حرکت کی لاگتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے) میں اس وقت تک فائدہ رہے گا جب تک x اور y کی داخلی اور خارجی قیمتیں برابر نہ ہو جائیں لیکن اس شکل میں پیش کرنے سے نسبتی فائدہ کا قانون کم و بیش نسبتی قیمتوں کا قانون بن جاتا ہے تاوقتیکہ معاشی اس کے بارے میں مزید کچھ نہ کہیں۔

کلاسیکی معاشیوں نے جو سوال اٹھایا تھا نسبتی لاگتوں کا قانون اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ کوئی ملک ان اشیاء کو برآمد کرتا ہے جو وہ اپنے یہاں نسبتاً سستی تیار کر سکتا ہے اور ان اشیاء کو درآمد کرتا ہے جو اس کے یہاں نسبتاً زیادہ لاگت پر تیار ہوتی ہیں لیکن علم معاشیات اس جواب میں مزید اضافہ کر سکتا ہے۔

تناسباتِ عوامل

تناسب عوامل اگر غیر ملکی تجارت کی بنیاد ہے تو زیرک طالب علم یہ سوال اور کرے گا کہ نسبتی لاگتوں میں فرق کیوں ہوتا ہے؟ مختلف ممالک کے بدل قوس مختلف کیوں ہوتے ہیں۔؟

سویڈن کے معاشی برٹل اوہلن نے ان سوالات کا جواب دو امور کی بنا پر پیش کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ مختلف اشیاء کے بنانے کے لیے عوامل کی مختلف خدمات درکار ہوتی ہیں نیز مختلف ممالک کے پاس عوامل کے قدرتی عطیات مختلف ہوتے ہیں اگر تکنیکی اعتبار سے گیہوں کی سب سے اچھی پیداوار اسی صورت میں ممکن ہے جب محنت اور سرمایہ کے مقابلہ میں بہت زیادہ زمین دستیاب ہو تو وہی ملک سستا گیہوں پیدا کر سکتے ہیں جہاں زمین کی کمی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آسٹریلیا، ارجنٹائنا، کناڈا، من سوٹا اور یوکرین گیہوں برآمد کرتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر کپڑا تیار کرنے کے لیے سرمائے اور زمین کی نسبت زیادہ محنت کی ضرورت ہے تو ہانگ کانگ، جاپان، بھارت جیسے ممالک کو جہاں مزدوروں کی فراوانی ہے کپڑے کی صنعت میں نسبتی فائدہ حاصل ہوگا اور وہ کپڑا برآمد کر سکیں گے۔

ضمیمہ A میں ہم واضح کریں گے کہ اشیاء کے پیداواری روابط سے بدل قوس کیسے اخذ کیا جا سکتا ہے۔

وہاں یہ نوٹ کیا گیا ہے کہ کسی چیز کو پیدا کرنے میں تناسباتِ عوامل کے بارے میں تکنیکی اعتبار سے کچھ ابہام ہو سکتا ہے۔ جہاں عوامل کے تناسب کو تکنیکی مجبوری کی وجہ سے بدلا نہیں جا سکتا وہاں اس پر اتفاق کیا جا سکتا ہے کہ ایک کی نسبت دوسری صنعت میں محنت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ الماریاں بنانے کے مقابلہ میں تیل صاف کرنے کے لیے زیادہ سرمایہ چاہیے اور پن بجلی پیدا کرنے میں بلاشبہ زیادہ زمین درکار ہوتی ہے کیونکہ الگ الگ مقامات پر بجلی گھر تیار کرنے ہوتے ہیں۔ لیکن بہت سی چیزیں ایسی ہیں جہاں کسی حد تک ایک کی بجائے دوسرے عوامل پیداوار کا استعمال ممکن ہے۔ انڈے حاصل کرنے کے لیے مرغیوں کو فارم پر پالا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے زمین درکار ہوگی لیکن انھیں اوپر نیچے رکھی ہوئی کابکوں میں بھی پال سکتے ہیں۔ اس صورت میں زمین کی بجائے زیادہ سرمایہ لگانا پڑے گا۔ ایسے حالات کے پیش نظر یہ کہنا دشوار ہے کہ مذکورہ اشیا میں سے کسی کے لیے زیادہ سرمایہ درکار ہے یا زیادہ محنت تا وقتیکہ ہمیں یہ اور معلوم نہ ہو کہ عوامل کی دستیابی اور ان کے باہم بدل پذیری کے امکانات کیا ہیں۔

علاوہ ازیں عوامل کے قدرتی عطیات پر مبنی اسباب تجارت کی تشریح اس مفروضے پر منحصر ہے کہ کسی مخصوص چیز کے لیے تمام ممالک کے لیے تکنیکی امکانات برابر ہیں یعنی مثال کے طور پر دو ملکوں میں عوامل پیداوار ایک جیسے ہیں۔ باب چار میں اس مفروضہ کو تھوڑا بدلا جائے گا۔ وہاں ہم مختلف ملکوں کے مابین تکنیکی اختلافات کی بنا پر تجارت کے وجود پر غور کریں گے۔

ایک اور بات یہ ہے کہ اس تشریح کو بامعنیٰ بنانے کے لیے کسی پیداواری عامل کی تعریف کرنے میں بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ عوامل پیداوار کو موٹے طور پر 'محنت'، 'زمین' اور 'سرمائے' کی شکل میں بانٹتے ہوئے ہم صریحاً اس نکتہ کو فراموش کر دیتے ہیں کہ بہت سے کاموں کے لیے یہ عوامل ایک سی ماہیت نہیں رکھتے بلکہ ان کے غیر مسابقانہ گروہ ہوتے ہیں۔ بھیڑیں پالنے کے لیے صرف زمین کا ہونا کافی نہیں ہے بلکہ زمین چراگاہی ہونی چاہیے۔ نہ ہی ہر زمین معدنیات پیدا کر سکتی ہے۔ یہ تو بعض خطوں کی قدرتی خصوصیت ہوتی ہے۔ بہت سے قدرتی وسائل نہایت کمیاب ہوتے ہیں اور کسی ایک یا چند ملکوں میں ہی پائے جاتے ہیں۔ اگر عوامل پیداوار کی .... تعریف قدرے محدود طور پر کی جائے اور غیر مسابقانہ گروہوں یا مخصوص وسائل کو علاحدہ خانوں میں رکھا جائے تو یہ امر واضح ہو جائے گا کہ بہت سی تجارت کی بنیاد فائدۂ مطلق ہوتا ہے یعنی بیشتر تجارت اس وجہ سے ہوتی ہے کہ کوئی عامل ایک ملک میں تو ہے مگر جس سے وہ تجارت کرتا ہے اس میں نہیں پایا جاتا۔ اوہلن نے اپنے استاد ایلی ہیکشر کے گہرے مشاہدے کی بنیاد پر نسبتی فائدہ کی جو تشریح پیش کی ہے اسے ہم غیر مسابقانہ گروہوں اور جامد عوامل کو نظر انداز کرتے ہوئے برقرار رکھ سکتے

ہیں۔ دوسری صورت یہی ہے کہ ہم عوامل پیداوار کی محدود تعریف اپنائیں اور اوہلن وہیکشر نے تجارت سے پہلے قیمتوں میں فرق کا جو سبب بیان کیا ہے اس کو نظر انداز کر دیں۔

محنت کے غیر مسابقانہ گروہوں کے مسئلہ سے نزدیکی تعلق رکھنے والا ایک اور سوال ہے۔ کیا سرمائے کو محنت سے حقیقتاً جدا کیا جا سکتا ہے؟ خاص طور پر اس وقت جب بعض صنعتوں میں ماہر مزدوروں کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور اس کے لیے تعلیم یا سرمایہ کی ضرورت پڑتی ہے۔

ایک اور دشواری یہ ہے کہ اشیا کو عوامل سے الگ کرنا نہایت دشوار ہے۔ خاص طور پر جب ہم یہ مانتے ہیں کہ دنیا کی بیشتر تجارت 'درمیانی اشیاء' پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہ وہ چیزیں ہوتی ہیں جن کا براہ راست استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ وہ اشیاء صرف تیار کرنے میں کام آتی ہیں۔ جہاں تانبے کی کانیں نہ ہوں وہاں باہر سے تانبہ منگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ خام دھات منگائی جا سکتی ہے۔ برطانیہ نیا کپاس اگا کے سوتی کپڑا کپاس درآمد کرتا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ نسبتی فائدے کا جو مفروم ہیکشر اوہلن نے لگایا ہے اس کو اشیاء سے منسلک کرنے کی بجائے افعال سے جوڑنے کی زیادہ ضرورت ہے۔ کچا تانبہ ان ملکوں میں کانوں سے نکالا جائے گا جہاں اس کے ذخائر موجود ہیں۔ لیکن تانبہ صاف کرنے کا کام دنیا میں کہیں بھی کیا جا سکتا ہے یعنی سرمائے کی فراوانی، ماہر مزدوروں، اور خام تانبے کو ایک ساتھ ملایا جا سکتا ہے۔ جاپان کچا لوہا آسٹریلیا سے منگاتا ہے اور کوئلہ ریاستہائے متحدہ سے۔ اس مثال سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ 'درمیانی اشیاء' کی تجارت کی وجہ سے نسبتی فائدہ کے اصول کی تشریح میں مخصوص عوامل کی اہمیت کم ہو گئی ہے۔

عوامل پیداوار کی تعریف کس حد تک محدود یا وسیع رکھی جائے اور عوامل کو اشیاء سے منسلک کریں یا معاشی افعال سے ان مسائل کے باوجود بیشتر معاشی تجارت کی ہیکشر۔اوہلن تشریح کو موٹے طور پر صحیح سمجھتے ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ ریاستہائے متحدہ میں سرمائے کی بڑی فراوانی ہے اور وہ ایسی اشیاء برآمد کرنے کے معاملہ میں سب سے بہتر حالت میں ہے جن کے لیے بہت سرمایہ درکار ہوتا ہے، بیرونی ملک محنت کے معاملہ میں زیادہ اچھی حیثیت رکھتے ہیں اور ان اشیاء کو جن کے بنانے میں زیادہ محنت کی ضرورت پڑتی ہے ریاستہائے متحدہ کو بھیجتے ہیں۔ لیکن پروفیسر لیونیف کے ایک مطالعہ نے اس سلسلے میں لوگوں کے اعتقاد کو متزلزل کر دیا ہے، انھوں نے اعداد و شمار کی مدد سے یہ ثبوت پیش کیا کہ ریاستہائے متحدہ کی درآمدات کے مقابلہ میں اس کی برآمدات میں محنت کا زیادہ عنصر ہے اور درآمدات میں سرمائے کا جز برآمدات سے زیادہ! ان انکشافات پر ابھی بحث جاری ہے تاہم اس بحث کا ایک بڑا فائدہ

یہ ہوا کہ اوہلن کے فلسفہ کے بنیاد کے بارے میں گہری چھان بین شروع ہو گئی ہے۔ اس کتاب میں آگے کی بحث میں ہم نے یہ مان لیا ہے کہ ابھی لیونیف کا دعویٰ صحیح ثابت نہیں کیا جا سکا ہے۔ اور ریاستہائے متحدہ کی تجارت کا جو بیان اوہلن کے یہاں ملتا ہے وہ غالباً درست ہے اگرچہ اس میں پیداوار کی تکنیک کی تھوڑی بہت ترمیم مثلاً باب 4 میں کی گئی ہے۔

تجارت اور عوامل کی کارکردگی

ان ملکوں کے بیچ تجارت کے بارے میں ہم کیا کہیں گے جہاں عوامل کا تناسب تو برابر ہو لیکن ان کی کارکردگی میں فرق ہو۔ (اور ابھی تو یکساں پسند کا معاملہ باقی ہے)۔ ہم برطانیہ اور جاپان دو ملکوں کو مثال کے طور پر لیتے ہیں جہاں زمین، محنت اور سرمائے کے تناسب تقریباً برابر ہیں لیکن عوامل کی کارکردگی برطانیہ میں زیادہ ہے۔ ہم یہ فرض کیے لیتے ہیں کہ برطانیہ میں محنت کی کارکردگی اس لیے بہتر نہیں ہے کہ وہاں اس کے ساتھ مل کر کام کرنے کے لیے زیادہ زمین و سرمایہ دستیاب ہے بلکہ وجہ یہ ہے کہ وہ زیادہ جانفشانی سے کام کرتے ہیں۔ اور مان لیجیے کہ برطانیہ کی زمین زیادہ زرخیز نیز اس کی مشین جاپان سے زیادہ ترقی یافتہ اور بہتر ہیں۔ کیا ان حالات میں ان دونوں کے بیچ تجارت ممکن ہے۔؟

اس سوال کا جواب انکار میں ہے۔ جاپانی عوامل پیداوار کو اپنی کمتر کارکردگی کے سبب کم معاوضہ ملے گا لیکن اس سے تجارت کے لیے کوئی گنجائش پیدا نہیں ہو گی۔ کیونکہ سب ہی عوامل کو ایک ہی تناسب سے کم معاوضہ ملتا ہے۔ دونوں ملکوں کے پیداواری امکانات کے قوس شکل 6 • 2 میں دکھلائے گئے ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ جاپانی برطانیہ والوں سے کم پیدا کر سکتے ہیں لیکن اگر دونوں ملکوں کے عوام کی پسند ایک سی ہو تو کپڑے کی شکل میں گیہوں اور گیہوں کی شکل میں کپڑے کی قیمتیں برابر ہوں گی (بحث دو اشیاء تک ہی محدود رکھی گئی ہے) اس باب کی تکنیک کے مطابق جاپان کے پیداواری امکانات کے قوس کو برطانوی

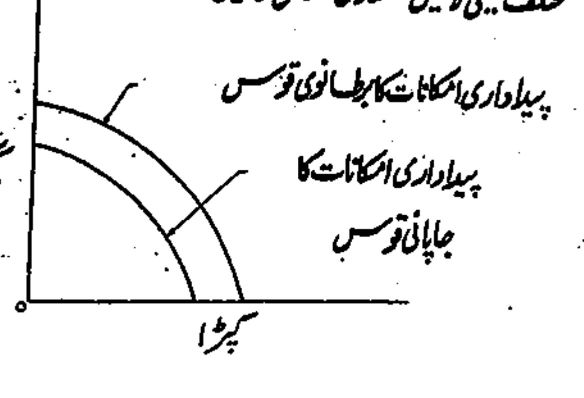

مختلف حقیقی لاگتیں، مساوی نسبتی لاگتیں

قوس سے جوڑنے پر دونوں قوسوں کی شکل بالکل ایک سی دکھائی دے گی اور اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ تجارت ناممکن ہے۔

پس تجارت کی بنیاد عوامل کی کارکردگی نہیں بلکہ عوامل میں پائے جانے والے یا ان کی کارکردگی کے وہ اختلافات ہوتے ہیں جو تمام اشیاء کے سلسلے میں برابر نہیں ہوتے اور جنھیں ذوق و پسند کا فرق ختم نہیں کر پاتا۔ اگر جاپانی کپڑا بنانے میں زیادہ اور زراعت میں کم ماہر ہوتے کیونکہ وہ شہری زندگی کے دلدادہ ہیں تو نسبتی قیمتوں میں اختلاف اور تجارت کے لیے راہ ہموار ہو جاتی۔

برطانیہ اور جاپان میں درحقیقت تناسبات عوامل ایک جیسے ہیں لیکن ان کے بیچ تجارت بھی خوب ہوتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بنیادی حقائق ہمارے دو ملکوں اور دو اشیاء کے ماڈل سے کوسوں دور ہیں۔ دو ایسے ملک جن کے پیداواری امکانات کے قوس یکساں ہوں کسی تیسرے ملک سے تجارت کر سکتے ہیں بھلے ہی ان کے اپنے درمیان تجارت نہ ہوتی ہو۔ اور ایسی دنیا میں جہاں بے شمار اشیاء پیدا کی جاتی ہوں تقریباً ایک جیسے تناسب عوامل والے دو ملکوں کو ایسی بہت سی چیزیں انتخاب کے لیے مل جائیں گی جنھیں وہ ایک دوسرے سے لے کر فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

عوامل کی قیمتوں میں مساوات کا قیام

نسبتی قیمتوں میں فرق ہو تو ممالک کے بیچ تجارت ضرور ہوتی ہے اور اس وقت جاری رہتی ہے جب تک یہ فرق (نقل و حمل کی لاگتوں کو چھوڑ کر) ختم نہ ہو جائے۔ نقل و حمل کی لاگتوں کی عدم موجودگی میں تجارت بے شک اشیائی قیمتوں کے باہمی فرق کو ختم کر دیتی ہے۔ اگر اس دلیل کو اور آگے بڑھایا جائے تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ تجارت درحقیقت عوامل کی قیمتوں کو برابر کرنے کا رجحان رکھتی ہے۔

بہ افراط دستیاب عامل کے ذریعہ پیداوار کی برآمدات کے سبب عامل کی مانگ بڑھ جاتی ہے اور اس کی فراوانی نسبتاً کم ہو جاتی ہے۔ ان اشیاء کی درآمد جن میں کمیاب عوامل زیادہ کام میں آتے ہیں گھریلو بازار میں ان کی کمیابی گھٹا دیتی ہے۔ برآمدات سے سستے اور بہ افراط ملنے والے عامل کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ درآمدات مہنگے اور کمیاب عامل کی قیمت کم کر دیتی ہیں مثلاً ریاستہائے متحدہ سے زرعی پیداوار کی برآمدات سے کاشت کی زمین کی آمدنی بڑھتی ہے اور اس سے اس کی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس سائنسی آلات کی درآمدات کے بنانے کے لیے درکار ماہر اور کمیاب محنت کی کمی کو دور کر کے ان کے معاوضے کو کم کر دیتی ہے۔

بعض حالات میں عوامل کی قیمتوں میں یکسانیت لانے کا یہ رجحان اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک یہ قیمتیں

بالکل برابر نہیں ہو جاتیں لیکن اس کی شرائط بڑی سخت ہیں۔ مثلاً جتنے عوامل ہوں اتنی ہی یا اس سے زیادہ اشیاء، لوگوں کی پسند تقریباً یکساں ہو، پیداواری رابطے ملتے جلتے اور سادہ ہوں، دو اشیاء کے لیے مختلف اور ایسے ہوں جن میں کسی حد تک ایک کی جگہ دوسرے عامل کو استعمال کیا جا سکے۔ اشیائی قیمتوں کے پوری طرح برابر ہونے کی راہ کو مسدود کرنے والی نقل و حمل کی لاگتیں نیز دیگر رکاوٹیں غائب ہوں۔ مسابقت کامل ہو اور تجارت کے بعد ہر چیز تھوڑی بہت پیدا اور استعمال ضرور کی جاتی ہو۔ ضمیمہ B میں دو چیزوں اور دو ملکوں کی مثال لے کر اس صورت حال کی باقاعدہ وضاحت کی گئی ہے۔ عوامل کی قیمتوں میں کامل یکسانیت کی تلاش ذہنی آسودگی کے لیے کی جا سکتی ہے۔ تاہم حقیقی دنیا میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ پھر بھی عملی اعتبار سے ان قیمتوں میں برابر ہونے کا رجحان بلاشبہ نہایت بامعنی ہے۔ تجارت سے بہ افراط دستیاب عامل کی قیمت بڑھنے اور کمیاب عامل کی قیمت گرنے کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔ تجارت کا یہ اثر اس وقت سیاسی اور معاشی اعتبار سے بڑا اہم ہو جاتا ہے جب قدرتی عطیات میں اختلافات کو تجارت کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔

بڑھتے ہوئے ماحصل

اوپر کی بحث کے پیچھے یکساں یا گھٹتے ہوئے ماحصل کارفرما رہے ہیں۔ ماہرین معاشیات بڑھتے ہوئے ماحصل کو زیر بحث لانا پسند نہیں کرتے کیونکہ کسی فرم کو بچتیں داخلی طور پر حاصل ہونے کی صورت میں یہ ماحصل کامل مسابقت کے مفروضے کو ختم کر دیتے ہیں۔ مسابقانہ بازار میں کسی فرم کو بڑھتے ہوئے ماحصل ملنے سے وہ تیزی کے ساتھ پھیلے گی یہاں تک کہ متعلقہ صنعت، ملک یا ساری دنیا میں ایک ہی فرم کی حکمرانی ہو جائے گی۔ خارجی بچتوں کو جائز تصور کیا جاتا ہے تاہم خیال یہ ہے کہ وہ بہت بڑے پیمانے پر دستیاب نہیں ہوتیں۔

لیکن داخلی بچتوں سے رونما ہونے والے بڑھتے ہوئے ماحصل نے بین الاقوامی نظریۂ تجارت اور پالیسی کے میدان میں شیر خوار صنعت کے لیے ٹریف کی حمایت کو بڑی تقویت پہنچائی ہے۔ اس سلسلے میں ان کے رول کو دو اسباب کی بنا پر جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔ اول بڑھتے ہوئے ماحصل ایسے طویل مدتی لاگت قوس کی نشاندہی کرتے ہیں جو گرتا ہوا ہوتا ہے یعنی تاریخی اعتبار سے دائیں جانب نیچے آتا ہے تو کسی خاص لمحے پر وہ نیچے سے اوپر کی جانب جا سکتا ہے۔ دوم "کر و اور سیکھو" کے طریقے سے بھی جیسا کہ حالیہ برسوں میں نظریاتی معاشیوں کو پتہ چلا اس قوس کے طرز عمل کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ تاریخی اور عملی دونوں صورتوں میں خاص طور پر اس وقت جب بچتیں خارجی ہوں بڑھتے ہوئے ماحصل کا خاکہ کھینچنے میں

محتاط رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ کم لاگتوں کی طرف جانے والے راستے کو الٹایا نہیں جاسکتا۔

بڑھتے ہوئے ماحصل کا خاکہ کئی طرح تیار کیا جاسکتا ہے۔ شکل a 2.7 میں پیداواری امکانات کا قوس A Q B نقطۂ آغاز O کی سمت سے محدب ہے۔ یہ زراعتی مشینوں کی شکل میں کاروں اور کاروں کی شکل میں زراعتی مشینوں کی گھٹتی ہوئی لاگتوں کو دکھاتا ہے۔ شروعات نقطہ Q سے کرتے ہیں جہاں کاروں کی قیمت مشینوں کی شکل میں P — P ہے۔ اگر بڑھتے ہوئے ماحصل کا سبب داخلی بچتیں ہیں تو Q غیر مستحکم توازن کی نشاندہی کرتا ہے۔ مسابقانہ حالات میں یہ توازن قائم نہیں رہ سکتا۔ ذراسی تبدیلی اگر کاروں کی قیمت (مشینوں کی شکل میں) اضافہ کریں یعنی P — P خط نسبتاً متوازی ہوجائے

بڑھتے ہوئے ماحصل، دو اشیاء

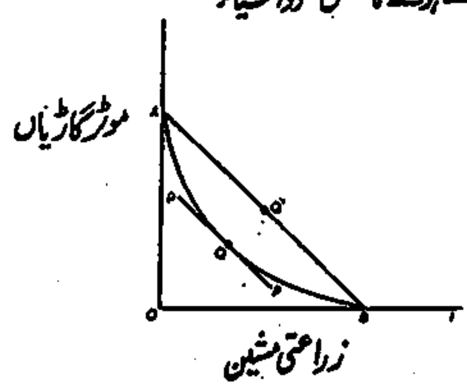

تو پیداوار کرنے والے زراعتی مشینوں کی صنعت سے نکل کر کاروں کی صنعت میں جانے لگیں گے لیکن A نقطہ پر پہنچنے سے پہلے انھیں توازن کا کوئی اور نقطہ دستیاب نہ ہوگا۔ اگر اس کے برعکس ابتدائی اضافہ مشینوں کی قیمت میں ہوتا یعنی P — P خط کچھ اور عمودی ہوجاتا تو کشش کا مرکز نقطہ B ہوتا اور تبدیلی کا سلسلہ وہاں پہنچنے پر ہی ختم ہوتا۔

شکل 2.7 b ایسی صورت حال کی مظہر ہے جس میں ایک چیز کی پیداوار بڑھتے ہوئے اور دوسری کی گھٹتے ہوئے ماحصل کے تحت ہوتی ہے۔ ابتدائی اشیاء اور مصنوعات کے بیچ پیداواری امکانات کے قوس کی شروعات ابتدائی اشیاء کی طرف سے ہوتی ہے اور یہاں یہ قوس نقطہ آغاز O کی سمت سے غیر محدب ہے یعنی دونوں اشیاء کے مابین بڑھتی ہوئی موقعہ لاگتوں یا گھٹتے ہوئے ماحصل کی نشاندہی کرتا ہے۔ اگر پیداوار دائرہ میں ہو تب اس ملک کو ابتدائی اشیاء کی پیداوار میں تخصیص سے فائدہ ہوگا۔ وہ P نقطہ پر پیداوار کرے گا اور ابتدائی اشیاء T — P کی تجارت مصنوعات C — T سے کر کے نفع کمائے گا لیکن اگر مصنوعات کی پیداوار کو قوس کے ڈھال کا رخ بدلنے والے کسی نقطہ مثلاً X سے

آگے بڑھایا جاسکے تو ہم بڑھتے ہوئے ماحصل کے میدان میں پہنچ جائیں گے اور پیداوار میں اس وقت تک برابر اضافہ ہوتا رہے گا جب تک مصنوعات میں تخصیص کامل حاصل نہ ہو جائے۔ اب پہلے کے برعکس ابتدائی اشیاء کے لیے مصنوعات کا تبادلہ کیا جائے گا اور c کے مقابلہ میں c پر ملک کی معاشی حالت زیادہ بہتر ہوگی۔

گھٹتی ہوئی موقعہ لاگتیں، ایک چیز

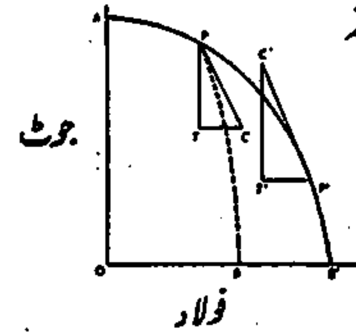

شکل c 2.7 میں اہم مسئلہ گھٹتی ہوئی موقعہ لاگتوں کا نہیں بلکہ سماجی اور نجی لاگتوں میں فرق کا ہے پیداواری امکانات کا قوس 'B — A جوٹ اور فولاد کے بیچ سماجی قوس کو ظاہر کرتا ہے لیکن عاملین عوامل کی دی ہوئی قیمتوں کی روشنی میں۔ جو ان لیے تیار فولاد کی حقیقی لاگت کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتی ہیں —— اس طرح سرگرم عمل ہوتے ہیں گویا پیداواری امکانات کا قوس P.B — A ہے۔ ان حالات میں نقطہ P پر پیداوار کریں گے۔ جوٹ کی P_T مقدار فولاد کی C — T مقدار سے بدلیں گے۔ صَرف C پر ہوگا اور یہ نقطہ سماجی بدل قوس کے نیچے ہے۔ اگر نجی لاگتوں کو کسی طرح سماجی لاگتوں کے برابر بنایا جاسکے تو نقطہ پیداوار بدل کر 'P ہو جائے گا ملک 'P — 'T فولاد برآمد کرے گا۔ 'T — "C جوٹ منگائے گا اور اس طرح اس کی معاشی حالت بہتر ہو جائے گی۔

دو ملکوں میں جہاں وسائل اور صارفین کی پسند تقریباً ایک جیسی ہوں بڑھتی ہوئی لاگتوں کے تحت نسبتی قیمتوں میں اتنا فرق نہیں ہوتا کہ رونما ہونے والا اضافی فائدہ ان کے بیچ تجارت کا سبب بن سکے۔ تاہم سبھی جانتے ہیں کہ برطانیہ، جرمنی، جاپان، اور ریاستہائے متحدہ جیسے صنعتی ممالک کے بیچ تناسبات عوامل تقریباً یکساں ہونے کے باوجود بڑے پیمانے پر تجارت ہوتی ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ عوامل کے تناسبات میں اختلاف والے ملکوں کے بیچ ملتی جلتی اشیاء میں کچھ تجارت ہوتی ہے لیکن بالکل ایک جیسی اشیاء میں نہیں۔ برطانیہ کی درآمدات میں 25 فیصد حصہ مصنوعات کا ہوتا ہے

اور ریاستہائے متحدہ میں 33 فیصد۔ یہ اسی قسم کی تجارت ہے جس کی بنیاد بڑھتے ہوئے ماحصل سے رونما ہونے والی تخصیص ہوتی ہے۔

حالانکہ ہم قلیل مدت میں بڑھتے ہوئے ماحصل کو بحث میں داخل نہیں کر سکتے کیونکہ یہ کافی حد تک ساکن توازن کے نظریہ سے میل نہیں کھاتے۔ تاہم لمبے عرصے میں ان کے وجود کو تسلیم کیا جا سکتا ہے اور شکل a 7 : 2 اس طرح تجارت کے نمو کی تشریح کے لیے اہم ہو جاتی ہے۔ نسبتی لاگتوں میں فرق کا سبب صرف عوامل کے عطیات کے اختلافات ہی نہیں ہوتے بلکہ وہ مختلف اشیاء میں تخصیص کی وجہ سے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یا دوسری کار یا ٹریکٹر بنانے میں امریکہ خصوصیت حاصل کرتا ہے یا برطانیہ یہ تاریخی اتفاق پر منحصر ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک مرتبہ تخصیص کی صورت پیدا ہو جانے کے بعد تجارت کی بنیاد قائم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ہر ایک ملک کوئی نہ کوئی چیز دوسرے سے سستی تیار کرنے لگتا ہے۔

بڑھتے ہوئے ماحصل کا سبب پیمانے کی اندرونی بچتیں ہونے کی صورت میں شکل a 7 - 2 بس اسی حد تک کے لیے ہی موجودہ حالات کی نکاسی کر پاتی ہے کیونکہ ملک ایسے مرحلہ پر جا پہنچتا ہے جہاں وہ کاروں یا زراعتی مشینوں میں سے تخصیص کے لیے کسی کا بھی انتخاب کر سکتا ہے۔ ایک بار انتخاب کر لینے، سرمایہ منتخب کام میں لگا دینے اور پیداواری صلاحیت کی تشکیل پوری کر لینے کے بعد پیداواری امکانات کا قوس نقطہ آغاز کی طرف سے محدب نہیں رہ پاتا بلکہ پچھلے خاکہ کے عام قوسوں کے قریب پہنچ جاتا ہے

دوسرے دو خاکے b 7 . 2 اور c 7 . 2 ٹریف کے لیے دی جانے والی مستند دلیل کی وضاحت پیش کرتے ہیں۔ یہاں ہم اتنا ہی کہنے پر اکتفا کریں گے کیونکہ ٹریف کے مسئلہ پر باب 1 سے پہلے بحث نہیں کی جائیگی۔ شکل b 7 . 2 کو لیجیے۔ اگر مصنوعات پر ٹریف لگانے سے ان کی قیمت (ابتدائی اشیاء کی شکل میں) اتنی زیادہ ہو جائے کہ پیداوار x سے آگے لے جائی جا سکے تو ملک کو خارجی بچتیں حاصل ہو سکتی ہیں اور وہ دوسری سمت میں تجارت کر سکتا ہے۔ یا اگر فولاد پر ٹریف (یا شاید جوٹ پر برآمدی ٹیکس کے ساتھ فولاد کو مالی امداد) صنعت کاروں کو B – A سے B′ – A بدل کر قوس پر منتقل کر سکتا ہے تو (شکل c 7 . 2 میں) ملک کی معاشی فلاح و بہبود میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

خلاصہ: تجارت کی بنیاد جہاں تک رسد کا تعلق ہے نسبتی لاگتوں میں پایا جانے والا فرق ہوتا ہے۔

کسی ملک کی کارکردگی جو پیداوار کی فی اکائی کے لیے درکار عوامل کی مقدار سے ناپی جاسکتی ہے۔ ہر چیز کی پیداوار میں دوسرے ملک سے زیادہ ہوسکتی ہے۔ لیکن جب تک کارکردگی کا فرق ہر چیز میں برابر نہ ہو تجارت کا امکان موجود رہتا ہے۔ متعلقہ ملک کو ان اشیاء کو زیادہ مقدار میں پیدا کرنے سے جن میں یہ فرق نسبتاً زیادہ ہے اور ان کو برآمد کر کے ایسی چیزوں کو باہر سے منگانے میں جہاں یہ فرق سب سے کم ہے فائدہ حاصل ہوگا۔

نسبتی لاگتوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ مختلف ممالک میں عوامل کے عطیات مختلف ہوتے ہیں۔ نیز مختلف اشیاء کو سب سے عمدہ طور پر پیدا کرنے کے سلسلے میں کسی نہ کسی عامل کو نمایاں حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ تجارت عوامل کی نسبتی قیمتوں میں فرق کی وجہ سے شروع ہوتی ہے لیکن ایک بار شروع ہوجانے کے بعد وہ اس فرق کو کم کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔

عوامل کے عطیات میں اختلافات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ کل عالمی تجارت کا بڑا حصہ معتدل خطوں اور گرم علاقوں، گنجان آبادی والے صنعتی ملکوں اور کم آبادی کے معتدل زرعی خطوں (معدنیات کا ذکر ہم نہیں کرتے) اور دیگر مخصوص وسائل کے ممالک کے بیچ ہونے والے معاشی سودوں پر کیوں مشتمل ہے۔ لیکن تجارت عوامل کے ایک جیسے عطیات والے ممالک کے بیچ۔ (خاص طور پر صنعتی علاقوں میں) ــــ بھی نسبتی لاگت میں مذکورہ اختلافات کی وجہ سے جو تاریخی اعتبار سے بڑھتے ہوئے ماحصل کا نتیجہ ہوتے ہیں خوب زور و شور سے ہوتی ہے۔

پس نسبتی لاگتیں اس کلاسیکی سوال کے جواب کے لیے ضروری اجزاء فراہم کرتی ہیں کہ بین الاقوامی تجارت میں کوئی ملک کن چیزوں کو بیچے گا اور کن اشیاء کو خریدے گا۔

تاہم یہ جواب نامکمل ہے کیونکہ ہم نے مانگ کو بالکل نظرانداز کرتے ہوئے اپنی ساری توجہ رسد پر مرکوز رکھی ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم اگلے باب میں دیکھیں گے دوسرا کلاسیکی سوال یہ ہے کہ "ان اشیاء کی تجارت کن قیمتوں پر کی جائے گی؟" اور اس سوال کا جواب فراہم کرنے کے سلسلے میں ہم مانگ کے موضوع کو مناسب طور پر زیر بحث لاسکتے ہیں۔

مطالعہ کے لیے تجاویز:

دیکھیں باب 3 کے لیے تجاویز برائے مطالعہ نیز A اور B ضمیمے۔

باب 3

بین الاقوامی تجارت کا خالص نظریہ — مانگ

جوابی مانگ کا قانون

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ غیر ملکی تجارت میں نسبتی لاگتوں کا قانون خریدی اور بیچی جانے والی اشیاء کا تعین کرتا ہے اور وہ قیمتیں جن پر ان اشیاء کا سودا ہوتا ہے جوابی مانگ کے قانون کے ذریعہ طے ہوتی ہیں بعض معاشی تحریروں میں تقریباً اسی طرح کا اظہار خیال کیا گیا ہے نیز بہت سے طالب علم غیر ملکی تجارت کے نظریہ کا مطالعہ اسی طرح کے عام مفروضے کو اپنا کر شروع کرتے ہیں لیکن یہ خیال پورے طور پر صحیح نہیں ہے۔ عام توازن کے نظریہ میں بلاشبہ مانگ اور رسد دونوں مل کر خرید وفروخت کی جانے والی اشیاء کی مقدار اور ان کی قیمتوں کا تعین کرتی ہیں۔ ایک مشہور مثال میں الفرڈ مارشل نے مانگ اور رسد کا مقابلہ قینچی کے اوپر اور نیچے کے پھلوں سے کیا تھا ان پھلوں میں سے کوئی ایک تنہا کاٹنے کا کام نہیں کر سکتا۔ تاہم تشریح کی سہولت کے پیش نظر ہم کچھ دور تک کلاسیکی نظریہ کے ارتقاء کا سہارا لے سکتے ہیں اور رسد اور مانگ کو تجزیاتی طور پر الگ رکھ سکتے ہیں۔

آئیے ہم اپنی اس سہل مثال کو دہرا لیں جس میں ایک ہفتہ کی محنت سے ایک فرد ریاستہائے متحدہ اور برطانیہ میں گیہوں اور کپڑا پیدا کرتا ہے۔

ایک ہفتہ میں ایک فرد کی پیداوار

	ریاستہائے متحدہ میں	برطانیہ میں
گیہوں	6 بوشل	2 بوشل
کپڑا	10 گز	6 گز

تجارت سے پہلے ریاستہائے متحدہ میں گیہوں اور کپڑے کا تبادلہ 10 : 6 اور برطانیہ میں 18 : 6 کی شرح پر ہوگا۔ تجارت شروع ہونے کے بعد قیمت ان حدود کے باہر نہیں جا سکتی۔ برطانیہ گیہوں کے 6 بوشل کے بدلے 18 گز کپڑے سے زیادہ دینے کو تیار نہ ہوگا اور اسی قدر گیہوں کے بدلے ریاستہائے متحدہ 10 گز سے کم کپڑا قبول نہ کرے گا۔ 10 : 6 کی قیمت پر ریاستہائے متحدہ تجارت میں دلچسپی نہ لے گا کیونکہ اس سے کوئی فرق نہ پڑے گا کہ وہ کپڑے کی بجائے گیہوں برآمد کرے یا خود دونوں پیدا کرے۔ لیکن اس قیمت پر تجارت کا تمام تر فائدہ برطانیہ کو پہنچے گا لہٰذا وہ تجارت کے لیے بیتاب رہے گا۔ اس کے برخلاف 18 : 6 کی شرح پر برطانیہ تجارت کی جانب لاپرواہی برتے گا۔ اور ریاستہائے متحدہ تجارت کے لیے آرزومند رہے گا۔ سوال یہ ہے کہ قیمت کا تعین کس نقطہ پر ہوگا۔

تساہل پسند اصول وضع کرنے والے دونوں حدود کے فرق کو تقسیم کرنا چاہیں گے اور کہیں گے کہ 14 گز کپڑے کے بدلے 6 بوشل گیہوں دیے جائیں گے۔ گذشتہ باب میں ہم نے من ملنے طور پر یہی طریقہ استعمال کیا تھا لیکن ہم اس طریقۂ کار کی مدافعت نہیں کر سکتے۔ جان اسٹورٹ مل نے اس مشکل کا حل نکالا۔ قیمت کا تعین صحیح طور پر کرنے کے لیے مزید معلومات کی ضرورت ہے۔ پیداوار کی لاگت کے علاوہ مانگ کا علم بھی ضروری ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ گیہوں اور کپڑے کے لیے ریاستہائے متحدہ کی مانگ کیسی ہے اور ان اشیاء کے لیے برطانیہ کو کتنی اشد ضرورت ہے۔ غیر ملکی تجارت کس قیمت پر ہوگی اس کے لیے بقول مل 'جوابی مانگ کا قانون درکار ہے'۔

ایک دوسرے کو متاثر کرنے والی مانگوں کی نوعیت کا پتہ لگانے کے لیے ہم یہ تصور کر سکتے ہیں کہ اٹلانٹک کے بیچوں بیچ ایک نیلامی کرنے والا بیٹھا ہوا ہے۔ اس کا کام ایسی قیمت کو معلوم کرنا ہے جس کا اطلاق دونوں ملکوں پر ممکن ہو۔ یہ قیمت ایسی ہونی چاہیے جس پر کپڑے کی درآمد کے لیے ریاستہائے متحدہ جتنا گیہوں برآمد کرنے کے لیے آمادہ ہو اور گیہوں کے بدلے برطانیہ جتنا کپڑا بیچنا چاہے دونوں برابر ہو جائیں۔ گیہوں کی شکل میں کپڑے کی قیمت بہت اونچی ہونے پر برطانیہ کپڑا دے کر گیہوں خریدنا چاہے گا لیکن اس قیمت پر ریاستہائے متحدہ سے گیہوں کی جوابی پیش کش اور کپڑے کی مانگ برطانیہ کے لحاظ سے ناکافی ہوں گی۔ اس کے برعکس کپڑے کی شکل میں گیہوں کی قیمت بہت زیادہ ہونے سے نیلام کرنے والے پر ریاستہائے متحدہ کے غیر فروخت شدہ گیہوں اور کپڑے کی رسد سے زیادہ اس کی مانگ کا بوجھ بڑھ جائے گا۔

اگر دونوں ملک ایک سی جسامت والے نہیں ہیں تو ممکن ہے کہ مانگ کا جوابی پہلو بالکل فعال

نہ ہو۔ تجارت میں بڑے ملک کا قیمت تناسب حاوی آجائے گا۔ چھوٹا ملک اس قیمت پر اسے چاہے جتنا کپڑا یا گیہوں فروخت کرسکتا ہے۔ یہ اس کے غیر اہم ہونے کی اہمیت ہے۔ چھوٹا ملک تجارت سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ گوٹامالا جو سالوں تک کیش رجسٹر بنانے کا تصور نہیں کرسکتا۔ انھیں یو۔ایس کی قیمت پر خرید سکتا ہے اور اپنی کافی کو اس قیمت پر فروخت کرسکتا ہے جو یو ایس اور برازیل کے مابین طے پاتی ہو۔ ممکن ہے تجارت اس تناسب قیمت پر ہو جو لین دین سے پہلے بڑے ملک میں رائج تھی اور جو سود مند تجارت کی حدود کے کسی سرے پر ہو۔ ہو سکتا ہے کہ ایسے کیس اتنے زیادہ ہوں جن کا کلاسیکی مصنفین کو گمان تک نہ رہا ہو۔ لیکن جب مانگ و رسد کسی ملک میں اتنی زیادہ نہیں ہوتیں کہ ان کے مقابلہ میں دوسرے ملک کی مانگ اور رسد بالکل ہی ہیچ ہو جائیں تو جوابی مانگ کا قانون قیمت کے تعین میں اپنا رول ادا کرتا ہے۔

مارشل۔ایج ورتھ پیش کش قوس

ل کے جوابی مانگ کے پس پشت نظریہ کو مشہور و معروف پیش کش قوسوں کے ذریعہ خاکوں کی شکل میں پہلے ایج ورتھ اور بعدازاں مارشل نے پیش کیا۔ ان کا آغاز جن جیومیٹرائی خصوصیات سے ہوتا ہے وہ پیداواری امکانات کے قوسوں سے کچھ مختلف ہے۔ شکل نمبر a 3.1 میں ہم نے X اور Y کے بیچ تناسب قیمت دکھایا ہے۔ یہ تناسب وہی ہے جو مساوی لاگتوں والے پیداواری امکانات کے قوس میں دکھایا گیا تھا۔ پیداواری امکانات کے قوس کی مانند یہاں بھی ہماری توجہ کا مرکز یہ حقیقت ہے کہ ایک چیز کی پیداوار میں اضافہ ہونے سے دوسری چیز کی پیداوار کم ہوتی ہے۔ یعنی ہماری دلچسپی قوس کی مطلق اقدار میں ہے۔ بہرحال بطور قیمت ہم صرف X کی وہ مقدار جاننا چاہتے ہیں جس کی قیمت Y کی کسی مقدار کی قیمت کے برابر ہو یعنی خط کا ڈھال۔ یہاں پر منفی ڈھال یعنی قوس کا بائیں سے دائیں نیچے کی جانب آنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا اور خط X کو مثبت ڈھال کے ساتھ نقطۂ آغاز O سے کھینچا جاسکتا ہے شکل نمبر b 3.1 میں X اور Y کے مابین تناسب قیمت کے خط کو کسی بھی حد تک کھینچ کر یہ واضح کرسکتے ہیں کہ X کی کتنی مقدار کے بدلے Y کی کتنی مقدار کا تبادلہ ہوگا۔

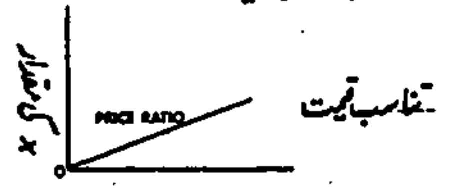

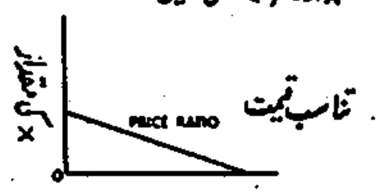

کسی ملک کے پیش کش قوس یعنی گیہوں کی اس مقدار کو جو وہ کپڑے کے بدلے دینے کو تیار ہے۔ اس طرح کے قیمت قوس سے شروع کر سکتے ہیں۔ بہرصورت خطِ قیمت ایسی حد ہے جسے پیش کش قوس پار نہیں کر سکتا۔ یہ بات ہم پہلے کہہ چکے ہیں اور قطعی طور پر واضح ہے۔ اگر کسی ملک کو درآمد کے طور پر برآمد کی جانے والی اشیاء کے بدلے ان کی اتنی مقدار نہ ملے جتنی وہ برآمد کی جانے والی اشیاء کی مقدار کی پیداوار کم کر کے اپنے یہاں تیار کر سکتا ہے تو وہ برآمد کرنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ علاوہ ازیں اگر درآمد کی مقدار کم ہے تو کسی ملک کو انھیں اپنے یہاں تیار کرنے یا برآمدات کے بدلے باہر سے خریدنے میں کوئی قابل توجہ فرق نہیں پڑتا ایسی صورت میں یہ ممکن ہے کہ شکل نمبر 3.2 میں دکھایا گیا پیش کش قوس تجارت نہ ہونے پر کچھ فاصلے تک شکل نمبر b 3.1 میں دکھائے گئے قیمت خط کے ہمراہ رہے۔

تاہم اس فاصلے کے بعد پیش کش قوس قیمتِ خط سے دور ہوتا جاتا ہے۔ شکل نمبر 3.2 میں برطانوی پیش کش قوس O — B دکھایا گیا ہے۔ اس قوس سے کپڑے کی ان مقداروں کا پتہ لگتا ہے جو برطانیہ مختلف قیمتوں پر گیہوں کی دی ہوئی مقداروں کے بدلے دینے کو تیار ہوگا۔ خط oa اس تناسب کو ظاہر کرتا ہے جس پر تجارت کی عدم موجودگی میں کپڑے اور گیہوں کا تبادلہ ہوگا۔ (18 گز کے بدلے 6 بوشل) بین الاقوامی تجارت میں پیش کش قوس کو رسد قوس سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ جو کپڑے کی ان مختلف مقداروں کو ظاہر کرتا ہے جو برطانیہ گیہوں کی مقررہ مقداروں کے بدلے میں دینے کو آمادہ ہے۔ باہم اسے مانگ قوس (ایک خاص قسم کا) کہہ سکتے ہیں جو گیہوں کی ان مقداروں کو ظاہر کرتا ہے جنھیں برطانیہ کپڑے کی مقررہ مقداروں کے بدلے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ پیش کش قوس کو کپڑے کی اس مقدار کا پتہ لگا کر اخذ کیا گیا ہے جو برطانیہ گیہوں سے بدلنا چاہتا ہے یا کپڑے کے بدلے میں دونوں اشیاء کی مختلف قیمتوں پر جتنا گیہوں لینا چاہتا ہے۔ قیمتوں کو نقطۂ آغاز سے نکلنے والے خطوط سے دکھایا گیا ہے۔ پیش کش قوس ان مقداروں کو جوڑتا ہے جن کی تجارت برطانیہ مختلف قیمتوں پر کرنا چاہتا ہے اس میں خطِ مستقیم والا وہ جز شامل ہے۔ جہاں برطانیہ کو اس امر سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ وہ تجارت کرتا ہے یا نہیں۔

قوس کے اس حصہ کے بعد جہاں اسے تجارت میں کوئی دلچسپی نہیں ہے برطانیہ جیسے جیسے زیادہ گیہوں حاصل کرتا جائے گا اس کے عوض کمتر کپڑا دینا چاہے گا۔ اس کی کچھ وجہ تو یہ ہوگی کہ برطانیہ کی گیہوں کی حاجت گھٹتی جائے گی اور کچھ یہ کہ جوں جوں برآمد کی وجہ سے اس کی رسد کم ہوگی کپڑا زیادہ مہنگا ہوتا جائے گا۔ کسی نقطہ مثلاً جیسے C پر ممکن ہے کہ برطانیہ فالتو گیہوں کے لیے مزید کپڑا چھوڑنے پر آمادہ نہ ہو۔ اس نقطہ پر برطانیہ کے پیش کش قوس (جسے کپڑے کے بدلے گیہوں کی مانگ سے تعبیر کیا جائے) کی لچک اس معنیٰ میں اکائی ہوگی کہ وہ گیہوں کی پہلے سے زیادہ مقدار کے لیے صرف اتنا ہی کپڑا دینا چاہتا ہے جتنا وہ پرانی مقدار کے لیے دیتا رہا ہے۔ اگر ہم پیش کش قوس کو گیہوں کے بدلے کپڑے کی رسد کے طور پر دیکھیں تو اس کی لچک صفر ہوگی کیونکہ بدلے میں دیے جانے والے گیہوں کی مقدار میں اضافے کے باوجود کپڑے کی رسد میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ دھیان دینے والی بات یہ ہے کہ ہم پیش کش قوس کی لچک کو کئی طرح سے بیان کر سکتے ہیں۔ درآمدات کی لچک کے طور پر یہ قیمت میں تبدیلی کے سبب درآمدات میں ہونے والی تبدیلی کی عکاس ہو سکتی ہے۔ برآمدات کی لچک کے طور پر یہ قیمت میں تبدیلی کے ساتھ برآمدات میں ہونے والی

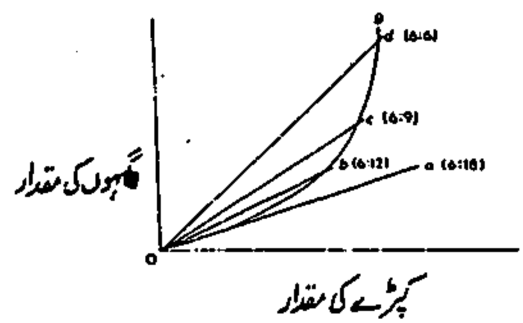

کپڑے کے لیے برطانوی پیشکش قوس
(گیہوں کی مانگ)

تبدیلی کو بتاتی ہے۔ یا اسے ہم اس معنیٰ میں کل لچک کا نام دے سکتے ہیں کہ قوس کے کسی نقطہ پر یہ درآمدات اور برآمدات کے بیچ فیصدی تناسب کو ظاہر کرتی ہے۔ پیش کش قوس سے متعلق لچک کا سب سے اہم تصور جسے مثال کے طور پر ضمیمہ D میں استعمال کیا گیا ہے درآمد کی لچک کا ہے۔

بلا شبہ پیش کش قوس کوئی عام مانگ یا رسد قوس نہیں ہے۔ مثلاً مانگ کے قوس کی رو سے یہ ایک چیز کی مانگ (درآمدات) کو دوسری چیز کی رسد (برآمدات) کی شکل میں پیش کرتا ہے جبکہ ایک عام مانگ قوس کسی چیز کی مانگ کو زر کی شکل میں ظاہر کرتا ہے۔ بہر حال زر کے جس پیمانے کا استعمال کیا جاتا ہے وہ اکائی قیمت ہوتی ہے نہ کہ چیز پر کل خرچ۔ اگر ہم دوسری چیز کو زر مان لیں (جو ممکن ہے) تو پیش کش قوس ایک ایسا مانگ قوس ہوگا جو کل زر کے بدلے دستیاب اشیاء کی مقداروں کو دکھائے گا۔ یہ عام مانگ قوس سے

جو مقدار کا موازنہ اوسط آمدنی سے کرتا ہے صریحاً مختلف ہوگا۔

کپڑے کے بدلے گیہوں کا برطانوی پیش کش قوس شکل نمبر 2 • 3 میں پیش کیا گیا ہے۔ ریاستہائے متحدہ کے لیے ایسا ہی ایک قوس شکل نمبر a 3 • 3 میں دیا گیا ہے اس کا آغاز برطانیہ کے 18 : 6 تناسب کی بجائے ریاستہائے متحدہ کے 10 : 6 کے تناسب سے ہوتا ہے۔ لیکن کپڑے کے لیے 10 : 6 سے زیادہ قیمت پر اس کے بدلے گیہوں دینے کے لیے کوئی آمادہ نہیں ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ کپڑے کی کم یا گیہوں کی زیادہ قیمتوں پر ریاستہائے متحدہ کس چیز کی تجارت کرے گا۔ پیش کش قوس کو شکل نمبر b 3 • 3 میں دکھائے گئے قوس کی مانند نیچے کی جانب جھکنا چاہیے۔

گیہوں کے لیے ریاستہائے متحدہ کا پیش کش قوس (کپڑے کی مانگ)

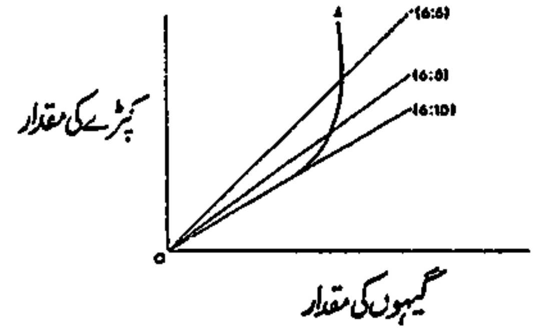

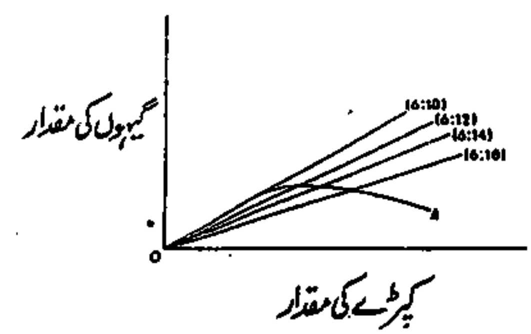

اب اگر ہم ریاستہائے متحدہ اور برطانیہ کے پیش کش قوسوں کو مساوی پیمانے پر ایک ہی خاکے میں دکھائیں تو وہ ایک دوسرے کو کسی نقطہ پر کاٹیں گے۔ یہ نقطہ (شکل نمبر 4 • 3 میں P) اس مقام

جوابی مانگ کا قانون، دو پیش کش قوسوں کا انقطاع

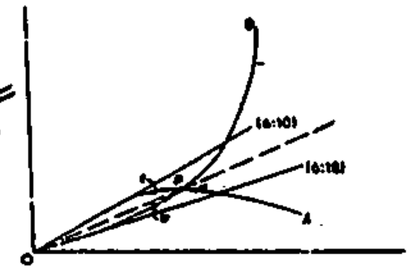

کو ظاہر کرے گا جہاں ہمارے نیلام کنندہ کو گیہوں اور کپڑے کی دونوں ملکوں میں ایک ہی قیمت (P — O) ملے گی اور ریاستہائے متحدہ و برطانیہ کے بیچ برآمد اور درآمد کیے جانے والے گیہوں اور کپڑے کی مقداریں برابر ہوں گی۔ P کے علاوہ کسی دیگر نقطہ مثلاً t پر امریکہ P نقطہ کے مقابلہ میں کہیں کم کپڑے کے لیے تقریباً اتنا ہی گیہوں دینے کو تیار ہوگا جتنا وہ P پر دے رہا تھا۔ لیکن کپڑے کی اس مقدار کے بدلے میں جیسا کہ نقطہ ω سے ظاہر ہے پہلے سے کہیں کم گیہوں قبول کرنے کے لیے تیار ہے۔ t اور ω میں سے کوئی بھی نقطۂ توازن کا کام نہیں کر سکتا۔ کیونکہ نقطۂ آغاز سے ان میں سے ہر ایک نقطہ کو جانے والے خط میں جو شرائطِ تجارت مضمر ہیں وہ بازار کو صاف کرنے کے لیے کافی نہ ہوں گی۔ کپڑے کی شکل میں گیہوں کی زیادہ اونچی قیمت پر جیسے مثال کے طور پر ω — O خط ظاہر کرتا ہے برطانیہ کپڑے کی ایک معمولی مقدار ہی کی پیش کش کرے گا جبکہ ریاستہائے متحدہ اس سے کہیں زیادہ طلب کرے گا (دیکھیں نقطہ ω)

گراہم کا حملہ

مرحوم فرینک بی۔ گراہم ایک جدید نظریاتی پروفیسر تھے۔ انھوں نے جوابی مانگ کے قانون پر اس بنیاد پر حملہ کیا ہے کہ یہ قانون رسد کے پہلو پر بہت کم توجہ دیتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس سے کسی کو فائدہ نہیں پہنچتا۔ اس سے ایسا ظاہر ہوتا ہے گویا بین الاقوامی تجارت کا نظریہ محض ایسی تجارت کا نظریہ ہونے جس میں اشیاء پیدا کی جاتی ہیں اور انھیں بار بار پیدا کرنا ممکن ہوتا ہے ایک ایسی تجارت کا نظریہ ہے جس میں پیداوار کی مقداریں یا تجارت کیے جانے والے قدرتی وسائل بالکل جامد مقرر ہوتے ہیں جیسے پرانے نوادرات یا علوم و فنون کے احیاء کے زمانہ کے استادوں کی تصاویر کی تجارت۔

گراہم نے مزید کہا کہ بہت سی اشیاء اور ممالک کی موجودگی کے سبب یہ امکان پیدا ہوتا ہے کہ تجارت کسی ایسے تناسب پر ہوگی جس پر کوئی نہ کوئی ملک ان کا تبادلہ عدم تجارت کی صورت میں کرے گا وہ حدود کے درمیان وضع کردہ کسی تناسب پر نہیں۔

رسد کے موضوع پر گراہم کا خیال صحیح نہیں تھا۔ یہ سچ ہے کہ بہت سے کلاسیکی ماہرین معاشیات نے جوابی مانگ کے قانون کا استعمال اسطرح کیا جیسے اس قانون میں رسد پر کوئی دھیان ہی نہ دیا جاتا ہو لیکن ایسا ہونا ضروری نہیں ہے۔ جو لوگ یہ جاننے کی خواہش رکھتے ہیں ان کے لیے ہم نے ضمیمہ ج میں جیومٹرائی ٹ ریر یہ دکھایا ہے کہ مانگ کے ساتھ ساتھ پیش کش قوسوں میں رسد کس طرح داخل ہو جاتی ہے۔

مساوی لاگتوں کے مفروضے کے پیش نظر جسے گراہم نے اختیار کیا تھا ان کا یہ خیال صحیح تھا کہ بہت سے ممالک (یا بہت سی اشیاء) کو بحث میں شامل کر لینے سے تجارت کی شرائط کا انحصار مانگ میں غیر یقینی تبدیلیوں پر کم رہ جائے گا۔ رحم وکرم پر بہت کم رہ جائے گا۔ یکساں لاگتوں کی صورتوں میں اگر دو ملک ہوں ان کا سائز تقریباً برابر ہو اور ہر ایک ملک صرف ایک چیز کی پیداوار میں کامل خصوصیت حاصل کرے تو مانگ کے بغیر شرائط تجارت کا تعین ممکن نہ ہوگا۔ ملکوں کی تعداد زیادہ ہونے پر اس بات کا قوی امکان ہے کہ کوئی نہ کوئی ملک تجارت کے بعد بھی دونوں اشیاء پیدا کرتا رہے گا۔ اس سے اس تناسب قیمت کا تعین ہو جائے گا جس پر سب ملک تجارت کریں گے۔

بہر حال اگر ہم مساوی لاگتوں کے مفروضے کو ترک کر دیں اور اس کے ساتھ کامل خصوصیت کا خیال بھی چھوڑ دیں تب اس حقیقت سے شرائط تجارت کا تعین نہ ہو سکے گا کہ تجارت کے بعد بھی ایک یا زیادہ ملک دونوں اشیاء بناتے رہیں یہ ممکن ہے کہ ہر ایک ملک دونوں چیزوں کی کچھ نہ کچھ مقدار پیدا کرتا رہے مگر شرائط تجارت کا تعین نہ ہو پائے۔ بڑھتی ہوئی موقعہ لاگتیں واحد حقیقی مفروضہ ہیں ان کے ہوتے ہوئے جوابی مانگ کے قانون کی گنجائش ہے۔ مانگ کے پس پشت کیا چیز مضمر ہے۔ بدقسمتی سے اس سوال کے جواب کے لیے ہمیں ایک اور جیومیٹرائی تکنیک یعنی بے نیازی کے قوسوں پر قدرت حاصل کرنی ہوگی۔

بے نیازی کے قوس

قوس بے نیازی کا مقابلہ کسی مساوی اونچائی دکھانے والے خط سے کیا جا سکتا ہے۔

قوس دواشیار کے مختلف میلوں سے مرکب تسکین یاافادیت کی ایک واحد سطح کوظاہر کرتاہے۔ آیئے ہم اپنی جانی پہچانی (اور تھکادینے والی ؟) اشیار گیہوں اورکپڑے کی مثال کولیں۔ شکل نمبر a 5 .3 میں ایک ایسی مثال پیش کی گئی ہے جس میں صارف کواس امرمیں کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ اس کے پاس 7 بوشل گیہوں اور 4 گز کپڑا( ) ہے یا 3 بوشل گیہوں اور 8 گز کپڑا ( ) یاان دونوں کاکوئی اور ایسا میل ہے جسے اسی قوس پر حاصل کیا جاسکتاہے۔ یہ امر قابل توجہ ہے کہ کوئی بھی قوس بے نیازی O کی جانب سے محدب ہوتاہے اور دونوں محوروں کو نہ چھوپانے کے لیے ان کے نزدیک جاکر سیدھا ہوتا جاتاہے پیش کش قوس کی مانند ایک نقطہ کے بعد صارف محض اور کپڑا حاصل کرنے کے لیے مزید گیہوں ترک نہیں کرنا چاہتا اس کی صارف کے پاس پہلے ہی سے بہتات ہے۔ دوسرے سرے پر وہ کمیاب قیمتی کپڑے کو کھوکر بیکار گیہوں لینے کو تیار نہیں ہوتا۔

کوئی واحد قوس بے نیازی دواشیار کے ایسے میلوں کوظاہر کرتاہے جن میں سے ہر ایک سے صارف کوایک سی تسکین وافادیت حاصل ہوتی ہے اور جن میں نسبتی قیمت بدلنے کے ساتھ ساتھ دونوں اشیار کی مقدار بدلتی رہتی ہے۔ یہاں قیمت کاخیال ہمیں اس مثال کی یاد دلاتاہے جسے ہم نے گزشتہ باب میں استعمال کیاتھااور جسے شکل ب 1 . 3 میں دکھایاگیاہے۔ قوس بے نیازی نقطوں کے ایک سلسلے سے تشکیل پاتاہے یہ نقطے گیہوں اورکپڑے کی ان مقداروں کو بالترتیب ظاہر کرتے ہیں جنھیں کسی دی ہوئی آمدنی سے کپڑے کے بدلے گیہوں کی ایسی بے شمار قیمتوں پر خریدا جاسکتا ہے جن کا سلسلہ صفر سے لامنتہا تک جاتاہے۔ اسی بات کو دوسرے طریقے سے یوں کہا جاسکتاہے کہ کسی دی ہوئی قیمت پر اس حقیقی آمدنی سے جس کی سطح کو بے نیازی قوس ظاہر کرتاہے صارف دونوں اشیار کی وہ مقداریں خریدے گا جس کی نشاندہی وہ نقطہ کرتاہے جہاں قیمت خط قوس کو چھوتاہے۔

نقشۂ بے نیازی

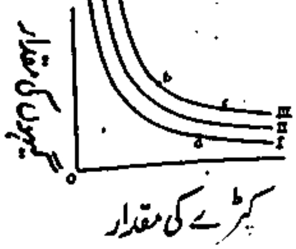

واحد قوس بے نیازی

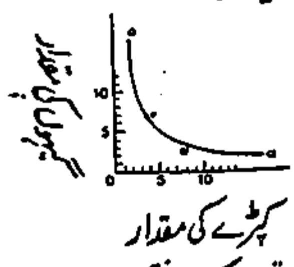

مساد دکھانے والے خطوط کی مانند بے نیازی کے قوسوں کوایسے نقشہ

دیا جاسکتا ہے جن میں متوازی خطوط پر ایک سمت میں چلنے سے تسکین کے نسبتاً نچلے درجہ (یا اونچائی) سے بلندتر درجہ پر پہنچتے ہیں۔ مثال کے طور پر شکل نمبر 3.5 b بے نیازی کے قوس نمبر III کے b نقطے پر بے نیازی قوس نمبر I کے a نقطہ کے مقابلہ میں تسکین یا بہبود کی سطح زیادہ اونچی ہوگی گو یہاں گیہوں کی مقدار نسبتاً زیادہ اور کپڑے کی مقدار کم ہے۔ فاضل گیہوں کپڑے کے زیاں کی کافی سے زیادہ تلافی کر دیتا ہے۔ c نقطہ جہاں دونوں اشیاء زیادہ مقدار میں ہیں تسکین کے نقطۂ نظر سے واضح طور پر نقطہ a سے بہتر ہے اور صارف c اور b کے بیچ بے نیاز ہے۔

بے نیازی کے اجتماعی قوسوں کے بارے میں معاشی نظریہ کی بلندتر شاخیں ایک مشکل سوال اٹھاتی ہیں۔ یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ کسی فرد کا نقشہ بے نیازی تصوراتی لحاظ سے تسلی بخش ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی پسند کی منطق اور شوق کے استحکام کے بارے میں مناسب اعتماد کا ثبوت دے تو اس سے سوالات کو ہم اس کے نقشہ بے نیازی کو ترتیب دے سکتے ہیں۔ اگر کوئی شخص سمجھتا ہے کہ وہ گیہوں کے 5 بوشل زیادہ اور 2 گز کپڑا کم لے کر پہلے سے زیادہ بہتر حالت میں ہوگا۔ واضح طور پر بہتر حالت میں۔ تو کوئی بھی اسے نہ جھٹلا سکے گا لیکن کسی سماج کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ اوسط طور پر گیہوں کے پانچ بوشل اور 2 گز کپڑا کم پا کر پہلے سے بہتر حالت میں پہنچ جائے گا ایک قابل اعتراض خیال سمجھا جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کو کپڑا کم ملے گا اور کچھ لوگوں کو گیہوں زیادہ۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ ایک (گیہوں) کی تسکین میں ہونے والا اضافہ دوسری (کپڑے) کی تسکین میں ہونے والی کمی سے زیادہ ہوگا؟ اگر کچھ لوگ ایسے ہیں جو گیہوں کے مقابلہ میں کپڑے کو بہت زیادہ ترجیح دیتے ہیں یا اس کے برعکس شوق رکھتے ہیں تب تو تبدیلیوں کو مساوی طور پر تقسیم کرنے پر بھی ایک مزید مسئلہ باقی رہ جائے گا۔ اس صورت میں یہ کہنا ناممکن ہوگا کہ گیہوں پسند کرنے والوں کا نفع کپڑے کا شوق زیادہ رکھنے والوں کی تسکین کے زیاں سے زیادہ رہے گا۔ افراد کے مابین تسکین یا بہبود کی سطحوں کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔

جیسا کہ ہم بعد میں کمرشل پالیسی پر بحث کے دوران دیکھیں گے، حقیقی دشواریاں ہیں۔ اگر کسی فعل کا سماج کے ایک طبقے کی معاشی حالت پر بہتر اثر مرتب ہوتا ہے لیکن اس کی وجہ سے دیگر طبقوں کا فلاح و بہبود کم ہو جاتا ہے تو یہ کہنا ناممکن ہے کہ مجموعی طور پر سماجی فلاح پر اس کا اثر کیسا رہا۔ جہاں لوگوں کے شوق الگ الگ ہوتے ہیں وہاں آمدنی کی تقسیم کے سبب بے نیازی کے قوسوں کا ایک نیا نقشہ رونما ہوتا ہے اور اس کے قوس ابتدائی نقشے کے قوسوں کو کاٹتے ہیں۔ لیکن بے نیازی کے قوس اسی صورت میں فائدہ مند ثابت ہوتے ہیں جب وہ ایک دوسرے ... ہیں۔ ایک دوسرے کو منقطع کرنے ...

قوسوں کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ افادیت کی سطح ط1 کبھی سطح ط2 سے اونچی ہوتی ہے اور کبھی نیچی۔ یہ ایک ناقابل برداشت صورت حال کے مترادف ہے۔ ان دشواریوں کے باوجود ہم بے نیازی کے قوسوں کا استعمال بہرحال کرتے رہتے ہیں گو محتاط طور پر۔ اس کی بنیاد معاملہ کو سہل بنانے والے کچھ مفروضے ہیں۔ ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کہ ایک فرد کے شوق سماج کے شوق و پسند کے عکاس ہوتے ہیں، وقت کے دو نقطوں پر ان کے بیچ کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا، اور یہ کہ آمدنی کی تقسیم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ مفروضے حقیقت سے کوسوں دور ہیں۔ فلاحی معاشیات کے ماہر ایک مزید صفائی کے طور پر 'اصول تلافی' کا استعمال کرتے ہیں۔ اگر یہ بات بالکل واضح ہو کہ قیمت میں تبدیلی سے جن لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے ان کی آمدنی میں اتنا کافی اضافہ ہوگا جس سے وہ خسارے میں رہنے والوں کے نقصان کی تلافی (یا رشوت) کر دیں گے۔ اور کچھ ان کے پاس باقی بچ جائے گا تب نئی صورت حال ترقی پر دلالت کرے گی۔ اگر گیہوں کے عادی لوگ کپڑے کے شوقین لوگوں کے نقصان کو پورا کرنے کی ضمانت دے سکیں اور کپڑے کے شوقین گیہوں کے عادی لوگوں کو تجارت سے باز رہنے کے لیے رشوت دینے کے لیے بے چین نہ ہوں تو صریحی طور پر تجارت سے افادیت میں اضافہ ہو جائے گا خواہ حقیقت میں تلافی ہو یا نہ ہو۔

اتنا غیر حقیقی ہوتے ہوئے بھی سماجی بے نیازی کا قوس وضاحت کے لیے ایک صاف ستھرا اوزار ہے۔ سب سے پہلے تو اس سے ہمیں اس قیمت کا علم ہو جاتا ہے جس پر دو ملکوں کے مابین تجارت مفقود اور گھٹتے ہوئے ماحصل کی موجودگی میں گیہوں اور کپڑے کا باہم سودا ہوگا۔ کسی واحد بازار میں قائم ہونے والی قیمت وہ ہوگی جو پیداواری امکانات کے قوس (A B) اور جہاں تک ہو سکے بلند ترین قوس بے نیازی (یہاں قوس ط2) دونوں کو ایک نقطے پر چھو سکے۔ تجارت کی عدم موجودگی میں پیداوار اور صَرف دونوں اسی نقطۂ مماس پر ہوں گے۔ اسے شکل نمبر 3.6 میں Q نقطے سے دکھایا گیا ہے۔ بلند تر قوسِ بے نیازی x کے کسی نقطہ پر مثلاً ر پر گیہوں اور کپڑے کی وہ مقداریں ہوں گی جنھیں معیشت پیدا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی قوس بے نیازی کے کسی نقطہ پر پیداوار کو کپڑے سے گیہوں کی جانب یا اس کے برعکس منتقل کر کے تسکین میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر نقطہ ۳ گیہوں اور کپڑے کی ان مقداروں کو بتاتا ہے جو صارفین گیہوں اور کپڑے کی (ایک دوسرے کی شکل میں) اس قیمت پر خریدیں گے جو قوس ط پر (۴ نقطہ پر) مماس ہوگی۔

لیکن اس قیمت پر پیداوار کو بیش ترین کرنے کا تقاضہ یہ ہوگا کہ پیداوار ۷ نقطہ پر ہو۔ اس دلیل کی صحت کے بارے میں جس طالب علم کے ذہن میں کچھ شبہات ہوں اسے شکل نمبر 4.2 کو دوبارہ

دیکھنا چاہیے اور اس سے متعلق بحث کو پھر پڑھنا چاہیے گیہوں کی شکل میں کپڑے کی قیمت اتنی زیادہ ہے

قوسہائے بے نیازی، پیداواری امکانات کا قوس بغیر تجارت

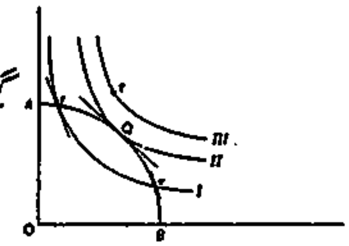

کہ وسائل کو گیہوں کی پیداوار سے کپڑے میں منتقل کیا جائے گا۔ لیکن نئی پیداوار کو ان قیمتوں پر فروخت نہیں کیا جا سکتا۔ ان قیمتوں پر صارفین زیادہ گیہوں اور کم کپڑے کا استعمال کریں گے۔ صارفین کی تسکین کے لیے کپڑا کہیں زیادہ اور گیہوں بہت کم ہوگا۔ پیداوار کو بیچنے کے لیے گیہوں کی قیمت کو اونچا اور کپڑے کی قیمت کو کم کرنا ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پیداوار کو ایک بار پھر V نقطہ سے ہٹایا جائے؛ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ پہلے صارفین اور پھر پیداوار کرنے والے گیہوں اور کپڑے کے میلوں سے غیر مطمئن رہیں گے توازن کو استحکام اسی قیمت پر حاصل ہوگا جہاں پیداواری امکانات کا قوس ایسے بلند ترین قوسی بے نیازی کے ساتھ مماس ہو جائے جس تک رسائی ممکن ہو۔

جب تک پیداوار میں گھٹتے ہوئے ماحصل موجود رہیں گے ایسے نقطے (اور صرف ایک ہی نقطہ) کا وجود بھی ضرور رہے گا۔ پیداواری امکانات کا قوس تو صرف ایک ہی ہوتا ہے مگر بے نیازی کے قوس بے شمار کھینچے جا سکتے ہیں اور اصل آمدنی میں نہایت باریک اضافوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ اگر یہ بے نیازی کے قوس ایک دوسرے کو نہیں کاٹتے۔ اور ہم نے فرض کر رکھا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو منقطع نہیں کرتے ـــــ تو پیداواری امکانات کا قوس بے نیازی کے قوسوں کے گروہ کے ساتھ کسی نقطہ پر لازماً مماس کرے گا۔

اس مماس کا ڈھال خطِ قیمت ہوگا۔ اس کے علاوہ یہ قوس بے نیازی پر صرف میں بدل کی مختتم شرح کے برابر ہوتا ہے تو صارفین بحالتِ توازن ہوتے ہیں اور جب پیداوار میں تناسب قیمت اور تبدیلیٔ شکل کی مختتم شرح مساوی ہوتے ہیں تو صنعت کار توازن میں رہتے ہیں۔ جب خارجی تجارت کے بغیر صرف میں مختتم شرح بدل اور پیداوار میں تبدیلیٔ شکل کی مختتم شرح برابر ہوں تو صارفین اور صنعت کار

دونوں بحالت توازن ہوں گے اور موجودہ قیمتوں پر بازار بالکل صاف ہو جائیں گے۔

شرائطِ تجارت

اب بے نیازی کے قوسوں کو دو ملکی معیشتوں کے مسئلہ کا تجزیہ کرنے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں تاکہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ اشیاء کی کن مقداروں کو خریدا اور بیچا جائے گا نیز ان کی تجارت کس قیمت پر ہوگی۔ ان امور کو عام طور پر شرائطِ تجارت کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس تجزیہ میں خاکے کچھ پیچیدہ ہو جاتے ہیں۔ ہم یہ فرض کیے لیتے ہیں کہ ریاستہائے متحدہ اور برطانیہ کے پیداواری امکانات کے قوس مختلف (بڑھتی ہوئی لاگتوں والے) ہیں مگر بے نیازی کے قوسوں کا نقشہ ایک ہی سا ہے۔ غیر ملکی تجارت کی عدم موجودگی میں پیداواری صَرف) ان نقاط پر ہوگی جہاں قیمت خط پیداواری امکانات کے قوسوں پر مماس ہوں گے نیز جہاں یہ قوس خود جہاں تک ممکن ہو بلند ترین قوسِ بے نیازی کے ساتھ مماس کریں گے، شکل نمبر 7 ، 3 میں ریاستہائے متحدہ اور برطانیہ کے لیے بالترتیب C اور d ہیں۔ C – C اور D – D ان قیمتوں کو ظاہر کرتے ہیں جن پر تجارت شروع ہونے سے پہلے ریاستہائے متحدہ اور برطانیہ میں گیہوں اور کپڑے کا باہمی لین دین ہوگا۔

تجارت شروع ہونے کے بعد دونوں ملک گیہوں اور کپڑے کی جن مقداروں کو درآمد اور برآمد کریں گے اور جس قیمت پر ان کا لین دین ہوگا ان کا تعین مساوی لمبائی والے ایسے متوازی خطوط سے ہوگا جو متعلقہ پیداواری قوسوں اور پہلے سے بلند تر قوسِ بے نیازی پر مماس ہوں گی۔ یہ خطوط ریاستہائے متحدہ اور برطانیہ کے لیے بالترتیب t – Y اور m – K ہیں اور بلند تر قوس نیازی پر پہنچنے کے لیے پیداواری امکانات کے قوسوں سے ایک دوسرے کے مخالف سمت میں چلتے ہیں۔ دونوں خطوط مساوی ہوں یا ان کا ڈھال برابر ہو یہ امر اس شرط کو پورا کر دیتا ہے کہ نقل و حمل کی لاگت کو نظر انداز کر کے تجارت شروع ہونے کے بعد دونوں ملکوں میں قیمت ایک ہی ہونی چاہیے۔ ان کو مساوی اور ایک ہی ڈھال کا بنا کر ہم نے اس ضروری شرط کو پورا کر دیا ہے کہ ایک ملک کی برآمدات دوسرے کی درآمدات کے برابر ہوں گی۔ آپ دیکھیں گے کہ کپڑے کی برطانوی برآمدات (L – m) ریاستہائے متحدہ کی درآمدات (S – t) کے برابر ہیں اور ریاستہائے متحدہ کی گیہوں کی برآمدات (Y – S) برطانیہ کی درآمدات (K – L) کے برابر۔

پیداواری امکانات کے قوس مختلف ہوں اور بے نیازی کے قوس بالکل ایک جیسے ایسی صورت

یں تجارت کے اثرات پر ایک ملک کو پیداوار میں زیادہ اور صرف میں کم خصوصیت بردار کر دیتے ہیں۔ دونوں ملکوں میں پیداوار پیداواری امکانات کے قوس کے ساتھ مزید پھسل کر اس چیز کی (پیداوار کی) طرف چل دیتی ہے جس کی پیداوار کے لیے وہاں عوامل پیداوار موزوں ترین ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس شکل نمبر 7 ۔ 3 میں دیئے گئے قوسوں کی موجودگی میں صرف مخالف سمت میں چلتا ہے۔ اس کے مساوی ہونے کا رجحان ہوتا ہے کیونکہ درآمد کے سبب کمیاب چیز ہر ایک ملک میں پہلے سے زیادہ سستی ہو جاتی ہے۔

اگرچہ عام طور پر یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ ممالک پیداوار کے معاملہ میں خصوصیت اختیار کرتے ہیں اور صرف کے میدان میں ان کے شوق اور پسند تقریباً ایک ہی جیسے ہوتے ہیں تاہم شکل نمبر 7 ۔ 3 میں کھینچے گئے

تجارت: شوق پسند یکساں عطیاتِ عوامل مختلف

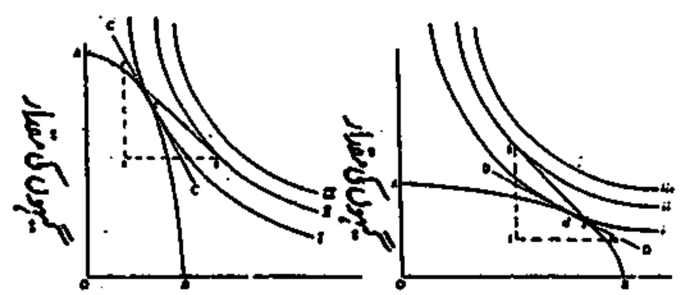

کپڑے کی مقدار　　　　کپڑے کی مقدار

ریاستہائے متحدہ　　　　مملکتِ متحدہ

قوسِ بے نیازی بنیادی طور سے درست نہیں ہیں۔ شوق و پسند (اور اس لیے قوسِ بے نیازی) میں اختلاف ہو سکتا ہے اور شرائطِ رسد میں بھی۔ درحقیقت جیسا کہ ہم ابھی دیکھیں گے تجارت یکساں تجارتی شرائط اور پسند میں اختلاف کی صورت میں بھی ممکن ہے۔ بے نیازی کے نقشے یا شرائطِ رسد خواہ کچھ بھی ہوں تجارت کے بغیر دو ملکوں میں توازن نرخ اور قیمتوں میں تفاوت ہونے کی صورت میں تجارت ہونے کا امکان رہتا ہے ایسے حالات میں ایک نئی قیمت رونما ہوتی ہے جس پر کسی ایک یا دونوں ملکوں کو تبادلے سے فائدہ پہنچتا ریاضی کی زبان میں جب دونوں ملکوں کے خطوطِ (قیمت) ایک ہی لمبائی اور ڈھال کے ہوتے ہیں اور ہر ایک ملک کے پیداواری امکانات کے قوس پر نقطۂ مماس سے کسی ایک یا دونوں ملکوں کے بلند تر قوسِ بے نیازی پر مماس کی جانب جاتے ہیں تو تجارت کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔

عام طور پر بنا قوس بے نیازی دونوں ملکوں کے لیے اس قوس سے بلند تر ہوگا جس پر وہ تجارت نہ ہونے سے پہلے تھے۔ تاہم کسی طالب علم کے لیے یہ امر باعث مسرت ہو سکتا ہے کہ وہ خود اس کیس کی تفصیلات معلوم کرے جس میں ایک بڑے ملک کو کسی چھوٹے ملک کے ساتھ تجارت کرنے سے تجارتی فوائد میں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ بڑے ملک میں قیمت نہیں بدلتی اور قیمت میں تبدیلی کے بغیر بلند تر قوس بے نیازی پر پہنچنا ممکن نہیں ہوتا۔ اس ملک کا صرف تو پہلے جتنا ہی رہتا ہے مگر وہ ایک چیز کو جسے اب برآمد کیا جاتا ہے پہلے سے زیادہ اور دوسری کو (نئی درآمد) کم پیدا کرتا ہے۔ بے شک اس کا مطلب یہ ہے کہ پیداواری امکانات کے قوس کا ضروری حصہ ایسا خط مستقیم ہو جس کا ڈھال بین الاقوامی شرائط بدل کے برابر ہو۔ کسی ملک کے معاملے میں دیے ہوئے تجارتی حجم کے لیے تجارت کے بعد کی قیمت اس سے پیشتر والی قیمت سے جتنی زیادہ ہوگی اس ملک کو تجارت سے اتنا ہی زیادہ منافع حاصل ہوگا۔

مختلف ممالک کی تجارت میں عمل توسیع پر بحث کرتے ہوئے اس نکتہ کو ذہن میں رکھنا اہم ہے۔ مثلاً اس عام طور پر دہرائی جانے والی حقیقت پر غور کرنے میں کہ کم ترقی یافتہ ملکوں کے مقابلہ میں ترقی یافتہ ملکوں کی تجارت زیادہ تیز رفتار سے فروغ پاتی ہے۔ اگر تجارت سے پہلے اور تجارت کے بعد والی قیمتوں کا تفاوت ترقی یافتہ ممالک میں محدود اور کم ترقی یافتہ ملکوں کے لیے وسیع تر ہو تو آخر الذکر میں اضافہ کی کمتر شرح کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ تجارت سے ان کا نفع کہیں زیادہ تیزی سے بڑھ رہا ہے۔

یہاں ہم طالب علم کو یہ یاد دلاتے چلیں کہ ضمیمہ C میں ایسے طریقۂ کار کی تشریح اس کی منتظر ہے جس میں پیش کش قوس، پیداواری امکانات کے قوس اور بے نیازی صرف کے نقشے سب ایک ہی خاکے میں شامل کیے گئے ہیں۔ درحقیقت وہاں پیداواری امکانات کے قوس اور بے نیازی کے نقشہ کا استعمال ایک ایسے بے نیازی تجارت کا نقشہ بنانے کے لیے کیا گیا ہے جس سے پیش کش قوس اخذ کیا گیا ہے۔ اس تکنیک پر عبور حاصل کرنے میں کچھ دقت لگتا ہے لیکن کچھ کم سنجیدہ طالب علم کے لیے بھی ایسا کرنا سودمند ثابت ہوگا۔

مختلف شوق اور پسند

وسائل کے ایک ہی جیسے عطیات اور مختلف شوق و پسند والے ممالک کے بیچ تجارت کے امکان کا ذکر پہلے ہی کیا جا چکا ہے۔ دو ملکوں میں گیہوں اور چاول یکساں خوبی کے ساتھ پیدا کیے جا سکتے

ہیں لیکن صارفین کے طور پر ہم انھیں مختلف مقام دیتے ہیں۔شکل نمبر 8 . 3 میں اس کیس کی تشریح کی گئی ہے تجارت کی عدم موجودگی میں گیہوں چاول کی نسبت اس ملک میں زیادہ مہنگا ہے جو چاول کے مقابلہ میں گیہوں کا زیادہ شوقین ہے۔ دوسرے ملک میں گیہوں کی نسبت چاول زیادہ مہنگا ہے۔ تجارت شروع ہونے سے قیمتیں دونوں ملکوں میں مساوی ہو جاتی ہیں۔ اور ہر ایک ملک گیہوں اور چاول کو باہم بدل کر اپنے صرف کو پہلے سے بلند تر قوس بے نیازی پر لے جاتا ہے۔ یہ صورت اس عام کیس کے برعکس ہے جس میں پسند و شوق

تجارت : عطیات عوامل یکساں، شوق و پسند مختلف

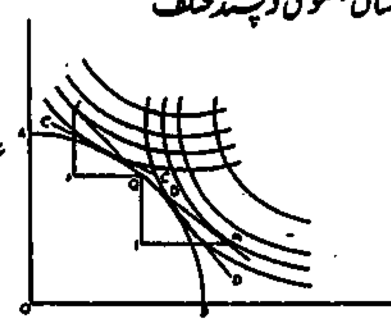

تقریباً یکساں اور عوامل میں اختلاف رہتا ہے۔ یہاں تجارت کے سبب ہر ایک ملک پیداوار میں کم اور صرف میں زیادہ خصوصیت بردار ہو جاتا ہے۔ اس کی تشریح یوں کی جا سکتی ہے کہ تجارت سے پہلے ہر ایک ملک اپنی مرغوب چیز کے لیے ان وسائل کا استعمال کرتا تھا جو اس چیز کو پیدا کرنے کے لیے زیادہ موزوں تھے جسے وہ فوقیت نہیں دیتا تھا۔ مثلاً وہ زمین جو چاول کی کاشت کے لیے زیادہ بہتر تھی۔ تجارت نہ ہونے کی صورت میں گیہوں اگانے کے لیے استعمال کی جاتی تھی۔ تجارت ممکن ہونے کے بعد اس زمین پر چاول جسے اب گیہوں سے بدلا جائے گا اگا کر تسکین میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

ایک سے عوامل ــ ایک سے شوق

ان ملکوں کے مابین جن میں عوامل بالکل ایک جیسے ہوں اور بڑھتے ہوئے ماحصل کے تحت پیداوار ہو رہی ہو تجارت کی بنیاد کی وضاحت گزشتہ باب میں کی گئی تھی۔ یہاں اس میں صرف بے نیازی کے ایسے قوسوں کا اضافہ کرنے کی ضرورت ہے جو صورت حال کی مانگ کو واضح کر سکیں یہ کام شکل نمبر 9 . 3 میں کیا گیا ہے۔ باب نمبر 2 کی بحث میں مساوی شوق کا مفروضہ مضمر تھا۔

اس لیے یہاں مزید تشریح درکار نہیں ہے۔ دونوں ملکوں میں پیداوار کا نقطے پر ہوتی ہے۔ تجارت کے

تجارت: عطیاتِ عوامل یکساں، شوق و پسند یکساں:

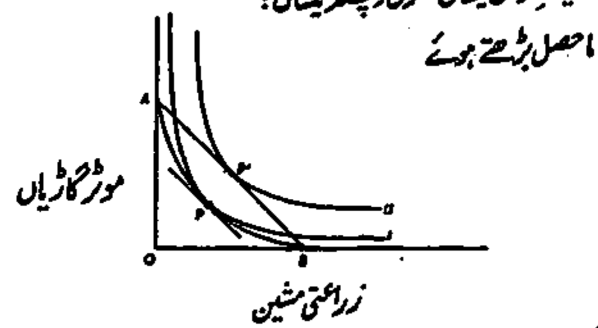

آغاز کے بعد اور دونوں ملکوں میں بڑے پیمانے کی بچتوں کے امکان کا ادراک ہونے پر ایک ملک میں پیداوار پیداواری امکانات کے ایک سرے A یا B پر اور دوسرے میں اس کے برعکس سرے پر منتقل ہو جائے گی۔ ان حالات میں تجارت کے سبب دونوں ملکوں کا صَرف بلند تر قوسِ بے نیازی یعنی بے نیازی کے قوس ـــ کے نقطہ ـــ پر پہنچ جائے گا۔

عام توازن

کلاسیکی ماہرین معاشیات نے پہلے دو سوال یہ اٹھائے تھے کہ کونسی اشیاء پیدا کی جائیں گی اور ان کی تجارت کن قیمتوں پر ہوگی نہایت عام شکل میں ان کا جواب یہ ہے کہ ان اشیاء اور قیمتوں کا تعین رسد اور مانگ سے ہوگا اور اشیاء کی رسد اور مانگ عوامل پیداوار کی رسد اور مانگ سے متعین ہوں گی اور ان کا تعین بھی کریں گی۔ توازن کا نظام باہمی رابطوں والا ہے۔

اس باب کی بحث دو ملکوں اور دو اشیاء تک محدود رہی ہے۔ بہت سے ماہرین معاشیات ایسے ہیں جن کی رائے میں اس تجزیہ میں زیادہ ممالک اور اشیاء کو شامل کرنے سے نتائج میں بنیادی تبدیلی رونما ہوگی۔ بہر حال اکثریت اس خیال سے متفق نہیں ہے کہ اس کی رائے میں متعدد طریقوں کے ذریعہ دو ممالک اور دو اشیاء کے تجزیہ کو زیادہ عمیق اور حقیقی ماڈلوں کو کامیابی کے ساتھ بیان کرنے کے لیے مناسب طور پر وسعت دی جا سکتی ہے۔

مثال کے طور پر مان لیجیے کہ دو ملکوں میں پانچ اشیاء پیدا کی جاتی ہیں۔ انھیں ہر ایک ملک میں نسبتی فائدہ کے لحاظ سے ترتیب دیا جا سکتا ہے۔ شروع میں کہا جا سکتا ہے کہ ہر ایک ملک اس چیز کو برآمد کرے گا جس میں اس کا نسبتی فائدہ بیش ترین ہے اور اس چیز کو درآمد کرے گا جس میں نسبتی خسارہ

سب سے زیادہ ہے۔ ان حدود کے بیچ وہ باقی تین اشیاء کو برآمد کرے گا اور آمد اس سوال کا جواب اب توازنِ تجارت پر منحصر ہوگا۔ جس چیز میں بڑا خسارہ ہے اگر اس کی درآمدی مانگ بہت زیادہ ہے تب ہو سکتا ہے کہ اپنے کھاتوں کو متوازن بنانے کے لیے اسے دیگر چاروں اشیاء کو برآمد کرنا پڑے (بشرطیکہ غیر ملکی مانگ کی نوعیت اس کی اجازت دے)۔

اس کے ساتھ ہی بین الاقوامی تجارت کے خالص نظریہ کو کلاسیکی اور نئے کلاسیکی مصنفین نے جس شکل میں پیش کیا ہے اس کا بیان ہم ختم کرتے ہیں۔ ہمارا اگلا کام اس کے پیچھے کارفرما بعض مفروضوں کو نرم کر کے تصویر کو زیادہ حقیقی بنانا ہے۔ اگلے باب میں ہم ایک طرف وسائل کے نہ بدلنے والے عطیات کے مفروضے کو ترک کریں گے اور دوسری جانب نہ بدلنے والے پیداواری رابطوں پر دی ہوئی ٹیکنولوجی (یا جسے پروفیسر ٹازگ 'فنون کی ایک مقررہ حالت' کے نام سے پکارا کرتے تھے) کے مفروضوں کو باب نمبر 5 میں ہم کم ترقی یافتہ ممالک کے کیس کا جائزہ لیں گے ان پر نسبتی فائدے کے کلاسیکی نظریہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کی صورت حال کلاسیکی مفروضوں سے بہت سے معاملات سے انحراف کرتی ہے۔ یہ معیشتیں خاص طور پر رکاوٹ کے بغیر اور بنا لاگت پیداواری امکانات کے قوس پر اپنا مقام بدلنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں اور ان میں اشیاء نیز عوامل کے بازار کامل مسابقت سے محروم ہوتے ہیں۔ آخر میں باب نمبر 6 نقل و حمل کی لاگتوں کو بحث میں شامل کر کے ناقابلِ یقین کہانی کو حقیقت کا رنگ عطا کرتا ہے۔

خلاصہ

کون سی اشیاء برآمد کی جاتی ہیں اور کون سی درآمد، ریکارڈو نے اس سوال کا جواب یہ دیا کہ اس کا تعین نسبتی فائدے کے قانون سے ہوتا ہے۔ مل نے اس سوال کا جواب کہ بین الاقوامی تجارت میں کون سی قیمتیں کارفرما ہوں گی یہ کہہ کر دیا کہ اس کا فیصلہ جوابی مانگ کا قانون کرے گا۔ ایک ایسی قیمت دریافت کرنے کی ضرورت تھی جو ان تمام اشیاء کا تبادلہ جو ایک ملک فروخت کرنا چاہتا ہے ان تمام اشیاء سے کروے جو دوسرا ملک ان کے بدلے میں دینے کی پیش کش کرتا ہے۔ یہ دکھانے کے لیے کہ مذکورہ قانون کس طرح کام کرتا ہے، مارشل اور ایج ورتھ نے دلچسپ پیش کش قوس وضع کیے۔

مگر اس تجزیہ میں رسد کے اندر تبدیلی کے اثرات گم ہوتے ہوئے محسوس ہوئے۔ ایک ایسے خاکی تجزیہ کی تشکیل عمل میں آئی جو رسد کے لیے پیداواری قوسوں کو مانگ کے سماجی بے نیازی کے نقشوں سے منسلک کرتا ہے، سماجی بے نیازی کے نقشوں کے استعمال میں بعض دشواریاں ہیں تاہم انھیں کام میں لایا جاتا ہے۔

تجارت کی عدم موجودگی میں پیداوار اور صَرف دونوں اس نقطے پر ہوں گے جہاں پیداواری امکانات کا قوس اور بلند ترین قوسِ بے نیازی ایک دوسرے پر مماس ہوں گے۔ دونوں ملکوں میں قیمت برابر ہوگی اور تجارت کے لیے یہ قیمت وہ ہوگی جو پیداواری امکانات کے قوس اور (کم سے کم ایک ملک کے) اتنے ہی لمبائی والے قوسِ بے نیازی پر مماس ہوگی۔ اس طرح یہ قیمتِ خط اس زاویہ قائمہ والے مثلث کا وتر ہوگا جس کی باقی دو شاخیں برآمات اور درآمات کو ناپیں گی۔

یہ وضاحت پیش کی جاتی ہے کہ بین الاقوامی تجارت کے نظریہ کا تعلق عام توازن کے اس نظریاتی تجزیے سے ہے جس میں اشیاء حرکت پذیر ہوتی ہیں مگر عوامل نہیں۔ ایک بازار میں ایک ہی قیمت یعنی شرائطِ تجارت۔ ہوتی ہے۔

مطالعہ کے لیے تجاویز

درسی کتابیں

مضمون کے ذرا کم گہرے بیان کے لیے دیکھیں

Snider, Chapters iii and iv.

Paper B. Ennon : International Economics, Foundations of Modern Economic Series (2nd ed, Englewood Cliffs, N.S.: Prentice Hall, Inc, 1967) (paperback).

اور مشکل بیان کے لیے دیکھیں

Vanek : part iii and Kemp : part ii.

کلاسیکی مصنفین کی کتابوں سے دیے گئے اقتباسات کے لیے ملاحظہ فرمائیں

W. R. Allen, International Trade Theory : Hume To Ohlin , New York : Random House Inc 1965) (paperback)

رسالے وغیرہ

اس مضمون پر حوالہ جاتی مواد کو ایک مختصر پیرے میں بیان کرنا غیر منصفانہ ہوگا۔ اس لیے یہاں جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے اسے ضمیمہ A اور B میں دیے گئے ادب کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہیے۔ ایج ورتھ۔ باؤلے بکس کے بارے میں دیکھیں

Haberler, Chaps ix – xii ; Viner, Chaps. vii and ix , Stolper & Samuelson William in

بے نیازی کے قوسوں پر

لیونٹیف کا مقالہ، تجارت کے نفع پر سیموئلسن، بڑھتے ہوئے ماحصل پر۔

American Economic Association , Readings in the Theory of

International Trade. American Economic Association کی شائع کردہ Readings in International Economics میں خالص نظریہ پر بیشتر مضامین کو ضمیمہ A. اور B. کے حوالہ جات میں دیا گیا ہے لیکن Haberler in Some Problems in the Pure. اور کینن کا ' مانگ پر آمدنی کی از سر نو تقسیم کا اثر ' دونوں مضامین خاص توجہ کے مستحق ہیں۔ مزید ملاحظہ فرمائیں Theory Kenen on Nature Capital and Trade J.P.E. Oct. 1965 اوہلن نے اپنی کتاب کے ابواب vii - v اور xiii میں عام توازن کی حالت کو سب سے بہتر طور پر بیان کیا ہے۔ اس نظریہ کو J.L.Mosak نے اپنی کتاب General Equilibrium Theory in International Trade (Bloomington, Ind; Principia Press 1944) میں ریاضی کے ذریعہ پیش کیا ہے۔ R. Dorfman, P.A. Samuelson and R.M. Solow کی کتاب Linear Programming and Economic Analysis New York, Mcgraw Hill Book Co Inc. 1953) عام باب میں اور خاص طور پر صفحات 121 — 117 پر نسبتی فائدہ کے مسئلہ کا ایک حل خطی پروگرام کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

لغات

اپنی کتاب The Commerce of Nations (New York : W.W.Norton & Inc 1958) میں J.B.Condiffe نے انیسویں صدی میں آزادی تجارت کے فلسفہ کے ارتقاء کو نہایت عمدہ طور پر بیان کیا ہے اور مزید مطالعہ کے لیے یہ ایک کارآمد کتاب ہے۔ خاص طور پر دیکھیں ابواب viii - vi اور xiii.

جو معلم عملی دنیا میں نسبتی فائدہ کے نظریہ کی مثال پیش کرنا چاہتے ہیں ان کو ان حوالوں کو دیکھنا چاہیے American Economic Association کی Readings in International Economics میں B.Balassa : An Empirical کا مضمون اور G.D.A. Mac Dougall میں Demonstration of Classical Comparative Cost, " R.E. and S Aug. 1963 and A.M.Stern;" British and American Productivity and Comparative cost in International Trade, OEP October 1962 Foreign Trade and the National Economy

کی C.P. Kindleberger (New Haven Conn. ; Yale University
نظریہ میں iii — v کے ابواب Press 1962) (Paper back)
کو عملی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

باب

تجارت کی تقابلی ساکنیات شوق وپسند، عوامل کے عطیات اور ٹیکنولوجی میں تبدیلیاں

نسبتی فائدہ کی ساکن نوعیت

اب تک بین الاقوامی تجارت کی جس اساس پر بحث کی گئی ہے اس کا دار و مدار ساکن مفروضوں پر ہے۔ شوق و پسند، پیداواری رشتوں، عوامل کے فطری عطیات اور ایسی ہی دیگر باتوں کو ساکت و جامد تصور کر لیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں خصوصیت برداری اور تبادلہ کا کیس نہایت آسانی سے تیار کیا جا سکتا ہے۔ ترقی پذیر ممالک نے آزادانہ تجارت کے خلاف کیا اعتراض اٹھائے ہیں اس بحث کے لیے ہم نے اگلے باب کو مخصوص کر دیا ہے۔ یہ بحث محرک دلیلوں پر کی گئی ہے تاہم اس مرحلے پر ہم ترقی یافتہ ملکوں کی موجودہ تجارت کے ایک حصہ کی وضاحت اور تجارت کی شکل ہونے والی تبدیلیوں کی نوعیت کی نشاندہی کی خاطر بھی اپنے ساکن مفروضوں میں سے کچھ کو ترک کرنا بہتر سمجھتے ہیں۔ خاص طور پر ہم ان ابتدائی مفروضوں کو چھوڑنا چاہتے ہیں کہ شوق و پسند، زمین محنت اور سرمایہ کی رسد وغیرہ سب دیے ہوئے ہیں اور تجارت کرنے والے ممالک کے بیچ پیداواری روابط میں کوئی فرق نہیں ہے اور نہ ان میں کوئی تبدیلی ہوتی ہے۔

شوق وپسند میں تبدیلیاں

شوق و پسند کے موضوع پر ہمیں زیادہ وقت صرف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف اتنا کہنا کافی ہوگا کہ ایسے ملکوں کے بیچ جو پہلے کبھی باہم تجارت نہیں کرتے تھے تجارت کی شروعات ہونے پر ہمارا تجربہ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ اگر تجارت کے سبب شوق و پسند میں کوئی تبدیلی نہ ہو تو دونوں

ملکوں کو تجارت سے فیض پہنچے گا۔ بلا شبہ یہ پیش گوئی حقیقت سے بہت دور ہے۔ تجارت کے بہت سے سرچشمے ہیں، مثلاً پرانے زمانے کے قبائلیوں میں تحائف کا لین دین، صلیبی جنگوں میں یورپ والوں کے ہاتھوں مشرقِ وسطیٰ کی لوٹ مار، یا اسکینڈینیویائی سمندری ڈاکوؤں کی یورپ میں لوٹ مار، اسپینی پرتگالی اور برطانوی مہم بازوں کی کوششوں کے نتیجہ میں مغربی کرۂ ارض کی دریافت۔ تجارت کو شروع کرنے والے ان تاریخی عوامل میں سے بیشتر کے سبب تبادلہ کے ابتدائی عمل سے نئی ضرورتیں رونما ہوئیں۔ اور ان کی تسکین کے نئے طریقے ظہور میں آئے۔ تجارت کے سبب شوق و پسند بدلتے ہیں اور موجودہ ضرورتیں زیادہ بہتر طور پر پوری ہوتی ہیں۔

اس نکتہ کی اہمیت کا تھوڑا بہت اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ کپاس، مسلن، شکر اور یہاں تک کہ ٹریف جیسے الفاظ کا ابتدائی مخرج عربی زبان ہے یا اہلِ یورپ کو شمالی امریکہ والوں نے تمباکو، رم اور آلو سے روشناس کرایا ہے۔ راگنر نرکس نے اس "تاثیرِ نمائش" کا ذکر کیا ہے جس کے تحت کم ترقی یافتہ ممالک کو ترقی یافتہ ملکوں میں ان اشیاء کی موجودگی کا علم ہوا جو ان کے بوجھ کو ہلکا کر سکیں گی ان کی مادہ اشیاء کی بھوک کو مٹا سکیں گی اور ان کی خود آرائی اور نمائش کے بے پناہ جذبے کو تسکین عطا کر سکیں گی۔ جب بہت ہی دقیانوسی ڈگر پر چلنے والے سماجوں میں پیداوار کے جدید طریقوں کو اختیار کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ ہی انھیں صَرف کے جدید طریقوں سے روشناس کرانا بھی اشد ضروری ہوتا ہے۔ پھل، نے، شکر، چائے اور ربر وغیرہ کی کاشت پودے کے ذریعہ کرنے کے طریقے کو اپنانے پر مقامی محنت کشوں کی خوراک میں تبدیلی ناگزیر ہو جاتی ہے اور کام چلاؤ مقامی چیزوں کی جگہ باہر سے منگائی گئی اشیاء خوردنی کا استعمال ہونے لگتا ہے۔ طرزِ زندگی میں تبدیلی کے باعث خوراک کی افادیت گھٹ سکتی ہے اور خوراک سے متعلق کمیاں رونما ہو سکتی ہیں۔

تجارت کے ساتھ جب برآمدات کی قیمتیں زیادہ یا درآمدات کی قیمتیں کم ہوتی ہیں مگر شوق و پسند اور عوامل پیداوار میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی ملک کو مجموعی طور پر تجارت سے واضح فائدہ پہنچے گا۔ یہاں ہم اس امر کو نظر انداز کیے دیتے ہیں کہ ملک کے اندر اس فائدہ کی تقسیم کس طرح ہوگی اور اسے کس طرح ناپا جائے گا۔ لیکن جب شرائطِ تجارت میں بہتری کے ساتھ درآمدات کے لیے شوق و پسند میں اضافہ ہوتا ہے اور ان کی مانگ بڑھتی ہے تو صورتِ حال اتنی واضح نہیں رہ جاتی۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس فرضی کیس کے مقابلہ میں صورتِ حال بہتر ہو جاتی ہے جس میں درآمدات کی مانگ بڑھ تو جاتی ہے مگر اسے پورا نہیں کیا جاتا۔ بہر حال کسی نئی ضرورت کا اس کو پورا کرنے والی

تجارت کے ساتھ ظہور میں آ۔ا کلاسیکی مفروضوں سے الگ صورت حال کو پیش کرتا ہے اور تجارت کے نفیض کا کلاسیکی نظریہ شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتا ہے۔ شوق و پسند تبدیلی کے ساتھ ضمیمہ c کی زبان میں صرف کا نقشہ بے نیازی اور بے نیازی فرق بدل جاتے ہیں۔ پس تجارت سے ہونے والے نفع اور نقصان کو ناپنے کی کوئی بنیاد نہیں رہ جاتی ہے۔

اس قیاس کی گنجائش موجود ہے کہ آج تاثیر نمائش، پہلے سے (مثلاً پہلی جنگ عظیم کے وقت سے) زیادہ نمایاں ہے۔ یہاں ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ بظاہر یہ ایک معمولی مثال ہے لیکن بین الاقوامی تجارت میں خاصی اہم ہے۔ انیسویں صدی میں بہت پہلے بین الاقوامی لین دین کا ارتقا ہوا لیکن اس کی وجہ سے لباس خوراک، اشیاء صرف اور تمدنی شکلوں میں کوئی خاص یکسانیت رونما نہیں ہوئی۔ اب اس حقیقت کی سچائی کم سے کمتر ہوتی جا رہی ہے۔ انیسویں صدی کے یورپ میں تجارت کے ساتھ ساتھ قوموں کی خوراک اور پکانے کے طریقے مختلف تھے۔ برطانیہ کا ناشتہ براعظم کے ناشتے سے مختلف ہوتا تھا۔ اور خود براعظم میں اٹلی، فرانس، جرمنی، اور اسکنڈنیویا سب میں کھانا پکانے کے مختلف طریقے رائج تھے۔ آج انڈے چاہنے والوں کو شکایت ہے کہ اشیائی ناشتہ یورپ کے انڈوں، گوشت، اور کافی کے حق میں دست بردار ہوتا جا رہا ہے۔ جاپان میں چاول کی بجائے گیہوں کا استعمال بڑھتا جا رہا ہے اور کوکا کولا ایسا ٹریڈ مارک ہے جسے ساری دنیا جانتی ہے۔ تاثیر نمائش، کی اہمیت غیر ترقی یافتہ ممالک میں کہیں زیادہ ہے یہ لوگ سوئس گھڑیاں، برطانوی سائیکلیں، امریکی فاؤنٹین پن اور ان کی بھی نہایت پرانی قسمیں درآمد کرنے کے لیے بے چین رہتے ہیں چاہے ان کے پاس ضروری زرِ مبادلہ کا انتظام ہو یا نہ ہو۔ یہ عدم توازن کا ایک امکانی سبب ہے اور اسے ہم حصہ VI میں دیکھیں گے۔ لیکن ترقی یافتہ ممالک کے مابین بھی نئی اشیاء کے منظر عام پر آنے کے سبب شوق و پسند میں ہونے والی تبدیلیاں کافی اہمیت رکھتی ہیں اس کی ایک مثال یہ ہے کہ امریکن یورپ کی اشیاء کو جن میں چھوٹی کاریں بھی شامل ہیں زیادہ پسند کرنے لگے ہیں۔ اکنامسٹ کے سابق ایڈیٹر نے کہا ہے کہ امریکہ کے تیز رفتار چھاپے خانے اور تعمیراتی مشینیں کارکردگی میں اس درجہ بہتر ہیں کہ یورپ والے انہیں خریدنے پر مجبور ہیں۔ اس معاملہ میں شوق و پسند کی تبدیلی تکنیکی تبدیلی کا باعث ہے۔

عوامل کے عطیات میں تبدیلیاں

شوق و پسند ساکن نہیں ہوتے اور نہ ہی عوامل کے عطیات۔ لیکن عوامل کے عطیات میں تبدیلیاں

نے کے اثرات کو واضح کرنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ ہم یہ مان کر چلیں کہ شوق و پسند اور ٹیکنولوجی میں تو کوئی رد و بدل نہیں ہوتا مگر عوامل کے عطیات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ سرمایہ اور آبادی ایسے عوامل ہیں جن میں اضافہ ہوتا ہی رہتا ہے۔ زمین غالباً جوں کی توں رہتی ہے اور استعمال کے سبب گھٹ بھی سکتی ہے (اگرچہ اس اور اس جیسے بہت سے دیگر عام بیانات کے بارے میں احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ معاشی نقطۂ نظر سے زمین میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ٹیکنولوجی میں تبدیلیوں کے سبب معدنیات کے پرانے ذخائر کارآمد بن سکتے ہیں پھر سے جنگلات لگانے اور نئی کھوج کرنے میں سرمایہ لگا کر زمین کو بڑھایا جا سکتا ہے کرۂ ارض پر بھلے ہی یہ گنجائش تقریباً ختم معلوم ہوتی ہے مگر تمام کائنات کے بارے میں ایسا نہیں کہا جا سکتا) مان لیجیے کہ ہم دو ملکوں دو اشیا، اور دو عوامل کے ایسے سادہ ماڈل سے شروعات کرتے ہیں جس کی اساس سرمایہ اور محنت ہیں نیز ان دونوں میں ایک ہی تناسب سے اضافہ ہوتا ہے جب کہ ٹیکنولوجی اور شوق و پسند میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

یہ بات از خود واضح ہے اور ضمیمہ A کی جیومٹری سے اسے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ دونوں عوامل میں مساوی توسیع ہونے اور ٹیکنولوجی نہ بدلنے کی صورت میں پیداواری امکانات کا قوس تمام سمتوں میں یکساں طور پر باہر کی جانب بڑھے گا شکل نمبر 4.10 میں پیداواری امکانات کا قوس A-B اب A'-B' ہو جائے گا۔ لیکن تجارت اور شرائطِ تجارت کا کیا ہوگا؟ عمومی سطح پر دیگر معاشی سوالوں کے جواب کی طرح اس سوال کا بھی یہی جواب دے سکتے ہیں کہ "حالات پر منحصر ہے"۔ لیکن یہ جواب استاد کو مطمئن کرنے کے لیے کافی نہیں ہے اور طالب علم کو مزید واضح کرنا ہوگا کہ وہ کیا حالات ہیں۔ اس سوال کا جواب اول مانگ سے متعلق صورتِ حال اور دوم دوسرے ملک کے پیش کش قوس کی شکل پر منحصر ہے۔

مان لیجیے کہ شکل نمبر 4.1 میں مثلث T-P-C عوامل میں اضافہ سے پہلے ہونے والی تجارت کو دکھاتا ہے جس میں T-P برآمدات کا تبادلہ C-T درآمدات سے P-C شرائطِ تجارت پر ہوتا ہے P نقطہ پیداوار ہے اور C نقطہ صرف۔ عملی ترکیب کی کامیابی اس بات کا پتہ لگانے میں ہے کہ شرائط نہ بدلنے کی صورت میں معاشی نشو و نما پیداوار اور صرف کو کس طرح متاثر کرے گی۔ اگر پرانی شرائطِ تجارت پر کوئی ملک پہلے سے زیادہ تجارت کرنے کا خواہشمند ہے تو غالباً اسے اپنی برآمدات کے لیے کم قیمت قبول کرنی ہوگی اور درآمدات کے لیے زیادہ قیمت دینی پڑے گی۔ اس کے برعکس اگر وہ تجارت کا حجم کم کرنا چاہتا ہے تو شرائطِ تجارت نہ بدلنے کی صورت میں اسے نتیجہ کی توقع کی جا سکتی ہے یعنی برآمدات کی قیمتوں میں اضافہ اور درآمدات کی قیمتوں میں کمی۔

کیونکہ پیداواری امکانات کا قوس تمام سمتوں میں یکساں طور پر آگے بڑھا ہے اس لیے نئے پیداواری امکانات کے قوس A'-B' پر پیداواری نقطہ P' — O' سے شروع ہونے والے خطِ مستقیم O-P.. پر پڑے گا۔ یہ خط A'-B' کو نقطہ P' پر کاٹے گا۔ اس کا سبب خاکے کے اندر مضمر یکساں خطی پیداواری روابط اور نہ بدلنے والی شرائط تجارت P-C. ہیں (ہمارے مفروضے کے مطابق) اب سوال یہ ہے کہ مانگ کا کیا ہوگا؟ اگر ہم C پر L-C-M، جیسا کوئی زاویہ قائمہ بنائیں تو پیداوار

تجارت پر پیداواری امکانات کے قوس کی غیر جانبدار توسیع کا اثر

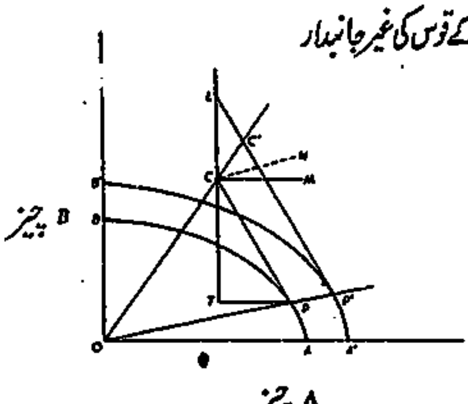

اضافے کے سبب زیادہ ملنے والی آمدنی کا مطلب یہ ہوگا کہ A اور B دونوں اشیاء کی مانگ بڑھے گی بشرطیکہ ان میں سے کوئی بھی گھٹیا چیز نہ ہو۔ ایسا نہ ہونے کی صورت میں نیا نقطہ صَرف لازماً مثلث L-C-M. کے اندر ہوگا۔ ایک امکان یہ ہے کہ پرانی قیمتوں پر A اور B دونوں اشیاء کے صرف کا تناسب بڑھی ہوئی آمدنی پر بالکل وہی رہے گا جو کم آمدنی پر تھا۔ یہ امکان نئے نقطۂ صرف کو O سے شروع ہو کر C. سے گذرنے والے خط پر لے جائے گا۔ اس مفروضے کی روشنی میں اب یہ بالکل واضح ہے کہ صورت حال کیا رخ اختیار کرے گی۔ خط P'-C' خط P-C. کے متوازی اور اس سے بڑا ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پرانی شرح تبادلہ پر مذکورہ ملک چیز B کی زیادہ مقدار کے لیے A کی زیادہ مقدار دینا چاہے گا۔ اس کا پیش کش قوس دائیں جانب ہٹ جائے گا جیسا کہ شکل نمبر 2 - 4 میں دکھایا گیا ہے۔ A کا پیش کش قوس شکل نمبر 2 - 4 کے P — O کی مانند خطِ مستقیم نہ ہونے کی صورت میں شرائطِ تجارت میں تبدیلی اس ملک کے خلاف جائے گی جس میں توسیع پیداوار ہو رہی ہے۔ اسے مذکورہ شکل میں نقطہ دار خط سے دکھایا گیا ہے۔

نہ بدلنے والے تناسبات بڑھتی ہوئی آمدنی اور جامد قیمت کی حالت میں صرف کی صورت

حال کو ہوموتھیٹک کہا جاتا ہے ۔ ان حالات میں مانگ کا ہوموتھیٹک ہونا ضروری نہیں ہے ۔ بڑھتی ہوئی آمدنی مگر ٹھہری ہوئی قیمتوں کی صورت میں صَرف کی راہ جو اینجل کے قوس (یہ قوس امکانی قیمت کے لیے الگ قوس ہوتا ہے) کے نام سے مشہور ہے C سے گذرتا ہے اور (...) کے مقابلہ میں اس کا ڈھال زیادہ ہے تو مانگ درآمد کے حق میں رہے گی ۔ ایسی صورت میں A کی لمبائی اور ڈھال میں مضمر برآمدات اور درآمدات سے اور بھی زیادہ مقداروں کی تجارت

تجارت پر پیداوار میں غیر جانبدار توسیع اور ہوموتھیٹک نقشہ کے بے نیازی کا اثر

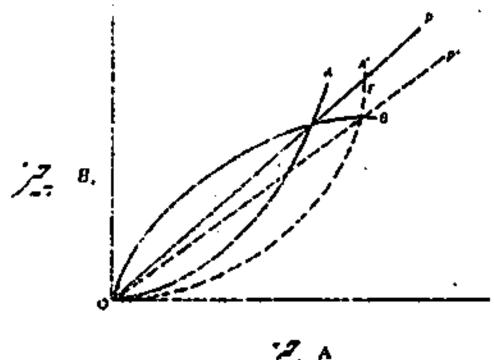

کرنا چاہے گا اور بازار کو صاف کرنے والی شرائطِ تجارت اور بھی خراب ہو جائیں گی ۔ اس دلیل میں ہم نے یہ فرض کر لیا ہے کہ A کے مقابل کا پیش کش قوس اکائی سے کم لچک رکھتا ہے ۔ درحقیقت کسی حد تک اینجل قوس برآمدات کے حق میں ہو سکتا ہے اور ان حالات میں بھی مذکورہ ملک A کی زیادہ برآمد اور B کی زیادہ درآمد کرنا چاہے گا ۔ وجہ یہ ہے کہ چیز A کے لیے اس کے پیداواری امکانات کے قوس کی توسیع A کے حق میں اس کی مانگ کے رجحان سے زیادہ ہوگی ۔ شکل نمبر 1 ۔ 4 میں P-P کے متوازی ایک نقطہ دار خط C-N کھینچیے ۔ اگر اینجل کا قوس اس کی پیروی کرتا ہے تو A ترقی کے بعد اتنے ہی مقدار کی تجارت کرنا پسند کرے گا جتنی مقدار کی تجارت وہ پہلے کر رہا تھا اور شرائطِ تجارت میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی ۔ اگر قوس اس خط سے نیچے رہتا ہے تو پیداواری امکانات کے قوس کی توسیع کے مقابلہ میں مانگ زیادہ مقدار کی برآمد کے حق میں ہوگی ۔ شکل نمبر 2 ۔ 4 میں پیش کش قوس ابتدائی O-A کے بائیں جانب کھسک جائے گا ۔ A کی تجارت کم ہو جائے گی اور شرائطِ تجارت پہلے سے بہتر لیکن اگر اینجل کی راہ L سے P' قوس کو G-N سے

اور کسی بھی مقام پر کاٹتی ہے تو شرائطِ تجارت خراب ہو جائیں گی شرط یہ ہے کہ غیر ملکی پیش کش قوس غیر محدود طور پر لچکیلا یا خطِ مستقیم نہ ہو۔

لیکن بلاشبہ یہ ضروری نہیں ہے کہ پیداداری امکانات کا قوس غیر جانبدارانہ طور پر پھیلے اور اپنی تمام لمبائی پر یکساں طریقے سے آگے کی جانب بڑھے۔ اگر A چیز کے بنانے میں سرمایہ زیادہ لگتا ہے سرمایہ میں اضافہ ہوتا ہے مگر محنت میں نہیں تو پیداداری امکانات کا قوس بلاشبہ برآمدات کے حق میں بڑھے گا جیسا کہ شکل نمبر ب 3 . 4 میں دکھایا گیا ہے یا ممکن ہے صرف وہ عامل جس کا استعمال درآمدی صنعت میں زیادہ ہوتا ہے بڑھے یا اس میں زیادہ اضافہ ہو جیسا کہ شکل نمبر ط 3 . 4 میں دکھایا گیا ہے۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ ان حالات میں اضافہ یا تو برآمدات کے حق میں زیادہ ہو گا یا درآمدات کے حق میں شکل نمبر ب 3 . 4 میں نقطہ P پر ایک زاویہ قائمہ بنایا گیا ہے۔ یہ ان حدود کو دکھاتا ہے جن کے اندر توسیع درآمدات کے حق میں ہو سکتی ہے، غیر جانبدار ہو سکتی ہے یا برآمدات کو زیادہ وزن دے سکتی ہے لیکن جہاں تک پیداوار کا تعلق ہے پرانا قیمتِ خط پیداداری امکانات کے نئے قوس پر ان حدود کے باہر مماس ہو سکتا ہے مثلاً T پر جہاں توسیع حد درجہ برآمد نواز ہے۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب نئے پیداداری امکانات اور پرانے قیمتِ خط کے ساتھ ساتھ متعلقہ ملک نہ صرف زیادہ اشیار برآمد پیدا کرتا ہے بلکہ اشیار درآمد کی پیداوار کو کم بھی کر دیتا ہے۔ اگر گھٹیا چیزوں کا وجود نہ ہو تو ان حالات

برآمد نواز نشوونما

درآمد نواز نشوونما

چیز B

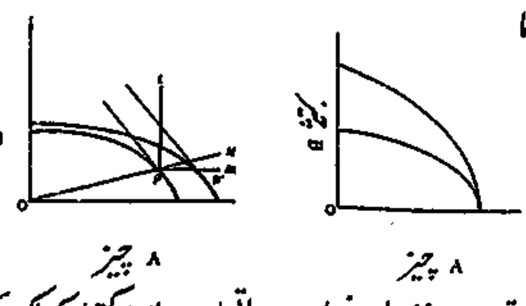

چیز A   چیز A

میں توسیع کے سبب شرائطِ تجارت لازمی طور پر خراب ہو جاتی ہیں۔ (مان سکتے ہیں کہ ملک کے سامنے غیر محدود طور پر لچکیلا پیش کش قوس نہیں ہے)۔ ان ہی شرائط کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حد درجہ درآمد نواز توسیع کے نتیجہ میں شرائطِ تجارت لازماً بہتر ہو جاتی ہیں۔

۔ آیئے اب دیکھیں کہ اس نظریاتی فریم کی روشنی میں کیا ہم حقیقی دنیا کے بارے میں کوئی کارآمد

بات کہہ سکتے ہیں۔ اوّل — جیساکہ ہم اگلے باب میں دیکھیں گے — کم ترقی یافتہ ملک یہ دعوی کرتے ہیں کہ ان کی نشو ونما کے حد درجہ برآمد نواز اور مانگ کے درآمد نژاد ہونے کی وجہ سے شرائطِ تجارت ان کے خلاف جانے کا رجحان رکھتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پرانی شرائطِ تجارت پر پیداوار میں توسیع ہو جانے کے بعد وہ پہلے سے کہیں زیادہ اشیاء برآمد کرنا چاہیں گے اور آمدنی میں اضافہ ہو جانے کے سبب پہلے سے بہت زیادہ اشیاء کی درآمد کے خواہشمند ہوں گے کیونکہ نشو ونما کی برآمد نوازی سے ان کی پیداوار کم ہوگی۔ اس سے پیش کش قوس اپنے مقام سے ہٹ جائے گا اور شرائطِ تجارت بگڑ جائیں گے۔ ان کی کہانی یہاں ختم نہیں ہو جاتی لیکن یہ تجزیہ معنی خیز ہے۔

دوم ان اشیاء کے معاملہ میں جن کی پیداوار کا دار و مدار بنیادی طور پر قدرتی وسائل پر ہے ریاستہائے متحدہ کی صورت حال کا جائزہ لینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ زمین جیساکہ پہلے کہا جا چکا ہے پیداوار کا ایک پیچیدہ عامل ہے۔ اگر زراعت کے طریقے نہ بدلیں تو زمین نئی دریافت سے بڑھ سکتی ہے استعمال کے سبب کم ہو سکتی ہے یا یہ دونوں کام ساتھ ساتھ ہو سکتے ہیں۔ لیکن قدرتی عامل زمین بلکہ درحقیقت ہر ایک عامل کی تعریف صرف کسی تکنیکی طرز عمل کی روشنی میں ہی کی جا سکتی ہے۔ معاشی عامل کے لحاظ سے کاشتکاری کے نئے طریقے زمین کی رسد کو زیادہ یا کم کر سکتے ہیں۔ دکیونائٹ کو صاف کرنے کے طریقے کا پتہ لگ جانے کے بعد ہی گھٹیا دکیونائٹ کے ذخائر معاشی وسائل میں تبدیل ہو سکے۔

خانہ جنگی کے بعد سے ریاستہائے متحدہ کی معاشی تاریخ میں اس بات کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ زمین بڑھی ہے اتنی ہی رہی ہے یا کم ہوتی گئی ہے۔ بعض مقاصد مثلاً تیل کی پیداوار کے لیے پہلے بہت زیادہ زمین دستیاب تھی مگر اب نہایت کمیاب ہے۔ دوسری معدنیات کے سب سے بہتر ذخائر استعمال ہوتے ہوتے ختم ہو گئے ہیں۔ لیکن انکشافات اور ٹکنالوجی میں ترقی جاری ہے۔ خلیج میکسیکو میں کانٹی نینٹل شلف کے اندر تیل کی تلاش جاری ہے۔ تیل صاف کرنے کے طریقے حال ہی میں اس درجہ بہتر ہو گئے ہیں کہ راکی پہاڑوں کے علاقے کی وافر زم پرتوں سے تیل نفع بخش طور پر نکالا جا سکتا ہے۔ زمین میں جس کو جامد عامل سمجھا جاتا ہے ہر قسم کی تبدیلیاں ظہور پذیر ہو سکتی ہیں۔

اگر تشریح کی خاطر ہم یہ مان لیں کہ زمین جامد ہے اور سرمایہ و محنت دونوں میں لگاتار اضافہ ہوتا رہتا ہے تو نسبتی فائدے کی نوعیت بدلتی معلوم ہوتی ہے۔ ریاستہائے متحدہ بہت سی اقسام کی معدنیات اور دھاتیں برآمد کیا کرتا تھا۔ اب وہ مجموعی طور پر کوئلہ اور جولیڈینم دو چیزوں کے علاوہ سب کو درآمد کرتا ہے۔ تانبہ، جست، سیسہ لوہا اور خاص طور پر تیل جن کی ہم پہلے برآمد کیا کرتے تھے اب

سب کی درآمد ہوتی ہے تشکل نمبر 4.4 اس تبدیلی کی نوعیت کی رسمی وضاحت کرتی ہے عمودی طور پر زمین بردار اشیار کو ناپا گیا ہے اس کے برعکس متوازی طور پر ان اشیار کو رکھا گیا ہے جن میں بنیادی طور پر سرمائے اور محنت کا استعمال ہوتا ہے۔ پیداواری امکانات کا اندرونی قوس جس پر 1875 لکھا ہوا ہے ان اشیار کی پیداوار میں خصوصیت برداری کو نہایت واضح طور پر دکھاتا ہے جن میں زمین کا استعمال زیادہ ہوتا ہے اور جن کا کچھ حصہ ان چیزوں سے بدلا جاتا ہے جن کے بنانے میں محنت سرمایہ کا زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ وقت کے ساتھ پیداواری امکانات کے قوس کی شکل بدلتی ہے زمین اتنی ہی رہتی ہے محنت اور سرمایہ کی مقداروں میں اضافہ ہوتا ہے۔ زیادہ زمین کا استعمال کرنے والی اشیار کی پیداوار میں قدرے اضافہ ہوتا ہے کیونکہ زمین نہ بڑھنے پر بھی زیادہ سرمائے اور محنت کے استعمال سے پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن پیداواری امکانات کا قوس بنیادی طور پر دائیں جانب کو بڑھتا ہے 1920 تک آتے آتے (جیسا کہ خاکے میں دکھایا گیا ہے) پیداواری امکانات کا قوس دکھائے گئے پیمانوں پر کافی حد تک متوازن ہو جاتا ہے۔ 1950. پر آکر یہ محنت/سرمایہ زیادہ

زمین جاذب اشیار میں یو۔ایس کے نسبتی فائدہ کا نسبتی نقصان میں بدلنے کی ایک اسکیمی نمائش

زمین جاذب شے

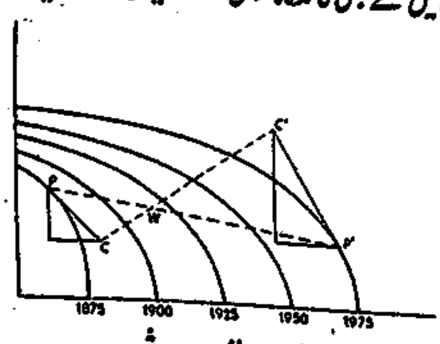

محنت/سرمایہ۔جاذب شے

کھپانے والی اشیار کی پیداوار کے حق میں لہر ہو جاتا ہے جبکہ پہلے یہ لہر مخالف سمت میں تھی۔
نقطہ دار خط p-p پیداواری امکانات کے یہ اگلے قوس کے نقطہ مماس — جہاں پیداوار ہو رہی ہے — کو جوڑنے والے راستے کو بتاتا ہے۔ c-c' راہ صرف کو واضح کرتا ہے۔ جہاں یہ دونوں خط ایک دوسرے کو کاٹتے ہیں اس نقطہ کے بائیں جانب یعنی جیسا کہ شکل میں دکھایا گیا ہے تقریباً 1920 سے پہلے زمینی پیداوار کو برآمد کیا جاتا تھا اور ان اشیار کو درآمد جن میں زیادہ محنت/سرمایہ درکار ہوتا تھا۔ 1920: یا اس کے آس پاس جہاں خط ایک دوسرے

کو کاتتے ہیں تجارت کی صورت تبدیل ہوگئی، ریاستہائے متحدہ ان چیزوں کو برآمد کرتا ہے جن کے بنانے میں زیادہ محنت / سرمایہ کا استعمال ہوتا تھا اور زمینی پیداوار کو درآمد کرتا تھا۔

بے شک یہ خاکہ محض قیاسی ہے۔ یہ بے شمار معاملات میں حقیقت سے انحراف کرتا ہے جیسے دو اشیاء، غیر متغیر ٹکنولوجی، ایک عامل جامد، نامکمل خصوصیت برداری ذخیرہ وغیرہ۔ زمین نژاد اشیاء کی تعریف سے متعلق مسائل کی وجہ سے یہ کہنا ناممکن ہے کہ یہ تبدیلی ٹھیک طور پر کب رونما ہوئی جب معدنیات برآمد ہونے کی بجائے درآمد کی جانے لگیں۔ یہ امر زیادہ قرین قیاس ہے کہ یہ تبدیلی پہلی جنگ عظیم کی بجائے دوسری جنگ عظیم کے اختتام کے قریب رونما ہوئی۔ تاہم وسیع تر مفہوم میں یہ تشریح صحیح ہے اور یہ واضح کرنے میں مدد دیتی ہے کہ عوامل کی نشوونما کے ساتھ ساتھ نسبتی فائدہ کس طرح بدلتا ہے۔

ٹیکنولوجی میں تبدیلی — پرانی اشیاء کو کم لاگت پر بنانا

موٹے طور پر موجودہ اشیاء کے بنانے میں تکنیکی تبدیلی کا تجزیہ انھیں خطوط پر چلتا ہے جن پر تناسب عوامل میں تبدیلیوں کا تجزیہ لیکن اس میں ایسی لاتعداد پیچیدگیاں ہیں جن پر بحث کرنے سے ہم احتراز کریں گے۔ روابط پیداوار اس طرح بدل سکتے ہیں کہ عوامل پیداوار کے پرانے میل پہلے کی نسبت زیادہ اشیاء پیدا کر سکتے ہیں۔ تکنیکی تبدیلی کا ایسا جھکاؤ ممکن ہے جس کی وجہ سے ایک کے مقابلہ میں دوسرے عامل کی بچت زیادہ ہو سکے۔ کسی عامل کی بچت اس کی رسد میں اضافہ کی مانند ہے۔ یہ امر بنا دلیل واضح ہے کہ دونوں اشیاء میں غیر جانبدار اور مساوی تکنیکی تبدیلی کا مطلب قطعی طور پر یہی ہے گویا دونوں عامل ایک ہی تناسب سے بڑھ گئے ہیں۔ اگر مانگ کا جھکاؤ مانع نہیں ہے اور کسی ملک کا پیشکش توس غیر محدود طور پر لچکیلا نہیں ہے تب اس ملک کو زیادہ بہتر ٹیکنولوجی کی بنیاد پر متوقع نفع میں سے کچھ نہ کچھ کی لازمی طور پر قربانی شرائط تجارت میں کمی کی صورت میں دینی ہوگی۔ اس طرح سے کسی ایک چیز کی پیداوار میں غیر جانبدارانہ تکنیکی تبدیلی کے سبب برآمد یا درآمد کے حق میں ایسی تبدیلی رونما ہوگی جیسی کسی ایک واحد عامل کی رسد میں اضافے کے باعث ہو سکتی ہے۔

کسی ایک سمت میں ہونے والا تکنیکی ارتقا زیادہ پیچیدہ ہوتا ہے۔ اگر یہ ارتقا برآمد کی جانے والی چیز کے بارے میں ہوتا ہے اور اس کے سبب وافر عامل کی رسد اور بڑھ جاتی ہے تب

معاشی نشوونما برآمدات کے حق میں ہوگی۔ درحقیقت یہ رجحان تیز تر ہوگا کیونکہ برآمدات کو بڑھانے کے لیے دو رجحانات کام کر رہے ہیں۔ اگر تکنیکی ارتقاء اس چیز کی پیداوار میں ہوا ہے جو درآمد کی جاتی ہیں اور اس سے کمیاب عامل کی دستیابی بڑھتی ہے تو معاشی نشوونما کا رُخ برآمدی اشیاء کے میدان کی جانب ہوگا۔ ان دونوں صورتوں کے بیچ ظاہر ہے بہت سے کیس تشکیل کیے جا سکتے ہیں مثلاً درآمدی میدان میں ایسا نشوونما جس سے ایسے عامل کی بچت ہو جس کی فراوانی ہے یا برآمدات میں ایسا ارتقاء جس سے کمیاب عامل کی رسد میں اضافہ ہو یہاں کسی رائے کا اظہار اس وقت تک نہیں کیا جا سکتا جبکہ صورت حال کے تمام پہلوؤں کے بارے میں صحیح اور ٹھیک علم نہ ہو۔

عوامل کی نشوونما اور تکنیکی تبدیلیاں

استدلالی طور پر عوامل کے نشوونما اور تکنیکی تبدیلی میں امتیاز کیا جا سکتا ہے تاہم عملی لحاظ سے دونوں ساتھ ساتھ یا کچھ وقفہ سے رونما ہو سکتی ہیں اور کسی ایک چیز میں نسبتی فائدہ برقرار رہ سکتا ہے۔

مثال کے طور پر عالمگیر جنگوں کے درمیانی عرصے میں زراعت کے میدان میں ریاستہائے متحدہ کا نسبتی فائدہ کم ہو رہا تھا۔ زراعتی اشیاء کا تناسب ریاستہائے متحدہ کی برآمدات 22 19 24 میں 47, فیصدی سے کم ہو کر 1937-39 میں 25 فیصدی رہ گئیں۔ زراعتی پالیسیاں جن میں امدادی قیمتیں بھی شامل ہیں اس خرابی کے لیے کسی حد تک ذمہ دار تھیں مگر یہاں ہم اس معاملہ پر بحث نہیں کریں گے لیکن بڑی وجہ محنت کی قیمت میں ہونے والا اضافہ تھا اس اضافہ کی وجہ سے ان میں سے بہت سی اشیاء دنیا کے بازار میں قیمت کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکیں۔

لیکن دوسری جنگ عظیم سے کچھ پہلے اور اس کے دوران ریاستہائے متحدہ کی زراعت میں نیم انقلابی صورت رونما ہوئی، مشینوں اور کیمیادی کھادوں کے استعمال گیہوں میں خشک کھیتی کے طریقے اور کپاس میں آبپاشی کے سبب انیج اور خاص طور پر محنت کی صلاحیت پیداوار میں بڑا اضافہ ہوا۔ بہت سی زراعتی اشیاء جن کو پہلے اس لیے برآمد کیا جاتا تھا کہ ان میں زمین نزاد نسبتی منافع ہوتا تھا۔ انھیں پھر سے اس لیے برآمد کیا جا سکتا تھا کیونکہ ان کے لیے اب زیادہ سرمایہ درکار تھا اور ملک میں سرمایہ کی کمی نہیں تھی۔ دوسری چیزیں جیسے چاول، السی سیڈ، سویابین اور ترکی تمباکو جنھیں پہلے درآمد کیا جاتا تھا اب انھیں باہر بھیجا جانے لگا۔

غالباً کوئلہ کے معاملہ میں صورت حال اور بھی زیادہ نمایاں تھی۔ تکنیکی تبدیلیوں کے نتیجہ میں

بھاپ والی کدالوں کے سائز میں برابر اضافہ ہوتا گیا کھلی کھانوں میں ان کا استعمال کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کر 2400 ٹن سائز کی کدال بن گئی جس سے ایک ہی چوٹ میں 80 ٹن بار ہٹ جاتا ہے۔ مزدوروں کی کوئلہ لادنے کی سہولتوں کی بجائے کان کنی مشینوں کے استعمال کی لاگت میں نسبتاً زبردست اضافہ ہوا ہے۔ یہ 8 ڈالر فی ٹن سالانہ سے بڑھ کر 7 سے 10 ڈالر فی ٹن تک جا پہنچی ہے۔ لیکن کوئلہ کی قیمت میں اجرتوں کا تناسب 1930 میں 70 فیصد سے گھٹ کر 1980 میں 50 فیصد رہ گیا۔ زمین کی کمی کو تکنیک میں ترقی نے ضرورت سے زیادہ پورا کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئلہ برآمدی اشیاء میں بدل گیا۔

تکنیکی تبدیلیاں —— نئی اشیاء

کچھ سال پہلے اروِن کراوِس نے ہکشر اوہلن کی تھیورم کی....... جانچ کی۔ وہ خاص طور پر یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ کیا وہ اشیاء برآمد جن میں محنت کا استعمال زیادہ ہوتا ہے ایسے مزدور بناتے ہیں جن کی اجرتیں نہایت کم ہیں۔ انھیں یہ معلوم ہو کر بڑا تعجب ہوا کہ تقریباً سبھی ملکوں میں برآمد کرنے والی صنعتیں وہ تھیں جن میں اجرتوں کی شرحیں اور صنعتوں کے مقابلہ میں سب سے اونچی تھیں۔ انھوں نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ کوئی ملک کیا بناتا اور برآمد کرتا ہے اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ اس کے پاس بیچنے کے لیے وہ دستیاب ہے یعنی وہ اشیاء جو اس کے صنعت کار اور ایجادات کرنے والے تیار کر سکتے ہیں۔ 'دستیابی' سے ہماری مراد لچکیلی رسد سے ہے۔ اگر کسی ملک کے پاس کسی چیز مثلاً ٹرانسسٹرز کو بنانے کے لیے سستی محنت موجود ہے تو اسے موجدوں کی کمی ہونے کی صورت میں کوئی فائدہ نہ ہو سکے گا۔ اگر ایجادات کے استعمال کا لائسنس بھی حاصل کر لیا جائے تو اختراع پسندوں صنعت کاروں، ماہر فنکاروں وغیرہ کی کمی ہونے کی صورت میں سستی محنت کچھ کام نہ کر سکے گی۔ اس نظریہ نے کلاسیکی اصول کے اس مفروضے کو للکارا کہ ساری دنیا میں ٹیکنولوجی ایک جیسی ہی ہے۔

نئی اشیاء میں تجارت کی بنیاد کیا ٹیکنولوجی ہے؟

اس مسئلہ پر مذکورہ بالا کام کے علاوہ اور بہت سا کام ہو چکا ہے مثال کے طور پر لنڈر نے یہ تجویز پیش کی کہ کسی ملک کے پاس صنعت کاروں اور اختراع پسندوں کا ہونا ہی ضروری نہیں ہے۔ مقامی بازار کا بڑا ہونا بھی ضروری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ملک میں اس چیز کے بہت سے صارفین ہوں تاکہ وہ نئی چیز کو اس وقت تک خریدتے رہیں جب تک صنعت کار اس کے بنانے میں اس درجہ مہارت حاصل کریں کہ برآمد کرنے کے لیے اس کی قیمت کم کی

جاسکے۔ اسے 'چھلکتے جام' کا نظریہ کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ برآمدات بالآخر گھریلو پیداوار سے دوسرے ملکوں میں بہہ نکلتی ہیں۔ یہ نظریہ صرف مصنوعات پر لاگو ہوتا ہے ابتدائی اشیا پر نہیں۔ اس کا مفروضہ یا دعویٰ کہ ایسی اشیا شاذ ہی ہوں گی جو پہلے گھریلو بازار میں اہمیت حاصل کیے بغیر براہ راست عالمی تجارت کے بطن سے نکلی ہوں۔ پڑھنے والے کو اس نظریہ کے خلاف مثالیں سوچنے کی کوشش دلچسپ معلوم ہو سکتی ہے۔ سوئس گھڑیوں کی مثال لیجیے۔ انھیں پہلی جنگ عظیم میں ایک چھوٹے سے ملک نے بہت بڑی تعداد میں بنایا۔ یہ ملک دو ایسے ممالک کی سرحدوں پر تھا جنھیں وقت کی مشینیں (گھڑیاں) درکار تھیں لیکن وہ اس درجہ مصروف تھے کہ خود اس کا ارتقا نہ کر سکے۔ یا اسی طرح کرسمس پیڑ کے زیورات جاپان برآمد کرتا ہے جو خود عیسائی ملک نہیں ہے۔ لیکن اس نظریہ کی حمایت میں بہت سے تاریخی شواہد موجود ہیں۔ یہ ہمیں اس بات کو واضح کرنے میں مدد دیتی ہے کہ گھریلو آمدنی میں اضافہ کے ساتھ ساتھ برآمدی اشیا میں کیسے تبدیلی ہوتی ہے۔ ایک دوسرے اسکنڈینویائی ماہر معاشیات ایرک ہوفیمر نے ریاستہائے متحدہ کی تجارت میں آفس مشینری کے ابھرنے کی نوعیت کا جائزہ لیا۔ ابتدائی مراحل میں یو۔ ایس کے اختراع پسند، ٹائپ رائٹر، جوڑ لگانے والی مشینیں اور کیش رجسٹر میدان میں لائے۔ اور گھریلو بازار میں ان کی کھپت بڑھ جانے پر انھیں برآمد کرنے لگے۔ وقت گزرنے کے ساتھ سہل مشینوں کو دیگر ممالک میں بڑے پیمانے پر بنایا جانے لگا اور یو۔ ایس میں ان کا مقام اور پیچیدہ مشینوں نے لے لیا۔ لہٰذا وقت کے ساتھ ریاستہائے متحدہ نے ٹائپ رائٹر، جوڑ لگانے والی مشینیں اور دیگر دفتری سامان باہر سے منگانا شروع کر دیا اور بجلی سے چلنے والے ٹائپ رائٹر نیز اعداد و شمار کو ترتیب دینے والی مشینوں کو برآمد کرنے لگا۔ یو۔ ایس میں صارفین کی زیادہ اونچی آمدنی نے کاروں کے میدان میں لوگوں کو بڑی کاروں کا شوقین بنا دیا ان عیش بردار کاروں کی قیمت اتنی زیادہ ہو گئی کہ ان کی برآمدات معدوم تر ہوتی چلی گئیں۔ 1920 کی دہائی میں کاروں کے بازار میں یو۔ ایس کا بول بالا تھا اب وہاں کاروں کی درآمدات زیادہ ہیں خاص طور پر چھوٹی کاروں کی جو غیر ملکی بازاروں میں زیادہ مقبول ہیں۔ علاوہ ازیں اگر دو ملک لگ بھگ ایک ہی جیسی اشیا بنا رہے ہیں تو ایک دوسرے کے بازار میں گھسنے کے لیے اپنی پیداوار میں امتیاز ضرور پیدا کریں گے مثال کے طور پر جب فیٹ کاریں جرمنی میں بیچی جاتی ہیں اور واکس ویگنز اٹلی میں۔

اس نظریہ کی رو سے مصنوعات میں بیشتر تجارت کی بنیاد عوامل کے تناسبات کا فرق نہیں بلکہ مشہور و معروف تکنیکی تفاوت ہے۔ ایم۔ آئی۔ ٹی کے ایک تحقیقی رسالے میں جو فلم سازی سے متعلق ہے

یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ ریاستہائے متحدہ اس میدان میں بہت سی اختراعات کا پیش رو رہا ہے۔ اس میں مزید بتایا گیا ہے کہ ہر ایک اختراع — فیچر پکچر، بولنے والی تصاویر، رنگین فلم اور بڑے بڑے وغیرہ — کے بعد برآمدات میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔ کچھ عرصے کے بعد جس کا انحصار اختراع کی کامیابی کا اندازہ لگانے اور اس کی نقل کرنے پر رہا ہے، غیر ملکی فلم سازوں نے اسے اپنایا ہے۔ ٹیکنولوجی کے عام ہو جانے اور اسے اپنا لیے جانے کے بعد ریاستہائے متحدہ سے برآمدات جاری رہ سکتی ہیں یا بند ہو سکتی ہیں یا امتیاز بردار فلموں کا دو طرفہ لین دین ہو سکتا ہے۔

ایک ایسا ہی مطالعہ مصنوعی ریشوں کے سامان کے بارے میں کیا گیا ہے۔ اس میں تکنیکی تفاوت کے لحاظ سے تجارت کا جائزہ لیا گیا ہے۔ پیمانے کی بچتوں کے اثر کو دیکھا گیا ہے اور آخر میں عوامل یعنی عوامل کے تناسبات میں فرق اور کم اجرتوں پر مبنی زیادہ محنت کا استعمال کرنے والی اشیا کو تجارت کی اساس کے لحاظ سے پرکھا گیا ہے۔ مصنف نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مصنوعی ریشوں سے کپڑے خاص طور پر ان ممالک میں پیدا نہیں کیے جاتے جہاں خام مال جیسے لکڑی کی گدی (سویڈن اور کناڈا) یا پٹرولیم سستا ہے اس میدان میں تجارت کا آغاز اس تکنیکی اختراع سے ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں تکنیکی خلا پیدا ہوتا ہے اسے پیمانے کی بچتوں (مثلاً پیدا کرو تو سیکھو، جس کا مطلب یہ ہے کہ کامیابی سے بڑھ کر کوئی کامیابی نہیں ہے) سے سہارا ملتا ہے۔ لیکن ایک بار تکنیکی جانکاری ہمہ گیر طور پر پھیل جانے اور بڑے پیمانے کی بچتوں کی حد آ جانے کے بعد تجارت کی بنیاد بدل کر اجرت لاگت یا تناسبات عوامل ہو جاتے ہیں۔

کسی چیز کی زندگی میں اس سائیکل کو ریمنڈ ورنن نے عمومی شکل میں پیش کیا ہے انھوں نے کسی

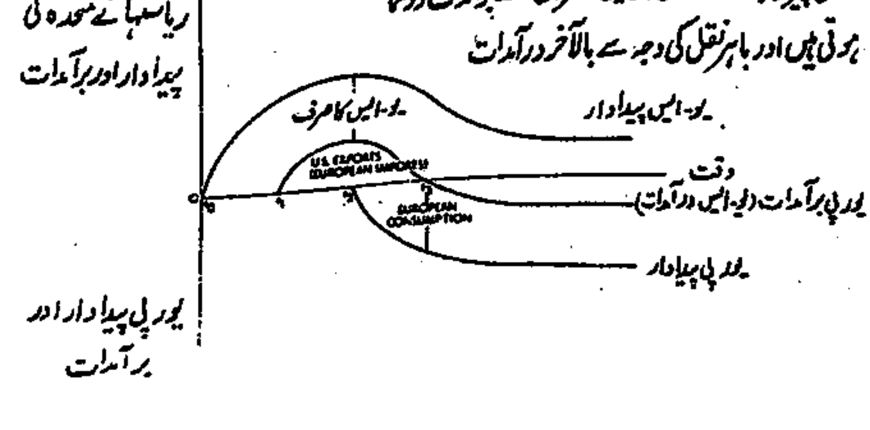

اس چیز کی برآمد سائیکل جس میں اختراع سے برآمدات رونما ہوتی ہیں اور باہر نقل کی وجہ سے بالآخر درآمدات

چیز سے متعلق ان مراحل کی نشاندہی کی ہے۔ پہلے یہ نئی ہوتی ہے پھر پختگی اختیار کرتی ہے (جب یہ اپنے خالق کے گھر سے نکل کر دیگر صنعتی ملکوں میں پہنچتی ہے) اور آخر میں معیاری ہو جاتی ہے۔ آج پیمانے کے ایک سرے پر کمپیوٹر ہیں اور دوسرے سرے پر کپڑے، چمڑے کا سامان، ربر کی چیزیں اور کاغذ۔ ایک برطانوی معاشی نے بہت پہلے کہا تھا کہ آج کی کاریں کل لباس بن جائیں گی۔ مدتوں کی کوشش کے بعد کاروں کی عالمی تجارت میں آج جاپان کی شمولیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ان کی پیداوار قریب قریب معیاری مرحلہ پر پہنچ چکی ہے۔

کسی چیز کی سائیکل کو شکل 4.5 میں دیے گئے خاکے کے ذریعہ واضح کیا جا سکتا ہے۔ یہاں وقت کو متوازی طور پر ناپا گیا ہے۔ ایسی صورت میں جبکہ وقت متوازی محور پر ناپا گیا ہے معاشی ارتقاء کے ابتدائی مراحل میں اختراع سازی اور پیداوار دونوں ——— مثال کے طور پر ریاستہائے متحدہ میں ——— t_0 عرصے میں شروع ہوتے ہیں (ایجاد کسی بھی جگہ ہوئی ہو اہمیت اولین تجارتی پیداوار کی ہے)۔ t_1 پر ریاستہائے متحدہ سے برآمدات کا آغاز ہوتا ہے یہ یورپ کے لیے درآمدات اور صرف بن جاتی ہیں یورپ میں حقداروں کو منفی طور پر متوازی محور سے نیچے ناپا گیا ہے۔ t_2 پر پیداوار یورپ میں شروع ہو جائے گی۔ ورنن اس سوال میں دلچسپی رکھتے تھے کہ ریاستہائے متحدہ کے صنعت کار باہر کے ممالک میں پیداوار کی سہولتوں کو بہم پہنچانا شروع کریں گے اور کریں گے تو کب؟ لیکن یہ موضوع باب 21 سے پہلے ہماری توجہ کا مرکز نہیں بنے گا۔ پیداوار کسی بھی ملک نے کی ہو یہ درآمدات (ریاستہائے متحدہ کی برآمدات) کا مقام لے لے گی۔ درآمدات نہ صرف کم ہوں گی بلکہ ممکن ہے کہ وہ برآمدات میں بدل جائیں (شکل 4.5 کے نقطہ t_3 پر ریاستہائے متحدہ کی درآمدات) ایسا تبھی ہوگا جب اس چیز کے بلوغت کے مرحلے سے نکل کر معیاری ہو جانے کے بعد یہ پتہ چلے کہ اس میں اجرتوں کا عنصر اتنا اونچا ہے کہ (مشترکہ ٹیکنولوجی کی موجودگی میں) نسبتی برتری یورپ کو حاصل ہو جائے۔

آج کل ایک جانب برآمدات اور محنت کی فنی مہارت کے باہمی رشتہ کے بارے میں بڑا تحقیقی کام ہو رہا ہے اور دوسری جانب برآمدات اور تحقیق و ارتقاء کے تعلق پر زور و شور کے ساتھ ریسرچ کی جا رہی ہے۔ کمپیوٹروں، صوتی آلات، نیوکلائی انرجی اور خلائی ساز و سامان کے بارے میں ریاستہائے متحدہ اور یورپ کے بیچ تکنیکی خلیج کی بڑی شہرت ہے اور عوامی بحث و مباحثہ میں اس کی حیثیت سب سے نمایاں ہے۔ اگر ریاستہائے متحدہ میں ان 5 صنعتوں کو جن میں تحقیقاتی کوشش کو بلند ترین مقام حاصل ہے دیگر 14 بڑی صنعتوں سے الگ کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ

آخر الذکر کے مقابلہ میں فی ڈالر بکری کے لحاظ سے یہ صنعتیں چار گنا مال برآمد کرتی ہیں یا ان پیمانوں کو ہم اس طرح پیش کر سکتے ہیں کہ کل روزگار میں ان سائنسدانوں اور انجنیئروں کا تناسب دیکھا جائے جو تحقیق اور ارتقار کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ پیمانہ خواہ کچھ بھی ہو یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ کم از کم ریاستہائے متحدہ کی برآمدات میں تکنیکی عنصر زیادہ ہے اور ریاستہائے متحدہ کی تکنیکی برتری کم یا ختم ہو جانے پر ان میں سے بہت سی برآمدات کم یا ختم ہو جاتی ہیں۔ آج کل تکنیکی خلیج کے تصور پر بڑی بحث ہو رہی ہے بہت سے لوگ اسے تکنیکی برتری کی بجائے تنظیمی فائدے کے نام سے پکارنا زیادہ اچھا سمجھتے ہیں۔ درحقیقت بعض صنعتوں مثلاً کار سازی کے اندر تکنیکی تبدیلیاں غیر ممالک میں ریاستہائے متحدہ کی نسبت کہیں زیادہ ہو رہی ہیں۔ اس بحث کا نتیجہ خواہ کچھ بھی نکلے لیکن اس نے بین الاقوامی تجارت کے نظریہ کو حقیقت آشنا ضرور بنایا ہے اب ہم اس ہمہ گیر سادہ مفروضے سے گریز کرنے لگے ہیں کہ تکنیک کی صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اور یہ تسلیم کرنے لگے ہیں کہ اختراع کی وجہ سے تجارت ظہور میں آتی ہے گو یہ ممکن ہے کہ تکنیک کے عام ہو جانے پر تجارت ختم ہو جائے یا اس کا رخ مخالف سمت میں بدل جائے۔

خلاصہ: نسبتی فائدہ کا کلاسیکی نظریہ اس سوال کا ایک جواب فراہم کرتا ہے کہ ایک ایسی دنیا میں جہاں شوق و پسند، وسائل اور تکنیک میں کوئی تبدیلی نہ ہو کن اشیاء کو برآمد و درآمد کیا جائے گا ان کی قیمتیں کیا ہوں گی اور تجارت سے کیسے فائدہ پہنچے گا۔ یہ غیر متحرک دنیا اگر کبھی وجود میں تھی بھی تو آج ناپید ہے۔ شوق و پسند بدلتے ہیں خاص طور پر اس وقت جب ایک ملک .... صرف یا پیداواری عوامل کے عروج کا نمائشی اثر دوسرے ملک کے لوگوں پر پڑتا ہے۔

عوامل کے عطیات میں تبدیلیوں کے اثر کا اندازہ یہ دیکھ کر لگایا جا سکتا ہے کہ یہ تبدیلیاں ابتدائی شرائط تجارت کو کس طرح متاثر کریں گی۔ غیر جانبدار نشو و نما اور حد درجہ ممکن غیر جانبدار مانگ کا مفروضہ (نہ بدلنے والے قوس بے نیازی) ایسے امور ہیں جو پرانی شرائط تجارت پر لین دین کی خواہش کو ہوا دیں گے غیر ملکی پیش کش قوس کے لامحدود طور پر لچکیلے نہ ہونے کی صورت میں اس سب کا نتیجہ یہ ہو گا کہ پیش کش قوس اپنی جگہ سے ہٹے گا تجارت بڑھے گی اور شرائط تجارت خراب ہو جائیں گی۔ عوامل کے عطیات میں ہونے والی تبدیلیوں سے برآمدات کی حوصلہ افزائی ہو سکتی ہے یا اس کا الٹا اثر ہو سکتا ہے۔ ان تبدیلیوں کے ساتھ مانگ کی شرائط میں ایسی تبدیلیاں ہو سکتی ہیں جو ان کے پیداواری رجحان کو اور بڑھا دیں یا اسے (مکمل یا جزوی طور پر) زائل کر دیں۔ بہرحال گھٹیا اشیاء کی عدم موجودگی

میں نتیجہ کا تعین پیداوار میں غیر معمولی جانبدارانہ رجحان سے ہوتا ہے۔

تکنیکی تبدیلیوں کی وجہ سے پرانی اشیاء کی لاگت کم ہو سکتی ہے یا نئی اشیاء منظرِ عام پر آسکتی ہیں۔ اول الذکر کو یہ مان کر عام بحث میں شامل کیا جا سکتا ہے کہ لاگتوں میں کمی عوامل پیداوار میں اضافہ کے مترادف ہے لیکن کسی ملک میں دیگر ممالک سے پہلے نئی اشیاء کا منظرِ عام پر آنے سے برآمدات ظہور میں آتی ہیں۔ ان برآمدات کا۔کم از کم قلیل مدت میں عوامل کے عطیات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر ریاستہائے متحدہ کی تجارت نئی اشیاء کے وجود سے بہت زیادہ متاثر دکھائی دیتی ہے گو انھیں ایک خاص سبب سے منسلک کیا جاتا ہے یعنی تحقیق اور ارتقاء کے کام میں لگے ہوئے سائنسدانوں اور انجینئروں سے

مطالعہ کے لیے تجاویز:

درسی کتب:

ملاحظہ کریں Kemp , chap. ; C.P. Kindleberger ; Foreign Trade and the National Economic (New Haven Conn Yale University Press , 1962 ,) (Paperback) chap in an "Technology ".

تحقیقی رسائل

عوامل کی نشوونما اور تجارت پر سب اہم مقالہ ایچ۔جی۔جونس کی Money, Trade and Growth Economic Development and International Trade (Cambridge , Mass Harvard University Press 1962)

Reading in International Economy American Economic Association لے میں دوبارہ چھاپا گیا ہے۔ اس نظریاتی سلسلے میں مزید دیکھیں R.findley and H.Grubert Factor Institutes , Technological Progress and the terms of Trade Terms O.E.P. Feb.1959 and P.Bardhan International Differences in Production Functions Trade and Factor Prices" E.J. March 1965.

متن میں نئی اشیاء کے سلسلے میں جس ادب کا حوالہ دیا گیا ہے اس کی ترتیب یہ ہے۔

Irving B. Karavis Availability and other Influenes on

The commodity Composition of Trade, JPE, April 1956.

Steffen Bunenstam Linder, An Essay on Trade and transformation

(New York; John Wiley and Sons Inc 1961) Chap III

Erik Hoffmeyer, Dollar Shortage ? (Copenhagen; Ejnar Munksgaards

Fortleg 1958), appendix

Gordon K. Douglas " Products Variation and International Trade in

Motion Pictures" M.I.T. Thesis 1963

G.C. Hufbauer, Synthetic material and the Theory of International Trade

(London; Gerald Duckworth & Co. Ltd. 1966)

Raymond Vernon : "International Investment and International Trade in,

the Product Cycle .QJE May 1966 .

W. Gruber, D. Mehta and R. Vernon, "The R and D factor in International

Trade and International Investment of United States Industries,

JPE Feb. 1967.

Donald B. Keesing, " Labour skills and International Trade"

R E & S, August, 1965 and "Labour skills and Comparative Advantage

AER, May 1966.

Intonat onal Trade and بحث میں نسبتاً زیادہ اہم K کا ایک مقالہ M. Posner

Technical Change QEP October 1961 تھا۔

نکات

۔ اس امکان کے بارے میں کہ کاروں جیسی نہایت ہی اعلیٰ چیز ہو جائیں گی دیکھیں Sir Donald Mac. Dougall

"A Lecture on the Dollar Problem" Econ, Aug. 1954 P. 196

شکل نمبر 4.4 کا ارتقاء J. Vanek. کے آنے والے تحقیقی مواد دیکھیں ان کا مضمون The National

Content of United States Foreign Trade 1970 - 1955. Resource

(Cambridge, Mass ; The M.I.T. Press, 1963)

باب 5

ترقی پذیر معیشتوں میں تجارت اور نشوونما

ترقی پذیر معیشتوں میں تجارت اور نشوونما

گزشتہ باب نے تجارت اور نشوونما کے بیچ گہرے رشتے کو بالکل واضح کر دیا ہوگا اس میں وہ نشوونما شامل ہے جو عوامل کے ذخیرہ میں اضافہ کے سبب ہوتی ہے اور وہ بھی جس کی جڑیں تکنیکی تبدیلی میں پائی جاتی ہیں۔ اس باب سے غالباً یہ خوش کن تاثر ملتا ہے کہ تجارت نشوونما کی پیروی کرتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے لیکن یہ نتیجہ مسلمہ حقیقت نہیں سمجھا جاتا۔ اس کے برعکس کم ترقی پذیر ممالک اس رائے سے کم و بیش اتفاق کرتے ہیں کہ ترقی کا راستہ تجارت سے ہو کر نہیں گذرتا۔ اگنر نرکس۔ انیسویں اور بیسویں صدی کے تجارت کے بیچ امتیاز کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ انیسویں صدی میں نشوونما کی رہبری مجموعی طور پر برآمدات نے کی تھی لیکن بیسویں صدی کے بارے میں تیل پیدا کرنے والے نیز ترقی یافتہ ممالک کو چھوڑ کر یہ بات نہیں کہی جا سکتی۔ نشوونما کے دور میں برآمدات رہبر ہو سکتی ہیں یا راہی ـــ کم ترقی یافتہ ممالک کی رائے یہ ہے کہ آج ان ملکوں کو تجارت سے کم مدد ملنے کا الزام ترقی یافتہ ممالک کے سر جاتا ہے۔ 1964 میں جنیوا اور 1968 میں نئی دہلی میں اقوام متحدہ کی تنظیم برائے تجارت و نشوونما (جس میں کم ترقی یافتہ ملکوں کی اکثریت ہے) (UNCTAD) کے اجتماعات میں یہ خیال سب سے زیادہ نمایاں رہا لیکن اس سوال پر بحث اور اس کا جواب دینے سے پہلے یہ دیکھنا مفید رہے گا کہ انیسویں صدی میں عام تجربہ کیا رہا تھا اور آج ترقی یافتہ ممالک میں جہاں تجارت نشوونما کی حوصلہ شکنی کرنے کی بجائے اس کی اعانت کرتی ہے کس طرح کا تجربہ رہا ہے۔

انیسویں صدی کی ترقی پذیر معیشتوں میں برآمدات کے سبب نشوونما۔

انیسویں صدی کے ترقی پذیر ملکوں میں بیشتر زمینیں خالی پڑی ہوئی تھیں۔ جیسے جیسے یہ خالی

زمینیں برتی گئیں انھیں باہر سے بہت سی اشیا منگانے کی ضرورت پیش آئی۔ اس کے لیے ضرورت تھی برآمدات اور قرضوں کی یہ برآمدات زیادہ تر خام اشیا پر مشتمل تھیں جنھیں کناڈا کے معاشی تاریخ داں انیس نے اسٹیپلس Staples کے نام سے پکارا اور تجارت و نشوونما کے اسپشل نظریہ کو وضع کیا۔ بعض اشیا نے دیگر اشیا کے مقابلہ میں نشوونما کو زیادہ نمایاں سہارا دیا مثال کے طور پر فرس Furs نے مدد تو ضرور کی مگر بہت کم کیونکہ ان کے لیے زمین/محنت اور زمین/سرمایہ کے بڑے اونچے تناسب درکار ہوتے ہیں۔ غالباً فی 2000 مربع میل کے لیے چند افراد اور ایک کنیائے Canoe, کی ضرورت پڑتی ہے اور اود بلاؤں کی پوستینوں کو یورپ میں فلٹ ہیٹ بنانے والے کے پاس بھیجنے کی نقل و حمل کی لاگت بھی بہت کم آتی ہے۔ اس کے برعکس لکڑی اور دھاتوں کے کام کو فروغ دینے کے لیے کھیتوں کی ضرورت پڑی کیونکہ ان میں لگے ہوئے مزدوروں کا پیٹ بھرنا تھا۔ جوں جوں ملک کے اندرونی حصوں میں ریلوں کا جال پھیلتا گیا اس کے ساتھ گیہوں کی کاشت بھی بڑھتی گئی۔ کھیتوں کی پیداوار کو یورپ تک پہنچانے کے لیے جہازرانی میں ترقی ہوئی اور یہ جہاز لوٹتے ہوئے آکر بسنے والوں کی بڑی تعداد کو ساتھ لانے لگے۔

ڈگلس ڈی نارتھ نے ریاستہائے متحدہ کی نشوونما پر اسپشل نظریہ کا اطلاق کیا ہے۔ ان کی رائے میں 19 ویں صدی میں معاشی توسیع کے بنیادی محرکات کا تعلق مختلف اشیا کی پیداوار سے تھا۔ ان میں سے کچھ کی پیداوار میں توسیع کا اثر دوسری اشیا سے زیادہ تھا مثلاً نشوونما کا عمل کپاس کے مقابلہ میں گیہوں کی پیداوار میں اضافہ سے زیادہ متاثر ہوا۔

اس طریقہ عمل کو جس سے کوئی چیز دیگر اشیا کی پیداوار کو بڑھا دیتی ہے یا نہیں دیتی اور جس کی وجہ سے نشوونما کی رفتار متاثر ہوتی ہے۔ البرٹ او ہرشمین نے "روابط" linkages کے نام سے پکارا ہے۔ اگر نئی پیداوار کسی زیادہ حجم والے خام مال کو اتنا سستا بنا دے کہ صنعت کار سستے وسائل کا فائدہ اٹھانے کے لیے اس علاقے میں آنے لگیں تو ہم اسے 'پیش روابط' کہیں گے۔ عقبی روابط اس وقت رونما ہوں گے جب کسی صنعت کو خام مال کی ضرورت ہو اور وہ اس کی اتنی زیادہ مانگ کرے کہ اسے پورا کرنے کے لیے نئی صنعتیں وجود میں آجائیں۔ اسپشل نظریہ نے پیش اور عقبی روابط سے آگے جاکر یہ بتانے کی کوشش کی کہ کسی نئی صنعت کا تکنیکی تبدیلی اور آمدنی کی تقسیم پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے۔ اول الذکر کی حوصلہ افزائی کرتی ہے یا نہیں۔ مثال کے طور پر پیسفک نارتھ ویسٹ میں لکڑی کے کام کی وجہ سے اسٹینڈ سستے بننے لگے اور نزدیک و دور ایسے بازار ظہور میں آگئے [illegible]

فی کس آمدنی بہت زیادہ تھی۔ اونچی آمدنی کی وجہ سے بہت سی دیگر خدمات اور صنعتیں اس علاقے کی جانب متوجہ ہوئیں۔

اسپشل صنعتوں کے روابط کو صورت حال کے مطابق ہونا پڑتا ہے۔ انیسویں صدی میں پیرو کی گاؤں صنعت کو مزدوروں کی ضرورت تھی تاہم مقامی ہندوستانیوں نے کام کرنے سے منع کر دیا۔ اور اس لیے قدرتی کھاد کے ذخائر کو کارآمد بنانے والے چینی قلیوں کو لے آئے۔ سرمایہ، نقل و حمل کے وسائل اور انتظامیہ کو بھی درآمد کرنا پڑا۔ معاشی نشو و نما کے بعض حالیہ کیسوں میں جیسے افریقہ میں کان کنی آس پاس کے علاقوں میں کھیتی کو فروغ دینے والے محرکات موجود تھے لیکن افریقہ کے باشندوں نے ان کا اثر قبول نہیں کیا۔ کھانے کی ضرورت بہرحال تھی اسے پورا کرنے کے لیے لوگ یورپ سے آکر بسنے لگے اور موقعہ سے فائدہ اٹھایا پس برآمدات کے سبب ابتدائی اشیاء کی نشو و نما کے معاملہ میں انیسویں اور بیسویں صدی کا فرق بین الاقوامی بازاروں کے حالات سے کم پیدا ہوتا ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ معیشتوں میں معاشی محرکات کو اپنانے کی صلاحیت کس درجہ پائی جاتی ہے۔ یا انیسویں صدی میں معیشت ایک بار سے زیادہ ان محرکات کا اثر قبول نہیں کر سکی۔ منٹ کے ایک کلاسکی مضمون میں اس رائے کا اظہار کیا گیا ہے کہ انیسویں صدی کی پلانٹیشن (باغیچہ) والی معیشتوں نے تکنیکی ارتقاء کی جانب بس ایک ہی قدم بڑھایا اور پھر ہمیشہ کے لیے رک گئیں اور مزید تکنیکی تبدیلیوں کو اپنانے کی کوشش نہیں کی۔ اس کی کچھ تو یہ وجہ تھی کہ غیر ملکی باغیچہ کاروں نے بے حد نفع کمایا اور نظام کو بدلنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی جبکہ مقامی مزدور غیر تعلیم یافتہ تھے اور انھیں صنعت کار بننے کے مواقع میسر نہیں تھے۔ کچھ وجہ بہت سی باغیچہ والی اشیاء جیسے ربر، کافی، قہوہ اور ناریل کی اپنی نوعیت تھی۔ ان کے پروان چڑھانے میں بڑا وقت لگتا تھا اس سے انفرادی طور پر زراعتی تجربہ کرنے کی ہمت پست ہوتی تھی۔ منٹ نے دعویٰ کیا کہ بس ایک بار ہی تکنیکی تبدیلی ہو کر اگر ہمیشہ کے لیے رک جائے تو اس کا نتیجہ معاشی سست رفتاری کی شکل میں رونما ہوتا ہے۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ آج بلجیم کے مشاہرین یہ شکایت کرتے ہیں کہ ان کی تجارت جمود کا شکار ہے ان کی غیر ملکی تجارت نیم پختہ لوہے اور فولاد، گلاس، چینی کے برتن، سوڈا ایش اور کھاد جیسی اشیاء پر مشتمل ہے جن میں زیادہ سرمایہ درکار ہوتا ہے اور تکنیکی ارتقاء کی رفتار بہت دھیمی ہے۔

صنعتی میدان کے رہبر ملکوں میں برآمدات کے سبب نشو و نما

انیسویں صدی کا طرۂ امتیاز یہ نہیں تھا کہ برآمدات کے سبب ترقی صرف" حالیہ برسوں میں

بسائے گئے علاقوں" میں ہوئی تھی۔ یعنی ان علاقوں میں جو زیادہ تر برطانیہ کے تسلط میں تھے اور ریاستہائے متحدہ کی سابقہ نوآبادی۔ آج کی طرح اس وقت بھی اقتصادی میدان کے — رہبر ملک باہر بازار پالیتے تھے — ان پرانی اشیاء کے لیے جنھیں — وہ اب کم قیمت پر پیدا کر سکتے تھے اور نئی اشیاء کے لیے بھی۔ مثال کے طور پر انیسویں صدی کے پہلے نصف میں برطانیہ نے سوتی کپڑوں، ریل کی پٹریوں، انجنوں، جہازوں اور کوئلے میں برآمدات کے لیے بازاروں کا ارتقاء کیا۔ بالآخر وہ جب ان چیزوں کی باہر نقل کر لیے جانے کے بعد ان کے مقام پر نئی اشیاء برآمد کرنے میں ناکام رہا اس نے انھیں اشیاء کو اپنی نوآبادیوں اور زیر تسلط علاقوں میں فروخت کرنے پر زیادہ توجہ دی اور نوآبادیاتی ترجیح کے اصول کو اپنایا۔ جب تک یہ سلسلہ چلتا رہا اس سے فائدہ ہوا لیکن اس سے امکانی حریفوں میں ناراضگی کا جذبہ ضرور پیدا ہوا۔ ریاستہائے متحدہ میں الیگزنڈر ہملٹن اور جرمنی میں فریڈرک لسٹ نے ٹریف کے حق میں شیر خوار صنعت کی دلیل کو پیش کیا اس صنعت میں چاہے بڑھتے ہوئے ماحصل کا قانون لاگو ہو رہا ہو یا گھٹتے ہوئے ماحصل کا۔ ان کا کہنا تھا کہ ٹریف آغاز کے فائدے اور پہلے کی جھجھوں کی تلافی کرنے کے لیے نہایت ضروری ہیں کیونکہ ان کی وجہ سے ملک کے بازار پر غیر ملکی صنعتی رہبروں کا قبضہ ہو جاتا ہے آج کے کم ترقی یافتہ ممالک میں اس دلیل کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

آج کے ترقی یافتہ ملکوں میں برآمدات کے سبب نشوونما

برآمد کے سبب ہونے والی نشوونما غالباً آج بھی ایسے ہی روابط کے ذریعہ رونما ہوتی ہے لیکن تجزیہ میں اب قدرے مختلف عوامل پر زور دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جنگ کے بعد یورپ اور جاپان میں یہ سلسلہ تکنیکی تبدیلی سے شروع ہوا اس نے برآمدی قیمتوں کو کم کر دیا اور غیر ملکی صنعت کاروں کے مقابلہ میں باہر زیادہ سامان کو بیچنا ممکن بنا دیا جن اشیاء میں تکنیکی تبدیلی ظہور میں آئی، ان میں سے بیشتر کی آمدنی کی لچک زیادہ تھی یعنی آمدنی بڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کی مانگ میں تیزی کے ساتھ اضافہ ہوا۔ (ابتدائی اشیاء کی مانگ کے برعکس جو ترقی پذیر ملک پیدا کرتے ہیں، اس بارے میں خرید بعد میں) لیکن یہ سلسلہ خود اپنے عمل کو تیز تر کرنے کا سبب بن گیا۔ جب تک ترقی یافتہ ممالک کے پاس توسیع کے لیے عوامل موجود رہے نئی سرمایہ کاری یا تکنیکی تبدیلی کے سبب پیدا دار کی کارکردگی میں اضافہ نے قیمتوں کو کم اور برآمدات کو زیادہ کیا۔ اس کی وجہ سے نفع زیادہ ہوا سرمایہ

کاری بڑھی قیمتیں کم ہوئیں اور برآمدات میں مزید اضافہ ہوا۔ یہ سلسلہ جاری رہا کیونکہ وسائل خاص طور پر محنت) کو معیشت کے ایسے پیشوں میں سے ہٹایا گیا جہاں ان کی پیداواری صلاحیت (مثلاً زراعت میں) کم تھی یا انھیں باہر سے حاصل کیا گیا۔ برآمدات کے سبب رونما ہونے والے نشوونما کے اس سلسلے میں اسی وقت رکاوٹ پڑی جب 1960 کی دہائی کے پہلے نصف میں ان معیشتوں نے محنت کی کمی کو محسوس کیا۔

ابتداءً تکنیکی تبدیلی (زیادہ تر) نقل بازی اور جنگ کے بعد ریاستہائے متحدہ اور دیگر ترقی یافتہ ممالک کے بیچ وسیع تکنیکی خلیج کے پٹ جانے پر مشتمل رہی۔ کچھ تبدیلی درآمدات کی بجائے مقامی اشیاء کے استعمال کی شکل میں رونما ہوئی۔ یہ عمل وسعت اختیار کر لینے پر برآمدات کو جنم دیتا ہے پہلے تو مقامی صنعت کار پورے گھریلو بازار پر قبضہ کر لیتے ہیں اور پھر باہر مال بھیجنے لگتے ہیں۔ لیکن یورپ اور جاپان میں ہونے والی تکنیکی تبدیلی نے زیادہ تر نقل بازی سے بڑھ کر اختراع سازی کی شکل اختیار کی ـــــ واس دیگن اور سولی کے ذریعہ یورپی مشترک منڈی اس کام میں بڑی مددگار ثابت ہوئی اور پڑوسی ملکوں میں نشوونما کی تیز رفتار نے اسے سہارا دیا۔ نشوونما سے متعلق منصوبوں نے مقامی صنعتوں اور سماجی سرمائے میں روپیہ لگانے پر زور دیا لیکن توسیع کے عمل میں برآمدات عام طور پر سب سے آگے رہیں۔ اٹلی کا کیس خاص طور پر نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔ یہاں ایسی دنیا میں جہاں افراطِ زر کا سایہ بڑھتا جا رہا تھا برآمدی صنعتوں میں جدید کاری کے سبب برآمدات کی قیمتوں میں کمی ہوتی جا رہی تھی۔

شرائطِ تجارت

کم ترقی یافتہ ممالک آج یہ شکایت کرتے ہیں کہ وہ نہ تو انیسویں صدی کے کم ترقی یافتہ ملکوں کی مثال اپنا سکتے ہیں اور نہ ہی موجودہ دور کے ترقی یافتہ ممالک کی۔ وجہ بقول ان ممالک کے یہ ہے کہ انھیں ان دونوں سے مختلف حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ خاص طور پر ان ملکوں کے ترجمان راؤل پری بش نے اس نکتہ پر بہت زور دیا ہے کہ کم ترقی یافتہ ممالک کی شرائطِ تجارت لگاتار گرتی جا رہی ہیں۔

پری بش کے دعویٰ پر اظہارِ رائے کرنے سے پہلے شرائطِ تجارت کے تصور کے بارے میں کچھ کہنا مفید رہے گا کیونکہ اس کو آسانی سے غلط معنیٰ پہنائے جا سکتے ہیں۔

جیسا کہ باب 3 میں واضح کیا جا چکا ہے شرائط تجارت سے ہماری مراد برآمدات اور درآمدات کی قیمتوں کے باہمی رشتے سے ہے۔ ادل بدل کے ذریعہ تجارت کی صورت میں اسے ہم یا تو $\frac{Px}{Pm}$ یعنی برآمدات کی قیمت پر درآمدات کی قیمت کہہ سکتے ہیں یا $\frac{Qm}{Qx}$ یعنی درآمدات کی مقدار پر برآمدات کی مقدار۔ کیونکہ کسی ایسے خاکے میں جیسا کہ شکل نمبر 3.4 میں پیش کیا گیا ہے۔ برآمدات کی نسبتی قیمت درآمدات کی وہ مقدار ہے جو کوئی ملک اپنی برآمدات کے بدلے میں حاصل کر سکتا ہے۔ برآمدات اور درآمدات کی یہ مقداریں $Px\ Qx = Pm\ Qm$ ہونے پر ایک ہی مفہوم رکھتی ہیں یعنی جب برآمدات اور درآمدات کی مالیت برابر ہو جاتی ہے۔ (اگر کوئی طالب علم $Px\ Qx = Pm\ Qm$ کو $Pm\ \ Qx$ سے تقسیم کرے تو وہ دیکھے گا کہ $\frac{Qm}{Qx} = \frac{Px}{Pm}$ ہو جاتا ہے)۔ $\frac{Px}{Pm}$ کی شکل میں ہم اسے خالص ادل بدل کی شرائطِ تجارت کے نام سے پکارتے ہیں اور $\frac{Qm}{Qx}$ کو غیر خالص ادل بدل کی شرائط تجارت کہتے ہیں۔ یہ بالکل غیر واضح ہے کہ یہ گونگی اصطلاحات معاشی علمار کی لغت میں کیسے کھسک آئیں لیکن انھیں ٹازگ اور دینر نے اختیار کیا تھا اور ہم باقی لوگ اس رواج سے چمٹے ہوئے ہیں۔

برآمدات کی قیمت بڑھ جائے جبکہ درآمدات کی قیمت نہ بدلے، درآمدات کی قیمت کم ہو جائے برآمدات کی قیمت وہی رہے یا برآمدات کے اسی حجم کے لیے زیادہ درآمدات ملیں (تجارت متوازن رہے) یا پرانی درآمدات کے لیے برآمدات کا حجم گھٹ جائے۔ (یہاں بھی $Px - Qm - Pm - Qm$ رہے) ان میں سے ہر ایک تبدیلی شرائطِ تجارت کو بہتر بنانے کے مترادف سمجھی جاتی ہے۔ بہرحال کم ترقی یافتہ ممالک کو یہ شکایت ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ درآمدات کے مقابلہ میں ان کی برآمدات کی قیمت کم ہوتی جا رہی ہے۔ یہ ایک غیر موافق تبدیلی ہے۔

اگر تجارت متوازن نہ ہو اور $\frac{Px}{Pm} \neq \frac{Qm}{Qx}$ تو ادل بدل کی خالص اور غیر خالص شرائطِ تجارت ایک دوسرے سے مختلف ہو جاتی ہیں۔ مجموعی طور پر آخر الذکر میں ہماری دلچسپی ختم ہو جاتی ہے کیونکہ وہ ادائیگیوں کی میزان اور سرمائے کی نقل و حرکت (تک) میں ہونے والی تبدیلیوں کے لحاظ سے قیمت کے اندر کم تبدیلی ظاہر کر سکتی ہیں۔ اس لیے زیادہ تر بحث میں ہمارا اشارہ خالص ادل بدل کی شرائطِ تجارت کی جانب ہوتا ہے اور جب ہم 'شرائطِ تجارت' کے بارے میں پڑھیں اور اس اصطلاح کی وضاحت نہ کی گئی ہو تو اسے $\frac{Px}{Pm}$ سمجھنا چاہیے۔ یہ فارم مساوات قسم کا تصور ہے۔ فارم مساوات ان قیمتوں کے بیچ رشتے کو ظاہر کرتی ہے جن پر کسان اپنی اشیاء فروخت کرتے ہیں۔

اور ضروریات کو خریدتے ہیں۔

لیکن اس مساوات کی مانند اپنی غیر مشروط شکل میں شرائط تجارت بھی کوئی معنی نہیں رکھتیں، یہ طے ہے کہ قیمتیں بہت اونچی رکھی جاسکتی ہیں مگر بکری کا حجم کم ہو جانے کی صورت میں برآمدات کی قیمت میں اضافہ کرنے سے ممکن ہے کوئی نتیجہ نہ نکلے۔ ایک پرانا مذاق ہے، "ہمیں ہر ایک بکری پر کچھ کم ملتا ہے مگر صاحبزادے کل بکری کا حجم تو بڑھتا ہے۔" اس کے بالکل برعکس یہ تجزیہ ہے کہ "ہمیں ہر ایک بکری پر بڑا نفع ملتا ہے لیکن ہم زیادہ نہیں بیچ پاتے۔" لہٰذا اس تصور کا ارتقاء عمل میں آیا کہ خالص ادل بدل کی شرائطِ تجارت کو برآمدات کے حجم کی روشنی میں دیکھا جائے اگر برآمدی قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے لیکن حجم اتنا ہی کم ہو جاتا ہے تو اس پیمانے میں۔ جسے "شرائطِ تجارت بشکل آمدنی" کہا جاتا ہے — کوئی تبدیلی نہیں ہوتی — یعنی برآمدات کا زرئی حجم جوں کا توں رہتا ہے۔ اسی تصور کو کبھی کبھی "صلاحیتِ درآمد" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر طویل مدت میں $Px - Qx$ کا $Pm \times Qm$ کے برابر ہونا ضروری ہے تو $\frac{Px \times Qx}{Pm}$ سے $Q\,m$ یعنی ملک جتنی درآمدات کر سکتا ہے اس کے حجم کا تعین ہوتا ہے۔ درحقیقت کم ترقی یافتہ ممالک کا کہنا یہ ہے کہ وہ Px یا Pm یا $Q\,m$ کو نہیں بدل سکتے اس لیے ان کی درآمدات کا حجم Qx متعین رہتا ہے کم ترقی یافتہ ممالک کے نقطۂ نظر سے $\frac{Px}{Pm}$ کے مقابلہ میں $\frac{Px\ Qm}{Pm}$ زیادہ بہتر تصور ہے لیکن استعمال زیادہ تر پہلے کا کیا جاتا ہے۔

جب ہم ایک سے زیادہ اشیاء پر ان تصورات کا اطلاق کریں گے تو ظاہر ہے ہمیں اشاریوں کا استعمال کرنا پڑے گا۔ خالص ردوبدل کی شرائط تجارت کے لیے $\frac{Px}{Pn}$ کا استعمال کرنے کی بجائے ہم $\frac{Px_1}{Pm_1} - \frac{Px_0}{Pm_0}$ کا استعمال کرتے ہیں۔ یہاں 1 اور 0 وقت کی دو مدتوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ تعین کر لینا اشد ضروری ہے کہ بنیادی سال ایک نمائندہ عرصہ ہے۔ جب زراعتی تطبیق خانوں نے مساوات کو ناپنے کے لیے 14-1909 کو بنیاد کے طور پر منتخب کیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ عرصہ کسانوں کے لیے خاص طور پر سازگار رہا تھا۔ اسی طرح سے اہل برطانیہ اپنی شرائطِ تجارت کو ہمیشہ 1938 سے ناپتے دکھائی دیتے ہیں اس وقت یہ شرائط تجارت 1870ء سے شروع ہونے والے گذشتہ تقریباً 100 سال کے درمیان سب سے زیادہ نفع بخش رہی تھیں۔ اس کے برعکس آج کم ترقی یافتہ ملک 1950 کو بنیاد کے طور پر منتخب کرتے ہیں کیونکہ اس سال کوریا کی جنگ کی وجہ سے ابتدائی اشیاء کی قیمتیں آسمان پر جا چڑھی تھیں۔

لیکن فلاح و بہبود کے پیمانے کے طور پر خالص ادل بدل کی شرائطِ تجارت کی خامی صرف برآمدات کا حجم اور بنیاد کا انتخاب ہی نہیں ہیں۔ پیداواری کارکردگی پر بھی دھیان دینا ضروری ہے گزشتہ باب میں ہم نے دیکھا تھا کہ از حد درجہ غیر جانبدار قسم کی تکنیکی تبدیلی سے شرائطِ تجارت بگڑ جاتی ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ملک کی معاشی حالت پہلے سے خراب ہو جاتی ہے۔ مگر جیسا کہ اس باب میں آگے چل کر بتایا جائے گا ایسا ہو سکتا ہے۔ لیکن بنیادی طور پر اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ ملک اپنی صلاحیت کار میں ہونے والے اضافہ کے نفع میں سے کچھ اپنے صارفین کو بھی دے رہا ہے۔ تغیر پذیر صلاحیت کار کی موجودگی میں خالص ادل بدل کی شرائط تجارت واضح طور پر ایک گمراہ کن پیمانہ ہیں۔ مساوات پر اپنے اصرار کی وجہ سے ریاستہائے متحدہ کی زرائعتی آبادی اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ہمیں صلاحیت کار میں اضافہ کو بھی ضرور دیکھنا چاہیے۔ مان لیجیے کہ کسی مناسب بنیادی سال کے مقابلہ میں درآمدات کی نسبت برآمدات کی قیمتیں 10 فیصد کم ہو جاتی ہیں لیکن برآمدات کی لاگتیں 20 فیصدی گر جاتی ہیں۔ ظاہر ہے ملک کی حالت پہلے سے بہتر ہو گی۔ جس تصور کو ہم نے یہاں استعمال کیا ہے اسے 'واحد عامل والی شرائطِ تجارت' کہتے ہیں۔ یہ ایک دوسری افریقیانما اصطلاح ہے۔ اسے $\frac{P_x . Z_x}{P_m}$ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہاں Z_x کا مطلب برآمدات میں صلاحیت کار سے ہے۔ (کسی مناسب طور پر منتخب کیے گئے بنیادی سال سے تبدیلیوں کا حساب لگانے کے لیے اس اسلوب میں سدھار کرنا ہوگا۔) اس نام میں لفظ واحد اسے 'دوہرے عامل والی شرائطِ تجارت' سے مختلف کرتا ہے۔ آخرالذکر کو $\frac{P_x . Z_m}{P_m Z_m}$ لکھا جا سکتا ہے۔ یہ نہ صرف ملک کی برآمدات میں صلاحیت کار پر دھیان دیتی ہے بلکہ ملک کی درآمدات میں صلاحیت کار پر بھی غور کرتی ہے۔ دوہرے عامل والی شرائطِ تجارت کے مقابلہ میں واحد عامل والی شرائطِ تجارت کا تصور کہیں زیادہ عملی و مناسب ہے۔ ہم اس امر میں دلچسپی رکھتے ہیں کہ ہمارے عوامل اشیاء کی شکل میں کیا کچھ کما سکتے ہیں۔ اس میں نہیں کہ ان کی خدمات کے بدلے غیر ملکی عوامل کی کتنی خدمات حاصل کی جا سکتی ہیں۔

اس کے علاوہ باہر صلاحیت کار سے متعلق ایک سوال درآمد کی جانے والی اشیاء کی صفت کا ہے۔ پریبش کے دعویٰ کے لیے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ کیونکہ کافی، تانبہ، کپاس اور ایسی ہی دیگر اشیاء کی پائیداری آج بھی تقریباً اتنی ہی ہے جتنی 50 سال پہلے تھی۔ جبکہ درآمدات کے قیمت اشاریہ میں کاروں، ریڈیو سیٹوں، تیل صاف کرنے کے ساز و سامان اور ٹرکوں کی کوالٹی میں اضافوں پر پوری طرح دھیان دیے

جانے کا امکان بہت کم ہے۔

ایک اور بات یہ ہے کہ اس مسئلہ کے سلسلے میں کہ کیا کم ترقی یافتہ اور ترقی یافتہ ممالک کے بیچ تجارت کے نفع کو تقسیم کرنے کے لیے خالص ادل بدل کی شرائطِ تجارت مناسب پیمانہ ہیں یا نہیں ہمیں صرف اشیاء نیز اشیاء اور خدمات دونوں کے بارے میں شرائطِ تجارت کو الگ الگ لینا ہوگا۔ اس امتیاز کی اہمیت یہ ہے کہ ترقی پذیر ممالک میں برآمدات کی سطح قیمت میں سے کچھ 'قیمت' کا تعلق اس قدر سے ہوتا ہے جسے غیر ملکی عوامل پیداوار نے بہم پہنچایا ہو۔ مثال کے طور پر اگر برآمدات کی قیمت بڑھتی ہے اور غیر ملکی سرمایہ پر نفع اتنا زیادہ ہو جائے کہ قیمت میں تمام اضافہ کا احاطہ کرے تو ملک (مقامی) کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ بات کو اس طرح بیان کرنے سے کم ترقی یافتہ ملکوں کو زیادہ سکون و راحت ملنے کی امید نہیں کی جا سکتی۔ لیکن مان لیجیے کہ برآمدات کی قیمت کم ہو جاتی ہے اور سرمایہ کاری پر نفع کی شرح بھی گھٹ جاتی ہے۔ اس صورت میں ملک کی حالت پہلے سے خراب نہیں ہوگی لیکن اگر اشیاء کی خالص ادل بدل کی شرائطِ تجارت کے لحاظ سے سوچا جائے تو نتیجہ اس کے برعکس نکلتا معلوم ہوگا۔ پس زیادہ گہرے تجزیہ کے لیے جس چیز کی ضرورت ہے وہ محض تجارت میں شامل اشیاء یا گھریلو پیداوار کی شرائط تجارت جنہیں کبھی کبھی 'قدر واپسیں' کہا جاتا ہے نہیں ہیں۔ اس کے لیے ہمیں ادائیگیوں کی میزان میں مجموعی طور پر چالو کھاتوں سے متعلق شرائطِ تجارت کو دیکھنا ہوگا۔

اس نکتہ کو نقل و حمل کی لاگتوں کو زیر بحث لاکر مزید آگے بڑھا جا سکتا ہے لیکن اس مسئلہ پر اگلے باب میں غور کیا جائے گا۔ اشیاء کی شرائطِ تجارت عام طور پر ملک کی سرحد پر چیزوں کی قیمتوں کے حساب سے نکالی جاتی ہیں۔ برآمدات کے لیے یہ قیمتیں ایف.او.بی (قیمتوں میں اشیاء کو جہاز پر لادنے تک کا خرچ شامل ہوتا ہے) ہوتی ہیں اور درآمدات میں سی.آئی.ایف (یعنی درآمد کرنے والے ملک کو قیمت کے علاوہ انشورنس اور بھاڑا بھی برداشت کرنا ہوتا ہے)۔ اگر کوئی ملک اپنی برآمدات کو خود نہیں لے جاتا مگر اپنی تمام درآمدات کو خود لاتا ہے تو یہ اشیائی تجارت کا ایک اچھا پیمانہ ہوگا اور ادائیگی کے میزان میں نقل و حمل کے کھاتے کو ظاہر کرے گا۔ لیکن ان شرائط کے پورا ہونے کا امکان نہیں ہے اور یہ امکان خاص طور پر کم ہے کہ تجارت کے ساتھی کسی ملک کے جوابی اشیاء کی شرائطِ تجارت (جو برآمدات کی ایف.او.بی اور درآمدات کی سی.آئی.ایف قیمتوں پر مبنی ہوں) اس ملک کی شرائطِ تجارت کی صحیح طور پر عکاسی کریں گے۔ اپنے اصل کام میں پری بش کو لاطینی امریکہ کے بارے میں پیچھے 1870 تک جانے والے شرائطِ تجارت کے بہت کم سلسلے ملے اور انھوں نے یہ فرض کر لیا کہ یہ سلسلے برطانوی

شرائطِ تجارت کے سلسلوں کی الٹی شکل ہوں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ اگر تجارتی مال کے مقابلہ میں نقل و حمل کی لاگتیں کم ہو جائیں جیسا کہ 1870 کے بعد ہوا تو تجارت کرنے والے دونوں ملکوں کی اشیائی شرائطِ تجارت ایک ساتھ بہتر ہو سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر دونوں ملکوں کی برآمدات کی قیمتیں نہ بدلیں لیکن سستی ٹرانسپورٹ کی وجہ سے درآمدات کی قیمتیں دونوں کے لیے کم ہو جائیں۔

ان تمام نظریاتی اور عددی وجوہات کی بنا پر پری بش کے اس دعویٰ کو صحیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ لاطینی امریکہ جیسے کم ترقی یافتہ ملکوں کے کسی مخصوص گروہ کی شرائطِ تجارت دیگر کم ترقی یافتہ ملکوں کے مقابلہ میں مستقل خراب ہوتی جا رہی ہیں۔ تاہم انھوں نے جو کیس پیش کیا ہے اس میں تھوڑی بہت جان ضرور ہے۔

اینجل کا قانون، متعصب عامل اور تکنیکی تبدیلی، اور اجارہ

ہم یہ کیس بنا سکتے ہیں کہ مانگ، عوامل کی نشوونما، اور تکنیک میں جن تبدیلیوں پر گذشتہ باب میں بحث کی گئی ہے وہ سب مجموعی طور پر اور منظم طریقہ سے کم ترقی یافتہ ممالک کے خلاف اور زیادہ ترقی یافتہ ملکوں کے حق میں کام کرنے کا رجحان رکھتی ہیں۔ ان کا اثر کچھ تو خالص ادل بدل کی شرائطِ تجارت پر پڑتا ہے اور کچھ تجارت کے حجم یا غیر خالص ادل بدل کی شرائط پر۔ لیکن ہم ان میں سے ہر ایک پر الگ الگ بحث کریں گے۔

اینجل کا قانون کہتا ہے کہ جوں جوں آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے کھانے کی مانگ اس سے کم تناسب سے بڑھتی ہے۔ معاشی نشوونما میں یہ قانون ہمہ گیر اہمیت کا حامل ہے اور بعض سوالات ـــــ مثلاً کسانوں کی سیاسی اہمیت کم ہونے کی ضرورت ـــــ پر اس کے بڑے گہرے (ضمنی) اثرات رونما ہوتے ہیں جس حد تک آمدنی کی لچکیں برآمدات کا تعین کرتی ہیں اور جس حد تک ایسی دنیا میں جہاں فی کس آمدنی میں اضافہ ہو رہا ہے کم ترقی یافتہ ملک کھانے کی اشیاء اگاتے ہیں ان ملکوں کی برآمدات کی مانگ مصنوعات کی برآمدات کے مقابلہ میں سست رفتاری کے ساتھ بڑھے گی۔

بہرحال آخری جملہ از حد مشروط نوعیت کا ہے۔ کم ترقی یافتہ ملک کافی، چائے، چاول، پھل، چینی، کھانے کے تیل اور چربی نیز دیگر اشیاء خوردنی برآمد کرتے ہیں لیکن وہ زیادہ ـــ آمدنی ـــ لچک والی چیزوں نہ صرف تیل بلکہ ربر، غیر مقناطیسی دھاتیں، کچا لوہا، ہیرے اور ایسی ہی دیگر چیزیں بھی برآمد کرتے ہیں۔ برآمدات کے حجم کا انحصار کسی حد تک فی کس آمدنی اور آبادی میں اضافے پر ہوتا ہے۔ باہر کی

آمدنی۔ لچک پر تو برآمدات کا انحصار تھوڑا بہت ہی ہوتا ہے جس حد تک کوئی ترقی پذیر ملک اشیاء کو سستا پیدا کر سکتا ہے اور وہ ملک جہاں انھیں درآمد کیا جا سکتا ہے تحفظ نواز پالیسیوں کے ذریعہ ان کو آنے سے نہیں روکتا برآمدات میں مسابقانہ کوششوں اور آمدنی میں تبدیلیوں دونوں ہی ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکتا ہے.... انیسویں صدی میں کناڈا، آسٹریلیا اور ریاستہائے متحدہ نے یورپ کے اناج کا بازار مقامی کسانوں سے چھین لیا تھا۔ پھر جاپان میں کپڑے کی صنعت کو آمدنی کی لچکوں نے نہیں سستے داموں کی وجہ سے فروغ حاصل ہوا۔

جیسا کہ پچھلے باب میں پہلے ہی بتایا جا چکا ہے ترقی یافتہ ملکوں میں عوامل کے نشو و نما اور تکنیکی تبدیلی قابل لحاظ حد تک کم ترقی یافتہ ملکوں کے خلاف رہی ہیں۔ اینجل کے قانون کے ذریعہ نہ صرف مانگ میں تعصب آتا ہے بلکہ آبادی (اور زمین) کے مقابلہ میں سرمایہ زیادہ تیزی سے بڑھتا ہے اور تکنیکی ارتقار کی وجہ سے زمین اور محنت کی جگہ سرمایہ کا استعمال کیا جا سکتا ہے اور یہی دو عوامل ایسے ہیں جن کی کم ترقی یافتہ ملکوں میں افراط ہوتی ہے۔ ربڑ، ریشم، کپاس، کونین، پٹرولیم اور کھاد وغیرہ میں مصنوعات کا رونما ہونا اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ دوسری کڑی یہ ہے کہ مصنوعات کا کام بڑے پیمانے پر کیا جانے لگا ہے جس میں ایک ڈالر کی قیمت کے کچے مال سے پیدا کی جانے والی چیز کی قیمت زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ ٹنوں میں ہلکا استر اور تانبے کی بچت کرنے والے چھپے ہوئے سرکٹ دو مثالیں فوراً ذہن میں آتی ہیں پس آخر میں مانگ کے اندر کچے مال کو پیدا کرنے والوں کا حصہ گھٹتا چلا جاتا ہے۔

آخر میں کم ترقی یافتہ ملکوں کا کہنا ہے کہ جزوی طور پر شرائطِ تجارت کا تعین ترقی یافتہ اور کم ترقی یافتہ ملکوں کے درمیان مسابقتی صورتِ حال میں اختلافات سے ہوتا ہے۔ ترقی یافتہ دنیا میں پیداواری صلاحیت میں اضافے کے سبب قیمتوں کے گرنے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ منضبط قیمتوں کے ذریعہ بڑھی ہوئی صلاحیت کار کو پہلے تو اونچے منافع میں بدلا جاتا ہے اور پھر اس سے عوامل کی آمدنیوں میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس کم ترقی یافتہ ملکوں میں باہم مسابقت بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے قیمتیں گرتی ہیں عوامل کی آمدنیاں نہیں بڑھتیں۔ باہر اجارہ دارانہ مسابقت اور خود ان کے اپنے بیچ تقریباً کامل مسابقت کی وجہ سے کم ترقی یافتہ ملکوں کو صلاحیت کار میں اضافے سے ہونے والے نفع کا زیادہ حصہ دوسروں کی نذر کرنا پڑتا ہے۔

اندرونی حالات کا اثر : جس جول میں کم ترقی یافتہ ملک کام کرتے ہیں وہ اسے اس لیے مورد الزام

ٹھہراتے ہیں کیونکہ ان کے حالات (وہ کہتے ہیں) انہیں دیگر ممالک کی طرح تجارت کے ذریعہ ترقی کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ شرائطِ تجارت ان کے خلاف رہتی ہیں اور اس برائی کے لیے ترقی یافتہ ملکوں کی صورتِ حال ذمّہ دار ہے۔ بہرحال اس استدلال کو تسلیم کرنے سے پہلے اس امر کی چھان بین کرنا ضروری ہے کہ کیا ان ملکوں کے اپنے اندرونی حالات اس نتیجہ کے لیے ذمّہ دار نہیں ہیں۔ ادب میں کم از کم چار امکانات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ان ملکوں میں بدلنے کی صلاحیت کا فقدان، درمیانی اشیاء کے لیے ان کی ضرورت، عوامل کے بازار میں عدم توازن اور گمراہ کن تحفظ نوازی کی وجہ سے وسائل کا غلط استعمال۔

نسبتی فائدہ کا نظریہ یہ مان کر چلتا ہے کہ ہر ایک ملک اپنے پیداواری امکانات کے قوس پر پیداوار کو آسانی سے اور بغیر لاگت کے ضرورت کے مطابق بدل سکتا ہے۔ اس میں یہ بات بھی مضمر ہے کہ جب کوئی ملک نشوونما کے لیے مزید وسائل لگاتا ہے تو وہ ایسا قیمت نظام کے لحاظ سے کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ غیر ملکی پیش کش قوس کے نسبتاً کم لچکیلا ہونے کی صورت میں وہ اپنے وسائل کا استعمال برآمدی صلاحیت بڑھانے کے لیے نہیں کرے گا بلکہ وہاں نشوونما درآمدات کے حق میں ہوگی۔

شکل نمبر 5.1 میں ایک کم ترقی یافتہ ملک کا پیش کش قوس A-C-O دکھایا گیا ہے اور یہ پیداوار کے معاملہ میں بڑا ٹھہرا ہے۔ پیش کش قوس کو نزدار ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ملک A برآمدات کی پیداوار میں مکمل خصوصیت برداری کا حامل ہے اور زیادہ اونچی قیمتوں پر بھی اپنی پیداوار میں توسیع نہیں کرسکتا۔[1] P پر B کے پیش کش قوس کو کاٹتے ہوئے A کو تجارت سے کافی فائدہ ہوتا ہے لیکن اسے نشوونما کے بارے میں بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اگر اس کے پیداواری امکانات میں صرف A چیز کے حق میں اضافہ ہوتا ہے تو یہ صد درجہ جانبداری کو ظاہر کرے گا اور پیش کش قوس کو نیچے کی طرف دائیں جانب مثلاً A-C-O پر لے جائے گا۔ اس سے شرائطِ تجارت O-P سے O-C

---

[1] ضمیمہ C میں پیداواری امکانات کے قوس کو پیش کش قوس سے منسلک کیا گیا ہے، جس طالب علم نے اس ضمیمہ کو نہیں پڑھا ہے وہ اس بیان کے زور کو نہیں سمجھ سکتا۔ جنھوں نے اسے پڑھا ہے ان کے لیے پیش کش قوس کا O-C حصہ پیداواری امکانات کی سرحدوں کے یکساں لاگت والے حصہ کو ظاہر کرتا ہے۔ جب کوئی ملک کمل طور پر خصوصیت برداری کا حامل ہو اور اسے تجارت سے کوئی فائدہ نہ ہوتا ہو تو وہ C پر تجارت کرے گا۔ بلند تر قیمتوں پر وہ پیداوار میں تبدیلی نہیں کرسکتا اور وہ A چیز کے صرف میں دھیرے دھیرے ہی اضافہ کرتا ہے۔

ہوکر حد درجہ خراب ہو جائیں گی ۔ زیرِ نظر صورت حال میں جہاں B کا پیش کش قوس غیر لچکیلا ہے ۔ یہ ممکن ہے کہ A میں نشو و نما کے نتیجہ میں اس کی معاشی حالت پہلے سے خراب ہو جائے ۔ بھگوتی نے

نشو و نما کے نتیجہ میں غیر موافق شرائطِ تجارت

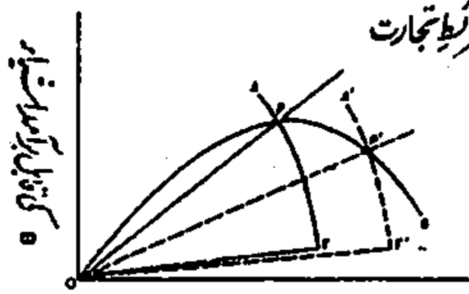

A کی قابل برآمد اشیاء

اسے " قیامت خیز نشو و نما " کا نام دیا ہے اور ایچ ورتھ نے اسے " تباہ کن " کہا ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شرائطِ تجارت میں ہونے والا انحسارہ پیداداری امکانات کے قوس میں اضافے سے زیادہ رہا ہے ۔ عام حالات میں یہ اضافہ ملک کو صَرف کے بلند تر قوسِ بے نیازی پر لے جاتا لیکن اب جیسا کہ شکل نمبر ۲ ۔ ۵ میں دکھایا گیا ہے یہ انجام کار نچلے قوس پر جا پہنچتا ہے ۔ بے شک اس مسئلہ کا علاج نشو و نما کو ترک کر دینا نہیں ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس چیز کی پیداوار میں اضافہ نہ کیا جائے جس کی مانگ غیر لچکیلی ہو ۔

ضرر رساں نشو و نما : نشو و نما کے بعد نچلے صرفی قوسِ بے نیازی پر جا پہنچنا

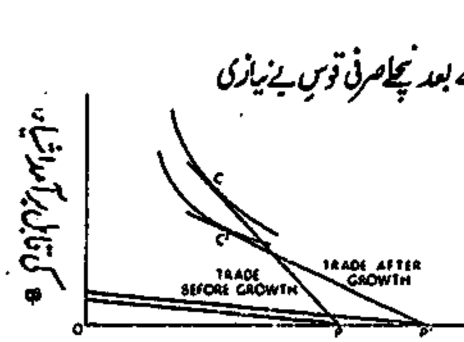

A کی قابل برآمد اشیاء

بہر حال یہ خاکہ کم ترقی یافتہ ممالک کی تجارت کے بارے میں ایک ایسے اہم نکتہ کی وضاحت کرتا ہے جسے اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ نشو و نما سے A کو زیادہ فائدہ نہ ہو لیکن شکل نمبر ۱ ۔ ۵ میں O-T-A پر تجارت کرنے سے اسے کافی فائدہ حاصل ہوتا ہے ۔ اس کے

برعکس شکل نمبر 5.3 میں ایک ایسی صورت پیش کی گئی ہے جس میں A اور B کے پیداواری امکانات کے قوس اور شوق و پسند بڑی حد تک ایک جیسے ہیں اور اس کی عکاسی ان کے پیش کش قوس کرتے ہیں لیکن ان ملکوں کو نشوونما کی وجہ سے شرائطِ تجارت میں زیادہ نقصان نہیں ہوتا بلکہ تجارت کے آغاز میں انھیں محدود نفع حاصل ہوتا ہے۔ کم ترقی یافتہ ملکوں کی یہ شکایت کہ غیر ملکی تجارت کی نشوونما زیادہ تر ترقی یافتہ ملکوں کے بیچ ہوتی ہے اس نکتہ کو نظر انداز کر جاتی ہے کہ اہمیت حجم کی نہیں تجارت سے ہونے والے نفع کی ہے۔

ترقی یافتہ ممالک کے مابین تجارت : محدود فوائد کے ساتھ

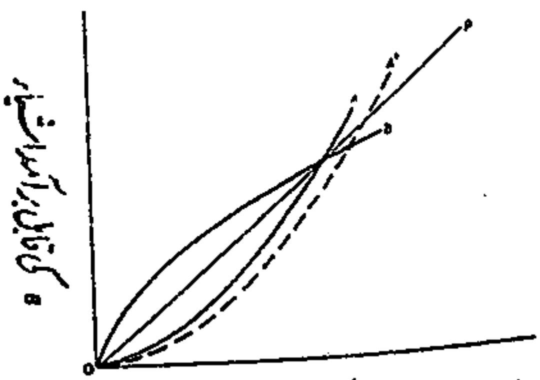

A کی قابل برآمد اشیار

شکل نمبر 5.1 میں A کی نشوونما کا رخ برآمدات کے حق میں ہونے کا ایک سبب یہ ہے کہ اسے اس ایک امکان کے علاوہ دیگر امکانات کا علم نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وسائل کو درآمدات کے ساتھ مسابقت کرنے والی صنعت میں ساتھ کام آنے والے دیگر وسائل کی کمی یا دوسری رکاوٹوں کی وجہ سے منتقل نہ کیا جا سکے۔ سنڈر نے ایک اور وجہ یہ بتائی ہے کہ B سے آنے والی درآمدات ان کے ساتھ مسابقت کرنے والی صنعت کو ختم کر سکتی ہیں جیسے برطانیہ سے کپڑے کی برآمدات نے ہندوستان ہتھ کرگھے کی صنعت کو تباہ کر دیا تھا اور 1801 کے بعد آئرلینڈ اور انگلینڈ کے بیچ آزادانہ تجارت سے آئرلینڈ کی صنعت ختم ہو گئی تھی اور اس کے لوگوں کو روزگار کی تلاش میں آئرش چینل کے پار جانا پڑا تھا۔ درآمدات سے مقابلہ کرنے والی صنعت میں گذر بسر ناممکن ہو جانے کی صورت میں نشوونما برآمدی صنعت میں رونما ہوتی ہے اور اس وقت تک جاری رہتی ہے

جب تک تجارت کا نفع جو آغاز میں بہت زیادہ ہوتا ہے ختم نہ ہو جائے ۔

سینیتی لاگت کے قانون کا اطلاق کم ترقی یافتہ ملکوں پر نہ کرنے کا ایک سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ ان ملکوں میں عوامل کی قیمتیں ہمیشہ سماجی مختتم صلاحیت کار کی عکاسی نہیں کرتیں۔ مان لیجیے کہ زراعت میں پوشیدہ بیروزگاری پائی جاتی ہے یعنی زراعت میں کام کرنے والے مزدوروں کی مختتم پیداواران کی زرعی اجرتوں سے کم ہو اور ہو سکتا ہے صفر ہو جبکہ دوسری جانب صنعتوں میں اجرتیں اونچی ہوں ۔کیونکہ اجرتیں زراعت میں کم اور صنعت میں اونچی ہیں اس لیے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نسبتی فائدہ زراعت میں زیادہ اور مصنوعات میں کم ہوگا۔ لیکن اگر ابھی بھی سماجی مختتم پیداوار زراعت میں صنعت سے کم ہے تو مزدوروں کو زراعت سے ہٹا کر صنعت میں لگانے سے فائدہ پہنچے گا اور اس کے لیے تجارت میں مداخلت کرنے کی ضرورت پڑے گی۔ اس صورت حال کی تشریح شکل نمبر 4 . 5 سے کی جا سکتی ہے۔ اس میں شرائطِ تجارت کا خط پیداواری امکانات کے قوس کو نقطہ P پر کاٹتا ہے۔ اور تجارت پیداواری امکانات کے قوس پر کسی نقطہ مثلاً T کی بجائے اس کے اندر نقطہ C پر پہنچا دیتی ہے (T پر یہ ملک دونوں میں سے کسی بھی چیز کو جس کی مانگ کی شرائطِ اجازت دیں برآمد کر سکتا ہے) یا اس صورت حال کو مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ یہ کیس کامل تجارتی توازن $P = DRT_F = FRT_F = DRS_C$ کی خلاف ورزی کرتا ہے یہاں قیمت ہے، DRT_F پیداوار میں تبدیلیٔ ہیئت کی مقامی شرح ہے، FRT_F تجارت میں تبدیلیٔ ہیئت کی غیر ملکی شرح ہے اور DRS_C صرف میں مقامی شرح بدل ہے۔ تجارت کے خلاف یا ترلیف کے حق میں یہ دلیل کہ عوامل کی قیمتیں (کم ترقی یافتہ ملکوں میں) سماجی مختتم صلاحیت پیداوار کی عکاسی نہیں کرتیں مانولسکو نے 1930 اور حال ہی میں ہیگن نے پیش کی تھی۔ اس کیس کی اساس یہ حقیقت ہے کہ عوامل کے بازاروں میں مسابقت نہ ہونے کی صورت میں اختیار کی قیمت DRT_F سے

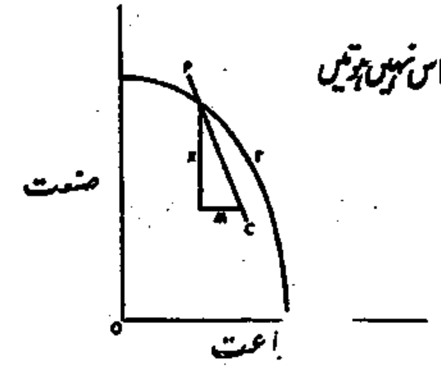

تجارت : جب بھی لاگتیں سماجی لاگتوں کی عکاس نہیں ہوتیں

مختلف ہوگی کم ترقی یافتہ ملکوں میں تبدیلیٔ ہیئت کی صلاحیت نہیں ہوتی اور ان کے بازاروں میں قیمتیں سماجی اقدار کی عکاسی نہیں کرتیں ان دو وجوہات کے علاوہ ان ملکوں کے آزادانہ تجارت کی راہ پر گامزن نہ ہونے کے حق میں ایک تیسری دلیل کی اساس درمیانی اشیاء کی موجودگی ہے۔ بہت سے پیداواری کاموں میں ان کی ضرورت مقررہ تناسبات میں ہوتی ہے اور ان اشیاء کو کم ترقی یافتہ ممالک خود پیدا نہیں کر پاتے۔ اگر یہ درمیانی اشیاء — ایندھن، لوہا اور فولاد، سمنٹ، لکڑی وغیرہ — کافی مقدار میں درآمد نہ کی جاسکیں تو مقامی وسائل کو پوری طرح استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ وجہ یہ ہے کہ درآمدات کی جگہ مقامی وسائل کے استعمال کے امکانات محدود ہوتے ہیں۔ اور کیونکہ پیداوار میں دونوں کا ساتھ استعمال ضروری ہوتا ہے۔ اس حد تک کم ترقی یافتہ ممالک کا تجارتی مسئلہ ترقی یافتہ ممالک کے مسئلہ سے مختلف نہیں ہے۔ اپنی معیشتوں کو چالو رکھنے کے لیے انھیں بھی درمیانی اشیاء کی درآمدات پر اسی قدر منحصر رہنا پڑتا ہے جتنا کم ترقی یافتہ ملکوں کو۔ تیل کی درآمدات کا سوئز نہر کے بند ہوجانے کی وجہ سے رک جانا ایسے واقعات میں سے ہے جو انھیں اس حقیقت کو یاد کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

لیکن لنڈر کا — جنھوں نے درمیانی اشیاء کی اہمیت پر زور دیا ہے — کہنا ہے کہ ان اشیاء سے متعلق اپنے مسائل کو کم ترقی یافتہ ممالک اس انداز سے حل نہیں کر سکتے جیسے ترقی یافتہ ملک کر لیتے ہیں۔ کچھ حد تک اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی تبدیلیٔ ہیئت کی صلاحیت زیادہ محدود ہوتی ہے اس لیے ان کی ضرورتیں نسبتاً زیادہ ہوتی ہیں۔ اس حقیقت کی وجہ سے انھیں (نشوونما کے لیے) جتنے اموال سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اپنی موجودہ صلاحیت پیداوار کو چالو رکھنے کے لیے جس قدر خام اشیاء اور ایندھن درکار ہوتے ہیں انھیں ایک (کم سے کم) حد سے نیچے نہیں لایا جاسکتا۔ ساتھ ہی یہ ملک جتنا زیادہ سے زیادہ برآمد کر سکتے ہیں اس کی بھی حد ہوتی ہے جس حد کا انحصار دو باتوں پر ہوتا ہے ابتدائی اشیاء کے لیے غیر ملکی پیش کش قوس کا غیر لچکیلا پن اور نشوونما کے ابتدائی مراحل میں مصنوعات کو تیار کرنے اور انھیں بیچنے میں درپیش دشواریاں۔ مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب درآمدات کی کم سے کم ضرورت برآمدات سے زیادہ ہوتی ہے اور غیر ملکی زرمبادلہ میں دراڑ باقی رہ جاتی ہے۔ ان حالات میں کلاسیکی نظریۂ تجارت کے مخالفین اس امر پر زور دیتے ہیں کہ کم ترقی یافتہ ممالک کو ان اشیاء کی درآمدات کم کرنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے جنھیں وہ خود پیدا کر سکتے ہیں یا جن کے بغیر کام چلایا جاسکتا ہے (مقامی عوامل کے استعمال میں کسی فرق کے بغیر) درحقیقت اس کا مطلب یہ ہے کہ

اموالِ صرف کے معاملہ میں درآمدات کا بدل تلاش کیا جائے۔

درآمد کا بدل

نشوونما کے عمل کے دوران مقامی پیداوار درآمدات کی جگہ لے لیتی ہے۔ یہ ایک عام عمل ہے۔ برآمدی صنعتوں میں پیداواری صلاحیت کے بڑھنے سے آمدنیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ انھیں ان اشیاء پر خرچ کیا جاتا ہے جو پہلے درآمد کی جاتی تھیں مگر جنھیں بازار میں توسیع کے بعد مقامی طور پر پیدا کیا جانے لگا۔ برآمدات میں صلاحیت کار میں اضافہ کی وجہ سے پیداوار کی پرانی مقدار کم وسائل خرچ کر کے حاصل کی جا سکتی ہے۔ نظام قیمت کے ذریعہ بچے ہوئے وسائل ان صنعتوں کی جانب متوجہ ہو سکتے ہیں جو درآمدات سے مسابقت کرنے والی اشیاء تیار کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر ڈنمارک میں دودھ کی اشیاء، گوشت اور انڈوں کی برآمدات کی آمدنی سے آزادانہ تجارت کے ہوتے ہوئے بھی آگے بڑھنے کا سہارا ملا۔ اور بالآخر اس کی صنعت خود مصنوعات تیار کر کے انھیں برآمد کرنے کے قابل ہو گئی۔ پس درآمدات کا بدل نشوونما کے عمل کا ایک فطری حصہ ہے۔ لیکن درآمدات کے مقام پر گھریلو اشیاء کا استعمال فطری طور پر رونما ہو سکتا ہے یا ایک سوچی سمجھی پالیسی کا نتیجہ۔ ان دونوں کا ایک
ہونا ضروری نہیں ہے اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ ان سے ایک ہی جیسے نتائج برآمد ہوں گے۔

کولن کلارک نے اپنی کتاب The conditions of Economic Progress, جو نشوونما
کے میدان میں پیش رو کی حیثیت رکھتی ہے بتایا ہے کہ نشوونما کے ساتھ ساتھ وسائل ابتدائی پیداوار۔ (زراعت، مچھلی پکڑنا، جنگلات، اور کبھی کبھی کان کنی) سے ہٹ کر ثانوی پیداوار (مصنوعات تیار کرنے) میں آتے ہیں اور پھر خدمات میں ایسا اینجل کے قانون کی وجہ سے ہوتا ہے۔ لیکن اس امر کا صرف مشاہدہ کرنا کہ نشوونما کے دوران کیا ہوتا ہے ایک بات ہے اور صنعتی سیکٹر کی تشکیل کر کے نشود
نما کی راہ پر گامزن ہونا بالکل دوسری۔ یہ اس کے بعد یوں اور اس لیے اس کی وجہ سے یوں'
(Post hoc ergo Propter hoc) والا بھرم ہے۔ نشوونما کا راستہ زیادہ کارگر زراعت سے ہو کر مصنوعات کے سیکٹر کی طرف جا سکتا ہے یہ سیکٹر ابتدائی سیکٹر (زراعت) میں آمدنی کے اضافہ کی وجہ سے وجود میں آتا ہے۔ لیکن صنعتی سیکٹر میں سوچی سمجھی پالیسی کے تحت وسائل لگانے سے نشوونما کا ظہور میں آنا ضروری نہیں ہے۔ اسی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ تاریخی طور پر درآمد بدل کا مشاہدہ اس بات کا ضامن نہیں ہو سکتا کہ پالیسی کے طور پر درآمدات کی جگہ مقامی اشیاء کا استعمال ایک کامیاب عمل

رہے گا یہ ممکن ہے کہ ایسی پالیسی کا نتیجہ از حد اونچی لاگت پر غلط چیز کی پیداوار کی شکل میں ظاہر ہو۔

تاہم پریبش، سنگر، مرڈل اور دیگر اصحاب کے مشورے کے تحت بیشتر کم ترقی یافتہ ملکوں نے غیر ملکی زرِ مبادلہ کی خلیج کو پاٹنے کے لیے اموال صرف کے معاملہ میں درآمد بدل کی پالیسی پر عمل کرنا شروع کر دیا ہے۔ جہاں کسی ملک کے پیش کش توس کی درآمد لچک اکائی یا اس سے کم ہوتی ہے مسئلہ کا معاشی حل یہی ہے کیونکہ برآمدات کے حجم میں اضافہ ہونے سے روپیہ کی شکل میں کم یافت ہوگی۔ لیکن درآمد بدل کا عمل اکثر خود بخود شروع ہو جاتا ہے اور اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جہاں زیرِ غور ملک کو ان اشیاء کو مقامی طور پر حاصل کرنے کے لیے زیادہ وسائل خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ وہ کم وسائل کو برآمدات میں لگائے اور ان سے ملنے والی آمدنی ان اشیاء کی درآمد پر صرف کرے تو اسے فائدہ رہے گا۔ جب غیر ملکی مبادلہ کی شرحیں ضرورت سے زیادہ ہوتی ہیں تو ملک کے اندر قیمتیں سماجی مختتم ماحصل کی عکاسی نہیں کرتیں۔ تجارت کم ہو جاتی ہے اس وجہ سے یہ قیمتیں تجارت کے ذریعہ ہونے والی تبدیلیٔ ہیئت کی غیر ملکی شرح کو ظاہر کرنے سے قاصر رہتی ہیں۔ اکثر ایسی صورت پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ پتہ نہیں لگایا جا سکتا کہ کسی ملک کو تجارت کو وسعت دینے سے فائدہ ہوگا یا اسے کم کرنے سے نزکن اشیاء ہیں۔

ان معاملات پر مزید بحث کے لیے باب نمبر ۱۰ کا انتظار کرنا ہوگا جہاں اس امر کا جائزہ لیا گیا ہے کہ ترقی پذیر ممالک کے لیے کونسی تجارتی پالیسی موزوں ترین رہے گی۔

خلاصہ

۱۹ ویں صدی کے کھلے علاقوں اور صنعتی انقلاب کے رہنما برطانیہ عظمیٰ کے لیے تجارت نشوونما کا انجن تھا؛ نشوونما بوجہ برآمدات، جنگ کے بعد والے یورپ اور جاپان میں آج بھی ایک جدید مظہر ہے۔ انیسویں صدی میں کچھ زراعتی اشیاء کی تجارت نے بہ مقابلہ دیگر اشیاء کے نشوونما میں نمایاں حصہ لیا۔ اس نے یہ کام یا تو ان روابط کے بل پر کیا جن سے دوسری صنعتوں کو فروغ کا حوصلہ ملا یا پھر تکنیکی تبدیلی کے ذریعہ ایسا ممکن ہو سکا لیکن روابط کے تقاضوں کو پورا کرنا ہوتا تھا۔ اگر مقامی طور پر یہ کام نہ ہو پاتا تو حوصلہ افزائی کا عمل غیر ممالک کو ترغیب دیتا اور مقامی معیشت سے دور ترقی کے گوشے وجود میں آ جاتے۔

تیل پیدا کرنے والوں کو چھوڑ کر آج کے کم ترقی یافتہ ممالک تجارت سے نشوونما کو زیادہ سہارا ملنے کی توقع نہیں کرتے۔ اس کا کچھ سبب وہ عالمی ماحول ہے جس میں یہ خیال کیا جاتا ہے شرائط تجارت

منضبط طور پر کم ترقی یافتہ ملکوں کے خلاف ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اور کچھ وجہ ان ملکوں کے اپنے حالات ہیں۔ پہلے سبب یعنی عالمی ماحول کی بنیاد پر یہ کہا جاتا ہے کہ ترقی یافتہ ملکوں کی نشو و نما میں مانگ، عوامل کے ارتقاء، اور تکنیکی تبدیلی سب کا رجحان تجارت مخالف ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ترقی یافتہ ممالک کے مابین اجارہ دارانہ مسابقت اور کم ترقی یافتہ ملکوں کے بیچ مسابقت کا زور آخر الذکر کی شرائطِ تجارت کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ دوسری وجہ یعنی ترقی پذیر ملکوں کے اپنے حالات کی بنا پر وہ ان مواقعات سے زیادہ فائدہ نہیں اٹھا پاتے جو انھیں تجارت کے سبب میسر آتے ہیں کیونکہ ان میں تبدیلیٔ ہیئت کی صلاحیت نہیں ہوتی وہ وسائل کو ان میدانوں میں نہیں لے جا سکتے جہاں ان کے ماحصل زیادہ ہوتے ہیں پھر ان کے یہاں عوامل اور اشیاء کی قیمتیں سماجی مختتم صلاحیتوں کو ظاہر نہیں کرتیں انھیں نشو و نما کے لیے بڑی حد تک درمیانی اشیاء، اور سرمائے کی درآمد پر منحصر رہنا پڑتا ہے اور کیونکہ ان برآمدات کو ایک حد سے آگے نہیں بڑھایا جا سکتا اس لیے وہ اپنے وسائل کا پورا استعمال بھی نہیں کر پاتے۔

تمام دنیا اور خود ان ممالک کے اندر ایسے حالات کی وجہ سے ترقی پذیر ملک درآمدات کی جگہ اپنے یہاں بنائی گئی اشیاء، استعمال کرنے کے لیے بڑے سرگرم رہتے ہیں۔ ایسا کرنے میں انھیں وسائل کو فضول کاموں میں ضائع کر دینے کا زبردست خطرہ مول لینا پڑتا ہے۔

اوپر بیان کردہ نکات کی وضاحت کرنے کے دوران زیرِ نظر باب میں شرائطِ تجارت کے مختلف معنی کی تشریح کی گئی ہے اور مجموعی طور پر تجارت کے حجم اور قابلِ لحاظ نفع بخشنے والی تجارت کے حجم کے بیچ امتیاز کیا گیا ہے۔

مطالعہ کے لیے تجاویز :

درسی کتابیں

Gerald M.Meir کی کتاب International Trade & Economic Development (New York : Harper & Row Publishers 1963 . rev . and extended 1967) میں ایک بڑی فہرست کتب اور شاندار تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ ضرر رساں نشو و نما کے لیے دیکھیے Kemp کی کتاب کا باب (vi)

تحقیقی رسائل

کم ترقی یافتہ ممالک کے ترجمان پری بش کے نظریات بہت سی نشریات میں پیش کیے گئے ہیں۔

ان میں سے تازہ ترین , United Nations Conference on Trade and Development

Towards. a New Trade Policy for Development , A report by the Secretry General of The Conferende (New York : United Nations 1964)

ہے۔ دیکھیں S.B.Linder , Trade and Trade Policy for Development (New York Fredrick A Praeger Inc 1967)

انیسویں صدی کے بارے میں دیکھیں Ragner, Narkse : Problems of capital Formation, and Pattern of Trade and Development (London : Oxford University Press 1967) (Paperback)

یہ دو چھوٹی کتابوں کو ملا کر چھاپی گئی ہے جن میں سے آخرالذکر (1959 میں دیا گیا Wick sell Lecture زیادہ مناسب و کار آمد ہے۔ مزید دیکھیں

Meevile, H.Watkin " A Staple theory of Economic Growth " Canadian, journal of Economic and Political Science May 1963 and H. Myint "The Gains From International Trade and Backward countries "RES 1954 -55.

Bhagwati's essay on "Immiserizing Growth ....

کو American Economic Association کی Readings in International Economics میں دوبارہ چھاپا گیا ہے۔

شرائط تجارت کے بارے میں دیکھیں

Viner P.58 and c.p. Kindle berger's monograph , The terms of Trade (New York : The technology Press and John Wiley & Sons Inc 1956)

Hollis chenery کی کتاب "Patterns of International Growth " AER Mar 1960

میں بتایا گیا ہے کہ وقت گزرنے پر مقامی پیداوار کس طرح درآمدات کی جگہ لے لیتی ہے۔

نکات

نشوونما بوجہ برآمدات کی شکل میں یو۔ایس کی پرانی تاریخ کی نے جو Douglass V. North.

تشریح کی ہے وہ The Economic Growth of the United States 1790 - 1860 .

میں ملے گی (Englewood Cliffs, N. J. Prentice Hall, 1 Inc 1961)

روابط کے بارے میں ہرشمین کے نکتہ کو The Strategy of Economic Development

سے پیش کیا گیا ہے (New Haven Conn. Yale University Press 1958)

نشوونما بوجہ برآمدات کی جدید مثال کو Robert M. Stern کی Foreign Trade and Economic

Growth in Italy (New York ; Fredrick A Praeger Inc 1967) میں لیا گیا ہے

ہیگن کے جس مضمون کا حوالہ دیا گیا ہے وہ یہ ہے "An Economic Justification of

Protectionism", QJE, November 1958.

باب 8

نقل وحمل کی لاگتیں اور نظریۂ مقام صنعت

نقل وحمل کی لاگتیں اور قیمتوں کی برابری

نقل وحمل کی لاگتوں کو تجزیہ میں شامل کرنے سے ہمارے اس نتیجہ میں خلل پڑتا ہے کہ بین الاقوامی تجارت کی وجہ سے تجارت کرنے والے ملکوں میں ان اشیاء کی قیمتیں برابر ہو جاتی ہیں جن کی تجارت کی جاتی ہے۔ اگر نقل وحمل کی لاگتوں کی عدم موجودگی میں ہمارے پرانے دوستوں گیہوں اور کپڑے کا تبادلہ 'ایک کے بدلے ایک' کی بنیاد پر ہوتا ہے تو اب ان لاگتوں کو پورا کرنے کی ضرورت کے سبب درآمد کی جانے والی چیز دونوں ملکوں میں مہنگی ہو جائے گی اور برآمد کی جانے والی چیز کی قیمت کم ہو جائے گی۔ مثال کے طور پر ریاستہائے متحدہ میں 8 بوشل گیہوں کے بدلے 12 گز کپڑا اور برطانیہ میں 8 گز کپڑے کے بدلے 12 بوشل گیہوں ملے گا۔ اس سے پیدا ہونے والے

عمومی توازن نقل وحمل کی لاگتوں کے ساتھ

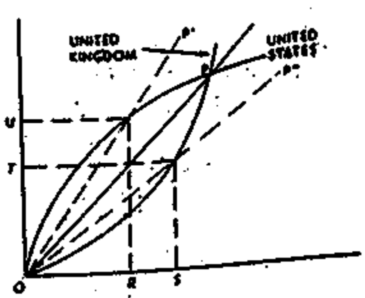

نتائج کو خاکے کے ذریعہ سمجھایا جا سکتا ہے۔ شکل نمبر 1.6 میں برطانیہ کا گیہوں کے بدلے کپڑے کا پیش کش قوس ریاستہائے متحدہ کے کپڑے کے بدلے گیہوں کے پیش کش قوس کو P نقطہ پر کاٹتا ہے۔ لیکن نقل و حمل کی لاگتوں کی وجہ سے دونوں ملکوں میں قیمتوں کا تناسب مختلف ہونا لازمی ہے اور O سے چل کر P سے گذرنے والے خط کو دونوں ملکوں کا خطِ قیمت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ نقل و حمل کی لاگتوں کے اثر کو O-P' اور O-P'' کے بنائے گئے زاویوں سے دیا گیا ہے O-P' ریاستہائے متحدہ اور O-P'' برطانیہ میں قیمتوں کو ظاہر کرتے ہیں۔

لیکن یہ قیمتیں مسئلہ کو حل نہیں کرسکتیں۔ O-P' قیمت پر ریاستہائے متحدہ O-R کپڑے کے بدلے O-U گیہوں دینا چاہے گا۔ P'' مملکت متحدہ O-T گیہوں کے بدلے O-S کپڑا دینے کی پیش کش کرے گا۔ تجارت کی مساوات تبھی حل ہوسکتی ہے جب قیمتوں میں تفاوت نہ ہو۔

بلاشبہ دشواری کا راز یہ حقیقت ہے کہ نقل و حمل کی لاگتوں کو تجزیہ میں شامل کرنے سے ہم دراصل تین اشیاء والے خاکے پر پہنچ جاتے ہیں۔ اس میں برطانیہ گیہوں اور نقل و حمل (کی خدمات) کے لیے کپڑے کی اور ریاستہائے متحدہ کپڑے اور نقل و حمل (کی خدمات) کے لیے گیہوں کی پیش کش کرتا ہے۔ O-P : قیمت پر ریاستہائے متحدہ کو جو کچھ ملتا ہے اور جو کچھ برطانیہ اپنے یہاں کی قیمت پر کپڑے کی شکل میں دینے کو تیار ہے ان دونوں کا فرق نقل و حمل (کی خدمات) کی شکل اختیار کرلیتا ہے پیش کش قوس والے تجزیہ سے ان اصولوں کی تشریح جو نقل و حمل کی لاگتوں پر بھی دھیان دیتے ہوں صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ان لاگتوں کو خود ان اشیاء کی شکل میں پیش کیا جائے جن کی تجارت کی جاتی ہے۔ اس قسم کی مثالیں وضع کی جاسکتی ہیں۔ تیل اور کوئلے کی ٹرانسپورٹ لاگتوں کو اہم منزل پر پہنچائی گئی چیز کے اس تناسب سے ظاہر کرسکتے ہیں جس کا استعمال دورانِ سفر ہوگیا ہو — دوسری جنگ عظیم کے فوراً بعد پولینڈ نے سلیسیا کا کوئلہ فرانس میں فروخت کیا تھا اگرچہ گاڑی کے سفر اور واپسی میں بھری ہوئی مال گاڑی کا $\frac{1}{3}$ کوئلہ انجن میں جل جاتا تھا۔ باہم اشیاء کو اس برف کی مانند تصور کرسکتے ہیں جو منزل پر پہنچتے پہنچتے پگھل کر کم رہ گیا ہو۔ ان حالات میں پیش کش قوسوں یا پیداواری امکانات نیز بے نیازی کے قوسوں کے عام توازن کا استعمال کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ دونوں ملکوں کے خطوطِ قیمت کے ڈھال میں فرق کو اس مقدار سے دکھایا جائے جو دونوں اشیاء کی شکل میں نقل و حمل کی لاگتوں کو ظاہر کرے۔

بہر حال اگر ہم جز دی توازن کے تجزیہ کا سہارا لیں تو نقل وحمل کی لاگتوں کے اثرات کو قدرے سہولت کے ساتھ واضح کیا جا سکتا ہے۔ اس میں تجارت سے پہلے اور تجارت کے بعد صرف ایک چیز کی پوزیشن پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ جز دی توازن کا تجزیہ غیر مکمل ہونے کے باوجود متعدد مقاصد کے لیے کارآمد ثابت ہوتا ہے۔ خاص طور پر ہم اسے ترلیف کے تجزیہ (جو اگلے باب میں پیش کیا گیا ہے) اور شرح مبادلہ میں ضروری رد و بدل کے لیے جس سے ہمارا سابقہ باب نمبر ۱۵ میں پڑے گا) بے حد مفید پائیں گے۔ یہ تجزیہ جز دی اس لحاظ سے ہے کہ اس کے ذریعہ ہمیں ایک واحد چیز کی مانگ اور رسد پر تجارت کے اثر کا پتہ چلتا ہے۔ اس چیز کی قیمت زر کی شکل میں ہوتی ہے اور مانگ ورسد کے قوسوں پر آمدنی، مبادلے کی شرحوں، دیگر اشیا کی قیمتوں یا کسی اور متاثرہ عامل میں ہونے والی تبدیلیوں کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ مانگ کا کوئی قوس معاشی نظام میں مانگ کے دیگر قوسوں کا علم ہونے پر ہی کھینچا جا سکتا ہے۔ اس قوس کو اسی وقت تک درست سمجھا جا سکتا ہے جب تک ہم یہ فرض کیے رہتے ہیں کہ نظام میں مانگ کے دیگر قوسوں میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں ہوتی۔ ایچ ورتھ۔ مارشل کا پیش کش قوسوں والا تجزیہ نیز پیداواری امکانات اور بے نیازی کے قوس سب زر اور آمدنی کے ملحوظات سے گریز کرتے ہیں اور طویل مدتی حالت توازن کو پیش کرتے ہیں۔ اس کے برعکس جز دی توازن کا تجزیہ تجارت شروع ہونے کے فوراً بعد رونما ہونے والی صورت حال کا جائزہ لیتا ہے۔ اس میں ثانوی اثرات، نتائج اور رد و بدل پر دھیان نہیں جاتا۔

جز وی توازن میں نقل وحمل کی لاگتیں

اشکال نمبر 6.2 a اور نمبر 6.2 b میں مملکت متحدہ اور ریاستہائے متحدہ میں تجارت سے پہلے کپڑے کی مانگ اور رسد کو دکھایا گیا ہے۔ مانگ اور رسد دونوں کپڑے کی ان مقداروں کو ظاہر کرتی ہیں جو ایک نئی گز دی ہوئی قیمت پر طلب اور مہیا کی جاتی ہیں۔ موجودہ شرح مبادلہ کی مدد سے ریاستہائے متحدہ کی قیمت کو برطانوی حسابی اکائی میں بدل دیا گیا ہے۔ یا ممکن ہے برطانوی قیمت کو ریاستہائے متحدہ کی حسابی اکائی میں بدل دیا گیا ہو۔ بہر حال اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تجارت کی عدم موجودگی میں کپڑے کی قیمت ریاستہائے متحدہ میں برطانیہ کی نسبت بہت زیادہ ہے۔

ریاستہائے متحدہ میں کپڑے کی مانگ و رسد

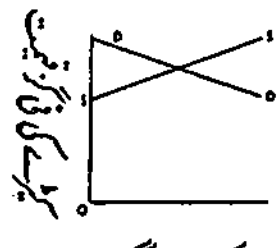

مملکت متحدہ میں کپڑے کی مانگ و رسد

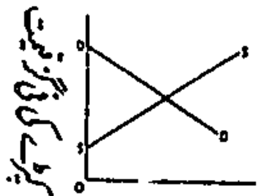

تجارت شروع ہونے کے بعد کیا ہوگا یہ واضح کرنے کے لیے ان دونوں اشکال کو ایک ہی خاکہ پر رکھنا ضروری ہے یہ کام دو میں سے کسی بھی ایک طریقے سے کیا جا سکتا ہے۔ ریاستہائے متحدہ اور مملکت متحدہ میں مختلف قیمتوں پر طلب کی جانے والی مقداروں سے ایک نیا قوس بنایا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے ہر ایک قیمت پر دونوں مقداروں کو جوڑ کر ایک واحد قوس وضع کرنا پڑے گا۔ یہی عمل رسد کے لیے دہرایا جا سکتا ہے۔ نقل و حمل کی لاگتوں کی عدم موجودگی میں تجارت شروع ہونے اور قیمت کا تعین اس نقطے سے ہوگا جہاں یہ دونوں نئے قوس ایک دوسرے کو کاٹیں گے۔ (اور آخری انتباہ کے طور پر ہم یہ بتائیں کہ یہ ابتدائی ردعمل ہوگا) یہ کام شکل نمبر 6.3 میں انجام دیا گیا ہے۔

دوسرا طریقہ شکل نمبر 6.4 میں پیش کیا گیا ہے۔ یہاں چاروں قوسوں کو ایک ہی خاکے میں دکھایا گیا ہے اور عمودی محور سب کے لیے ایک ہی رکھا گیا ہے لیکن متوازی محور نقطۂ آغاز o سے دو مخالف سمتوں میں چلتا ہے۔ ریاستہائے متحدہ کے لیے یہ عام حالات کی طرح (o سے) بائیں سے دائیں جاتا ہے۔ برطانیہ کے لیے اس کا نقطۂ آغاز (o) وہی ہے جو ریاستہائے متحدہ کے لیے تھا مگر اس کا رُخ دائیں سے بائیں جانب ہے۔ ریاستہائے متحدہ کے مانگ اور رسد قوس بالکل ویسے ہی ہیں جیسے شکل نمبر 6.2 میں تھے لیکن برطانیہ کے

مملکت متحدہ اور ریاستہائے متحدہ میں کپڑے کی مانگ و رسد

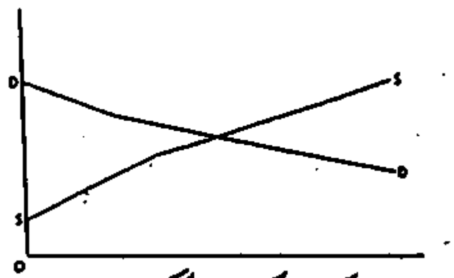

قوس اب الٹ گئے ہیں۔ اگر مانگ کے قوس کو دائیں سے بائیں پڑھا جائے تو عام حالت کی طرح اس کا ڈھال منفی ہی ہے۔ بہرحال اگر یہ احتیاط نہ برتی جائے تو یہ رسد قوس کی مانند مثبت طور پر اوپر چڑھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس کے برعکس اب رسد قوس کچھ مانگ کے قوس کی مانند دکھائی دیتا ہے۔ اگرچہ اس شکل میں اس کے لیے کوئی ایسا عمودی محور نہیں ہے جہاں سے اس کی ابتدا ہوتی ہے۔

کپڑے کے لیے جزدی توازن، نقل و حمل کی لاگت نہیں
کپڑے کی فی گز قیمت

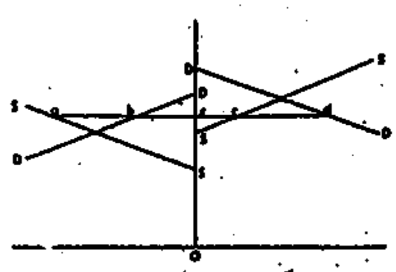

تجارت کے بعد نقل و حمل کی قیمتوں کی عدم موجودگی میں نئی قیمت کا حساب دونوں قوسوں میں مشترک اس متوازی خط سے لگایا جائے گا جو ایک ملک میں فاضل رسد کو دوسرے ملک کی

فاضل مانگ کے برابر کردے شکل نمبر 4 . 6 میں خطِ قیمت [illegible] اس سطح پر قرار پاتا ہے جہاں برطانیہ میں فاضل رسد [illegible] ریاستہائے متحدہ کی فاضل مانگ [illegible] کے برابر ہو جاتی ہے۔ بے شک اس صورت حال میں [illegible] برآمدات اور [illegible] درآمدات کو ظاہر کرتے ہیں۔ برطانیہ میں گھریلو پیداوار [illegible] ہے جبکہ گھریلو صرف محض [illegible] دوسری جانب امریکہ میں صرف وہی پیدا کرنے والے درآمدات سے مسابقت کی اہلیت رکھتے ہیں جو [illegible] کے اندر آتے ہیں باقی ماندہ صرف کو درآمدات سے پورا کیا جاتا ہے۔

جزوی توازن کا خاکہ یہ واضح کرنے میں کارآمد ثابت ہوتا ہے کہ برآمدات کس طرح قیمت کو اس قیمت سے اونچا کر دیتی ہیں جو تجارت کی عدم موجودگی میں ہوتی نیز درآمدات کے سبب قیمتیں کیسے کم ہو جاتی ہیں۔ یہ ایک ایسی صداقت ہے جس پر زور دیا جانا چاہیے۔ جب ہم پیداواری امکانات اور بے نیازی کے قوسوں کے نفیس و باریک آلات کو ایک طرف رکھ دیتے ہیں تو عام طور پر صرف یہ بات ذہن میں رہ جاتی ہے کہ کسی چیز کے ملک سے باہر بھیجنے کے لیے اس کا سستا ہونا ضروری ہے۔ یہ سچ ہے۔ لیکن برآمدات سے ان اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے جن میں ملک کو نسبتی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ بات ضروری توازن کے تجزیہ سے واضح ہو جاتی ہے۔ ریاستہائے متحدہ گیہوں کو اس لیے برآمد کرتا ہے کیونکہ یہ سستا ہے گیہوں ریاستہائے متحدہ میں اس سے کم سستا ہے جتنا سستا وہ تجارت کی عدم موجودگی میں ہوتا۔ گیہوں کی مثال کے انتخاب کے پس پشت ایک اہم مفروضہ ہے جو طالب علم کو اسے ذہن میں رکھنا چاہیے۔ اور یہ ہے گھٹتے ہوئے ماحصل یا گھٹتی ہوئی لاگتوں کے تحت برآمدات بلاشبہ اشیاء کو سستا بنا دیں گی۔

عام توازن

اب تک جزوی توازن کا تجزیہ نقل و حمل کی لاگتوں کی عدم موجودگی میں عام توازن کے تجزیہ کی مانند رہا ہے لیکن نقل و حمل کی لاگتوں کو نہایت آسانی سے بحث میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ برآمد کرنے والے ملک کی نسبت درآمد کرنے والے ملک میں اشیاء کی قیمتیں فی اکائی ٹرانسپورٹ لاگت کی برابر زیادہ ہوں گی۔ مسئلہ کا حل وہی رہے گا جو شکل نمبر 4 - 6 میں پیش کیا گیا ہے فرق صرف اتنا ہوگا کہ اب عمودی محور پر خطِ قیمت کو توڑنا ہوگا اور یہ بلند تر سطح پر شروع ہوگا۔ قیمت توازن وہ ہوگی جو برآمدات و درآمدات کو مساوی کر دے۔ یہ قیمت برطانیہ کے مقابلہ میں ریاستہائے متحدہ میں بقدر ٹرانسپورٹ لاگت زیادہ ہوگی۔ اسے شکل نمبر 5 - 6 میں دکھایا گیا ہے۔ [illegible] کے برابر ہے اور [illegible] نقل و حمل کی لاگت کو ظاہر کرتا ہے۔

اس خاکے سے پتہ لگتا ہے کہ نقل وحمل کی لاگتوں کی وجہ سے تجارت کی سابقہ سطح کم ہو جاتی ہے۔ نظریاتی ماہرین اپنی مشقوں میں ان سے خواہ کتنا ہی دامن کیوں نہ بچائیں نقل وحمل کی لاگتوں کی موجودگی کے معنی یہی ہیں کہ برآمد کرنے والے ملک میں قیمتیں اس سے کم ہوں گی جو وہ دوسری صورت میں ہوتیں اور درآمد کرنے والے ملک میں ان کی سطح بلندتر رہے گی۔

نقل وحمل کی لاگتوں کے تصور کو وسعت دی جا سکتی ہے اور اس میں انتقال سے متعلق تمام لاگتوں، خاص طور پر کرائے اور انشورنس، باربرداری، کرائے بھاڑے، بھیجنے والوں کے کمیشن اور یہاں تک کہ تریف تک کو شامل کیا جا سکتا ہے۔ اس کتاب میں آگے ہماری مراد لاگتِ نقل وحمل کی بجائے لاگتِ انتقال سے رہے گی گو آخرالذکر کا اہم ترین اور ناقابلِ گریز اوّل الذکر ہی رہے گا۔

کپڑے کے لیے جزوی توازن کی قیمت، نقل وحمل کی لاگتیں موجود

کپڑے کی فی گز قیمت

نقل وحمل کی لاگت

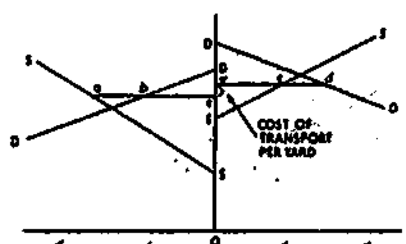

کپڑے کی مقدار (گز)   کپڑے کی مقدار (گز)

ریاستہائے متحدہ میں   مملکت متحدہ میں

نقل وحمل لاگتوں کا اثر

نقل وحمل کی لاگتوں کی موجودگی بین الاقوامی تجارت کو دو طرح سے متاثر کرتی ہے۔ اوّل یہ کہ ہمیں اس سوال کے جواب میں ترمیم کرنی پڑتی ہے کہ برآمد و درآمد کن اشیاء کی ہوتی ہے۔ تجارت سے پہلے دونوں ملکوں میں قیمتوں کا فرق لاگتِ انتقال سے زیادہ ہونا چاہیے۔ مثال کے طور پر شکل نمبر ۵.۵ میں نقل وحمل کی لاگتیں [illegible] ریاستہائے متحدہ اور برطانیہ کے بیچ قیمتوں کے

جزوی توازن میں نقل و حمل کی لاگت قیمت کے اختلافات سے زیادہ

سمنٹ کی فی کٹا قیمت

فی کٹا نقل و حمل کی لاگت

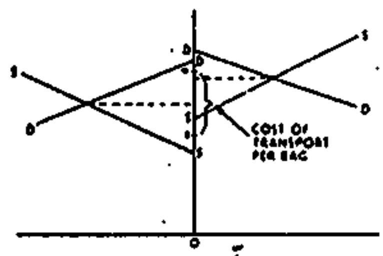

سمنٹ کی مقدار (کٹے) ریاستہائے متحدہ میں

سمنٹ کی مقدار (کٹے) مملکت متحدہ میں

فرق سے زیادہ ہیں۔ نتیجتاً اس چیز میں بین الاقوامی تجارت نہیں ہوگی۔ متعلقہ ممالک میں عوامل کے عطیات کیا ہیں یا پیداوار کے لیے کن عوامل کی ضرورت ہے یہ سوال اب کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ اگر نقل و حمل کی لاگتیں نہ ہوئیں — اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام اشیاء اور خدمات بلا لاگت حرکت کریں — تو بین الاقوامی تجارت ہر ایک چیز اور ہر ایک خدمت میں ہوتی۔ (صرف) خانگی اشیاء کے وجود کا سرچشمہ نقل و حمل کی لاگتیں ہیں۔ کچھ اشیاء مثلاً مکانات جن کی ٹرانسپورٹ لاگت لامحدود ہے کبھی بین الاقوامی تجارت میں حصہ نہیں لے سکتیں۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد بین الاقوامی تجارت میں اضافے کا ایک بڑا سبب نقل و حمل کی لاگتوں میں ہونے والی مسلسل کمی رہی ہے۔ کسی حد تک اس کا سبب وہ تکنیکی ارتقاء ہے جس پر نیچے بحث کی گئی ہے۔ پیداواری لاگتوں کے مقابلے میں نقل و حمل کی لاگتوں میں کمی کا واقع ہونا ایسا ہی اثر رکھتا ہے جیسا کہ ٹریف میں کمی، ان اشیاء کی پیداوار کے زیادہ حصہ کی تجارت جو کہ پہلے سے ہی تجارت ہو رہی ہو اور ان اشیاء کا تجارت میں داخل ہونا جو اب تک مقامی بازار میں ہی بیچی اور خریدی جاتی رہی ہوں۔

بین الاقوامی تجارت کے کچھ حصے کا انحصار بنیادی طور پر صرف نقل و حمل کی لاگتوں پر ہوتا ہے۔ تناسبات عوامل کے عام نظریہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ بات اس مقامی تجارت کے بارے میں خاص طور پر صحیح ہے جو کسی لمبی بین الاقوامی سرحد کے آر پار ہوتی ہے۔ یورپی کوئلہ اور

فولاد کمیونٹی کے تحت تجارتی رکاوٹیں ختم ہو جانے کی وجہ سے اب شمال میں جرمنی فرانس کو فولاد برآمد کرتا ہے اور جنوب میں وہاں سے اسی چیز کو درآمد کرتا ہے۔ اس سے نقل و حمل کی بچت ہوتی ہے۔ یا دوسری مثال کے طور پر مغرب میں کناڈا ریاستہائے متحدہ کو تیل برآمد کرتا ہے اور مشرق میں (پورٹ لینڈ، مین کی پائپ لائن کے ذریعہ) وینیز ولا سے تیل درآمد کرتا ہے۔ اس طرح اس کے خالص نسبتی فائدہ کا انحصار غیر خالص نسبتی فائدہ اور نقصان پر ہے۔ نقل و حمل کی لاگتوں کی اہمیت کی وجہ سے یہ دونوں ایک ساتھ رونما ہو سکتے ہیں۔ یا جرمنی دریائے رہائن کے ذریعہ بندر رلینڈ کو کوئلہ برآمد کر سکتا ہے اور خود ریاستہائے متحدہ سے ہیمبرگ کے راستے کوئلہ منگا سکتا ہے۔

نقل و حمل کی لاگتیں بعض اشیاء کی تجارت کا سبب بن جانے اور بعض اشیاء کی تجارت میں رکاوٹ ڈالنے کے علاوہ کچھ اور بھی کرتی ہیں۔ پیداواری عمل کے دوران وزن اور حجم میں فرق پڑ جاتا ہے۔ اس لیے نقل و حمل کی لاگتوں کے عمل کی بنیاد پر مقام صنعت کے عام نظریہ کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔ یہ نظریہ بین الاقوامی یا علاقائی ہو سکتا ہے اور اس سے صنعتی معاشیات اور صنعتی انجینئرنگ کے بیچ ربط قائم کیا جا سکتا ہے۔ نظریہ مقام معاشیات کی ایک بالکل واضح اور اہم شاخ ہے۔ تجارت کے کلاسیکی نظریہ میں ہر ایک علاقے کو ایک نقطہ تصور کرنے کا رجحان عام تھا اور یہ مان لیا جاتا تھا کہ تمام علاقے ایک دوسرے کے اس قدر قریب ہیں کہ اشیاء کا نقل و حمل لاگتوں سے مبرا ہوتا ہے۔ نظریہ مقام کے ماہرین کے لیے فاصلہ وہ لاگت ہے جس کا پورا کرنا ضروری ہے یا یہ ایسا پیداواری عنصر ہے جو عملی لحاظ سے زمین، محنت اور سرمایہ کی طرح ایک پیداواری حامل ہے بے شک یہ ایسا پیداواری عامل ہے جس کے ساتھ نفی کی علامت لگی ہوئی ہے۔ مثبت طور پر ہم اسے نزدیکی کا نام دے سکتے ہیں۔ زرخیز زمین کی مانند بازار سے قریب بیچی جانے والی چیز کی پیداوار کو زیادہ سستا بنا دیتی ہے۔ قربت یا زرخیز زمین کی عدم موجودگی میں کچھ لاگت برداشت کرنا پڑتی ہے۔

چاہے صنعت کاروں نے مقام گیری کے اصولوں کو ہمیشہ واضح طور پر نہ سمجھا ہو اور ان پر عمل نہ کیا ہو تاہم مقام صنعت کا نظریہ بالکل درست ہے۔ اب صنعتی انجینئر ان اصولوں کی روشنی میں مقام گیری کے تجزیہ میں مصروف ہیں۔ لیکن صنعت مقام گیری کے اصولوں کی پیروی ڈارونائی یا ارتقائی انداز سے کرتی ہے جس صنعت کو مناسب مقام پر لگایا گیا وہ باقی رہی اور اس نے ترقی کی۔ جس صنعت کو غلط مقام ملا وہ عام طور پر مسلسل کم ملنے والے نفع اور تجارتی ناکامیوں کی وجہ سے ختم ہو گئی۔

بے شک سب ہی مقام گیری کا ارتقا نقل وحمل کی لاگتوں کی وجہ سے نہیں ہوا۔ صنعتی مقام گیری کے بڑے حصّے کا تعلق ان خارجی بچتوں سے ہے جن پر فرم کو کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ ان میں وہ بچتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو تربیت یافتہ مزدوروں کی شکل میں دستیاب ہوتی ہیں۔ ان بچتوں کا سرچشمہ اتفاقات یا بے ربط واقعات ہوتے ہیں اور اجتماعی رجحانات سے ان میں اضافہ ہوتا ہے۔ فچل اور ساج ایک بائیسکل بنانے والی فرم نے اپنا کارخانہ اتفاق سے شوان فرٹ میں قائم کرلیا۔ اور خوب پھلی پھولی۔ بہت سے مزدور اس سے الگ ہوگئے اور انھوں نے حریفانہ فرمیں قائم کرلیں۔ انھوں نے اپنے کارخانے قریب ہی قائم کرلیے اور اس امید میں جمے رہے کہ مزید تربیت یافتہ مزدور ان سے آملیں گے۔ پرانی اور نئی فرموں نے نئے مزدوروں کو تربیت دی۔ چند نسلوں تک اسی طرح کی نشوونما کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کے بال برنگ کے بڑے مرکزوں میں سے ایک کا قیام اس جگہ وجود میں آگیا۔ کنیکٹ میں نیوہیون باہر میریڈین، واٹربری، ڈربی اور انسونیہ کے شہری جھرمٹ میں گھڑی سازی کی صنعت کا قیام بھی اسی طرح کی اتفاقی نشوونما کا نتیجہ تھا۔ کسی مقام پر ایسی صنعت جس میں گھٹتی ہوئی لاگتوں کا قانون کارفرما ہو ابتدائی کامیابی کے بعد فروغ پا جاتی ہے اس میں مقام کا انتخاب محض اتفاق پر مبنی ہوتا ہے۔

نقل وحمل کی لاگتوں کا منطقی جواز

حقیقی دنیا میں نقل وحمل کی لاگتوں پر بآسانی توجہ دی جاسکتی ہے بشرطیکہ یہ لاگتیں وزن اور فاصلے کے لحاظ سے متعین ہوں۔ لیکن جن اشیاء کو جہاز سے بھیجا جاتا ہے ان کے سلسلے میں کرائے کا تعین کسی بھی طرح صرف وزن کی بنیاد پر نہیں ہوتا۔ وزن، حجم اور مالیت سب میں مثبت تعلق نہیں ہے سستی چیز کے مقابلہ میں ذرا قیمتی چیز اپنے وزن کے لحاظ سے زیادہ کرائے کو برداشت کرسکتی ہے۔ ریت کے مقابلہ میں آرچڈ کو بھیجنے کا فی پونڈ کرایا کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ یہ اس حقیقت کا عکاس ہے کہ مختلف اشیاء کے مابین نقل وحمل کی خدمت کا بازار کامل مسابقت کا حامل نہیں ہے۔ نقل وحمل کی خدمات کی لاگت میں بالائی عنصر بہت زیادہ ہوتا ہے اور اسے مختلف اشیاء پر (جو ٹرانسپورٹ کی جاتی ہیں) غیر مساوی طور پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ سستی اور زیادہ حجم والی اشیاء کو حرکت میں صرف اسی وقت لایا جاسکتا ہے جب بالائی لاگت کا حصّہ ان کے لیے نسبتاً کم رکھا جائے کیونکہ ان کے معاملہ میں نقل وحمل کی لاگتیں کل مالیت کے لحاظ سے بہت زیادہ ہوتی ہیں۔

لیکن ٹرانسپورٹ کی شرحوں کے بہت سے دیگر پہلو ایسے ہیں جو بازار میں مسابقت کی غیر کامل نوعیت کو واضح کرتے ہیں۔ اشیا اگر کسی ایک مقررہ راستے سے ہی لے جائی جا سکتی ہیں اور دو مقامات کے بیچ مختلف راستوں کی لمبائی الگ الگ ہونے پر بھی کرایہ ایک ہی لیا جاتا ہے۔ اسی عام منظر کی نشاندہی ایک اور مثال سے ہوتی ہے اور وہ ہے مشہور و معروف واپسی کی شرحیں۔ یعنی کسی جگہ مال پہنچا کر خالی لوٹنے کی بجائے کم داموں پر سامان لادنا۔ بالائی لاگتوں کو بنیادی طور پر باہر کے سفر سے منسوب کیا جاتا ہے واپسی کے وقت شرحیں اس لیے کم ہوتی ہیں کیونکہ صرف براہ راست لاگتوں کو ہی پورا کرنا ہوتا ہے ان سے زیادہ جو کچھ بھی مل جائے وہ صریحاً نفع ہے۔ واپسی کی شرحوں کی مثالیں نچلی جھیلوں سے ڈولیتھ کو جانے والے کوئلہ کی شرح ہے۔ جھیلوں کے اوپری سرے سے جانے والے لوہے (مثلاً کیلیولینڈ کو) سے لی جانے والی شرح کے مقابلہ میں یہ شرح نہایت کم ہے۔ اس کے برعکس برآمدی تجارت میں ہیمپٹن روڈ سے نارروے جانے والے کوئلے کی شرح 12 ڈالر فی ٹن ہے جبکہ ناروک سے بالٹی مور میں اسپرو پوائنٹ تک خام لوہا پہنچانے کی واپسی شرح 50 . . 4 ڈالر فی ٹن ہے۔

مختلف ذرائع سے مختلف فاصلوں تک سامان لے جانے کی لاگت

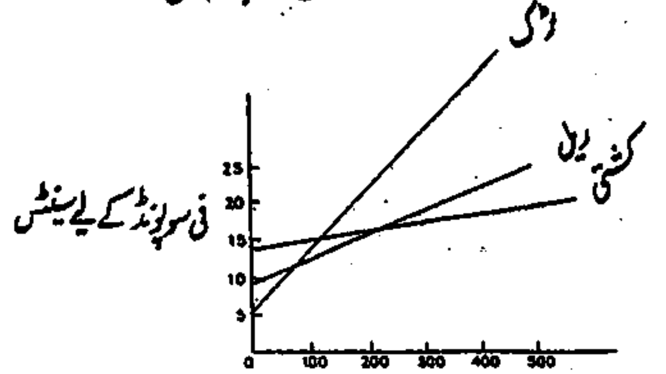

مال لے جایا گیا (میل) فاصلہ

Adapted from E.M. Hoover, The Location of Economic Activity (New York: McGraw - Hill Book Company, 1948)

مختلف اشیاء کے لیے شرحوں کا فرق صرف چیز کی مالیت اور سفر کی سمت پر ہی منحصر نہیں ہوتا۔ ٹرانسپورٹ کی ہیئت کے لحاظ سے کل لاگت میں بالائی مختصر کا تناسب مختلف ہوگا۔ مثال کے طور پر کسی بارجے پر مال لاد دینے کے بعد اسے 10 میل لے جائیں یا 500 میل کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ جہازرانی کی نسبت ریلوں کی لاگت میں بالائی عنصر کم ہوتا ہے تاہم کافی اہم ہوتا ہے۔ ٹرک کے کیس میں اس کی اہمیت نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ لیکن براہ راست (چالو رکھنے کی) لاگتیں اونچی ہوتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تھوڑے فاصلے کے لیے ٹرک کی شرحیں سستی پڑتی ہیں اور فاصلہ بڑھنے کے ساتھ ساتھ ان میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ شکل نمبر 7 - 6 میں اس نکتہ کی وضاحت کے لیے اشیاء کے فی 100 پونڈ کے لیے ، 1939 اور ، 1940 میں ریل، بارجے، اور ٹرک کی شرحوں کو دکھایا گیا ہے۔

شکل نمبر 7 - 6 کے اعداد و شمار میں یہ امر مضمر ہے کہ صرف فاصلہ طے کرنے کی لاگت کے مقابلہ میں سامان کو لادنے سنبھالنے کی لاگت کہیں زیادہ ہے۔ یہ بات خاص طور پر اس وقت بالکل واضح ہو جاتی ہے جب کسی مقررہ راستے پر سامان کو نقل و حمل کے ایک ذریعے سے دوسرے میں منتقل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ بعض حالات میں پورے سفر کو کسی ایک مہنگے ذریعہ کے مقابلہ میں دو طرح کے ذریعوں سے طے کرنا سستا پڑتا ہے۔ برآمد کے لیے شکاگو سے نیویارک آنے والا کچھ مال پورے راستے ریل سے لایا جاتا ہے اور کچھ بفیلو تک بارجے سے آتا ہے اور وہاں سے آگے ریل سے (یا ایری نہر کی کشتی سے)۔ بہر حال اکثر و بیشتر ٹرانسپورٹ کے ایک ذریعہ سے دوسرے میں سامان کو منتقل کرنا اتنا مہنگا پڑتا ہے کہ مال بہتر بنانے کا عمل منتقلی کے مقام پر کیا جاتا ہے۔

رسد۔ نژاد اشیاء

مقام صنعت کے نظریہ کی رو سے تمام اشیاء تین میں سے کسی ایک زمرے میں آتی ہیں۔ وہ رسد نژاد ہو سکتی ہیں، بازار نژاد ہو سکتی ہیں یا پھر آزاد قدم۔

رسد نژاد اشیاء وہ ہوتی ہیں جن میں پیداوار کا کام خام مال یا ایندھن کے دفاتر کے قریب منظم ہونے کا رجحان ہوتا ہے۔ یہ زیادہ تر ایسی اشیاء ہوتی ہیں جن کا وزن عمل پیداوار کے دوران کم ہو جاتا ہے یا ضائع ہو جاتا ہے یا یہ ایسی اشیاء ہوتی ہیں جن میں ایک مرحلے پر ایندھن کا بڑا استعمال لازم ہوتا ہے اور جہاں چیز کے وزن کے مقابلے میں ایندھن کے وزن زیادہ ہو سکے

مخصوص کردار) کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے۔ یا یہ ایسی اشیاء — خاص طور پر زراعت ہیں۔ ہوتی ہیں جنھیں محفوظ رکھنے، گریڈنگ کرنے اور معیاری بنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

ان صنعتوں یا صنعتی کاموں کو حصول کی لاگتوں کو کم کرنے کے لیے خام مال یا ایندھن کے ذخائر کے پاس قائم کیا جاتا ہے۔ دیگر صورت میں ان کی ٹرانسپورٹ ان لاگتوں کا اہم اور بڑا عنصر بن جائے گی۔ اگر بجلی یا ایندھن دستیاب ہو تو عقل کا تقاضا یہی ہے کہ خام معدنیات کو کانوں کے نزدیک جمع کیا جائے تاکہ ضائع ہو جانے والے حصے پر آنے والی ٹرانسپورٹ لاگت کو بچایا جا سکے۔ اس کے برعکس ڈچ گائنا سے بیکسائٹ کو کناڈا میں سگنی ریوا تک لانا ضروری ہو سکتا ہے اگرچہ اس کے زیادہ تر حصے کو فروخت نہیں کیا جا سکتا وجہ یہ ہے کہ بیکسائٹ کو ایلیومینا میں بدلنے کے لیے درکار بجلی ڈچ گیانا میں دستیاب نہیں ہے — دائٹی طاقت سے یہ صورت حال بدل سکتی ہے اور بالآخر ان تمام پیداواری کاموں کا مقام — جو اس وقت مضبوطی کے ساتھ بجلی سے منسلک ہیں بدل سکتا ہے)

گنے کا پیلنا، چقندر سے شکر بنانا، سبزیوں اور مچھلیوں کو منجمد اور ڈبہ بند کرنا، اور پھلوں کے گریڈ بنانا سب رسد زاد صنعتیں ہیں۔ اکثر تاریخی اعتبار سے کوئی صنعت رسد سے مربوط رہ جاتی ہے چاہے اب اس کے لیے کوئی معقول جواز نہ ہو۔ مثال کے طور پر نیو انگلینڈ کی جانب کپڑے کی صنعت کے کھنچنے کی ابتدائی وجہ میری مک، ٹانٹن اور بلیک اسٹون دریاؤں پر دستیاب آبی طاقت مقامات تھے۔ ابتداً کنکٹی کٹ ریور پر کاغذ کا کارخانہ قریب ہی ..... دستیاب ہونے کی وجہ سے قائم کیا گیا تھا اب یہ سہولت ختم ہوئے ایک عرصہ گذر چکا ہے۔

لوہے اور فولاد کی صنعت سے رسد اور ایندھن کے ساتھ ارتباط کی تشریح بدرجہ اتم ہو جاتی ہے۔ جب ڈھلا ہوا لوہا بنانے کے لیے لکڑی کے کوئلہ کی ضرورت ہوتی تھی تب یہ صنعت لوہے کی کانوں کے قریب — کاٹکل، برک شائر، ایڈی اون ڈکس میں — جہاں ایندھن کے لیے لکڑی کی بہتات بھی وقوع پذیر تھی۔ جب کوئلے کا استعمال عام ہوا تو یہ صنعت کوئلہ سے جڑ گئی خاص طور پر اس وقت جب ایک ٹن خام لوہے کو پگھلانے کے لیے 17 ٹن کوئلہ کی ضرورت ہوتی تھی۔ تکنیک میں سدھار اور لوہے کی جگہ اس کے برادے کے استعمال کے اس تناسب کو بتدریج کم کر دیا۔ لیکن یہ صرف اس کے بعد ہی ہوا جب ریاستہائے متحدہ میں صنعت تاریخی

طور پر بنس برگ کلیولینڈ اور گاری سے مربوط ہو چکی تھی۔ لیکن 20 ویں صدی کے وسط میں مسابی خام لوہے کی قیمت میں اضافے کے امکان اور لاطینی امریکہ، افریقہ، لیبراڈور سے کچے لوہے کی درآمدات کی وجہ سے مل مشرقی کنارے کی جانب حرکت کرنے لگے تھے۔ جزوی طور پر اسے خام لوہے اور جیلین کی رسد سے ارتباط کا نام دیا جا سکتا ہے۔ بہرحال بھاری مقدار میں سامان لے جانے والی نئی بڑی گاڑیوں کی دستیابی کی وجہ سے لوہے اور فولاد کی صنعت نے نقل و حمل کی لاگتوں پر کسی حد تک قابو پا لیا ہے۔ جنگ کے بعد والے عرصے کا ایک حیرت انگیز مظہر فولاد کی برآمدات میں جاپان کا ابھرنا ہے جو کہ اپنی صنعت میں استعمال کے لیے کوئلہ ریاستہائے متحدہ اور خام لوہا آسٹریلیا سے درآمد کرتا ہے۔ کسی حد تک اسے بازاری ارتباط کا نام دیا جا سکتا ہے جو کبھی جہازی پلیٹوں جیسی فولادی اشیاء کے سلسلے میں اہمیت رکھتا تھا مگر اب صنعت کی تمام پیداوار کے لیے قوی تر ہو گیا ہے۔ تکنیکی تبدیلیوں سے صنعت اور بین الاقوامی تجارت میں مقام گیری کے محرکات بدل جاتے ہیں۔ سینٹ لارنس سی وے کے مکمل ہو جانے وسٹ کوسٹ کی جانب حرکت ۔۔ خاص طور پر لیبرڈوڑ کے خام لوہے کو استعمال کرنے والی کلیولینڈ کی صنعتِ فولاد کی ــــــ جزوی طور پر رک گئی۔ ذرائع نقل و حمل میں ہونے والی تمام بڑی اختراعات نے بین الاقوامی (اور گھریلو) تجارت کی نوعیت اور حجم پر بڑا گہرا اثر ڈالا۔ ان اختراعات میں حرکت کے نئے ذرائع جیسے اسٹیم شپ، ویلس، پائپ لائن، ہوائی جہاز، جٹ پلین، اور اب عظیم ٹینک شپ اور خام مال کے جہاز، سامان کو سنبھالنے کی نئی ترکیبیں جیسے ٹنکیاں، یا سوئز یا پناما نہروں سے کھلنے والے نئے راستے بھی شامل ہیں۔ اس طرح نقل و حمل کی لاگتوں میں ہونے والی ہر کمی مشترک بازاروں کو جنم دیتی ہے۔ تجارت کے نئے مواقع فراہم کرتی ہے، اور پرانے مواقع میں تبدیلیاں کر دیتی ہے۔ اسار دسے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ معاشی زندگی میں رونما ہونے والی تمام ایجادات و اختراعات میں سے وہ ایجادات و اختراعات جو نقل و حمل کے میدان میں ہوتی ہیں، معاشی سرگرمی کو تیز تر کرنے اور اس کے مقام کو بدلنے میں سب سے زیادہ ہمہ گیر نتائج کا سبب بنتی ہیں۔

بازار کے ساتھ ارتباط

[illegible] بازار کے قرب پیدا کرنا ہوتا ہے۔

(بہر حال منجمد روٹی مقامی بیکری کو اسی طرح ختم کرسکتی ہے جس طرح کاروں نے تریب کے گروسری اسٹورز کو تقریباً معدوم کردیا ہے) یہ ضروری نہیں کہ چیز مادی لحاظ سے ہی جلد خراب ہونے والی ہو۔ دوسری صنعتیں جو بنیادی طور پر خدمات مہیا کرتی ہیں ان بازاروں کی جانب رجوع کرتی ہیں جہاں ان خدمات کو انجام دیا جانا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر گیسولین کے اسٹیشن، ٹیلی ویژنوں کی مرمت، نل ساز اور مزدور بین الاقوامی معیشت میں ایک صنعت — ٹورسٹ انڈسٹری — ایسی ہے جو صارف کو اس مقام پر لاتی ہے جہاں خدمت کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اور بین الاقوامی تجارت میں یہ واحد مد ایسی ہے جو اختراع سے حد درجہ متاثر ہوتی ہے۔ اس سلسلے کی اختراع ہوائی جہاز ہے اس میں اول سمندر پار لے جانے والا پروپر لگا ہوتا تھا پھر جیٹ لگا اور اب آواز سے تیز سفر کے امکانات روشن ہیں۔

نقل و حمل کی لاگت کو کم سے کم کرنے کے لیے ان پیداواری افعال کا جو چیز کے وزن یا حجم میں اضافہ کرتے ہیں بازار کے قریب قائم کرنے کے امکانات زیادہ ہیں۔ مشروبات کو بوتل بند کرنے کا کام اس کی ایک عمدہ مثال ہے۔ رس کسی ایک مقام پر نکالا جاسکتا ہے لیکن مشروب بنانے اور اسے بوتل بند کرنے میں وزن اور حجم میں اس قدر اضافہ ہوتا ہے کہ اس کام کو صرف کے اس درجہ قریب انجام دیا جانا چاہیے جتنا ممکن ہو۔ اس نکتہ کی وضاحت زیادہ عمومی شکل میں ان اشیاء کے ذریعہ کی جاسکتی ہے جنھیں جوڑا اور پیک کیا جاتا ہے۔ حصّوں کو جوڑنے سے حجم بڑھتا ہے۔ کاروں کے ڈھانچے، جیسس اور فریم الگ الگ زیادہ صفائی کے ساتھ پیک کیے جاسکتے ہیں اور ان سے بنی پوری کاروں کی نسبت انھیں زیادہ آسانی سے جہاز سے بھیجا جاسکتا ہے۔ لہٰذا اسمبلی پلانٹ زبردست طور پر بازار کی جانب کھینچتا ہے اگرچہ حصوں کی تیاری کچھ مقامات پر مرکوز رہ سکتی ہے۔ اور اسمبلی کے تمام کاموں میں — جیسے ریڈیو، بجلی کا سامان، ٹائر بنانا، جلد سازی، یا شراب کو بوتلوں میں بھرنا — یہی اصول کارفرما رہتا ہے۔

بعض پیداواری افعال میں جہاں صارف خدمت اور قیمتوں کا موازنہ کرتا ہے ان کو فراہم کرنے والے عام طور پر بازار کی جانب توجہ دیتے ہیں۔ اسے 'بازاری علاقوں کے ارتباط' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ شہر میں اس کا ثبوت ڈیپارٹمنٹ اسٹور، کھیٹر، کپڑے، فائنس اور ایسے ہی علاقے پیش کرتے ہیں۔ نیویارک شہر میں اس کا امکان نہیں ہے کہ انشورنس کا کام شروع کرنے والی کوئی فرم نیا مقام تلاش کرے گی اس کے برعکس وہ ولیم اسٹریٹ میڈن لینڈ کے

علاقے میں جہاں دوسری انشورنس فرمیں اور ایجنٹ بھرے پڑے ہیں دفتر کے لیے جگہ حاصل کرنے کی کوشش کرے گی۔ بین الاقوامی تجارت میں اسی قسم کا تاثر انشورنس میں نیویارک، لندن، میونخ (دوسری جنگ عظیم سے پہلے) اور زیورخ سے فیشن میں پیرس، نیویارک اور روم جیسے مراکز سے اور لیزک کے فر بازار سے ملتا ہے۔ بازار کا ارتباط ایک ایسا مظہر ہے جو خدمات کی صنعتوں میں جہاں پسند بدلنے کا امکان رہتا ہے بکثرت پایا جاتا ہے۔

عام طور پر پیداوار کے ابتدائی مراحل کا رسد سے منسلک ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں اور بعد کے مراحل کو بازار اپنی جانب کھینچتے ہیں۔ ابتدائی مراحل میں کسی صنعت کی مقام گیری سے چیز کی پیداواری لاگت کم سے کم رہتی ہے کیونکہ خام مال کو ٹرانسپورٹ کرنے کی لاگت کو کم کیا جا سکتا ہے۔ اسی کے ساتھ صنعت کو بازار کے نزدیک رکھنے سے چیز کو صارفین میں تقسیم کرنے کی لاگتیں کم ہو جاتی ہیں۔ کسی صنعت کے مختلف مقامات سے متعلق حصول اور تقسیم کی انتقالی لاگتوں کو شکل نمبر 6.8 کی طرح جوڑا جا سکتا ہے۔ کارخانہ قائم کرنے کے لیے وہ مقام سب سے عمدہ ہوگا جہاں دونوں طرح کی لاگتوں کا نقطہ سب سے نیچا ہو۔

جب کسی صنعت کے مقام کو خام مال کے علاقے سے بازار کی جانب منتقل کیا جاتا ہے تو نہ تو حصول کی لاگتیں اور نہ ہی تقسیم کی لاگتوں میں مسلسل تبدیلی ہوتی ہے۔ تسلسل ٹوٹنے کی بہت سی وجوہات ہیں لیکن خاص وجہ یہ ہے کہ نقل و حمل کے ایک ذریعہ سے سامان دوسرے میں منتقل کرنے کی ضرورت سے باربرداری کی لاگتیں رونما ہوتی ہیں۔ جب خام مال کو کارخانے تک لے جانے اور تیار مال کو بازار تک پہنچانے دونوں ہی صورتوں میں راستے میں سامان اتارنا اور دوبارہ لادنا پڑتا ہے تو یہ دونوں قوسوں میں نمایاں اور عدم تسلسل کا امکان نہایت قوی ہو جاتا ہے۔ اور صنعت کسی نوڈل پوائنٹ پر قائم ہوتی ہے۔ یہ وہ پوائنٹ ہوتا ہے جہاں مال اتارا اور پھر دوبارا سواری پر لادا جاتا ہے۔ بندرگاہوں کے بارے میں یہ بات خاص طور پر صحیح ہے یہاں سے سمندری سفر خشکی کی راہ میں بدلتا ہے۔ نوڈل پوائنٹ کی حیثیت سے بندرگاہیں اکثر ان رسد نژاد صنعتوں کو جو برآمد کرنے کے لیے اشیا تیار کرتی ہیں دھاتیں ہوں یا مٹی یا چینی سبھی صاف کرنے والے عمل خاص طور پر بندرگاہوں پر مرکوز ہوتے ہیں۔ ہیمبرگ، بارسیز اور ساؤتھ ایمپٹن سب صابن بنانے اور پٹرول صاف کرنے کا کام

کرتے ہیں۔ بہرحال زیادہ کم خرچ ہونے کی وجہ سے پائپ لائن ٹرانسپورٹ کے سبب یہ صورت حال آج کل بدل رہی ہے۔ خام تیل کو پائپ لائن سے آبادی والے علاقوں میں لے جا کر صاف کرنے میں اس کی نسبت زیادہ بچت ہے کہ اس کی اشیاء کو الگ الگ ٹرانسپورٹ کیا جائے اور الپائن کے پار جانے والی پائپ لائنوں سے مہنگے ٹینکروں کا سفر کم ہو جاتا ہے اور چکر لگانے میں جو وقت لگتا وہ بھی بچ جاتا ہے اور اسی کے ساتھ ان پائپ لائنوں سے لیون اور کارلس روہ کے مراکز صرف میں تیل پہنچ جاتا ہے۔

لیکن بندرگاہیں بہت سی صنعتوں — جیسے کاروں کو اسمبل کرنے کے کارخانے — کے لیے کشش رکھتی ہیں چاہے یہ صنعتیں برآمد کی تجارت میں ہوں جیسے مانچسٹر انگلینڈ میں فورڈ کا کارخانہ یا درآمدات میں جیسے اینٹیورپ میں جنرل موٹرز کا پلانٹ۔

جب نقل و حمل کے لیے ایک ہی طرح کی سواری استعمال کی جاتی ہے تو لمبے سفر کی بچتوں کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ صنعت کسی ایک سرے پر قائم کی جائے گی کہیں درمیان میں نہیں۔

آزاد قدم صنعتیں

بہت سی صنعتیں ایسی ہیں جن پر مقام گیری کا مضبوط دباؤ نہ تو رسد کی جانب ہوتا ہے اور نہ ہی بازار کی جانب۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ انتقالی لاگتیں غیر اہم ہوتی ہیں یا پیداوار کے عمل کے دوران ان کے وزن اور حجم میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوتی۔ ان کے کیس میں ان اصولوں کے تحت جنہیں ابھی بیان کیا گیا ہے مقام نقل و حمل کے کسی سرے پر ہونے کی امید کی جا سکتی ہے ان کے درمیان نہیں۔

تاریخی اعتبار سے کپڑے کی صنعت آزاد قدم رہی ہے۔ ابتداء میں سوتی اور اونی کپڑے کی ملوں کو شمالی برطانیہ میں پینی نیز کے دونوں جانب مقام گیری کے فوائد حاصل تھے۔ سوتی کارخانے لنکا شائر اور خاص طور پر مانچسٹر شہر میں مرکوز ہو گئے کیونکہ پہاڑوں کے مغربی علاقے میں نمی کی وجہ سے دھاگا نہیں ٹوٹتا تھا۔ مقام گیری کے لیے دوسری کشش لیورپول کی بندرگاہ تھی — جہاں ریاستہائے متحدہ سے آنے والی کپاس اتاری جاتی تھی۔ دوسری جانب اونی کپڑے کے — کارخانے پینی نیز کے مشرق میں ملنے والی اون اور یورک شائر کی کوئلہ کی کانوں سے ملنے والے ایندھن کی طرف قدرے متوجہ ہوئے لیکن ان دونوں میں سے

کوئی بھی طاقتور عنصر نہیں تھا۔ ایک ایسی صنعت جس میں جاپان میں کپڑا بنانے کے لیے کپاس سیریا سے خریدی جاتی ہے اور تیار مال پھر مشرقِ وسطیٰ میں بیچا جاتا ہے صریحاً ایسی ہے جس میں نقل وحمل کی لاگت اہمیت نہیں رکھتی۔ یہی بات اونی کپڑے کی صنعت کے بارے میں کہی جا سکتی ہے اس صنعت میں آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ سے اون لے کر کپڑا لیڈز اور بلفورڈ میں تیار کر کے واپس اینٹی پوڈز کو برآمد کر دیا جاتا ہے۔

خام پٹرول کو صاف کر کے مختلف جز الگ کرنے سے اس کے حجم یا وزن میں بہت تھوڑی تبدیلی ہوتی ہے۔ لہذا تیل صاف کرنے کا کارخانہ کنوؤں کے قریب لگایا جانے یا بازار کے پاس اس سوال کے جواب کا انحصار دیگر ملحوظات پر ہے۔ تاریخی طور پر تیل صاف کرنے کے کچھ کارخانے ٹیکساس میں لگائے گئے ہیں اور کچھ بازار کے نزدیک جیسے جے یون، نیو جرسی، یا پن سلوینیا میں ڈیلا ویر ریور کے اوپر مارکس ہک کے مقام پر۔ یورپ پٹرول کی اشیاء کو خلیج، کربین، اور مشرق وسطیٰ سے درآمد کیا کرتا تھا لیکن دوسری جنگ عظیم کے زمانے سے تیل صاف کرنے کا کام یورپ میں مرکوز ہوتا جا رہا ہے۔ کسی حد تک اس کی وجہ تجارتی پالیسی ہے اور ضبطی کے خوف کا اثر۔ بہر حال اس رجحان کی کچھ وجہ یہ بھی ہے کہ یورپی صرف اب پٹرول کے صرف ہلکے اجزا جیسے گیسولین تک محدود نہیں رہا۔ جنگوں کے درمیانی عرصے میں یہ بات سمجھ میں آنے والی تھی کہ ونیزولا کے کچے تیل کو ویسٹ انڈیز میں صاف کر کے گیسولین یورپ کو برآمد کر دیا جائے اور باقی ماندہ ایندھن کا تیل ریاستہائے متحدہ کو۔ اب یورپ پٹرول کی اشیاء کے زیادہ متوازن میل ــــ کا استعمال کرتا ہے ــــ اب وہاں درحقیقت ریاستہائے متحدہ سے زیادہ گیسولین کے مقابلہ میں ایندھن کے تیل کا استعمال ہوتا ہے لہذا بازار سے دور مختلف اجزاء کو الگ کرنے سے نقل وحمل کا زیاں ہوتا ہے۔

کیونکہ آزاد قدم صنعتوں میں انتقالی لاگتیں نسبتاً غیر اہم ہوتی ہیں اس لیے پیداواری لاگت ہی پر توجہ دی جاتی ہے۔ یہی وہ صنعتیں ہیں ــــ کپڑا، ماچس، تیل ــــ جن کے معاملے میں نسبتی لاگت کا نظریہ بغیر تبدیلی کارفرما رہتا ہے اور اس امر کا تعین کرتا ہے کہ ٹریف کی شکل میں سرکار کی جانب سے رکاوٹوں کی عدم موجودگی میں کن اشیاء کو برآمد اور درآمد کیا جائے گا۔ اسی بنیاد پر جیسا کہ ہم دیکھیں گے یہ آزاد قدم صنعتیں ہی ہیں جن کے معاملے میں تجارتی پالیسی نسبتی لاگتوں کے قانون کو سب سے زیادہ کارگر طور پر مسخ کر سکتی ہے۔ ٹریف کے ذریعہ کسی بازار زر ادیا

آزاد قدم صنعت کو آسانی سے بازار کے پاس لایا جاسکتا ہے۔ رسد نژاد صنعتوں کے بارے میں وہ کچھ نہیں کرسکتے۔

معاشیات مقام گیری

اس مختصر باب کا مقصد کسی حد تک بین الاقوامی تجارت پر بحث میں اس غیر حقیقی عنصر کا ازالہ کرنا تھا جو اس میں نقل و حمل کی لاگتوں کو نظر انداز کر دینے کی وجہ سے شامل ہو گیا تھا۔ اسے معاشیات مقام گیری کا مکمل تصرف نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہ اس مضمون کے ساتھ انصاف نہیں۔ اس روز افزوں میدان کے تفصیلی مطالعہ کی ضرورت ہے۔ اس کام کے لیے بہت سے طریقوں پر عبور حاصل کرنے کی ضرورت ہے ان سب کو ان صفحات میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔

خلاصہ

تجارت کے خالص نظریہ میں زندگی کی ایک بڑی حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے یعنی نقل و حمل کی لاگتوں کے وجود کو۔ ان لاگتوں کو مضمون میں شامل کرنے سے یہ دعویٰ صحیح نہیں رہتا کہ برآمد اور درآمد کرنے والے ملکوں میں اشیاء برآمد و درآمد کی قیمتوں کا تناسب ایک ہی رہے گا نقل و حمل کی لاگتوں کے اثر کو زائل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اشیاء برآمد کی قیمتیں کمتر ہوں اور اشیاء درآمد کی بیشتر۔ اگر تجارت کی عدم موجودگی میں نقل و حمل کی لاگتیں قیمتوں کے فرق سے زیادہ ہوں گی تو تجارت نہ کی جاسکے گی۔ اس سے اس امر کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ بہت سی اشیاء اور خدمات بین الاقوامی تجارت میں کیوں شامل نہیں ہو پاتیں۔

نقل و حمل کی لاگتوں کی تشریح پیش کش ترسوں سے یا جزوی توازن میں واضح کی جا سکتی ہے۔

نقل و حمل کی لاگتیں یکساں نہیں ہوتیں۔ ان میں وزن، حجم، مالیت، چیز کی ناپائیداری، نقل و حمل کے طریقے اور فاصلے کے لحاظ سے فرق رہتا ہے۔ نقل و حمل کے راستے مقرر ہوتے ہیں اور ٹرانسپورٹ کا ذریعہ راستے میں بدلنے کی صورت میں مال اتارنے اور دوبارہ لادنے کا خرچ آتا ہے۔ ان خصوصیات سے پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔

نقل وحمل کی لاگتیں صنعت کے مقام پر موٹے طور سے تین طرح کے اثرات چھوڑتی ہیں۔ وہ صنعتیں رسد نژاد کہلاتی ہیں جن میں ایندھن یا خام مال کا وزن اور حجم مالیت کے مقابلہ میں زیادہ ہوتے ہیں اور جن میں پیداواری عمل کے دوران وزن کم ہوتا ہے۔ عام طور پر پیداوار کے ابتدائی مراحل میں یہ صورت سامنے آتی ہے۔ بعد والے مراحل بازار نژاد ہوتے ہیں کیونکہ حصوں کو جوڑ کر مکمل چیز بنانے میں حجم تو بڑھتا ہے لیکن وزن نہیں بڑھتا۔ وہ اشیاء جو وزن کے لحاظ سے زیادہ قیمتی ہوتی ہیں یا جن میں پیداواری عمل کے دوران وزن اور حجم میں تبدیلی نہیں ہوتی آزاد قدم ہونے کا رجحان رکھتی ہیں۔ ان کے مقام کا تعین کرنے میں نقل وحمل کی لاگتیں غیر اہم ہوتی ہیں۔ بین الاقوامی تجارت کے نظریہ میں جن پیداواری لاگتوں پر بحث کی گئی ہے ان کی اہمیت کہیں زیادہ ہوتی ہے۔

تجاویز برائے مطالعہ

رسالے وغیرہ

بین الاقوامی معاشیات میں نقل وحمل کی لاگتوں کو شامل کرنے سے متعلق اوہلن کا کلاسیکی کام ہے خاص طور پر حصہ III میں۔ مقام گیری کی طرف سے بہت سے مطالعوں نیز ان میں مذکورہ ادب کا حوالہ دیا جا سکتا ہے August Loch کی کتاب جس کا ترجمہ ولیم ووگ لوم نے وُلف گینگ اسٹولپر کی مدد سے کیا ہے) The Yconomics of Location (New Haven Conn: Yale university Press 1954)

معاشی مقام گیری سے متعلق عام توازن کا نظریہ وضع کرنے کی پہلی کوشش ہے۔ یہ غیر ہموار تحریر ہے کہیں بہت عمدہ ہے اور کہیں نہایت مشکل۔ والٹر اسارڈ کی تصنیف Location and Space Economy (New York : The Technology Press and John Wiley and Sons Inc. 1956.) میں اس مضمون کو نہایت واضح اور مکمل طور پر بیان کیا گیا ہے۔ علاقائی معاشیات کا مضمون بھی ملاحظہ فرمائیں جس پر 130 حوالوں کی جامع فہرست کے ساتھ جون۔ آر۔ میر نے Regional Economics : A survey , "AER, March 1963 میں ایک جائزہ لکھا ہے۔ ای۔ ایم؛ ہوورس کی The Location of Economic Activity (New York ' Mc Graw Hill Book Co. Inc.1948

(Paperback 1967)

جس سے اس باب میں چند خاکے لیے گئے ہیں ایک لازوال کام ہے جس کا ثبوت اس کا دوبارہ چھاپا جانا ہے۔

نکات

ریاستہائے متحدہ میں نقل و حمل کی لاگتوں سے متعلق سب سے زیادہ توجہ سے کیا گیا مطالعہ جس کتاب میں ملتا ہے وہ یہ ہے J.R.Meyer et al, The Economic of competition in the Transportation Industries (Cambridge, Mass : Harvard University Press 1959 مالیت کی نسبت سے ڈھانچے کی لاگتوں پر قدرے محدود بحث کے لیے دیکھیں Moroto, The Estimation of Trans-Portation cost in International Trade ", JPE , February, 1959

حصہ دوم
کمرشل پالیسی

باب 7 | کمرشل پالیسی — ٹریف

آٹھ اثر

بین الاقوامی تجارت میں مداخلتوں کا تجزیہ کرنے کے لیے ہم نے اس باب میں ٹریف کا انتخاب کیا ہے۔ ہم اپنے جائزہ کا آغاز ٹریف لگانے سے پیدا ہونے والے مختلف "اثرات" کے بیان سے کرسکتے ہیں۔ ہم نے اپنی بحث کو ایسے آٹھ اثرات کے گرد ترتیب دیا ہے۔
یہ اثرات مندرجہ ذیل ہیں۔

1 حفاظتی اثر
2 صرفی اثر
3 مالیاتی اثر
4 'از سرِ نو تقسیم' سے متعلق اثر
5 شرائط تجارت کا اثر
6 مسابقتی اثر
7 آمدنی اثر
8 ادائیگیوں کی میزان کا اثر۔

ٹریف کے ان پہلوؤں میں سے سبھی کا تعلق کسی ایک تجزیاتی نقطۂ نظر سے نہیں — اور یہ امتیاز کرنے میں احتیاط برتنا نہایت اہم ہے کہ بحث کس مقصد کو سامنے رکھ کر کی جارہی ہے۔ کسی ٹریف کا تجزیہ اس اعتبار سے کیا جاسکتا ہے کہ کسی صنعت، ملک کے کسی علاقے، پیداوار کے کسی عامل، کسی ملک، یا تمام دنیا پر بحیثیت مجموعی اس کا کیا اثر مرتب ہوگا۔ اگر کسی ایک ملک کے فائدے کی نسبت دیگر ممالک کے نقصانات زیادہ

ہوتے ہیں تو کسی ایک ملک کے لحاظ سے جو دلیل صحیح ہو گی وہی عالمی نقطۂ نظر سے غلط ہو گی۔ ایک مخصوص صورت حال میں جبکہ ملک میں کسی مجوزہ سمت میں آمدنی کی دوبارہ تقسیم سے فلاح وبہبود کی عالمی تقسیم کو پہلے سے بہتر بنایا جا سکے یہ دلیل صحیح ہو گی۔ پیداوار کے کسی عامل کو ٹریف سے فائدہ پہنچ سکتا ہے مگر صرف دوسرے عوامل کا نقصان ہو جانے کے بعد جب تک فلاحی وجوہات کی بنا پر از سر نو تقسیم کی ضرورت نہ ہو (اور اسے کسی دیگر طریقے سے حاصل نہ کیا جا سکے) تو ٹریف کے لیے جو دلیل کسی علاقے کے لیے صحیح ہو گی وہ ملک کے لیے غلط قرار دی جائے گی۔

حفاظتی اثر

حفاظتی اثر کی تشریح فہرست میں دیے گئے دیگر اثرات کے ساتھ جزوی اور عام توازن میں کی جا سکتی ہے شکل نمبر 7.1 میں $Q_3 - Q_2$ ٹریف لگائے جانے سے پہلے OP_0 قیمت پر درآمدات کو دکھاتا ہے۔ یہ فرض کیا گیا ہے کہ ٹریف $P-P'$ کا غیر ملکی پیش کش قیمت پر کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ OP قیمت پر درآمدات کی رسد لامحدود طور پر لچکیلی ہے حفاظتی اثر کو مقامی پیداوار میں اضافے $b+d$ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ کل صرف میں ہونے والی کمی Q_2-Q_3 صرفی اثر کو ظاہر کرتی ہے۔ درآمدات کی نئی سطح پر جو رقم سرکار کو ملتی ہے وہ مالیاتی اثر ہے۔ اسے مستطیل سے ظاہر کرتا ہے جسے نئی درآمدات Q_1-Q_3 کو ٹریف $P_1 - P$ سے ضرب دے کر نکالا گیا ہے۔ ذو اربعۃ الاضلاع a از سر نو تقسیم کے اثر کو دکھاتی ہے اس میں دو عنصر ہیں۔ پرانے مقامی صنعت کاروں کو ملنے والا فاضل معاشی لگان اور وہ لگان جو نئے صنعت کاروں کو ان کی رسد قیمت کے علاوہ دیا جاتا ہے۔ پرانی معاشی اصطلاحات کی رو سے یہ صنعت کاروں کی فاضل یافت میں وہ اضافہ ہے جسے صارفین کی فاضل یافت سے منہا کر کے حاصل کیا گیا ہے۔

تحفظ، صرف، آمدنی، اور ترمیم تقسیم سے متعلق ترلیف کے اثرات جزدی توازن میں۔

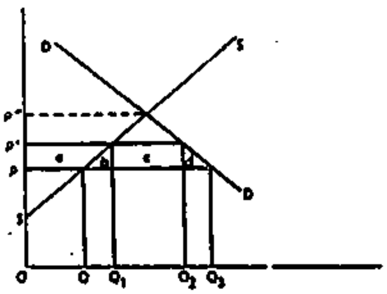

اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ نئی قیمت پر جو وسائل صنعت میں آئے ہیں پرانی قیمت پر وہ صنعت میں آنے ہی والے تھے اور کسی دیگر صنعت میں انھیں P O Q Q کی برابر آمدنی ہورہی تھی تو حفاظتی اثر کے تحت معیشت کو پہنچنے والا نقصان b رقبے تک ہی محدود رہے گا۔ اسی طرح اگر یہ مان لیا جائے کہ اثر صرف کے تحت دوسری اشیار کی جانب منتقل ہونے والے خرچ سے حاصل ہونے والی تسکین آزادانہ تجارت کے تحت ملنے والی مختتم یافت کے برابر یعنی O-P Q2 -Q3 کے برابر ہوتی ہے۔ تب صرف کے خالص زیاں کو d ظاہر کرے گا۔ ان دونوں رقبوں b اور d کو ترلیف کا لاحاصل نقصان کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ــــ کسی ایک سمت میں ہونے والے باقی تمام دیگر نقصانات کی تلافی دوسری سمت میں ہونے والے نفع یا تبدیلی سے ہوجاتی ہے ــــ انھیں ترلیف کی لاگت کہہ سکتے ہیں۔

کسی ترلیف کا حفاظتی اثر کتنا بڑا ہوگا ظاہر ہے اس کا تعین رسد قوس کی لچک سے ہوتا ہے۔ اگر رسد کا قوس بہت زیادہ لچکیلا ہوگا تو حفاظتی اثر اسی لحاظ سے زیادہ ہوگا۔ لچک کم ہونے کی صورت میں یہ بھی اتنا ہی کم ہوجائے گا۔ کسی ترلیف سے تجارت اس وقت ختم ہوجاتی ہے جب اس کا حفاظتی اثر اتنا کافی ہو کر گھریلو پیداوار میں اس درجہ اضافہ ہوجائے کہ گھریلو مانگ کو درآمدات کے بغیر پورا کیا جاسکے تشکل نمبر 7.1 میں وہ کم سے کم ترلیف جس سے درآمدات بالکل ختم ہوجائیں P-P0 ہوگا۔

حفاظتی اثر کو عام توازن میں بھی دکھایا جاسکتا ہے مگر اس میں تشریح کی بعض دشواریاں پیش آتی ہیں۔ تشکل نمبر 7.2، میں ترلیف کو دونوں ڈھالوں کے بیچ فرق سے ظاہر کیا گیا ہے یعنی

شرائطِ تجارت P۱-C۰ اور ان متوازی ڈھالوں کے بیچ فرق ہے جو پیداداری امکانات کے قوس اور بے نیازی کے قوس پر مماس ہیں۔ ترلیف درآمد شدہ چیز کی مقامی قیمت کو اس کی بین الاقوامی قیمت سے زیادہ کر دیتا ہے۔ (اور برآمدی چیز کی مقامی قیمت گھٹا دیتا ہے جو اس وجہ سے شرائطِ تجارت سے مختلف ہو جاتی ہے)۔ صنعت کاروں اور صارفین کے مقامی توازن کا تقاضہ یہ ہے کہ قیمت پیدا کی جانے والی دونوں اشیاء کے مابین مختتم بدل لاگت (P پر مماس کا ڈھال) اور صرف میں مختتم بدل شرح (C' پر مماس کا ڈھال) کے برابر ہو۔ ایسی صورت میں ترلیف کی بالکل صحیح نشان دہی ایک سراب بن جاتی ہے کیونکہ یہ ڈھالوں کا فرق ہوتی ہے، یہ ضروری تو نہیں ہے مگر خاکے میں مان لیا گیا ہے کہ ترلیف کے سبب شرائطِ تجارت کی آزادانہ تجارت والی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ یعنی C' - P' اور P۰-C۰ متوازی ہیں۔ پیداوار میں P سے P' کی تبدیلی حفاظتی اثر ہے اور صرف میں C سے C' کی تبدیلی اثر کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ بات نوٹ کی جانی چاہیے کہ اگر شرائطِ تجارت میں تبدیلی نہ ہو تو ترلیف عاید کرنے کے نتیجہ میں ملک بالآخر زیریں تر قوس بے نیازی برائے صَرف پر جا گر رکتا ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ شکل نمبر 7.2 میں ہم نے یہ بتانے سے احتراز کیا ہے کہ ترلیف کونسی چیز پر عاید کیا گیا ہے۔ یہ یا تو گیہوں پر درآمدی ترلیف ہو سکتا تھا یا کپڑے پر برآمدی ترلیف یا ان دونوں کا کوئی مناسب میل۔ گیہوں کی درآمد پر ترلیف کی صورت میں حفاظتی اثر کے تحت گیہوں کی پیداوار میں اضافہ ہو جائے گا۔ اگر خاکہ کپڑے پر برآمدی ٹیکس کو ظاہر کرتا ہے تو "حفاظتی" اثر ایک غلط نام ہوگا۔ اسے 'تباہ کن' اثر کہنا چاہیے کیونکہ اس سے برآمد کی جانے والی چیز کی پیداوار کا نفع کم ہو جائے گا۔ ریاستہائے متحدہ کا دستور برآمدات پر ٹیکس لگانے کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ 1789 میں ریاستیں وفاقی حکومت کو برآمدی تجارت کو تباہ کرنے کا یہ اختیار دینے کو تیار نہیں تھیں۔

درآمد پر ڈیوٹی کا حفاظتی اثر کسی صنعت یا ایسے علاقے کے لیے جن کی معیشت پر کسی واحد شے کا غلبہ ہو تقریباً ہمیشہ موافق پڑتا ہے۔ ملک کو مجموعی طور پر خسارہ ہو سکتا ہے مگر کم از کم قلیل مدت میں اس صنعت کو فائدہ پہنچنے کی توقع کی جا سکتی ہے جس کی اشیاء کی قیمت میں ترلیف کی وجہ سے اضافہ ہو گیا ہے۔ جو وسائل کسی ناسازگار صنعت میں لگے ہوئے ہیں ان کے لیے طویل مدت میں یہی بہتر رہے گا کہ وہ ایسی صنعتوں میں منتقل ہو جائیں جہاں ان کی پیداواری

صلاحیت زیادہ ہے۔ بہر حال جب تک وہ اس صنعت میں رہتے ہیں انھیں ٹریف سے فائدہ پہنچتا ہے۔

عام توازن میں ٹریف کے حفاظتی اور صرفی اثرات

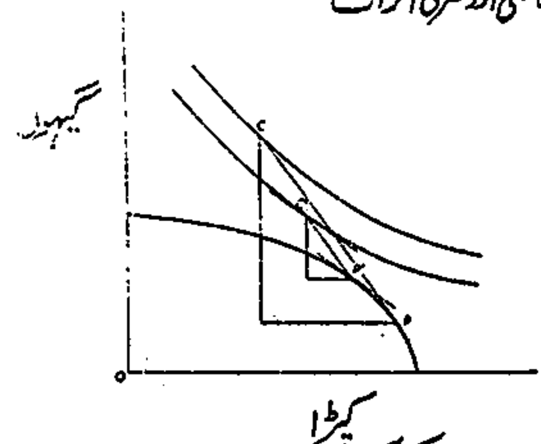

اوپر کی بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب کبھی کسی ٹریف کو ختم کیا جاتا ہے کسی صنعت کو نقصان پہنچتا ہے۔ عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے اور ایسے طریقے دفع کرنے کی بہت سی کوششیں کی گئی ہیں جن سے ٹریف ہٹا لینے کے سبب کسی صنعت یا اس میں لگے کارخانے کو ضرر پہنچنے سے بچایا جاسکے۔ لیکن ایسی صورتیں بھی ضرور سامنے آتی ہیں جن میں صنعتیں ٹریفی تحفظ کے پیچھے کاہل اور سست رفتار ہو گئی ہیں اور انھوں نے نئے پیداواری طریقوں کو اپنا کر صلاحیت پیداوار میں اضافہ کرنے کے مواقع کو ہاتھ سے جانے دیا ہے۔ ایسے حالات میں ٹریف ختم کر دینے سے مسابقت اور امداد کے ذریعہ صلاحیت پیداوار میں اضافہ کرنے کی ترغیب ملتی ہے۔

ایک مزید نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تجارتی آزادی کا ایسا پروگرام —— جس کی مثال ریاستہائے متحدہ میں باہمی تجارتی سمجھوتوں کا قانون ہے —— جو کسی کو نقصان پہنچائے بغیر ٹریف ختم کرنے کا وعدہ کرتا ہے یا تو غلط بیانی پر مبنی ہوتا ہے یا ابلہی پر 1962 کے توسیع تجارت کے قانون نے اس حقیقت کو بالآخر تسلیم کیا اور ضرر کی تلافی کرنے کا پروگرام پیش کیا تاکہ زیاں کار کاموں میں وسائل کے دوبارہ تقسیم کی ضرورت سے احتراز کرنے کی بجائے اسے پورا کیا جائے۔ اس پروگرام میں مزدوروں کو بے روزگاری کے فاضل فوائد اور تربیت اور صنعت

کے لیے خصوصی قرضوں اور زیادہ شرحوں پر منہائی کی سہولتیں فراہم کی گئیں لیکن قانون کی ان دفعات کو عملی جامہ پہننا نہایت مشکل ثابت ہوا۔ مجموعی حیثیت سے درآمدات کے ساتھ مسابقت کرنے والی صنعتیں پوری مستعدی سے کام نہیں کر پاتیں اور عدم استعداد سے ہونے والے نقصان کو ترلیف میں کمی کی وجہ سے زیادہ درآمد کے سبب ہونے والے نقصان سے الگ کرنا اور ان سے نپٹنا مشکل ہو جاتا ہے۔

صَرفی اثر

صرفی اثر تقریباً غیر مستحسن ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں شکل نمبر 7.1 میں مکمل صرف ق$_3$-ق$_2$ کی برابر یا شکل نمبر 7.2 میں c سے c' تک کم ہو جاتا ہے اور صارف ہر اس چیز کے لیے جسے وہ خریدتا رہتا ہے زیادہ قیمت ادا کرتا ہے۔

کوئی علاقہ صرفی اثر سے غیر موافق طور پر متاثر ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ریاستہائے متحدہ میں جنوب کو جو اپنی کپاس عالمی بازار میں فروخت کرتا تھا مصنوعات پر شمالی ترلیف کی وجہ سے اپنے لیے کپڑا اور دیگر اشیا محفوظ بازار کے اندر مجبوراً اونچی قیمتوں پر خریدنی پڑیں۔

مجموعی طور پر پوری دنیا کے لیے ترلیف کے حق میں دی جانے والی ایک دلیل —— شیر خوار صنعت کی دلیل —— صحیح ہے اور اسی مذکورہ اصول کا استثنیٰ قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ دلیل باہری بچتوں یا غیر کامل مسابقت پر مبنی ہے جو خود علم کی کمی یا صنعت میں داخلے کی دشواریوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ باب دو میں یہ واضح کیا گیا تھا کہ بڑھتے ہوئے ماحصل یا گھٹتی ہوئی لاگتوں کی موجودگی میں نسبتی لاگتوں کا قانون صحیح نہیں رہتا۔ اگر کسی چیز پر ترلیف لگانے سے ایسے صنعت کار جنھیں پہلے مواقع کا علم نہیں تھا اس صنعت کی طرف رجوع کرتے ہیں یا سرمایہ (یا محنت یا زمین) جمع کرنے کی جانب مائل ہوتے ہیں تاکہ پیداوار کے معاشی پیمانے پر پہنچا جا سکے تب ترلیف کو حق بجانب قرار دیا جا سکتا ہے۔ ان مواقع کی جانب توجہ مبذول کرانے کے لیے دیگر نیز زیادہ مستحسن طریقوں مثلاً خالی امداد کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس سے صارفین کے لیے چیز کی قیمت بڑھنے کی بجائے کم ہو جائے گی اور گھریلو بازار کو پھیلنے میں مدد ملے گی۔ اس کی کمزوری یہ ہے کہ اس کے لیے وسائل جٹانے پڑتے ہیں آمدنی نہیں ہوتی لیکن یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ شیر خوار صنعت کی دلیل اس کے باوجود صحیح ہو کر اس کا بڑا ناجائز

فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

ترلیف کے لیے شیر خوار صنعت کے جواز کا اکثر غلط فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ دنیا میں ایسی بے شمار صنعتیں ہیں جنھوں نے ترلیف کے باوجود کبھی بھی وہ مقام حاصل نہیں کیا جہاں پہنچ کر ترلیف کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ بلاشبہ کسوٹی یہ ہے کہ کیا بڑے پیمانے کی تمام بچتیں اور "بالیدگی" حاصل ہو جانے کے بعد صنعت بالآخر ترلیف کے بغیر زندہ رہ سکے گی لیکن کبھی کبھی صنعت ترلیف کے ہٹائے بنا فروغ پا جاتی ہے۔ ترلیف کا اٹھا لینا ہی واحد کسوٹی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ریاستہائے متحدہ میں فارمیسی کی صنعت تحفظ کی دیوار کے پیچھے کام کرتی ہے جبکہ بہت سی لائنوں میں اس کی صریحاً ضرورت نہیں ہے کیونکہ صنعت برآمدات کی بنیاد پر کام کرتی ہے۔ ان ترلیفوں کو جنھوں نے صنعت کو جاری کرنے میں اعانت کی یا اسے پہلی جنگ عظیم کے بعد زندہ رہنے میں مدد دی اب اس لیے باقی رکھا جا رہا ہے کہ صنعت ان کی عادی ہو چکی ہے یا وہ ڈمپونگ (جس پر باب 9 میں بحث کی گئی ہے) کے امکان سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اگر کسی تحفظ یافتہ صنعت کو اس درجہ فروغ حاصل ہو جائے کہ وہ عالمی بازاروں میں مسابقت کر سکے تو اسے بالغ سمجھنا چاہیے۔ بہت سی صنعتیں اس معنی میں سن بلوغ کو پہنچ چکی ہیں۔

شیر خوار صنعت کی دلیل کو خاص طور پر اس صنعت کو ترلیف عطا کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جسے دورانِ جنگ قطع تجارت کے سبب قدرتی طور پر تحفظ حاصل ہو چکا ہو۔ 1819ء میں برطانیہ میں گیہوں کی قیمت کو اس سطح پر برقرار رکھنے کے لیے جہاں وہ نپولینی لڑائیوں کے دوران پہنچ چکی تھی 'اناج قوانین' کے جواز میں اسی دلیل کو پیش کیا گیا تھا تاکہ اناج کی پیداوار کو تباہی سے بچایا جا سکے۔ یہ قوانین 1846 یعنی تقریباً 27 سال سے پہلے نہیں ہٹائے جا سکے اور نہ ہی 1880 کی دہائی تک کھیتی کے میدان میں کوئی سنگین صورت حال پیدا ہوئی۔ 1807 میں ریاستہائے متحدہ میں درآمدات کی ممانعت کے سبب کپڑے کی صنعت کا آغاز ہوا جسے حق بجانب قرار دینے کے لیے 1816 کا ترلیف قانون پاس کیا گیا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد برطانیہ میں مشینوں اور کیمیات کی صنعتوں کو دیے گئے تحفظ کو صحیح قرار دینے کے لیے اسی دلیل کا استعمال کیا گیا اسی زمانے میں ریاستہائے متحدہ میں کیمیات اور فارمیسی کی صنعت کو اسی بنیاد پر تحفظ عطا کیا گیا۔ اصل مقصد شیر خوار

صنعتوں کو تحفظ عطا کرنا نہیں تھا بلکہ مسابقت کی سرد اور بے رحم دنیا میں طفل کشی کو روکنا تھا۔ ان تمام صورتوں میں صنعت میں داخل ہونے کے لیے ضروری اخراجات پہلے ہی کیے جا چکے تھے سوال صرف یہ تھا کہ کیا وقت کے ساتھ کارکردگی میں اضافے سے بغیر تحفظ یا مالی امداد کے عام طور پر نفع بخش ثابت ہو سکے گی۔

دنیا کے لیے مجموعی طور پر ٹریف کے حق میں اور کسی دلیل کو کارکردگی کی بنیاد پر حق بجانب قرار نہیں دیا جا سکتا بڑھتے ہوئے ماحصل کی موجودگی میں نسبتی لاگت پر مبنی خصوصیت برداری زیادہ سے زیادہ پیداوار کی ضامن ہوتی ہے۔

ترتیبی کارخانے اور تحفظ کی کارگر شرح

یہ درست ہے کہ عالمی نقطۂ نظر سے شیر خوار صنعت کی دلیل کو حق بجانب قرار دیا جا سکتا ہے تاہم جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے انفرادی کیس میں اس کے استعمال میں احتیاط برتنی چاہیے غیر ملکی صنعت کاروں کو کسی ملک میں عمل پیداوار یا حصوں کو جوڑ کر اشیاء کو آخری شکل دینے کے لیے ترتیبی کارخانے قائم کرنے کی طرف راغب کرنے میں مقام گیری کا نظریہ اسی طرح معاون ثابت ہو سکتا ہے جیسا حصوں یا خام مال پر تو نہیں لیکن بالکل تیار اشیاء پر ٹریف عائد کرنے میں مثال کے طور پر اٹلی میں کچا لوہا اور فولاد کی چھیلن ڈیوٹی سے بری ہو سکتے ہیں جبکہ نیم تیار اور تیار شدہ فولاد پر اونچی ڈیوٹیاں عائد تھیں (یورپی کوئلہ اور فولاد کمیونٹی قیام سے پہلے) جوٹ جیسے خام مال پر برآمدی ٹیکس لگا کر برآمدات کے لیے پختہ مال تیار کرنے والی فیکٹریوں کی حوصلہ افزائی کی جا سکتی ہے جبکہ ان کی مصنوعات کو ڈیوٹی سے بری رکھا جا سکتا ہے۔

ترتی فیکٹریوں کی وجہ سے سرمایہ کی نقل و حرکت سے متعلق بعض دشواریاں پیدا ہوتی ہیں۔ ان مسائل پر حصہ ۷ اور خاص طور پر باب 21 میں بحث کی گئی ہے۔ لیکن کسی چیز پر ٹریف عائد کرنے سے اس صورت میں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے جب پختہ مال پر ڈیوٹی لگائی گئی ہو لیکن اس کے لیے ضروری خام مال پر کسی طرح کی ڈیوٹی نہ ہو۔ گذشتہ چند سالوں سے اس سوال پر "تحفظ کی کارگر شرح" کے زیر عنوان بڑا بحث و مباحثہ ہوتا رہا ہے۔

مان لیجیے کہ سوتی کپڑے پر 10 فیصدی کا ٹریف عائد ہے لیکن اس درآمدہ کپاس کی مالیت جو ڈیوٹی سے قطعاً بری ہے آخری پیداوار یعنی کپڑے کی مالیت کا 50 فیصد ہے۔

کیونکہ کپاس پر کوئی ڈیوٹی نہیں ہے اور کپڑے کے مل مالک اسے درآمد کر سکتے ہیں اس لیے کپڑے پر عائد ڈیوٹی سوتی کپڑے کی کل قیمت پر نہیں بلکہ اس کے صرف اس حصے پر لاگو ہوتی ہے جو عمل پیداوار کے سبب مالیت میں ہونے والے اضافہ کو ظاہر کرتا ہے یعنی کل مالیت کے نصف پر۔ کل مالیت پر 10 فی صد کی قانونی ڈیوٹی درحقیقت اضافہ شدہ مالیت پر 20 فی صد کی موثر ڈیوٹی ہے[1]۔ اس وجہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ قانونی ٹریف کی فہرست اصل تحفظی اور صرفی اثرات کی مناسب عکاسی نہیں کرتی ٹریف کی موثر شرح اس کا زیادہ صحیح ناپ ہے۔ لیکن موثر شرح کا تصور غیر مبہم نہیں ہے کیونکہ یہ اس نظریہ پر مبنی ہے کہ ترکیبی اجزاء اور آخری پیداوار کے درمیان ایک متعین رشتہ ہوتا ہے۔ اگر قیمت کے ساتھ وسائل بدل جائے تو ٹریف کی موثر شرح کا حساب آسانی سے نہیں لگایا جا سکتا مثال کے طور پر لوہے اور فولاد کی صنعت میں ایسا ہوتا ہے یہاں لوہے، کوئلے اور فولادی برادے کی نسبتی قیمتوں میں تبدیلی سے یہ ..... بدل جاتے ہیں اس لیے ٹریف کی موثر شرح جزوی توازن کا ایک ایسا تصور ہے جس میں فرض کر لیا جاتا ہے کہ دیگر چیزیں یکساں رہتی ہیں جبکہ درحقیقت وہ بدل جاتی ہیں موثر شرح کا فارمولا ایک ایسی مساوات ہے جس میں دو عنصر معلوم نہیں ظاہر ہے ایسی مساوات کو حل نہیں کیا جا سکتا۔ نیچے نوٹ میں دی گئی ، پر T میں تبدیلی کا کیا اثر ہوتا ہے۔ اس کا پتہ لگانے کے لیے ایک اور مساوات کی ضرورت ہوگی۔ صورت حال کو آسان بنا دینے والے غیر متغیر تناسبات کے مفروضے کے بغیر موثر شرح ایک ایسا تصور ہے جسے پوری طرح دریافت نہیں کیا جا سکتا تاہم اس امر کی جانب توجہ مبذول کرانے کے لیے از حد مفید ہے کہ صورت حال ہمیشہ (شاذ؟) وہ نہیں ہوتی جو دکھائی دیتی ہے۔

---

[1] ٹریف کی موثر شرح کا فارمولا یہ ہے $f = \frac{t - qr}{1 - r}$ یہاں f ٹریف کی موثر شرح ہے t اس کی قانونی شرح ہے، q حصوں یا درمیانی اشیا پر ڈیوٹی کی شرح ہے اور r تیار چیز کا وہ تناسب ہے جو ان حصوں پر مبنی ہے جنھیں یا تو درآمد کیا جاتا ہے یا درآمد کیا جا سکتا ہے حصوں کے ڈیوٹی سے مبرا ہونے کی صورت میں فارمولا بدل کر یہ ہو جائے گا $f = \frac{t}{1 - r}$ یہاں تیار شدہ اشیا پر ٹریف اتنا ہی ہے۔ جتنا حصوں پر یعنی $t = q$ ایسی صورت میں موثر شرح قانونی شرح کی برابر ہی ہوگی، یعنی $t = f$

ایسے ملک کے لیے جو ترقی کارخانوں کو اپنی جانب کھینچنا چاہتا ہے پچھلے باب کے مقام گیری کے نظریہ کو ذہن نشین کر لینا مفید رہے گا۔ رسد نژاد صنعتوں کے مقابلے میں درآمدی ٹریف بازار نژاد اور آزاد قدم صنعتوں کو اپنی طرف زیادہ کھینچ سکتے ہیں۔ اور برآمدی ٹیکس رسد نژاد صنعتوں کے مقابلے میں آزاد قدم صنعتوں کے میدان میں زیادہ کارگر رہتے ہیں۔

صنعت رسد کے ذرائع کے قریب، قائم کی گئی ہے یا بازار کے نزدیک آزاد قدم صنعتوں کے معاملے میں اس کا عام طور پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بس یہ ان دو نقاط کے درمیان نہ قائم کی جائے کیونکہ اس سے سامان کو غیر ضروری طور پر اتارنے لادنے کی ضرورت پڑے گی۔ اس سے یہ امکان باقی رہ جاتا ہے کہ تیل صاف کرنے کے کارخانوں کو اپنے ساحل کے قریب آنے کی ترغیب دینے کے لیے کوئی درآمدی ملک خام پٹرول پر نہیں بلکہ گیسولین اور ایندھن تیل پر ٹیکس لگائے۔ جیسا کہ فرانس نے جنگوں کے درمیان والے عرصے میں قومی مفاد کی خاطر کیا تھا۔ اس کے برعکس کچا تیل پیدا کرنے والا ملک ان کارخانوں کو اپنی ساحلی حدود میں لانے کے لیے پٹرول سے تیار شدہ اشیاء پر نہیں بلکہ کچے تیل پر ٹیکس عائد کرے گا۔ مجموعی طور پر اثر تعطل و جمود کی صورت میں رونما ہو گا بشرطیکہ دونوں ملکوں میں عائد کیے گئے ٹیکس مساوی ہوں یا پھر دوطرفہ اجارہ (جس میں فروخت کے اجارہ کا سامنا خرید کے اجارہ سے ہو گا) قائم ہو جائے گا اور نتیجہ کا تعین نہ کیا جا سکے گا۔ بس صارف کو نقصان اٹھانا پڑے گا۔

اس اظہار آراء کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کچے مال کی تمام برآمدات پر یا تیار اشیاء کی درآمدات پر ٹیکس لگانے کی کھلی چھوٹ ہے معاملہ اس سے کہیں مختلف ہے۔ بہرحال ان کا تاثر یہ ہونا چاہیے کہ یہ طریقہ زیادہ قرین فہم ہے اس کے مقابلہ میں کہ تیار اشیاء پر برآمدی ٹیکس اور کچے مال اور حصوں پر درآمدی ٹیکس لگا دیے جائیں۔

مالیاتی اثر

سرکار کو مختلف عوامی مقاصد کے لیے رقم فراہم کرنی ہوتی ہے اور نامعلوم زمانے سے بین الاقوامی تجارت ٹیکس کا نشانہ رہی ہے 1850 کے زمانے میں ریاستہائے متحدہ میں سرکار کی ٹیکس سے ملنے والی آمدنی میں 95 — 90 فیصد ٹریف کی یافت ہوتی تھی۔ جو ملک

جتنا کم ترقی یافتہ ہوگا اتنا ہی امکان قوی تر ہو جاتا ہے کہ اس کی مالیات میں ترلیفی ڈیوٹیوں کا تناسب اونچا ہوگا، یہ رجحان ٹیکس لگانے میں انصاف کی خواہش کی نسبت انتظامی تقاضوں کا رہین منت رہتا ہے۔ آمدنی ایک خیالی چیز ہے اس کے مقابلہ میں اشیاء پر ٹیکس لگانا زیادہ آسان ہے۔ اور داخلے کی بندرگاہوں پر آتا ہوا سامان صاف دکھائی دیتا ہے اس لیے گھریلو تجارت کے مقابلے میں غیر ملکی تجارت کو زیادہ آسانی سے ٹیکس کیا جا سکتا ہے۔

آمدنی کے لیے صرف وہی ترلیف ہوتا ہے جس کے تحفظی اور تقسیم سے متعلق اثرات معدوم ہوتے ہیں۔ اس کے صرفی اثرات صرف اس مفروضے کے تحت ختم ہو سکتے ہیں کہ ماہر قیمت ترلیف کی پوری رقم کے برابر کم ہو جاتی ہے اور اس طرح ٹیکس کو درحقیقت غیر ملکی صنعت کار برداشت کرتے ہیں۔ صرف آمدنی کے نقطۂ نظر سے ترلیف ان اشیاء پر لگایا جاتا ہے جن کی پیداوار ملک کے اندر بالکل نہیں ہوتی یا جس کے ساتھ گھریلو پیداوار پر اتنا ہی ٹیکس تحفظ اور تقسیم نو کے اثرات کو ختم کرنے کے لیے لگا دیا جاتا ہے۔ بعض ماہرین معاشیات نے آمدنی کے لیے ترلیف میں صرف اس یکساں فیصد ٹیکس کو شامل کیا ہے جو تمام درآمدات پر لگایا جائے۔ یہ ایک غلطی ہے۔ تحفظ اور تقسیم سے متعلق اثرات غیر منطقی اور بے ہنگم ہوتے ہیں ان کا انحصار مقامی قیمت میں ہونے والے اضافوں اور مقامی رسد قوسوں کی لچک پر ہوتا ہے تاہم ان کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ترلیفوں کو سہارا دینے کے لیے اکسائز ٹیکس لگاتے وقت مقامی پیداوار (درآمدات سمیت) یا مقامی صرف (درآمدات کو شامل کر کے) پر ٹیکس لگانا چاہیے۔ اگر ٹیکس پیداوار پر ہے اور ملک میں تمام رسد قوس یکساں طور پر لچکیلی ہیں تو ٹیکس کی یکساں شرح سے پیداوار مسخ نہیں ہوتی۔ رسد قوسوں کے مختلف ہونے کی صورت میں کم لچکیلی رسد قوسوں پر زیادہ ٹیکس لگانے سے فلاحی گڑبڑ کم سے کم ہو جاتی ہے کیونکہ اس سے پیداوار میں کم انتشار پیدا ہوتا ہے۔ اسی استدلال سے اگر ٹیکس صرف پر نافذ کیے گئے ہیں تو آمدنی کی کوئی طے شدہ رقم حاصل کرنے سے پیدا ہونے والے غیر موافق اثرات کم لچکیلی مانگ قوسوں پر زیادہ ٹیکس لگانے سے کم ہو جاتے ہیں کیونکہ اس سے صرف میں کم سے کم بگاڑ پیدا ہوتا

ازسرنوتقسیم سے متعلق اثر

ازسرنوتقسیم کے اثر کو شکل نمبر ۱۰۷ میں پیش کیا گیا تھا۔ یہ پہلے سے موجود صنعت کاروں کے لیے زیادہ قیمت اور بیشتر نفع کو ظاہر کرتا ہے۔ حقیقی دنیا میں یہ اثر تحفظی اثر سے کہیں زیادہ اہمیت کا حامل ہو سکتا ہے۔ ٹرلیف کا تحفظ کے خواستگار اپنا تمام تر وقت مختتم صنعت کار کے کیس کی حمایت میں صرف کرتے ہیں۔ لیکن تحفظ کے لیے تمام تر کاوشوں کا مرکز اکثر وبیشتر حاشیہ کے اندرواے وہ سامان مہیا کرنے والے ہوتے ہیں جن کا کاروبار آزادانہ تجارت کی وجہ سے ختم نہیں ہوگا ہاں نفع گھٹ جائے گا۔

جزوی توازن کا خاکہ تقسیم نو کے اثر کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ کسی واحد چیز میں صارفین کا سرپلس صنعت کاروں کو منتقل ہو جاتا ہے۔ زیادہ بنیادی بات یہ ہے کہ مختلف اشیاء کو بنانے والے عوامل کے بیچ ٹرلیف کی وجہ سے آمدنی کی تقسیم دوبارہ ہوگی کیونکہ پیداوار کے ہر ایک میدان میں ان عوامل کا باہمی تناسب الگ الگ ہوتا ہے۔ ٹھیک ایسے ہی جیسے آزادانہ تجارت سے بہتات والے عامل کی قیمت میں اضافہ اور کمیاب عامل کی قیمت میں کمی ہو جاتی ہے آزادانہ تجارت سے بُعد کمیاب عامل کی قیمت زیادہ اور بافراط ملنے والے عامل کی قیمت کم کر دیتا ہے۔[1]

ان حالات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ٹرلیف کمیاب عامل کی ان کوششوں کا مظہر ہے جو وہ تجارت کے حجم کو گھٹانے کے لیے کرتا ہے تاکہ اس کی نیم اجارہ دارانہ پوزیشن کمزور نہ پڑ سکے۔ اس کے برعکس ٹرلیفوں کو ختم کرانے کی مہم کو بافراط پائے جانے والے عامل کی اس کوشش سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جو وہ بازار کی توسیع کے ذریعہ اپنی حالت بہتر بنانے کے لیے کرتا ہے۔ درآمدات میں اضافہ کا مخصوص نتیجہ برآمدات میں اضافہ ہوتا ہے اس سے

---

[1] عام توازن کی ایک جیومیٹرائی مثال کے طور پر ضمیمہ B میں دی گئی شکل نمبر B.1 کے بکس نما خاکے کو پیش کیا جا سکتا ہے یہاں ٹرلیف کی وجہ سے پیداوار عامل قیمت، مساوات کے نکات R اور Q سے ہٹ جاتی ہے اور یہ حرکت اتار کی نکات ه اور ٹ کی سمت میں ہوتی ہے ایسا کرتے وقت یہ دونوں صنعتوں میں عوامل کا تناسب اور ان کی آمدنی بدل دیتی ہے۔ اسٹولپر سیموئلسن کی یہ تشریح ایج ورتھ بادلے کے بکس نما خاکے کو پھر سے بین الاقوامی

برآمدات کی قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے اور اس عامل کی آمدنی بڑھتی ہے جو زور و شور سے برآمدی صنعت میں مصروف کار ہے۔

اس تجزیہ سے ٹریف کی تاریخ پر گہری روشنی پڑتی ہے بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ 1864 میں اناج کے قوانین، کو آدم اسمتھ کی 70 سال قبل کے درس کے زیر اثر ختم کیا گیا تھا لیکن "اناج قوانین" کا نفاذ نپولین جنگوں کے بعد کیا گیا تھا اس وقت تک آدم اسمتھ کی کتاب "دولتِ اقوام" کو شائع ہوئے 40 سال گذر چکے تھے اور ان قوانین کے خاتمہ کا کام اسی وقت عمل میں آیا جب ابھرتے ہوئے صنعتی اور تجارتی طبقے (قیمت + سرمایہ) بہت زیادہ ہو گئے تھے۔ ان طبقوں نے 1832 کے 'سدھار بل' کے وقت اپنی سیاسی قوت کا استعمال کیا۔ سیاسی غلبہ حاصل کرنے کے بعد وہ ان زراعتی مفادات پر حاوی آکر اپنی آمدنی بڑھانے کے قابل ہو گئے جنھوں نے پہلے اپنے اقتدار سے فائدہ اٹھا کر گیہوں پر ٹریف عاید کرا دیا تھا۔

ریاستہائے متحدہ کے حالات میں یہی وضاحت اونچے ٹریف کی پالیسیوں کے لیے صنعت کاری میں لگے سرمایہ کو ذمہ دار ٹھہراتی ہے سرمایہ اپنی کمیابی کی قیمت کو بنائے رکھنے کی کوشش کر رہا تھا جبکہ زمین کی کوئی کمی نہیں تھی اور آزادی تجارت سے گیہوں اور کپاس کو فائدہ پہنچا۔ یہ وضاحت ۱۹ ویں صدی کے حالات پر ٹھیک طور سے عائد نہیں ہوتی کیونکہ اس وقت شیر خوار صنعت کی دلیل زیادہ اہمیت کی حامل تھی۔ تاہم آج کل کے حالات میں یہ کہیں زیادہ قابل فہم معلوم ہوتی ہے۔ ٹرنی تحفظ کی سب سے زبردست حمایت ان صنعتوں کی جانب سے ہوتی ہے جن میں محنت کی کھپت زیادہ ہے، مثلاً جوتے، کپڑے، برتن، بیٹ وغیرہ تیار کرنے والی صنعتیں۔ اس کے برعکس بڑی مقدار میں اشیاء پیدا کرنے والی صنعتوں میں کام بڑے پیمانے پر ہوتا ہے اور اس میں باافراط ملنے والا عامل — سرمایہ — زیادہ نمایاں حیثیت رکھتا ہے اور یہ صنعتیں برآمدات کے میدان کی نمائندگی کرتی ہیں۔ جوں جوں زمین کے مقابلہ میں سرمایہ کی افراط میں اضافہ ہوا اور جیسے جیسے برآمدات میں زراعتی اشیاء کی اہمیت کم ہوئی بڑے پیمانے پر اشیاء تیار کرنے والی صنعت تحفظ نوازی کو چھوڑ کر برآمدات پر زور دینے لگی اور زراعت نے آزادانہ تجارت سے فرار اختیار کر کے تحفظ کی حمایت شروع کر دی۔ اس سے ریاستہائے متحدہ کی تجارتی پالیسی میں تبدیلی سمت کی بڑی حد تک وضاحت ہو جاتی ہے۔

ری پبلکن پارٹی نے جو کافی زمانے تک اونچے ٹریفوں کا مضبوط قلعہ رہی ہے اپنی تحفظ نوازی کی مہم کو بڑی حد تک گنوا دیا کیونکہ شیگن جی ریاستوں نے اپنے مفادات کو کاروں کے برآمدات میں مرکوز کر دیا اور چیمبر آف کامرس نیز نیشنل فارن ٹریڈ کونسل جیسی تنظیمیں کھیتی کی مشین، تجارتی مشین، مشینوں کے اوزار، اور تیل کی صنعتوں کے نظریات وخیالات کی ترجمانی کرنے لگیں۔ تہذیب کی سست رفتاری پھر بھی باقی رہ گئی۔ جنوبی ریاستیں جہاں سوتی کپڑے کی صنعت خوب فروغ پا رہی تھی عرصہ دراز تک آزادانہ تجارت کے نظریہ سے چمٹی رہیں گویا کہ وہ ابھی تک زیادہ تر کپاس برآمد کر رہی ہوں اور اوہائیو جیسی ریاستوں سے آنے والے ری پبلکن ممبروں نے میک کن لے کی یاد کا احترام کرتے ہوئے باہمی تجارتی سمجھوتوں کو کمزور کرنے کی کوشش کی۔ لیکن دلیلِ عوامل کا مطلب یہ ہے کہ کاروبار خاص طور پر بڑے کاروبار کا مفاد اونچے نہیں نیچے ٹریف میں مضمر ہے۔

اس مقام پر ریاستہائے متحدہ میں اجارہ داری اور آزادانہ تجارت کی دلیل کے بیچ تھوڑا ٹکراؤ ہوتا ہے۔ آزادروی کے حامی (بائیں بازو کی بجائے آزادئ تجارت کے مفہوم میں) یہ دلیل پیش کیا کرتے تھے کہ آزاد تجارت سب کے مفاد کی نمائندگی کرتی ہے اس کے برعکس ٹریف بڑے کاروبار جیسے مخفی مفادات کا حربہ ہے۔ آج یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ آزادانہ تجارت اجارہ داروں کی مدد کرتی ہے جبکہ تحفظ سے غریب عوام کو سہارا ملتا ہے۔ وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ سرمایہ کی افراط والی بڑی کمپنیاں زیادہ آزادانہ قسم کی تجارت میں دلچسپی رکھتی ہیں۔ یہ آزادی چاہے برآمدات کے معاملے میں ہو جس سے صلاحیت پیداوار کا بہتر استعمال ہو سکے اور قیمتوں کو اونچا رکھا جا سکے اس کی مثال عمارتی مشینوں کی صنعت ہے۔ یا اس سے درآمدات بڑھتی ہوں تاکہ پیداواری لاگتیں کم کی جا سکیں مشرقِ وسطیٰ اور لاطینی امریکہ سے تیل کی درآمد اس زمرے میں آتی ہے۔

جہاں تک بات بڑے اور چھوٹے کاروبار کی ہے مندرجہ بالا دعویٰ صحیح ہو سکتا ہے۔ ماہرین معاشیات کو کم از کم پیشہ ورانہ حیثیت سے اس بحث میں غیر جانبدار رہنا چاہیے۔ بس یہ بتا دینا کافی ہے کہ اس معاملہ میں کون سے رشتے ملوث ہیں زبان ایسی ہو جس سے جہاں تک ممکن ہو کوئی طرفداری کی بو نہ آئے۔ زیادہ خصوصیت برداری سے کارکردگی میں اضافہ ہوتا ہے یعنی پیداوار بڑھتی ہے۔ تاہم زیادہ خصوصیت برداری سے آمدنی تقسیم سرمائے کے حق میں اور محنت کے

خلاف بدل جاتی ہے۔ ایسا کمیاب عامل پیداوار (جو اس ملک میں محنت ہے) کی اجارا دارانہ صورت کو کم کر کے کیا جاتا ہے۔ زیادہ سرمایہ کا استعمال کرنے والی صنعت بڑی اور زیادہ محنت کی کھپت والی صنعت چھوٹی ہو سکتی ہے۔ پھر بھی اونچے ٹریف زیادہ محنت کی کھپت والی اشیاء کی رسد گھٹا کر محنت کی آمدنی میں اضافہ کر دیتے ہیں جبکہ زیادہ آزاد تجارت ان اشیاء کی مانگ میں اضافہ کر کے جن میں سرمایہ زیادہ لگتا ہے سرمایہ کی آمدنی بڑھا دیتی ہے۔ مزدوروں کے بعض "غیر مسابقانہ گروہ" مثال کے طور پر وہ جو CIO میں اکثریت میں ہیں، اپنے مفادات محنت کی کھپت والی صنعت کے مقابلے میں سرمایہ کا زیادہ استعمال کرنے والی صنعت سے منسلک تصور کر سکتے ہیں اور اس لیے آزاد تجارت کے حق میں ہو سکتے ہیں۔ اس کے برعکس چھوٹے کاروبار سرمایہ نژاد صنعت کے مقابلے میں محنت نژاد صنعت کی طرفداری کر سکتے ہیں۔ اگرچہ عامل پیداوار کی حیثیت سے وہ سرمائے یا صنعت کاروں کے نمائندے ہوتے ہیں۔

ٹریف کے حق میں "سستی محنت" کے دلائل میں اتنی سچائی ضرور ہے گو عام طور پر انھیں جس طرح پیش کیا جاتا ہے وہ حقیقت سے دور ہوتے ہیں۔ اگر محنت کمیاب عامل ہے تو محنت نژاد اشیاء کی درآمدات ـــ جن میں ملک کو نسبتی خسارہ ہے ـــ محنت کی آمدنی کو کم کر دیں گی۔ لیکن یہ زیادہ نہیں ہوتا۔ اپنی عام شکل میں سستی محنت کی دلیل غلط ہے کیونکہ اس کی اساس قیمت کا غلط محنت نظریہ ہے اور اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتا ہے کہ جن ملکوں میں شرح اجرت زیادہ ہے وہ اس کے باوجود اشیاء برآمد کر پاتے ہیں۔

سرکاری پالیسی جان بوجھ کر آمدنی کی تقسیم کو مفاد عامہ کے حق میں تبدیل کرنے کی کوشش کر سکتی ہے۔ کناڈا میں یہ محسوس کیا گیا ہے کہ لوگوں کو باہر سے آکر اس ملک میں بسنے کی ترغیب دینے کے لیے اور ریاستہائے متحدہ کی جانب ہجرت روکنے کے لیے ضروری ہے کہ مانگ کو متحرک کرنے نیز محنت کی اجرت میں اضافہ کرنے کے لیے ان صنعتوں پر ٹریف عائد کیا جائے جن میں مزدوروں کی زیادہ کھپت ہوتی ہے۔ اس پالیسی سے بے شک بات سیاسی لحاظ سے اہم ہے لیکن اس سے آبادی کو کسی مستحسن سطح تک لانے یا وہاں قائم رکھنے میں مدد ملتی ہے۔ یا کوئی ترقی پذیر ملک دوسرا راستہ اختیار کر کے منافع اور بچت کی شرح کو بڑھانے کے لیے ان اشیاء کو تحفظ دے سکتا ہے جن میں سرمایہ زیادہ لگتا ہے۔ یہ خیال ان جدید (بے نیسٹن گیلین) دلائل کے مانند مرحلہ صنعت (یا سرمایہ کاری) کے حق میں پیش کیے جاتے ہیں جن میں سب سے زیادہ بچت

ہوتی ہو (وسائل کی نی اکائی کے بدلے زیادہ سے زیادہ پیداوار نہیں) اس خیال کو بہت پہلے 1908 میں الون ایسی جونسن نے پیش کیا تھا۔ بے شک اس کے لیے مثبت ڈھال والے رسد قوسوں کی ضرورت ہوتی ہے یعنی کچھ کم لاگت والے صنعت کاروں کی جن کے منافعوں کو قابل لحاظ تقسیمی اثر کے ذریعہ بڑھایا جا سکے۔ اگر فہرست رسد نسبتاً سپاٹ ہوگی اور ترلیف مقامی پیداوار کو بس اس حد تک ہی بڑھا سکے (تحفظی اثر) جس سے حاشیے کے اندر والی زمیوں کو زیادہ لگان نہ مل سکے تو ترلیف سے بچت پیدا نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس طرح کا استدلال میکسیکو میں کارگر ہو سکتا ہے کیونکہ وہاں مزید سرمایہ کاری اور نشو ونما میں سہارا دینے کے لیے نفع کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

غیر معاشی دلائل

جب ہم صنعت اور عامل کی سطح سے ہٹ کر ترلیف کی حمایت میں قومی دلائل کی جانب آتے ہیں تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ بعض دلائل ایسے ہیں جن کا معاشیات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور جنھیں ہم نے شاید موجودہ بحث کے دائرے سے باہر رکھا ہے۔ ایسے ہر ایک کیس میں ترلیف کی وجہ سے قومی نقصان ہوتا ہے جس کا مقابلہ دیگر میدانوں میں ہونے والے فائدے سے کیا جانا چاہیے۔

آدم اسمتھ نے ایسے ہی ایک کیس کو یہ کہتے ہوئے تسلیم کیا کہ "خوشحالی کے مقابلے میں دفاع کہیں زیادہ اہم ہے"۔ صریحاً کسی ملک کا طویل عرصے تک پیداوار کے کام کو جاری رکھے رہنا اس سے بہتر ہے کہ وہ کچھ عرصے کے لیے اونچا معیارِ زندگی قائم رکھ سکے۔ حالانکہ کوئی معاشی اس دلیل کی صداقت کو تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرتا لیکن اس کی عقل سلیم اس کے ذہن میں یہ شبہہ ضرور پیدا کرتی ہے کہ مخصوص مفادات کی جانب سے پیش کیے جانے والے بہت سے دفاعی دلائل ان اعمال کا منطقی جواز کے سوا کچھ نہیں ہیں جو دراصل صنعتی مفادات پر مبنی ہیں۔ اس بارے میں یہ کہنا تو زیادتی ہوگی کہ 'حب الوطنی بدطینوں کا آخری قلعہ ہے'۔ لیکن ہر وہ انسان جس کا تعلق کسی چیز کی پیداوار سے ہے اس کی اہمیت کو بڑھا چڑھا کر آسانی سے قومی مفاد کی دہائی دے سکتا ہے۔ اور وہ سیاست داں جو کسی علاقے کے لیے 'کچھ کرنا' چاہتے ہیں قومی دفاع کے لیبل کے تحت آسانی سے کر سکتے ہیں۔ ہمہ گیر لڑائی میں ہر چیز دفاع میں کام کرتی ہے۔ گھڑی بنانے والی 'اہل فرم'

اونی کپڑے تیار کرنے والے، موم بتی کی صنعت، اور آزادانہ طور پر تیل پیدا کرنے والے سب ہی قومی مفاد کے نام پر ٹریف کی درخواست کریں گے۔ وہ معاشی جس نے ہر ایک کیس کا تفصیلی جائزہ نہیں لیا ہے پھر بھی خصوصی مفاد کا شبہ کر سکتا ہے۔

ایک دوسری غیر معاشی دلیل کا تعلق دفاع اور سماجیات دونوں سے ہے۔ 19 ویں صدی کے جرمن مصنفین نے زراعت کے لیے تحفظ کی حمایت کسانوں کو خوشحال بنائے رکھنے کے لیے کی تھی۔ کسی حد تک اس کی وجہ فوج کے لیے سپاہیوں کی رسد کو قائم رکھنا تھا کیونکہ شہری آبادی کے مقابلے میں دیہی علاقے کے افراد زیادہ بچے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ کچھ وجہ — جیسا کہ آج کل برطانیہ میں ہے — زراعت اور دیہی طریقہ زندگی کو قائم رکھنے کی خواہش رہی ہے چاہے یہ زندگی حسکر تعلقہ دار کی ہو یا برطانیہ کے قومی ہیکل مزدور کی۔ فرانس میں 1880 اور 1890 کی دہائیوں میں گیہوں کی درآمدات کے خلاف دیے جانے والے تحفظ کا محرک خاندان اور خاندانی کھیت کو بنائے رکھنے کی خواہش تھی۔ رسد اگر لچکیلی نہ ہو تو عوامل پیداوار کو ایک دوسرے پیشے میں آسانی کے ساتھ منتقل نہیں کیا جا سکتا ایسی صورت میں اگر کسی درآمدی چیز کی قیمت باہر گر رہی ہے تو اس کی مقامی قیمت کو قائم رکھنے کے لیے ٹریف کی دلیل سماجی اور معاشی دونوں ہے۔ ان عوامل کے بارے میں جو برآمدی صنعتوں میں لگے ہوئے ہیں اور جنھیں دیگر صنعتوں میں آسانی سے منتقل نہیں کیا جا سکتا ہم آگے بحث کریں گے اہم اشیائے خوردنی اور کچے مالوں، خاص طور پر معدنیات، سے متعلق حکومتوں کے بیچ اشیاء کی سمجھوتوں کے حق میں دی جانے والی یہ بنیادی دلیل ہے۔

شرائطِ تجارت سے متعلق اثر

قومی سطح پر ٹریف کے حق میں دی جانے والی ساکن دلیل یہ ہے کہ مناسب حالات میں ٹریف کے ذریعہ کوئی ملک اپنی درآمدات کو نسبتاً کم قیمت پر حاصل کر سکے گا۔ درحقیقت ڈیوٹی یا اس کے قابل لحاظ حصہ کو غیر ملکی ادا کرتے ہیں۔ ٹریف کے حق میں شرائطِ تجارت کی اس دلیل کو جزوی توازن کے تجزیہ اور زیادہ مکمل طور پر مارشل پیش کش قوسوں کی مدد سے ظاہر کیا جا سکتا ہے۔

شرائطِ تجارت کو بہتر بنانے کے لیے ٹریف ـــ جزوی توازن

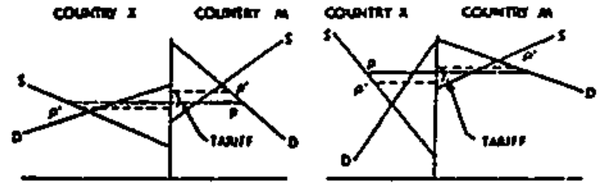

شکل نمبر a 3 . 7 جزوی توازن کے کیس کو پیش کرتی ہے۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ ٹریف کی وجہ سے کس طرح برآمد اور درآمد کرنے والے ملکوں کے بیچ قیمتوں کے فرق میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ تجارت کی صورت میں P ٹریف کے نفاذ سے پہلے اور P' دونوں بازاروں میں اس کے بعد کی قیمت کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ نقل و حمل کی لاگتیں مفقود ہوتی ہیں۔ اس کیس میں جہاں دونوں ملکوں میں مانگ اور رسد کی لچکیں قریب قریب برابر ہیں ٹریف کی وجہ سے درآمد کرنے والے ملک میں قیمت کچھ زیادہ اور برآمد کرنے والے ملک میں قدرے کم ہو جائے گی۔ بہر حال برآمد کرنے والے ملک میں اگر قیمت تھوڑی بہت بھی کم ہو جاتی ہے تو دوسرے ملک کو یہ چیز سستی لے گی۔

یہ صحیح ہے کہ درآمد کرنے والے ملک میں صارف کو پہلے سے زیادہ قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ لیکن جہاں تک درآمدات کا تعلق ہے اس کی تلافی مالیاتی اثر سے ہو جاتی ہے۔ اگر تقسیمی اثر کو نظر انداز کیا جا سکے تو مالیاتی اثر چونکہ ٹیکس کے نفاذ کے بعد ٹریف ضرب درآمدات ہو گا۔ جزوی طور پر برآمد کرنے والے ملک کے صنعت کاروں پر پڑے گا۔ اگر برآمد کرنے والے ملک میں رسد بہت زیادہ غیر لچکیلی ہو جیسا کہ شکل نمبر b 3 . 7 میں دکھایا گیا ہے اور درآمد کرنے والے ملک میں مانگ کافی لچکیلی ہو تو ٹریف کا حفاظتی اثر بہت کم ہو گا یعنی برآمدات میں زیادہ کمی واقع نہ ہو گی لیکن انھیں کہیں زیادہ سستے داموں پر حاصل کیا جا سکے گا۔

واضح رہے کہ برآمد کرنے والے ملک میں رسد قوتوں کے نہایت لچکیلے، متوازی یا یکساں لاگتوں کے قریب ہونے کی صورت میں ٹریف کے نفاذ سے شرائطِ تجارت میں قطعاً کوئی بہتری نہ ہو سکے گی۔ یہی وہ بات ہے جسے کلاسیکی مصنفین نے اپنی بحث کے زیادہ تر حصے میں فرض کر لیا تھا۔

شرائطِ تجارت کو بہتر بنانے کے لیے ٹریف ـــــ عام توازن

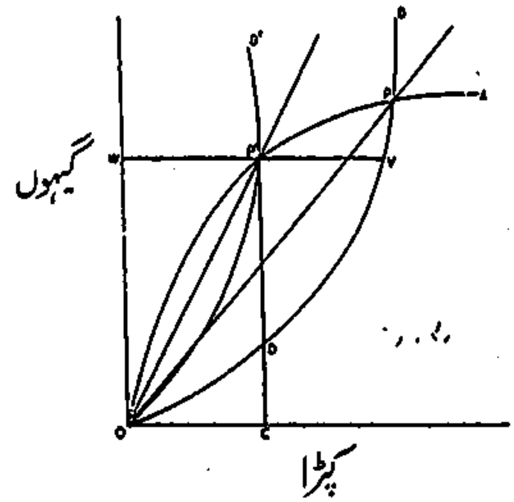

اسی طرح کی تشریح مارشلی پیش کش قوسوں کے ذریعہ مکمل طور پر پیش کی جا سکتی ہے شکل نمبر ۷۔۱ میں برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ پیش کش قوسوں کا ایک جوڑا OB اور OA، (بالترتیب) دکھایا گیا ہے۔ یہ قوس ایک دوسرے کو P نقطہ پر کاٹتے ہیں۔ اس سے دونوں اشیاء گیہوں اور کپڑے کے بیچ OP قیمت حاصل ہوتی ہے۔ ریاستہائے متحدہ سے آنے والے گیہوں پر برطانیہ میں لگائے گئے ٹریف کو ایک نئے پیش کش قوس OB' سے دکھایا جا سکتا ہے۔

ٹریف سے مسخ شدہ پیش کش قوس OB' یا تو گیہوں پر درآمدی ٹیکس یا کپڑے پر برآمدی ٹیکس کو ظاہر کر سکتا ہے۔ برآمدی ٹیکس کی حیثیت سے اب برطانیہ گیہوں کی کسی دی ہوئی مقدار کے لیے پہلے سے کم کپڑا دینے کو تیار ہے اور برآمد ٹیکس کو بچے ہوئے کپڑے کی شکل میں حاصل کرتا ہے۔ مثال کے طور پر OW گیہوں کے لیے وہ پہلے WV کپڑے کی پیش کش کیا کرتا تھا لیکن صرف WP، دینا چاہتا ہے۔ PV وہ ٹیکس کی شکل میں حاصل کرتا ہے۔ یا وہ گیہوں کی DC مقدار کے بدلے کپڑے کی OC مقدار دینے کے لیے آمادہ رہتا تھا جبکہ اب وہ اتنے ہی کپڑے کے بدلے PC گیہوں کی شکل میں لینا چاہتا ہے اور PD بطور ٹریف حاصل کرتا ہے۔

پیش کش قوس کے B سے ہٹ کر B' ہو جانے سے شرائطِ تجارت OP سے بدل کر

O-P ہو جاتی ہیں۔ برطانیہ کے لیے یہ پہلے سے بہتر صورت ہے۔

شرائطِ تجارت میں بہتری سے ملک کی معاشی حالت پہلے سے اچھی ہو سکتی ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے۔ خوردہ فروشی میں فی اکائی نفع بہت زیادہ ہو سکتا ہے لیکن اگر بکری بہت کم ہو جائے تو کل منافع اس صورت کے مقابلے میں کم ہوگا جب نفع کی شرح کچھ کم رکھی جاتی۔ اسی طرح ترلیف کی بھی ایک بہترین سطح ہوتی ہے۔ اس سطح پر شرائطِ تجارت میں ہونے والی بہتری کا حجم میں ہونے والی کمی سے کہیں زیادہ ازالہ ہو جاتا ہے۔ یہ بہترین سطح اس ترلیف کی نشان دہی کرتی ہے جو دوسرے ملک کے پیش کش قوس کو اس نقطہ پر کاٹتا ہے جہاں یہ ترلیف عاید کرنے والے ملک کے سب سے اونچے تجارتی قوسِ بے نیازی پر مماس ہوتا ہے۔ شرائطِ تجارت میں بہتری اس سطح سے آگے بھی ممکن ہو سکتی ہے لیکن اس کے ساتھ تجارت کا حجم اس قدر گھٹ جاتا ہے کہ نفع کی بجائے نقصان ہونے لگتا ہے۔ اس سے پہلے پہلے شرائطِ تجارت میں ایسے اضافے کی گنجائش رہتی ہے جو تجارت کے حجم میں کمی سے پوری طرح ختم نہیں ہوتا۔ ضمیمہ D میں بہترین ترلیف کو اخذ کرنے کا ایک جیومیٹرائی طریقہ پیش کیا گیا ہے۔

یہاں یہ بھی نوٹ کرنے کی ضرورت ہے کہ ترلیف سے شرائطِ تجارت میں فائدہ ہونے کا انحصار غیر ملکی پیش کش قوس مکمل طور پر لچکیلا ہو یعنی نقطہ آغاز سے O-P. کے ڈھال کا ایک سیدھا خط تو ترلیف کے نفاذ سے تجارت کم ہو جائے گی لیکن شرائطِ تجارت میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔

لیکن یہ کھیل دونوں ملک کھیل سکتے ہیں۔ اگر برطانیہ ترلیف لگا کر اپنی شرائطِ تجارت میں اضافہ کر سکتا ہے تو غالباً یہ کام ریاستہائے متحدہ بھی کر سکتا ہے۔ برطانیہ کو ابتدائی فائدہ جوابی کارروائی کی عدم موجودگی میں ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر دونوں فریق جوابی کارروائی کریں تو دونوں کا نقصان ہونا تقریباً یقینی امر ہے۔ شکل نمبر 7.5 میں ایک ایسا ہی کیس پیش کیا گیا ہے۔ اس میں .B, B', B'' اور A, A', A'' وغیرہ برطانیہ اور امریکہ کے جوابی کارروائی کے سلسلوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ آخر میں ہم دیکھتے ہیں کہ شرائطِ تجارت میں تو کوئی تبدیلی نہیں ہوتی لیکن تجارت کا حجم بہت زیادہ گھٹ جاتا ہے۔ اگر گھریلو تجارت میں تناسب قیمت وہی ہوتا تو ان شرائطِ تجارت پر ہر ایک ملک کہیں زیادہ مال بیچنے اور خریدنے پر تیار رہتا۔ بہر حال اناج پر برطانیہ اور کپڑے پر ریاستہائے متحدہ میں ڈیوٹی میں مسلسل اضافوں کی وجہ سے ہر ایک ملک میں ڈیوٹی کی ادائیگی کے بعد درآمد کی جانے والی چیز کی قیمت اونچی ہو گئی اور ان نئی قیمتوں پر صرف کو کم

کرنا ضروری ہوگیا۔ شرائطِ تجارت کو بہتر بنانے کے لیے ٹریف کا نفاذ اور اس کے خلاف جوابی کارروائی سے دونوں ملک یقینی طور پر خسارے میں رہتے ہیں، اس کے برعکس باہمی طور پر ٹریف ہٹا لینے سے دونوں ملکوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ ریاستہائے متحدہ میں تجارتی سمجھوتوں کے پروگرام اور ٹریف و تجارت کے عام سمجھوتے کی جوابی نوعیت کی بھی تشریح یا استدلال ہے۔

شرائطِ تجارت کو بہتر بنانے کے لیے ٹریف ۔ جوابی کارروائی

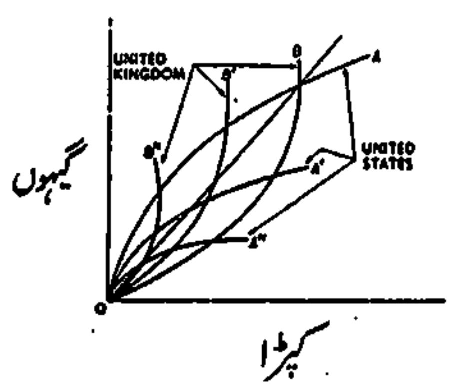

ایک باریک اور مشکل نکتہ کو بیان کرنا مفید ہو سکتا ہے اگرچہ مبتدین کے لیے ہمارا مشورہ یہ ہے کہ وہ یہاں سے "مسابقاتی اثر" تک کے حصّہ کو چھوڑ دیں۔ یہ ممکن ہے کہ آزادانہ تجارت کے مقابلہ میں ٹریف کے نفاذ سے قیمت بڑھنے کی بجائے کم ہو جائے اور تحفظی، تقسیمی اثرات مثبت ہونے کی بجائے منفی ہوں اور صَرفی اثر مثبت۔ اس صورت حال کی وضاحت عام توازن کے تحت بھی کی جا سکتی ہے جب ہم یہ بتا سکیں کہ ٹریف نافذ کرنے والے ملک میں مقامی قیمت کیا ہے۔ شکل نمبر 4 ۔ 7 کو پھر سے دیکھیے ، Op آزاد تجارت کی قیمت ہے اور OP ، ٹریف سے پہلے کی شرائطِ تجارت۔ لیکن ٹریف لگانے والے ملک B، میں مقامی قیمت کا تعین اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ ٹریف کس طرح وصول کیا جائے گا۔ اگر ڈیوٹی کپڑے پر ایسا ٹیکس ہے جسے تمام تر کپڑے پر ہی نافذ کیا گیا ہے تو شکل نمبر 5 ۔ 7 میں مقامی قیمت OP₁ ہوگی (OH گیہوں کا تبادلہ HP کپڑے سے ہوتا ہے جس میں سے P₁ ,B کو ملتا ہے اور HP₁ ملک A کو)۔ اس کے برعکس اگر ٹیکس کو

درآمدی چیز گیہوں کی شکل میں حاصل کیا جاتا ہے تو خط قیمت OPa2 ، ہوگا کیونکہ حکومت کے P'D گیہوں منہا کر لینے کے بعد کپڑے کی OC مقدار سے تبادلہ کرنے کے لیے صرف CD، گیہوں بچے گا۔ اگر حکومت ٹریف کو گیہوں اور کپڑے کے کسی مخلوط جیسے P'm اور MN، (بالترتیب) کی صورت میں وصول کرتی ہے تو مقامی قیمت OPa3 ، مقرر ہوگی جو دونوں سروں کے بیچ میں ہے۔ لیکن نوٹ کیجیے کہ OPa اور OPa2 اور OPa3 ، سب آزادانہ تجارت کی قیمت OP، سے زیادہ اونچی قیمت کو ظاہر کرتے ہیں۔ ٹریف اسے نافذ کرنے والے ملک میں درآمدی اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ کردیتا ہے جبکہ شرائط تجارت کے ملک B کے لیے بہتر ہو جاتی ہیں۔

لیکن جیسا کہ میٹزلر نے نمایاں طور پر واضح کیا ہے کہ ایسا ہونا ضروری نہیں ہے تشکل نمبر 7.6 کو لیجیے یعنی ٹریف کو کپڑے کی شکل میں وصول کیا جاتا ہے (جو برآمدی شئے ہے) اور A کا پیش کش قوس حد درجہ غیر لچکیلا ہے۔ اب یہ پتہ لگتا ہے کہ گیہوں کی مقامی قیمت گھٹ گئی ہے۔ OP، کے مقابلے میں OP8' کے لیے گیہوں کی فی اکائی زیادہ کپڑے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر ٹریف کو گیہوں کی شکل میں وصول کیا جاتا تو جیسا کہ نقطہ D کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے صورت حال یہ نہ ہوتی لیکن یہ نتیجہ حتمی نہیں ہے کہ ٹریف کی درآمد سے مسابقت کرنے والی چیز کی قیمت میں اضافہ ہو جائے گا۔ شرائط تجارت کا اثر تحفظ، صرف اور تقسیم کے اثرات کی سمت بدل سکتا ہے۔ اس کی وجہ سے درآمد کی حریف صنعت اور کمیاب عامل کی حالت خراب ہو سکتی ہے لیکن اس نتیجہ کو غیر امکانی سمجھنا چاہیے۔

ٹریف کے بعد گھریلو قیمت عام توازن میں

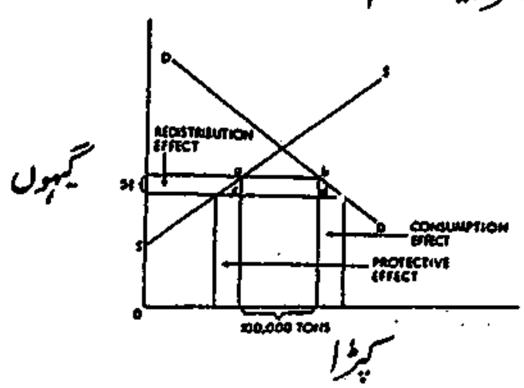

مسابقتی اثر

مطلق العنانی اجارہ کو جنم دیتی ہے۔ ٹریف کے ذریعہ غیر ملکی مسابقت کے دروازے بند کر دینے سے مقامی صنعت سست قدم، بھاری اور کاہل ہو جاتی ہے۔ یا اس کا آغاز ان عیوب کا حامل ہو سکتا ہے اور وہ اس تبدیلی سے بچنے کے لیے جو غیر ملکی اختراع اس کے سر پر مسلط کرنا چاہتی ہے حکومت کو ٹریف عاید کرنے کے لیے آمادہ کر لیتی ہے۔ کسی ٹریف کے مسابقتی اثر کو دراصل غیر مسابقتی اثر کہنا چاہیے کیونکہ ٹریف کے ختم کرنے سے مسابقت بڑھتی ہے۔

مسابقتی اثر تاریخی طور پر اہم رہا ہے اور آج بھی اہم ہے۔ 1860ء اینگلو فرانسیسی سمجھوتے کی مثال کے طور پر بعض اہل علم یوں تعریف کرتے ہیں کہ اسی نے فرانس کو صنعتی انقلاب کی گود میں ڈھکیلا تھا۔ اسے مجبور ہو کر لوہے کی بھٹیوں میں لکڑی کے کوئلے کی بجائے پتھر کے کوئلے کا استعمال کرنا پڑا تھا اور کپڑے کی صنعت میں ہاتھ سے چلائے جانے والی تکلیوں اور کرگھوں کی بجائے پاور سے چلنے والی تکلیوں اور کرگھوں کو اپنانا پڑا تھا۔

بہت سے مشاہرین کی رائے میں یورپی مشترک منڈی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس سے بازار وسیع تر ہو گئے اور بڑے پیمانے کی بچتیں حاصل ہوئیں لیکن سب سے زیادہ باریک بین لوگوں کا خیال ہے کہ اس کا اہم ترین نتیجہ یہ ہوا کہ فرانس جیسے ملک میں اجارہ داری کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے بیشتر کہ منڈی کا قیام پہلے لوہے اور فولاد میں اور کوئلے میں ہوا پھر اس کو مزید وسعت دی گئی۔ اس سے پہلے فرانس کی زیادہ تر صنعت ایک یا دو بڑی اور با صلاحیت کمپنیوں پر مشتمل تھی اور یہ کمپنیاں متعدد چھوٹی اور نااہل فرموں کے سروں پر اونچی قیمتوں کا چھاتا تانے رہتی تھیں۔ یہ صورت حال اس لیے باقی رہ سکی کیونکہ غیر ملکی مسابقت بڑی محدود تھی۔ ایک بار ٹریف کی دیواروں کے گر جانے کے بعد چھوٹی فرموں کے سامنے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہ گیا کہ وہ بڑی اور با صلاحیت اکائیوں میں ضم ہو جائیں، مل جائیں، دیوالیہ ہو جائیں، یہ صحیح ہے کہ نسبتاً بڑی فرمیں جو درآمدات کے مقابلہ میں زندہ رہ سکیں کسی بھی وقت اپنی قیمتوں کو کم کر سکتی تھیں اور کم صلاحیت والی چھوٹی فرموں کو زندگی کی جدوجہد کے لیے مجبور کر سکتی تھیں۔ لیکن قومی فرموں کے درمیان اس طرح کا رویہ قابل ملامت تصور کیا گیا۔ ایک بار دیگر ممالک

میں تریفی دیواروں کے نیچا ہو جانے کے بعد بڑی فرمیں جو اشیاء برآمد کرنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ غیر ملکی اشیاء پر اپنی حکومت سے ٹریف کم کرا کر اور اس طرح غیر ملکی فرموں کو نااہل مقامی صنعت کاروں سے نپٹنے کے لیے چھوڑ کر پیداوار کا حجم اور منافع میں اضافہ کرنے سے یہی نتیجہ حاصل کر سکتی تھیں۔

معاشی ارتباط کی جانب ہم کسی بعد کے باب میں رجوع کریں گے لیکن یہ امر بالکل واضح ہے کہ مشترک منڈی میں برطانوی حکومت نے کسی حد تک اس وجہ سے دلچسپی لی کہ وہ ملک کی سست قدم فرموں کو تیز رو بنانا چاہتی تھی اور رواں دواں فرموں کو پھیلنے کی گنجائش دینا چاہتی تھی۔ سب ہی برطانوی مشاہدین کی رائے یہ نہیں ہے کہ برطانیہ کے فیصلہ کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوگا۔ ایک دلچسپ تبصرہ یہ سننے میں آیا ہے کہ "چو تڑوں پر ہر ایک لات بہادری دکھانے پر نہیں اکساتی، بعض محض چوٹ پہنچاتی ہیں۔"

آمدنی اثر اور میزان ادائیگی سے متعلق اثر

ہماری لسٹ کے معاشیاتِ کلاں سے متعلق عناصر کی مکمل وضاحت کے لیے پڑھنے والے کو کتاب کے دوسرے نصف حصہ کا انتظار کرنا پڑے گا۔ لیکن مسئلہ کی نشاندہی کے لیے کافی کچھ اسی مقام پر کہا جا سکتا ہے۔ ٹریف غیر ممالک میں ملک کی رقم کے خرچ کو کم کرتے ہیں۔ باہر خرچ نہ کی گئی تمام رقم کو غالباً نہ بچایا جائے گا۔ اس میں سے زیادہ تر وطن میں خرچ کی جائے گی۔ روزگار پورے سے کم ہونے کی صورت میں اس خرچ سے زری اور اصل آمدنی نیز روزگار میں اضافہ ہوگا۔ لیکن پورے روزگار کی حالت میں اس سے افراطِ زر کے ذریعہ صرف زری آمدنیاں بڑھیں اور وسائل کی تقسیم میں تبدیلی سے حقیقی آمدنی کی صورت حال خراب ہو جائے گی۔ یہ بات صحیح ہے کہ غیر مستعمل وسائل کی موجودگی میں ٹریف سے مقامی خرچ اور قومی آمدنی میں اضافہ ہوگا۔

لیکن یہ صریحاً 'پڑوسی کو فقیر بنانے والی' پالیسی ہے۔ ٹریف نافذ کرنے والے ملک کے یہاں خرچ میں اضافے سے اس ملک کو نقصان پہنچتا ہے جو پہلے اشیاء برآمد کرتا تھا۔ اس کی آمدنی اور روزگار کم ہو جاتے ہیں۔ پس اگرچہ کسی ٹریف کی آمدنی سے متعلق اثرات کے وجود کو تسلیم کیا جاتا ہے تاہم ان کو قابلِ تحسین نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن افراطِ زر کے مخالف ہتھیار کے رول

میں ٹریف میں کی جانے والی تخفیف کو سراہا جاتا ہے۔ درآمد کردہ اشیاء سے زر کی رسد کم کرنے کی ضرورت سے زیادہ تپتی ہوئی معیشت کو ٹھنڈا کرنے کا ایک اچھا ذریعہ ہے۔ 1956 میں جرمنی نے اس کا کامیاب استعمال کیا تھا۔ اس کا استعمال اور وسیع ہونا چاہیے اور بے شک ہوگا سوائے اس بات کے کہ درآمدات سے مسابقت کرنے والے صنعت کار ٹریف میں یکطرفہ تخفیف کو پسند نہ کریں گے ٹریف کا ادائیگیوں کی میزان سے متعلق اثر زرئی آمدنی کے اثر سے کم یقینی ہے۔ معاشیات میں اور بہت سے امور کی مانند یہ امر بھی مشروط ہے کہ کسی ٹریف سے ادائیگیوں کا میزانیہ بہتر ہوگا یا نہیں۔ اس کا انحصار کن باتوں پر ہے اس موضوع پر باب 16 میں زیادہ تفصیل سے بحث کی گئی ہے یہاں ہم اتنا ہی کہنے پر اکتفا کریں گے کہ درآمدات میں ہونے والی ابتدائی کمی کو میزانِ ادائیگی سے متعلق آخری اثر نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہ تو صرف فوری اثر ہوگا جو صرف اسی صورت میں غیر متغیر رہے گا جب وہ ساری رقم جسے باہر خرچ نہیں کیا گیا ہے ٹریف نافذ کرنے والے ملک میں بچا کر رکھی جائے اور معاشیات کلاں کے تحت کارروائی سے متاثر برآمد کنندگان کی آمدنی میں ہونے والی کمی کی پوری تلافی ہو جائے۔ ان شرائط کے پورا نہ ہونے کی صورت میں نظام میں ہونے والی تبدیلیاں فوری اثر کو جزوی یا ممکن ہے مکمل طور پر زائل کر دیں۔

آج ٹریف و تجارت پر عام سمجھوتے (جی۔اے۔ٹی۔ٹی) کے تحت — جو جنیوا میں ٹریف سے متعلق مذاکرات کی سہولت فراہم کرنے والی عالمی تنظیم ہے — ٹریف سے متعلق سودے بازی میں سب کی یہ رائے ہے کہ میزانِ ادائیگی کی کمزوری ٹریف میں کمی کرنے سے انکار کا معقول جواز نہیں ہو سکتی۔ یہ کمیاں باہمی ہوتی ہیں اس لیے ہمارے ٹریف میں کمیوں سے درآمدات میں ہونے والے اضافے کی تلافی دوسروں کو جانے والی برآمدات میں اضافے سے ہونے کا قوی امکان رہتا ہے۔ بہرحال اس سے زیادہ اہم یہ ادراک ہے کہ ادائیگیوں کی میزان پر ٹریف کے اثرات ثانوی ہوتے ہیں ان کا خاص اثر تو وسائل کی کارآمد تقسیم پر پڑتا ہے۔ میزان ادائیگی کو کارگر ڈھنگ سے قابو میں رکھنے کے طریقے تحفظ کی شرحوں کے کھیل میں نہیں بلکہ معاشیاتِ کلاں کی موٹی پالیسیوں میں مضمر ہیں۔ ایک مشہور معاشی جے۔ کینتھ گالبرائتھ کا خیال ہے کہ ادائیگیوں کے میزان کو منضبط کرنے کے لیے ٹریف کارآمد ہتھیار کا کام کرتے ہیں لیکن اور بہت سے معاملات کی طرح یہاں بھی ان کا خیال عام نظر سے

الگ ہے۔ بیشتر ماہرین معاشیات کو افسوس ہے کہ ادائیگیوں کے میزان کے باعث وسائل کی تقسیم میں مداخلت کی ضرورت پڑتی ہے اور سفارش کرتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو حکومت اس کا استعمال بجز آخری حربہ کے نہ کرے۔

کنیڈی دور

1930ء میں اسموٹ ہالے ٹریف ایکٹ نے ریاستہائے متحدہ میں ٹریف کی شرحوں کو انتہائی اونچا کر دیا۔ تب سے اور مندی کے باوجود ان کا رخ نیچے کی جانب رہا ہے۔ باہمی تجارت سمجھوتہ قانون اول 1934 میں پاس کیا گیا تھا اور پھر اس کی باقاعدہ تجدید کی جاتی رہی۔ اس قانون کے دو بنیادی اصول تھے۔ اول یہ کہ ٹریف میں کمی دوطرفہ ہونی چاہیے اور دوم یہ کہ کسی سمجھوتے کی رو سے ٹریف میں جو کمی کسی ایک ملک کے لیے کی جائے وہی رعایت ان ملکوں کو دی جائے جن سے ریاستہائے متحدہ 'سب سے زیادہ مراعات والی قوم' کے برتاؤ کا تبادلہ کرتا ہے۔ اس طرح کے برتاؤ کے ایک استثنیٰ کو تسلیم کیا گیا۔ یہ تھا کسی کسٹم یونین میں شامل ہونے کا سمجھوتہ جو بتدریج ظہور میں آسکتا تھا۔ اس عام احتجاج کے باوجود کہ 100 فیصد امتیاز کی اجازت دینا لیکن 99. فیصد سے انکار کرنا غیر منطقی ہے کسٹم یونین کے استثنیٰ کو کسی ملک کے معاملے میں ٹریفی تحفظ کو ہمیشہ کے لیے ترک کر دینے کے مترادف سمجھا گیا جبکہ 99. فیصد تخفیف مقامی اور غیر ملکی فرموں کے بیچ امتیاز کو آج بھی قائم رکھے ہوئے ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد باہمی تجارتی سمجھوتوں کے پروگرام میں بنیادی تبدیلی کی گئی۔ اس کے لیے لین دین کو دوطرفہ نہ رکھ کر بسیار جہتی کر دیا گیا یا یوں سمجھیے کہ اس طرح دوطرفہ لین دین بہت سے ممالک کے ساتھ کیا جانے لگا۔ ان میں کسی ساتھی کے ساتھ سودا بازی کرنے والا ہر ایک "بڑا تاجر" اس بات پر گہری نظر رکھتا تھا کہ اس کی مراعات کو عمومی شکل دینے سے دوسرے ممالک (چھوٹے تاجر) کو کیا فائدہ پہنچے گا اور دوسری اشیاء پر جو مراعات یہ ملک دیں گے وہ اس کے اپنے لیے کس حد تک سودمند رہیں گے۔ یہ مذاکرات ان اصولوں کے تحت ہوئے جن کو 'ٹریف و تجارت پر عام معاہدہ' — نے منضبط کیا یہ حکومتوں کے مابین ایک تنظیمی معاہدہ ہے جس کے لیے کانگریس کی منظوری کی حاجت نہیں ہوتی —

بہرحال دوسری جنگ عظیم کے بعد 'باہمی تجارتی سمجھوتہ قانون' کی ایک کے بعد دوسری تجدید میں کانگریس کی شرائط کا بوجھ بڑھتا گیا اور اس کی وجہ سے سودے بازی کی گنجائش کم ہوگئی۔ دلائل کے سنے جانے کے بعد ہر ایک چیز کے لیے الگ مذاکرات ہوتے تھے۔ مقامی صنعت کو مراعات سے سخت چوٹ پہنچنے کی صورت میں انھیں ختم کرنے کے لیے ایک ایسی دفعہ کا سہارا لیا جاتا تھا جو راہ فرار کا دروازہ کھولتی تھی۔ ٹریف کیشن خطرے کے نقاط کا تعین کرتا تھا یعنی ٹریف کی ایسی حدود مقرر کر دی جاتی تھیں جن سے پوری وضاحت کے بغیر حکومت کی عملی درآمد کرنے والی شاخ ٹریف کو نیچا نہیں کر سکتی تھی۔ ہر ایک تجدید ان فیصد نقاط کو مقرر کرتی تھی جن کی حدود میں ٹریف کو گھٹایا جا سکتا تھا۔ عدم نقصان کا فلسفہ جس پر یہ فلسفہ پروگرام ٹکا ہوا تھا گمراہ کن تھا اور اس سے مخالفین کے ہاتھ مضبوط تر ہوتے جا رہے تھے۔ ان وجوہات کی بنا پر اور اس لیے کہ 1957 میں مشترک منڈی کی تشکیل سے ایک نئی صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ 1962 کے 'توسیع تجارت قانون' نے ایک نئی سمت اختیار کی۔ اس قانون نے اس وقت کے ٹریفوں میں 50 فیصد میں تخفیف کرنے کی اجازت دی، گرم علاقوں کی اشیاء کے کیس میں ٹریف ختم کر دیے گئے۔ اس چیز کو بھی ٹریف سے بری کر دیا گیا جس کی عالمی تجارت میں یورپی معاشی کمیونٹی اور ریاستہائے متحدہ کا حصہ ملا کر 80 فیصد تھا۔ اور جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے درآمدات سے مجروح ہونے والی فرموں کو راحت دینے کے لیے تطبیقی امداد دی گئی۔ اپنے مذاکرات کو مکمل کرنے کے لیے جی۔ اے۔ ٹی۔ ٹی کو پانچ سال کا عرصہ دیا گیا۔ جون 1967 کے اختتام پر ریاستہائے متحدہ کی حکومت کے مذاکراتی اختیارات ختم ہو جانے کی وجہ سے ان مذاکرات میں رخنہ پڑ گیا۔ ان اشیاء کے معاملے میں انتظامیہ بے بس ہو کر رہ گیا جن کی 80 فیصد سے زیادہ عالمی تجارت ریاستہائے متحدہ اور مشترک منڈی کے ہاتھ میں تھی۔ کیونکہ جنوری 1963 میں جنرل ڈیگال نے برطانیہ کی مشترک منڈی میں شامل ہونے کی پہلی درخواست کو مسترد کر دیا۔ 80 فیصد کی حد کا انتخاب اس لیے کیا گیا تھا کہ برطانیہ کے مشترک منڈی میں شامل ہو جانے پر تجارت کا بڑا حصہ اس کے اندر آ جاتا لیکن وہ اشیاء متاثر نہ ہوئیں جن کی تجارت کا حجم ترقی پذیر ممالک یا جاپان کے لیے اہمیت کا حامل تھا۔ برطانیہ کے مشترک منڈی میں شامل نہ ہو سکنے سے 100 فیصد اختیار کی بھی کوئی اہمیت

نہ رہی۔ انجام کار ان اشیاء پر جنھیں مذاکرات کے دائرے سے "مستثنیات" کے طور پر باہر نہیں نکالا گیا ٹریف میں کی جانے والی تخفیف تقریباً 35 فیصد رہی۔ "مستثنیات" کی دفعہ ایک طرح کی راہ فرار تھی جسے مذاکرات کرنے والی قومیں اختیار کر سکتی تھیں لیکن اس سے، اگر وہ اسے اختیار کرتیں، تو ٹریف میں تخفیف کرنے سے متعلق شرکا ء تجارت کا جوش و خروش کم ہو جاتا۔ 35 فیصد تخفیف کو ایک اچھا نتیجہ سمجھا گیا لیکن یہ کوئی شاندار نتیجہ نہیں تھا۔

مذاکرات کے دوران فرانسیسیوں نے ایک دلچسپ سوال اٹھایا جس سے ان کی رفتار ایک سال سے زیادہ دھیمی ہو گئی۔ سوال یہ تھا: کیا دو ایسے ملکوں کو جن کے ٹریفی ڈھانچے مختلف ہوں اپنے ٹریف ایک ہی تناسب سے کم کرنے چاہئیں یا اس ملک کے مقابلے میں جس کے ٹریف کی اونچائی تقریباً یکساں ہے اس ملک کو اپنے ٹریف زیادہ گھٹانے چاہئیں جس کے ٹریفی ڈھانچے میں وسیع تر تغیر اور فرق پایا جاتا ہے۔ یہ سوال اس لیے پیدا ہوا کیونکہ یورپی معاشی کمیونٹی (ای۔ ای۔ سی) کا مشترک ٹریف فرانس، اٹلی اور بلجیم کی اونچی اور نیدر لینڈ اور جرمنی کی نیچی شرحوں کا اوسط تھا۔ اس لیے بیشتر شرحیں 15 — 12 فیصد کی تنگ حدود میں آ گئی تھیں جبکہ ریاستہائے متحدہ کی شرحوں کا اوسط تقریباً یہی تھا جب کہ ان کا آپسی فرق وسیع تر تھا۔

اختلافات یا فرانسیسی میں écrêtements کے اس مسئلہ کا بے شک کوئی آخری حل نہیں ہے۔ شکل نمبر 7-7 اور 7-7b کی طرح کے دو ٹریفی ڈھانچوں کو لیجیے جن میں مختلف اشیاء کو متوازی محور پر اور ٹریف کی شرحوں کو عمودی محور پر دکھایا گیا ہے۔ فرانسیسی کیس کا ماحصل یہ تھا کہ اگرچہ ٹریف کی اوسط دریں مساوی ہیں ٹریف کے بارے میں انصاف پر مبنی سودے بازی کا تقاضا یہ ہے کہ وسیع تر اختلافات والے ملک یعنی شکل نمبر 7-7b میں شکل نمبر 7-7a کے مقابلے میں ٹریف میں نسبتاً زیادہ کمی کی جانی چاہیے۔

ٹریفوں کی حدود — کم تفاوت کے ساتھ

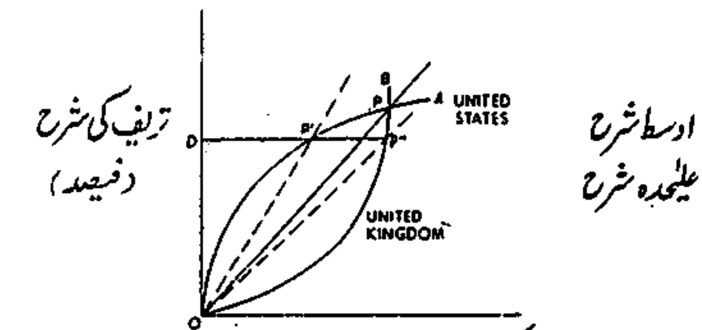

ٹریف کی اونچائی کے نتیجہ میں اشیاء کا دائرہ

اس سوال کا جواب دینے کے لیے ٹریف میں تخفیف کے مقصد کا علم ہونا ضروری ہے اگر اس کا مقصد تجارت کے حجم اور مالیت میں توسیع کرنا ہے تو فرانسیسی نقطۂ نظر غلط ہے دونوں ملکوں میں یکساں فیصد کمی سے اور کچھ ہو یا نہ ہو اس ملک کی درآمدات میں زیادہ اضافہ ہوگا جس کے ٹریف ڈھانچے میں اختلافات وسیع تر ہیں۔ یہاں ہم نے یہ مان لیا ہے کہ اس معاملہ میں لچکیں غیر جانبدار رہتی ہیں۔ اُس ملک کے مقابلہ میں جہاں شرحوں میں زیادہ یکسانیت ہے۔ اونچے ٹریفوں میں مثال کے طور پر 50 فیصد کمی کرنے سے قیمتیں زیادہ گھٹ جائیں گی اور تجارت میں اوسط اضافہ غیر متناسب طور پر زیادہ رہے گا لیکن اگر مقصد وسائل پیداوار کی بہترین تقسیم کا حصول ہے تو فرانسیسی کیس کافی مضبوط ہے۔ سبھی اشیاء پر ٹریف کی یکساں شرحیں بہت کم تحفظ دیتی ہیں۔ درونِ ملک قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ہمیں زیادہ تفصیل سے دیکھنے کا موقعہ ملے گا۔ تمام درآمدات پر 10 فیصد ٹریف درآمدات کے لیے سکّہ کی قیمت میں اسی قدر تخفیف کے مترادف ہے اور جب آمدنیاں اور قیمتیں بدل کر اس کے مطابق ہو جاتی ہیں تو اس کا تحفظی اثر برائے نام رہ جاتا ہے۔ غیر مساوی ٹریف کے تحفظی اور صرفی اثرات زیادہ اہم ہوتے ہیں۔

اثرات کا باہمی ردعمل

طالب علم کو اس بحث سے یہ تاثر نہیں ملنا چاہیے کہ کسی ٹریف کے آٹھوں اثر ایک

ساتھ اور ایک ہی شدت سے کام کر سکتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ بہت سے طریقوں سے مربوط ہوتے ہیں تحفظی اور صرفی اثرات درآمدات کو جتنا کم کریں گے ٹریف سے ملنے والی آمدنی اتنی ہی کم ہو گی۔ انتہا یہ ہے کہ ٹریف سے تجارت بالکل بند ہو جائے اور کوئی بھی آمدنی حاصل نہ ہو۔ شرائط تجارت میں تبدیلی جتنی زیادہ ہو گی اور ان کی وجہ سے ملک میں قیمتیں اونچی ہونے کی نسبت غیر ممالک میں قیمتیں جتنی گریں گی تحفظی اور تقسیمی اثرات اتنے ہی غیر موثر ہوں گے۔

بعض اثرات ساتھ چلتے ہیں ایک دوسرے کا بدل نہیں ہوتے۔ پس تحفظی اور صرفی اثرات جتنے اونچے ہوں گے اتنی ہی اس خرچ میں زیادہ کمی ہو گی جو مقامی خرچ اور آمدنی میں تحریک پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح کی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ کوئی طالب علم (اور معلم تک) مختلف اثرات کو ایک دوسرے سے منسلک کر کے کسی ٹریف کے امکانی نتائج کی گہری دسترس حاصل کر سکتا ہے۔ اگر مالیاتی اثر بہت زیادہ ہے تو اس کی ادائیگیوں کی میزان کے لیے کیا اہمیت ہو گی۔؟ پتہ چلے گا کہ اس سوال کے جواب کا انحصار اس بات پر ہے کہ شرائطِ تجارت کا کیا بنتا ہے۔

ٹریف کا بدل

ٹریف کے ذریعہ جو مختلف اثرات حاصل کیے جاسکتے ہیں اس باب میں ان کے بیان سے آزادانہ تجارت کی حمایت کا قیاسی کیس شاذ ہی خراب ہوتا ہے۔ اس کیس کا لب و لباب بنیادی طور پر یہ ہے کہ آزادانہ تجارت سے آمدنی کی کسی دی ہوئی تقسیم کے لیے صلاحیت کار زیادہ سے زیادہ ہو جاتی ہے وسائل کا استعمال مفید ترین کاموں میں ہوتا ہے اور اشیاء کی تقسیم ایسے خطوط پر ہوتی ہے جس سے صارفین کو سب سے زیادہ تسکین ملتی ہے علاوہ ازیں اگر آزادانہ تجارت کسی معاملہ میں مثالی نتائج حاصل نہیں کر پاتی تو ضروری اصلاح کے ٹریف سے کہیں بہتر طریقے موجود ہیں۔ آزادانہ تجارت کے کیس پر ہم باب 12 میں پھر بحث کریں گے۔

یہ صحیح ہے کہ ٹریف سے عمل پیداوار میں تیزی لائی جاسکتی ہے، آمدنی بڑھتی ہے ملک کے اندر اور ملکوں کے مابین آمدنی کی از سر نو تقسیم میں مدد ملتی ہے، روزگار میں اضافہ

کیا جا سکتا ہے اور ادائیگیوں کے میزان میں تبدیلی لائی جا سکتی ہے لیکن ان مقاصد کے حصول کے لیے دوسرے اور زیادہ منصفانہ طریقے موجود ہیں جن سے وسائل کا استعمال ناپسندیدہ طور پر مسخ نہیں ہوتا اور صرف میں کمی نہیں آتی۔

اگر نظام قیمت بڑھتے ہوئے ماحصل کا فائدہ اٹھانے میں قاصر ہے تو اس میں مداخلت کا معقول جواز موجود ہے لیکن ٹریف کی نسبت مالی امداد کے ذریعہ اس صورت حال سے بہتر طور پر نپٹا جا سکتا ہے۔ ان کے ذریعہ صرف کو کم کیے بغیر پیداوار کو تیز کیا جا سکتا ہے۔ تاہم صنعت کار مالی امداد کی مخالفت کرتے ہیں اور ٹریف کو ترجیح دیتے ہیں۔ کسی نہ کسی بنا پر آخر الذکر کو نجی صنعت کاری کے اصولوں سے مکمل طور پر ہم آہنگ تصور کیا جاتا ہے اول الذکر کو نہیں۔

کسی ملک کے اندر آمدنی کی تقسیم نو کے لیے براہ راست ٹیکسوں اور (آمدنی کے) انتقال کو ٹریف سے افضل مانا جاتا ہے ان کے ذریعہ مطلوبہ نتائج پیداوار اور صرف میں کسی بگاڑ کے بغیر حاصل ہو جاتے ہیں۔

ملکوں کے بیچ آمدنی کے انتقال کے لیے شرائط تجارت کو بہتر بنانے کے لیے ٹریف کے مقابلے میں آمدنیوں کا بین الاقوامی انتقال بہتر ہوتا ہے۔

آخر میں روزگار اور میزان ادائیگی کے مسائل کی جانب زر اور ٹیکس سے متعلق پالیسیوں کے ذریعہ رجوع کرنا چاہیے۔

اگر ہم وہ کام جو ٹریف کر سکتا ہے کسی اور طریقے سے زیادہ بہتر طور پر انجام دے سکتے ہیں تو ہم اس جوش و خروش کے لیے جس سے دنیا بھر کے ملک ٹریف نافذ کرتے ہیں اور جس تکلیف دہ سست روی کے ساتھ وہ ان کو ہٹاتے ہیں کیا وضاحت پیش کر سکتے ہیں۔؟

ٹریف کے حق میں تحریک کے مضبوط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اشیاء پیدا کرنے والوں اور صارفین کے عام مفادات کے مقابلے میں پیداوار کرنے والوں کے مفادات سیاسی لحاظ سے خاص طور پر زیادہ طاقتور ہیں۔ درحقیقت پہلے برطانیہ میں اور آج کل ریاستہائے متحدہ میں آزادیٔ تجارت کی مہم بنیادی طور پر اشیاء گروں کی تحریک رہی ہے اس کی نمائندگی وہ صنعتیں کرتی ہیں جو ترقی یافتہ نفیس و باریک تکنیک کا مظہر ہیں یا با فراط دستیاب عوامل کا۔ تحفظ پسند مفادات کے ایک نمائندے نے ایک بار کسی حد تک بجا طور پر یہ شکایت کی تھی کہ اس کی

رائے میں تحفظ نوازوں پر ہمیشہ خود غرضی (اور اکثر مخفی) مفادات کا الزام عائد کرنے اور آزادئ تجارت کی تحریک کو عوامی اور مادی ملحوظات سے پاک قرار دینے کا فعل غیر منصفانہ ہے۔

خلاصہ

عالمی نقطۂ نظر سے ٹریف کے حق میں دیے جانے والے دلائل میں سے صرف شیر خوار صنعت کی دلیل بجا درست ہے۔ کسی ایک قوم کے لیے ٹریف کے نفاذ کے بہت سے قابل فہم جواز ہو سکتے ہیں۔ دفاع یا دیگر غیر معاشی وجوہات کی بنا پر، سرکاری آمدنی کی خاطر، شرائط تجارت کو بہتر بنانے کے لیے، آمدنیوں کی توسیع اور میزان ادائیگی کو درست کرنے کے واسطے ٹریف کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ ان میں آخری تین پڑوسی کو فقیر بنانے کے مترادف ہیں اس لحاظ سے کہ ملک کا فائدہ غیر ممالک کے لیے مسائل پیدا کرتا ہے یا انھیں نقصان پہنچاتا ہے ان کی کامیابی کا دارومدار اس مفروضے پر ہے کہ کوئی جوابی کارروائی نہیں کی جائے گی۔

کسی چیز کے بنانے والوں اور صارفین کے بیچ، پیدا کرنے اور استعمال کرنے والے علاقوں کے درمیان، پیدا دار کے کمیاب اور خوب دستیاب عوامل کے مابین ایک ہی ملک کے اندر آمدنی کی ازسرنو تقسیم ٹریف کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔

ہر وہ کام جو ٹریف کر سکتا ہے کسی اور معاشی پالیسی کے ہتھیار سے اس سے بہتر طور پر انجام دیا جا سکتا ہے۔

تجاویز برائے مطالعہ

درسی کتابیں:

ایک ابتدائی مگر عمدہ بیان کے لیے دیکھیں Leland B. Yeager and David G. Tuerck Trade Policy and the Price System (Scranton Pa: International Text Book Co, 1966) (Paperback) ۔ ایک زیادہ عمیق بیان ونیک کے باب xvi میں پایا جاتا ہے۔

تحقیقی رسائل:

آزادانہ تجارت کے کیس کا کلاسیکی بیان ہیبرلر کے ابواب xiv–xvii میں ہے حال ہی میں میڈ کی کتاب Trade and Welfare Part I میں باریک بینی کے ذریعہ دلیل کو

کئی مدارج آگے پہنچا دیا گیا ہے۔ اس باب میں مالیاتی بحث کی بنیاد ان کی کتاب کے باب xiii میں دیے گئے "دوسرے درجے کے بہترین دلائل" میں سے ایک دلیل رہی ہے۔

سنجیدہ طالب علم کو ٹریف پر کم سے کم پانچ بڑے مضامین کا علم ہونا چاہیے۔ یہ ہیں: آمدنی کی تقسیم پر سٹولپر۔ سیموئلسن کا مضمون، اور امریکن اکنامک ایسوسی ایشن کی Readings in the Theory of International Trade میں شرائط تجارت کے اثرات پر میٹزلر کا مضمون اور اسی ایسوسی ایشن کی Readings, International Economic میں میڈ، لرنر اور جگدیش بھگوتی، اور راما سوامی کے مضامین (میٹزلر ، برآمد اور درآمد ٹیکسوں کی یکسانیت اور مقامی گڑبڑوں کے بارے میں)۔ تین اور مضامین میں ان اہم نکات پر بحث ملتی ہے جنہیں اس کتاب کے متن میں بیان کیا گیا ہے، گو یہ مضامین اتنی آسانی سے دستیاب نہیں ہیں

H.G. Johnson, "The cost of protection and the scientific Tariff", JPE Aug. 1960. R.N. Cooper "Tariff Dispersion and Trade negotiations. JPE December 1966 یہ عدم مساوات سے متعلق ہیں۔

W.C. Corden, "The Structure of Tariff System, and Effective Protective Rate" JPE June 1966.

ریاستہائے متحدہ میں ٹریف کی کسی قدر پرانی تاریخ (1922 تک) کے لیے دیکھیں F.W. Taussig, Tariff History of the United States (New York: G.P. Putnam's Sons 1923 (Paperback)

GATT کے بارے میں جدید وضاحتوں کے لیے دیکھیں Gerard Curzon: Multilateral Commercial Diplomacy (London Michael Joseph Ltd. 1965) and Gardner Patterson, Discrimination in International Trade) The Policy Issues 1954–65 N.J. Princeton University Press 1966)

نکات

یہ نکتہ کہ آمدنی کو بچت کرنے والوں کے حق میں تقسیم کرکے ٹریف سرمایہ بنانے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے Alvin S. Johnson نے "Protection and

"Formation of capital " Political Science Quarterly 1908. میں
پیش کیا۔

کینیڈی دور کے تحت تحقیقات سے پہلے اور بعد میں ریاستہائے متحدہ کی ترتیبی فہرستوں کا آسان ذریعہ 30 جون 1967 کا نیویارک ٹائمز ہے۔ گو اگر اسے مائکروفلم میں پڑھا جائے تو چھپائی ذرا باریک معلوم دے گی۔

باب 8 کوٹے، مبادلہ کنٹرول، سرکاری تجارت معاشی جنگ، مشرق مغرب تجارت

اس باب میں تجارتی پالیسی سے متعلق بہت سے مسائل کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔ کم ترقی یافتہ ممالک کے مخصوص اعتراضات پر باب 10 میں بحث کی گئی ہے۔ موٹے طور پر تجزیہ کی راہیں وہی ہیں جن کا تعین ٹریف کے ان مختلف اثرات کا جائزہ لینے کے لیے کیا گیا تھا جو تجارت میں مداخلت یا اس کے حجم میں کمی سے پیدا ہوتے ہیں۔ گذشتہ باب کے آٹھ اثرات میں تبدیلیوں پر مکمل بحث کے لیے صبر اور جگہ کی کمی ہے۔ اس لیے ہم بحث کو ان اہم اختلافات تک ہی محدود رکھیں گے جو دیگر اور ٹریفی پوزیشن میں ہوتے ہیں۔

کوٹوں کے اثرات

اگر کسی ملک کو ایک چیز کی مانگ اور رسد کے قوسوں کی شکل کا اچھا خاصا علم ہے اور اگر یہ دونوں بہت کم لچکیلی نہیں ہیں تو ٹریف نافذ کیا جائے یا کوٹہ صورت حال میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ اگر کوٹے کا حجم ان درآمدات کے برابر ہی مقرر کیا جائے جو ٹریف عاید کرنے پر رونما ہوں گی تو دونوں صورتوں میں تحفظی اثر ایک ہی مرتب ہوگا اور اسی طرح صرفی اور تقسیمی اثر بھی مختلف ہوں گے۔ مثال کے طور پر شکل نمبر 8.1 کے جزدی توازن کے خاکے میں 5 فیصد ٹریف یا 100,000 ٹن کے کوٹے میں سے ہر ایک مقامی قیمت میں یکساں اضافے کا باعث ہوگا۔ کل صرف گھٹ جائے گا، درآمدات کم ہو جائیں گی اور گھریلو پیداوار کی حوصلہ افزائی ہوگی۔

تاہم ٹریف اور کوٹے میں بازار کی صورت حال کا ادراک ہونے کی صورت میں بھی ایک بڑا قابل لحاظ فرق ہے۔ اور یہ ہے مالیاتی اثر۔ درآمد کرنے والے ملک میں شکل نمبر 8.1 کے

لحاظ سے .abcd رقبہ سرکار کو وصول ہونے والی رقم ہوگی۔ اگر 1,00,000 ٹن کا کوٹہ مقرر کیا گیا تو درآمدات کی قیمت پہلے سے زیادہ ہوگی۔ اس اضافہ کا فائدہ کون ہتھیالے گا پہلے سے یہ کہنا ناممکن ہے۔ اگر تجارت میں درآمد کرنے والوں کا اجارہ ہے اور برآمد کرنے والے غیر منظم ہیں تو اول الذکر اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکتے ہیں، اگر برآمد کرنے والے خوب منظم ہیں لیکن درآمد کرنے والے نہیں تو شرائطِ تجارت ملک کے خلاف جا سکتی ہیں کیونکہ غیر ملکی برآمد کرنے والے قیمت کو نیچے نہیں گرنے دیں گے۔ یا حکومت جس کو چاہے درآمد کا لائسنس دینے کے لیے چن سکتی ہے۔ جب آئزن ہاور کے انتظامیہ کے تحت تیل کی درآمد کے لائسنس دینے کا طریقہ سابق درآمد کنندگان سے ہٹ کر تیل صاف کرنے والے کارخانوں کے حق میں ہو گیا تو ان چند کمپنیوں کو جو تیل درآمد کرتی تھیں اور صاف بھی، کوئی خاص فرق محسوس نہیں ہوا لیکن دوسروں کو پڑنے والے فرق کا اندازہ بڑی رقوم میں لگایا گیا۔ ان کا نفع یا خسارہ قریب 100 ملین ڈالر فی سال یا اس سے بھی زیادہ کا تھا تیل صاف کرنے کے درون ملک ان کارخانوں کو فائدہ پہنچا جو کبھی درآمد شدہ تیل استعمال نہیں کرتے تھے اور اُن کارخانوں کو نقصان اٹھانا پڑا جنھیں ساحل پر درآمد شدہ تیل کا استعمال کرنے کے لیے قائم کیا گیا تھا کیونکہ آخر الذکر کو عالمی قیمت پر جو مقامی قیمت سے فی بیرل ایک ڈالر کم تھی تیل خریدنے کے لیے لائسنس خریدنا پڑتا تھا۔ ان لائسنسوں کی قیمت عالمی اور مقامی قیمت کے فرق کے ٹھیک برابر ہوتی تھی۔

یا درآمد کرنے والے ملک کی حکومت کمیابی کے سبب مالیت میں اس اضافہ کو جسے ماہرینِ معاشیات بعض اوقات 'لگان' کے نام سے پکارتے ہیں درآمد لائسنسوں کی نیلامی کے ذریعہ اپنے لیے حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتی ہیں۔ یہ عمل مالیاتی اثر تک کوٹے کو بالکل ٹریف کے برابر بنا دیتا ہے۔ بہر حال درآمد لائسنسوں کی نیلامی کا رواج عام نہیں ہے اس لیے محدود درآمدات میں مخفی کمیابی کی رقم برآمد اور درآمد کرنے والوں میں سے کسی طبقے کو بھی مل سکتی ہے اس کا انحصار بازار کے رخ پر ہے۔ زیادہ امکان یہ ہے کہ درآمد کرنے والے اس لگان کو لے اڑیں گے۔ بہر نوع اگر حکومت درآمد لائسنسوں کو نیلام نہیں کرتی تو اسے کسی نہ کسی بنیاد پر یہ طے کرنا پڑے گا کہ درآمد کون کرے گا: جس کی درخواست پہلے آئے اسے موقع دیا جائے (یہ قدرے شور شرابے والا سسٹم ہے) روائتی

درآمد کنندگان کو یہ حق ملتا ہے (اگر نئے آنے والوں کے لیے گنجائش نہ رکھی جائے تو یہ پرانے لوگوں کو اجارہ داری دینے کے مترادف ہوگا) یا کسی ایسے زیادہ من مانے سسٹم کو اپنایا جائے۔ مسابقتی بازار کا ان دیکھا ہاتھ دکھائی دینا چاہیے۔

پیش کش قوسوں کے ذریعہ صورت حال کو شکل نمبر 8.2 کے خطوط پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ اگر برطانیہ جس کا پیش کش قوس OB ہے اپنی گیہوں کی درآمدات کو OD تک محدود کر دیتا ہے تو کپڑے اور گیہوں کے بیچ شرائطِ تجارت OP′ یا OP″ یا ان کے بیچ کی کوئی قیمت ہوسکتی ہے۔ دو طرفہ اجارہ ـــــ ایک اجارہ بیچنے والے اور دوسرے خریدنے والے کا ـــــ کی طرح یہاں بھی نتیجہ کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔ آپ دیکھیں گے کہ نئی شرائطِ تجارت کوٹہ کا نفاذ کرنے والے ملک کے یا تو حق میں ہوسکتی ہیں یا اس کے خلاف۔ اگر درآمد کرنے والے اس (کوٹہ) پر قابض ہوجاتے ہیں جس کا امکان ظاہر کیا جاچکا ہے تو کوٹہ سے شرائطِ تجارت اس درجہ بہتر ہوسکتی ہیں کہ غیر ملکی پیش کش قوس کی لچک لامحدود نہ رہے۔

کوٹوں کے سرچشمے

لچکوں کے صفر نہ ہونے کی صورت میں اگر ٹریف اور کوٹے کے تحفظی اور تقسیمی اثرات ایک جیسے ہوتے ہیں تو 1930 کی دہائی میں ٹریف کے بجائے کوٹوں کا اس درجہ وسیع استعمال کیوں کیا گیا؟ یہ سوال معقول ہے اور اس کا جواب تین حصوں پر مشتمل ہے۔ بعض اشیا کے معاملے میں جن میں ابتداءً کوٹوں کو نافذ کیا گیا رسد باہر کے ملکوں میں تقریباً مکمل طور پر غیر لچکیلی تھی۔ ان حالات میں درآمد کرنے والے ملک میں ٹریف نہ تو قیمت میں اضافہ کرسکتا تھا اور نہ ہی درآمد کے حجم کو کم۔ ٹریف کا صرف اتنا ہی اثر ہوسکتا تھا کہ شرائطِ تجارت بہتر ہوجائیں اور غیر ملکیوں کو ٹیکس کرکے حکومت کی آمدنی بڑھ جاتی۔

لیکن گو عام حالات میں شرائطِ تجارت میں بہتری اور حکومت کی آمدنی میں اضافہ کسی ملک کے لیے باعث مسرت ہیں لیکن زیر غور معاملہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ کوٹوں کی ابتدائی نشو و نما فرانسیسیوں نے کی۔ 1930 میں نہ تو انھیں باہر سے ارزاں تر گیہوں کو درآمد کرنے کی ضرورت تھی اور نہ ہی بجٹ کو متوازن کرنے کی فکر۔ وہ تو فرانسیسی کسان کے گیہوں کی زیادہ قیمت وصول کرنا چاہتے تھے۔ جب ریاستہائے متحدہ کے ٹریف کے

اضافے نے 30 — 1929 کی اسٹریلیائی گیہوں کی بھرپور فصل کا رخ یورپ کی طرف موڑ دیا تو اسے کوئی معمولی ٹریف نہیں روک سکتا تھا۔ درآمدات کی رسد غیر لچکیلی ہونے کی صورت میں مقامی قیمت میں اضافہ کر لے یا اسے قائم رکھنے کا صرف یہی ایک طریقہ تھا کہ منظور شدہ درآمدات کے حجم کو نیچا اور مقرر کر دیا جائے۔ شکل نمبر 8.3 میں ایسے کیس کو پیش کیا گیا ہے۔ آمدنی کی تقسیم کو پیداوار کرنے والوں کے حق میں کرنے کے لیے ملک M درآمد کی جانے والی چیز کی قیمت میں اضافہ کرنا چاہتا ہے۔ کوئی بھی معقول ٹریف یہ کام انجام نہیں دے سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ ملک X میں فاضل رسد غیر لچکیلی نوعیت کی ہونے سے شرائط تجارت کا اثر بہت زیادہ ہوگا۔ اس کے برعکس ایسا کوٹہ جو درآمدات کو آدھا کر دے صریحاً قیمت کو بڑھا کر OP سے OP′ کر دے گا۔ اس لیے M میں کوٹہ مقرر کر دیے جانے کا ایک اثر یہ ہو سکتا ہے کہ X میں اس چیز کی قیمت کو مستحکم رکھنے کی کچھ کوشش کی جائے۔

غیر لچکیلے پیش کش قوس عام طور پر زراعت میں دیکھنے کو ملتے ہیں اور اس لیے یہ وہ میدان ہے جس میں قومی پالیسیاں کسانوں یا کاشتکاروں کو مناسب قیمت دلانے کے لیے بے شمار کوٹوں کا سہارا لیتی ہیں۔ جہاں مقامی سیاسی اسباب کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کرنے کی کوششوں کو درآمدات ناکام بنا دیتی ہیں تو ان کوششوں کو اکثر کوٹوں سے سہارا دیا جاتا ہے کوٹے درآمدات کو ختم کر دیتے ہیں یا انھیں قابل برداشت حد تک کم کر دیتے ہیں۔

وہ زیادہ عام سبب جن کی وجہ سے تحفظ اور آمدنی کی تقسیم نو کے لیے کوٹوں کا وسیع پیمانہ پر استعمال کیا جاتا ہے یہ ہے کہ برآمد کرنے والے ملکوں میں فاضل رسد قوس کی شکل کا علم نہیں ہوتا۔ ٹریف میں وہ اضافہ کتنا ہوگا جو باہر قیمت میں گراوٹ کو ہمارے ملک تک نہ پہنچنے دے گا؟ باہر مقامی اور غیر ملکی سودوں کے لیے ایک ہی قیمت ہونے کی صورت میں اس سوال کا جواب دینا مشکل ہے۔ اگر غیر ملکی صنعت کار امتیازِ قیمت پر عمل کرتے ہیں اور ہمارے یہاں برآمدات کو اپنے یہاں سے کم قیمت پر ڈیپ کرتے ہیں تو ... سوال کا جواب دینا ناممکن ہے۔ ایسے ڈمپنگ کا امکان جس پر اگلے باب میں بحث کی گئی ہے کوٹوں کے لیے کسی حد تک ترغیب دیتا ہے۔

آخر میں کوٹوں کو استعمال کرنے کا ایک انتظامی سبب بھی ہے۔ تجارتی معاہدوں میں

ٹریف کا استعمال اس درجہ یکسانی ہوچکا ہے کہ اس ہنگامی حالات میں استعمال کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی ہے۔ ان معاہدوں میں ٹریف کے ساتھ سب سے زیادہ مراعات والی قوم کی دفعات اور آزادانہ کارروائی کرنے پر دیگر پابندیوں نے اس معاملہ میں صورت حال کو اور بھی سخت بنا دیا ہے۔ خراب ترین حالات میں سخت ترین اقدامات کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ٹریف اس وقت تک محض صاف موسم کی تدبیر رہ گئی تھی۔

پس کوٹوں کے منظر عام پر آنے کے تین اسباب تھے غیر ملکی رسد میں لچک کا فقدان، یقینی ہونا اور انتظامیہ لچک کی گنجائش۔ ان میں سب سے زیادہ اہم غالباً یقینی اثرات کا سبب تھا ور ایسے جیسا کہ ہم دیکھیں گے عالمی تجارت کو کافی نقصان پہنچا کر حاصل کیا گیا لیکن بعض حالات میں کوئی ملک یقینی نتائج کو اس خسارے کے (ناپے) حصہ سے زیادہ قیمتی تصور کرے گا۔

کوٹے ٹریف، اور اجارہ

ایک جانب ٹریف اور دوسری جانب Q Rs کے اثرات میں ایک اور فرق ہے اگر ملک کے اندر ایسے امکانی اجارہ کا وجود ہے جسے ٹریف کا تحفظ حاصل ہے تو یہ اجارہ اپنی اشیاء کی بین الاقوامی قیمت جمع ٹریف ہی حاصل کرسکتا ہے اگر یہ قیمت کو اس سطح سے اونچا پہنچانے کی کوشش کرے گا تو اس کی بکری کم ہوگی اور ان کی جگہ درآمدات بڑھیں گی۔

درآمدات کے موجودہ حجم کو کم کیے بغیر کسی ٹریف کو کوٹے میں تبدیل کرنے سے مقامی اجارہ کا امکان حقیقت بن سکتا ہے اب یہ اجارہ یا فرموں کی مشترک تنظیم اپنی اشیاء کی قیمت کو درآمدات سے امکانی مسابقت کے خوف کے بغیر بڑھا سکتا ہے۔ ضمیمہ E میں اس فرق کی اہمیت زیادہ ہو جاتی ہے۔ کوٹے کو مساوی ٹریف میں تبدیل کرنے پر بھی آزادی تجارت اجارہ کے خلاف موثر ہتھیار ہوتا ہے۔

ادائیگیوں کی میزان :

کنٹرول کی جانب لے جاتا ہے اور اس پر اگلے حصے میں بحث کی گئی ہے۔ شکل نمبر 8.1 میں اس امر سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ جو ڈالر فی ٹن کی عالمی قیمت پر جس میں کوٹے کے نفاذ سے کوئی تبدیلی نہیں ہوتی کوٹہ 100000 ٹن ہے یا اس چیز کو درآمد کرنے کے لیے 300000 ڈالر کے زرمبادلہ کا خرچ منظور کیا گیا ہے۔ انتظامی اقدام مختلف ہو سکتے ہیں۔ مبادلہ کنٹرول کا انتظام سرکار کی کوئی مالیاتی ایجنسی کرتی ہے اور کوٹے کے لیے عام طور پر تجارتی ایجنسی کا استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن مالیاتی تنظیم کو تجارتی انتظامیہ کا تعاون ضرور حاصل ہونا چاہیے تاکہ مقررہ زرمبادلہ کو حقیقتاً منظور کردہ درآمدات کے لیے یقینی طور پر استعمال کیا جائے اور اس طرح معاملے کے پہلو سے گریز نہ کیا جا سکے۔

بہت سی درآمدات کے کوٹے یا اُن کے سلسلے میں زرمبادلہ کے کنٹرول اس لیے نافذ کیے جاتے ہیں کہ ملک میں اپنی برآمدات سے زیادہ اشیاء درآمد کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے اور دونوں میں توازن بنائے رکھنے کے لیے درآمدات پر منتخب کنٹرول عاید کرنے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ترمیم زر یا ایکسچینج کی منہائی جیسے ہمہ گیر اقدامات کی بجائے درآمدات میں انتظامی تخفیف کا عمل کم ضرر رساں ہوتا ہے۔ خیال یہ ہے کہ نظامِ قیمت غلط اشیاء کی درآمدات کی حوصلہ افزائی کرے گا۔ مثلاً غریبوں کے لیے ضروریات زندگی کی بجائے امیروں کے لیے عیش کا سامان منگایا جائے گا۔ نفاست پسند کا تقاضہ یہ ہوگا کہ اگر نظام قیمت کے تحت اشیاء کا درآمد بل ملک کے سماجی انصاف کی حس کو مجروح کرتا ہے تو اس مسئلہ کا حل یہ نہیں ہے کہ ایک غیر منصفانہ نظام کو جاری رہنے دیا جائے اور اس کے ضرر کو کسی حد تک اشیاء درآمد کرنے کے ناکارہ طریقے سے دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ صحیح حل یہ ہوگا کہ ٹیکس کے نظام سے آمدنی کی تقسیم کو بدلا جائے۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ وہ قومیں جو کوٹے یا زرمبادلہ پر کنٹرول کے طریقوں کو خاص طور پر استعمال کرتی ہیں آمدنی کی تقسیم نو کے لیے درکار سیاسی طاقت سے محروم ہیں۔ زرمبادلہ کا کنٹرول اس کا تھوڑا بدل ہے۔

زرمبادلہ پر کنٹرول کی دیگر وجوہات

بدلے جانے والی برآمدات سے حاصل ہونے والے زرمبادلہ کو جمع کرنا بھی ـــــ بڑا مقصد ادائیگیوں کی میزان کو صحیح رکھنا ہے۔ اس موضوع پر کتاب میں بعد میں بحث کی جائے گی۔ لیکن اس کے تزیف سے مشابہ دیگر اثرات بھی ہیں۔ ایک بسیار قیمت شرح مبادلہ یعنی ایسی شرح جسے کنٹرول کے ذریعہ اپنی قدرتی سطح سے اونچا رکھا گیا ہو صریحاً شرائط تجارت کو بہتر بناتی ہے۔ درآمدات پر پابندیاں لگانے سے یہ ضروری نہیں کہ کسی ملک کو درآمدات زیادہ سستی حاصل ہو جائیں کیونکہ اغلب گمان یہ ہے کہ اس کی خریداری اتنی کم ہوتی ہے جس سے وہ قیمتیں جن پر اشیاء درآمد کی جاتی ہیں متاثر نہیں ہو سکتیں۔ لیکن برآمدات کے لیے شرح مبادلہ زیادہ ہونے سے اُن برآمدات کی قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے جن کے لیے غیر ملکی مانگ غیر محدود طور پر لچکیلی نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر شرح مبادلہ میں اضافہ کر کے برازیل اپنے تمام کافی اگانے والوں (جن کی صلاحیت مسابقت بہت زیادہ ہے) کی بشکل زرمبادلہ لاگتوں کو اونچا کر سکتا ہے اور اس طرح کافی کی زرمبادلائی قیمت اونچی بنائے رکھ سکتا ہے۔ ضرورت سے زیادہ اونچی شرح مبادلہ سے درآمدات کی حوصلہ افزائی ہونے کی وجہ سے درآمدی کوٹوں کا نفاذ ناگزیر ہو جاتا ہے۔ ان میں عام طور پر ضروریات زندگی کی حمایت کی جاتی ہے اور تعیش کی چیزوں کو کم رکھا جاتا ہے مختتم برآمد کو نقصان سے بچانے کے لیے زرمبادلہ کی متعدد شرحوں کے نظام کو اپنایا جا سکتا ہے اس میں مختتم برآمد کے لیے شرحوں کو کم اور ان اشیاء کے لیے جن کی بیرونی مانگ غیر لچکیلی ہے زیادہ رکھا جا سکتا ہے۔ اگر متعدد شرح مبادلہ نظام کو درآمد اشیاء پر بھی لاگو کیا جائے تو ضروری اشیاء کے لیے شرح زیادہ اونچی رکھی جائے گی اور تعیش کی اشیاء کے لیے حوصلہ شکن (اگر باہر سے دیکھیں تو بہت نیچی لیکن مقامی کرنسی میں زرمبادلہ کی فی اکائی کے لحاظ سے اونچی)۔ انتظامی مسئلہ نہایت مشکل ہے۔ برآمدی بلوں میں مال کی قیمت کو کم (اس کے لحاظ سے برآمد کرنے والوں کو زرِمبادلہ کنٹرول ایجنسی کو دینا ہوتا ہے) درآمدی بلوں میں مالیت کو (جس کی رو سے درآمد کرنے والے زرِمبادلہ پاتے ہیں) زیادہ دکھانے سے روکنا عام طور پر ناممکن ہوتا ہے یعنی اس امر کو یقینی نہیں بنایا جا سکتا کہ تاجر اپنے زرمبادلہ کو صرف مناسب قیمتوں پر ہی خریدیں اور بیچیں گے۔ دھوکہ دہی کے انعامات بڑے اور نہ ختم ہونے

متعدد شرحوں کے کسی نظام کو درآمدات و برآمدات پر ٹریف اور مالی امداد کے نظام کی مانند تصور کیا جاسکتا ہے۔ دونوں صورتوں میں تحفظی، صرفی تقسیمی، مالیاتی ادائیگیوں کے میزان سے متعلق اور دیگر اثرات مثبت ہوں یا منفی ایک ہی طرح کے ہوں گے۔ مثال کے طور پر اگر دو شرحیں ہیں درآمدات کے لیے اونچی اور برآمدات کے لیے نیچی تو سرکار کو تجارت سے قابل لحاظ آمدنی ہوگی کیونکہ مقامی کرنسی کی شکل میں اسے زرِمبادلہ کی کم قیمت دینی پڑے گی اور وہ اسے زیادہ قیمت پر بیچے گی۔ درآمدات کو مثبت اور برآمدات کو منفی (یعنی جرمانہ) تحفظ بھی دیا جاتا ہے۔ یہ برآمدات پر ٹیکسوں اور درآمدات پر ٹریفوں کی مساوی شرحوں کے نظام کے مساوی ہوگا۔ بازارِ مبادلہ کا نظام متعدد مختلف شرحوں پر مبنی ہوسکتا ہے یہ برآمدات پر امتیازی ٹیکسوں اور درآمدات پر ٹریف کی مختلف شرحوں کی مانند ہوگا۔ بے شک یہ نظام جتنا پیچیدہ ہوگا اس کا خرچ اتنا ہی زیادہ اور کارکردگی اتنی ہی کم ہوگی۔

حکومت کا تجارت کرنا اور نہ کرنا

ایک لحاظ سے سرکاری تجارت بین الاقوامی معاشیات کا ایک کافی پرانا موضوع ہے۔ خاص طور سے وسطی اور خاص کر پہلی جنگ عظیم سے پہلے تمباکو اور الکوہل جیسی اشیاء میں سرکار کا اجارہ ہوا کرتا تھا۔ اور سرکاری تجارت پر بحث کا مقصد یہ دیکھنا ہوتا تھا کہ یہ بڑے اجارے اپنی بین الاقوامی تجارت اس انداز سے کریں جو نجی فرموں کے بازاری کھانچے میں صحیح بیٹھے۔ ایک بین الاقوامی تجارتی تنظیم کے چارٹر میں جسے 1948 میں تیار کیا گیا تھا مگر جو توثیق سے محروم رہا اس قاعدے کو منظوری دی گئی تھی کہ کسی ایسے نجی ادارے کی طرح جس کا مقصد اپنے نفع کو زیادہ سے زیادہ کرنا ہوتا ہے سرکاری ایجنسیوں کو بھی کم سے کم داموں پر اشیاء کو خریدنا اور زیادہ سے زیادہ قیمت پر انھیں فروخت کرنے کی پالیسی پر عمل کرنا چاہیے۔ خاص طور پر اسے مقامی صنعت کاروں کو تحفظ دینے سے احتراز کرنا چاہیے اس کے لیے اسے کسی چیز کے لیے درون ملک اس قیمت سے زیادہ نہیں دینا چاہیے جو اس کے لیے باہر مل سکتی ہو اور نہ ہی اجارے کی حیثیت سے غیر ملکی مال مہیا کرنے والوں میں امتیاز کرنا چاہیے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد کسی وقت بھی بین الاقوامی بازار کا مقام سرکاری خرید و فروخت کو دینے کے لیے ملکوں کے مابین بڑی مقدار میں مال خریدنے کے سمجھوتوں میں دلچسپی لی گئی۔ خیال یہ تھا کہ بازار یقینی ہو جانے پر مال بیچنے والے اپنی تمام تر توجہ پیداوار کے کام اور بڑے پیمانے کی بچتوں کے ذریعہ لاگتوں کو گھٹانے پر مرکوز کر سکیں گے اور ان بچتوں کا حصہ مال خریدنے والے کو کم قیمتوں کی شکل میں پہنچائیں گے۔ حقیقت میں ہوا یہ کہ سرکار قیمتوں کے غیر مستقل اتار چڑھاؤ میں پھنس کر رہ گئی پرانے معاہدے ختم ہو جانے پر انھیں دوبارہ لکھا جاتا اس دوران قیمتیں بدل جاتیں یہ تجدید کبھی بیچنے والے کے بازار میں کرنی پڑتی جب قیمتیں اونچی ہوتیں اور کبھی خریدار کے بازار میں جب وہ نیچے گر جاتیں۔ آخر کار 1951 میں برطانیہ کی کنزرویٹو حکومت نے کنٹرول ختم کر دیے اور اس کے ساتھ ہی برطانیہ اور دیگر ممالک نے بڑی مقدار میں مال خریدنے کی پالیسی کو ترک کر دیا۔

بہر حال ایک میدان ایسا ضرور ہے جہاں حکومتیں اپنی من مانی کرتی ہیں اور وہ ہے ان اشیا کی خرید جن کا وہ خود استعمال کرتی ہیں۔ یہاں کوئی بین الاقوامی ضابطے لاگو نہیں ہوتے اور نہ ہی کام کرنے کا کوئی نپا تلا معیار مقرر ہے۔ تمام حکومتوں میں ملکی اشیاء خریدنے کا رجحان عام ہے۔ اس رجحان کو مندی کے زمانے میں بڑھاوا ملا۔ جب روزگار بڑھانے کے لیے عوام کو "برطانوی خریدو" "فرانسیسی خریدو" اور "امریکن خریدو" تحریکوں کے ذریعہ اپنے ملک کا سامان خریدنے کی ترغیب دی گئی۔ ریاستہائے متحدہ میں سرکاری خریداری میں "امریکن خریدو" کو جو 1930 کی دہائی میں 25 فیصد کی شرح پر نارمل تصور کیا جاتا تھا 1950 میں بڑی محنت سے کم کر کے 10 فیصد کر دیا گیا تھا مگر 1960 کی دہائی میں ادائیگیوں کی میزان میں کمزوری کے سبب اسے بڑھا کر 50 فیصد کر دیا گیا۔

حکومت کو کوئی ٹریف ادا کرنا نہیں ہوتا اس لیے مقامی رسد کے لیے کوئی معمولی ترجیح جیسے 10 فیصد قابل فہم معلوم ہوتی ہے۔ مقامی مال خریدنے کی تحریکیں مندی کے زمانے میں ٹریفوں میں اضافہ کرنے کی مانند پڑوسی معتبر بنانے والی پالیسی کے مترادف ہے۔ اور شرح کو بڑھا کر 50 فیصد تک لے جانا جیسا کہ ریاستہائے متحدہ نے 1960 کی دہائی کے ابتدائی سالوں میں کیا صریحاً دہرے معیار کے قیام کا مظہر ہے

بین الاقوامی زر مبادلہ [illegible] کی وجہ سے نجی صنعت کار [illegible]

بیٔ ترلیف اور نہ کوٹا مگر حکومت کے لیے جو من چاہے کرنے کی اجازت۔ جرمنی
ں کے لیے پاس لگے ڈنمارک کو چھوڑ کر وسکونسن میں دودھ کی بنی اشیاء خریدنا
ہ متحدہ کے لیے صریحاً غیر معاشی فعل ہے اس سے حقیقی وسائل بیکار جاتے ہیں
ٔ کا بجٹ دیگر صورت کی نسبت زیادہ تیزی سے ختم ہو جاتا ہے اس طرح
، اضافہ کرنا ہوتا ہے جس کے لیے مزید ٹیکس لگانے کی ضرورت پڑتی ہے۔
تر نارمل حالات میں حکومتیں گھریلو اشیاء خریدنے کی طرف مائل ہوتی ہیں مثال
۔ی حکومتیں کسی بھی ایسے ملک سے ہتھیار نہیں خریدنا پسند کرتیں جس کی دوستی کا
۔اور وقار کے ملحوظات کا تقاضہ یہ ہے کہ سرکاری افسر ڈنمیر شیر کی بجائے امریکن
ر سواری کریں اور امریکن ایرلائنز کے جہازوں میں اُڑیں۔ ان میں سے بہت سے
نمایاں نہیں کیا جاتا لیکن معاشیات کا اصول غالباً صحیح رہتا ہے، معاملہ خاندان
، فرم یا حکومت کا سب کو ارزاں ترین بازار میں خریدنا اور گراں ترین بازار
جاہیے۔

ٹ ممالک کے مابین تجارت

راں ترین بازار میں خریدنے اور گراں ترین بازار میں بیچنے کے اس اصول کا اطلاق
ٹ ممالک کے مابین تجارت میں بھی ہونا چاہیے۔ تاہم اس پر عمل کرنا نہایت
بت ہوتا ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد جبکہ سوویت یونین دنیا کا واحد سوشلسٹ
، یہاں ہم اس اصطلاح کا استعمال کیمونزم کے معنیٰ میں کر رہے ہیں اس کے
ومت اور یورپ کی سوشلسٹ پارٹیاں شامل نہیں ہیں۔ اس وقت سوویت
لگی تجارت کا استعمال مطلق الغنانی حاصل کرنے کے لیے کرتی تھی گیہوں، لکڑی،
اور ایسی ہی روایتی برآمدات کی حوصلہ افزائی مشینیں خریدنے کے لیے کی جاتی
ن کے معاملے میں ملک غیر ملکی رسد سے آزاد ہو سکے۔ اس کام میں اسے چند اشیاء
ا دن کو چھوڑ کر بہت کامیابی حاصل ہوئی۔ لیکن مشرقی یورپ کے ملکوں اور چین
سٹ کیمپ میں آجانے کے بعد اس پالیسی کو جاری رکھنا بے معنیٰ ہو کر رہ گیا۔ سوشلسٹ
یے خصوصیت برداری اختیار کر کے آپس میں اشیاء کا تبادلہ کرنا صاف طور پر

ضروری ہو گیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ یہ کام کس طور پر انجام دیا جائے۔

سوویت منصوبہ بندی جس میں خام اشیاء کے توازن پر زور دیا جاتا ہے غیر ملکی تجارت میں توازن کے خلاف جھکی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ انتظامیہ کا بنیادی مقصد منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا تقاضہ یہ تھا کہ برآمدات کو روک کر نیز درآمدات کی رفتار تیز کر کے پلان میں دکھائی دینے والے خلاء کو پورا کیا جائے۔ لیکن سات ملکوں کے غیر مربوط منصوبوں میں غیر ملکی تجارت کو منضبط کرنا اور بھی دشوار ہو گیا۔ سوویت بلاک کی تجارتی تنظیم ، cascoa اپنے ممبروں کی غیر ملکی تجارت کو منظم کرنے کے بنیادی طریقے کی کھوج میں لگی ہوئی ہے مگر اسے اس معاملہ میں ابھی کوئی خاص کامیابی نہیں حاصل ہوئی ہے۔ اس دوران تجارت اڈہاک (عارضی) بنیاد پر چل رہی ہے۔ اور اس تک میں ان امور کے معاملے میں سنگین مسائل پیدا ہو جاتے ہیں کہ کون سے ملک برآمد کریں اور کون سے درآمد نیز کن کن اشیاء کو کس قیمت پر اور بسیار طرفہ بنیاد پر برآمدات کی قومی مالیت کو درآمدات کی مالیت کے ساتھ کیسے بحالت توازن رکھا جائے۔

دونوں عالمی جنگوں کے درمیان سوویت یونین عالمی قیمتوں پر تجارت کرتا رہا ہے۔ اس لیے قیمت کے تعین کے مسئلے کا ایک حل اصولی طور پر یہ ہو سکتا تھا کہ بلاک کے ممالک کے مابین تجارت کی مالیت عالمی قیمتوں کے ذریعہ طے کی جائے۔ عملی طور پر ایسا کرنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ مشرقی یورپ میں باجحم اشیاء کی عالمی قیمت کیا ہے۔ یہ بات اس وقت تک واضح نہیں ہو سکتی جب تک یہ فیصلہ نہ کر لیا جائے کہ مشرقی بلاک کسی چیز کو مغربی بلاک کو بھیجے گا یا وہاں سے درآمد کرے گا۔ ظاہر ہے کہ شمالی امریکہ یا مغربی یورپ کی قیمت نقل و حمل کی لاگتوں کی وجہ سے مناسب نہ ہو گی لیکن تجارت کی سمت کا تعین کیے بغیر یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ نقل و حمل کی لاگتوں کو جوڑا جائے یا گھٹایا جائے۔ علاوہ ازیں امتیاز بردار اشیاء کے معاملے میں کوالٹی کے مسئلہ کو کسی من مانی بنیاد پر ہی حل کیا جا سکتا ہے۔ موسک وچ رینولٹ سے زیادہ مشابہ ہے یا داکسوگین یا کورٹینا سے ؟ مشرقی تجارت میں درحقیقت جن قیمتوں کا استعمال ہوتا ہے ان کے مطالعہ سے ایسا لگتا ہے کہ مشرقی ممالک جن قیمتوں پر ایک دوسرے کے ساتھ عام طور پر تجارت کرتے ہیں وہ ان قیمتوں سے زیادہ ہوتی ہیں جن پر وہ مغرب کے ساتھ تجارت کرتے ہیں۔

اس مظہر کے سبب کے طور پر بہت سی تشریحات پیش کی گئی ہیں۔ ان میں دستجارت میں امتیاز، بھی شامل ہے یہ ایک "کسٹم یونین اثر" ہے جس نے باہر کی دنیا سے الگ بلاک کی نسبتاً اونچی قیمتوں کا ایک جزیرہ بنا دیا ہے اور اس کے تحت تجارت کے بعد برآمدات د درآمدات میں توازن کی خاطر قیمتوں میں من مانے طور پر رد و بدل کر دیا جاتا ہے۔

لیکن زیادہ اہم مسئلہ یہ ہے کہ تجارت کن اشیاء کی ہوگی؟ کسی حد تک اس معاملہ میں دشواری کی وجہ یہ ہے کہ ہر ملک میں مقامی طور پر ایک کارگر نظامِ قیمت کا فقدان ہے۔ بکری پر بھاری ٹیکسوں کی وجہ سے صَرف اور پیداوار میں استعمال کی جانے والی حقیقی قیمتوں میں بڑا فرق رہتا ہے۔ من مانے طور پر مقرر کردہ مبادلہ شرحوں پر باہری تجارت کو کسی صورت ممکن بنانے کے لیے یہ ٹیکس درآمدات میں جوڑ دیے جاتے ہیں۔ اور برآمدات سے منہا کیے جاتے ہیں لیکن قیمتوں میں ٹیکس کے لحاظ سے یہ تبدیلی کر دینے پر بھی وہ معاشی اقدار کی عکاسی کرنے میں ناکام رہتی ہیں، اگر سرمائے کو عوامل پیداوار میں سے نہ مانا جائے تو سرمایہ کی زیادہ کھپت والی اشیاء نسبتاً سستی ہو جائیں گی، ان کی پیداوار ضرورت سے زیادہ کی جائے گی اور انھیں برآمد کیا جائے گا اور سارے نظام کے لیے مجموعی حیثیت سے یہ فعل سود مند ثابت نہ ہوگا۔ قیمتوں کے بغیر منصوبہ بندی کرنے یا صرف عکسی قیمتوں کے سہارے یہ کام انجام دینے سے یہ معاملہ بہت زیادہ پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ اسے کمپوٹروں تک کی مدد سے حل کرنا دشوار ہو جاتا ہے کیونکہ سات مختلف نظاموں کو مقفا ہوتا ہے اس بات کو دھیان میں رکھنا ہوتا ہے کہ کسی ملک میں کسی چیز کی جتنی فاضل مانگ ہو کسی دوسرے ملک میں اس چیز کی اسی قدر فاضل رسد ہو اور یہ بھی کہ متعدد جہتی بنیاد پر تمام برآمدات کی مالیت تمام درآمدات کی مالیت کے برابر ہو جائے۔ مغرب میں ان مسائل کو زر اور قیمتوں کے ذریعہ حل کر لیا جاتا ہے سوویت بلاک کمیابی کی اقداروں کی عکاسی کرنے والی واضح قیمتوں کے بغیر اس نظام کو چلانے کی کوشش کرتا ہے ساتھ ہی اس کا نظامِ زر بھی ناقص ہے اور اس لیے اس میں شامل ملک روبل کی شکل اپنی رقم رکھنے کو تیار نہیں دکھائی دیتے ہیں اب تک کام کی رفتار دھیمی رہی ہے۔ ، cameei نے جن طریقوں سے تجارت کو منظم کیا ہے اسے کتنے ناموں سے پکارا جاتا ہے جیسے "مطلق فائدہ" یا امپیرلزم" اور اس نے جھگڑوں کو بلند ترین سیاسی سطح"

پرحل کیا ہے۔ وہ تمام وقت بین الاقوامی سوشلسٹ خصوصیت برداری کے لیے ایک واضح اور منطقی بنیاد تلاش کرتا اور اس میں ناکام ہوتا رہا ہے۔

معاشی جنگ

یہ ضروری نہیں ہے کہ بین الاقوامی تجارت میں سرکاری مداخلت کا محرک وہ اصول ہی ہوں جو امن پسند تجارت سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کے تحت کوئی ملک غالباً اپنی معاشی فلاح و بہبود کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی حکومت کسی دیگر ملک کی پیداوار خاص طور پر سامان جنگ کو محدود کرنے کی کوشش کر سکتی ہے یا کوئی حکومت عالمی انقلاب کی حوصلہ افزائی کی خاطر غیر ممالک کے بازاروں کو مندی کی کھائی میں دھکیلنے کی کوشش کر سکتی ہے۔ بعض اوقات یہ کہنا دشوار ہو جاتا ہے کہ آیا کوئی ملک باہر سامان عالمی قیمتوں کو گھٹانے اور اس طرح سرمایہ دار ملکوں کے خلاف معاشی جنگ کرنے کے لیے بیچ رہا ہے یا نسبتی برتری سے فائدہ اٹھانے کے لیے جس میں کبھی کبھی فاضل پیداوار سے چھٹکارا پانے کا مقصد بھی شامل ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر سوویت یونین پر یہ الزام عاید کیا گیا ہے کہ اس نے (1932 میں) گیہوں اور دوسری جنگ کے بعد بہت سے مواقع پر ٹن، ایلیمونیم اور تیل کے ڈمپنگ کے ذریعہ مغرب کی معیشت کو تباہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان اشیاء کے مغربی حریفوں کو سوویت بکری میں سیاسی مقاصد کی بو آنا ایک فطری بات ہے لیکن ذی ہوش مشاہدین کی رائے میں ہر ایک بکری کے پس پشت ایک معاشی سیٹھ کارفرما رہا ہے اور یہ بات زیادہ وزن رکھتی ہے۔ حالانکہ ایسا ہونا غیر اغلب ہے کہ بین الاقوامی بازاروں میں کوئی ملک اپنی خریدنے اور بیچنے کی طاقت کا استعمال دوسرے ملک کے خلاف غیر فوجی سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے کر سکتا ہے۔

یہ ایک قابل افسوس حقیقت ہے کہ معاشی جنگ کہیں زیادہ عام منظر ہے۔ یہاں تجارت کا مقصد یکسر بدل جاتا ہے۔ معاشی لڑائی میں جو فوجی کارروائی کے ساتھ ساتھ چلتی ہے جن ہتھیاروں کا استعمال کیا جاتا ہے ان میں ناکہ بندی پہلے ہی سب مال خرید لینا، غیر جانبدار ملکوں سے ناکہ بندی کے آگے تمام تجارت کو بند کر دینے کے معاہدے وغیرہ

شامل ہیں ۔ اتحادیوں نے دوسری عالمی جنگ کے دوران جرمنی اور جاپان کے خلاف ایسی ہی معاشی لڑائی بھی لڑی تھی ۔ پہلے ہی تمام مال خرید لینے کا فعل غالباً سب سے زیادہ دلچسپ ہے ۔ کیونکہ یہاں سرکاری تجارت کا مقصد ان اشیاء کا حصول نہیں ہوتا جن کی ملک کو ضرورت ہوتی ہے بلکہ دشمن کو ان اشیاء کی دستیابی سے محروم رکھنا اصل مقصد ہوتا ہے ۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پہلے سے خرید لینے کی حریفانہ کوششوں کے زیر اثر رسد ملکوں میں پہلے سے زیادہ تقسیم ہو جاتی ہے ۔ قیمت اپنی ابتدائی سطح سے کئی گنا بڑھ جاتی ہے اور پیداوار میں اضافہ ہو جاتا ہے ۔ مثال کے طور پر اسپین اور پرتگال سے ٹنگسٹن اور خام ٹنگسٹن (وولفرام) خریدنے یا ترکی سے اس کے دوسری جنگ میں شامل ہونے سے پہلے کروم خریدنے کی حریفانہ کوششیں اس کا مظہر ہیں ۔ بعض صورتوں میں جیسے سوئیڈن کی بال بیرنگ ، خریداری کا مقصد اشیاء کو دشمن کی دسترس سے باہر رکھنا تھا اور ان کو زیادہ تر ذخیرہ کر لیا گیا تھا ۔ ناکہ بندی سے گذر سکنے والا برطانوی موسکیٹو ہوائی جہاز ہر ایک پھیرے میں اپنی ڈپلومیٹک ٹریفک کے علاوہ صرف کچھ ٹن سامان ہی لے جا پاتے تھے ۔

گرم معاشی جنگ سے تھوڑا ادھر غالباً 'سرد' معاشی لڑائی کا مورچہ ہونا چاہیے ۔ اس کیس میں ہتھیاروں کے ذریعہ کوئی فوجی ناکہ بندی نہیں کی جاتی ۔ لیکن کوئی ملک یہ کوشش ضرور کرے گا کہ اپنے امکانی دشمن کے ہاتھ ایسی چیزیں نہ لگنے دے جو آخر الذکر کی اسلحہ کی ضرورت پورا کرنے میں غیر معمولی طور پر کلیدی اہمیت کی حامل ہیں ۔ بہر حال امکانی دشمن ملک کی اسلحہ سازی کی رفتار کو سست بنانے کے فائدہ کا موازنہ اس کام کو انجام دینے کی لاگت سے ضرور کرنا چاہیے ۔ جہاں پر ادھار نہیں دیا جاتا دو طرفہ تجارت کا متوازن ہونا ضروری ہے ؛ اور برآمدات کو محدود کرنے سے درآمدات لازماً محدود ہوتی ہیں ۔ اس لیے برآمدات سے انکار میں کامیابی کو درآمد شدہ اشیاء کے زیان کے اثر سے تولنا چاہیے ۔

مخصوص صنعتوں اور پروگراموں کے سلسلے میں معاشی لڑائی کس درجہ کارگر ہوتی ہے اس کا حساب سنجیدگی کے ساتھ لگانا نہایت اہم ہے ۔ پہلی جنگِ عظیم میں جرمن جنرل اسٹاف نے اپنی کمزوریوں کو چھپانے کے لیے جرمنی کی معاشی ناکہ بندی کے اثرات کے بارے میں

[illegible]

ناکہ بندی نے جرمن فوجوں کی شکست میں رہبر کردار ادا کرنے کی بجائے صرف اعانت ہی کی تھی۔ جیسا کہ 1967 میں روڈیشیا اور 1935 میں اٹلی کے خلاف تیل بند کرنے کی کارروائی سے پورے طور پر واضح ہو چکا ہے کسی ملک کو آرام سے زندہ رہنے کے لیے جو کچھ درکار ہوتا ہے اور کم سے کم جتنے کی اسے کام جاری رکھنے کے لیے ضرورت ہوتی ہے دونوں میں بڑا فرق رہتا ہے۔ سب سے پہلا کام اس امر کو یقینی بنانا ہونا چاہیے کہ پابندیاں کارگر ثابت ہونگی۔ یہ دیکھنا ہوگا بڑے مال سپلائی کرنے والوں کی جگہ چھوٹے تاجر زیادہ تعداد میں نہ لے لیں کیونکہ اول الذکر کی کارروائیوں کی نگرانی آسانی سے کی جا سکتی ہے۔ پھر رسد کو بالکل منقطع کر دیے جانے کے بعد بھی حقلے تک پہنچنے کے لیے کافی چربی صاف کرنی پڑے گی۔ مثال کے طور پر روڈیشیا کی تیل کی درآمدات میں سے زیادہ تر کا استعمال عام طور پر غیر ضروری کاموں کے لیے کیا جاتا ہے۔ جنھیں معیشت کو بغیر کوئی بنیادی ضرر پہنچائے ختم کیا جا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں ایک جدید صنعتی قوم وسائل کو صنعتوں کے بیچ ادھر سے ادھر کرنے اور انھیں موزوں بنانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ وہ ایک کچے مال کی جگہ دوسرے کا استعمال صلاحیت میں بغیر کسی خاص کمی کے کر سکتی ہے۔ اس لیے (نسبتاً کم مدت کو چھوڑ کر) کسی دشمن یا ہونے والے دشمن کو کسی صنعت کے کچے مال سے محروم کر دینے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وسائل اس صنعت میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی ملک میں صنعتوں کا کافی جال پھیلا ہوا ہے اور اس میں حالات سے مطابقت پیدا کرنے کی تھوڑی بہت صلاحیت ہے تو معاشی جنگ اسے وسائل سے عمومی طور پر محروم کر سکتی ہے۔ خاص طور پر ہتھیاروں سے نہیں۔ معاملات کو اس روشنی میں دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ جنگ گرم ہو یا سرد یہ بات خاص طور پر اہمیت رکھتی ہے کہ دوسرے ملک کی مالیت کو ابتر بنانے کے فائدہ کا موازنہ خود کو پہنچنے والے نقصان سے کریں۔

اگر ملک سوویت روس اور اس سے بھی زیادہ سرخ چین کی طرح صنعتی اعتبار سے بہت زیادہ ترقی یافتہ نہیں ہے تو ایک اور بات پر دھیان دینا ہوگا۔ ایسے ملکوں کو قلیل مدت میں صنعتی اشیاء سے محروم کر دینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ لمبے عرصے میں اپنی صنعتی صلاحیت میں اضافہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ بہت کچھ اس بات پر منحصر ہے کہ نزاع پیدا ہونے کا سب سے زیادہ امکانی وقت کونسا ہے۔ اگر یہ امکان بہت دور دکھائی دیتا ہے تو معاشی نقطۂ نظر سے ہونے والے دشمن کو بھی جنگی سامان فروخت کرنا مصلحت ہو سکتی ہے۔ اس کی اپنے ہتھیار

بنانے کی خواہش کم ہوسکتی ہے اور اگر ہوسکے تو تعطل کو اتنا طویل کیا جاسکتا ہے کہ اس کے ہتھیار پرانے پن کا شکار ہو جائیں۔

مشرق۔مغرب کی تجارت

نجی سرمایہ کاری پر مبنی مغرب کی معیشتوں کے مابین تجارت نیز سوویت بلاک کی سرکاری تجارتی تنظیموں کے سلسلے میں بہت سے مشکل مسائل — ادارتی اور تنظیمی — سامنے آتے ہیں۔ لیکن ان میں سے بہت سے مسائل کو حل کرنا ریاستہائے متحدہ کے لیے ممکن نہ ہوسکا۔ وجہ یہ ہے کہ اس نے مشرق کے ساتھ تجارت پر پابندیاں عاید کر رکھی ہیں۔ چین اور کیوبا سے تجارت بالکل بند ہے اور ایک مختصر فہرست ان اشیاء کی ہے جنھیں روس اور مشرقی بلاک کے ہاتھوں فروخت نہیں کیا جاسکتا۔ 1951ء کے سخت گیر جنگ قانون کے بعد — جو اس وقت پاس کیا گیا تھا جب کوریا کی لڑائی اپنے عروج پر تھی — صورت حال میں اب کچھ نرمی پیدا ہوئی تھی۔ لیکن سوویت یونین کے ساتھ سیاسی تعلقات میں معاملہ فہمی کو آگے بڑھانے کے لیے مشرق و مغرب کی تجارت پر کانگریس کی لگائی گئی پابندیوں کو ڈھیلا کرانے کے سلسلے میں صدر جونسن کی کوششوں کی بڑی جذباتی مخالفت ہوئی اور ووٹ ان کے خلاف جانے لگے۔ سوویت بلاک سے تجارت کرنے اور اسے ادھار بھی دینے کے لیے ریاستہائے متحدہ کے ساتھیوں کی آمادگی کے سبب اس کے مخالف پوزیشن بنائے رکھنے کے اثر کو کم کرتی جارہی ہے۔

معاشی فلاح کے پہلو کو چھوڑ کر جس کے بارے میں گذشتہ جز میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ ناکہ بندی سے — اگر یہ طویل عرصے تک جاری رہے — خود اس ملک کے مفاد کو نقصان پہنچتا ہے جو اسے لاگو کرتا ہے، مشرق، مغرب کی تجارت سیاسی آزادی کے فقدان یک طرفہ معاشی فوائد، کنیز تو زد میونگ (جس پر باب دس میں بحث کی جائے گی) اور نہ رکھنے والے نزاعات سے پیدا ہونے والی سنگین دشواریوں کو حل کرنے سے متعلق بہت سے تشویش کن سوالات کو جنم دیتی ہے۔

سیاسی وجوہات کی بنا پر کسی ملک جیسے روس کی تجارت پر انحصار کے خوف و اندیشے

مچھلیاں خریدنا اچانک بند کر دیا تھا اور 1955ء میں اسرائیل کو تیل بھیجنے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن ریاستہائے متحدہ بھی کچھ پیچھے نہیں رہا اور اس نے (1960) میں کیوبا کا چینی کا کوٹا یک لخت کم کر دیا۔ کسی ایک ملک یا ذریعہ پر منحصر رہنے میں دست نگر ہو جانے کا اندیشہ ناگزیر ہے اور مغربی حکومتیں ضرورت پڑنے پر زیادہ واضح اور منظر عام پر آ جانے والا دباؤ ڈالنے پر مجبور ہو سکتی ہیں۔ سوشلسٹ ملکوں کی تجارتی تنظیمیں سرکاری ہیں اس لیے وہ کسی صارف یا اشیاء مہیا کرنے والے کو بتدریج تجارت کے دائرے سے باہر نکال سکتے ہیں۔ لیکن دونوں (مغرب و مشرق) کے طریقۂ کار میں غالباً تھوڑا ہی فرق ہے کیونکہ مشرقی ممالک میں تجارتی تنظیم پولٹ بیورو سے مختلف ہے۔

یک طرفہ معاشی فائدے کا تعلق مشرقی بلاک سے ہے جو مغرب (بشمول) کے ترقی یافتہ ممالک کو خام مال مہیا کرتا ہے اور ان سے ایسی اشیاء خریدتا ہے جن میں اونچی تکنیک کا عنصر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ وہ کم ترقی یافتہ ممالک سے خام مال خریدنے اور ان کے ہاتھوں ہتھیار، مشینری، اور مشینوں کے پرزے بیچنے کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ مغرب اعلیٰ ترین ردی خلائی تنظیم کی تیار کردہ اشیاء خاص طور پر راکٹوں میں دلچسپی رکھتا ہے۔ مذکورہ بالا شکایت کی اساس کا یہ دعویٰ ہے کہ مغرب کا نظام قیمت درحقیقت ابتدائی پیداوار اور ترقی یافتہ مصنوعات کے بیچ نسبتی کمیابیوں کی مناسب عکاسی نہیں کرتا۔ اگر فوجی اور خلائی ساز و سامان کو جو کوئی بھی فریق دوسرے کو نہیں بیچتا نظر انداز کر دیا جائے تو یہ ممکن ہے کہ وہ معاشی قیمتیں جن پر مغرب میں اشیاء کی تجارت ہوتی ہے تجارت سے ہونے والا زیادہ نفع مشرق کو پہنچا دیں۔ مسابقتی بازاروں کے معیشتوں کا یہی طریقۂ کار ہے۔ دو دکانداروں کو چالو قیمت ملتی ہے خواہ وہ اس سے کم قبول کرنے کے لیے آمادہ ہوں اور طلب کرنے والے بھی یہی قیمت دیتے ہیں اگرچہ اس سے انھیں "بچت صارف" بڑی مقدار میں حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کم ترقی یافتہ ممالک تجارت سے بہت زیادہ فائدہ حاصل کر لیتے ہیں۔ ہمیں اس بارے میں تشویش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہماری دلچسپی تو صرف اپنی آمدنی کو زیادہ سے زیادہ کرنے میں ہے ہم اپنے تجارتی ساتھیوں کے نفع کو نظر انداز کرتے ہیں یا اس کے بارے میں فیاضانہ رویہ اپناتے ہیں۔ تجارتی افادیت کا نارمل رابطہ یہی ہے لیکن ممکن ہے کہ کسی ملک کا

فریق کے تجارتی فوائد منفی صورت میں شامل ہوتے ہوں۔ اس کیس میں مغرب بطور مثال مشرق سے تجارت کرنا چاہے گا اور تجارت کے فوائد سے صرف اسی صورت میں لطف اندوز ہو سکے گا۔ جبکہ مشرق کے تجارتی فائدوں کو بھی حساب میں شامل کیا جائے۔ ہمارے اور مشرق کے فوائد کا باہم سودا ہو جائے گا۔ ایسا افادی رابطہ جس میں ہم دوسرے کی فارغ البالی سے جلیں اور ان کے نقصانات پر خوشی محسوس کریں صریحاً جذبۂ عیسائیت کے منافی ہے۔ یہ رابطہ معاشی آزادی کے اصولوں کے بھی خلاف جاتا ہے۔ لیکن اس میں پسند کا کوئی حساب نہیں لگایا جاتا معاشیات میں شوق و پسند کو دیا ہوا مان لیا جاتا ہے۔ اگر مغرب کا افادی رابطہ اسی نوعیت کا ہے ـــــ جیسا کہ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مشرق کے ساتھ سب سے زیادہ مراعات والی قوم کا ترجیحی برتاؤ کرنے پر آمادہ نہیں ہے، گو اس میں بعض تکنیکی دشواریاں بھی ہیں ـــــ تو اسے اس بنیاد پر تجارت کو محدود کرنے کے لیے بطور دلیل استعمال کیا جا سکتا ہے کہ مشرق تجارت سے بہت زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے۔

ضرر رساں ڈمپنگ کی وضاحت بعد میں کی جائے گی لیکن بہت سے مغربی ممالک اس تشویش کا شکار ہیں کہ سوویت روس ابتداءً، مغربی یورپ کو تیل بہت سستا بیچے گا اور جب وہ دوسرے تیل سپلائی کرنے والوں سے منہ موڑ لے گا تو روس ایک دم قیمت کو بہت اونچا کر دے گا۔ بجز اس امکان کے لیے دخول و اخراج کے عمل میں عدم مماثلت ہونی چاہیے یعنی یہ کہ کم قیمتوں پر روس سے باہر سب تیل کی کمپنیاں تجارت کے دائرے سے نکل جائینگی اور قیمتوں کے بڑھ جانے پر وہ واپس نہیں لوٹ پائیں گی۔ بجز اس کا امکان بہت ہی کم معلوم ہوتا ہے اور سوویت یونین اس پر شاذ ہی بھروسہ کر سکتی ہے۔ زیادہ قرین قیاس یہ بات ہے کہ روس کی تیل کی پیداوار بہت زیادہ ہو گئی ہے اور مغربی ممالک کو اسے پریشانی کے دباؤ میں فروخت کیا جا رہا ہے، یہ صورت حال منصوبہ بندی میں اندازے کی غلطی کے سبب تیل اور گیس میں بسیار سرمایہ کاری کا نتیجہ ہے۔

بہر حال ان مسائل کے علاوہ مغرب، مشرق کی تجارت کو وسعت دینے کی راہ میں اور بھی بے شمار دشواریاں ہیں جو سسٹم میں بڑے اختلافات باہمی مفاہمت میں بڑی رکاوٹوں اور خاص طور پر مشرق کے پاس قابل فروخت اشیاء کے فقدان سے پیدا ہوتی ہیں مغرب مشرق کی تجارت زیادہ نہ ہو پانے کی بڑی وجہ مشرقی رسد کا ناکافی ہونا ہے جبکہ الزام مغرب

کی پالیسیوں کو دیا جاتا ہے۔ مشرقی ملک مال ادھار پر خریدنا چاہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس معاملہ میں ایک حد سے آگے جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ اگر قیمتیں اور مبادلے کی شرحیں سب کی سب مغربی کرنسیوں میں ہوں تو مالیاتی میدان میں تکنیکی دباؤ مشرق میں محسوس کیا جائے گا۔ (یورپ کے لیے معاشی کمیشن نے کچھ سال پہلے مشرق اور مغرب کے بیچ دو طرفہ زری حساب کے لیے جو بیکار تجویز پیش کی تھی وہ ناکام ہوگئی) لیکن اس کے بعد بھی جھگڑوں کو حل کرنے سے متعلق دشواریاں باقی رہیں گی۔ مشرق۔ مغرب کی تجارت کو فروغ دینے کے لیے ایک مناسب نظام کی تشکیل میں کافی وقت لگے گا۔ اس دوران اس کی مخالفت میں یو۔ایس کانگریس کا اس قدر جذباتی ہونا قدرے احمقانہ فعل ہے کہ وہ اس کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کا تمام تر سیاسی الزام اپنے سر لینے کو تیار ہے۔ اپنے برآمد اور درآمد کرنے والوں کی آزادی سلب کر رہی ہے اور باقی مغربی دنیا میں سیاسی ناراضگی کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔

خلاصہ:

اپنے تحفظی اور تقسیمی اثرات کے لحاظ سے کوٹے ٹریف سے مشابہ ہیں۔ تاہم جب تک سرکار لائسنس نیلام نہ کرے مالیاتی اثر غائب ہو جاتا ہے اور شرائطِ تجارت پر ہونے والے اثر کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ کوٹے کا انتظام کرنا ضروری ہوتا ہے اور یہ بازار میں قیمت کے دکھائی دینے والے ہاتھ کا مقام لے لیتا ہے۔

ٹریف کے مقابلہ میں کوٹہ کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے درآمدات کو یقینی طور پر محدود کیا جا سکتا ہے۔ قیمت میں اضافہ کے حصول اور ادائیگیوں کے میزان سے متعلق اثر کے سلسلے میں یہ بات کافی اہم ہے۔ غیر ملکی زرمبادلہ پر کنٹرول مثلاً کوٹوں سے مقامی قیمتیں، پیداوار، صرف، تقسیم آمدنی، شرائطِ تجارت، روزگار، ادائیگیوں کا میزان اجارہ وغیرہ وغیرہ متاثر ہوتے ہیں۔

سرکاری تجارت کا تعلق تمباکو اور الکوہل کے اجاروں سے ہوا کرتا تھا۔ کچھ عرصے تک دلچسپی کا مرکز سرکاری تنظیموں کے ذریعہ ابتدائی اشیا کو بڑے پیمانہ پر خریدنا رہا۔ آج حکومت خرید و فروخت میں بنا رکاوٹ مداخلت کرتی ہے اور امتیاز برتتی ہے۔ خاص طور پر اس لیے کہ وہ کسی بین الاقوامی قوانین کی پابند نہیں ہیں کیونکہ ان کے بارے میں کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکا ہے۔

برداری اور مبادلہ کو منظم کرنا ہے۔

معاشی جنگ تجارت میں سرکاری مداخلت کی ایک مخصوص شکل ہے۔ اس کے تجزیاتی مسائل بڑے دلچسپ ہیں لیکن اس سے کچھ زیادہ حاصل نہیں کیا جا سکا ہے۔

مشرق مغرب کی تجارت آج ایک نازک سیاسی مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ بڑے پیمانے پر اشیاء کے تبادلے میں اصل رکاوٹ اداراتی دشواریاں ہیں۔ سرد جنگ میں بدلتے ہوئے حالات کو تسلیم نہ کرنے کی کانگریسی ضد کے پس پشت یہی دشواریاں کارفرما ہیں۔

مطالعے کے لیے تجاویز:

تحقیقی رسائل۔

کوٹوں اور غیر ملکی مبادلہ کنٹرول سے متعلق تمام ادب کی حیثیت اب تاریخی ہو چکی ہے کیونکہ جنگ کے فوراً بعد اور دونوں جنگوں کے درمیان کے عرصے میں اس مسئلہ کی اہمیت کم ترقی یافتہ ممالک کو چھوڑ کر بہت کم ہو گئی ہے دیکھیں E. [illegible], (Control of International Trade (London ; George Routledge & Sons Ltd. 1939, F. A. [illegible] French Import Quotas (London ; P.S. King & Staples 1935); [illegible], Multiple Exchange Rates and Economic Development (Princeton N.J. Inc. Princeton University Press 1952)

آخر الذکر کتاب میں مبادلہ کی شرحوں کے مالیاتی اثر پر زور دیا گیا ہے۔ کوٹوں اور مبادلہ کنٹرول کے موجودہ نظام کے لیے دیکھیں عالمی زری فنڈ کی شائع کردہ رکاوٹوں کے موضوع پر سالانہ جلدیں:

سرکاری تجارت کے بارے میں بھی تازہ ترین صورت حال کے بارے میں ادب کا فقدان ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

[illegible], Trade Relations between Free Market and Controlled Economies ([illegible] ; League of Nations 1943) ....

اور اسی موضوع پر [illegible] in the [illegible] of کی American Economic Association میں ان کا مضمون International Trade

سوشلسٹ نظام تجارت کے بارے میں ایک اچھی کتاب ہے [illegible]

Foreign Trade System (Cambridge, Mass : The MIT Press 1968)

Soviet Economic Welfare (Washington D.C. کی تصنیف Loring Allen

میں ایک سخت نقطۂ نظر اپنایا گیا ہے۔ Public Affairs Press 1968

Committee on مشرق۔مغرب کی تجارت کے بارے میں خاص طور پر دیکھیں:

Foreign Relations

U.S. Senate A Background study of East - West Trade (Washington :- D.C.

: U.S. Government Printing Office 1965) East - West Trade Hearing

before the Committee on Foreign Relations, U.S. Senate 88th Cong. 2nd

Sess. (Washington D.C. : U. S. Government Printing Office 1964),

and N.MC Kitterick, East-West Trade : The Background of U.S. Policy

(New York : The Twentieth Century Fund. 1966) (Pamphlet)

نکات:

سرکاری عدم تجارت کے دلچسپ اثرات و نتائج کے بارے میں معاشیات نے شاذ ہی بحث کی ہے۔ بہرحال دیکھیں

Michael S. Baram, " Buy American", Boston

College Industrial and Commercial Law Review Winter 1966.

R.P. Manes, Import Quotas, Prices and Profits in the Oil Industry,

"Southern Economic Journal, July 1968:............

یہ واضح کرنے کے لیے کارآمد ہے کہ کوٹوں کی تقسیم سے منافع کی تقسیم میں کس طرح تبدیلی ہوتی ہے۔

باب 9 امتیاز قیمت اور کارٹیلیں

مسابقت کی اقسام

گذشتہ باب میں وسائل کی تقسیم اور تجارت پر بین الاقوامی قیمتوں کے نظام کے اثرات میں ترمیم یا انھیں نظر انداز (تک) کرنے کے لیے جن طریقوں کا استعمال کیا جاتا ہے ان کا جائزہ بحیثیت مجموعی لیا گیا تھا۔ درآمدات یا برآمدات پر پابندیاں عائد کرنے کا مقصد اجارۂ فروخت یا اجارۂ خرید کے نفع میں اضافہ کرنا ہوسکتا ہے۔ یا جیسا کہ معاشی لڑائی میں ہوتا ہے اشیائی معاہدوں اور بیشتر دو فریقی تجارت کا سرچشمہ یہ احساس ہوسکتا ہے کہ نظام قیمت سے نکلنے والا حل غیر تسلی بخش ہوگا اس لیے اس کو ایک طرف ڈال کر تقادیری کنٹرولوں اور منصوبہ بندی کو بروئے کار لانا چاہیے، جن ہمہ گیر طریقوں پر بحث کی گئی تھی وہ وہ تھے جن کا استعمال حکومت کرتی ہے۔

اس کے برعکس امتیاز قیمت میں نظام قیمت کو نظر انداز نہیں کیا جاتا بلکہ یہ تو الٹا فروخت نیز خرید کے اجاروں اور منسلک بازاروں کی علیحدگی کے مخصوص حالات میں نظام قیمت کے طریق کار پر روشنی ڈالتا ہے۔ ہمہ گیر طریقوں کی بجائے ہم امتیازات والی تکنیکوں پر بحث کریں گے۔ ہمارا تعلق زیادہ تر حکومت کی بجائے فرم سے رہے گا۔

اس موضوع سے متعلق ایک دشواری یہ ہے کہ اس کے بیان میں عام بول چال کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں اور مختلف لوگوں کے لیے ان کا مطلب مختلف ہوتا ہے۔ کسی معاشی کے نقطۂ نظر سے مسابقت کا مطلب اس صورت حال سے ہے جو ایسی صنعت میں کارفرما ہوتی ہے جہاں فرموں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے اور کوئی فرم یا خریدار اپنے نجی عمل سے بازار کی قیمت کو متاثر نہیں کرسکتا۔ جہاں فرموں کی تعداد اس سے کم ہوتی ہے یہاں تک کہ کوئی واحد فرم اس قیمت پر کنٹرول کرسکتی ہے جس پر وہ مال بیچتی یا خریدتی ہو تو

مسابقت غیر کامل کہلائے گی۔ تاہم ایسی صنعت میں جہاں مسابقت کامل نہ ہو کوئی واحد فرم قیمت سے متعلق دو طرح کی پالیسیاں اپنا سکتی ہے۔ مان لیجیے لاگت میں کوئی فرق نہیں ہے .... اس صورت میں فرم سب خریداروں سے چیز کی ایک ہی (خالص) قیمت وصول کر سکتی ہے۔ یہ عمل مسابقتی حل کے نزدیک ہوگا۔ یا فرم مختلف خریداروں کو مختلف قیمتوں پر فروخت کر سکتی ہے۔ اسے امتیازِ قیمت کہا جاتا ہے

تاجر کی سمجھ میں یہ بات مشکل ہی سے آتی ہے کہ معاشی کی اس تمام بات چیت کا کیا مقصد ہے۔ اور جس حد تک وہ سمجھ پاتا ہے وہ جو کچھ سنتا ہے اسے پسند نہیں کرتا اور اپنی مخالفت کا اظہار بڑی شدت کے ساتھ کرتا ہے۔ سب سے پہلے تو وہ ان الفاظ پر اعتراض کرتا ہے جن کا استعمال کیا جاتا ہے۔ وہ یقین کے ساتھ نہیں بتا سکتا کہ وہ "مسابقت" کے حق میں ہے یا نہیں کیونکہ اس لفظ سے اس کے ذہن میں "گلا کاٹ مسابقت" کا تصور ابھرتا ہے اور اسے وہ یقیناً ناپسند کرتا ہے۔ الفاظ "غیر کامل" یا "اجارہ دارانہ" مسابقت صریحاً اشتعال دلانے والے اور ناقابلِ قبول ہیں۔ یہی بات "امتیازِ قیمت" کے بارے میں صحیح ہے۔ اس سے نسلی، مذہبی، یا قومی امتیاز کا تصور ذہن میں آتا ہے۔ یہ ایک غیر مستحسن فعل ہے وہ امتیاز کی پسند نہیں جسے عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

سب سے زیادہ دقت بہرحال یہ ہے کہ تاجر اور معاشی ایک ہی زبان میں بات نہیں کرتے اور ایک دوسرے کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں، اگر دو فرمیں ایک ہی بازار میں ایک ہی قیمت پر مال بیچ رہی ہیں تو تاجر کے لیے یہ مسابقت ہوگی معاشی کے لحاظ سے یہ صورت حال اسی وقت مسابقتی ہوگی جب دونوں فرموں میں کسی بھی طرح کا سمجھوتہ نہ ہو گیا ہو اور صرف یہی ایک بازار ہو جس میں دونوں فرمیں اپنا مال بیچ رہی ہوں۔ لیکن اگر کوئی ایک یا دونوں فرمیں دیگر بازاروں میں ایسی قیمتوں پر سامان فروخت کر رہی ہیں جن سے انھیں اس بازار کے مقابلے میں وہاں مختلف نفع حاصل ہو رہا ہے تو یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ مسابقت کامل نہیں ہے۔ جہاں ابہام اور غلط فہمی اس حد تک ہو تو آگے قدم بڑھانے میں محتاط رہنا ضروری ہے آگے جو کچھ کہا جائے گا اس میں ہم معاشی کے استدلال اور اصطلاحات کا استعمال کریں گے اور یہ توقع کریں گے کہ جو لوگ تاجروں کی طرح سے سوچنے کے عادی ہیں وہ اس وقت تک کوئی فیصلہ نہ دیں گے جب تک ہمارا مدعا ان کی سمجھ میں نہ آ جائے۔

بازاروں کے مابین امتیازِ قیمت

کسی واحد بازار میں صرف ایک ہی قیمت رہتی ہے۔ یہ تعریف کی رو سے بالکل صحیح ہے یعنی ایک قیمت کا قانون جو کہتا ہے کہ ایک بازار میں ایک ہی قیمت رہ سکتی ہے جہاں امتیازِ قیمت کے اصول پر عمل کیا جاتا ہے۔ بازاروں کا ایک سے زیادہ ہونا ضروری ہے۔ ان بازاروں میں امتیاز کرنا ممکن ہوتا ہے۔ ایسا کافی حد تک محدود جغرافیائی علاقے میں ہو سکتا ہے۔ سینما گھروں میں پہلی اور دوسری نمائش کے لیے اور قصبوں کے سینما گھروں میں ٹکٹوں کی قیمت مختلف ہوتی ہے۔ ڈاکٹر، وکیل اور دیگر لوگ اپنی پیشہ ورانہ خدمات کے لیے بیمار یا موکل سے اس کی آمدنی کے لحاظ سے چارج کرتے ہیں اور رہائشی علاقوں سے دور خرید کے مرکز کے بڑے اسٹور کے مقابلے میں نکڑ کی دوکان پر ایک ہی چیز کے لیے دام مختلف رہتے ہیں۔ بہر حال بین الاقوامی تجارت میں سرحدوں نے بازاروں کو پہلے ہی جدا کر دیا ہے۔ رواج، عادات، زبان کے اختلافات ان کو مزید الگ کر سکتے ہیں خواہ اشتہار بازی، افتخار کی اپیل، یا پیشہ ورانہ اصول جیسے عوامل جو مقامی بازار میں عام طور پر پائے جاتے ہیں موجود نہ ہوں۔

اگر کسی تاجر کی دو الگ بازاروں تک پہنچ ہے اور وہ ان میں سے کسی ایک یا دونوں میں قیمت پر تھوڑا بہت کنٹرول رکھ سکتا ہے تو اسے مختلف قیمتوں پر مال فروخت کرنے سے زیادہ نفع ملے گا بشرطیکہ دونوں بازاروں میں مانگ کی لچک مختلف ہو۔ نفع کو بیشترین کرنے کا عام اصول یہاں بھی لاگو ہوتا ہے۔ نفع وہاں بیشترین ہوگا جہاں مختتم یافت مختتم لاگت کی برابر ہو جائے لیکن اس کے پیداوار کی مختتم لاگت دونوں بازاروں میں برابر ہوگی کیونکہ ہم مال کو لانے لے جانے کی لاگت کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ (ہم جس قیمت کی بات کر رہے ہیں وہ فیکٹری کی ایف۔ او۔ بی قیمت ہے قیمت یافت، اور لاگت کا حساب لگانے میں نقل و حمل کی لاگتوں کو شامل نہیں کیا گیا ہے) اب معاملہ کی جان دونوں بازاروں میں مختتم یافت کا فرق ہے۔

تاجر بازاروں کے فرق کو نظر انداز کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ دونوں بازاروں کے اوسط یافت اور مختتم یافت کے قوسوں کو متوازی طور پر جوڑ دے گا۔ جہاں مختتم لاگت کا

قوس مختتم یافت کے مجموعی قوس کو کاٹے گا وہ بیشترین نفع کا پیداواری نقطہ ہوگا۔ شکل نمبر 1-9 میں A اور B بازاروں کے اوسط اور مختتم یافت کے قوسوں کو جوڑ دینے پر

مجموعی مانگ کے قوس ۔ امتیاز قیمت اور مختتم آمدنی میں عدم مساوات کا نہ ہونا

لاگت یا آمدنی فی اکائی

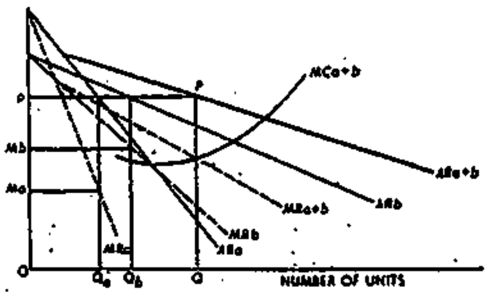

اکائیوں کی تعداد

دونوں بازاروں میں OQ مقدار پیدا کی جائے گی اور بیچی جائے گی قیمت دونوں میں OP ہی رہے گی۔ OQ مقدار OQa بازار A کی مقدار اور OQb بازار B کی مقدار کا مجموعہ ہوگی۔ لیکن نوٹ کیجیے کہ بازار میں OQa اکائیاں بیچنے سے OMa مختتم یافت ہوتی ہے اور بازار B میں OQb اکائیوں کی بکری سے اس سے زیادہ یعنی OMb یافت ہوتی ہے۔ مختلف لچک والے دو بازاروں میں ایک ہی قیمت لینے کا مطلب یہ ہے کہ ایک بازار میں ہر بیچی جانے والی اکائی پر دوسرے بازار کی نسبت زیادہ مختتم یافت ہوگی۔ کم لچکیلے بازار سے بکری کو زیادہ لچکیلے بازار میں منتقل کر کے تاجر اپنے نفع میں اضافہ کر سکتا ہے۔

امتیاز قیمت

یافت قوسوں کے دو سیٹوں کو عمودی محور کے مختلف اطراف میں رکھ کر جیسا کہ شکل نمبر 2-9 میں کیا گیا ہے، اس صورت حال کو واضح کیا جا سکتا ہے۔ اس خاکے میں مختتم لاگت قوس کو حذف کر دیا گیا ہے۔ یہ A اور B بازاروں میں مختتم اور اوسط یافت کے انہیں

قوسوں کو دکھاتا ہے جو اوپر شکل نمبر ۱۰۹ میں دکھائے گئے ہیں مگر ان مجموعوں کو نہیں دکھاتا
A۔ قوسیں عمودی محور کے بائیں جانب ہیں اور دائیں سے بائیں جاتی ہیں۔ B قوسیں عام حالت

دوکاندار امتیازی قیمتیں وصول کرتا ہے ـــــ دونوں بازاروں میں مختتم آمدنی کی برابری

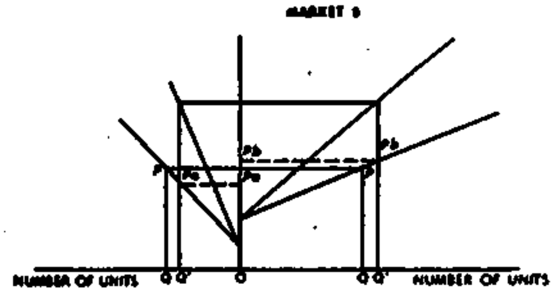

اکائیوں کی تعداد   اکائیوں کی تعداد

میں بنی رہتی ہیں۔ QQ مقدار اتنی ہی ہے جتنی شکل نمبر ۱۰۹ میں OQ اور OQ کی برابر ہے تاہم اس خاکے میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ QQ مقدار کو بازار A سے B میں منتقل کرنے سے مختتم یافتیں برابر ہو جائیں گی (QU = QW) اس کا نتیجہ امتیاز قیمت کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ A میں قیمت زیادہ اونچی (OP₁) رہے گی۔ یہاں مانگ کی لچک کم ہے۔ اس کے برعکس B میں جہاں مانگ زیادہ لچکیلی ہے قیمت کم (OP₁) رکھی جائے گی۔

امتیاز قیمت عمل میں آسکتا ہے کیونکہ تاجر کو بازار میں نیم اجارہ دارانہ حیثیت حاصل ہے اور وہ اجارہ داری کے سبب یا اس وجہ سے کہ اس کے چند کاروباری حریف اس کی رہبری قبول کرتے ہیں یا پھر کسی کارٹل سمجھوتے کے باعث اپنی قیمت خود تعین کرتا ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ امتیاز برتنے والا تاجر اونچی قیمت کم لچکیلے مانگ قوس والے بازار میں لیتا ہے اور کم قیمت اس بازار میں جہاں مانگ کی لچک زیادہ ہوتی ہے۔ بیشترین نفع اس وقت حاصل ہوتا ہے جب امتیاز قیمت کے ذریعہ تاجر ہر ایک بازار میں مانگ کی لچک کا پورا پورا فائدہ جداگانہ حیثیت سے اٹھاتا ہے۔ امتیاز قیمت کے ذریعہ تاجر ہر ایک

بازار میں مانگ کی لچک کا پورا پورا فائدہ جداگانہ حیثیت سے اٹھاتا ہے۔ امتیاز قیمت کا انتہائی کیس وہ ہوگا جس میں تاجر بازار کے اندر ہر ایک خریدار کو الگ کر سکے اور اس سے وہ زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرے جو خریدار ہر واحد اکائی کے لیے دینے کو رضامند ہے۔ ان حالات میں تاجر طلب قوس کے نیچے پورے رقبہ پر قبضہ کر لیتا ہے۔ کامل مسابقت میں اوسط یافت قوس پورے طور پر لچکیلا یا متوازی ہوتا ہے اور اوسط یافت نیز مختتم یافت برابر ہوتے ہیں۔ اگر ایک بازار میں مسابقت بہت ہی زیادہ ہے تو امتیازی کارروائی کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک بازار میں تاجر اجاری قیمت لے گا۔ دوسرے بازار میں امتیاز برتنے والا تاجر بے بس ہے اور اپنا مال صرف بازار کی قیمت پر ہی فروخت کر سکتا ہے۔ یہاں اوسط اور مختتم یافت بالکل برابر ہوتے ہیں اور مختتم لاگت قیمت کے برابر ہوتی ہے یہ مسئلہ کا مسابقتی حل ہے۔ دوسرے بازار میں مختتم یافت اتنی ہی ہوتی ہے جتنی اس بازار میں لیکن وصول کی جائے والی اجاری قیمت اونچی ہوتی ہے۔

واضح رہے کہ دو بازاروں کی قیمتوں میں فرق ان کے درمیان نقل و حمل کی لاگتوں سے زیادہ نہیں ہو سکتا اگر فرق اس سے زیادہ ہوگا تو دوسرے لوگ نفع یعنی تجارت کا کاروبار اپنائیں گے یعنی سستے بازار میں مال خریدیں گے اور لے جاکر مہنگے بازار میں فروخت کر دیں گے اس وجہ سے امتیازِ قیمت کا رواج ہلکے مالوں کے مقابلہ میں بھاری مالوں میں کہیں زیادہ ہے۔

امتیاز برتنے والا خریدار اجارہ۔

بین الاقوامی تجارت میں امتیاز برتنے والا خریدار کم پایا جاتا ہے۔ یہ اتنا بڑا خریدار ہو سکتا ہے جو اپنی خرید سے قیمت کو متاثر کر سکتا ہے اسے خریداری اجارہ کہا جاتا ہے۔ (دیکھیں شکل نمبر 3-9) یہ خریدار ایک بڑی کمپنی ہو سکتی ہے جیسے ڈی بیرس سنڈیکیٹ جس کا بنا تراشے ہوئے ہیروں کے بازار پر تسلط ہے یا یہ سرکاری تجارتی تنظیم ہو سکتی ہے جو بڑی مقدار میں سامان خریدتی ہے۔ یہ اتنی بڑی تنظیم ہوتی ہے جو اپنی خریداری کی قیمت (جو اسے مال کے لیے ادا کرنی پڑتی ہے) پر اثر کو دھیان میں رکھتی ہے۔ اس لیے یہ اپنی خریداری کو رسد کے کم لچکیلے سرچشمہ (بازار) سے ہٹا کر زیادہ لچکیلے سرچشمہ (بازار) سے سامان خریدے گی اور اس طرح اپنی مجموعی لاگت کو کم کرنے کے لیے اول الذکر کی نسبت آخر الذکر بازار میں کم قیمت دے گی۔ دونوں بازاروں

میں رسد کی مختتم لاگتوں کو مساوی رکھے گی۔

واضح رہے کہ مسابقتی خریدار اپنے خرید کے مال کے اپنے پاس پہنچنے تک کی لاگت کو برابر کرتا ہے مختلف مقامات سے ایف۔او۔بی لاگتوں کو نہیں۔ اس کے برعکس امتیاز برتنے والا خریدار اجارہ مختتم لاگت کو مال اپنے پاس پہنچنے کی بنیاد پر برابر کرتا ہے۔ تاجر کو ملنے والی رقم میں نقل وحمل کی لاگت شامل نہیں ہوتی لیکن خریدار کی لاگت میں یقیناً شامل ہوتی ہے۔

بالائی لاگتیں۔

امتیازی قیمت کا تصور جامد لاگتوں کی شکل میں کرنا کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی کمپنی ایک بازار میں اپنی بالائی لاگتوں کو حاصل کر لیتی ہے تو دوسرے بازار میں وہ ایسی کوئی بھی قیمت لے سکتی ہے جو تغیر پذیر لاگتوں سے زیادہ ہو۔ یہ بات اس بیان میں مضمر ہوتی ہے کہ دونوں بازاروں میں مختتم لاگت ایک ہی ہے لیکن بالائی لاگتوں پر توجہ مرکوز کرنے سے سارا دھیان صرف مانگ کی لچک میں اختلافات تک ہی محدود نہیں رہ پاتا۔

امتیاز قیمت کی مخالفت کرنے والے چاہتے ہیں کہ مختلف بازاروں کے بیچ بالائی لاگتوں کی تقسیم ہر ایک بازار میں چیز کی بیچی جانے والی اکائیوں کے لحاظ سے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مختتم لاگت کی بجائے دو بازاروں میں اوسط لاگت برابر رہنی چاہیے۔ اس حالت کی دشواری مشترک رسد سے متعلق سوالات سے عیاں ہو جاتی ہے۔ یہاں بالائی لاگتوں کو ایک یا دوسری چیزوں سے منسلک نہیں کیا جا سکتا۔ قیمت کا تعین مانگ اور مختتم لاگت سے ہوتا ہے اور بالائی لاگتوں کو جہاں بھی ممکن ہو وصول کر لیا جاتا ہے بین الاقوامی تجارت میں اس صورت حال کی سب سے اچھی مثال پٹرول سے تیار کی جانے والی اشیاء کی ہے۔

خام تیل، گیسولین، ہوائی جہازی گیسولین، ڈیزل ایندھن، چکنائیوں، ایندھن کے تیل اور تلچھٹ میں سے ہر ایک کی اوسط لاگت کیا ہو گی۔؟ غالباً مختتم لاگتوں کا حساب لگایا جا سکتا ہے لیکن مشترک بالائی لاگتوں کو کس بنیاد پر تقسیم کیا جائے گا؟ ان کے تاجر اور تاجروں کی طرح بالائی لاگتوں کو ان اشیاء پر ڈال دیتے ہیں جو انھیں بازار میں حاصل کر سکیں۔ ماضی میں بچا ہوا ایندھن تیل اپنے خام تیل کے عنصر کی قیمت سے بھی کم پر بیچا جاتا رہا ہے۔ تا کہ کوئلہ کے

مقابلہ میں وہ بک سکے۔ چونکہ کوئلہ کی قیمت میں اضافہ ہوگیا ہے اس لیے اب تیل کی پیداوار اور صاف کرنے کی بالائی لاگتوں کے ایک حصہ کو بچے ہوئے تیل کی طرف منتقل کرنا ممکن ہوگیا ہے۔ وہ دن ہوسکتا ہے بہت دور نہ ہو جب وہ ضمنی پیداوار جس پر کوئی بالائی لاگت نہیں ڈالی جاتی خاص پیداوار ہو جائے اور اس تمام لاگت یا اس کے ایک حصے کو برداشت کرنے لگے۔ اس قسم کے انتقالِ لاگت کی مثالیں دور ہیں۔ تاپ کوئلہ کے سلسلے میں ملتی ہیں۔ تقریباً 1929 سے فولاد کے لیے تاپ کوئلہ بنیادی پیداوار تھا اور کولتار سے بنائی جانے والی اشیاء ضمنی حیثیت کی حامل تھیں۔ تاہم جنگوں کے بیچ کے عرصے میں جرمنی کی کیمیات اور بم سازی کی صنعتوں کے نشوونما نے تاپ کوئلہ کو ضمنی چیز بنا دیا اور اسے عام ایندھن کے طور پر کسانوں تک کو دیا جانے لگا۔ بالائی لاگتیں جو بیشتر کوک سے منسلک کی جاتی تھیں بعد میں انھیں کولتار سے کیمیائی انبار کی طرف منتقل کر دیا گیا۔

بالائی لاگتوں کے وجود کا نسبتی لاگتوں کے نظریہ پر کیا اثر پڑتا ہے؟ یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ یہ اسے بڑی حد تک بدل دیتا ہے۔ ایک ایسا ملک جسے کسی چیز میں نسبتی برتری حاصل نہیں ہے اسے برآمد کر سکتا ہے بشرطیکہ بالائی لاگتوں کو مقامی بازار پر ڈالا جائے یا دیگر مشترک اشیاء پر۔ اگر ایک ملک کل اوسط لاگت کی بنیاد پر حساب لگائے اور دوسرا اوسط تغیر پذیر لاگتوں کی بنیاد پر تو بین الاقوامی سطح پر لاگتوں کا موازنہ کس طرح کیا جاسکتا ہے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ قلیل مدت میں بالائی لاگتوں کی موجودگی اور ان کی تقسیم کے متعدد امکان سے نسبتی فائدے کے نظریہ سے متعلق سوالات ضرور پیدا ہوتے ہیں۔ درحقیقت یہ اسے نسبتی مانگ کے نظریہ میں تبدیل کر دیتا ہے۔ مانگ ہی سے تو یہ طے پاتا ہے کہ بالائی لاگتوں کو کس چیز سے جوڑا جاسکتا ہے اور کس سے نہیں، اگر ریاستہائے متحدہ میں بچے ہوئے ایندھن تیل اور یورپ میں گیسولین پر پٹرول صنعت کی بالائی لاگتوں کا بہت تھوڑا حصہ پڑتا ہے اور اس لیے ان اشیاء کو برآمد کیا جاسکتا ہے تو اس کا سبب مانگ کی صورت حال کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے[1] لیکن طویل مدت میں بلاشبہ تمام لاگتیں تغیر پذیر ہو جاتی ہیں کیونکہ کارخانے کو پوری

---

[1] طالب علم کو یہ سوچنے کی غلطی نہیں کرنی چاہیے کہ نسبتی فائدہ کا نظریہ اس امکان سے تباہ ہو جاتا ہے کہ دو ملک جامد لاگتوں کو مقامی بازار پر ڈال کر اسی چیز کو باہر ڈمپ کر سکتے ہیں اور اس طرح بھی (باقی صفحہ ۲۰۹ پر)

صلاحیت بروکار آجاتی ہے اور پلانٹ میں توسیع یا اضافے کی ضرورت پڑتی ہے۔

امتیاز قیمت اور پالیسی۔

یہ حقیقت کہ خریدار اور تاجر بازار کی قیمت پر کنٹرول کرسکتے ہیں کسی حد تک سرکاری پالیسی کے لیے الجھن کا باعث بن سکتی ہے۔ تجارتی فرموں کے لیے بھی یہ پریشان کن سوالات اٹھاتی ہے نقل وحمل کی لاگتوں سے بری کامل مسابقت کے تحت ہر ایک خریدار سے ایک ہی قیمت لی جانی چاہیے۔ اس کے علاوہ کامل مسابقت میں بیشترین نفع حاصل کرنے کے لیے ہر ایک فرم کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ آزاد کاروبار والے طبقوں میں سرکاری پالیسی بیشترین نفع اور غیر امتیازی (یکساں) قیمت دونوں مقاصد کو اپناتی ہے۔ لیکن جب کوئی فرم اتنی بڑی ہو جائے کہ اپنی قیمت کو خود اپنے فعل سے متاثر کرسکے تو دونوں مقاصد ہم آہنگ نہیں رہ پاتے۔

اگر غیر کامل مسابقت میں بیشترین نفع اور یکساں قیمت کے اصولوں میں سمجھوتہ نہیں ہوسکتا تو پھر ان دونوں میں سے کس کی حمایت کی جائے؟ اگر سب خریداروں سے ایک ہی قیمت وصول کی جائے تو کمپنی کو کچھ فاضل آمدنی سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ اگر مختلف صارفین سے الگ الگ قیمتیں لی جائیں تو انھیں یہ شکایت ہوتی ہے کہ اشیا تک ان کی پہنچ غیر مساوی ہے یا پھر حریف غیر منصفانہ مسابقت کا شکوہ کریں گے۔ اگر تمام صارفین سے ایک ہی قیمت لی جائے گی تو تاجر کو سب سے زیادہ نفع بخش بازار میں فروخت کو راشن کرنا پڑے گا۔

اس میدان میں نجی طرزِ عمل کے بارے میں اعداد وشمار حاصل کرنا عام طور پر دشوار ہے فرمیں فطری طور پر قیمت کے بارے میں اپنی پالیسیوں کو راز میں رکھنا پسند کرتی ہیں۔ ایک کسی قدر مبالغہ آمیز کہانی میں جو جرنل آف کامرس میں شائع ہوئی تھی ریاستہائے متحدہ میں 136 صنعتی کمپنیوں کی رپورٹ میں پیش کی گئی تھی یہ سروے 1953 میں نیویارک کے ایکسپورٹس منیجرز کلب نے کیا تھا۔ اس سے پتہ چلا کہ:

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۹) چیز ایک دوسرے کو بیچ سکتے ہیں۔ ایک قیمت کے قانون کے سبب ایسا نہیں ہوسکتا اس قانون کا تقاضہ ہے کہ درآمد شدہ چیز اسی قیمت پر بیچی جائے جس پر مقامی پیداوار فروخت کی جاتی ہے۔ کسی چیز میں ڈمپنگ ایک ہی سمت میں ممکن ہے۔ مختلف سمتوں میں ایک ساتھ ڈمپنگ مختلف اشیا میں ہی ہوسکتا ہے۔

70 کمپنیاں یا 50 فی صد دونوں بازاروں میں ایک ہی قیمت رکھتی تھیں۔

10 فی صد کمپنیاں مقامی بکری کے مقابلہ میں غیر ملکی بازاروں میں کم قیمت لیتی تھیں

—قدرے زیادہ تناسب (10 فی صد سے زیادہ) غیر ملکی خریداروں سے زیادہ قیمت وصول کرتی تھیں، ایک اچھی خاصی تعداد (باقی ماندہ 30 فی صد ؟) — لچکیلے قیمتِ نظام کا استعمال کرتی تھیں اور اپنی قیمتوں کو غیر ملکی بازاروں میں مسابقت کی صورت حال کے مطابق بدلتی رہتی تھیں۔

یہ معلوم کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے کہ یہ نمونہ کس حد تک تیار مصنوعات یا کل درآمدات کی مناسب نمائندگی کرتا ہے یا جن کمپنیوں نے کم یا زیادہ قیمتیں رکھیں انھوں نے ایسا مستقل پالیسی کے طور پر کیا یا صرف سروے کے وقت ان کی یہ پوزیشن تھی اور انھیں بنیادی طور پر "لچکیلے نظامِ قیمت" کا پیرو قرار دیا جا سکتا تھا لیکن مجموعی طور پر یہ نمونہ صورت حال کی کتنی بھی صحیح عکاسی کیوں نہ کرتا ہو اس سروے سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ 138 نجی فرموں کے درمیان پالیسی کے اختلافات موجود تھے۔

اس میدان میں مزید تحقیقات کی ضرورت ہے۔ لیکن کم از کم یہ امر بالکل واضح ہے کہ غیر ملکی بازار میں قیمت کا تعین کرنے میں تجارتی پالیسیاں اکثر و بیشتر کسی اصولی نوعیت کی نہیں ہوتیں، ایک ایسی کمپنی جو زیادہ تر ملک کے اندر کام کرتی ہے اور صرف کبھی کبھار ہی اپنا مال باہر بھیجتی ہے غیر ملکی فروخت کے بارے میں غالباً زیادہ "لچکیلی" قیمت پالیسی کا استعمال کرے گی۔ مثال کے طور پر مئی 1962 میں ریاستہائے متحدہ فولاد کمپنی نے فولاد کی قیمت میں جو مشہور اضافہ کیا تھا (اور جسے صدر کینیڈی کی ناراضگی کی وجہ سے منسوخ کر دیا گیا تھا) اس کا اطلاق گھریلو بکری پر ہی ہوتا تھا غیر ملکی فروخت پر نہیں۔ یورپ میں کاروں کی قیمتوں میں مقامی اور بیرونی بکری کے لیے الگ الگ تبدیلیاں کی گئی تھیں اور 1964 میں جب واکس ویگن کی قیمتوں میں مقامی خریداروں کے لیے اضافہ کیا گیا اور غیر ملکیوں کے لیے ان کی قیمت وہی رہی تو وزیر اعظم لڈوگ ارہارڈ نے بھی اس وقت ایسے ہی ردعمل کا اظہار کیا تھا۔ جیسے جیسے ملکی اور غیر ملکی بکری کا تناسب برابر ہونے لگتا ہے پالیسی یکساں قیمت کے حق میں بدلنے کا رجحان رکھتی ہے تاہم مقامی بازار کے مقابلہ میں غیر ملکی بازار بہت بڑا ہونے کی صورت میں دونوں بازاروں میں قیمتوں کو آزادانہ طور پر مقرر کیا جا سکتا ہے۔ دونوں قیمتوں میں مزید اختلافات کا انحصار غیر ملکی بکری کے حجم،

صنعت کے رواج، سرکاری پالیسیوں اوراسی طرح کے عوامل پر ہے۔ مثال کے طور پر 1949 میں برطانوی سکہ کی سرکاری قیمت میں کمی کیے جانے کے وقت یہ بات سامنے آئی کہ بعض برطانوی کمپنیاں یہ سمجھتی تھیں کہ ان کی اشیاء کی قیمت اسٹرلنگ میں مقرر ہے اور ابتداءً انھوں نے اپنی چیزوں کی ڈالر قیمتوں کو اسی قدر کم کر دیا جتنی پونڈ اسٹرلنگ کی سرکاری قیمت کم کی گئی تھی۔ یہ بات بہت سی مصنوعات جیسے لان ہموار کرنے والی مشینوں، کاروں، بائیسکلوں وغیرہ کے بارے میں دیکھی گئی۔ جیسے جیسے لاگتوں میں اضافہ ہوا اشیاء کی اسٹرلنگ قیمتیں بڑھنے لگیں اور ان کی ڈالر قیمتیں بڑھ کر پرانی سطح پر آنے لگیں لیکن دوسری اشیاء کے معاملے میں مثلاً اسکاچ وہسکی۔ یہ تسلیم کیا گیا کہ ان کی قیمت غیر ملکی بازار میں طے ہوتی تھی اور مقامی قیمت میں اضافہ کیا یا نہ کیا جاتا اس بات پر منحصر تھا کہ رواج یکساں قیمتوں کا تھا یا آزادانہ قیمتوں کا۔

الگ الگ بازاروں میں یکساں قیمتیں خواہ (خالص) بکری کے لیے ہوں یا خرید نقل وحمل کی لاگتوں کو ملاکر) کے لیے امتیاز کو ختم نہیں کر دیتیں گو یہ اتنا معمولی رہ جاتا ہے کہ قیمتیں مسابقتی سطح کے قریب پہنچ جاتی ہیں۔ مسابقتی حل میں قیمتیں بالکل برابر ہوتی ہیں ——— اور مختتم یافت اور مختتم لاگتیں بھی مساوی ہوتی ہیں۔ جب دونوں بازاروں میں لاگتیں مختلف ہوتی ہیں یا مانگ کے قوسوں کا ڈھال مختلف ہوتا ہے تو دونوں بازاروں میں مختتم یافت کو برابر کرنے سے (یہاں ہم اپنی بحث بکری تک محدود کر رہے ہیں) مختلف قیمتیں ظہور میں آئیں گی اور قیمتوں کو برابر رکھنے سے ماحصل مختلف ہو جائیں گے تھوڑا بہت امتیاز ناگزیر ہے۔ یکساں قیمت کے ساتھ بازاروں کا رشتہ کا نتیجہ عام طور پر معمولی امتیاز کی شکل میں سامنے آتا ہے۔

امتیازی قیمت پر اعتراض دراصل اجارہ پر اعتراض کے مترادف ہے۔ اس سے اس ملک کے خریدار کو نقصان پہنچتا ہے جہاں مانگ کم لچکیلی ہوتی ہے۔ معاشی تعاون کے انتظامیہ نے اس زیورلی، رواج کی مذمت کی جس کے تحت برآمدی تجارت سے گھریلو بکری کے مقابلہ میں فولادکی زیادہ قیمت وصول کی جاتی تھی۔ اس رواج کی وجوہات یہ تھیں۔ (۱) معاشی اعتبار سے نفع کو بیشترین کرنے کے لیے (2) گھریلو قیمتوں کی سطح کو نیچا رکھنے کی غرض سے اور (3) ملک میں فولاد کا استعمال کرنے والی صنعتوں کی مسابقتی حالت کو بہتر بنانے کے لیے بہرحال اس پالیسی کے جو اثرات مرتب ہوئے وہ یہ تھے۔ فولاد فروخت کرنے والے ملکوں نے بہت کم فولاد پیدا کیا ——— تمام اجاروں پر یہ اعتراض ہے ... اس سے ان کے وسائل کا

غیر معاشی استعمال ہوا۔ غیر ملکی فولاد استعمال کرنے والی صنعتوں پر اونچی لاگتیں غیر مناسب طور پر لاد دی گئیں، اور فولاد درآمد کرنے والے ملکوں میں اس صنعت کو قائم کرنے یا نوسیع دینے کا خیال پروان چڑھا جو معاشی لحاظ سے ٹھیک نہیں تھا۔

اگرچہ ریاستہائے متحدہ کی حکومت نے معاشی تعاون انتظامیہ کی وساطت سے دوہری قیمتوں پر اعتراض اٹھایا تاہم تجارت ذریف پر عام سمجھوتے کے اندر کسی ملک نے اس معاملہ میں اصرار نہیں کیا۔ حکومتوں پر زور دیا گیا کہ وہ مسابقتی انداز کو فروغ دیں لیکن نجی صنعت پر ایسی کوئی پابندی عاید نہیں کی گئی۔ ایسا کرنا ممکن بھی نہیں تھا کیونکہ یہ قطعی واضح نہیں ہے کہ فرم تذبذب کے جانور کے دو سینگوں یکساں قیمت اور بیشترین نفع میں سے کسے ترجیح دے۔

بعض بڑی فرمیں قلیل مدتی نفع کو نہیں بلکہ طویل مدتی منافع کو بیشترین کرنے کے لیے کام کرتی ہیں۔ اس کے لیے امتیازی قیمتوں کے مقابلہ میں یکساں قیمت بہتر ہو سکتی ہے۔ یکساں قیمت غیر ملکی حکومتوں کو جوابی کاروائی یا ضرر رساں عمل کے لیے کوئی جواز فراہم نہیں کرتی۔ یہ انصاف پر مبنی معلوم ہوتی ہے۔ خریدار غیر مساوی برتاؤ کی شکایت نہیں کر سکتے۔ حریف نامعقولیت کا الزام عاید نہیں کر سکتے۔ یہاں تک کہ ٹیکس عاید کرنے والے بھی اپنے سامنے صورت حال کو بالکل صاف پاتے ہیں۔ یہ آخری نکتہ سعودی عرب کی حکومت کی کارروائی سے سامنے آیا۔ اس نے اس اس بنا پر اعتراض اٹھایا جو عربین، امریکن آئل کمپنی تیل کی بحری پر اپنی مالک کمپنیوں کو دیتی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ کمپنی کے منافع جن پر حکومت آمدنی ٹیکس ... تی تھی درحقیقت باہر منتقل کیے جا رہے تھے۔ تمام گاہکوں سے ہمہ وقت ایک ہی قیمت لینے سے ساکھ میں اضافہ ہونے کے باعث لمبے عرصے میں منافع بیشترین ہو جاتا ہے۔ اس وقت ہی جب قلیل مدتی منافع امکانی اونچائی پر پہنچ جاتا ہے۔

ڈمپنگ اور الٹا ڈمپنگ

بین الاقوامی تجارت میں مختلف بازاروں میں مختلف قیمتیں وصول کرنا ڈمپنگ کہلاتا ہے۔ یہ لفظ بدقسمت ہے۔ اس کے استعمال کی ابتدا اس وقت ہوئی جب کوئی صنعت کار مق... ۱۹ ار میں قیمت کو گرنے سے روکنے کے لیے اپنی فاضل ... سرایہ . بازار میں جہاں

وہ عام طور پر مال نہیں بیچتا تھا ' ڈمپ ' کرتا تھا۔ بعدازاں اور کسی وجہ سے نہیں بس الفاظ کے استعمال میں محتاط نہ رہنے سے دو بازاروں میں کسی چیز کو مختلف قیمتوں پر بیچنے کا فعل ' ڈمپنگ ' کہلایا جانے لگا۔ اگر صنعت کار باہر کی نسبت گھریلو بازار میں اپنی چیز کی قیمت زیادہ رکھتا ہے تو اسے " الٹا ڈمپنگ " کہتے ہیں اور یہ نام دینے سے متعلق حماقت کی انتہا ہے۔ اس اصطلاح سے یہ خیال ذہن میں ابھرتا ہے کہ اب ' ڈمپنگ ' ملک کے اندر کیا جا رہا ہے۔

ڈمپنگ امتیازِ قیمت کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کا استعمال اس وقت کیا جاتا ہے جب گھریلو بازار کے مقابلہ میں باہر مانگ زیادہ لچکیلی ہوتی ہے۔ اس کے رونما ہونے کی واحد وجہ گھریلو بازار میں اجارہ دارانہ عنصر کی موجودگی ہوتی ہے۔ ' الٹے ڈمپنگ ' میں باہر کی نسبت مانگ گھریلو بازار میں زیادہ لچکیلی ہوتی ہے۔ خواہ اس کا سبب یہ ہو کہ ملک کے مقابلہ میں باہر مسابقت زیادہ نہیں ہے یا کوئی اور۔ ایسی صورت میں غیر ملکی بازار میں مانگ کی لچک کے نقدان کا فائدہ اٹھانے کے لیے وہاں ملک کی نسبت زیادہ قیمت رکھی جا سکتی ہے اور دونوں بازاروں کی مختتم یافت میں توازن رکھا جا سکتا ہے۔

بعض صورتوں جیسے فولاد کی صنعت میں غیر ملکی اور مقامی قیمتیں الگ راہیں اختیار کرتی ہیں اور ریاستہائے متحدہ کی صنعت حسب موقع ' ڈمپ ' یا ' الٹا ڈمپ ' کرتی ہے۔ ریاستہائے متحدہ سے باہر ڈالر (کی شکل میں) قیمتیں مقامی قیمتوں کے مقابلہ میں زیادہ اتار چڑھاؤ کا مظاہرہ کرتی ہیں کبھی وہ ملک کے اندر کی قیمتوں سے زیادہ ہوتی ہیں اور ' الٹا ڈمپنگ ' ہوتا ہے کبھی وہ نیچی ہوتی ہیں اور بازاروں کی پوزیشن کو صرف ڈمپنگ کے ذریعہ قائم رکھا جا سکتا ہے۔

ڈمپنگ کی مختلف اشکال میں امتیاز کیا گیا ہے۔ یہ کبھی کبھار ' کینہ توز ' اور مستقل ہو سکتا ہے کبھی کبھار یا عارضی ڈمپنگ اس وقت کیا جاتا ہے جب کوئی کمپنی اپنی اشیاء کو بیچ نہیں پاتی اور اپنے بازاروں کو نقصان پہنچائے بغیر فاضل اسٹاک سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اس کا استعمال وہ کمپنیاں کرتی ہیں جو خاص طور پر غیر ملکی بازاروں سے الگ رہتی ہیں اور جن کے پاس بعض اوقات مال کا اسٹاک اتنا زیادہ ہو جاتا ہے کہ وہ اسے اپنے عام ذرائع سے حسب معمول بیچنے کی امید نہیں رکھتیں۔ کسی ایسی کمپنی کے لیے مقامی مانگ کے مقابلہ میں غیر ملکی مانگ زیادہ لچکیلی ہوتی ہے ملک میں وہ اپنی نیم اجاری پوزیشن کو بنائے رکھنا چاہتی ہے۔ یا اس خیال میں اشیاء کی لاگت تو پہلے ہی ڈوب چکی ہوتی ہے (یعنی نقل و حمل کی لاگتوں کو ملا کر مختتم لاگت صفر ہوتی ہے)

اس لیے تاجر جو کچھ بھی اُن کے لیے مل جائے اس پر انھیں فروخت کر کے نقصان کو کم کیا جا سکتا ہے۔

کثیر توزیا ضرر رساں ڈمپنگ میں مال نقصان اٹھا کر فروخت کیا جاتا ہے (یہ نقصان اوسط لاگت سے ناپا جاتا ہے مختتم لاگت سے نہیں) تاکہ کسی بازار میں گھسا جا سکے، مسابقت کو ختم کیا جا سکے یا کوئی دیگر کم مدتی مقصد حاصل کیا جا سکے۔ بازار قائم ہو جانے یا مسابقت پر قابو پا لینے کے بعد قیمتوں میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ ریاستہائے متحدہ کے صنعت کار غیر ملکیوں پر اکثر اس طرح کی قیمت پالیسیاں اختیار کرنے کا الزام لگاتے ہیں۔ ان الزامات کو ثابت کرنا دشوار ہے۔ 1814 میں پابندی ہٹا لیے جانے کے بعد امریکہ کے سوتی ملوں نے برطانیہ کے برآمد کرنے والوں پر یہ الزام لگایا کہ وہ ان کے کاروبار کو چوپٹ کرنے کے لیے امریکی بازار میں 'ڈمپنگ' کر رہے ہیں۔ اس سے قطع نظر کہ اس الزام میں کتنی صداقت تھی اس نے 1816 کے ٹریف ایکٹ کے پاس کیے جانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔

کسی چیز کو بازار میں چلانے کے لیے قیمت میں کمی کر دینا صرف ایک طریقہ ہے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اشتہار بازی، تقسیم کے نظام کے قیام اور نئے بازار میں چیز کو مقبول بنانے کے لیے اخراجات میں اضافہ کیا جائے۔ فروخت کی دیر بڑھی ہوئی لاگتیں اپنے اثر میں تقریباً بالکل ویسی ہی ہوتی ہیں جیسے ضرر رساں ڈمپنگ بس 'ضرر رساں' کی صفت کو اس کی عام مذمت کی آئینہ دار ہے غائب ہو جاتی ہے۔

مستقل ڈمپنگ اس صورت میں رونما ہوتا ہے جب کوئی تاجر ایک بازار میں دوسرے کی نسبت لگاتار چیز کو کم قیمت پر فروخت کرتا ہے۔ ایسا عام طور پر اس وقت ہوتا ہے جب بالائی لاگتوں کے لحاظ سے کوئی فرم دو بازاروں کو مختلف تصور کرتی ہے۔ مثال کے طور پر فرض کیجیے کہ اوسط کل لاگتوں کے مقابلے میں اوسط تغیر پذیر لاگتیں کم ہیں اور اوسط بالائی لاگتوں کو مقامی بازار میں پورا کیا جا سکتا ہے۔ غیر ملکی بازار میں مختتم لاگتوں سے اوپر کسی بھی قیمت پر زیادہ مال فروخت کرنے سے فرم کے نفع میں اضافہ ہوگا۔ ایسی صورت میں کسی بھی فرم کے لیے مستقل ڈمپنگ سود مند ثابت ہو سکتا ہے اس کی ایک مثال فلم انڈسٹری ہے جس میں 1948 سے پہلے بہت سی فلموں کی لاگت ریاستہائے متحدہ میں نمائش سے نکل آتی تھی وہاں مختتم لاگتیں بہت کم تھیں خاص طور پر تب سے جب ٹریڈ ٹریک کی ضرورت نہ ہونے پر تقریباً کسی بھی قیمت پر غیر ملکی بکری سے نفع میں اضافہ ہوتا تھا۔ بازار خطے کے بیچ بالائی لاگتوں کی

تقسیم ان میں بیچی گئی مقدار کے لحاظ سے نہیں کی جاتی اور مستقل ڈمپنگ فرم کے لیے نفع بخش ہو سکتا ہے۔ بیشتر ماہرین معاشیات کی رائے میں لگاتار ڈمپنگ سے درآمد کرنے والے ملک کو فائدہ پہنچتا ہے اور برآمد کرنے والے ملک کو نقصان، کیونکہ وہاں صارفین سے اجارہ قیمت وصول کی جاتی ہے۔ مقامی تجارت میں اس سے مشابہ ایک مشہور کیس ہے جس سے بعض طالب علم واقف ہوں گے۔ بوسٹن میں فلن کا تہہ خانہ ہے جس میں قائم ڈیپارٹمنٹ اسٹور انتہائی کم داموں پر سامان فروخت کرتا ہے۔ یہ اشیا سارے ملک میں ان سوداگروں سے خریدی جاتی ہیں جو اپنے علاقوں میں مقامی قیمت کو گرنے سے روکنے کے لیے زائد مال کو اونے پونے داموں اس اسٹور کو بیچنا پسند کرتے ہیں۔

عام حالت میں ڈمپنگ اور الٹا ڈمپنگ، گھریلو بازار کے مقابلہ میں مجموعی طور پر غیر ملکی بازار سے وابستہ سمجھا جاتا ہے۔ برآمدات کے میدان میں امتیازِ قیمت بالکل اسی طرح کام کرتا ہے جیسے درآمدات کے بارے میں سب سے زیادہ مراعات والی قوم کی دفعہ کی موجودگی میں ترلیف۔ ترلیف (یا درآمدی امداد) غیر ملکی درآمدات کے مقابلہ میں مقامی درآمدی کی نسبتی قیمت بدل دیتے ہیں۔ امتیازِ قیمت جو تمام غیر ملکی بازاروں کو ایک تصور کرتا ہے ملک کے اندر اور باہر دونوں جگہ نسبتی قیمتوں میں تبدیلی کا سبب بن جاتا ہے۔

امتیازِ قیمت کو جو مختلف برآمدی بازاروں میں مانگ کی لچک میں اختلاف کا فائدہ اٹھاتا ہے "تفریقی ڈمپنگ"، کہا جا سکتا ہے۔ یہ تقریباً اس امتیازی ترلیف سے ملتا جلتا ہے جس میں مختلف ملکوں سے آنے والی درآمدات پر ترلیف کی مختلف شرحوں کو نافذ کیا جاتا ہے۔ فرم کا توازن حاصل کرنے کے لیے مختتم یافت کو ہر ایک بازار میں برابر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کا مطلب ہوتا ہے متعدد مختلف قیمتیں۔ تاہم بازار کے نقطۂ نظر سے وہ ڈمپنگ جو صرف مقامی اور غیر ملکی بازار میں فرق کرتا ہے اس ڈمپنگ کی نسبت کم امتیاز بردار ہوتا ہے جو برآمدی بازار کے مختلف حصّوں میں فرق کرتا ہے۔

بیشتر ماہرینِ معاشیات ڈمپنگ کو ایک خبیث پالیسی قرار دیتے ہیں جس کی مذمت ترلیف سے کہیں زیادہ کی جانی چاہیے۔ یہ مصنفین بنا سوچے سمجھے حکومت کے لیے تو اپنے شہریوں اور غیر ملکیوں کے بیچ امتیاز برتنے کو جائز قرار دیتے ہیں (بشرطیکہ وہ غیر ممالک کے بیچ فرق نہ کرتی ہو) لیکن کسی فرم کو بھی کام کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ حکومت کی مداخلت کو عام مفاد میں

سمجھا جاتا ہے چاہے اس کا مقصد کسی نجی مفاد کی سرپرستی ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے برعکس ان کی رائے میں ایسا تاجر جو امتیاز کر سکتا ہو کامل یا جزوی طور پر اجارہ دار ہے اور اپنے ذاتی نفع کے لیے کام کرتا ہے۔

ڈمپنگ کے خلاف تجارتی پابندیاں۔

ملکوں کی ایک بڑی تعداد ان اشیاء پر بطور جرمانہ ٹریف یا کوٹے نافذ کرتی ہیں جنھیں ان کے خیال میں باہر سے ان کی حدود میں ڈمپ کیا جا رہا ہے۔ اس مقصد کے لیے ڈمپنگ کی تعریف عام طور پر ایف۔ او۔ بی امتیازی قیمت کی شکل میں نہیں کی جاتی بلکہ اسے اوسط پیدا واری لاگتوں سے کم رقم پر فروخت قرار دیا جاتا ہے۔ اس بارے میں حقائق کا پتہ لگانا ہمیشہ دشوار رہتا ہے لیکن اس کے علاوہ بھی یہ ایک قابل اعتراض نظریہ ہے۔ دائمی ڈمپنگ کے حق میں معاشی دلیل کو ابھی ابھی پیش کیا جا چکا ہے۔ عارضی ڈمپنگ جو بچی فاضل اشیاء کو کسی غیر ملکی بازار میں دھکیل دیتا ہے صریحی طور پر تاجروں کے لیے اتنا ہی پریشان کن ہو سکتا ہے جتنا کوئی مسابقتی صورت لیکن بالکل واضح طور پر صارف کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ غالباً سب سے زیادہ خوف کا باعث ضرر رساں ڈمپنگ ہے۔ دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ غیر ملکی تاجر مقامی حریف کو بازار سے بھگا دیتا اور پھر قیمت کو پہلے سے بھی زیادہ اونچا کر کے صارف کا خون چوستا ہے۔

بہر حال سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قیمت میں دوبارہ اضافہ ہو جانے کے بعد مقامی حریف جسے باہر بھگا دیا گیا تھا اس صنعت میں جواب پھر نفع بخش ہو گئی ہے دوبارہ داخل نہیں ہو سکتا؟ اگر ہو سکتا ہے تو لوٹ کا امکان ختم ہو جاتا ہے اگر نہیں تو کیوں نہیں؟ ممکن ہے ضرر رساں ڈمپنگ کرنے والے نے بڑے پیمانے کی بچتیں حاصل کر لی ہوں اور قیمت کو دائمی طور پر کم رکھ سکتا ہو۔ اس سے دلیل کا رخ واپس دائمی ڈمپنگ کی جانب ہو جاتا ہے جو غالباً سود مند ہوتا ہے۔ یہ بھی سوچا جا سکتا ہے کہ نظام واقعات کو دوسری سمت میں پلٹنے کی اجازت نہیں دیتا اس لیے بھگائے ہوئے تاجر قیمت میں کافی اضافہ ہو جانے کے بعد بھی واپس نہیں لوٹ پاتے لیکن یہ بات از خود واضح نہیں ہے۔

لاشعوری طور پر پیدا دار کرنے والوں کی طرف داری۔ تو ہم میں سے اکثر کرتے ہیں اور

یہ ہمیں ذہنی طور پر تاجر نواز بنا دیتی ہے۔ ڈمپنگ مخالف اقدامات کو سرا نے میں پیش پیش رہتی ہے! ریاستہائے متحدہ نے گریز دفعہ کے تحت ڈلٹن غالیچوں اور مسطح شیشے کی ترجیحی مراعات ختم کر دی تھیں۔ یورپین اکنامک کمیونٹی نے جوابی کارروائی کے طور پر پولی تھلین (پلاسٹک) پر ٹریف عاید کر دیے جس کے بارے میں امریکی کیمیادی صنعت پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ وہ اسے یورپ میں ڈمپ کر رہی ہے۔ یہ شاعرانہ انصاف کی ایک مثال ہے۔

لیکن بین الاقوامی تجارت کے نظریاتی ماہرین کو اپنی فطرت کے آگے جلدی سے ہتھیار ڈالنے میں محتاط رہنا چاہیے۔ مفروضہ ڈمپنگ کے خلاف کیے جانے والے اقدامات نہایت مضر ہوتے ہیں کیونکہ وہ بین الاقوامی بازاروں کی لچک اور تجارت سے ہونے والے نفع کو کم کر دیتے ہیں۔ 1846 سے 1913 تک برطانیہ نے آزادانہ تجارت کی پالیسی کو اپنائے رکھا اس عرصے میں دنیا کا کوئی بھی ملک پریشان کن فاضل اشیاء سے لندن کے بازار میں چھٹکارا حاصل کر سکتا تھا جو اس وقت دنیا کے لیے فلتن کا تہہ خانہ تھا اس سے لندن کے صارف اور دنیا کے پیداوار کنندگان دونوں کو فائدہ پہنچتا تھا۔ اب تمام دنیا میں ڈمپنگ مخالف ترنیوں کا بول بالا ہے اس لیے اندازے کی غلطی سے پیداوار ضرورت سے زیادہ ہو جانے پر مسئلہ کا حل اتنی آسانی سے نہیں نکل پاتا۔

بیسنگ پوائنٹ نظام

امتیاز قیمت کی ایک مخصوص شکل جس سے بڑی غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔ بیسنگ پوائنٹ کے نظام اور اس کی مختلف اقسام سے متعلق ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ معاشی توجہ کا مرکز مختلف صارفین کے لیے نقطۂ پیداوار پر یکساں قیمتیں ہوتی ہیں اس کے برعکس بیسنگ پوائنٹ نظام کی تشکیل اس مقصد سے کی گئی ہے کہ پیداوار کے مختلف نقاط سے خریداروں کو اشیاء ایک ہی (مساوی) قیمت پر ملیں۔ معاشی کے لحاظ سے "مسابقتی" قیمت کی کسوٹی یہ ہے کہ ہر ایک مل سے مختلف صارفین کو اشیاء کی ایک ہی قیمت دینی پڑے۔ بیسنگ پوائنٹ سسٹم کو اس کی کسی بھی شکل میں استعمال کرنے والے تاجر کے لیے مسابقت کی جان یہ ہے کہ مختلف ملوں سے ہر ایک صارف کو مہیا کی جانے والی چیز کی قیمت برابر ہو۔

بیسنگ پوائنٹ سسٹم میں کسی مجوزہ بازار کے لیے قیمت کا حساب لگانے کے لیے کسی مقررہ نقطے

یا لج چارک کی قیمت کو لے کر اس میں اس نقطہ سے مال کی آخری منزل تک لے جانے کی لاگت جوڑ دی جاتی ہے خواہ اشیا کسی بھی مقام پر پیدا کی جا رہی ہوں۔ اگر درحقیقت اشیا ر کو بیسنگ پوائنٹ سے زیادہ فاصلے سے مہیا کیا جا رہا ہے تو مال فروخت کرنے والی کمپنی کو کرایہ برداشت کرنا ہوتا ہے یعنی نقل و حمل کی لاگت کے اس حصہ کو جو بیسنگ پوائنٹ سے حساب لگائی گئی لاگت سے زیادہ ہوتا ہے۔ اگر اشیا ر ایسے نقطہ پر پیدا کی جا رہی ہوتی ہیں جو بیسنگ پوائنٹ کی نسبت صارف کے قریب ہوتا ہے تو صارف کو "غیر حقیاتی کرایہ" یعنی نقل و حمل پر جو خرچ نہیں ہوا ہے ادا کرنا پڑتا ہے۔ بیشتر تاجر یہ تسلیم کرنے کو تیار ہیں کہ کرایہ برداشت کرنے کی نسبت غیر حقیاتی کرایہ وصول کر لینا قدرے کم مناسب فعل ہے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حسب رواج کوئی بیسنگ پوائنٹ قائم نہیں کیا جاتا۔ بلکہ پیدا دار کے دو یا اس سے زیادہ ایسے مرکز مقرر کر دیے جاتے ہیں جو اس چیز کو بیچنے کا کام انجام دیتے ہیں۔ جن میں کرایہ کل لاگت کا ایک اہم جز ہوتا ہے۔ یہاں قریبی صارفین اور ان صارفین کے معاملہ میں جو دوسرے مل سے مخالف سمت میں رہتے ہیں ہر ایک صنعت کار کو اجارہ دارانہ حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ جیسے جیسے ہر ایک مل سے صارفین کا فاصلہ زیادہ ہوگا مہیا کی جانے والی چیز کی لاگتوں میں اضافہ ہوگا تا وقتیکہ ہم اس حد فاصل کو پار ہی نہ کر جائیں جو دو بازاروں کو الگ کرتی ہے۔ اس صورت حال کو شکل نمبر ۹.۷ میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کا آغاز A مل اور B مل کی قیمتوں سے ہوتا ہے جنھیں مساوی تصور کیا جا سکتا ہے۔

اس صورت میں مسابقت دو شکلیں اختیار کر سکتی ہے۔ مل B خط x x کی A کی طرف والی جگہ میں صارفین کو کسی نقطہ مثلاً T پر مال مہیا کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ A کی قیمتیں ہی وصول کرے۔ یا B اپنے سب صارفین کے لیے ایک دم قیمتیں کم کر دے اس سے مذکورہ خط بائیں ہٹ کر x'' x'' ہو جائے گا پھر وہ دونوں خطوط کے درمیانی علاقے میں اپنا مال A سے کم قیمت پر فروخت کر سکتا ہے۔

تاجر پہلے طریقہ کو مسابقتی تصور کرتا ہے کیونکہ اشیا ر کا تیام پیدا دار خواہ کچھ بھی ہو صارفین سے مساوی قیمتیں لی جا رہی ہیں۔ معاشی کی نظر میں یہ طریقہ امتیاز بردار ہے کیونکہ یہ نقطہ T پر واقع صارف کو B کے باقی صارفین کے مقابلہ میں رعایت دیتا ہے۔ ایسا قیمت کو ایف۔ او۔ بی۔ مل پر رکھنے پر ہوتا ہے۔ قیمت لینے کے اس طریقہ کو معاشی امتیاز قیمت کی غیر اقتصادی نوعیت کی

بنیادی مثال قرار دیتا ہے۔ T نقطہ پر A سے مال مہیا کرنے میں اس طریقہ سے نقل وحمل کی لاگتیں بچ جاتی ہیں۔ B سے T کو اشیاء لے جانے میں مسافت دوہری ہو جاتی ہے اور یہ وسائل کے رائیگاں جانے کا کھلا ثبوت ہے۔ مشرق سے مغرب کی طرف T کو جانے والی اشیاء راستے میں ان اشیاء کے پاس سے گذرتی ہیں جو مغرب سے مشرق کی طرف A کے ان گاہکوں کو جاتی ہیں جو x—x کی بائیں طرف ہیں۔

اس کے برعکس تاجر کو یکساں الیف۔او۔بی قیمتوں کا نظام غیر مسابقتی معلوم ہوتا ہے۔ خط x—x کے مغرب اور مشرق کی جانب ہر ایک مل کے اپنے صارفین ہوتے ہیں۔ اور دوسرے مل کے علاقے میں A یا B اپنی کسی بھی فاضل پیداوار کو مسابقتی قیمتوں پر فروخت نہیں کر سکتا۔ اس کے مقابلہ میں معاشی یہ خیال پیش کرتا ہے کہ خط فاصل x—x کی زد میں آنے والا پورا علاقہ مسابقت بردار ہوتا ہے۔ اگر B فاضل مال تیار کرتا ہے یا اپنی لاگتوں کو گھٹا دیتا ہے تو رفاع عامہ کا تقاضہ یہ ہے کہ B مل پر قیمت کو کم کر کے اس حقیقت کو تسلیم کیا جائے۔ اس سے B کے تمام موجودہ گاہک برابر مستفید ہوں گے اور A سے کچھ گاہک جو اب الیف۔او۔بی مل کے تحت B کے بازاری حلقے میں پڑتے ہیں B کو منتقل ہو جائیں گے۔ اگر اس دلیل کو ایسی انتہائی صورت دی جائے جس میں قیمتوں کا تعین کرنے کے لیے ہر ایک گاہک ایک الگ بنیاد بن جائے تو A کے لیے اپنے تمام گاہکوں سے ایک ہی قیمت لینا ممکن ہو جائے گا۔ وہ نقل وحمل کی ان حقیقی بچتوں پر دھیان نہیں دے گا جو صرفی صنعتوں کو مل کے قریب قائم کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔

بین الاقوامی تجارت میں بیسنگ پوائنٹ یا علاقائی اجارہ دارانہ مسابقت کی مثالیں تیل، سمنٹ، فولاد، کوئلہ اور ایسی ہی معیاری وزنی اشیاء میں ملتی ہیں۔ مثال کے طور پر تیل میں عالمی نظام قیمت میں خلیج میکسیکو بنیاد ہوا کرتی تھی۔ تمام دنیا میں تیل مہیا کرنے کی قیمتیں "خلیج جمع" کے حساب سے ہوا کرتی تھیں یعنی خلیج قیمت میں کرایہ جوڑ دیا جاتا تھا۔ جب رسد یا مانگ کی شرائط میں بنیادی تبدیلی ہو جاتی ہے تو کسی نئے بیس کو اختیار کرنے کے لیے تاجر کو عبوری طور پر اس وقت تک کرایہ برداشت کرنا پڑ سکتا ہے جب تک تجارت کی نئی ہیئت نمایاں اور مستحکم نہ ہو جائے۔

خام تیل کو لیجیے۔ ابتداء میں جب خلیج فارس کی رسد محدود بازار رہا نگ کی ضرورت

ہی پوری کرسکتی تھی تو وہاں قیمت خلیج میکسیکو کی قیمت میں کرایہ جوڑ کر نکالی جاتی تھی اسے شکل نمبر 9.5 میں غیر شکستہ خط سے دکھایا گیا ہے۔ (اس خاکے میں حقیقت کے برخلاف یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ (ا) جغرافیائی اعتبار سے مختلف پیداواری اور صرفی نقاط ایک ہی خط پر پڑتے ہیں۔ (ب) کرایہ فاصلے کے تناسب سے مقرر ہوتا ہے اور (د) وقت کے ساتھ کرائے کی شرحوں میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ تجزیاتی مقاصد کے لیے پہلے دو مفروضے کافی حد تک حقیقت کے قریب ہیں لیکن کرایہ قیمتوں کے ڈھانچے اور ان میں تبدیلیوں سے پیدا ہونے والے مسئلوں پر یہاں غور کیا جائے گا)۔ جب تک خلیج فارس صرف ہندوستان کی ضرورت کو کلی یا جزوی طور پر پورا کرسکتی تھی نظام قیمت کو خلیج میکسیکو جمع سے ہٹانے کی کوئی حاجت نہیں تھی۔ نفع ملنے لگا جب خلیج فارس کی پیداوار بڑھی اس قیمت کی وجہ سے زیادہ پیداوار میں اضافہ ہوا۔ اور بکری میں اضافہ کرنے کے لیے خاص چھوٹیں پہلے امریکی بحریہ اور دیگر گاہکوں کو دی گئیں۔ جب خلیج میکسیکو سے دور دراز علاقوں کے بازاروں پر خلیج فارس کے علاقے چھاگئے تو اس کی فروخت قریب کے علاقوں تک محدود رہ گئی۔ اس وجہ سے کرایہ برداشت کرنا پڑا۔ یا قیمت خلیج میکسیکو جمع خلیج فارس تک کرایہ کی بنیاد پر مقرر کی گئی یا مثلاً بحیرۂ احمر کے مشرقی کنارے کے لیے کم کرایہ جوڑا گیا۔ کچھ عرصے کے بعد اور تاریخی اعتبار سے یورپین کو آپریشن ایڈمنسٹریشن کے دباؤ کے ساتھ خلیج فارس کے لیے آزادانہ بنیاد پر مندرج قیمت کا جداگانہ وجود رد بنا ہوا۔ اسے شکل نمبر 9.5 میں سب سے اوپر کی شکستہ لائن سے دکھایا گیا ہے۔ اس طرح مقامی رعایتیں اور کرایہ کی برداشت وہ عارضی اقدامات تھے جنھیں قیمت میں ہمہ گیر تبدیلی کی بجائے استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ تبدیلی بڑی ہوتی پڑتی مثلاً اگر خلیج فارس کے ملک یورپ کے مغربی کنارے، مثلاً برطانوی بازار میں مغربی کرۂ ارض سے مسابقت کرتے تو انھیں یورپ کے مغربی کنارے سے خلیج فارس تک (یعنی T سے W تک) کے کرائے کا دوگنا بار برداشت کرنا پڑتا۔

اسی طرح خلیج فارس سے ریاستہائے متحدہ کے مشرقی کنارے کو بیچے جانے والے تیل کی نقل و حمل کی لاگت کمپنیوں نے ابتداءً خود برداشت کی (اسے ریاستہائے متحدہ کی تیل کمپنیوں نے ڈمپنگ سے تعبیر کیا) ریاستہائے متحدہ میں تخفیف اور ٹیکساس ریل روڈ کمیشن نے قیمت میں اضافہ کردیا۔ کچھ عرصے بعد خلیج فارس ریاستہائے متحدہ کے مشرقی ساحل کو مساوی قیمتوں کے حد فاصل کی شکل میں قائم کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ اس کی وجہ سے خلیج فارس کی قیمت کو غیر امتیازی ایف۔

او۔ بی نظام قیمت کی بنیاد پر کم کرنے کی مزید ضرورت پڑی۔ اسے نچلے شکستہ خط سے دکھایا گیا ہے۔ پٹرولیم کی اشیاء کی قیمتوں میں تبدیلی کا وقت اور طریقہ خام تیل کے کیس سے واضح طور پر مختلف تھے لیکن اگر بٹے نہ دیئے جاتے اور کرایہ برداشت نہ کیا جاتا تو قیمتوں کے غیر امتیاز بردار جغرافیائی نظام کے تحت تجارت کے .... ڈھانچے میں ہونے والی تبدیلیوں سے قیمتوں میں بڑا تغیر رونما ہوتا۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ یورپین کول اینڈ اسٹیل کمیونٹی نے عام الیف۔ او۔ بی نظام قیمت پر قائم رہنے کے باوجود کرایہ برداشت کرنے کے طریقے یا مساوی قیمتوں کو صنعتی بازار کے رواج سے خارج نہیں کیا۔

اب کچھ کرانے کی شرحوں کے ڈھانچے سے پیدا ہونے والے مسئلے کے بارے میں غور کیا جائے گا۔ تیل کے معاملے میں تقریباً 50 فی صد پیداوار کو بڑی تیل کمپنیوں کے ٹینکروں میں لے جایا جاتا ہے مزید 30 سے 40 فی صد کے لیے جہاز راں کمپنیوں (زیادہ تر ناروے اور یونان کی) سے لمبے عرصے کے معاہدوں کے تحت چارٹر کیے گئے جہازوں سے جاتا ہے اور صرف بہت تھوڑے سے حصہ کے لیے وقتی سفر کے چارٹر جہاز لیے جاتے ہیں اور ان میں کرایہ ہر سفر کے لیے الگ مقرر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ رسد کا صرف تھوڑا بہت حصہ ہی کل مانگ میں ہونے والی ماشیائی تبدیلیوں کی زد میں آتا ہے ٹینکر کی مقامی شرحوں میں ہونے والی تبدیلیاں بہت ہیجانی ہوتی ہیں۔ ان تبدیلیوں کی حدیں اتنی وسیع ہیں کہ بازار میں تیزی کے دور میں یہ شرحیں ریاستہائے متحدہ کے جہازی کمیشن (یو۔ ایس۔ ایم۔ سی) کے معیار (ایک فرضی بنیاد جو مختلف سفری (معیاری) شرحوں میں رشتہ قائم کرتی ہے۔) سے 200 فی صد زیادہ ہو جاتی ہیں اور جب جہاز فالتو ہوتے ہیں تو اس معیار (یو۔ ایس۔ ایم۔ سی) سے 40 یا 50 فیصد نیچے گر جاتی ہیں۔ (یہ شرحیں یو۔ ایس۔ ایم۔ سی سے 50 فی صد سے زیادہ نیچے نہیں جا سکتیں کیونکہ اس سے نیچی شرحوں پر مالکوں کی تغیر پذیر لاگتیں بھی نہیں نکلتیں اور وہ اپنے جہازوں کو ساحل سے لگا رکھنا پسند کرتے ہیں)

سوال یہ ہے کہ صارفین سے بطور کرایہ کتنی رقم وصول کی جائے۔ مسابقتی بازار میں قیمت مختتم لاگت کی برابر ہونی چاہیے۔ اور کسی واحد سفر کے لیے نقل و حمل کی مختتم لاگت کا تعین صریحاً مقامی شرح سے ہوتا ہے لیکن ایسی صورت میں تو یورپ اور ریاستہائے متحدہ میں تیل کی قیمتوں کے ڈھانچہ میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک اتار چڑھاؤ ہوتا رہے گا اور حساس اور

غیرنمائندہ مقامی ٹینکر بازار میں ہر تبدیلی کے ساتھ تجارت کے نظام میں تطبیق کی ضرورت پڑے گی۔ صنعت پیداوار کرنے والے اور گاہک سب ہی اس حل کو ناپسند کرتے تھے۔ پس دوسرا راستہ یہ تھا کہ ایک نمائندہ شرح دریافت کی جائے یہ ایسی شرح کا تصور تھا جو تجارت میں پہلی بار داخل ہونے والی کمپنیاں دائمی بنیاد پر اختیار کرسکیں۔ لندن بروکرز ٹینکر زایوارڈ ، (L B T A) اس شرح کی پہلی قریب ترین مثال ہے۔ یہ لندن کے پانچ بروکرز کی شرحوں کا اوسط تھا جو یہ مان کر نکالا گیا تھا کہ چارٹرڈ دو سال کی مدت کا ہوگا۔ اسے ہر چھ ماہ بعد بدل دیا جاتا تھا اور تیل کی قیمتوں میں اسی حساب سے ردوبدل کر دیا جاتا تھا۔ ایل۔اے۔ٹی۔اے بہت سی وجوہات کی بنا پر غیر تسلی بخش ثابت ہوا۔ اس میں تبدیلی کرکے کرائے کی شرحوں کا سہ ماہی اوسط لیا جانے لگا۔ (اے۔ایف۔آر۔اے) یہ مقامی اور مدتی چارٹر شرحوں کو ملا کر حاصل کی جاتی تھی۔ اس اوسط سے جسے مختتم تصور کی جگہ اپنایا گیا نظریاتی ضرورت پوری نہ ہوسکی کیونکہ یہ ان شرحوں کی نشاندہی کرتا ہے جن کے مطابق پرانے چارٹر طے کیے گئے تھے۔ ایسی نئی فرم جو اس میدان میں داخل ہونے اور کچھ وقت تک رہنے کا منصوبہ بنا رہی ہو کیا شرح رکھے اس سے مذکورہ اوسط کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ بعد میں تبدیلی کرکے انٹراسکیل کو اپنایا گیا جس کے بارے میں مصنف کو تفصیلات کا علم نہیں ہے۔

بہرحال مقامی شرحوں میں تلون کی وجہ سے ایک ایسے معیار کی ضرورت پیدا ہوتی ہے جس کے مطابق کوئی کمپنی اس نقل و حمل کی لاگت وصول کرسکے جو اس کی معاون کمپنیاں انجام دیتی ہیں۔

ایسا ہی ایک مسئلہ کوئلے کے بارے میں بھی موجود تھا۔ یہاں یورپ میں کوئلہ کی مختتم لاگت ریاستہائے متحدہ سے آنے والے کوئلہ کی لاگت کی بنیاد پر مقرر کی جاتی تھی۔ اس لاگت میں وسٹ ورجنیا یا اوہیو سے ہیمپٹن روڈز ورجینیا آنے والے کوئلہ کی قیمت میں ایک قابل لحاظ رقم جوڑی جاتی تھی۔ یہ رقم عام طور سے یورپ کے لیے کوئلہ کے ٹرامپ جہاز کرائے سے زیادہ ہوتی تھی۔ یورپ کے کوئلہ کی بھاری مقدار ـــــ 250 ملین ٹن۔ کی قیمت کو تقریباً 30 ملین ٹن کوئلہ کی حقیر مقدار کی قیمت میں تبدیلیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا ناقابل تصور قرار دیا گیا۔ خاص طور پر اس لیے کہ ٹرامپ جہاز بازار میں قیمت کے تغیرات کا کوئلہ کی مانگ اور رسد سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ یورپین کول اینڈ اسٹیل کمیونٹی اور اس کے اندر و باہر یورپ

کے مختلف قومی کوئلہ انتظامیوں نے انتظامی قیمت پالیسیوں کو اپنایا یا انھیں اپنانے کی اجازت دی ان پالیسیوں میں ریاستہائے متحدہ سے آنے والی معمولی رسد (کو پہنچانے تک) کی لاگت میں ہونے والی تبدیلیوں کو یکسر نظرانداز کر دیا گیا۔

کارٹیلیں :

بازاروں، قیمت، شرائطِ فروخت وغیرہ سے متعلق مسابقت کو محدود رکھنے کے لیے کیے جانے والے معاہدے کو کارٹل کہتے ہیں۔ یہ معاہدہ واضح اور قانونی ہوتا ہے یا مضمر اور روایتی یہ امر تھوڑی بہت لفظی بحث کا موضوع تو ہو سکتا ہے لیکن حقیقی معاشی دلچسپی کا حامل نہیں ہے۔ اگر تاجر ایک ہی منظر کے بارے میں ایک دوسرے کے تاثرات کو اس درجہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے ردعمل کے مطابق کارروائی کر سکتے ہیں تو رسمی معاہدے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ ممکن ہے قانونی طور پر کسی کارٹل کا وجود نہ ہو لیکن جہاں تک معاملے کے معاشی پہلو کا تعلق ہے تجارتی معاہدہ کا وجود رہتا ہے۔

کارٹل سمجھوتے خواہ غیر تحریری شکل میں ہوں یا انھیں مذاکراتی دستاویزوں میں باضابطہ طور پر قلمبند کیا گیا ہو ان کی تفصیلات میں فرق ہو سکتا ہے۔ الکٹرک لائٹ کارٹل کی طرح بعض کا تعلق قیمتوں کے تعین سے ہو سکتا ہے بعض کا تعلق بکری کی تنظیم سے جیسا کہ پٹرولیم صنعت میں 1928 کا "جیسا ہے" سمجھوتہ (اس کی رو سے کوئی کمپنی ایسے ملک میں جہاں وہ پہلے ہی سے تیل کی پیداوار یا بکری کا کام نہ کر رہی ہو یہ کام شروع نہیں کر سکتی تھی یعنی ہر ایک چیز کو "جیسے ہے" کی پوزیشن میں رہنا تھا) بعض کا تعلق پیٹنٹ سے تھا۔ مثال کے طور پر جرمنی میں آئی جی فاربن اور ریاستہائے متحدہ میں نیوجرسی کی ڈوپونٹ اور اسٹینڈرڈ آئل کمپنی کے بیچ معاہدے۔ بعض کا تعلق بکری کی شرائط سے تھا اور اسی طرح کے دوسرے کارٹل موجود تھے۔ لیکن ان سب کا نچوڑ یہی ہے کہ بین الاقوامی تجارتی معاہدے کے ذریعہ مسابقت کو محدود کر دیا جائے۔

براہ راست سرمایہ کاری جس پر باب 21 میں بحث کی گئی ہے اور پیٹنٹ نیز تکنیکی رازوں کے بین الاقوامی لائسنس دینے سے متعلق بین الاقوامی تجارتی معاہدوں کے سلسلے میں بے شمار نئے مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ اگر ریاستہائے متحدہ میں کوئی کمپنی کناڈا میں کسی معادن

کمپنی کی مالک ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ یہ طے کرے کہ کسی تیسرے ملک مثلاً آسٹریلیا میں دونوں
میں سے کونسی کمپنی مال فروخت کرے گی ۔ یہ بات معمول کے مطابق معلوم ہوتی ہے ۔ ایک ہی
ملک میں کسی کمپنی کے دو کارخانے ہوں تو اُن میں سے کسی مخصوص آرڈر کی تعمیل کس کارخانے سے
کی جائے گی ۔ یہ طے کیا جاتا ہے اور اگر وہ روپیہ کمانے کی کوشش کر رہی ہے تو امکان یہی ہے
کہ وہ اسے اس کارخانے کو دے گی جو اس کی تعمیل زیادہ بہتر (کم داموں پر) طور پر کر سکتا ہو۔
لیکن کناڈا کی حکومت کا خیال یہ ہو سکتا ہے کہ اس طرح کی معاملہ فہمی یا سمجھوتے سے ان کمپنیوں
کے مواقع محدود ہو جاتے ہیں جو صرف اس کی سرحدوں میں کام کر رہی ہیں ۔ پیٹنٹ کے حقوق خاص
طور پر ایک ایک کرکے مختلف ممالک کو دیے جاتے ہیں ۔ اس لیے پیٹنٹ کے حقوق دیتے وقت
بازار کے امتیاز کی چشم پوشی کر دی جاتی ہے یا یہاں تک ہو سکتا ہے کہ پیٹنٹ طریق کار میں اس کی
اجازت دے دی جائے لیکن بعض فریق ٹیکنولوجی کو لائسنس کرنے کے لیے کسی صورت رضامند
نہیں ہوتیں ۔ اور بعض اس معاملہ فہمی کے بغیر لائسنس دینے کو تیار نہیں ہوتیں کہ لائسنس کا
استعمال کن بازاروں میں کیا جائے گا ۔ اور یہ عمل تجارت پر پابندی سے کافی ملتا جلتا ہے ۔
تجارتی معاہدے عام طور پر ان میدانوں میں پائے جاتے ہیں : وہ معیاری اشیاء
جن کی نقل و حمل کی لاگت بہت زیادہ ہوتی ہے مثلاً وہ جن کا ذکر بیسنگ پوائنٹ پر بحث کے
دوران کیا گیا تھا ۔ وہ خام مال اور بعض ابتدائی اشیاء جن کی مانگ اور رسد غیر لچکیلی ہوتی ہیں ۔
مثلاً وہ اشیاء جو بین حکومتی اشیائی معاہدوں کا موضوع ہوتی ہیں اور جن کے بارے میں ایک آگے
کے باب میں بحث کی گئی ہے اور بعض انتہائی درجہ منفرد اشیاء جیسے ادویات اور مرکب کیمیات
مصنوعی ریشم ، نائلون ، مصنوعی ربر اور رنگ جو پیٹنٹ کنٹرول کے دائرے میں آتے ہیں ۔ علاوہ
ازیں خود جہاز رانی کی خدمات کی اپنی شرحوں پر مشہور جہاز رانی کانفرنسوں کا کنٹرول ہو سکتا ہے ۔
یہ میدان جن اشیاء کا احاطہ کرتے ہیں ان کی پیداوار میں نئے مسابقت کاروں کا داخلہ بڑا
محدود ہوتا ہے اور اخراج کا امکان غیر اغلب داخلہ محدود ہونے کا سبب فطری اجارہ ہو سکتا ہے
جیسا کہ پارے ، نکل ، گندھک ، پوٹاشش وغیرہ میں ہے بعض صنعتوں مثلاً تیل یا المونیم میں شروعات
کے لیے بہت زیادہ سرمایہ کاری کی ضرورت ہوتی ہے بعض میں ــــ جیسے کالی مرچ ، کونین ، ربر ،
کافی میں سرکاری اجازت یا پیٹنٹ کنٹرول ــــ مثلاً رنگ ، فوٹوگرافی کا سامان ، آپٹیکل آلات
الکٹرونک ساز و سامان پر ــــ یہ سب بھی داخلے کو محدود کرتے ہیں ۔ اخراج اس لیے دشوار ہوتا ہے

کہ نقصانات ہونے کی صورت میں سرمائے کی بڑی رقوم کے مالک یا حکومتیں خاموشی کے ساتھ صنعت سے کنارہ کش نہیں ہو سکتے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب کبھی بھی قیمت کے میدان میں مسابقت رونما ہوتی ہے تو وہ زیادہ تر گلا کاٹ اور خود شکستہ نوعیت کی ہوتی ہے۔

گلا کاٹ مسابقت "مختصر اجارہ" یعنی تاجروں کی محدود تعداد کی مظہر ہے۔ مقامی بازاروں میں ارتباط کی وجہ سے گیسولین کے بازاروں میں قیمت جنگ دور دور تک پھیل سکتی ہے۔ لیکن بنیادی طور پر یہ مسئلہ تعداد میں محدود ایسے حریفوں کے درمیان مسابقت سے پیدا ہوتا ہے جو ایک دوسرے کی تجارت پر قبضہ کرنے کے لیے جدوجہد کر رہے ہوتے ہیں۔ قیمت کو اوسط لاگت سے کم، مختتم لاگت سے کم اور بعض صورتوں میں صفر سے کم کر دیا جاتا ہے آخر الذکر کی مثال مشہور و معروف ریل روڈ لڑائیوں یا ہندوستان کے مشرقی ساحل پر 1946 کی کرائے کی شرح کی جنگ میں ملتی ہے۔ مثال کے طور پر مدراس اور کلکتہ کے درمیان بھیجے جانے والے مال کے ہر ٹن کے لیے بھیجنے والے کو دس روپیہ دیے جاتے تھے۔ اس مرحلے پر جہاز راں کمپنیاں بہت وزنی اور کم مالیت کے مال کو اپنے حریف پر لاد کر فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔ اس مسابقت کی خود اپنے کو شکست دینے کی نوعیت بالکل ظاہر ہے۔ اگر کسی فرم کے وسائل اپنے حریفوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں تو وہ کینہ توز فرم قیمت کم کر کے بعض اوقات اپنے حریفوں کو میدان تجارت سے فرار ہونے پر مجبور کر سکتی ہے۔ اس صورت میں بھی مسابقت قیمت سے خود کو ہی نقصان پہنچے گا۔ مختصر اجارہ داری کی حالت میں قیمت کم کرنے کے فعل کو معاہدے کے ذریعے اس سے پہلے ہی روک دیا جاتا ہے کہ کسی فرم کے تمام تر وسائل ختم ہو جائیں۔

معاشی کارستوں اور قیمت مسابقت کے خاتمہ پر تو اعتراض کرتا ہے لیکن اس کا یہ احساس روز بروز بڑھتا جاتا ہے کہ کامل مسابقت کسی بھی چند فرمی صنعت میں زندہ نہیں رہ سکتی۔ اس لیے وہ "کام چلاؤ" مسابقت جیسی کسی چیز پر قناعت کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ "کام چلاؤ" مسابقت سے بلاشبہ مراد اس صورت سے ہے جس میں قیمت نہ بہت اونچی جا سکتی ہے اور نہ بہت نیچے گر سکتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ قیمت بڑھنے سے نئی فرموں کو اس صنعت میں آنے کا حوصلہ ملے گا۔ اور سرمایہ کی لاگتیں، پیٹنٹ کی رکاوٹیں، خام مال تک پہنچ کا فقدان اور دیگر پابندیاں ان کی راہ میں حائل نہ ہوں گی۔ اسی طرح قیمت گرنے کی صورت میں صنعت میں موجود فرمیں اسے چھوڑنا شروع کر دیں گی اور اپنی سعی و محنت کو کسی اور نفع بخش صنعت میں لگائیں گی۔

کارٹل پالیسی

بین الاقوامی تجارت میں کارٹلوں سے متعلق بہت سے دلچسپ سوال سامنے آتے ہیں۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ کارٹلیں حکومت کے سہارے کے بغیر قائم نہیں رہ سکتیں۔ اس سلسلے میں 1930 کی دہائی کے یورپ کی لوہے اور فولاد کی کارٹل کے ساتھ لوہے اور فولاد کی فیڈریشن کے جھگڑے میں برطانوی حکومت کے اس ترغیبی عمل کی مثال دی جاتی ہے جو اس نے فیڈریشن کے حق میں کیا تھا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حکومتوں کے مابین سمجھوتوں یا بڑی مقداروں میں مال خریدنے کے معاہدوں کے مقابلے میں پرائیوٹ کارٹل بہتر ہوتے ہیں کیونکہ یہ کارٹل مختلف صنعت کاروں کے مفادات میں اختلافات کی وجہ سے از خود تحلیل ہو جاتے ہیں۔ امریکہ میں ایک مکتب خیال کا دعویٰ یہ ہے کہ اپنے کو باقی رکھنے کے لیے بین الاقوامی کارٹلیں قومی مفاد کو پامال کرتی ہیں اور کارٹل کا ممبر کسی نہ کسی وجہ سے اپنی حب الوطنی کھو بیٹھتا ہے۔ لیکن اس دعویٰ کو ثابت کرنا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔

بین الاقوامی (اور اگر آپ چاہیں تو قومی) کارٹلوں کے بارے میں سرکاری پالیسی کے سوال میں کیا چیز بنیادی طور پر ہماری دلچسپی کا مرکز ہے۔ اس سلسلے میں عمل کی تین راہیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ہم کارٹلوں کو نظر انداز کر سکتے ہیں، انھیں توڑنے کی کوشش کر سکتے ہیں یا اُن کے ساتھ نباہ کرنے کا ایسا طریقہ تلاش کر سکتے ہیں جس میں اُن کی بدترین خصوصیات کم یا ختم ہو جائیں۔

قدامت پرستوں کی ایک بڑی ٹولی کارٹلوں کو نظر انداز کر دینے کی پالیسی کی ہمنوا ہے۔ آزادی کا ایسا اصول ہے جسے اس مسابقتی صورت حال سے اخذ کیا گیا ہے، جس میں فرموں کو صنعت میں داخل ہونے اور اس سے نکل جانے کی آزادی ہوتی ہے، قدامت پرست اسے بڑھا کر ایسے اصول کی شکل دے دیتے ہیں جو ان شرائط کے بدل جانے پر بھی صحیح قرار دیا جاتا ہے جو اس کے پیچھے کارفرما ہوتی ہیں اور جن کے پورا ہوئے بغیر یہ اصول جائز نہیں مانا جا سکتا۔ پھر ایسے لوگ ہیں جو کامل مسابقت اور اجارہ کے بیچ کے بازاری حالات میں امتیاز نہیں کرتے لیکن اس باب کے لب و لہجہ سے پڑھنے والے پر یہ حقیقت واضح ہو گئی ہو گی کہ ان دونوں سروں کے بیچ میں بازار کے بہت سے رنگ ہو سکتے ہیں۔ اگر رفاع عامہ جیسے کاموں میں اجاروں کو منضبط اور کنٹرول کرنا مناسب و درست ہے تو اس سے آزادی کا یعنی کسی بھی اور تمام حالات میں تجارت میں عدم مداخلت کا اصول تو بہر حال ٹوٹ جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کارٹلوں کو توڑ کر، میلوں اور ٹرسٹوں کے اجزاء کو منتشر کرنے پر اڑ کر اور عمودی طور پر مربوط صنعتوں میں پیداوار

کے جداگانہ مراحل کے بیچ آمنے سامنے سودے بازی کو لاگو کر کے کامل مسابقت کا بحال کرنا ممکن ہے۔ غالباً یہ خیال بطور مثالی پالیسی زیادہ عمدہ ہے مگر ساتھ ہی ساتھ زیادہ ناقابلِ عمل۔ بڑے پیمانے کی پیداوار کی بچتیں خاص طور پر ان صنعتوں میں جن کے اندر بہت زیادہ سرمایہ لگا ہوتا ہے کسی حد تک ایسی ہوتی ہیں کہ انھیں الٹایا نہیں جا سکتا۔

تیسری راہ کی کمزوری یہ ہے کہ پہلے دو راستوں کے مقابلہ میں یہ زیادہ واضح نہیں ہے۔ ایک تو اس کے لیے فرموں کے مابین تحریری معاہدوں کی تشہیر ضروری ہوتی ہے نیز اُن سمجھوتوں کے متن پر بعض پابندیاں لگانا پڑتی ہیں مثال کے طور پر بازاروں کی تقسیم اور داخلے پر پابندی۔ علاوہ ازیں اس کے لیے قیمت کم رکھنے کا جذبہ پیدا کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ فرموں کو یہ ترغیب دینی ہوتی ہے کہ وہ بشمول (یکساں) قیمت اپنے طرزِ عمل کو جہاں تک ہو سکے ایسا رکھیں جیسا مسابقت کے تحت تجارت میں ہوتا ہے ایسا کرنے میں وہ تجارت کے مالکوں کے طویل مدتی مفادات کو دھیان میں رکھ سکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انھیں اپنی اجارہ دارانہ اور مختصر اجارہ دارانہ طاقت کے استعمال کرنے میں ضبط سے کام لینا ہوگا۔ یورپین اکنامک کمیونٹی اسی تیسرے طریقے کو پروان چڑھانے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے۔ کارٹلوں کی ممانعت کے ساتھ ساتھ منظوری کے لیے صنعتی معاہدے رجسٹر کرانے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ یہ برطانیہ کی خصوصی عدالتوں کی طرح کا کام ہے۔ یہ عدالتیں تجارت میں رکاوٹ ڈالنے والے افعال کی جانچ کرتی ہیں۔ اچھے اور برے تجارتی معاہدوں میں امتیاز کرتی ہیں اور اول الذکر کی منظوری دیتی ہیں۔

تاہم تیسری راہ کو اختیار کرنے میں سب سے بڑی دشواری کسی واضح رہبر اصولوں کی عدم موجودگی ہے۔ کسی مختصر اجارہ میں منافع کتنے اونچے ہونے چاہئیں۔؟ مناسب قیمت، معقول حصے اور جائز نفع سے ہماری کیا مراد ہے؟ کس حد تک بنیادی دشواری عبوری دور سے تعلق رکھتی ہے۔ کامل مسابقت کے تحت جہاں دخول و اخراج کی آزادی ہوتی ہے قلیل مدتی مفاد یعنی قلیل مدتی منافع کو بیشترین کرنا ایک تسلی بخش اصول ہے اور قومی مفاد سے مطابقت رکھتا ہے اس کے مطابق کام کرنے سے مختلف صنعتوں میں وسائل کی تقسیم صحیح طریقے پر ہو گی۔ غیر کامل مسابقت میں بھی —— جہاں کوئی کمپنی اپنے طویل مدتی مفاد اور طویل مدتی نفع پر زیادہ توجہ دیتی ہے اور اپنے نفع میں اضافہ کرنے کے قلیل مدتی مواقع کو نظر انداز کرنے کے لیے تیار رہتی ہے —— تسلی بخش نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں کمپنیاں سرزنش کے خوف سے اپنی اجارہ دارانہ حیثیت کو استحصال کے لیے استعمال کرنے سے پرہیز کریں گی وہ زیادہ محفوظ رہنے کے لیے قلیل مدتی نفع کو بیشترین کرنے میں ضبط و تحمل سے کام لیں گی۔ عبوری عرصہ ہی ایسا ہے جس میں مشکلات

کا دباؤ محسوس ہوتا ہے۔ یہاں کمپنیوں کے پاس مذکورہ طاقت ہوتی ہے لیکن وہ اس کا استعمال ان اصولوں کے مطابق کرتی رہتی ہیں جن کا تعلق اس صورت حال سے ہوتا ہے جس میں نجی فرم کچھ بھی کرنے سے قاصر رہتی ہے۔

خلاصہ :

کامل مسابقت کا مطلب یہ ہے کہ قیمت پر انفرادی طور سے کسی بھی خریدار یا تاجر کا کنٹرول نہیں ہوتا یعنی ہر ایک فرم اور صارف کے سامنے مانگ اور رسد توسوں کی لچک لامحدود ہوتی ہے۔ تاہم بین الاقوامی تجارت کی حقیقی دنیا میں بہت سی صنعتوں میں فرموں کا سائز ایسا ہوتا ہے کہ وہ قیمت کو متاثر کر سکتی ہیں۔

مختلف بازاروں میں لچکیں مختلف ہونے کی صورت میں بیشترین نفع حاصل کرنے کے لیے امتیازی قیمتیں عاید کی جاتی ہیں۔ کم لچک والے بازار میں قیمت زیادہ اونچی رکھی جاتی ہے۔ یا اگر ہم دوسرے زاویہ سے دیکھیں تو کم لچکیلے مانگ قوس والے بازار پر بالائی لاگتوں کا تناسب سے زیادہ حصہ ڈالا جا سکتا ہے۔

ڈمپنگ محض امتیاز قیمت ہے۔ نظریاتی لحاظ سے غیر متوقع، وعارضی، کینہ توز، اور دائمی ڈمپنگ میں امتیاز کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس کی موجودگی کا واضح ثبوت مل جانے پر کینہ توز ضرر رساں ڈمپنگ کو روکنے کے لیے سرکاری کارروائی کو حق بجانب قرار دیا جا سکتا ہے۔ (لیکن اس کی موجودگی کو ثابت کرنا دشوار ہے) عارضی ڈمپنگ تاجر کے لیے ایک نہایت مفید خدمت انجام دیتی ہے اور دائمی ڈمپنگ سے صارف کو فائدہ پہنچتا ہے۔

بین الاقوامی تجارت میں علاقائی امتیاز قیمت سے بیسنگ پوائنٹس کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے اس میں مقام پیداوار سے قطع نظر قیمت کا تعین کرنے کے لیے طے شدہ مقامات کا استعمال کیا جاتا ہے۔ مساوی قیمت بلے نقل وحمل کی لاگت کے نظام کی نسبت معاشی بیسنگ پوائنٹ سسٹم کو کم مسابقتی مانتا ہے پیداوار بیسنگ پوائنٹ کے علاوہ کسی دیگر مقام پر ہونے کی صورت میں اس نظام کے تحت کرایہ کو خود برداشت کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس سے امتیاز قیمت پیدا ہو جاتا ہے لیکن یہ قیمت کے نئے نظام تک پہنچنے کے لیے ایک ضروری عبوری قدم ہو سکتا ہے۔

قیمت، بازاروں کی تقسیم، یا مسابقت کے دیگر پہلوؤں کو منضبط کرنے کے لیے بین الاقوامی تجارتی معاہدے کارٹل کہلاتے ہیں۔ وہ ان صنعتوں میں رونما ہوتے ہیں جہاں مسابقت کامل نہیں ہوتی۔ اگر کسی

کارروائی سے کارٹل کو ختم کردیا ئے تو غیر کامل مسابقت پھر بھی باقی رہتی ہے۔ یہ حقیقت ان پالیسیوں کی نفی کرتی ہے جو یا تو کارٹلوں کو نظر انداز کرتی ہیں یا انھیں حکماً ختم کرنا چاہتی ہیں اس سے کارٹلوں پر کنٹرول رکھنے اور ان کے بارے میں تشہیر کی پالیسیوں کی حمایت ہوتی ہے تاہم معاشی نظریہ کی موجودہ حالت کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس بارے میں کوئی ایک رائے موجود نہیں ہے کہ کارٹلوں کو کس طرح منضبط کرنا چاہیے۔

تجاویز برائے مطالعہ :

درسی کتابیں :

snider : ch VIII

تحقیقی رسائل:

دیکھیں Haberler Ch VIII, E .S. Masen: Contrdling world trade (New York: Mc Graw Hill Beck co. Inc, 1946) and J.Viner, Dumping (Chicago: The University of Chicago Press 1923; Reprinted by Augustus .Kelley Publishers 1967) آخر الذکر دو کتابیں اپنی مثالوں اور بعد میں آنے والے نظریات کی رد سے پرانی ہو چکی ہیں تاہم ابھی بھی کارآمد ہیں۔

دیکھیں C. Edward, contrl of cut cartels and Monopolies: An International Comparison (Dobbs Ferry N.Y. Ocean Publishers Inc. 1966.)

نکات

یورپی مشترک منڈی کی کارٹل پالیسی پر مفید بحث کے لیے دیکھیں Jesse Markham "Competition in the European Common Market", Joint Economic Committee, Factors affecting the United States Balance of Payments (Washington D.C; U.S. Government Printing Office 1962)

موجودہ زمانے میں عالمی تیل صنعت کے بارے میں بڑا مطالعہ کیا جارہا ہے۔ تازہ ترین اور بہترین کتابوں میں یہ کتب شامل ہیں - H.R. Frank; Crude Oil Prices in the Middle East (New York; F Frederick A. Praeger Inc. 1966) and J.E. Hartshorn, Oil Companies and Governments (London; Faber and Faber Ltd. 1967)

باب 10 ترقی پذیر ممالک کے لیے کمرشل پالیسی

سوویت بلاک اور ترقی یافتہ مغرب (مغربی یورپ، شمالی امریکہ، برطانوی نوآبادیات، اور جاپان) کے علاوہ دنیا کے تقریباً 75 ترقی پذیر ممالک کے بارے میں باب نمبر 5 میں کہا گیا تھا کہ وہ عالمی تجارت کی اس صورت حال سے مطمئن نہیں ہیں جس میں وہ معاشی نشوونما کے لیے کام کر رہے ہیں اور ان حالات کو بدلنے کے لیے وہ نہایت سرگرم ہیں۔ خاص طور پر ان کا یہ اعتقاد ہے کہ عالمی تجارت کا ارتقاء ان کے نشوونما کے لیے سازگار نہیں ہے۔ جن بازاروں میں وہ اپنی ابتدائی اشیاء فروخت کرتے ہیں ان میں استحکام نہیں ہے جن سے ترقی کرنے کی کوششوں میں خلل پڑتا ہے، شرائط تجارت منظم طور پر ان کے خلاف جاری ہیں۔ اور مصنوعات کی تجارت میں ان کے خلاف امتیاز برتا جاتا ہے۔ نشوونما کو فروغ دینے میں تجارت مثبت عنصر نہیں ہے۔ اس حقیقت کے لیے وہ زیادہ تر تجارت کے عالمی ماحول اور ترقی یافتہ ممالک کی پالیسیوں کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں۔ اس کے برعکس ترقی یافتہ ممالک ترقی پذیر ملکوں کی خواہشات سے ہمدردی تو رکھتے ہیں مگر ان کا اصرار یہ ہے کہ اصل دشواری یہ ہے کہ یہ ملک اپنے دستیاب مواقع کا فائدہ اٹھانے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ ان کی رائے میں بنیادی بات عالمی مانگ کی کمزوری نہیں بلکہ کم ترقی یافتہ ممالک کی رسد میں لچک کا فقدان ہے۔ اتنا سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ کم ترقی یافتہ ممالک تذبذب کے جنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ابتدائی اشیاء کی قیمتوں میں استحکام لانے اور شرائط تجارت کو بہتر بنانے کے لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ ممکن معاشی ترقی کریں، ان میں وسائل کو دیگر کاموں میں منتقل کرنے کی صلاحیت پیدا ہو۔ معاشی ترقی کے پروگرام پر عمل کرنے کے لیے جس میں زرِ مبادلہ خرچ ہوتا ہے انھیں سیاسی استحکام اور قیمتوں کے ایک بہتر رجحان کی ضرورت ہے۔

اس باب کو دو حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصّہ اشیائی مسائل سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرے میں اس امر کا جائزہ لیا گیا ہے کہ ترقی یافتہ ممالک کی برآمد کی جانے والی مصنوعات میں سے کم ترقی یافتہ ممالک کن اشیاء کی درآمدات کو ترجیح دیتے ہیں۔ معاشی نشوونما میں علاقائی ترلیفی ترجیح کیا رول ادا کر سکتی ہے اس مسئلہ پر اگلے باب میں غور کیا جائے گا۔

اشیائی قیمت کا استحکام :

اشیائی قیمتوں سے متعلق کسی کم ترقی یافتہ ملک کے دعویٰ کے ــــ جیسا کہ ابھی بتایا گیا ہے۔ دو خاص پہلو ہوتے ہیں۔ ایک کا تعلق کم مدت میں عدم استحکام سے ہے اور دوسرے کا طویل مدتی رجحان سے ــــ عدم استحکام سے متعلق بنیادی دعویٰ بہت پہلے 1952 میں اقوام متحدہ کے ایک مطالعہ میں پیش کیا گیا تھا۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ 1900 سے 1952 تک کے عرصے میں ابتدائی اشیاء کی قیمتیں اوسطاً 14 فیصدی سالانہ کے حساب سے بڑھیں یا گھٹیں۔ قیمتوں میں تبدیلی کا مطلب قطعاً یہ نہیں ہے کہ برآمد سے ہونے والی آمدنی بھی ضرور بدلے گی کیونکہ برآمدات کا حجم مخالف سمت میں بدل سکتا ہے لیکن اعداد و شمار سے پتہ چلا کہ برآمدات کا حجم قیمت کے مقابلہ میں کم بدلتا تھا۔ اکثر دونوں میں تبدیلی ایک ہی سمت میں ہوتی تھی۔ اس سے عدم استحکام میں اور اضافہ ہو جاتا تھا۔

کوڈک اور میک بین کی تحقیقات سے پہلے عام طور پر بغیر کسی واضح ثبوت کے اس نکتہ پر اتفاق رائے تھا کہ برآمدات سے ہونے والی آمدنی میں عدم استحکام سے معاشی نشوونما کا مسئلہ پیچیدہ ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے درآمدات کے بہاؤ میں خلل پڑتا ہے اور اس لیے گھریلو سرمایہ کاری میں بھی لیکن میک بین نے جن مثالوں کا مطالعہ کیا ان سے یہ نتیجہ مشکوک ہو جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برآمدی قیمتوں میں عدم استحکام سے کم ترقی یافتہ ملکوں میں سرمایہ کاری کو بڑا سہارا ملا ہے اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ قیمت میں تبدیلی کے اثر کو زائل کرنے والی وہ تبدیلیاں جو ان کے ساتھ برآمدات کے حجم میں رونما ہوتی ہیں۔ زرمبادلہ کے ذخیرہ میں سے درآمدات پر کیا جانے والا خرچ، اور اموالِ صرف کی درآمدات پر لگائی جانے والی پابندیاں تاہم عدم استحکام اور خاص طور پر بہت زیادہ صرف تشویش کا سبب ہوتا ہے۔ زراعتی اشیاء کی فصل چند ماہ میں تیار ہو جاتی ہے اور صرف سال بھر جاری رہتا ہے۔ اُن کے معاملہ میں سٹے بازوں کو فصل کا ذخیرہ رکھنے کا معاوضہ دینے کے لیے طویل مدتی توازنی رجحان کے آس پاس قیمت میں تھوڑی بہت تبدیلی مفید ثابت ہو سکتی ہے لیکن عام طور پر یہ تبدیلیاں زیادہ اور قریب قریب یقیناً حد سے زیادہ ہوتی ہیں۔

ابتدائی اشیاء کے اندر عدم استحکام کے اسباب مختصراً مانگ یا رسد میں ہونے والی وہ تبدیلیاں ہیں جو غیر لچکیلے رسد یا مانگ توسوں کے ساتھ اپنا ردّ عمل ظاہر کرتی ہیں۔ زرعی فصلوں کے معاملے میں رسد موسم کے ساتھ بدلتی ہے۔ علاوہ ازیں فصل کی بوائی قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کو دیکھ کر کی جاتی ہے جبکہ فصل کو متاثر کرنے والے عوامل دوسرے ہوتے ہیں جن فصلوں کے پروان چڑھنے کے لیے طویل عرصہ درکار ہوتا ہے ــــ مثلاً باغات خاص طور پر

کافی، چائے، کوکو، ربر ـــــ وہاں مانگ اور رسد میں کافی فرق پیدا ہو سکتا ہے۔ اگر آج قیمتوں میں اضافہ ہو جائے تو بوائی رسد کو پانچ سال یا اس سے زیادہ عرصے تک متاثر نہیں کر سکتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پانچ سال تک قیمتیں اونچی رہیں گی اور بوائی کا زور رہے گا کیونکہ اس سے پہلے رسد کا حجم اتنا نہیں بڑھایا جا سکتا کہ قیمتوں کو گرنے پر مجبور کیا جا سکے۔ معدنیات کے معاملے میں عدم استحکام کا سبب مانگ میں رونما ہونے والی تبدیلیاں جن میں اتار چڑھاؤ ہوتا ہے اور سٹہ بازی معلوم ہوتی ہیں۔ یہ دونوں ہی مانگ کو نسبتاً کم لچکیلی رسد کے مقابلے میں کم یا زیادہ کرتی رہتی ہیں۔

بعض اشیاء خاص طور پر چین میں عالمی پیداوار کے ایک بڑے حصّے کی تجارت ترجیحی انتظامات کے تحت دنیا کے بازاروں سے باہر ہوتی ہے۔ ان کا عالمی بازار چھوٹا ہوتا ہے لہٰذا قومی مانگ اور رسد میں ہونے والی تبدیلیاں اس چھوٹے بازار میں قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کو بڑھا دیتی ہیں۔

قیمت کے عدم استحکام کے لیے بہت سے طریقے پیش کیے گئے ہیں: زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم قیمتوں کو مقرر کرنے کی اسکیم جیسا کہ بین الاقوامی گیہوں معاہدے میں ہے، وقت ضرورت کام آنے والے اسٹاک کے منصوبے مثلاً ٹن میں برآمد کرنے جیسے کا ذی میں، اور بہت سے مالیاتی اقدامات جن کا سلسلہ عالمی زرعی فنڈ کی ان ملکوں کی مالی امداد سے جن کی برآمدات کی قیمتیں گر رہی ہوں مختلف النوع برآمدی ٹیکسوں تک پھیلا ہوا ہے۔

بین الاقوامی گیہوں سمجھوتہ ان زیادہ سے زیادہ قیمتوں کا تعین کرتا ہے جن پر برآمد کرنے والے ملکوں کو گیہوں کی مجوزہ مقدار مہیا کرنے کی ضمانت دیتے ہیں ساتھ ہی یہ ان کم سے کم قیمتوں کو بھی مقرر کرتا ہے جن پر درآمد کرنے والے ملک برآمد کرنے والے ملکوں سے گیہوں کی طے شدہ مقداریں خریدنے کے لیے رضامند ہوتے ہیں۔ ان دونوں حدوں کے درمیان نظام قیمت کو آزادانہ طور پر کام کرنے دیا جاتا ہے۔ کمیابی کی صورت میں یہ نظام فصلوں کی پیداوار میں اضافہ کی ہمت افزائی کرتا ہے اور افراط کے دور میں انھیں کم کرنے کی یہ نظام اسی وقت کام کر سکتا ہے جب کسی حد کے آ جانے پر حکومتیں مداخلت کریں اور بیشترین قیمت پر برآمدات کا انتظام کریں اور کمترین قیمت ہو جانے پر گیہوں خرید کر درآمد کریں۔ درحقیقت گیہوں سمجھوتے کے تحت قیمتیں تقریباً مسلسل طور سے بیشترین حد کی برابر رہی ہیں جس کی وجہ سے ریاستہائے متحدہ اور کناڈا کی حکومتوں کو اول الذکر میں مقامی قیمتوں سے کم پر گیہوں برآمد کرنا پڑا ہے۔ بلاشبہ اگر بیشترین اور کمترین قیمتوں کے بیچ کا فاصلہ کم ہوتا جائے تو اسی لحاظ سے یہ نظام برآمد اور درآمد کوٹوں کے نظام کے قریب پہنچتا جائے گا۔ اس کے برعکس فاصلہ جتنا بڑھتا جائے گا اتنا ہی یہ نظام آزاد بازار سے مشابہ ہوتا جائے گا۔ اس مشق کا

مقصد پیشین گوئی کرنا اور ایسی حدود پر اتفاق رائے حاصل کرنا ہے جن کے بیچ قیمت کے اتار چڑھاؤ زیادہ تر محدود رہیں اور بڑی تبدیلیوں کو اعتدال پر لانے کے لیے ان حدود کا استعمال کبھی کبھار ہوتا رہے بہرحال یہ مقصد پورا نہیں ہو سکا ہے۔

وقت ضرورت کام آنے والے (بفر) اسٹاک کا انتظام کرنے کے لیے قیمتوں کی حدود مقرر کرنے والے اور کمترین قیمت پر ہر چیز کی خرید اور بیشترین قیمت پر فروخت کرنے والے بین الاقوامی اختیاریہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس اختیاریہ کا سرمایہ بہت کم ہونے کی صورت میں اگر قیمت بہت دنوں تک نچلی ہی حد پر ٹکی رہے تو اسے اونچا نہیں اٹھایا جا سکے گا۔ اگر اختیاریہ کا اسٹاک محدود ہو اور قیمت زیادہ عرصے اوپر کی حد پر رہے تو ذخیرہ ختم ہو جانے پر اسے نیچے نہیں لایا جا سکتا۔ پس اس اختیاریہ کے وسائل جتنے زیادہ ہوں گے یہ اپنا کام اتنے ہی مؤثر ڈھنگ سے انجام دے سکتا ہے۔ ٹین کی رسد ختم ہو جانے پر ٹین اسکیم قیمت کو مستحکم رکھنے میں ناکام رہی اور مجبوراً قیمت میں اضافہ کو برداشت کرنا پڑا۔

قیمتوں کے تغیرات کو کسی توازنی سطح کے اردگرد مستحکم کرنے کی بجائے برآمدی کوٹے غالباً قیمتوں کے رجحان کو روکنے کا طریقہ ہیں۔ لاطینی امریکہ اور افریقہ کے بڑے کافی پیدا کرنے والوں کے درمیان معاہدہ کی رو سے برآمد کی جانے والی کافی کی حد مقدار مقرر ہے حالانکہ قیمت میں اضافہ ہو جانے پر ذخیرہ کردہ کافی کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لیے کوٹوں میں فوراً اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں بین الاقوامی معاہدے کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کیونکہ بڑے سپلائر برازیل کے برآمدات محدود کر دینے کی وجہ سے پیداوار میں اضافہ اور لاطینی امریکہ کے دوسرے ملکوں کے اس میدان میں داخلے کی بھی حوصلہ افزائی ہوئی لیکن مشرقی افریقہ کے کافی اگانے والے اس معاملہ میں شامل نہ تھے۔ اس معاہدے کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ درآمد کرنے والے ملک خاص طور پر ریاستہائے متحدہ کوٹوں پر کڑی نظر رکھتے ہیں کیونکہ برآمد کرنے والے چھوٹے ممالک کوٹے سے تجاوز کرنے کا رجحان رکھتے ہیں اور دھیرے دھیرے برازیل کی برآمدی حدود میں گھس آتے ہیں۔ ویسٹ افریکن کوکوا مارکیٹنگ بورڈ اس زمانے میں گھانا اور نائیجیریا کے قہوہ کو فروخت کرنے کا انتظام کرتا تھا جب یہ ملک برطانوی نوآبادیاں تھے۔ یہ زیادہ تر برآمدی کوٹہ اسکیم کی طرح کام کرتا تھا اور بازار میں مال بھیج کر قیمت کو بنائے رکھنے کی کوشش کیا کرتا تھا۔ مارکیٹنگ بورڈ کی بجائے ایک قہوہ معاہدہ بروئے کار لانے کی کوشش میں سخت دشواری پیش آئی کیونکہ قہوہ اگانے والے ملکوں میں نسبتی کوٹوں کے متعلق ابھی تک اتفاق رائے نہیں ہو سکا اور صارف ملکوں خاص طور پر ریاستہائے متحدہ نے کمترین قیمت کے بہت زیادہ ہونے کا اعتراض اٹھایا۔

کسی چیز کی قیمت کو استحکام دینے کے سلسلے میں بیشتر ین و کمتر ین قیمت کی اسکیم، اسٹاک برائے ضرورت اور برآمدی کوٹوں کے منصوبے سے متعلق سمجھوتے کے سبب سے کئی نازک سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ بازار خود اپنی رہنمائی قیمت کے نظام کے ذریعہ کر سکے اس کے لیے کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ اس اسکیم کو کس حد تک خود کار یا اختیار تمیزی پر مبنی ہونا چاہیے؟ کیا اس میں صارفین کو نمائندگی دی جانی چاہیے؟ ذخیرہ بنانے کے لیے درکار رقم کون فراہم کرے گا؟ کیا نئے داخلوں کی گنجائش رکھی جائے گی؟ کیا برآمد کوٹہ منصوبہ پیداوار اور برآمدات کو محدود کرنے کا کوئی میکانزم ہے تاکہ فروخت نہ ہو سکنے والے ذخائر جمع نہ ہو سکیں۔ یہ پروگرام دائمی نوعیت کا ہو یا صرف کسی خاص وقتی فرق پورا کرنے کے لیے۔ کیا ایک وقت میں اس پروگرام میں ایک ہی چیز کو شامل کیا جائے یا بہت سی اشیا کو؟۔ ان میں سے بہت سے سوالات کی پیچیدگیاں بالکل واضح ہیں اور ان پر مزید تبصرے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن بعض نکات ذرا کم واضح ہیں۔

ذخیرہ کس کے پاس رہتا ہے اور اس کے لیے رقم کون بہم پہنچاتا ہے اس کا ادائیگیوں کے میزان پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ اگر اسٹاک مثال کے طور پر درآمد کرنے والے ملکوں کے پاس رہتا ہے تو تجارتی سائیکل کے دوران برآمدات کو استحکام حاصل رہتا ہے اس کے برعکس اسٹاک برآمد کرنے والے ملکوں کے پاس ہونے پر قیمت مستحکم ہو سکتی ہے مگر برآمدات نہیں۔

برآمدی کوٹوں کا مقصد قیمت کو اونچا رکھنا ہوتا ہے لیکن اس کا فائدہ کاشتکار کو پہنچتا ہے یا ملک کو؟ اگر کاشتکار کو زیادہ قیمت ملتی ہے تو اسے پیداوار کی سطح کو اونچا رکھنے کی ترغیب ملتی ہے پیداواری کوٹے نافذ کیے جا سکتے ہیں لیکن وہ ہمیشہ کارگر نہیں ہوتے اس کی وضاحت ریاستہائے متحدہ میں بوئے جانے والے رقبہ پر لگائی گئی پابندیوں سے ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے پودے زیادہ پاس پاس لگائے گئے اور کھاد کا زیادہ استعمال کیا گیا۔ معاشی لحاظ سے سب سے عمدہ اسکیم یہ ہے کہ برآمدی قیمت کو اونچا رکھا جائے لیکن پیداوار کو محدود رکھنے کے لیے کسان کو کم قیمت دی جائے۔ اس سے حکومت کو کافی بڑی رقم آمدنی کے طور پر حاصل ہو جاتی ہے۔ اگر اسکیم کا مقصد استحکام کا حصول ہو صرف قیمتوں میں اضافہ نہیں تو نیچی قیمتوں کے زمانے کے لیے رقم محفوظ رکھنی چاہیے تاکہ کاشتکاروں کو ملک میں برآمدی قیمت سے زیادہ قیمت دی جا سکے۔ لیکن معاشی لحاظ سے پسندیدہ حل کا سیاسی یا انتظامی نقطۂ نظر سے ہمیشہ قابل عمل ہونا ضروری نہیں ہے۔ برآمدی فصلوں کو اگانے والے اگر سیاسی لحاظ سے اہم ہوتے ہیں لہٰذا ایسے کسی اقدام کے سامنے جھکنے کو تیار نہیں ہوتے جو دراصل برآمدات پر بھاری ٹیکس کے مترادف

ہو۔ اگر وہ ایسا کر بھی لیں تو بڑے برآمدی ٹیکسوں میں سے خوشحالی کے دنوں میں زرمبادلہ کا اندوزوالگ رکھنے کے لیے حکومتیں شاذ ہی صبر و ضبط سے کام لیتی ہیں۔ دلیسٹ افریکن کوکوا مارکیٹنگ بورڈ نے اسٹرلنگ میں بڑی رقم جمع کر لی تھی لیکن پھر اسے قیمت بڑھانے کے لیے کاشتکاروں کے دباؤ کے سامنے جھکنا پڑا اور زرمبادلہ کا رزرو ضائع ہو گیا۔

خیال یہ تھا کہ آخرالذکر مسئلہ کو حل کرنے میں "خودکاری" سے مدد مل سکے گی۔ بائرادر بیٹش نے یہ مشورہ دیا کہ ویسٹ افریکن کوکوا مارکیٹنگ بورڈ کو درحقیقت کسانوں کو ایک متحرک اوسط قیمت ادا کرنی چاہیے مثال کے طور پر وہ موجودہ قیمت کا نصف جمع پچھلے تین سالوں کی روکی گئی رقم کا ایک تہائی ادا کرے اسٹاک اسکیم کے منتظمین کے لیے وہ حدیں پہلے سے طے کی جاسکتی ہیں جن پر وہ خرید و فروخت کریں گے یا انھیں بازاری عوامل کے مطابق کام کرنے کا اختیار دیا جاسکتا ہے۔

چیز کی قیمت کے منصوبے عارضی ہوں یا دائمی اس سوال کا انحصار اس امر پر ہے کہ یہ منصوبے طویل مدتی قیمت کو بدلنا چاہتے ہیں یا محض قیمت کو اس کے اردگرد مستحکم رکھنا ان کا مدعا ہے۔ آغاز میں ریاستہائے متحدہ کی حکومت اشیائی معاہدوں کے سراسر خلاف تھی۔ 1948 کی ہوانا کانفرنس میں اس کا رویہ کچھ نرم ہوا۔ اس کانفرنس میں بین الاقوامی تجارتی تنظیم کا مسودہ پیش کیا گیا تھا۔ اس میں ریاستہائے متحدہ نے عارضی سمجھوتوں کے لیے آمادگی کا اظہار کیا۔ یہ معاہدے پانچ سال کے لیے ہوسکتے تھے اور پھر مزید پانچ سال کے لیے ان کی تجدید ہوسکتی تھی۔ ان کا مقصد کسی مخصوص عدم توازن کی صورتِ حال کا مقابلہ کرنا تھا مثلاً کسی چیز کا اتنا فاضل ذخیرہ ہو جائے کہ وہ بوجھ معلوم ہونے لگے۔ یہ ضرورت پوری ہونے پر معاہدہ از خود ختم ہو جاتا تھا۔ تجارت و ٹریف پر عام سمجھوتے کے زیر اہتمام پیش کی جانے والی 1965 کی مشہور و معروف ہیبرلر رپورٹ کے وقت تک دائمی سمجھوتوں کو بھی احترام کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔ (دشواری یہ تھی کہ یہ سمجھوتے ابھی تک ناقابلِ عمل تھے)۔

آخر میں وہ سوال جسے کم ترقی یافتہ ممالک بار بار اٹھاتے تھے یہ تھا: ایک وقت میں کسی ایک ہی چیز کے بارے میں سمجھوتوں پر غور کرنا کیوں ضروری سمجھا جاتا تھا جبکہ ایک سے زیادہ حد یہ ہے کہ بین الاقوامی تجارت میں شامل تمام اہم اشیا تک پر ایک ساتھ غور کرنے سے بچنے کی بچتوں اور سودے بازی کی گنجائش بالکل صاف نظر آتی تھی۔ فوڈ اینڈ اگریکلچرل آرگنائزیشن کا عملہ اور زراعت کے سابق فرانسیسی وزیر ایم۔ پسانی بین الاقوامی تجارت میں ابتدائی اشیا کے بھاؤ کو "منصوبہ بند" کرنے کی بات کہہ چکے ہیں۔ اس بحث کا بیشتر حصہ مبہم اور خیالی ہے اور کوئی واضح منصوبہ پیش نہیں کرتا۔ اس کی ایک ٹھوس مگر ناقابلِ قبول شکل

یہ ہے کہ عالمی زر کے لیے اشیائی پشتی بان تیار کیا جائے ۔ یا تو یہ از خود ایک مقصد ہو یا اسے زری اصلاح کے ایک حصہ کی شکل میں اپنایا جائے ۔

کسی واحد چیز میں اشیائی سمجھوتہ کا کارگر طور پر کام کرنا اس قدر دشوار ہے کہ اسے ناممکن ہی سمجھنا چاہیے ۔ جیسا کہ پروفیسر جانسن کہتے ہیں سارا دارو مدار طویل مدتی توازن قیمت کا پتہ لگانے پر ہے ۔ اقوام متحدہ کے ماہرین کے ایک گروہ نے یہ اعلان کیا کہ کم ترقی یافتہ ملک جس مناسب، معقول اور منصفانہ قیمت کی مانگ کرتے ہیں وہ دراصل طویل مدتی توازن قیمت ہے ۔ (اگرچہ اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے غیر ترقی یافتہ ممالک کے نمائندے کچھ پریشانی محسوس کرتے ہیں) کسی نظریاتی نتیجہ پر پہنچنا ایک بات ہے ۔ طویل مدت میں توازن قیمت کا اندازہ لگانا اور مستقبل میں اس کے راستے کی نشان دہی کرنا دیگر بات ہے ۔ لیکن اس راستے میں حائل دشواریاں محض تکنیکی نوعیت کی نہیں ہیں ۔ صارفین یا سرکاری نمائندوں کی قیمت کو توازن سطح کے ساتھ رکھنے کی کوششیں زیادہ کارگر نہیں ہوتیں ان کے مقابلہ میں صنعت کاروں کے دباؤ قیمت کو اس سطح سے اونچا پہنچانے میں اکثر و بیشتر مؤثر ثابت ہوتے ہیں ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پیداوار میں اضافہ کرنے پابندیوں کی خلاف ورزی کرنے اور سمجھوتے سے باہر کے میدانوں میں پیداوار کے نئے راستے اختیار کرنے کے لیے بڑی زبردست تحریک موجود رہتی ہے ۔ طویل عرصے میں اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پیداوار ضرورت سے زیادہ ہو جاتی ہے اور کام بالکل رک جاتا ہے ۔

بہت سی قیمتوں کے بارے میں ایک ساتھ مذاکرات کرنے کا جواز یہ ہے کہ ایسی صورت میں ہر ایک ملک دوسرے کو قیمت کے معاملہ میں مدد دینے کے لیے آمادہ نظر آئے گا شرط یہ ہے کہ اسے اس کا حصہ (دوات کا) ملتا رہے ۔ ہر چیز کے لیے الگ مذاکرات کے مقابلہ میں غالباً تمام ابتدائی اشیاء کی قیمتوں پر ایک ساتھ بات چیت کر کے کسی فیصلے پر پہنچنا زیادہ آسان رہے گا ۔ تاہم یہ خیال نہایت مشکوک ہے ۔

بعض حالات میں چیزوں کی قیمتوں کے بارے میں 'منصوبہ بندی' کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ منڈیوں کسانوں اور خریداروں کو صرف اور پیداوار کی موجودہ سر آنے والی صورت حال کے بارے میں بہتر جانکاری فراہم کی جائے ۔ ایسا کرنا ہمیشہ ہی مستحسن ہوتا ہے ۔ تاہم اقوام متحدہ کے اشیائی بازوں کے تحت کام کرنے والے نام نہاد مطالعہ گروہ ہمیشہ قیمتوں میں اضافہ کی کوششوں کی رہبری کرتے معلوم ہوتے ہیں وہ صرف بازار کے بارے میں معلومات فراہم کرنے پر اکتفا نہیں کرتے ۔

مالیاتی طریقے :

اشیاء کی قیمتوں کے میدان میں براہ راست کام کرنے کی بجائے مسئلہ کو حل کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ

قیمت میں عدم استحکام کے مالی نتائج پر توجہ مرکوز کی جائے۔ 1964 میں جنیوا کے مقام پر انکٹاڈ UNCTAD. کی کامیابیوں میں سے ایک یہ تھی کہ عالمی زری فنڈ IMF، ان ملکوں کو زیادہ خودکار طور پر قرضے دینے کے لیے رضامند ہو گیا تھا جن کی آمدنی میں کمی کا سبب برآمدی قیمتوں میں گراوٹ ہوتی تھی۔ ملک کے IMF کوٹے میں پانچواں حصہ اشیائی ترنیچ (TRANCH) ایک فرانسیسی لفظ ہے جس کا بین الاقوامی مالیات میں بہت استعمال ہوتا ہے اس کا مطلب "ٹکڑا" یا حصہ ہوتا ہے۔) ہوتا تھا۔ اس سے متعلق قوانین قرض ترنیچ سے مختلف تھے اور اس تک پہنچ زیادہ آسانی سے ہو سکتی تھی۔

اگر کسی ملک میں نظم و ضبط کی انتہا ہو تو وہ اپنی معیشت کو قیمتوں کے سائیکلی اتار چڑھاؤ سے خود ہی محفوظ رکھ سکتا ہے۔ سائیکل کے چڑھاؤ والے حصہ سے شروعات کیجیے اور صحیح طریقۂ کار کیا ہوگا ملاحظہ کیجیے۔ برآمدی ٹیکس کسانوں کی آمدنی میں قیمتوں کے بڑھنے کے سبب ہونے والے اضافہ کو چوس لیں گے اس سے سرکار کے پاس غیر ملکی زرمبادلہ جمع ہو جائے گا جسے وہ غیر فعال کر دے گی یعنی بیکار پڑا رہنے دے گی اور ملک میں زر کے پھیلاؤ میں اضافہ سے باز رکھے گی۔ جب قیمتیں گرنے لگیں گی تو برآمدی ٹیکس ختم کر دیے جائیں گے درآمدات کو جاری رکھنے کے لیے زرمبادلہ فروخت کیا جائے گا۔ اور بین الاقوامی بازاروں میں مبادلہ کی موجودہ شرحوں کے حساب سے برآمد کرنے والوں کو جو قیمتیں ملنی چاہئیں ان سے زیادہ دام دینے کے لیے مقامی کرنسی کا استعمال کیا جائے گا۔

مرحوم راگنر نرکس کی رائے میں اس مقصد کے حصول کی خاطر برآمدی ٹیکس کا استعمال کرنا اچھا نہیں تھا کیونکہ اس سے برآمدات، درآمدات کی حریف اشیاء اور صرف خانگی استعمال میں آنے والی چیزوں کی قیمتوں کا باہمی تعلق بگڑ جاتا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ تیزی کے دور میں عام تحصیل سے فاضل زرمبادلہ جمع کیا جائے اور مندی کے زمانے میں ادائیگیوں کے میزان اور بجٹ کے خساروں کو اس سے پورا کیا جائے اس سے نسبتی قیمت ڈھانچے میں کم سے کم تبدیلی ہوگی۔

لیکن اس کے لیے تحصیل کے ایسے مضبوط و معیاری انتظام کی ضرورت ہوتی ہے جو کم ترقی یافتہ ممالک تو کیا ترقی یافتہ ملکوں تک کی دسترس سے باہر ہے۔ جیسا کہ ویسٹ افریقن کوکا مارکیٹنگ بورڈ کے تجربہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ غیر یقینی مستقبل کے لیے جمع کی گئی زرمبادلہ کی رقوم اس امر کا شاذ ہی ثبوت ہو سکتی ہیں کہ ان کو خرچ کر ڈالنے کی سیاسی خواہش موجود نہیں ہے۔ IMF کے اشیائی ترنیچ کے فائدے یہ ہیں کہ کوئی ملک قیمتوں میں ابتدائی اضافہ کا انتظار کیے بغیر تجارت کا آغاز قیمتوں کے کم ہونے کی صورت میں بھی کر سکتا ہے اور واپس ادائیگی کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ہم میں سے بہت سے لوگ اپنے آپ پر بچت

کرنے کی پابندی معاہداتی طریقوں سے عاید کرلیتے ہیں، بیمہ، پنشن پلان اور حد یہ کہ کرسچین کلب تک اس امر کی شاہد ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اپنی بچت میں سے ادھار لینے کے بعد اسے خود کو واپس کرنے کے لیے جس ذاتی نظم و ضبط کی ضرورت ہے اس کو بروئے کار لانا نہایت دشوار کام ہے۔

ایک اور طریقہ جسے قبول نہیں کیا گیا ہے یہ ہے کہ جن ملکوں کی شرائطِ تجارت میں مجوزہ حدود کے اندر غیر موافق تبدیلیاں ہوں انھیں مالی امداد بہم پہنچائی جائے یا ایسا بیمہ دیا جائے جس کا پریمیم سب تاجر ملک ادا کریں۔ ایک اسکیم کے تحت جس ملک کو بنیاد ــــ سال کے مقابلہ شرائطِ تجارت میں 10 فی صد کا اضافہ ہوا ہے اپنے نفع کا ایک حصّہ ایک فنڈ میں جمع کرنا ہوگا جو ان ملکوں میں تقسیم کیا جائے گا، جنھیں 10 فیصد یا اس سے زیادہ کا نقصان پہنچے گا۔ انشورنس پلان کے تحت تمام ملک برآمدات کا ایک معمولی حصّہ پریمیم کے طور پر ادا کرتے ہیں اور اس طرح حاصل کی گئی رقم ان ملکوں کو دی جاتی ہے جن کو کم قیمتوں کے تجربے سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ کیونکہ توقع کی جاتی ہے کہ ترقی یافتہ ملکوں میں قیمتیں نسبتاً زیادہ مستحکم رہیں گی اس لیے اس پلان کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ ان ملکوں کو انشورنس ملنے کی بجائے انھیں دوسروں کی مدد زیادہ کرنی پڑے گی۔ لیکن ان بین الاقوامی اسکیموں کی تکنیکی تفصیلات کی دشواریوں پر قابو حاصل کرنا ناممکن ثابت ہوا۔ کیا خالص مبادلہ شرائطِ تجارت، تجارت سے ہونے والے نفع کا صحیح پیمانہ ہیں؟ (باب 5 میں یہ دلیل پیش کی گئی ہے کہ ایسا نہیں ہے) بہت سے مفروضہ حالات کے تحت فنڈ میں جمع کی جانے والی رقموں کو اس سے طلب کی جانے والی رقوم کے مطابق بنانا کیسے ممکن ہے۔؟ ان عوامل کا پتہ لگانے کے لیے جب یہ اسکیمیں ناکام نہ ہوتی ہوں لاکھ کاغذ پنسل گھسنے پر بھی کامیابی کا حاصل ہونا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے تاوقتیکہ ہم ابتدائی عرصے کو نہایت ہوشیاری سے نہ چنیں یا قسمت ہی اس کام میں ہمارا ساتھ نہ دے جائے۔

کچھ سال پہلے بنیجامن گراہم نے اشیائی ڈالر کی تجاویز پیش کی تھیں۔ فرینک ڈی گراہم اور اقوام متحدہ کے اشیائی ماہرین میں سے جے۔ گوڈرین نے ان تجاویز کی حمایت کی ہے۔ اس خیال کی ایک قدرے مختلف تصویر جس میں عالمی زرعی اصلاح شامل تھی۔ UNCTAD. کی 1964 کی جنیوا کانفرنس میں تین ممتاز ماہرین معاشیات نکوس کالڈور، ایلبرٹ ہرٹ، اور جان ٹمبرجن نے پیش کی تھی۔ ان اسکیموں کا تجزیہ یہ تھا کہ قومی یا آخر الذکر کیس میں عالمی زرعی اہل اختیار ابتدائی اشیاء کے ایک (عالمی) قیمت اشاریہ کو مستحکم کرنے کی کوشش کریں۔ اس کے لیے قیمت اشاریہ کے منظور شدہ حدود سے نیچے گرنے پر وہ ان اشیاء کا ایک مقررہ بنڈل خریدیں اور قیمت ان حدود سے جانے پر اسے بیچیں۔ کسی واحد چیز کی قیمت

مقرر کرنے کی کوئی کوشش نہ کی جائے۔ جب بھی اشیاء کی تجارت کی جائے گی پورا بنڈل خریدا اور بیچا جائے گا۔ کسی چیز کے بہت کمیاب یا افراط میں ہو جانے پر بنڈل کی اشیاء کے مابین کبھی کبھی تناسبات میں ترمیم کرنے کی گنجائش رکھنی ہو گی لیکن کوشش اشاریہ کو مستحکم کرنے کی کی جائے گی مخصوص اشیاء کی قیمتوں کو نہیں اس کام کے لیے اشاریہ گرنے پر نیا زر جاری کیا جائے گا اور قیمتیں کافی بڑھ جانے پر اسے چلن سے واپس نکال لیا جائے گا۔

منصوبہ کے زری خدوخال ہمیں اپنے طے کردہ راستہ سے کچھ دور لے جاتے ہیں پھر بھی ہمیں ان کا طائرانہ جائزہ لینا ہو گا لیکن پہلے کچھ دلچسپ خدوخال پر توجہ دیجیے۔ (۱) پٹرول سے بنی ہوئی اشیاء، گوشت، انڈے، کوئلہ، بہت سی جڑی بوٹیاں اور تیل، پھل اور مچھلی جیسی بہت سی اشیاء کا آسانی سے ذخیرہ نہیں کیا جا سکتا۔ انھیں اسکیم سے بالکل باہر چھوڑنا پڑے گا۔ دیگر اشیاء کو ذخیرہ کرنے اور اسٹاک کو بدلتے رہنے کی لاگت پر بہت زیادہ خرچ آئے گا۔ (۲) اس نظام کے اثرات نہایت غیر یقینی ہوں گے اور اسے صرف ابتدائی اشیاء تک محدود رکھنے کی صورت میں ترقی پذیر ممالک کی نسبت ترقی یافتہ ملکوں کو زیادہ فائدہ پہنچے گا۔ گیہوں، کپاس، اون، اناج، گوشت، مکھن اور ایسی ہی اور اشیاء کو لیجیے۔ غالباً اس فہرست کو اس طرح مرتب کیا جا سکتا ہے کہ معتدل علاقوں میں پیدا کی جانے والی خاص خاص چیزیں اس سے حذف کر دی جائیں لیکن ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کے بیچ اشیاء کی فہرست ایسی نہیں ہو سکتی کہ ایک میں شامل چیزیں دوسری میں بالکل شامل نہ ہوں تاہم کم ترقی یافتہ ملکوں کی اشیاء میں شامل فہرست میں ترقی یافتہ ملکوں میں پیدا کی جانے والی کچھ اشیاء لازماً ہوں گی۔ (۳) مانگ اور رسد کی صورت حال بدلنے پر اس کے لحاظ سے اشیاء کے بنڈل کو تبدیل کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ اس کام کو نظام قیمت مستحکم اوسط کی حدود میں انجام نہیں دے سکتا۔ پس ایسے مواقع پر سخت سودے بازی ہو گی۔

بہرحال بنیادی سوال زر سے متعلق ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ کیا ابتدائی اشیاء کی شرائط تجارت کو مستحکم بنانے کے لیے ان کے اوسط کو زری شکل میں استعمال کیا جائے گا۔ اس کا جواب یقینی طور پر نفی میں ہے اگر لمبے عرصے میں ابتدائی اشیاء کی پوزیشن مانگ یا رسد میں مخالف تبدیلی کی وجہ سے کمزور پڑتی ہے —— مانگ میں دھیرے دھیرے اضافہ ہو رہا ہو اور رسد یا داخلے کی سہولت زیادہ تیزی سے بڑھ رہی ہو —— تو شرائط تجارت کم ترقی یافتہ ملکوں کے خلاف ہو جائیں گی۔ یہ ایک حقیقی منظر ہے۔ اگر ہم ان اشیاء کی زری قیمتوں کے کسی اشاریہ کو مستحکم کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ مصنوعات کی قیمتوں میں بہت اضافہ ہو جائے گا۔ زری عمل کو زیادہ سے زیادہ ابتدائی اشیاء پیش کی جائیں گی زر کی رسد پھیلتی جائے گی

اور بڑھی ہوئی آمدنیوں کا نسبتاً زیادہ حصہ مصنوعات پر خرچ ہوگا جس سے ان کی قیمتیں بڑھتی جائیں گی۔ زرعی میدان میں اور بہت سے نظریات کی طرح یہاں بھی جو کچھ استحکام کا نادر اوزار دکھائی دیتا ہے۔ نظرثانی کرنے پر افراطِ زر کا انجن ثابت ہوتا ہے :۔

اشیائی کارٹل :

نکل، ہیرے، ایلیمونیم، لکڑی، لوہا اور فولاد ریاستہائے متحدہ میں ان بے شمار اشیاء کی چند مثالیں ہیں جو ترقی یافتہ ممالک میں پیدا کی جاتی ہیں اور جن کی شرائطِ تجارت میں گراوٹ آتی دکھائی نہیں دیتی۔ اصل کمیابی ان میں سے چند اشیاء کا خاصہ ہے مثلاً لکڑی۔ دیگر اشیاء میں پیداوار چند کمپنیوں کے ہاتھوں میں ہے وہ ان کی پیداوار کو کم رکھتی ہیں اور ان کی قیمتیں اونچی رہتی ہیں۔ نکل اور ایلمونیم جیسی چیزوں میں جہاں کمیاب معدنیات یا سرمائے کی بہت بڑی مقدار درکار ہوتی ہے قیمتیں زیادہ عرصے تک اونچی رہ سکتی ہیں۔ کیونکہ یہاں پر نئی فرموں کا داخلہ آسان نہیں ہوتا۔ بہرحال جہاں داخلہ کو محدود نہیں رکھا جاسکتا تھوڑے عرصے تک قیمتیں اونچی رہ سکتی ہیں مگر وقت گذرنے پر وہ کم ہوجاتی ہیں۔ وہ لوگ جنھیں کسی پیشے میں جانے پہچانے صنعت کار 'نقب زن' کے نام سے پکارتے ہیں اپنی بکری کو بڑھانے کے لیے قیمتوں کو کم کر دیتے ہیں اس کے لیے وہ بتائی گئی قیمتوں میں بہت سی کٹوتی کرکے سامان فروخت کرتے ہیں۔

تیل کی عالمی تجارت میں دلچسپ بات یہ ہے کہ کمپنیوں کے ناکام ہوجانے کے بعد تیل پیدا کرنے والے ممالک کی ایک تنظیم دی آرگنائزیشن آف پٹرولیم ایکسپورٹنگ کنٹریز (OPEC) قیمتوں کو اونچا رکھنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے۔ اوپیک اپنی پالیسی کو چھپانے کی کوشش نہیں کرتی اور یہ پالیسی ہے قیمتوں کو بڑھانے کی اور ممکن ہو تو اگست 1960 میں کی گئی تخفیف سے پہلے کی سطح پر لے جانے کی۔ طریقہ کار دلچسپ ہے۔ کمپنیوں کی آمدنی پر ٹیکس بتائی گئی قیمتوں پر لیا جاتا ہے گھٹائی گئی قیمتوں پر نہیں جبکہ تجارت میں اپنے حصہ کو قائم رکھنے کے لیے آخرالذکر قیمت پر بیچنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ برآمدی ٹیکس کے مترادف ہے جو پیداوار کو کم کر دیتا ہے اور غیر ملکی طلب تو اس کی لچک کم ہونے کی وجہ سے باہر قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔ لیکن نئی فرموں کو میدان میں آنے سے روکنے کے لیے شاذ ہی کچھ کیا جاسکتا ہے۔ اوپیک میں شامل ابتدائی ملکوں کے علاوہ دیگر ملکوں جیسے لیبیا، مصر اور الجزائر میں تیل کی تلاش اور پیداوار کا کام جاری ہے اور نئے ملک اس تنظیم میں اس وقت تک شامل نہیں ہوتے جب تک

انھیں یہ یقین نہ ہو جائے کہ انھیں کل بکری میں قابل لحاظ حصّہ دیا جائے گا۔ جیساکہ 1928 میں ملایا کا ربر۔ برازیل کا۔ کافی اور کیوبا کا چینی میں تیز اور دوسرے ملکوں میں بھی تجربہ رہا۔ قلیل مدت میں قیمتوں کا اونچا رکھنا طویل مدت میں نئے پیدا کرنے والوں کو داخلہ کی ترغیب دیتا ہے اور بالآخر قیمتیں گر جاتی ہیں۔

مصنوعات کو ترجیح :

جنیوا میں 1964 کے انکٹاڈ (UNCTAD .) میں کم ترقی یافتہ ملکوں نے جو مطالبات پیش کیے تھے ان میں سے ایک مطالبہ یہ تھا کہ ترقی یافتہ ممالک مل کی بنی ہوئی اشیاء کے معاملہ میں ان ملکوں کو ترجیح دیں، ایسی اشیاء میں آزادانہ تجارت کا مطالبہ کرنا بے جا تصور کیا جاتا تھا غالباً ترقی یافتہ ممالک کو یہ حق پہنچتا تھا کہ وہ غیر ملکیوں کے مقابلہ میں مقامی صنعت کاروں کے حق میں امتیازی رویہ اختیار کریں۔ لیکن سارے غیر ملکیوں کو بحیثیت مجموعی لے کر کم ترقی یافتہ ملک یہ چاہتے تھے کہ دیگر ترقی یافتہ ملکوں کے مقابلہ میں انھیں ترجیحی مقام حاصل ہو۔

ریاستہائے متحدہ نے اس مانگ کو مسترد کر دیا۔ دیگر ترقی یافتہ ممالک نے اتنا سخت رویہ نہیں اپنایا اگرچہ یہ کہنا دشوار ہے کہ اگر ریاستہائے متحدہ انکار کا بوجھ اپنے سر نہ لیتا تو یہ ملک فی الواقع اس مطالبہ کو کسی حد تک ماننے کے لیے رضامند ہوتے۔ پروفیسر ہیری۔ جی۔ جونس نے کم ترقی یافتہ ملکوں کو فوقیت دیے جانے کے مطالبہ پر بے شمار اعتراضات اٹھائے ہیں —— اس سے خلفشار پیدا ہوگا، سرکاری دیکھ بھال اور کنٹرول کی ضرورت پڑے گی، نئے مخفی مفادات جنم لیں گے اور ملکوں کے لیے دیگر امتیازات برتنے نیز جھگڑوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری ہو جائے گا۔ کیونکہ دنیا کے ملک یہ مطالبہ کریں گے کہ امتیاز، انصاف، پر مبنی ہونا چاہیے۔ تاہم ان کی رائے میں سیاسی وجوہات کی بنا پر یہ خیال سنجیدہ غور و خوض کا مستحق ہے۔ کم ترقی یافتہ ملکوں کو شکایت ہے کہ G A T T. نہ تو ان کی مدد کر سکتا ہے اور نہ کرے گا، ترقی یافتہ ممالک باہم اور کم ترقی یافتہ ملکوں کے خلاف امتیازی رویہ اپناتے ہیں، اور اب وقت آگیا ہے کہ ان امتیازات کو ختم کر دیا جائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کم ترقی یافتہ ملکوں کی اس شکایت میں بڑی جان ہے کہ آج کل ان کے خلاف امتیاز برتا جا رہا ہے۔ باب ۲ میں 1962 کے توسیع تجارت قانون کی 80 فی صد دفعہ

پر بحث کی جا چکی ہے۔ اس کی رو سے ان اشیاء پر ٹریف ختم کر دیے جائیں جن کی عالمی تجارت کا 80 فیصد یا اس سے زیادہ ریاستہائے متحدہ اور مشترک منڈی کے ہاتھ میں ہے اس دفعہ کو صریحاً اور دیدہ دانستہ ان اشیاء پر ٹریف کم کرنے کے لیے وضع کیا گیا تھا جن کے بازار میں کم ترقی یافتہ ملکوں کا کوئی حصہ نہیں تھا اور تھا بھی تو نہایت معمولی۔ برطانیہ کے مشترک منڈی میں شامل نہ ہو سکنے کی وجہ سے یہ دفعہ بے اثر ہو گئی لیکن ارادہ صاف تھا۔ اس کے علاوہ ٹیکسٹائل سمجھوتہ ہے جس کے تحت برآمد کرنے والے ملک اس بات کے لیے آمادہ ہو گئے ہیں کہ وہ ترقی یافتہ ممالک خاص طور پر ریاستہائے متحدہ کو کپڑے کی برآمدات محدود کریں گے۔ اس لیے نہیں کہ برآمدات کو کم کرنا چاہتے ہیں بلکہ اس لیے کہ انھیں متنبہ کر دیا گیا ہے کہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں ترقی یافتہ ملکوں کے کوٹے انھیں محدود کر دیں گے۔ جاپان کی تجارت پر سے کوٹے کی پابندیوں کو ختم کرنے میں ریاستہائے متحدہ نے ذرا تساہل سے کام لیا ہے تاہم یورپ کے مقابلہ میں اس کی رفتار کہیں تیز رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کم ترقی یافتہ ملکوں کی مصنوعات کم اجرتی ہوتی ہیں اس لیے وہ ترقی یافتہ ملکوں کے حساس ' ووٹ پر نظر رکھنے والے، محنت زدہ اور درآمدات کے حریف طبقوں کی نظر میں کھٹکتی ہیں اور ان ملکوں میں سیاسی وجوہات سے درآمداتی مسابقت کو خوش آمدید کہنا نہایت دشوار ہوتا ہے۔ جو اشیاء دوسرے ترقی یافتہ ملک پیدا کرتے ہیں ان میں ٹریف میں کمی تجارت کی آزادی کو پسند کیا جاتا ہے۔ کم ترقی یافتہ ملکوں کی نظر میں یہ وہ اشیاء ہیں جنھیں ایک امیر ملک دوسرے امیر ملک کے لیے پیدا کرتا ہے لیکن اگر کوئی غریب آدمی بیچ میں گھسنے کی کوشش کرتا ہے تو کوٹوں کی حد بندی کر کے اسے دور رکھا جاتا ہے یا یہ بھی ہوتا ہے کہ اسے خود ہی ان کوٹوں کو نافذ کرنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے تاکہ ترقی یافتہ ممالک کا یہ بھرم قائم رہے کہ وہ مقداری رکاوٹوں کو پسند نہیں کرتے ـــــ جونسن کی رائے میں ترقی یافتہ ملکوں کا یہ دعویٰ قابل قبول نہیں ہے کہ مصنوعات پر ان کے ٹریف کی شرحیں کم ہوتی ہیں اس کی وجہ تحفظ کی کارگر شرح کا نظریہ ہے۔ کپڑے میں خاص طور پر کم ڈیوٹی والے درآمد کردہ ریشے کا تناسب زیادہ ہوتا ہے اس لیے کارگر شرحیں ضابطے کی شرحوں سے کہیں اونچی ہوتی ہیں۔

ترقی یافتہ ملک یہ دعویٰ کریں گے کہ حالات اتنے خراب نہیں ہیں جیسا کہ کم ترقی یافتہ ملک ان کی تصویر کشی کرتے ہیں، ترقی یافتہ ممالک میں ٹریف کی شرحیں کم ہیں ٹیکسٹائل سمجھوتے میں ہر سال کوٹے کے اندر 5 فیصد اضافے کی شرط موجود ہے اور وقت گذرنے پر اس کی وجہ سے

کم ترقی یافتہ ملکوں سے آنے والی درآمدات پر بہت زیادہ اضافہ ہوگا۔ اور GATT کے کینیڈی دور میں تو کم ترقی یافتہ ملکوں کو ایک نہایت خوبصورت تحفہ پیش کیا گیا تھا جب انھیں 'سب سے زیادہ مراعات والی قوم' کی دفعہ کے تحت وہ سب رعائتیں دے دی گئیں تھیں جو ترقی یافتہ ملک ایک دوسرے کو دیتے تھے — لیکن خیر خواہی کے ان اظہاروں کو غلط ثابت کیا جا سکتا ہے۔ اگر رسمی شرحوں کی بجائے موثر شرحوں پر توجہ مرکوز کی جائے تو ترقی یافتہ ممالک میں ترلیف کم نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر بلاسہ کا کہنا ہے کہ ریاستہائے متحدہ اور مشترک منڈی میں سوتی کپڑے پر رسمی شرحیں 24 اور 21 فیصد ہیں مگر درحقیقت عملی طور پر 51 اور 52 فیصد کا تحفظ عطا کرتی ہیں۔ ٹیکسٹائل سمجھوتے میں 5 فیصد اضافے کی جو گنجائش رکھی گئی ہے وہ ان نئے کوٹوں سے ختم ہو جاتی ہے جو ریاستہائے متحدہ میں ایسے ملکوں سے نئی رسد کے آتے ہی نافذ کر دیے جاتے ہیں جو پہلے اسکیم میں شامل نہیں تھے۔ اور کینیڈی دور کے تحت کم ترقی یافتہ ملکوں کے لیے ترلیف میں یک طرفہ طور پر کی جانے والی کمی ان کے لیے کوئی وقعت نہیں رکھتی کیونکہ جن اشیاء میں ان کی دلچسپی ہو سکتی ہے ان میں سے بیشتر کوٹوں کی زد میں آجاتی ہیں یا پھر مستثنیات کے طریقے کی وجہ سے ترقی یافتہ ممالک کے دائرۂ تجارت سے باہر رہ جاتی ہیں۔

اس امر میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ کم ترقی یافتہ ملکوں کی اس شکایت میں بڑا وزن ہے کہ وہ امتیازی سلوک کا شکار ہیں۔ لیکن اس کا حل امتیاز کو ختم کرنا ہے امتیاز کو بدل کر ان کے حق میں کر دینا نہیں۔ آسٹریلیا نے کم ترقی یافتہ ملکوں کے ساتھ ہمدردی جتانے کے لیے سیاسی اقدام کے طور پر انھیں کچھ اشیاء میں ترجیحی مقام دیا لیکن ان مراعات کو کوٹوں کے حصار میں لے لیا جنھوں نے درآمدات کو اتنا کم کر دیا کہ وہ کل قومی پیداوار کا ایک نہایت معمولی تناسب ہو کر رہ گئیں۔ امتیاز سے ہو کر گزرنے والا راستہ ہمیں کوٹوں، کوٹے سے متعلق سودے بازی' اور تجارت پر اس کنٹرول کی طرف واپس لے آتا ہے جس نے 1930 کی دہائی اور جنگ کے فوراً بعد کے عرصے میں تجارت کا گلا گھونٹ دیا تھا اور جسے مسمار کرنے میں بڑا وقت لگا تھا۔ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ڈیوٹیوں کو عام طور پر کم کیا جائے یعنی مقامی صنعت کے ساتھ زیادہ معقول شرائط پر مسابقت کرنے کی سہولت بہم پہنچائی جائے۔ اسی بات پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے کہ دوسرے امکانی برآمد کاروں پر برتری حاصل ہو جائے۔

لمبے عرصے کے لحاظ سے اس کے امکانات روشن نظر آتے ہیں۔ ملک کسی حد تک سرمایہ اور محنت میں اضافہ کر کے ترقی کرتے ہیں۔ لیکن ترقی کی رفتار تیز کرنے کے لیے محنت کو خاص طور پر زیادہ پیداوار

دینے والی صنعتوں میں منتقل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے ۔ درآمد۔ حریف اشیاء کی لائنیں جن میں محنت کی کھپت زیادہ ہوتی ہے ترقی یافتہ ملکوں میں مجموعی طور پر کم اجرت اور کم منافع میدان عمل ہوتے ہیں۔ ان میں لگے ہوئے وسائل کو زیادہ پیداواری افعال میں منتقل کیا جانا چاہیے ۔مندی کے دور میں کوئی کام نہ کرنے سے یہ کام انجام دینا صریحاً بہتر ہے اور مندی کی نفسیات کی وجہ سے محنت کی زیادہ کھپت والی صنعتوں میں تریفوں کو کم کرنا مشکل ہو جاتا ہے ۔لیکن جب کامل روزگار کو دائمی طور پر قائم رکھا جاتا ہے جیسا کہ ریاستہائے متحدہ میں حال کے برسوں میں کیا گیا ہے اور یورپ میں بھی وسیع پیمانے پر ایسا ہوا ہے تو کسی بھی ملک کی محنت کو درآمد۔ حریف افعال سے مقامی یا برآمد کی جانے والی اشیاء کی پیداوار میں منتقل کرنے سے فائدہ رہتا ہے ۔میزان ادائیگی سے متعلق امور کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان پر ہم ۱۷ اور ۷ حصوں میں غور کریں گے ۔لیکن جو محرکات کسی مندی زدہ معیشت کے لیے مناسب معلوم ہوتے ہیں وہ کامل روزگار کے حالات میں نہایت گمراہ کن ثابت ہوتے ہیں ۔

ریاستہائے متحدہ میں ٹیکسٹائل سمجھوتے یا یورپ کے کوئلے میں روزگار کو بنائے رکھنے کے اقدامات کے بارے میں اتنا ہی کہا جا سکتا ہے جس صنعت میں روزگار نفع بخش نہ ہو اس کو ختم کرنے میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے ۔محنت کو دیگر مقامات پر منتقل کرنے میں وقت لگتا ہے ۔ کارخانے اور رہنے کے لیے مکانات بنانے ہوتے ہیں یا وہاں پر نئی صنعت کو متوجہ کرنے کے لیے وقت درکار ہوتا ہے ۔تبدیلی کی رفتار کو سست کرنے کے لیے تریف اور کوٹوں کو قابل فہم تصور کیا جا سکتا ہے ۔لیکن یہ تریف اور کوٹے وقت کے ساتھ مائل بانحطاط ہونے چاہئیں مثال کے طور پر ان میں پانچ سال تک 20 فی صدی سال کے حساب سے کمی کی جائے۔

جوابی عمل بنام عدم امتیاز :

کینیڈی دور میں وقت طلب مذاکرات میں زیادہ وقت لگنے اور انکٹاڈ[1] (UNCTAD) میں ترقی پذیر ممالک کی شکایات کے پیش نظر بعض ماہرین نے یہ تجویز پیش کی کہ امور تجارت سے متعلق ایک نئی راہ اختیار کرنے کا وقت آ پہنچا ہے ۔جونسن نے کہا کہ اگر جوابی عمل اور عدم امتیاز میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہے تو جوابی عمل کا انتخاب برمحل ہوگا اور عدم امتیاز کو خیرآباد کہنا چاہیے ۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جوابی عمل کی اساس تجارت نوازی ہے عدم امتیاز کے بارے میں بہت کچھ کہا

جا سکتا ہے اور دونوں اصولوں کے بیچ انتخاب کرنا غلط ہے۔ اس کے باوجود ان کو یہ فکر لاحق ہے کہ جی۔ اے۔ ٹی۔ ٹی (GATT) کے تحت جوابی عمل اور عدم امتیاز دونوں کے لیے پابند ہو کر کم ترقی یافتہ ملک دنیا میں آگے نہیں بڑھ سکتے۔ غالباً وہ ان دونوں ہی اصولوں سے چھٹکارا حاصل کرنا پسند کریں گے۔ ترقی پذیر ملکوں کے ایک گروہ نے انکٹاڈ کی مراعات سے متعلق مخصوص کمیٹی کو ایک تجویز پیش کی ہے۔ اس میں ترقی پذیر ممالک کو ترقی یافتہ ملکوں میں دی جانے والی مراعات کا ذکر ہے جن کی مانگ ان کے بدلے میں بغیر کسی جوابی مراعات کے کی گئی ہے۔ لیکن اگر ان دونوں اصولوں کے بیچ انتخاب کرنا ہی پڑا تو جونسن نے یہ پیش گوئی کی ہے کہ جوابی عمل (مراعات) باقی رہے گا اور عدم امتیاز ختم ہو جائے گا۔

اس صورت حال کی سیاست کو بآسانی سمجھا جا سکتا ہے لیکن معاشی پہلو میں بڑی خامی نظر آتی ہے۔ میزانِ ادائیگی کی دلیل اور شرائطِ تجارت اس ضمن میں بے موقع ہیں ان سے قطع نظر کامل روزگار کی دنیا میں جوابی مراعات کے حق میں کوئی معقول دلیل پیش نہیں کی جا سکتی۔ عدم امتیاز کی بنیاد کے مقابلے میں مثالی امتیاز سے عالمی فلاح و بہبود میں اضافہ کرنا ممکن ہے۔ لیکن یہ ضمانت حاصل کرنا یا باور کرنا مشکل ہوگا کہ امتیاز مثالی رہے گا۔ صنعتوں کو شروع کرنے کے لیے ترقی پذیر ملکوں کی یہ خواہش حق بجانب ہے کہ شیر خوار صنعت کو تحفظ دیا جانا چاہیے نیز ان میں سے جو کامیاب رہیں انھیں باہر کے بازار میں پہنچنے کا راستہ ملنا چاہیے۔ اول الذکر کا مطلب یہ ہے کہ جوابی مراعات کا سوال نہیں اٹھتا۔ دوسرا مقصد غالباً مراعات سے پورا ہو سکے گا۔ لمبے عرصے میں ٹریف کی شرحوں کو کم یا صفر رکھنا بہتر ثابت ہوگا۔ اگر کم ترقی یافتہ ملک اپنے کھلا بازار کو بچائے رکھنا چاہتے ہیں تو انھیں مراعات کی بجائے کم تر ٹریفوں پر زور دینے میں فائدہ رہے گا کیوں کہ مراعات کا مطلب یہ ہوگا کہ ترقی یافتہ ملکوں میں ٹریف جاری رہیں گے اور محنت کی کھپت والی صنعتیں قائم رہیں گی۔

مطالعہ کے لیے تجاویز :

تحقیقی رسائل وغیرہ

اس موضوع پر مفصل ترین بحث ان آٹھ جلدوں میں ملتی ہے جو 1964 میں جنیوا میں منعقد ہونے والی انکٹاڈ کانفرنس کے لیے تیار کی گئی تھیں ان میں سے ایک اشیائی مسائل اور دوسری مصنوعات میں تجارت پر ہے: (نیویارک اقوام متحدہ 1964) جلد III میں کالڈر۔ ہرٹ۔ ٹنبرجن کی وہ تجویز

پیش کی گئی ہے جس کا حوالہ اوپر متن میں دیا گیا ہے۔ ایک مختصر مگر جامع بحث جس کے کچھ حصوں پر اس کتاب میں اعتراض کیا گیا ہے، ہیری جی جونسن کی کتاب Economic Policies Towards

Less, Developed Countries (Washington , D.c The Brooking Institution

1967) (Paperback) Fredrick A Praeger Inc.) میں ملتی ہے۔ اشیائی سمجھوتوں کے بارے میں دیکھیں۔

J.W .F. Rowe, Primary Commodities in International Trade, مزید دیکھیں۔

(Cambridge; Cambridge University Press 1965) (Paperback)

A.I. Mac Bean, Export , Instability and Economic Development. (London:

George Allen & Unwin Ltd.1966) and Joseph D.Coppok International

Economic Instability (New York: MacGraw Hill C. Inc. 1962)

تجارتی مراعات و ترجیحات پر دیکھیں۔

Sideny Wein-traub, Trade Preferences for less Developed countries

(New York ; Fredrick A Praeger Inc 1967) اور ایک مختصر عام دلیل کے لیے

K.S. Sundara Rajan, "Tariff Preferences and

Developing Countries ", in Finance and Development , Dec,1966.

مخصوص ترقی پذیر ممالک کی غیر ملکی تجارت کے بارے میں مطالعہ کرنا مفید رہے گا مثال کے طور پر دیکھیں۔

William O Freithaler, Mexico's Foreign Trade and Economic

Development (New York: Fredrick A Praeger Inc 1967)

نکات:

ریاستہائے متحدہ میں سوتی کپڑے پر رسمی اور موثر (حقیقی) اوسط شرحوں کو Bela Blassa کی

Trade Liberalization among industrial countries (New York : Mac Graw

Hill Book Co. Inc.1967), Appendix Table 3.1 P. 180 سے لیا گیا ہے۔

مغربی افریقی قہوہ مارکٹنگ بورڈ کے تجربہ کے تذکرے کے لیے دیکھیں P.T. Bauer and F.W.

Paish "The Reduction of Fluctuations in the Incomes of Primary

Producers EJ December 1952 .

Conditions on Economic Developmenton Trade Policy Towards Low-Income

Countries (New York 1967)
کے ایک مشہور مطالعہ میں ٹریف میں کمی کی تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ یہ کمیاں ترقی یافتہ ملکوں کو ترقی پذیر ممالک کے حق میں یک طرفہ رعایت کے طور پر کرنی چاہئیں۔ اس میں عدم امتیاز اور جوابی مراعات دونوں اصولوں کو مسترد کر دیا گیا ہے۔

....

باب 11 | معاشی یک جہتی

کسٹم یونین کا نظریہ:

یک جہتی کا لفظ تعاون، ارتباط، اور تنظیم جیسے ان الفاظ میں سے ایک ہے جو اس وقت بے معنی رہتے ہیں جب تک انھیں کوئی مفہوم عطا نہ کیا جائے۔ ہم اس کی تعریف بعد میں کریں گے۔ لیکن یک جہتی پر بحث کا آغاز دوسری عالمی جنگ کے بعد وائن کی کتاب The Customs Union Issue اور خاص طور پر تجارت کی آفرینش اور تجارت کے رُخ میں تبدیلی کے تصورات سے ہوا۔ ان تصورات کو بھی معنی پہنانے کی ضرورت ہے۔ تجارت کے رخ بدلنے کے تصور کے پیچھے ایک ایسی عجیب بات کارفرما ہے جس نے معاشی پالیسی کے نظریہ میں بڑا مقام حاصل کر لیا ہے۔ ترلیف میں کمی کرنے والا ہر ایک قدم لازمی طور پر تجارت میں اضافہ کا سبب نہیں۔ دو تجارتی شرکاء کے درمیان تجارت کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو ختم کر دینے سے اس صورت میں عالمی کارکردگی میں بہتری پیدا ہونا ضروری نہیں ہے۔ جب تجارت کا رخ موڑنے سے ہونے والا اثر تجارت کو تجارت آفرینش اثر سے زیادہ وزن رکھتا ہو۔ انجام کار اس نے "دوسری بہترین راہ کے نظریہ" کی شکل اختیار کی۔ اس نظریہ کی رو سے اگر بہترین نتیجہ —— غالباً آزادانہ تجارت —— کا حصول ممکن نہ ہو تو کچھ ترلیفوں کو ختم کرنا غلط ہوگا اور دیگر ترلیفوں کا نفاذ بہتر۔ لیکن ہم اپنی کہانی سے آگے نکل آئے ہیں۔

تجارت کی آفرینش اور اس کا رخ بدلنے کے نظریہ کو جزدی اور عام توازن دونوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔ کسی واحد چیز کے لیے جزدی توازن کی صورت حال کو شکل نمبر 11.1 میں پیش کیا گیا ہے۔ شکل نمبر 11.1 میں فرض کریجیے کہ D-D اور S-S کسی 'مقامی' ملک کے طلب اور رسد قوس ہیں یہ ملک کسی چیز کی M-M1 مقدار درآمد کرتا ہے اور ترلیف H تا ہے۔ یہ جان لیا گیا ہے کہ عالمی قیمت تا 0 ایک لامحدود طور پر لچکیلی رسد جدول کو ظاہر کرتی ہے۔ اس سے کسٹم یونین کی تشکیل کے بعد باقی دنیا کی تجارت پر شرائط تجارت کے غیر موافق اثرات مرتب ہونے کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔ مختصراً یہ کہ کچھ بھی ہو عالمی

قیمت جامد رہتی ہے۔ OP قیمت پر ساتھی ملک کی رسد کو بھی غیر محدود طور پر لچکیلی مان لیا گیا ہے۔ کسٹم یونین سے پہلے مجوزہ "ساتھی" (جس کو اتنا ہی ٹریف دینا ہوتا تھا جتنا باقی "دنیا" کو) بازار سے باہر رہتا ہے کیونکہ اس کی ٹریف سے قبل کی قیمت باہری دنیا کی قیمت سے اونچی ہے۔ یونین بن جانے کے بعد جب ساتھی سے کوئی ٹریف نہیں لیا جاتا اور باقی دنیا کو اب بھی H کا ٹریف ادا کرنا پڑتا ہے تو سارا سامان ساتھی ملک سے درآمد کیا جاتا ہے باقی دنیا سے کچھ بھی نہیں۔ اس طرح ملک اور "ساتھی" کے بیچ کسٹم یونین کے نتیجہ میں پیدا شدہ تجارت آفرینش کا خالص نفع a اور d مثلثوں کی برابر ہوتا ہے تجارت MM سے بڑھ کر M'M' ہو جاتی ہے، مگر P. M'M گھریلو وسائل کی بجائے صرف

جزوی توازن میں تخلیقِ تجارت اور تجارت کی رخ بدلی

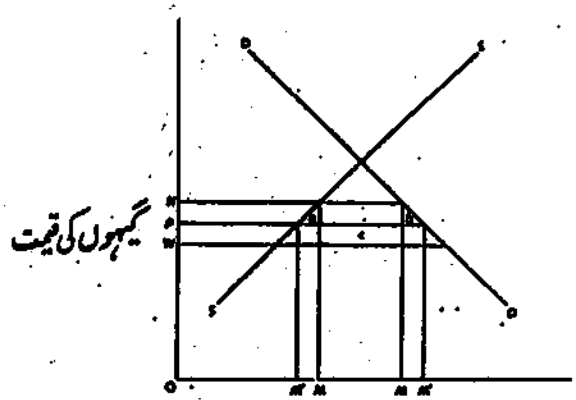

"ساتھی" کے وسائل کے استعمال کو ظاہر کرتا ہے اور M M'.P اس سے متعلق اس صارف خرچ کو بتاتا ہے جو گھریلو بازار سے ساتھی کے بازار میں منتقل ہو جاتا ہے۔ تجارت کا رُخ بدلنے سے ہونے والے نقصان کو C سے ناپ سکتے ہیں جو درآمدات کا سستے عالمی ذرائع سے ساتھی کے مہنگے بازار میں منتقل ہونا ظاہر کرتا ہے۔ ان خالص نفع اور نقصانات کے علاوہ اور بھی بہت سی مخلوط قسم کی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ ان کے بارے میں غور و فکر کرکے طالب علم کو فائدہ ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر درآمدات کی پوری مالیت عالمی بازار سے "ساتھی" کے یہاں منتقل ہو جاتی ہے۔ یہ سب کا سب نقصان کیوں نہیں ہے؟ یا اس ٹریفی آمدنی کا کیا ہوتا ہے جو مقامی ملک کو ملا کرتی تھی۔؟ اس کا ایک حصہ گھریلو مصارف کے لیے قیمت کم کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور باقی "ساتھی" ملک کے صنعت کاروں کو ادائیگی کی شکل میں

چلا جاتا ہے۔ آخرالذکر رقم کی وجہ سے مقامی ملک کی حالت اس لحاظ سے پہلے سے خراب ہوجاتی ہے جسے C ظاہر کرتا ہے کیونکہ آمدنی کا سارا نقصان صارفین کے نفع سے پورا نہیں ہو پاتا)

اس ایک چیز میں کسٹم یونین سے ہونے والا نفع صاف طور پر پہلے سے زیادہ ہوجاتا ہے کیونکہ تجارت آفرینش بڑھ جاتی ہے اور مقامی ملک میں مانگ اور رسد کی لچکیں جتنی زیادہ ہوتی ہیں۔ (یا مذکورہ خاکے میں مانگ اور رسد کے قوس جتنے مسطح ہوں) مقامی اور 'ساتھی' ملکوں کے بیچ لاگت کا فرق اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے اور ساتھی اور دنیا کے بیچ یہ فرق اتنا ہی کم ہے۔ اس کے برعکس تجارت کا رُخ بدلنے سے ہونے والا نقصان اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے جتنا مقامی ملک میں مانگ اور رسد o قوس کم لچکیلے ہوتے ہیں نیز مقامی ملک اور ساتھی کے بیچ لاگت کے اختلافات اسی قدر کم ہوجاتے ہیں اور ساتھی اور دنیا کے بیچ اتنے ہی زیادہ۔

وینر کی رائے میں تجارت آفرینش میں اضافے سے ہونے والا نفع گھریلو ملک کے مقابلے میں ساتھی کے یہاں پیداوار سستی ہونے کی وجہ سے رونما ہوتا ہے نیز تجارت کا رخ بدلنے سے مراد یہ ہے کہ سستی عالمی پیداوار کے مقابلے میں ساتھی ملک کی مہنگی پیداوار کی تجارت زیادہ ہوتی ہے۔ انھوں نے صَرف کے نفع پر غور نہیں کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بے نیازی کے قوسوں کے ذریعہ مانگ کے پہلو کا تجزیہ کرنے کا ادراک نہیں رکھتے تھے۔ اور انھوں نے آسانی کی خاطر یہ فرض کرلیا تھا کہ کوئی ملک قیمت کا خیال کیے بغیر چیزوں کو ہمیشہ مقررہ تناسب میں استعمال کرتا ہے۔ مثال کے طور پر شکل نمبر 11.2a میں x اور y دو چیزوں کے بیچ صَرف کی تقسیم کے تناسبوں کو نقطہ آغاز سے چلنے والے خطِ مستقیم C — O سے ظاہر کیا گیا ہے۔ کسٹم یونین سے پہلے اور اس کے بعد متعلقہ ملک Y چیز کو بالائی نقطہ A پر پیدا کرتا ہے۔ شرائطِ تجارت A — A ہیں اور ملک کا صَرف T پر ہے۔ صرف کا قوس ......بے نیازی عالمی تجارت کے قیمتِ خط کے ساتھ اس نقطہ پر مماس نہیں کرتا۔ کیونکہ ٹریف کی وجہ سے مقامی قیمت مسخ ہوگئی ہے۔ کسٹم یونین کے بن جانے پر ملک کی شرائطِ تجارت خراب ہوجاتی ہیں اور صَرف اپنے راستے پر پیچھے ہٹ کر T سے 'T پر جا پہنچتا ہے۔ مفروضے کی رو سے ان تناسبات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی جن میں دونوں اشیاء استعمال کی جاتی ہیں لیکن یہ صورت حال حقیقت سے دور ہے جیسا کہ شکل نمبر b 11.2 میں دکھایا گیا ہے۔ آزادانہ تجارت کی صورت میں ہم F پر ہوں گے۔ غیر امتیازی ٹریف کی صورت میں ملک عالمی شرائطِ تجارت پر تجارت کرے گا۔ لیکن صَرف F سے بدل کر T ہوجائے گا۔ اور اس طرح ملک پہلے سے نیچے قوس بے نیازی پر آجائے گا۔ کسٹم یونین کی موجودگی میں

یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ پوزیشن بدل کر C کی طرح کے کسی نقطۂ صَرف پر پہنچے گی یہ ضروری نہیں ہے کہ نقطہ T سے اونچے قوس بے نیازی پر ہی ہو۔ شکل نمبر b 11.2 میں اسے بلند تر قوس بے نیازی پر دکھایا گیا ہے۔ درآمد کی گئی چیز کی قیمت کم ہوگئی ہے اور اس سے صارف کی حالت بہتر ہو جاتی ہے۔ (لیکن بے نیازی کے قوسوں کی شکل پر اس کا انحصار ہے یہ کمتر بھی ہو سکتی ہے) پس پیداوار جامد رہنے کی صورت تک میں کسٹم یونین صَرف کو سستا بنا کر پوزیشن کو بہتر کر سکتی ہے۔ (لیکن ایسا ہونا ضروری نہیں ہے۔

یہ تجزیہ اختلافِ رائے سے مبرّا نہیں ہے۔ یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس کے مفروضے بڑے عجیب و غریب ہیں۔ اس مسئلہ سے عام توازن کے کیس کی حیثیت سے نپٹنے کے لیے یہ مان لیا گیا ہے کہ ٹریف نافذ کرنے والے ملک کی حکومت وصول کی گئی رقم صارفین کو واپس کر دیتی ہے جو اسے اپنے اجتماعی نقشہ بے نیازی کے لحاظ سے خرچ کرتے ہیں لیکن اگر پیداوار بدل نہیں سکتی، سرکار کو آمدنی کی ضرورت نہیں ہے اور اگر تجارت عالمی قیمت پر ہوتی رہتی ہے تو ٹریف کا نفاذ مقصد عجیب ہے۔ اس کی وجہ سے صرف وہ قیمت بدل جاتی ہے جس پر صارفین چیز کو خریدتے ہیں۔ جہاں ٹریف لگانے کا واحد مقصد درآمد کی جانے والی چیز کے صرف کو مسخ اور محدود کرنا ہو وہاں ٹریف کم کرنے سے صریحی طور پر فلاح و بہبود میں اضافہ ہوگا۔ اگر زیادہ قابلِ فہم مفروضات اپنائے جائیں تو مسئلہ یہ رہ جاتا ہے کہ کسٹم یونین کی وجہ سے صرف میں ہونے والی تبدیلی ملک کی حالت کو اس صورت میں بہتر بناتی ہے یا نہیں ٹریف کی جگہ ایسے ٹیکس نافذ کر دیے جائیں جن سے سرکار کو مطلوبہ آمدنی دستیاب ہو جائے۔

کسٹم یونین کو عام توازن میں پیش کش قوسوں کے ذریعہ دکھایا جا سکتا ہے۔ یہاں ہم تین ملکوں A B اور باقی دنیا ROW نیز x اور y دو اشیاء کو دکھا سکتے ہیں۔ اس صورت حال کی تشریح کرنا دشوار ہے کیونکہ بے شمار امکانات ہمارے سامنے آتے ہیں۔ A اور B بیشتر تجارت ایک دوسرے کے ساتھ کر سکتے ہیں اور صرف فاضل اشیاء ہی کی تجارت ROW کے ساتھ کر سکتے ہیں یا ان دونوں کو ایک ہی چیز میں نسبتی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے اور دوسری کو وہ ROW سے درآمد کر سکتے ہیں۔ اشکال نمبر a 11.3 اور b 11.3 میں A — o اور B — o آزادانہ تجارت کی صورت میں ایسے پیش کش قوس ہیں جو ان ضرورتوں کو الگ الگ پیش کرتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ یونین کے لیے ایک مشترک پیش کش قوس کس طرح بنایا جائے۔ شکل نمبر a 11.3 میں نقطہ آغاز سے مستعد قیمت شعاعوں

کو کھینچ کر (یہ دکھائی نہیں گئی ہیں) اور O – A نیز O – B قوسوں کے درمیانی فاصلہ کے فرق سے مشترک پیش کش قوس اخذ کیا گیا ہے۔ یہ فرق کیا راستہ اختیار کریں گے اسے دکھانے کے لیے دو قوس کھینچے جا سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک X کی کمتر (Y کی زیادہ اونچی) قیمتوں کے لیے ہوگا اور دائیں جانب جائے گا — X کی مانگ اور Y کی رسد اس خط پر فاضل ہوگی — اور دوسرا قوس X کی بلند تر قیمتوں کو دکھائے گا اور بائیں طرف جائے گا۔ اس نقطہ پر جہاں آزاد تجارت کے O – A اور O – B قوس ایک دوسرے کو کاٹتے ہیں کسی بھی چیز کی ظاہر ہے نہ کوئی فاضل مانگ ہوگی اور نہ رسد کیونکہ بازار بالکل صاف ہو جائے گا۔ اس کے برعکس شکل نمبر 11.3 b میں دونوں قوسوں کو جوڑ کر A + B قوس بنایا گیا ہے۔ یہ کام نقطۂ آغاز سے جانے والی قیمت شعاعوں پر فاصلوں کو جوڑ کر کیا گیا ہے۔

ترلیف سے مسخ شدہ پیش کش قوسوں کے فرق یا جوڑ کو حاصل کرنے کے لیے بھی اسی طریقے کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ کام اشکال نمبر 11.3 c اور نمبر 11.3 d میں انجام دیا گیا ہے۔ مسخ شدہ ترلیف پیش کش قوسوں کو مساوی فیصد اعداد میں طلبیدہ چیز کے محور کی جانب ہٹا دیا گیا ہے (باب 7 یاد کریں) A اور B نیز 'A اور 'B پیش کش قوسوں (نشان "،" ترلیف سے مسخ شدہ قوسوں کو ظاہر کرتا ہے۔) کے سادہ جوڑ اشکال نمبر 11.3 b اور نمبر 11.3 d میں دیے گئے ہیں اس میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ 'O – A اور 'O – B کے جوڑ سے بنا ہو 'O – A' + B قوس ہو بہو ایسا ہی ہے جیسے O – A + B قوس ترلیف کی وجہ سے اپنے مقام سے ہٹ گیا ہو۔ لیکن شکل نمبر 11.3 c میں زیادہ ترلیف سے مسخ شدہ قوسوں میں تبدیلی آ گئی ہے۔ دونوں 'O – A' + B قوس زیادہ تیزی سے 'O – A اور 'O – B کے پاس پہنچتے ہیں (انہیں ترلیف سے مسخ شدہ سادہ قوس کہا جا سکتا ہے) کیونکہ باہمی تجارت کم ہو گئی ہے۔

اب ہم اس امر کا جائزہ لینے کے لیے تیار ہیں کہ کسٹم یونین سے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں اور ہماری دشواری یہ ہے کہ اس سوال کا کوئی واحد جواب نہیں ہے۔ شکل نمبر 11.3 e میں کچھ بھی نہیں ہو۔ A اور B، Y چیز کو X سے یونین سے پہلے جداگانہ ترلیف کے ساتھ بدلتے تھے وہ Y اور X کے بدلے اب مشترک ترلیف کے ساتھ فروخت کرتے رہتے ہیں۔ ترلیف نے مسخ مشترک پیش کش قوس '(A + B) ایسے جداگانہ قوسوں کا جوڑ یعنی 'A' + B ہے۔ دوسری صورت حال میں جہاں دو ملک کسٹم یونین کے پہلے باہم تجارت کر رہے تھے ترلیف سے مسخ شدہ پیش کش قوس O – '(A + B) متعلق

$A'+B'$ ـ O قوس سے مختلف ہوتا ہے۔ جیسا کہ خاکے میں دکھایا گیا ہے اول الذکر C ـ O پیش کش قوس کو ایسے نقطہ پر کاٹتا ہے جو آخر الذکر کے دائیں طرف ہے اور یہ تجارت کے رُخ میں تبدیلی کو ظاہر کرتا ہے لیکن یہ کوئی ضروری یا مثالی نتیجہ نہیں ہے۔ جداگانہ ترلیف کے کیس کے مقابلہ میں تجارت بڑھے یا گھٹے کسٹم یونین کا پیش کش قوس ایک ہی رہ سکتا ہے۔ ہر ایک بات کا انحصار پیش کش قوسوں کی شکل اور ان کے متعلقہ فاصلوں کی لچک پر ہے

خاکوں کا دایاں کالم ایک بہت ہی معمولی صورت حال کو پیش کرتا ہے اور بائیں جانب کا سٹ ایسا ہے جس سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ایک اہم امکان یہاں حذف کر دیا گیا ہے۔ جواب تک مثالیں پیش کی گئی ہیں ان میں سے ہر ایک میں کسٹم یونین کی تشکیل سے پہلے اور بعد ہر ایک ملک جن اشیاء کو درآمد اور برآمد کرتا ہے ان میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ ایسا ہونا ضروری نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اگر A اور B کے پیش کش قوس تقریباً ایک جیسے ہوں تو B کے لیے اس وقت رُخ کو بدلنا ممکن ہے جب ہمہ گیر ترلیفوں کے مقام پر کسٹم یونین آجائے۔ نئے قوسوں کو کھینچنا تکلیف دہ ہوگا۔ لیکن شکل نمبر 11.4 پر غور کریں اس میں B کے دو پیش کش قوس دکھائے گئے ہیں۔ ایک Y کے لیے OG سے اونچی قیمتوں کو دکھاتا ہے جن پر وہ X کے بدلے Y دے گا اور دوسرا X کی بلند تر قیمتوں کو بتاتا ہے جن پر وہ Y کے بدلے X بیچنے لگے گا (یعنی تجارت کا اشیائی رُخ بدل دے گا) غیر امتیازی ترلیف کی موجودگی میں یہ فرض کر لیجیے کہ A اور B X کے بدلے Y بیچتے ہیں کسٹم یونین میں جانے پر B X بیچنے لگتا ہے اور یونین کا ترلیف سے مسخ شدہ پیش کش قوس نہایت تیزی سے سکڑ جاتا ہے۔ یہ تجارت کے رُخ بدلنے کا نہایت شدید عمل ہے۔

اپنی ابتدائی کتاب میں پروفیسر وینر نے کہا تھا کہ تجارت آفرینش کا امکان اس صورت میں زیادہ ہوتا ہے جب کسٹم یونین بنانے والے ملک ایک دوسرے کے حریف ہوں اور اگر وہ باہم معاون ہیں تو تجارت کا رخ بدلے گا۔ اس بیان سے مسئلہ کی پوری پیچیدگی واضح نہیں ہوتی اور ہمارے خاکے اس پر تھوڑی بہت روشنی ہی ڈالتے ہیں شکل نمبر 11.3 C کے ترلیف سے مسخ شدہ پیش کش قوسوں A' ـ O اور B' ـ O سے شکل نمبر 11.3 C کے آزاد تجارت ...... والے قوسوں کی جانب حرکت کرنے سے یونین کی حدود کے اندر آفرینش تجارت کا عمل ظاہر ہوتا ہے۔ یہ کہنا ممکن نہیں ہے کہ اس حرکت کا C کے ساتھ تجارت پر کیا اثر مرتب ہوگا۔ درون یونین آفرینش تجارت کا سبب یہ قرار دیا جا سکتا ہے کہ بعض تحفظ یافتہ صنعتیں درآمدات کے سامنے نہ ٹک سکیں یعنی معیشتیں مسابقتی ثابت ہوئیں لیکن شکل نمبر 11.4 میں A اور B کو ایک

معنی میں باہم حریف قرار دیا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ROW کے مقابلے میں وہ دونوں ہی Y کی پیداوار میں بہتر مرتبہ کے حامل ہیں۔ لیکن اگر کسٹم یونین کے مطلب یہ ہوں کہ A اور B ایک دوسرے سے تجارت کرتے ہیں اور بہت ہی تھوڑے مال میں ROW سے ہے تو تجارت کا رُخ بدل جانے پر وہ بلاشبہ ایک دوسرے کے معاون ہو جاتے ہیں۔ اس نکتہ کو غالباً بہتر طور پر یوں پیش کیا جاسکتا ہے کہ آفرینش تجارت میں کسٹم یونین کے اندر ٹریفی تحفظ کی کارروائیاں بند کرنی ہوتی ہیں جبکہ تجارت کا رُخ بدلنے میں ان کارروائیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

آفرینش تجارت اور تجارت کا رخ بدلنے کے تصورات بالکل ہی تخیلی نہیں ہیں۔ ریاستہائے متحدہ کی تاریخ میں سب سے نمایاں مثال جنوب کے باغیچوں کی زراعت اور شمال کی عنفوانی صنعت کے بیچ کسٹم یونین کی ہے۔ یہ الگ ملک تو نہیں ہیں لیکن عوامل کے تناسب، ان کی قیمت، اور نسبتی فائدے کے لحاظ سے مختلف علاقے ضرور ہیں۔ درحقیقت پہلی عالمی جنگ سے قبل جنوب اور شمال کے بیچ تجارت بڑی حد تک عالمی تجارت کی طرح ہوتی تھی داخلی تجارت کی طرح نہیں۔ سرمایہ جنوب کی طرف اور محنت شمال کی طرف بہت کم حرکت پذیر تھے۔ عوامل کی بے حرکتی کے سبب ان کی قیمتیں برابر نہ ہو پاتی تھیں، اور عوامل کو مختلف تناسبوں میں کام پر لگانے سے فائدہ حاصل ہوتا تھا۔ جنوب میں محنت اور زمین کی زیادہ کھپت والی زراعت تھی اور شمال میں زیاد سرمائے کا استعمال کرنے والی اشیائی صنعتیں۔

شمال کے کسٹم علاقے میں جنوب کو شامل کرنے کا مطلب یہی ہے کہ کسٹم مشترک ہوں اس کے لیے ضروری تھا کہ جنوب تحفظ عطا کردہ علاقے میں مال خریدے جبکہ وہ خود اپنی اشیا کھلے بازار میں بیچ رہا تھا۔ شکل نمبر 11.4 کے ملک A کی مانند اس پر لازم تھا کہ اپنے لیے X سستے عالمی بازار ROW سے خریدنے کی بجائے اسے B سے خریدے جو X کو زیادہ لاگت پر تیار کرتا ہے۔ جنوب کی درآمدات کی قیمتوں میں اضافہ ہو گیا اور اس کی شرائطِ تجارت گھٹ گئیں۔ شمال کے ہاتھوں جنوب کے اس معاشی استحصال کو عام طور پر ایک ایسا محرک سمجھا جاتا ہے جس کی وجہ سے ریاستوں کے بیچ جنگ چھڑی۔

ایک اور مثال جرمنی کی تاریخ سے دی جاسکتی ہے جس میں Zollverein یا کسٹم یونین فی الحقیقت سیاسی اتحاد سے برسوں پہلے سے کام کر رہی تھی۔ زولورین کی تشکیل 1834 میں ہوئی۔ بسمارک نے پرشیا کی رہنمائی میں جرمنی کو 1870 میں متحد کیا۔ 1879 میں سب سے پہلے اضافہ اناج پر ٹریف میں ہوا۔ اسی کے ساتھ فولاد پر ٹریف نافذ کیا گیا لیکن جرمنی تو فولاد برآمد کیا کرتا تھا

اس لیے ترجیف سے ملک کے اندر صرف ڈمپنگ کی گنجائش میں اضافہ ہوا۔ دوسری جانب رائی پر ترجیف سے مغربی جرمنی میں مزدوروں کی رہن سہن کی لاگت اس سے کہیں زیادہ ہوگئی جتنی اس صورت میں ہوتی اگر وہ اناج عالمی بازار سے خریدتا۔ اس طرح کسٹم یونین کی وجہ سے پروشیائی جنکروں کے ہاتھوں کامگار طبقوں کا استحصال ہوا۔ اول الذکر نہ صرف فوجی تھے بلکہ رائی اگانے والی زمینوں کے منیجر بھی تھے۔ دوسری عالمگیر جنگ کے بعد کوتاہ بین مشاہرین کا یہ خیال تھا کہ مشرق میں اپنے کھانے کے سرچشموں سے محروم ہو جانے کے بعد مغربی جرمنی کو نقصان پہنچے گا لیکن جیسا کہ بعد میں پتہ چلا مشرق میں اونچی لاگت والے فارموں سے اپنا کھانا خریدنے کی بجائے اسے باہر سے کم عالمی قیمتوں پر خریدنے کی سہولت ہو جانے سے مغربی جرمنی کو بڑا فائدہ رہا۔

یورپین مشترک منڈی کے تجارت آفرینش اور رخ بدلنے کے اثرات کا مجموعی طور پر کیا نتیجہ برآمد ہوا، اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ یونین کی حدود میں صنعتی اشیاء میں آفرینشِ تجارت کے قابلِ لحاظ فوائد حاصل ہوئے اس کی وجہ یہ ہے کہ صنعت کی ان مسابقتی شاخوں میں مانگ اور رسد بہت لچکیلی ہیں۔ ان اشیاء میں تجارت کے رخ بدلنے کو یونین سے باہر رہ جانے والے کسی ملک کے لیے نہ سہی لیکن دنیا کے لیے غیر اہم قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ یونین اور باہری دنیا کے بیچ مختلف ملکوں میں ان میں سے اکثر و بیشتر اشیاء کی پیداواری لاگتوں میں بہت کم فرق ہے لیکن زراعتی اشیاء میں تجارت کے رُخ بدلنے کی کافی اہمیت ہو سکتی ہے۔ یہاں جرمنی اور برطانیہ (اگر اسے مشترک منڈی میں داخلہ مل جائے) معتدل علاقوں کی اشیاء کو دولت مشترکہ اور ریاستہائے متحدہ سے خریدنے کی بجائے فرانس کی نسبتاً زیادہ لاگت والی پیداوار کو خریدنے پر مجبور ہوں گے اور منطقۂ حارہ کی اشیاء کو لاطینی امریکہ اور آزاد افریقی ریاستوں کی بجائے افریقہ کی فرانسیسی نو آبادیات (جنھیں فرانسیسی کمیونٹی کے نام سے پکارا جاتا ہے) سے خریدیں گے۔

ممکن ہے کہ یونین سے باہر کے تاجر اور اس کے اندر مستفید تاجر کی لاگتوں میں بہت کم فرق ہونے کی وجہ سے دنیا کے لیے تجارت کی رخ بدلی کسی اہمیت کی حامل نہ ہو۔ پھر بھی یہ باہری تاجر کے لیے تکلیف دہ رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ، برطانیہ، ڈنمارک اور ناروے کے لوگ مشترک منڈی میں شامل ہونے کے لیے اس درجہ خواہشمند تھے اور غیر جانبدار ملک (آسٹریلیا، سویڈن اور سوئٹزرلینڈ) نیز کم ترقی یافتہ ملک (گریس اور ترکی) تعاون کے لیے کسی بنیاد کی تلاش میں اس قدر سرگرداں تھے۔ تجارت کا رخ بدلنے سے ریاستہائے متحدہ پر بھی برا اثر پڑا۔ بہرحال اس نے صنعتی اشیاء میں امتیاز سے پہنچنے والے ضرر کو مشترک منڈی کی حدود میں کارخانے لگا کر بڑی حد تک کم کر لیا۔ ریاستہائے متحدہ بہرصورت یورپی یکجہتی کی معاشی قیمت دے کر وہ سیاسی فائدے حاصل کرنے کے لیے آمادہ تھا جو آزاد دنیا کو

معنی میں باہم حریف قرار دیا جا سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ROW کے مقابلے میں وہ دونوں ہی Y کی پیداوار میں بہتر مرتبہ کے حامل ہیں۔ لیکن اگر کسٹم یونین کے مطلب یہ ہوں کہ A اور B ایک دوسرے سے تجارت کرتے ہیں اور بہت ہی تھوڑے مال میں ROW سے تو تجارت کا رُخ بدل جانے پر وہ بلا شبہ ایک دوسرے کے معاون ہو جاتے ہیں۔ اس نکتہ کو غالباً بہتر طور پر یوں پیش کیا جا سکتا ہے کہ آفرینش تجارت میں کسٹم یونین کے اندر ترلیفی تحفظ کی کارروائیاں بند کرنی ہوتی ہیں جبکہ تجارت کا رُخ بدلنے میں ان کارروائیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

آفرینش تجارت اور تجارت کا رخ بدلنے کے تصورات بالکل ہی تخیلی نہیں ہیں۔ ریاستہائے متحدہ کی تاریخ میں سب سے نمایاں مثال جنوب کے باغیچوں کی زراعت اور شمال کی عنفوانی صنعت کے بیچ کسٹم یونین کی ہے۔ یہ الگ ملک تو نہیں ہیں لیکن عوامل کے تناسب، ان کی قیمت، اور نسبتی فائدے کے لحاظ سے مختلف علاقے ضرور ہیں۔ درحقیقت پہلی عالمی جنگ سے قبل جنوب اور شمال کے بیچ تجارت بڑی حد تک عالمی تجارت کی طرح ہوتی تھی داخلی تجارت کی طرح نہیں۔ سرمایہ جنوب کی طرف اور محنت شمال کی طرف بہت کم حرکت پذیر تھے۔ عوامل کی بے حرکتی کے سبب ان کی قیمتیں برابر نہ ہو پاتی تھیں، اور عوامل کو مختلف تناسبوں میں کام پر لگانے سے فائدہ حاصل ہوتا تھا۔ جنوب میں محنت اور زمین کی زیادہ کھپت والی زراعت تھی اور شمال میں زیادہ سرمائے کا استعمال کرنے والی اشیائی صنعتیں۔

شمال کے کسٹم علاقے میں جنوب کو شامل کرنے کا مطلب یہی ہے کہ کسٹم مشترک ہوں اس کے لیے ضروری تھا کہ جنوب تحفظ عطا کردہ علاقے میں مال خریدے جبکہ وہ خود اپنی اشیاء کھلے بازار میں بیچ رہا تھا۔ شکل نمبر ۱۱.۴ کے ملک A کی مانند اس پر لازم تھا کہ اپنے لیے X سستے عالمی بازار ROW سے خریدنے کی بجائے اسے B سے خریدے جو X کو زیادہ لاگت پر تیار کرتا ہے۔ جنوب کی درآمدات کی قیمتوں میں اضافہ ہو گیا اور اس کی شرائطِ تجارت گھٹ گئیں۔ شمال کے ہاتھوں جنوب کے اس معاشی استحصال کو عام طور پر ایک ایسا محرک سمجھا جاتا ہے جس کی وجہ سے ریاستوں کے بیچ جنگ چھڑی۔

ایک اور مثال جرمنی کی تاریخ سے دی جا سکتی ہے جس میں Zollverein یا کسٹم یونین فی الحقیقت سیاسی اتحاد سے برسوں پہلے سے کام کر رہی تھی۔ زولورین کی تشکیل 1834 میں ہوئی۔ بسمارک نے پروشیا کی رہنمائی میں جرمنی کو 1870 میں متحد کیا۔ 1879 میں سب سے پہلے اضافہ اناج پر ترلیف میں ہوا۔ اسی کے ساتھ فولاد پر ترلیف نافذ کیا گیا لیکن جرمنی تو فولاد برآمد کیا کرتا تھا

اس لیے ترلیف سے ملک کے اندر صرف ڈمپنگ کی گنجائش میں اضافہ ہوا۔ دوسری جانب رائی پر ٹریف سے مغربی جرمنی میں مزدوروں کی رہن سہن کی لاگت اس سے کہیں زیادہ ہوگئی جتنی اس صورت میں ہوتی اگر وہ اناج عالمی بازار سے خریدتا۔ اس طرح کسٹم یونین کی وجہ سے پروشیائی جنکروں کے ہاتھوں کامگار طبقوں کا استحصال ہوا۔ اول الذکر نہ صرف فوجی تھے بلکہ رائی اگانے والی زمینوں کے منیجر بھی تھے۔ دوسری عالمگیر جنگ کے بعد کوتاہ بیں مشاہرین کا یہ خیال تھا کہ مشرق میں اپنے کھانے کے سرچشموں سے محروم ہو جانے کے بعد مغربی جرمنی کو نقصان پہنچے گا لیکن جیسا کہ بعد میں پتہ چلا مشرق میں اونچی لاگت والے فارموں سے اپنا کھانا خریدنے کی بجائے اسے باہر سے کم عالمی قیمتوں پر خریدنے کی سہولت ہو جانے سے مغربی جرمنی کو بڑا فائدہ رہا۔

یورپین مشترک منڈی کے تجارت آفرینش اور رخ بدلنے کے اثرات کا مجموعی طور پر کیا نتیجہ برآمد ہوا، اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ یونین کی حدود میں صنعتی اشیاء میں آفرینشِ تجارت کے قابلِ لحاظ فوائد حاصل ہوئے اس کی وجہ یہ ہے کہ صنعت کی ان مسابقتی شاخوں میں مانگ اور رسد بہت لچکیلی ہیں۔ ان اشیاء میں تجارت کے رخ بدلنے کو یونین سے باہر رہ جانے والے کسی ملک کے لیے نہ سہی لیکن دنیا کے لیے غیر اہم قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ یونین اور باہری دنیا کے بیچ مختلف ملکوں میں ان میں سے اکثر و بیشتر اشیاء کی پیداواری لاگتوں میں بہت کم فرق ہے لیکن زراعتی اشیاء میں تجارت کے رُخ بدلنے کی کافی اہمیت ہو سکتی ہے۔ یہاں جرمنی اور برطانیہ (اگر اسے مشترک منڈی میں داخلہ مل جائے) معتدل علاقوں کی اشیاء کو دولت مشترکہ اور ریاستہائے متحدہ سے خریدنے کی بجائے فرانس کی نسبتاً زیادہ لاگت والی پیداوار کو خریدنے پر مجبور ہوں گے اور منطقہ حارہ کی اشیاء کو لاطینی امریکہ اور آزاد افریقی ریاستوں کی بجائے افریقہ کی فرانسیسی نوآبادیات (جنہیں فرانسیسی کمیونٹی کے نام سے پکارا جاتا ہے) سے خریدیں گے۔

ممکن ہے کہ یونین سے باہر کے تاجر اور اس کے اندر مستفید تاجر کی لاگتوں میں بہت کم فرق ہونے کی وجہ سے دنیا کے لیے تجارت کی رخ بدلی کسی اہمیت کی حامل نہ ہو۔ پھر بھی یہ باہری تاجر کے لیے تکلیف دہ رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ، برطانیہ، ڈنمارک اور ناروے کے لوگ مشترک منڈی میں شامل ہونے کے لیے اس درجہ خواہشمند تھے اور غیر جانبدار ملک (آسٹریلیا، سویڈن اور سوئٹزرلینڈ) نیز کم ترقی یافتہ ملک (گریس اور ترکی) تعاون کے لیے کسی بنیاد کی تلاش میں اس قدر سرگرداں تھے۔ تجارت کا رخ بدلنے سے ریاستہائے متحدہ پر بھی برا اثر پڑا۔ بہر حال اس نے صنعتی اشیاء میں امتیاز سے پہنچنے والے ضرر کو مشترک منڈی کی حدود میں کارخانے لگا کر بڑی حد تک کم کر لیا۔ ریاستہائے متحدہ بہر صورت یورپی یکجہتی کی معاشی قیمت دے کر وہ سیاسی فائدے حاصل کرنے کے لیے آمادہ تھا جو آزاد دنیا کو

مضبوط بنانے کی شکل میں اسے حاصل ہوتے لیکن باہر کے دیگر ممالک — جاپان (جہاں مصنوعات میں لاگتوں کے فرق کافی زیادہ تھے) دولت مشترکہ اور گرم علاقوں کی پیداوار کے وہ تاجر جن کے خلاف مشترکہ منڈی میں سابق نوآبادیوں کو ترجیحی مرتبہ عطا کر کے امتیاز برتا گیا تھا۔ سب پر خراب اثر مرتب ہوتا تھا۔ ریاستہائے متحدہ کے 1962 کے توسیع تجارت قانون نے ٹریف میں باہمی تخفیف کرنے کی گنجائش کے ذریعہ اس نقصان کو کم کرنے کی کوشش کی۔ اگر شکل نمبر 11 میں ٹریف WH کر گھٹا کر WP سے نیچے کر دیا جائے تو مقامی ملک ساتھی کے یہاں سے کچھ بھی نہ لے اور آخرالذکر عالمی بازار میں پہلی بار مال خریدے گا کسٹم یونین میں جتنے زیادہ ملک شامل ہوں گے اور باہر سے آنے والی اشیاء پر نافذ مشترک ٹریف جتنا کم ہوگا تجارت کا رُخ اتنا ہی کم بدلے گا اور کسٹم یونین آزاد تجارت کی مثالی صورت حال سے اتنی ہی زیادہ قریب ہو جائے گی۔

کسٹم یونین کے فعال اثرات:

آفرینشِ تجارت اور تجارت کی رُخ بدلی کسٹم یونین یا تجارتی یکجہتی کے ساکن اثرات ہیں۔ ان کی اہمیت قدرے مشکوک ہے۔ بہت سے اہلِ علم نے ٹریف میں کل یا جزوی دونوں طرح کی تخفیف کے اثرات کو ناپنے کی کوشش کی ہے اور قومی آمدنی پر اس کے اثر کو معدوم یا بہت معمولی قرار دیا ہے۔ درآمدات مان لیجیے کل قومی آمدنی کا 20 فیصد ہیں۔ 10 فیصد ٹریف کو ختم کرنے سے تجارت بڑھ کر قومی آمدنی کا 22 یا 24 فیصد ہو سکتی ہے۔ لیکن جیسا کہ جزوی توازن کے خاکے مثلاً شکل نمبر 11 ہمیں یاد دلاتے ہیں یہ تبدیلی قومی آمدنی میں واضح اضافہ نہیں کرتی۔ تحفظی اثر اور صرفی اثر کی ترجمانی تجارت میں کل تبدیلی (جس میں وسائل شامل ہیں) سے نہیں بلکہ تجارت میں اضافہ اور نئی تبدیلیوں سے تبدیل شدہ قیمت کے حاصل ضرب سے ہوتی ہے۔ آفرینش تجارت کے کیس میں برآمدات کے لیے یہ قیمت پہلے سے زیادہ ہوتی ہے اور درآمدات کے لیے پہلے سے کم یہ تبدیلی قابل لحاظ ہونے کی صورت میں بھی انجام کار ساکن نفع بہت کم ہوتا ہے۔

تاہم سب ہی نفع ساکن نہیں ہوتے۔ فعال فوائد میں بڑے پیمانے کی بچتیں، مسابقت میں تیزی اور سرمایہ کاری میں اضافہ شامل ہوتے ہیں۔ بڑے پیمانے کی بچتوں کی جانب باب 2 میں اشارہ کیا گیا تھا۔ خصوصیت برداری کے رونما ہونے پر لاگتوں میں بہت سے اسباب سے کمی پیدا ہو سکتی ہے۔ خصوصیت برداری اور کسی چیز کو بار بار بنانا سیکھ کر اسے بہتر طور پر پیدا کیا جا سکتا ہے۔

نہایت ماہر مزدوروں کا ایک پورا گروہ بنایا جاسکتا ہے، بڑے سائز والے اموال سرمایہ کی لاگت کو زیادہ پیداوار پر پھیلانے سے فی اکائی لاگت کم ہوسکتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ثانوی درجات کے کورس میں ان نظریاتی معاملات پر زیادہ تفصیل سے بحث کی جاتی ہے۔ کم ترقی یافتہ ممالک کسٹم یونین سے پیمانے کی بچتوں کے حاصل ہونے کی بڑی امید رہتی ہے۔ صنعتی ملکوں کے بیچ بھی کسٹم یونین سے یہ بچتیں فروغ پاسکتی ہیں یہاں دو ملکوں میں اشیائی خصوصیت برداری کی وجہ سے صنعت کار اپنی تمامتر توجہ کسی چیز کے مخصوص سائزوں یا ماڈلوں پر مرکوز کرسکتے ہیں اور ایک سلسلہ پیداوار کی تمام چیزوں کو بنانا ضروری نہیں رہ جاتا۔ (کبھی کبھی تجارتی سمجھوتہ سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے)۔ یہ امور بڑی بحث کا موضوع رہے ہیں۔ یورپ کے بہت سے لوگوں کا کہنا ہے کہ ریاستہائے متحدہ کی سب سے بڑی جیت اس کے گھریلو بازار کی وسعت ہے جس کی وجہ سے اس کے صنعت کار بڑے پیمانے کی بچتوں کو حاصل کرپاتے ہیں۔ اس کے جواب میں مخالفین بہت سی چھوٹی کمپنیوں کی عمدہ کارکردگی بعض بڑی کمپنیوں کی سست رفتاری کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔ وہ اس امر کی جانب دھیان دلاتے ہیں کہ سویڈن اور سوئٹزرلینڈ جیسے ممالک کا بازار ان کی سرحدوں کے باہر پھیلا ہوا ہے تاہم ان کی صنعتی کارکردگی مثالی نمونہ پیش کرتی ہے۔ بڑے پیمانے کی بچتوں کی اہمیت کو واضح نہیں کیا جاسکتا۔ ہم بین الاقوامی معاشیات کے طالب علم اس پر گھنٹوں بحث کرسکتے ہیں۔

صرفی اثر پر پہلے باب 7 میں سرسری بحث کی جاچکی ہے۔ پروفیسر سٹاوسکی کا کہنا ہے کہ یورپی معاشی کمیونٹی (EEC) یا مشترک منڈی کا یہ اہم ترین اثر ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے اونچی ٹریف اجاروں کو جنم دیتے ہیں جن میں ایک یا دو بڑی کمپنیاں چھوٹے اور بے صلاحیت صنعت کاروں کے ایک بڑے گروہ کی صدارت کرتی ہیں۔ یہ بڑی کمپنیاں پرسکون زندگی کو پسند کرتی ہیں اور پیداوار کے قابل لحاظ حجم پر اونچی قیمتوں کو ترجیح دیتی ہیں۔ اگر وہ چاہیں تو حجم کو بڑھا کر چھوٹی فرموں کو صنعت سے بھگا سکتی ہیں۔ ٹریف کم کرنے سے بڑی کمپنیاں مسابقت پر مجبور ہوجاتی ہیں، چھوٹی کمپنیوں کو ضم ہوجانا آپس میں مل جانا۔ اپنی کارکردگی بڑھانا یا ختم ہوجانا پڑتا ہے۔ ٹریف میں تخفیف کے اس اثر کا فرانس میں خاص طور پر مشاہدہ کیا گیا ہے۔ یہ EEC کے اندر ٹریف کی کم شرحوں یا ان میں کمی کے اندیشے کا یہی اثر ہوسکتا ہے۔

آخر میں فعال اثرات میں سے قیمتوں میں نسبتی تبدیلیاں اور مسابقت کو بڑھا وا سرمایہ کاروں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ یہ سرمایہ کاری مقامی ہوسکتی ہے۔ اس کا مقصد تجارت کے نئے واقعے سے فائدہ اٹھانا ہوگا۔ یہ سرمایہ کاری میں تیزی کی وجہ باہر سے مسابقت کی مہمیز ہوسکتی ہے۔ گھریلو سرمایہ کاری میں

تبدیلی کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ بازار نژاد صنعت تجارتی ساتھی کے بازار سے نزدیک تر ہونے کے لیے سرحدوں کی جانب کھنچتی ہے۔ جنوبی اٹلی، جنوبی مغربی فرانس اور جنوبی مشرقی جرمنی جیسے علاقوں کے لیے جو یونین میں شامل ملکوں کے بازاروں سے بہت فاصلے پر ہیں یہ پریشان کن ہے۔ مواقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے نئی سرمایہ کاری کے ساتھ ساتھ ان صنعتوں سے سرمایہ نکالنے کا رجحان پایا جاتا ہے جن پر آفرینش تجارت کے خراب اثرات مرتب ہوتے ہیں یعنی درآمدات کے ساتھ مسابقت کرنے والی ان صنعتوں سے جو اب نفع بخش طور پر جاری نہیں رہ سکتیں۔ فاضل صلاحیت پیداوار دستیاب نہ ہونے کی صورت میں پرانی صنعتوں سے سرمایہ نکالنے کی ترغیب کے مقابلہ میں نئی صنعتوں میں سرمایہ کاری کو تیز تر کرنے کا رجحان زیادہ قوی ہونے کا امکان ہے۔ اس بنیاد پر کسٹم یونین سے افراط زر کا اندیشہ رہتا ہے۔

نئے مربوط کردہ علاقے کے دور دراز اور پسماندہ حصوں میں سرمایہ کاری کے انحطاط کے امکان کی وجہ سے ان کی مدد کے لیے خصوصی اقدامات کرنے کی ضرورت پڑی۔ پس چھ ملکوں کے متاثرہ حصوں میں نئی صنعتیں قائم کرنے کے لیے EEC نے یورپی سرمایہ کاری بینک قائم کیا۔ یہ اس حقیقت کو تسلیم کرنے کا واضح ثبوت ہے کہ مناسب پالیسی کی عدم موجودگی میں مربوط شدہ علاقے کے بعض حصوں کو ضرر پہنچے گا۔

بہر حال مقامی سرمایہ کاری کی رفتار کو تیز تر کرنے کے علاوہ یہ مزید امکان موجود ہے کہ باہر سے سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی ہو۔ یہ غیر ملکی سرمایہ کاری دو طرح کی ہو سکتی ہے۔ متعلقہ چیز میں ملک کے اندر پہلے سے موجود غیر ملکی صلاحیت پیداوار کو نئے مواقع کا فائدہ اٹھانے کے لیے از سر نو ترتیب دیا جا سکتا ہے۔ یہ اثر بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ بازار نژاد صنعتیں سرحدوں کے قریب پہنچنے کی کوشش کریں۔ فرق یہ ہے کہ مقامی فرموں کے سرحد پار کرنے کا امکان نہیں ہے اور غیر ملکی فرمیں جن کی جڑیں متعلقہ ملک میں نہیں ہوتیں کھنچ کر اس پار جا سکتی ہیں۔ یا کسٹم یونین کا تجارت کے رُخ پر یہ اثر مرتب ہو سکتا ہے کہ وہ غیر ملکی جو مختلف قومی بازاروں کو پہلے برآمدات کے ذریعہ مال مہیا کر رہے تھے اور جن کے خلاف اب امتیاز برتا جانے لگا ہے تجارت کی جگہ ترسیلی کارخانوں کو دینے لگیں۔ 1955 کے بعد امریکی فرموں نے بہت سی وجوہات (یا بہانوں) سے یورپ میں زبردست سرمایہ کاری کی ان میں سے ایک نہ ایک سبب یا بہانہ EEC تھا۔ ایک سے زیادہ مصنفین کی رائے یہ ہے کہ بڑی حد تک EEC کا اثر اتنا زیادہ نہیں تھا کہ صورت حال اس درجہ بدل گئی ہو جس میں اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو ان بازاروں میں رہا ستھا

متحدہ سے براہ راست مال بھیجنے کی بجائے یورپ میں سرمایہ کاری کو بہتر قرار دیا جاسکے۔ اس کے برعکس یہ اُن صنعت کاروں کو متنبہ کرتا تھا جنھوں نے یورپ میں سرمایہ کاری کے مواقع کو نظرانداز کر دیا تھا کہ ایک ایسا زوردار بازار وجود میں آرہا ہے جس سے باہر والوں کے اخراج کا بڑا امکان ہے اس لیے اس میں شامل ہو جانا ہی مفید رہے گا۔

معاشی یکجہتی:

بعض تعریفوں کے لحاظ سے معاشی یکجہتی آزادانہ تجارت کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ڈچ معاشی جان ٹن برجن نے اپنی تصنیف International Economic Integration میں معاشی یکجہتی کی یہی تعریف کی ہے لیکن بیشتر ماہرین معاشیات اس سے آگے جاتے ہیں۔ ایک کسوٹی یہ ہے کہ سرحد پر کسٹم آفیسروں سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اس وقت بھی جب ڈیوٹیاں جمع کرنے کے لیے ان کی ضرورت نہیں ہوتی صفائی سے متعلق ضابطے موجود رہتے ہیں اور تجارت کے راستے میں بہت سی ان دیکھی رکاوٹیں حائل ہوتی ہیں اور ان سے بھی کہیں زیادہ دوررس اکسائز ٹیکسوں کا مسئلہ عام طور پر درپیش رہتا ہے۔ تمباکو، شراب اور عطر وغیرہ پر عام طور پر مقامی ٹیکس لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ اگر دو ملکوں کے ٹیکسوں میں فرق ہوتا ہے تو تمباکو اور شراب پینے والوں کو کم ٹیکس والے ملک سے اشیاء کو زیادہ ٹیکس والے ملک میں بھیجنے سے باز رکھنے کے لیے کلکٹروں کا تقرر ضروری ہوتا ہے۔ مساوی وفاقی اکسائز ٹیکس نظام کے باوجود یہ مسئلہ ریاستہائے متحدہ میں موجود ہے کیونکہ ریاستوں کی اکسائز میں فرق ہے۔ یا اگر ایک ریاست کا عام اکسائز نظام دوسری سے مختلف ہوتا ہے تو بھی یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ آفیسروں کو ہٹانے سے پہلے تمام اشیاء کے ٹیکسوں میں "ہم آہنگی" پیدا کی جائے۔ ہم اس سوال کو باب 13 میں پھر لیں گے۔

کیا کسٹم یونین کی تشکیل اور اشیاء کے ٹیکسوں کو ہم آہنگ بنا دینا۔ معاشی یکجہتی کے لیے کافی ہوں گے؟ صریحاً اس کا انحصار تعریف پر ہوگا۔ بلاسہ کی تعریف سرکاری امتیاز کی عدم موجودگی ہے۔ اشیاء کے معاملے میں اس کا مطلب کسٹم یونین اور ہم آہنگی ہے۔ عوامل کے لیے اس کا مطلب اس سے کہیں زیادہ ہو سکتا ہے! ہجرت کی آزادی (دیکھیں باب 14 اور زر، غیر ملکی مبادلہ اور سرمایہ بازاروں کے ضوابط وغیرہ کے میدانوں میں متوازی یا ایک سی پالیسیاں" وغیرہ"، میں زراعتی اشیاء شامل ہیں۔) بلکہ فرض کر لیجیے کہ دو ملک کسٹم یونین بنانے اور ٹیکسوں میں ہم آہنگی لانے پر رضامند ہو جاتے ہیں اور

پھر ایک اجرتوں کو منجمد کر دیتا ہے اور دوسرا انھیں بڑھنے دیتا ہے ۔ یا اختلافی پالیسی زرمبادلہ کی منہائی کے بارے میں اپنائی جا سکتی ہے ۔ ٹریف کے میدان سے باہر اس قسم کی پالیسی صریحاً برآمدات کو بڑھانے کی اور درآمدات کو کم کرے گی اس طرح ادائیگیوں کا میزانیہ بدل جائے گا اور وہ بنیاد بھی جس پر کسٹم یونین کی تشکیل قرار پائی تھی باقی نہ رہے گی ۔ یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ وسیع تر معاشی یکجہتی کی راہ پر کسٹم یونین ایک وسطی مکان ہے ۔ یہ راستے کے بیچ ایسا مکان ہے جہاں پر دائمی طور سے نہیں ٹھہرا جا سکتا ۔ ممبروں کے لیے زیادہ وسیع معاشی یکجہتی (جس کی تعریف مخصوص ہیں) کی جانب قدم بڑھانا ضروری ہے ورنہ وقت کے ساتھ کسٹم یونین ٹوٹ جائے گی ۔

سرکاری امتیاز کی عدم موجودگی غالباً معاشی یکجہتی کی آخری تعریف نہیں ہے ۔ مان لیجیے کہ آئس لینڈ اور نیوزی لینڈ ایسے ضابطے اپنائیں جن کی رو سے وہ ایک دوسرے کے افراد کو "سب سے زیادہ مراعات والی قوم" کا درجہ دینے کی بجائے ان کے ساتھ قومیت کے لحاظ سے سلوک کریں یعنی ایسا سلوک جو ایک وسیع علاقے پر خود اپنے لوگوں کے ساتھ کرتے ہیں کسٹم یونین ٹیکس پالیسی کی ہم آہنگی اور دیگر میدانوں میں متوازی پالیسیوں تک کو اپنایا جا سکتا ہے ۔ کیا سب کی وجہ سے معاشی یکجہتی پیدا ہو جائے گی ؟ صریحاً نہیں ۔

اس قسم کی آئس لینڈ ۔ نیوزی لینڈ کسٹم یونین سے معاشی یکجہتی پیدا نہ ہو سکنے کا سبب یہ ہے کہ حکومتیں دونوں ملکوں کے بیچ امتیاز کریں یا نہ کریں قدرت ضرور امتیاز کرتی ہے ۔ ان کو مشرق ۔ مغرب اور شمال ۔ جنوب دونوں الگ ارضی کرہوں میں رکھ کر قدرت نے آئس لینڈ اور نیوزی لینڈ کے بیچ معاشی تعلق کو تقریباً صفر کر دیا ہے اس کو ثابت کرنے کے لیے اعداد و شمار پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ پس صرف سرکاری امتیاز ہی اس معاملہ میں اہم نہیں ہے ۔

اس بحث سے ہم معاشی یکجہتی کی ایک ایسی تعریف پر پہنچتے ہیں جو اسے ایک معیاری پیمانہ بنا دیتی ہے لیکن جس معیار پر ہم اسی طرح نہیں پہنچ پاتے جس طرح کم درجہ حرارت کی نرگس میں مطلق صفر درجہ پر نہیں پہنچا جا سکتا ۔ معاشی یکجہتی قیمت عوامل کی یکسانیت ہے ۔ اس کو عوامل کی حرکت کے بغیر تجارت سے حاصل کیا جا سکتا ہے اور تجارت کے بغیر عوامل کی حرکت سے یا ان دونوں کے کسی میل کے ذریعہ ۔ لیکن تجارت میں کسی بھی طرح کی مداخلت خواہ اس کا سبب ٹریف ہو یا نقل و حمل کی لاگتیں اشیاء کی قیمتوں کو مساوی ہونے سے روکتی ہے اور اس کی وجہ سے عوامل کی قیمتیں بھی برابر نہیں ہو سکتیں ۔ اور حکومتیں یا عوام امتیاز کی راہ اختیار کر سکتے ہیں ۔

پہلے نقل و حمل کی لاگتوں کو لیجیے۔ آئس لینڈ اور نیوزی لینڈ کے بیچ کسٹم یونین معاشی یکجہتی کے حصول میں ناکام رہے گی کیونکہ فاصلہ کی وجہ سے اشیاء کی قیمتیں برابر نہ ہو سکیں گی۔ مزید برآں امکان یہ ہے کہ اس طرح کے دو بالکل ہی مختلف ملک کامل طور پر خصوصیت برداری کے حامل ہوں گے۔ اس وجہ سے عوامل۔قیمت۔مساوات، نظریہ کا ایک اور اہم مفروضہ ختم ہو جائے گا۔ ان دونوں نکات سے اس امر کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ برطانیہ، اسکنڈ نیویا........... آسٹریا، سوئٹزرلینڈ اور پرتگال کے بیچ آزاد تجارت کے علاقے کے مقابلے میں EEC معاشی یکجہتی کی سمت کیوں ایک کہیں زیادہ سنجیدہ قدم تھا۔ فرانس، بلجیم، ہالینڈ، جرمنی اور اٹلی کی سرحدیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں اور ان سرحدوں کے پار ٹریف کے ہٹا لیے جانے کے بعد لاگت انتقال تقریباً صفر رہ جاتی ہے۔ یوروپین فری ٹریڈ ایسوسی ایشن (EFTA) کے ملک EEC کے ارد گرد ایک بہت بڑے دائرے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں سے بہتوں کے بیچ فاصلے کافی لمبے ہیں چاہے یہ فاصلے مسافت کے ہوں جیسے پرتگال اور سویڈن کے بیچ یا معاشی جیسے آسٹریا اور سوئٹزرلینڈ کے مابین جہاں معاشی لحاظ سے اہم علاقہ میلوں تک آلپس پہاڑ سے ایک دوسرے سے الگ ہو گئے ہیں۔ یہ مسئلہ لیٹن امریکن فری ٹریڈ ایریا (LAFTA) کے لیے بھی بنیادی اہمیت رکھتا ہے یہاں جو ملک جغرافیائی لحاظ سے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں ان کا معاشی طور پر ایک دوسرے کے قریب ہونا ضروری نہیں ہے۔ ارجن ٹائنا اور چلی جن کی سرحدیں دور تک ملتی ہیں انڈیز پہاڑ کے دروں کی چڑھائی سے فولاد لے جانے کی بجائے اسے گھما کر سمندر کے راستے لے جانا بہتر سمجھتے ہیں کیونکہ اس میں لاگت کم آتی ہے۔ پس معاشی نقطۂ نظر سے بیونس آئرز دالپارائسو سے اتنا زیادہ نزدیک ہے جتنا بالٹی مور میں منہملم اسٹیل کمپنی کے سپیرز پوائنٹ میں قائم کارخانے سے۔

اگر سرکاری امتیاز ختم بھی ہو جائے تب بھی ـــــ یہ دوسرا نکتہ ہے ـــــ نجی امتیاز کا امکان باقی رہ جاتا ہے۔ جب جے لے لکس نے (بلجیم) نیدرلینڈز اور لکسمبرگ کے مابین معاشی یونین جو EEC کی پیشرو تھی اور اس میں ضم ہو گئی تھی) بالآخر دو ملکوں کے بیچ سرمائے اور محنت کی حرکت پر سے پابندیاں اٹھا لیں تو کچھ بھی نتیجہ نہ نکلا۔ ڈچوں نے اپنے سرمایہ کو ہالینڈ میں رکھنا بہتر سمجھا اور بلجیم کے مزدوروں نے بلجیم ہی میں رہنا اور کام کرنا پسند کیا اگرچہ انتقال کے ذریعہ جس کی اب اجازت دے دی گئی تھی دونوں کو پہلے سے زیادہ زری آمدنی ہونے کا امکان موجود تھا۔ اس طرح نجی امتیاز سے معاشی یکجہتی میں رکاوٹ پڑتی ہے۔

عوامل۔قیمت۔ مساوات کے مفہوم میں معاشی یکجہتی کو پورے طور پر شاید کبھی حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم معیار کے طور پر یہ ایک مفید تعریف ہے۔ اس صورت میں ایک قیمت، جیسا کہ ایک ہی قیمت کا قانون چاہتا ہے، یکجہتی کا جزو بن جاتی ہے۔ ایک بازار میں قیمت ایک ہی رہتی ہے اور اگر سودے مول اور قیمت ایک ہو تو درحقیقت بازار ایک ہی ہوتا ہے۔ اس بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ریاستہائے متحدہ میں محنت بازار میں ارتباط نہیں ہے کیونکہ ہر جگہ اُجرت ایک نہیں ہے۔ اور حالانکہ حکومت نے امتیاز برتنے کی ممانعت کر دی ہے تاہم نیگروز اور سفید فاموں کے لیے بازار آج بھی یکجہت نہیں ہے ایک ہی جیسے پیشوں میں داخلہ کے باوجود نیگروز کو سفید فاموں سے کم اُجرت ملتی ہے۔ کسٹم یونین سے معاشی یکجہتی کو فروغ ملتا ہے یا نہیں اس کی کسوٹی یہ ہے آیا اس عوامل کی قیمتوں کے اختلافات کم ہوتے ہیں یا نہیں۔

کسٹم یونینوں اور آزادانہ تجارت والے علاقوں کے بعض کم سنگین مسائل :

کسٹم یونین اور آزادانہ تجارت کے علاقے میں فرق مضمر ہے مگر اسے واضح طور پر بیان نہیں کیا گیا ہے۔ اول الذکر میں کسٹم ڈیوٹیوں کی ایک واحد فہرست ہوتی ہے جسے سب متعلقہ ملک اپناتے ہیں۔ آخر الذکر میں ملکوں کے ٹریف کی پرانی سطحیں برقرار رہتی ہیں اور صرف ممبروں کے ساتھ ہونے والی تجارت میں انھیں وصول نہیں کرتے۔ ان دونوں نظاموں کے اپنے مسائل ہیں۔

کسی کسٹم یونین میں ٹریف کی ایک واحد فہرست کو وضع کرنا دقت طلب کام ہے۔ سب سے پہلے تو ٹریف کا ایک مشترک نام تلاش کرنے کا مسئلہ ہے۔ اشیاء کی درجہ بندی کرنے کا کوئی ایک منفرد طریقہ نہیں ہے۔ بیشتر ملکوں میں اپنا الگ نظام (درجہ بندی کا) ہوتا ہے۔ اور جب دو یا زیادہ نظاموں کو ملایا جاتا ہے تو ایک نئے نظام کی تشکیل کا مسئلہ سامنے آتا ہے۔ ایسا نظام جس پر سب متفق ہو جائیں۔ علاوہ ازیں ایک تغیر پذیر دنیا میں درجہ بندی کے تمام نظاموں کی طرح کسی پرانے نظام کو قائم رکھنے اور نئے حالات کی روشنی میں اس میں تبدیلیاں کرنے کے مختلف فوائد اور نقصانات ہوتے ہیں۔ ایک سے مختلف اوقات کی صورت حال کا مقابلہ کرنے میں مدد ملتی ہے اور دوسرا حال کے مسائل کے لیے زیادہ موزوں ہوتا ہے۔ شرحوں کو طے کرنے سے پہلے ہی EEC کے ماہرین نے ایک مشترک ٹریف نام کو وضع کرنے کے کام پر کئی سال صرف کیے۔

اس کے بعد کی شرحیں آتی ہیں GATT کے قوانین جو کسٹم یونین کی اجازت دیتے ہیں ان کا

کہنا ہے کہ مشترک ٹریف کی شرح .... متعلقہ ٹریفوں کی اوسط شرح سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔ کسی ٹریف کی اونچائی ناپنے اور کئی ٹریفوں کے لیے مناسب اوسط کا انتخاب کرنے دونوں میں بہت سی دشواریاں ہیں۔ کسی ٹریف کی اونچائی ناپنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ جدا گانہ ایڈ ویلورم شرحوں کا اوسط نکالا جائے۔ تاہم یہ گمراہ کن طریقہ ہے کیونکہ اوسط باوزن ہونا چاہیے۔ وزن کون سے لیے جائیں؟ تجارت کے حجم کو وزن کے طور پر استعمال کرنے سے نتیجہ میں جھکاؤ پیدا ہو جانے کا امکان ہے کیونکہ ٹریف جتنا اونچا ہو گا اتنا ہی وہ تجارت میں مانع ہو گا اور اس کا اثر اسی قدر کم ہو جائے گا۔ ایک ایسے ٹریف کو جس سے تجارت بالکل ہی بند ہو جائے کوئی وزن نہ دیا جائے گا اور یہ ایک مہمل فعل ہو گا۔ وزن دینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس مالیت کو اپنایا جائے جو آزادانہ تجارت کی صورت میں متوقع ہو۔ اس کا پتہ لگانے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ تاوقتیکہ لچکوں کے بارے میں بے تحاشہ معلومات دستیاب نہ کی جائیں۔ آزادانہ تجارت کے وزنوں کا ایک بدل گھریلو صرف ہو سکتا ہے یہاں ایسی اشیا جن پر تجارت کو ختم کر دینے والا ٹریف لگا ہوا ہے۔ (تحفظی اثر نہایت قوی ہے) اشاریہ میں شامل ہو جاتی ہیں۔

کینیڈی دور کے اختلافات پر بحث کے تحت ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ EEC کے لیے اوسط نکالنے میں بلجیم، فرانس، اور اٹلی کے ٹریف گھٹا دیئے گئے تھے جبکہ ڈچ اور جرمن ٹریفوں میں اضافہ کر دیا گیا تھا۔ واضح رہے کہ اس کا مطلب پہلے گروہ کے لیے زیادہ آزینش تجارت اور دوسرے کے لیے زیادہ تجارت کی رخ بدلی ہے۔ آزینش تجارت اور تجارت کی رخ بدلی پر اس باب میں پہلے جو بحث کی گئی ہے اس میں یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ ٹریف کی شرح ساکن اور یکساں رہتی ہے لیکن اگر کوئی ملک اپنے ٹریف بڑھا دیتا ہے تو تجارت کی رُخ بدلی میں صریحاً تیزی آجاتی ہے اور جو ٹریف کم کر دیتے ہیں ان کے لیے نتیجہ اس کے برعکس رہتا ہے۔

ایک بار مشترک ٹریف طے ہو جائے تو پھر مالی یافت کا کیا ہوتا ہے؟ ظاہر ہے انھیں ممبروں میں تقسیم کیا جانا چاہیے مگر کیسے؟ ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ جو ملک جتنی رقم جمع کرے وہ اس کے پاس چھوڑ دی جائے۔ یہ عملی ضرور ہے مگر اتنا منصفانہ نہیں۔ کیا نیدرلینڈ کو جرمنی جانے والی ان اشیا پر ڈیوٹی کی رقم اپنے پاس رکھ لینی چاہیے جو دریائے رائن میں اوپر جاتے وقت روٹرڈم سے گذرتی ہیں یا اٹلی وہ رقم رکھ لے جو بحیرۂ روم سے آلپس پار کر کے جانے والی اشیا پر وصول کی جاتی ہے؟ لیکن اس ملک کا تعین کرنے کے لیے جس میں اشیا کا صرف عمل میں آئے گا اور پھر ان پر

کیا ڈیوٹیاں لی جائیں ان کاموں کے لیے اتنی بڑی تنظیم درکار ہوگی جو اتنی مفید نہیں ہوگی ۔1957 کے روم معاہدے میں یہ مسئلہ حل کرنے کا کام اس کمیشن کے سپرد کر دیا گیا تھا جسے وزرائے خارجہ پر مشتمل کونسل کو اپنی تجویز پیش کرنی تھی ۔

کسی آزادانہ تجارت کے علاقے میں کسٹم سے ہونے والی آمدنی کو تقسیم کرنے کا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا ۔ ہر ایک جو خود وصول کرتا ہے رکھ لے لیکن قیمتوں میں فرق کا فائدہ اٹھانے کے امکان ، (arbitrage) کی وجہ سے ترلیفی فہرستوں میں اختلافات سے ایک مسئلہ پیدا ہو سکتا ہے یعنی پہلے آزادانہ تجارت کے علاقے میں اشیا اس ملک میں لے جائی جائیں جہاں ڈیوٹی سب سے کم ہے اور پھر وہاں سے انھیں اس ملک کے لیے جہازوں میں لادا جائے جہاں ترلیف کی شرحیں سب سے اونچی ہیں ۔ ملکوں کے بہت فاصلے سے ہونے کی صورت میں ۔ جیسے EFTA میں پرتگال اور ناروے ، یا سوئٹزرلینڈ اور برطانیہ میں ــــ یہ مسئلہ زیادہ سنگین صورت اختیار نہیں کرتا ۔ غالباً ترلیف میں ہونے والی بچت نقل و حمل کی فاضل لاگت سے کم ہوگا لیکن مسئلہ اتنا اہم ضرور ہے کہ اس پر قابو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے ۔ مال کہاں سے چلا اس سے متعلق سرٹیفکٹ اس ضرورت کو پورا کر دیتے ہیں ۔ آزادانہ تجارت کے علاقے میں ایک ملک سے دوسرے ملک کو جانے والی اشیاء کے ساتھ چلنے کے مقام کا سرٹیفکٹ منسلک رہتا ہے یہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ اشیاء ایک ممبر ملک سے چلی ہیں کسی تیسرے ملک سے نہیں ۔ ایسے سرٹیفکٹوں کو جاری کرنا اور حقائق کی تصدیق کرنا ایک تھکا دینے والا کام ہے تاہم اس سے مفر نہیں ہے ۔

EEC کا زراعت کے لیے خاص نظام

1957 کے روم معاہدے نے EEC کو جنم دیا ۔ لوہے اور فولاد نیز یورپ کی کوئلہ اور فولاد کمیونٹی کے کوئلہ میں "فعال ارتباط" جزوی طور پر رونما ہو چکنے کے بعد اس معاہدے میں یہ تجویز پیش کی گئی کہ زراعت کے لیے ایک خاص تنظیم کی تشکیل کی جائے ۔ یہ شعبہ تقریباً ہر ایک ملک کے لیے ایک مسئلہ بنا ہوا تھا اور ہر ایک ملک میں اس کو سہارا دینے کے لیے مالی امداد اور تجارت پر پابندیوں کے مخصوص طریقے اختیار کیے گئے تھے ۔ سوائے نیدرلینڈ کے اور کوئی ملک اپنے کسانوں کو عالمی بازار میں مسابقت کرنے کی اجازت دینے کے لیے تیار نہیں تھا لیکن بیشتر ممالک ان وجوہات کی بنا پر جنھیں باب 8 میں "کوٹوں کی ابتدا" کے تحت بیان کیا گیا ہے عام ترلیفوں کا

استعمال کرنے کے لیے آمادہ نظر نہیں آتے تھے۔

زراعت کے معاملے میں مذاکرات سیاسی طور پر دشوار معلوم ہوتے ہیں۔ بنیادی سوال نظام کا تھا اور پھر اس نظام کے تحت تفصیلات کا۔ جس نظام کو اپنایا گیا وہ "گھٹتے ہوئے ٹریف" کا نظام تھا اس قسم کے نظام کا استعمال کسی زمانے میں برطانیہ نے اناج قوانین کے تحت کیا تھا۔ اول مشترک منڈی میں ہر ایک چیز کے لیے حمایتی قیمت کا تعین کیا گیا۔ گھٹا ہوا ٹریف اس حمایتی قیمت اور عالمی قیمت کا فرق ہوتا ہے۔ اگر مقامی رسد کم ہوتی ہے اور قیمت حمایتی قیمت سے اوپر جانے لگتی ہے تو عالمی قیمت جمع ٹریف (جو حمایتی قیمت کے برابر ہوگا) اسے نیچے لے آئے گی۔ اس کے برعکس فصل اچھی۔۔۔ ہونے کی صورت میں مقامی قیمت گرے گی اور ٹریف امتناعی ہو جائے گا۔ اس سلسلے میں جزوی توازن کے خاکے کھینچنے میں طالب علم کو کوئی دشواری نہیں ہونی چاہیے۔ ہاں زراعت پر وصول کیے جانے والے ٹریف ایک مخصوص فنڈ میں جمع کیے جاتے ہیں جس کا استعمال EEC کی زراعت میں جدید کاری کو فروغ دینے کے لیے کیا جاتا ہے۔

نظام کو وضع کر لینا ایک الگ بات تھی۔ حمایتی قیمتوں پر اتفاق رائے اس سے کہیں زیادہ مشکل تھا۔ جرمنی جہاں کرسچین ڈیموکریٹک پارٹی کا انحصار کاشتکاروں کی حمایت پر تھا گیہوں کی اونچی قیمت مقرر کرنا چاہتا تھا۔ فرانس جہاں زراعت ترقی یافتہ تھی ڈرتا تھا کہ اونچی قیمت سے زمین پر کسانوں کا دباؤ بڑھ جائے گا اور پیداوار جرمن کھپت سے زیادہ ہو جائے گی۔ کینیڈی دور کے مذاکرات کے دوران ریاستہائے متحدہ کے اس اصرار نے معاملہ کو مزید الجھا دیا کہ گیہوں، کپاس، سویابین وغیرہ کے لیے ایسے کم سے کم مقداری کوٹے طے کیے جائیں جنہیں گھٹتے ہوئے ٹریف کے باوجود مشترک منڈی درآمد کرتی رہے گی۔

سیاسی وجوہات کی بنا پر برطانیہ نے مشترک منڈی میں شامل ہونے کے لیے پہلی درخواست دی پھر دوسری۔ لیکن ان کا زراعتی نظام مختلف ہونے کی وجہ سے بڑے سنگین مسائل سامنے آتے ہیں۔ برطانیہ کے لوگ اشیائے خوردنی کی عالمی قیمتوں سے شروعات کرتے ہیں اور کسانوں کے لیے اس میں مالی امداد جوڑ دیتے ہیں۔ EEC کے نظام کو اپنانے کے لیے اناجوں کی قیمت میں بڑا اضافہ کرنے کی ضرورت ہوگی یا پرانی اور نئی اونچی قیمتوں اور عالمی قیمتوں کے فرق کو فرانس جرمنی اور اٹلی کے فارموں کی جدید کاری کے لیے دینا پڑتا کیونکہ برطانیہ کی زراعت پہلے ہی سے باصلاحیت ہے۔

ترقی پذیر ملکوں میں علاقائی یکجہتی:

اس وقت تک معاشی یکجہتی کی کامیاب ترین مثال یورپین اکنامک کمیونٹی (EEC) ہے۔

بہر حال ترقی یافتہ ملکوں کے لیے علاقائی یکجہتی کی پالیسی اپنانے کی اکثر سفارش کی جاتی ہے بعض کوششیں کامیاب رہی ہیں جیسے سنٹرل امریکن کامن مارکیٹ (C ACM) کا قیام بعض تنظیمیں وجود میں آنے کے لیے جدو جہد کر رہی ہیں جیسے (LAFTA) کچھ ایسی ہیں جن کا شیرازہ پہلے ہی بکھر چکا ہے مثلاً ویسٹ انڈین فیڈریشن یا افریقہ کے مشرقی ساحل پر کینیا، یوگنڈا، اور تنگانیکا کے مابین انتظامات۔ کچھ پر برسوں سے بات چیت چل رہی ہے۔ عرب لیگ۔ بعض پر پہلی بار بات چیت کا آغاز ہوا ہے مثلاً تیونیشیا، الجزائر اور مراکش کے مغربی ممالک اور ایشیائی ممالک فلپائن، ملایا اور تھائی لینڈ۔

ان سب ہی کوششوں کا مقصد صنعت کاری کو فروغ دینا ہے۔ قومی بازاروں کو بڑا محدود تصور کیا جاتا ہے۔ علاقائی بازار جدید صنعت کو پھلنے پھولنے کا موقع فراہم کر سکتا ہے۔ ممبر ملکوں میں موجودہ پیداواری اکائیوں کو جو باصلاحیت نہیں ہیں ختم کر کے آزمائش تجارت میں اتنی دلچسپی نہیں ہے جتنی تجارت کا رخ بدلنے میں یعنی مقصد یہ ہے کہ باقی دنیا کے مقابلے میں اشیاء کی خرید کو ممبر ملکوں میں منتقل کیا جائے اور زیادہ تعمیری پہلو یہ ہے کہ بڑے پیمانے کی بچتیں حاصل کی جائیں۔ اگر ملکوں کو صنعت کاری کو اختیار ہی کرنا ہے تو بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کام کو کم سے کم بے ہنری کے ساتھ کیا جائے۔

لیکن دشواریاں بہت بڑی ہیں۔ معاشی نقطۂ نظر سے پسماندہ ملک کو یہ خطرہ لاحق ہو جاتا ہے کہ اپنے ساتھیوں کو اپنے بازار تک پہنچنے کی کھلی آزادی دے دینے پر وہ کبھی بھی کسی صنعت کو جاری نہیں کر سکے گا۔ مثال کے طور پر بولیویا (LAFTA) میں شامل ہونے سے اس بنیاد پر انکار کرتا ہے کہ ایسا کرنے سے اس کی معاشی نشوونما میں مدد ملنے کی بجائے اس میں رکاوٹ پڑے گی۔ وہ (LAFTA) کو ترقی یافتہ ملکوں میکسیکو، ارجنٹائن اور برازیل کی ترقی کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ یہ ملک اس علاقے میں صنعتی رہبر ہیں اور (LAFTA) سے ان کی ترقی میں اضافہ کے ساتھ ساتھ سست قدم ملکوں کی رفتار اور کم ہو جائے گی۔

اس اعتراض کو ختم کرنے کے لیے بہت سے طریقے وضع کیے جا رہے ہیں۔ پسماندہ ملک کے ساتھ خصوصی برتاؤ کیا جا سکتا ہے۔ یہ سرمایہ کاری میں امداد دینے پر مشتمل ہو سکتا ہے جیسا کہ یورپ میں ہے۔ یا دیگر ملکوں کے تئیں کم ترقی یافتہ ممالک کی ذمہ داریوں کو کم کیا جا سکتا ہے EEC میں یونان اور ترکی کے بیچ تعاون کے سمجھوتہ میں یہ شرط رکھی گئی ہے کہ یونان اور ترکی چھ ملکوں کے بازاروں میں اپنا مال بیچ سکیں گے مگر اس کے جواب میں ان کے ٹریف کی تخفیف کو پانچ سال تک ملتوی

رکھا جائے گا۔ (تاہم سمجھوتے پر دستخط ہو جانے کے بعد ایتھنس میں فوراً ہی اس تشویش کا اظہار کیا گیا کہ ۱۹۷۰ میں کیا ہوگا۔) (LAFTA) میں بھی پسماندہ ممالک کے لیے اس طرح کے تحفظات کے انتظام کا وعدہ کیا گیا ہے (C ACM) میں جو پانچ نہایت چھوٹے ملکوں پر مشتمل ہے ملکوں کے لیے صنعتیں طے کر دی گئی ہیں اور ہر ایک ملک کو صنعت کاری میں اس کے حصے کی یقین دہانی کر دی گئی ہے۔ کامل یکجہتی سے پہلے وہ ممالک جو ترقی کی تقریباً ایک سی سطح پر ہیں عبوری دور میں خاص اقدامات کر سکتے ہیں۔ (LAFTA) میں مشہور و معروف بگوٹا گروپ میں کولمبیا، چلی، ایکویڈر، پیرو، اور وینیزولا شامل ہیں۔ یہ گروپ مشترک ڈیولپمنٹ کمیشن اور یکجہتی سے متعلق دیگر کارروائیوں میں شامل ہونے کے لیے رضامند ہو گیا ہے۔ لیکن سیاسی دشواری پھر بھی باقی رہ جاتی ہے۔ علاقائی یکجہتی سے صنعتی فوائد حاصل ہونے کی امید دکھائی دیتی ہے اور حریف کو نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر خسارہ بڑھتے بڑھتے بہت زیادہ ہو جاتا ہے تو ملک کے تنظیم سے نکل جانے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اپنی جغرافیائی نزدیکی کے باوجود کم ترقی یافتہ ملک یکجا نہیں ہیں۔ ان میں تعاون کم اور مسابقت زیادہ پائی جاتی ہے اور ان کے مسابقتی مفادات ان کو گروہ بندی سے دور رکھتے ہیں۔ EEC کے ملکوں میں زمین کا ایک واحد بڑا قطع ہے جس میں رسل و رسائل کے اچھے ذرائع موجود ہیں اس لیے گروہ کے بازاروں میں ممبر ملکوں کو باہر کی دنیا پر برتری حاصل ہے۔ ترقی پذیر ملکوں میں بہت سے ایسے ہیں۔ مثلاً ارجنٹائن اور چلی ۔ جن کے پاس اشیائی ذرائع نقل و حمل موجود ہیں۔ ان کے درمیان کوئی فطری اتحاد نہیں ہے اور مصنوعی سیاسی اتحاد کو قائم رکھنا مشکل ہوتا ہے۔ یہ حقیقت پھوٹ ڈالنے والی ہے کہ ایک ممبر کے فائدے دوسروں کی لاگت ہوتے ہیں۔

بہر حال اگر سیاسی دشواریوں پر قابو پایا جا سکے تو اس میں شک کی گنجائش نہیں ہے کہ ایک سے علاقے میں ہونے والی صنعت کاری اس سے بہتر ہے کہ صنعت کاری پانچ چھوٹی اکائیوں میں تحفظ کی ایک ہی سطح پر الگ الگ کی جائے۔ تاہم یہ سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ کیا آفرینش تجارت کی وجہ سے عالمی بازار کا معاشی ارتباط اس علاقائی یکجہتی سے بہتر نہ ہوگا جس میں صرف تجارت کا رخ بدل جاتا ہے۔

تجاویز برائے مطالعہ :

درسی کتب :

دیکھیں Snider chap XI; Vanek ch XVIII; Clement , Pfister and Rothwell,

chap iv; and B.Balassa Led) Changing Pattern of Foreign Trade and Payments (New York: W.W .Horton & Co, Inc, 1964 (Paperback) Part II

تحقیقی رسائل:

نظریاتی سطح پر دیکھیں

Bela Balassa: The Theory of Economic Integration (Homewood Ill: Richard D. Irwin Inc 1961; R.G.Lipsey : The Theory of Customs Union A General Survey in American Association , Readings in International Economic

اور ایک وسیع ادب ہے جس میں نمایاں نظریاتی کام یہ ہیں:

Jacob Viner : The Customs Union Issue (New York : Carnegie Endowment for International Peace 1953 .)

Tibor Scitovsky : Economic Theory and Western European Integration (London : Unwin University Books, reprinted with a new introduction , 1962) (Paperback)

James E Meade, Problems of Economic Union (London : Oxford University Press 1953)

یورپ کے بارے میں ان کے علاوہ دیکھیں:

Lawrence B. Krouse (ed) The Common Market: Progress and Controversy (Englewood Cliffs, N.J. Prentice Hall Inc, 1964) Paperback)

F.B.Jensen and I.Walter: The Common Market Economic Integration in Europe (Philadelphia J.B.Lippincq Co. 1956) (Paperback).

Mi rian Camps : Britain and the European Community 1955 -63. (Princeton N.J. Prinston University Press 1963)

لاطینی امریکہ پر:

Victor L Urquidi, Free Trade and Economic Integration in Latin America (Berkley Calif: University of California Press, 1962)

Miguel S Wionczek (ed) Latin American Economic Integration Experience and Prospects (New York Fredrick A Praeger Inc 1966)

Sidney dell: A Latin American Common Market ? (New York Oxford University Press, Inc 1967)

نکات :

International Economic Integration (Amsterdam Elsevier Publishers Co 1963) یکجہتی کی ٹن برجن کی تعریف میں دی ہوئی ہے۔

Ingo Walter and Hans C Vitzhum "The Central American common market A case Study on Economic Integration in Developing Regions" in New York University Institute of Finance The Bulletin No. 44 May 1967,

یہ سنٹرل امریکن کامن مارکٹ پرایک مفید کتاب ہے۔

C.A. Cooper and B.F. Massell "Towards A General Theory of Customs Union for Developing Countries JPE October 1965 .

ترقی پذیر ملکوں کے درمیان معاشی یکجہتی کے حق میں نظریاتی دلائل کے لیے دیکھیں

باب 12 بسیار جہتی آزاد تجارت کا کیس

گذشتہ چند ابواب سے یہ تاثر ملتا ہے کہ ایسے بہت سے حالات ہیں جن میں ترلیف اور مالی امداد کو مناسب قرار دیا جا سکتا ہے اور حقیقی دنیا میں ایسے بہت سے مواقع آتے ہیں جب غیر ملکی تجارت میں مداخلت کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں جدید نظریاتی ماہرین آزادانہ تجارت کے حق میں بڑا کمزور کیس پیش کر پاتے ہیں ان کی دلیل صرف یہ ہے کہ تجارت نہ ہونے سے بہتر تو یہ ہے کہ آزادانہ تجارت ہو اور یہ بھی کہ عدم تجارت سے بہتر ہے کہ تھوڑی بہت تجارت ہو لیکن وہ اتنا بڑا دعویٰ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ پابند تجارت کے مقابلے میں آزادانہ تجارت بہتر ہوتی ہے۔ پھر ماہرین معاشیات جن کا بنیادی کیس کمزور ہے اور جو اس قدر مستثنیات کو تسلیم کرتے ہیں آزادانہ تجارت کو کیوں سب سے بہتر کمرشل پالیسی قرار دیتے رہتے ہیں؟ ہم نے اب تک کمرشل پالیسی پر حصہ دوم کے اس آخری باب کے لیے بسیار جہتی تجارت کے کیس کو بچا کر رکھا تھا تاکہ ہم اس بات کا جائزہ لے سکیں کہ جدید معاشی نظریہ کی کاٹ چھانٹ یا اعتراضات کے بعد آزادانہ تجارت کے کلاسیکی نظریہ میں سے کیا کچھ باقی رہ گیا ہے یا کتنے کو بچایا جا سکتا ہے۔ ہم پہلے دو اور بعد ازاں زیادہ ممالک کو لے کر آغاز بہترین کارکردگی کے لیے ضروری شرائط سے کریں گے اور پھر یہ دیکھیں گے کہ فلاح و بہبود کی تقسیم ملکوں کے مابین کس طرح ہوتی ہے۔ اس کے بعد ہم اس نظریہ پر غور کریں گے کہ دوسرے نمبر پر سب سے بہتر راستہ کون سا ہے یہ اس امر کی جانب اشارہ کرتا ہے کہ اگر آزادانہ تجارت سب سے بہتر پالیسی ہے بھی تو اس کا مطلب یہ نہیں نکلتا کہ آزادی تجارت کے لیے ہر ممکن کوشش کی جانی چاہیے۔ آخر میں کارکردگی کی شرائط کی تمام امکانی خلاف ورزیوں، فلاح و بہبود کی تقسیم بدلنے کی احتیاج کے امکان اور آزادانہ تجارت کی جانب جزوی طور پر حرکت کرنے کے خطرات کے پیش نظر ہم بیشتر ماہرین معاشیات کے ساتھ قدم ملاتے ہوئے عام قیاس کے طور پر آزاد بسیار جہتی تجارت کی حمایت کرتے ہیں۔

نظامِ قیمت کی خوبیاں:

فی الحال انصاف یا فلاح و بہبود کی تقسیم کے سوال سے قطع نظر آزادانہ تجارت کا کیس بنیادی طور پر کارکردگی پر قائم ہے۔ اگر بعض شرائط پوری ہو جائیں تو آزادانہ تجارت کے پیچھے کارفرما ان دیکھا ہاتھ آمدنی یا فلاح کی کسی دی ہوئی تقسیم کے لیے عالمی پیداوار کو بیشترین کردے گا۔ مختلف پیداواری کاموں میں وسائل اور صارفین میں اشیاء کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ فلاح کی تقسیم کے لیے تسکین کا سب سے بڑا ممکن حجم پیدا ہوگا۔ کسی شخص یا گروہ کی حالت اس وقت تک بہتر نہ بنائی جاسکے گی جب تک کسی دیگر شخص یا گروہ کی حالت پہلے سے ابتر نہ ہو جائے اسے داٹلی کے مشہور معاشی کے نام پر "بیریٹو بہتری" کہتے ہیں۔

ہم جلد ہی شرائط اور مفروضات پر غور کریں گے۔ فی الحال ہم ان شرائط کو فرض کیے لیتے ہیں اور مجوزہ مفروضوں کی حدود میں تجارت کے سبب اشیاء کی قیمتیں ہر جگہ برابر ہو جاتی ہیں (نقل و حمل کی لاگتوں کو چھوڑ کر) اس طرح تجارت سے مزید نفع حاصل ہونے کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔ تجارت سے اشیاء کی قیمتیں ان کی مختتم لاگتوں کے برابر ہو جاتی ہیں اس سے پیداوار بیشترین ہو جاتی ہے۔ ان حالات میں عوامل کی یافت ہر صنعت میں برابر ہوتی ہے بس فرق ان کی صلاحیت پیداوار کے لحاظ سے ہو سکتا ہے۔ اس سے وسائل کی تقسیم بہترین ہو جاتی ہے۔ اگر سماجی اور نجی قدر ہر جگہ سماجی اور نجی لاگت کے برابر ہو جاتی ہے تو سوسائٹی میں وسائل کا استعمال سب سے سودمند طور پر ہو جاتا ہے۔ نیز اشیاء کی پیداوار اور ان کی تقسیم بھی سب سے اچھی ہو جاتی ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ان حالات میں فلاحی پوزیشن بھی سب سے عمدہ ہو کیونکہ آمدن کی تقسیم ایسی ہو سکتی ہے جس میں مختلف آمدنی پانے والوں میں آمدنی کی اہمیت میں اختلافات باقی رہ جائیں لیکن فی الحال ہم کارکردگی کے مسئلہ پر بحث کر رہے ہیں مساوات کے مسئلہ پر نہیں۔

آزادانہ تجارت کی حمایت کی بنیاد یہ نظریہ ہے کہ "پیریٹو بہتری" تک پہنچنے کا یہ سب سے سیدھا راستہ ہے اور یہ کہ تقسیم سے متعلق دلائل سے عہدہ برآ ہونے کے ایسے طریقے موجود ہیں جو وسائل کی بہترین تقسیم کو مسخ نہیں کرتے۔ لیکن اس کی شرائط نہایت دوررس ہیں۔ اشیاء یا عوامل میں سے کسی کے سلسلے میں بھی سماجی اقدار اور بازاری قیمتوں میں نمایاں فرق نہیں ہونا چاہیے۔ ایسے اختلافات جن کی نشان دہی گذشتہ ابواب میں کی گئی ہے درحقیقت پیدا ضرور ہوتے ہیں۔ بازاری قیمتیں سماجی اقدار

سے مختلف ہوسکتی ہیں۔ یہ فرق ان اختلافات کے علاوہ ہیں جو تقسیمی مقاصد کے حصول کے لیے سرکاری مداخلت سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی وجوہات پیمانے کی بچتیں اور گھاٹے، خرید اور فروخت کے اجارے، اور غیر مناسب ٹیکس کے طریقے ہوتے ہیں۔ عوامل کی سطح پر تفاوت عدم لچک اور سماجی مختتم پیداوار سے ان (عوامل) کی قیمتوں کے دیگر انحراف ہوسکتے ہیں۔ بے لوچ عوامل قیمتوں سے بیروزگاری پھیل سکتی ہے۔ اگرچہ ہم ان میں بیشتر مسائل پر پہلے چند ابواب میں کسی نہ کسی مرحلے پر بحث کر چکے ہیں تاہم ان کا اعادہ مفید رہے گا۔

نظام قیمت کی برائیاں :

باہری بچتوں یا خساروں کی موجودگی میں سماجی مختتم قدر بازار کے ذریعے طے کی جانے والی نجی مختتم قدر سے مختلف ہوتی ہے، نجی لاگتیں لمبے عرصے کی سماجی لاگتوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کر سکتی ہیں۔ جیسا کہ شیر خوار صنعت کے معاملے میں ہوتا ہے۔ صنعت کاروں کے لیے لاگت سے متعلق ایسی نئی صورت حال پیدا کرنے کے لیے جو انھیں قیمتوں کو کم کرنے میں مدد دے سکے درآمدات پر تریف لگانے یا اس سے بہتر مقامی پیداوار کو مالی امداد بہم پہنچانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسی طرح سماجی اور نجی قدر میں تفاوت پیمانے کی داخلی بچتوں کی وجہ سے بھی پیدا ہوسکتا ہے اور معاشی کارکردگی مثالی سطح سے نیچے گر سکتی ہے۔ کسی سماج میں یہ بچتیں لاعلمی سے پیدا ہونے والی مسابقتی کمی کی وجہ سے باقی رہ جاتی ہیں یا محنت و سرمایہ جیسے معاون عوامل کی نایابی سے۔

خارجی خساروں پر بہت کم دھیان دیا جاتا ہے۔ یہ خسارے وہاں پائے جاسکتے ہیں جہاں دفاتر کے ختم ہوتے رہنے سے نجی قدر سماجی قدر سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ نجی لاگتیں قدرتی وسائل میں ہوتی رہنے والی کمیوں یا ہوا یا پانی کے ضرر آلود ہو جانے پر دھیان دینے میں ناکام رہتی ہیں۔ اس لیے وہ سماجی لاگت کا صحیح اندازہ نہیں لگا پاتیں اور پیداوار ضرورت سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس دشواری پر قابو پانے کے لیے ختم ہو جانے والے وسائل کو اگر بدلا جاسکے تو نئے وسائل سے بدلنا چاہیے (جیسے کھیتی یا جنگلات) یا آلودگی کو دور کرنے کے اقدامات کیے جانے چاہئیں۔ جہاں وسائل ایسے ہوں جیسے معدنیات جنھیں بدلا نہ جاسکے اگر ملک درآمد کرتا ہے تو وہاں مقامی پیداوار پر —— درآمدات پر نہیں —— اور اگر وہ برآمد کرتا ہے، تو برآمدات پر ٹیکس لگانے کے لیے بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔ وینزولا اور عراق جیسے ممالک میں تیل کے منافعوں پر بھاری ٹیکس لگانے کو عین مناسب قرار دیا جاسکتا ہے۔

کیونکہ انھیں معیشت کی پیداواری صلاحیت کو ہٹا کے رکھنے کے لیے ختم ہو جانے والے قدرتی وسائل کے بدل کے طور پر انسان کی بنائی ہوئی اموال سرمایہ حاصل کرنا ہوتی ہیں۔ (واضح رہے کہ جوں جوں زمین کی صلاحیت پیداوار کم ہوتی جاتی ہے اور سرمایہ کی تعمیر بڑھتی جاتی ہے شکل بدلی کی جدول لازماً بدلے گی اور اسی کے ساتھ نسبتی فائدہ بھی)۔ خارجی بچتیں یا خسارے متحرک بھی ہو سکتے ہیں اور ساکن بھی۔ مثال کے طور پر کبھی کبھی یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ درآمدات کی حریف اشیاء کے مقابلے میں ابتدائی اشیاء کی برآمدات زیادہ نفع بخش ثابت ہو سکتی ہیں لیکن صنعت کاری میں تربیت کی اہلیت ہوتی ہے۔ کام کرنے سے کام آتا ہے جس سے وقت کے ساتھ ساتھ پیداواری کارکردگی میں اضافہ ہوتا ہے جبکہ برآمدی اشیاء میں خصوصیت برداری کے نفع ایک بار لی کر ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتے ہیں۔

جب مسابقت غیر کامل ہوتی ہے تو آزادانہ تجارت سے حاصل کردہ نتائج ایک بار پھر بہترین کارکردگی کے معیار سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اجارہ پیداوار کو غیر ضروری طور پر محدود کر دیتا ہے۔ نیز نجی قدر کو سماجی قدر سے زیادہ کر دیتا ہے۔ اجارہ صرف پر غیر ضروری پابندیاں لگا دیتا ہے اور نجی قدر کو سماجی قدر سے کم کر دیتا ہے۔ اشیاء کے بازار میں بالائی لاگتوں کی موجودگی کے ساتھ ساتھ بازاری طاقت کے وجود کو ان نتائج کا ذمہ دار قرار دیا جا سکتا ہے۔ ان کا سبب لاعلمی، عادت، اور رسم ورواج بھی ہو سکتے ہیں۔ صارفین ان میں سے کسی ایک وجہ سے سستے بازار میں خریدنے کی بجائے چیز کو مہنگے بازار سے خریدتے ہیں دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان کے پاس معاشی طور پر کام کرنے کے لیے ضروری سرمایہ نہ ہو۔ یہ ممکن ہے کہ صنعت کار پیش بینی نہ کر سکیں کہ ان کی چیز کے خلاف مانگ میں ہونے والی تبدیلی کس درجہ دائمی نوعیت کی ہے۔

بالائی لاگتیں صرف فرموں میں ہی نہیں ہوتیں اور صرف فرمیں ہی غیر مکمل پیش بینی سے کام نہیں کرتیں۔ عوامل پیداوار کے بارے میں بھی یہ سب سچ ہے۔ عوامل کی تقسیم ناقص ہو سکتی ہے بعض لائنوں میں ان کی بہتات اور دیگر میں ان کی کمی ایسی تقسیم کو ظاہر کریں گی۔ اس ناقص تقسیم کی وجہ مواقع کے بارے میں جانکاری کی کمی، ان کی اجرت کے بارے میں پیش گوئی کی اہلیت نہ ہونا یا نقل وحمل کی لاگت ہو سکتی ہے۔ مزدوروں کو ایک سے دوسرے پیشے میں جانا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ متبادل پیشے کسی ایک ہی مقام پر دستیاب ہوں۔ ملازمت بدلنے میں صرفہ بھی ہوتا ہے۔ ایک مکان فروخت کر کے دوسرے مقام پر مکان خریدنا پڑ سکتا ہے یا صرف دوسری جگہ جا کر نیا گھر بسانا پڑ سکتا ہے۔ ایک سے

دوسری نسل کے بیچ محنت حرکت پذیر ہوتی ہے جب تک خاندان کی روایات یا مقامی رسمیں نہایت ہی مضبوط نہ ہوں نوجوان لوگ انحطاط پذیر صنعت میں گھستے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔ پھر اسکولوں اور کالجوں سے تازہ دم نکلنے والے نوجوانوں کے لیے ادھر ادھر جانے کی لاگت بہت کم یا نہ ہونے کی برابر ہوتی ہے۔ تاہم نہایت خصوصیت بردار علاقوں ـــ آپالاچیہ کی کوئلہ کی کانوں میں کام کرنے والے جنوب کے نیگرو کاشتکار اور نیو انگلینڈ کے جوتے اور کپڑے کے کاموں میں لگے ہوئے مزدور ـــ کی خستہ حالت محنت کی غیر حرکت پذیری کی شہادت دیتے ہیں۔

حقیقی سرمایہ زرئی سرمایہ کے برعکس اور بھی زیادہ غیر متحرک ہوتا ہے گو زمین اس سے بھی زیادہ غیر متحرک ہوتی ہے۔ سرمایہ کامل طور پر صرف لمبے عرصے میں ہی متحرک ہوتا ہے۔ یہ ایک مقام پر گھس کر ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بدلے کسی اور مقام پر منہائی کی جمع رقم سے سرمایہ کاری کی جاتی ہے۔ اس میں وقت لگتا ہے اور درکار عرصہ 20 سال تک طویل ہو سکتا ہے۔ قلیل مدت میں کوئی فرد اپنے سرمایہ کو منتقل کر سکتا ہے مثال کے طور پر اگر وہ نیو ہمپ شائر میں قائم اپنا سوتی کپڑے کا مل فروخت کر سکے۔ لیکن اسے معاشی سرمایہ کی حرکت پذیری نہیں کہا جا سکتا کیونکہ جو کچھ بیچنے والا کسی مقام سے نکالتا ہے اتنا ہی سرمایہ خریدار کا وہاں لگ جاتا ہے۔ معاشی لحاظ سے احوالِ سرمایہ کو اگر پرانی مشینری یا بچے کھچے لوہے کے طور پر ٹرانسپورٹ یا فروخت کیا جا سکے تو اسے کسی حد تک حرکت پذیر کیا جا سکتا ہے۔ بہر حال عمارت کو اپنی جگہ سے جنبش دینے کا امکان نہیں ہے اور اس میں لگے سرمائے کو طویل مدت میں ہی منتقل کیا جا سکتا ہے۔

گو کرزمیں اور عوامل اکثر بازار میں قیمت کے اشارے کے مطابق عمل نہیں کرتے اور اس لیے سماجی اور نجی اقدار میں مساوات قائم کرنے میں ناکام رہتے ہیں لیکن بعض اوقات وہ قیمت کی تبدیلیوں سے متاثر ہو کر سرگرمی کے ساتھ انحراف و توع میں لاتے ہیں۔ باب 10 میں مکڑی کے جال والے جس اصول کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس منظہر کی مثال پیش کرتا ہے۔ اس سال آلو کی بہت اونچی قیمت .... اگلے سال بہت زیادہ آلو پیدا کرنے کا سبب بن جاتی ہے جس سے اس سال قیمت گر جاتی ہے اور آگے کے سال میں پھر آلو کمیاب ہو جاتا ہے۔ قیمت میں ہر اضافے سے پیداوار اتنی زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ توازن قائم نہیں رہتا اور قیمت میں ہر کمی پیداوار کو کہیں زیادہ کم کر دیتی ہے۔

نئی پیداواری صلاحیت بنانے میں نظامِ قیمت کس حد تک سرمایہ کاری کی رہنمائی کر سکتا ہے۔

یہ نکتہ آج بھی بحث کا موضوع ہے۔ یہ باور کرنے میں وقت لگتا ہے کہ نئی صلاحیت درکار ہے اس عرصے میں قیمت میں اضافہ ہونے پر بھی اموالِ صرف کی رسد غیر لچکیلی رہتی ہے۔ پھر نئی صلاحیت کو بنانے اور اس سے پیداوار شروع کرنے میں وقت لگتا ہے۔ ضرورت کے احساس اور پیداوار کے آغاز کے بیچ کے عرصے کو ماہرین معاشیات بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ اگر یہ عرصہ لمبا ہے جیسا کہ ان پیداواری کاموں میں ہوتا ہے جن میں سرمائے کی کھپت بہت ہوتی ہے تو یہ خطرہ لاحق رہتا ہے کہ سرمایہ کی تشکیل کے عرصے کے دوران کمیابی اور اونچی قیمتوں کے جاری رہنے سے اتنی صلاحیت پیداوار بنائی جائے گی جو بالآخر ضرورت سے زیادہ ثابت ہوگی۔ اس معاملے میں سرمایہ کاری سے متعلق فیصلوں کی مناسب رہنمائی نہ کر سکنے کی وجہ سے تجارتی سائیکل کی زیادہ ذمہ داری نظام قیمت کے سر منڈھ دی جاتی ہے۔

نظام قیمت کے نعم البدل :

یہ کتاب بین الاقوامی تجارت کے بارے میں ہے مختلف معاشی نظاموں کے بارے میں نہیں۔ تاہم یہ کہنے میں کوئی مذائقہ نہیں ہے کہ نظام قیمت کی وہ امکانی کمزوریاں جن کا تذکرہ کیا گیا ہے اس بات پر دلالت نہیں کرتیں کہ کوئی متبادل نظام ـــ کارٹل، سرکاری منصوبہ بندی یا قومی ملکیت ـــ زیادہ افضل ہے یا خراب۔ جو چیز اہم معلوم ہوتی ہے وہ ہے فیصلہ کرنے والی اکائی کا سائز اور وہ پیمانہ جس پر فیصلے کیے جاتے ہیں۔ اجاری صنعت، سرکاری منصوبہ بندی اور مسابقتی صنعت جس میں تمام صنعت کار تہذیب کے اعتبار سے ایک جیسے ہوتے ہیں اور ایک جیسے محرکات کا جن پر ایک سا اثر مرتب ہوتا ہے ان سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ مانگ یا رسد میں کسی تبدیلی کا ردعمل سب پر ایک ہی سمت میں ہوگا۔ اندازے کی غلطیوں کے پہچاننے میں ان کی رفتار مختلف ہو سکتی ہے ـــ اسے بھی حوصلہ مندی کا فائدہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس صورت حال سے دونوں ہی مختلف ہوں گے جس میں یہ فیصلہ روایتی طور پر کیا جاتا ہے کہ کیا پیدا کیا جائے گا اور کس طرح یا جس میں پیداوار کا کام بہت سی ایسی چھوٹی چھوٹی فرمیں کرتی ہیں جو اپنے فیصلوں پر آزادانہ طور سے پہنچتی ہیں۔

یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ نظام قیمت اس صورت میں زیادہ مؤثر طور پر کام کرتا ہے اور ضرورت سے زیادہ یا غلط ردعمل کا امکان کم رہتا ہے جب معاشی سماج بہت سی فرموں پر مشتمل ہوتا ہے ہر ایک فرم اپنی آمدنی کو بہترین کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن حالات کے رُخ کے بارے میں ہر ایک کے

آزادانہ خیالات ہوتے ہیں۔ نعم البدل کی بالکل ٹھیک تشکل کیا ہو گی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو سوسائٹی بیشترین کرنے کے عمل سے دست کش ہو جاتی ہے یا کوئی صنعت ایک اکائی کی حیثیت سے حالات کا سامنا کرتی ہے۔

اس صورت حال سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ ہم جیسے جیسے کامل مسابقت اور یکساں لاگت کے کلاسیکی مفروضوں کے قریب پہنچتے ہیں۔ ان مفروضوں کا مطلب ہے لامحدود طور پر لچکیلے مانگ اور رسد تو س نظام قیمت کی کارکردگی بڑھتی ہے اور ان سے انحراف کی صورت میں کارکردگی کم ہو جاتی ہے۔ اس روشنی میں جائزہ لینے پر پتہ لگتا ہے کہ کلاسیکی ارتقار کے بعد سے بین الاقوامی نظریہ تجارت میں ہونے والی تبدیلی تجزیہ میں ایک محدود درجے کی تبدیلی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ زیادہ تر یہ تبدیلی کلاسیکی نظریہ کے پیچھے کارفرما مفروضات پر نظر ثانی پر مشتمل رہی ہے۔

کارکردگی اور فلاح و بہبود:

دو میں سے کسی بھی ایک صورت میں جو پوزیشن کارکردگی کے لحاظ سے بہترین ہو گی وہ فلاح و بہبود کے نقطہ نظر سے بھی مثالی ہو گی۔ اول یہ کہ آمدنی کی تقسیم غیر اہم ہے کیونکہ ایک ڈالر آمدنی سے خواہ وہ کسی کو بھی حاصل ہو فلاح کی ایک ہی مقدار حاصل ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ کارکردگی کی مثالی پوزیشن کی جانب حرکت کرنے سے فلاح و بہبود کی تقسیم نہیں بدلتی۔ بدقسمتی سے ان دونوں میں سے کوئی بھی مفروضہ قرین عقل نہیں ہے۔ پس اگر نظام قیمت اتنی اچھی طرح کام بھی کرے جس سے کارکردگی مثالی ہو جائے تب بھی یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس سے عالمی فلاح و بہبود بیشترین ہو ہی جائے گا۔

کلاسیکی ماہرین معاشیات بلاشبہ اس بات سے واقف تھے کہ امیر اور غریب انسان کے لیے آمدنی کی مختتم افادیت مختلف تھی اس لیے یہ فرض کر لینا مناسب نہیں تھا آمدنی کا ایک ڈالر ہر ایک ملنے والے کے لیے فلاح کے ایک ڈالر کی برابر ہو گا۔ وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ زیادہ آزادانہ تجارت کی صورت میں آمدنی تقسیم بدلے گی اس لیے یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ چاہے آزادانہ تجارت سے تحفظ کے مقابلہ میں زیادہ پیداوار کم لاگت پر ممکن ہو اس سے فلاح و بہبود بھی نسبتاً زیادہ پیدا ہو گا۔ تاہم ان کو یہ یقین تھا کہ ایمانداری کی مانند آزاد تجارت بھی سب سے عمدہ پالیسی ہے۔

جدید فلاحی ماہرین معاشیات کے پاس دو ایسے نظریات ہیں جن کی بنیاد پر وہ آزادانہ تجارت

اور فلاح کے موضوع پر کچھ کہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک طریقہ وزن مقرر کرنے کا ہے۔ اگر A ملک کی آمدنی کے ہر ایک ڈالر کا وزن ایک اور ملک B کی فی ڈالر آمدنی کا وزن نصف ہو تب یہ حساب لگایا جا سکتا ہے کہ کیا تحفظ کی دی ہوئی پوزیشن کے مقابلے میں آزادانہ تجارت زیادہ فلاح پیدا کرے گی یا نہیں۔ اس کے لیے ایک وزن دار نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ اگر آزادانہ تجارت سے شرائطِ تجارت اس طرح B. کے حق میں بدل جائیں کہ A کو 10 کا نقصان ہو لیکن B کو 18 کا فائدہ تب جو وزن اوپر دیے گئے ہیں ان کی رو سے فلاح میں کمی واقع ہو جائے گی۔ A کا 10 کا وزن دار نقصان (10×1) B کے 9 کے $(18 \times \frac{1}{2})$ وزن دار فائدے سے زیادہ ہے۔ لیکن مساوی وزن کی بنیاد پر آزادانہ تجارت سے A اور B کی دنیا کے فلاح و بہبود میں اضافہ ہو جائے گا۔ اگر سب ملکوں میں تمام آمدنی پانے والوں کے لیے مساوی وزن مقرر کیے جائیں تو آزادانہ تجارت سے مثالی فلاح پیدا ہو سکتی ہے اس کے برعکس (قومی نقطۂ نظر سے) اگر A کے لیے وزن ایک اور B کے لیے صفر ہو تو مثالی فلاح وہ مثالی تعریف ہوگا جو A کی شرائطِ تجارت کو حجم میں اثر کو زائل کر دینے والی کسی کمی کے بغیر ہر ممکن حد تک بیشترین کر دے۔

نظامِ اوزان جو بین الاقوامی سماجی فلاح کے نقل کی ایک شکل ہے ہر ملک میں آمدنی پانے والوں پر عائد ہونا چاہیے۔ آزادانہ تجارت A میں آمدنی کی تقسیم کمیاب عامل کے خلاف اور بافراط پائے جانے والے عامل کے حق میں کرے گی۔ اگر وافر مقدار میں ملنے والا عامل امیر ہے اور کمیاب عامل غریب تو تحفظ کی صورت حال کے مقابلے میں آزادانہ تجارت سے رونما ہونے والی صورت حال فلاحی لحاظ سے بہتر نہ ہوگی۔ لیکن ہم آزادانہ تجارت کو بے شک اپنا سکتے ہیں اور آمدنی تقسیم کو ٹیکس سے متعلق پالیسی کے ذریعہ صحیح کر سکتے ہیں۔

دوسرا نظریہ مشہور و معروف اصولِ تلافی کا ہے۔ فلاحی لحاظ سے پہلی صورت دوسری سے بہتر ہوگی اگر دوسری پوزیشن سے پہلی کی جانب حرکت سے مستفید ہونے والوں کو اتنا زیادہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہ خسارے میں رہنے والوں کے نقصان کی تلافی کر سکیں اور اس کے باوجود ان کے پاس (حاصل ہونے والے نفع میں سے) کچھ باقی بچ رہے۔ اس طرح فلاحی اور کارکردگی کے تقابل میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ جب بھی کل پیداوار کی قیمت میں کوئی اضافہ ہوگا اس کا نتیجہ یہی برآمد ہوگا کہ مجموعی طور پر فائدے میں رہنے والے خسارے میں رہنے والوں کے نقصان کی تلافی کر سکیں گے۔ لیکن ایسی تلافی بے شک شاذ ہی ظہور میں آتی ہے۔ تدریجی آمدنی ٹیکس اور بیروزگار ضرورت مند کو ادائیگیوں کے انتقال۔ پوری تلافی

کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ اس کے آگے اصولِ تلافی ایک خالص مفروضہ ہے اور کچھ نہیں۔

اگر نظامِ قیمت اتنی اچھی طرح کام کرتا ہے جس سے مادی۔ مثالی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے تو اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ آزادانہ تجارت سے فلاحی صورت حال مثالی بن جائے گی۔ یہ کام یا تو ملکوں کے لیے اور ملکوں کے اندر آمدنی پانے والوں کے لیے مساوی اوزان سے ہو جائے گا یا پھر ملکوں کے مابین اوزان کے اندر اصولِ تلافی کے ذریعہ لیکن یہ ایک بے معنیٰ صداقت ہے۔ یہ ایک ملک میں امیر اور غریب لوگ ہوتے ہیں اور کچھ ملک دوسروں سے زیادہ امیر ہوتے ہیں۔ اس لیے آزادانہ تجارت کی پوزیشن سے آغاز کرتے ہوئے ایسے ٹریف کا نفاذ اور تجارت کی راہ میں دیگر رکاوٹیں کھڑی کرنا ممکن ہوگا جن سے ملکوں کے بیچ اوزان کے اندر فلاحی پوزیشن بہتر ہو جائے۔ تاہم اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آزادانہ تجارت میں ہر ایک مداخلت فلاحی بہتری کا سبب ہو سکے گی۔ تجارت میں بعض رکاوٹوں سے تحفظ کی پالیسی اپنانے والے ملکوں میں آمدنی غریبوں سے امیروں کو منتقل ہو جاتی ہے اور بین الاقوامی سطح پر غریب ملکوں کی آمدنی مالدار ملکوں کو چلی جاتی ہے۔ جب تک آمدنی کی تقسیم کے بارے میں پوری معلومات نہ ہوں یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ آزادانہ تجارت سے انحراف فلاحی صورت حال کو بہتر کر دے گا یا ابتر۔ دونوں میں سے کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ کچھ اور بھی جس کی دو وجوہات ہیں۔

اول آزادانہ تجارت سے آمدنی میں کل ملا کر اضافہ ہوتا ہے۔ کسی دی ہوئی تقسیم کے لیے کم سے زیادہ آمدنی بہتر ہے۔ علاوہ ازیں کسی بھی بے ترتیب تقسیم کے لیے کم سے زیادہ آمدنی بہتر ہوگی۔ کیونکہ یہ قیاس نہیں کیا جاتا کہ آزادانہ تجارت سے آمدنی کی تقسیم خراب ہو جائے گی اس لیے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ کارکردگی گھٹیا ہونے کے مقابلہ میں کل فلاحی پوزیشن کارکردگی زیادہ اچھی ہونے کی صورت میں بہتر ہوتی ہے۔ دوم غریبوں کے مقابلہ میں امیروں کے پاس سیاسی طاقت زیادہ ہونے کا امکان رہتا ہے اور وہ اس کا استعمال بھی زیادہ کرتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ٹریفوں کے نفاذ سے امیروں کو اور ان کے ہٹانے سے غریبوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اگر داخلی فلاحی فعل کا تقاضہ یہ ہے کہ آمدنی کو امیروں سے غریبوں کو منتقل کیا جائے تو تجارت کو زیادہ آزاد رکھنے کے حق میں ایک دوسرا مفروضہ سامنے آتا ہے بہر حال یہ دونوں قیاس مل کر بھی اتنے مضبوط نہیں ہیں کہ ان کی بنیاد پر کوئی زبردست کیس بن سکے۔

کچھ دشواری تو یہ ہے کہ نظامِ قیمت وسائل کی نامزدگی اور آمدنی کی تقسیم دونوں کام انجام دیتا ہے۔ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ کسی معیشت کی اپنی حدود میں نظامِ قیمت اور ٹیکس کا نظام دونوں الگ الگ اور مخصوص کام انجام دیتے ہیں۔ نظامِ قیمت کا استعمال کارکردگی کو مثالی بنانے کے لیے کیا جاتا ہے اور نظامِ

ٹیکس کا آمدنی اور فلاح کی تقسیم بدلنے کے لیے۔ یہ بات اب کسی بند معیشت تک کے بارے میں صحیح نہیں ہے۔ کارٹلوں کی موجودگی، اجارے، مساوی قیمت کے فارمولے، اجرتوں کے معاہدوں میں رہن سہن کی لاگت کے دفعات اور ایسی ہی دیگر باتوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ فلاح و بہبود کی تقسیم کو متاثر کرنے کے لیے نظامِ قیمت کو کس درجہ استعمال کیا گیا ہے۔ غالباً تقسیم کار کا وجود ماہرینِ معاشیات کے دماغوں کے علاوہ حقیقتاً کہیں نہیں تھا۔ بین الاقوامی سطح پر تو بہرحال اس طرح کی کوئی تقسیم کار ممکن ہی نہیں تھی کیونکہ دنیا کے ملک کسی مشترک بجٹ کے پابند نہیں تھے اور اس لیے ان کے درمیان ٹیکسوں کے ذریعہ کوئی ربط قائم نہیں تھا۔ بین الاقوامی سطح پر وسائل کے باصلاحیت استعمال اور آمدنی نیز فلاح کی تقسیم دونوں کے لیے نظامِ قیمت ذمہ دار ہوتا ہے۔ پس جس حد تک نظامِ قیمت موثر طور پر کام کرتا ہے وہ اسی لحاظ سے کارکردگی کو بہترین بنا سکتا ہے اور ملکوں کے مابین آمدنی اور فلاح و بہبود کو تقسیم کر سکتا ہے۔ فلاح و بہبود کی تقسیم کا مثالی ہونا ضروری نہیں ہے۔ تاہم فلاح و بہبود کی اُسی تقسیم کے لحاظ سے آزادانہ بسیار جہتی تجارت اتارکی کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہمہ گیر فلاح و بہبود کو جنم دیتی ہے۔

جب نظامِ قیمت قابلِ لحاظ مسابقت کے ساتھ کام کرتا تھا اس وقت اس کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ اس کے فیصلوں کو تقدیری لاشخصی فیصلوں کی طرح قبول کیا جاتا تھا۔ کسی مسابقتی سماج میں بازار اجتماعی فیصلہ کی نمائندگی کرتا ہے ایسا فیصلہ سرکار، اجارہ یا کسی غیر ملک کے من مانے یا متعصب فیصلوں سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ بازار اگر کوئی ضرر رساں فیصلہ دیتا ہے تو بازاری طاقتوں یا غیر بازاری کارروائی کے ذریعہ اس کے خلاف اقدام کے لیے جواز رہ جاتا۔ آدم اسمتھ نے بازار کے اعمال کو "ان دیکھے ہاتھ" کی کارروائی قرار دیا تھا۔ بسیار جہتی آزادانہ تجارت کے لیے — بشرطیکہ وہ قابلِ لحاظ مسابقت کے ساتھ کام کرے — سب سے مضبوط دلیلوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس سے وسائل کی نامزدگی اور آمدنی کی تقسیم کے لیے قومی اور بین الاقوامی دونوں سطحوں پر ایک ٹھوس بنیاد مل جاتی ہے۔

ایک خامی تسلیم کی جانی چاہیے۔ آزادانہ تجارت کسی دی ہوئی فلاحی تقسیم کے لیے تمام ملکوں کو بہترین مادی پوزیشن اور معاشی لحاظ سے زیادہ ترقی یافتہ ملک میں بازار ملنے والے عامل کے لیے ممکن مثالی پوزیشن دونوں ہی ہوتی ہے۔ اگر سب ملک ایک ہی سائز اور طاقت کے ہوں اور ان کے درمیان آمدنی تقسیم کم و بیش مساوی ہو تو پہلی بات مناسب معلوم ہوتی ہے۔ اگر دوسروں کے مقابلہ میں

کوئی ملک تکنیکی لحاظ سے زیادہ ترقی یافتہ ہے اور اس کی معاشی (اور سیاسی) طاقت بھی ان سے زیادہ ہے تب آزادانہ تجارت آمدنی کی موجودہ تقسیم کے لیے ایک مثالی پوزیشن پیش کرسکتی ہے لیکن آمدنی کی تقسیم میں تجارت کی راہ میں رکاوٹوں سے پیدا ہونے والی تبدیلیوں کے سبب فلاح وبہبود میں اضافہ ہوسکتا ہے۔

اگر امیر ملکوں سے غریب ملکوں کے حق میں آمدنی کی بین الاقوامی تقسیم کے لیے ترلیفوں کو حق بجانب مانا جائے تب بھی آزادانہ تجارت کے حامی کی کمان میں ایک اور ڈور باقی رہ جاتی ہے۔ اس کی حمایت کرنے والا یہ بدل پیش کرتا ہے۔ آزادئ تجارت اور بین الاقوامی انتقال آمدنی کو اپنایئے۔ اسی بات کو کہنے کا ایک اور طریقہ ہے۔ اگر ترلیف نافذ کرنے والے ملک کو فلاح وبہبود منتقل کیا جانا طے ہے تو جس ملک کی اشیاء کے خلاف ترلیف نافذ کیا گیا ہے اسے اس کا اثر زائل کرنے کے لیے

مثالی ترلیف کا مقام بین الاقوامی منتقل کردینا۔

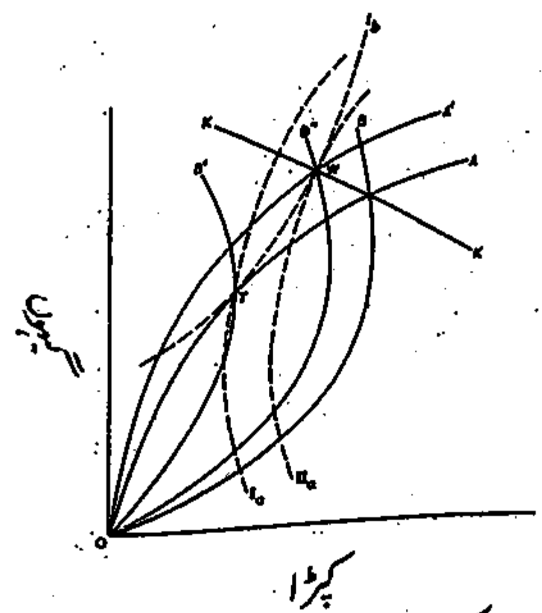

اپنی صنعتوں کو مالی امداد دینے کی اجازت دی جائے۔ ترلیف سے قیمت میں پیدا شدہ خرابی مالی امداد سے دور ہو جائے گی۔ ایک ملک درآمدات پر ٹیکس لگائے اور دوسرا ملک انھیں مالی امداد دے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے دوسرا ملک پہلے ملک کو مالی امداد دے رہا ہو یا بین الاقوامی انتقال عمل میں

آرہا ہو۔[1]

بین الاقوامی تجارت کے سلسلے میں یہ تجویز کافی حد تک غیر حقیقی معلوم ہوتی ہے لیکن ایک کیس ایسا ضرور موجود ہے۔ 1964 میں "تجارت اور ترقی" پر اقوامِ متحدہ کی کانفرنس کے دوران ترقی پذیر ملکوں نے یہ تجویز پیش کی کہ یورپ کے ملک جو کافی، چائے اور تھوڑے پر اونچے ٹیکس لگائے ہوئے ہیں وہ انھیں ختم کردیں۔

جرمن مکتبہ خیال نے آزادانہ تجارت کو ہمیشہ طاقتور ملک کا نظریاتی حربہ قرار دیا ہے۔ متعدد ماہرین معاشیات نے کم تریف کی بسیار جہتی تجارت کی دنیا کے حصول کی امریکی کوششوں کو بھی اسی زمرے میں رکھا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عالمی سطح پر تجارت میں رکاوٹوں کے مقابلہ آزادانہ تجارت میں آمدنی کی تقسیم مختلف ہوگی۔ نیز کل مادی سطح بھی کمتر ہوگی۔ اگر سماجی فلاح یا اقداری فیصلوں کا تقاضہ یہ ہو کہ ریاستہائے متحدہ میں آمدنی برآمدی مفادات سے درآمدی حریف صنعت کی طرف منتقل ہو یا غیر ملکی تریفوں کی وجہ سے شرائطِ تجارت کو ریاستہائے متحدہ کے خلاف بدلا جاسکے اور بین الاقوامی سماجی فلاح کے لیے ریاستہائے متحدہ سے آمدنی کا انتقال دیگر ملکوں میں کرنے کی ضرورت ہو تو مادی لحاظ سے آزادانہ تجارت کی مثالی پوزیشن مستحسن فلاحی پوزیشن کی نمائندہ نہیں ہوگی۔

---

[1] جن طلبا نے ضمیموں خاص طور پر C اور D کا مطالعہ کرلیا ہے ان کو یہ بتانا ضروری ہے کہ A کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ B کے مثالی تریف کا آزمائی کرنے کے لیے مثالی مالی امداد کا استعمال کرے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ B' کے تریف جمع A کی مالی امداد کو کم کیا جائے۔ اس سے B' تو اسی قوسِ بے نیازی پر رہے گا جس پر وہ مثالی تریف سے پہنچ سکتا تھا لیکن A' کی حالت کہیں بہتر ہو جائے گی۔ شکل نمبر 12.1 میں B' کے ابتدائی مثالی تریف نے اس کے قوس بے نیازی کو B سے بدل کر B'' کر دیا جس کی وجہ سے وہ تجارت کے قوس بے نیازی B'' پر پہنچ سکا۔ اب ان لیجیے برآمدات کو A مالی امداد دیتا ہے جس سے اس کا پیش کش قوس A سے A'' ہو جاتا ہے۔ B کے تریف کے ساتھ اس مالی امداد کو جوڑ دینے سے پیش کش قوس B'' سے B''' ہو جاتا ہے اس طرح کہ B قوس بے نیازی B'' پر رہ جاتا ہے (وہ حرکت کر کے T سے W پر آجاتا ہے) لیکن A قوس بے نیازی (T پر) سے ہٹ کر H پر W پر پہنچ سکتا ہے۔ یہ مشق اس حقیقت کو واضح کر دیتی ہے کہ معاہدہ قوس K-K ایک مثالی راستہ ہے جس پر کسی ملک کو اس وقت تک کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا جب تک دوسرے کا نقصان نہ ہو۔

آزادانہ تجارت لازمی طور سے امتیازی تجارت ہوتی ہے۔ اور مصنوعات کے زمرے میں کم ترقی یافتہ ملکوں کے صنعت میں سلوک کی مانگ کے باوجود امتیاز کے خلاف نہایت ٹھوس کیس موجود ہے۔ اگر پیمانے کی بچتوں کے حصول کے لیے شروعات کی خاطر کم ترقی یافتہ ممالک امداد کے خواستگار ہیں تو ترجیحوں کے مقابلہ میں مالی امداد زیادہ بہتر ہے کیونکہ ترجیحوں میں چھوٹ امتیازی طور پر دی جاتی ہے۔ فلاح کی بین اقوامی تقسیم کو ذہن میں رکھتے ہوئے غالباً یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان برآمدی یا مصنوعاتی امدادوں سے جو ترقی پذیر ملک دیتے ہیں یہ بہتر ہوگا کہ ترقی یافتہ ملک درآمدات کو مالی امداد دیں۔ غالباً یہ مثالی صورت ہوگی۔ لیکن غیر امتیازی تجارت جس میں درآمدات کو سب سے سستے بازار سے خریدا جاتا ہے اور جنھیں قیمتوں کو مساوی بنانے کے لیے (نقل و حمل کی لاگتوں کو چھوڑ کر) مہنگے بازار میں بیچا جاتا ہے کارکردگی کے لیے سب سے بہتر ہوتی ہے۔ اگر نظام قیمت کو کارکردگی کو حاصل کرنے دیا جائے اور آمدنی کے بین اقوامی مساوات کے لیے عمل انتقال کو اختیار کیا جائے تو "مدد نہیں تجارت" کا نعرہ — جس سے فلاح کو بہتر طور پر تقسیم کرنے کی کوشش میں تجارت مسخ ہو جائے گی — کوئی معنی نہیں رکھتا۔

بسیار جہتی تجارت کا کیس :

دو سے زیادہ ملکوں کی دنیا میں آزادانہ تجارت کے حق میں فیصلہ بسیار جہتی تجارت کا کیس بن جاتا ہے جس میں تمام کرنسیاں ایک دوسرے سے بدلی جا سکتی ہیں۔ اگر آزادانہ تجارت صرف ملکوں کے جوڑوں کے بیچ ہوتی ہے اور کرنسیوں کے آپس میں نہ بدلے جا سکنے کی وجہ سے ایسی تجارت کے ہر حصہ کا توازن میں ہونا ضروری ہوتا ہے تو آزادانہ تجارت کے لیے بیشترین کارکردگی کے جامع اصول کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ اشیاء ایسے بازاروں سے خریدی جائیں گی جو ارزاں ترین نہیں ہوں گی اور ایسے بازاروں میں فروخت کی جائیں گی جہاں قیمتیں سب سے زیادہ نہیں ہوں گی۔ ایسا توازن کی ضرورت کی وجہ سے ہوگا۔ اگر ملکوں کے کسی واحد جوڑے میں A کی فاضل برآمدات رونما ہوتی ہیں اور B کی فاضل درآمدات نیز تمام خریدار اور اشیاء فروش اپنے فائدہ کو بیشترین کرتے ہیں تو توازن کی ضرورت کی وجہ سے A کی خریداری کو سستے ذرائع سے B کی جانب منتقل کرنا ہوگا یا A کی فروخت کو B سے کم نفع بخش بازار کی جانب۔

بسیار جہتی کے لیے کرنسیوں کا آپس میں آزادانہ طور پر بدلا جانا ضروری ہے۔ A نے B کی

کرنسی میں برآمدات سے جو فاضل آمدنی حاصل کی ہے اسے C کی کرنسی میں بدلنے کی سہولت ہونی چاہیے تاکہ C کے ساتھ A کی تجارت میں جو خسارہ رہ گیا ہے اسے پورا کیا جا سکے۔ باہم مربوط تجارتی توازنوں کی دنیا میں دشواری یہ ہوتی ہے کہ اپنی کرنسی کی اور کرنسیوں میں تبادلہ کو بنائے رکھنا کسی ملک کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا۔ اگر اسے اپنے غیر خالص گھاٹے کو پورا کرنا ہے تو جن ملکوں کو اس نے فاضل برآمدات کی ہیں ان کی کرنسیوں کا دوسری کرنسیوں میں بدلا جانا ضروری ہے۔ برآمدات اور درآمدات کے غیر خالص توازنوں کے باہم مربوط ہونے والے نظام میں کرنسی کے تبادلہ کے لیے ضروری ہے کہ ہر ایک ملک مجموعی طور پر بحالت توازن رہے یا خالص خسارے والے ملک کے پاس ایسے (کرنسی کے) ذخائر ہوں جنھیں وہ خرچ کر سکے۔ یہ ذخائر ایسی کرنسی میں ہوں جسے وہ ملک یا ممالک جن کے ساتھ اسے غیر خالص خسارہ ہے قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔

آزادانہ تجارت کے لیے ضروری شرائط :

آزادانہ تجارت کے حق میں قیاس کا نچوڑ کسی حد تک یہ دلیل ہے کہ جن معاشی یا سماجی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ٹریف کو ناگزیر تصور کیا جاتا ہے اس کی خاطر تجارت میں مداخلت سودمند ثابت نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر اگر مسئلہ یہ ہے کہ کسی کم ترقی یافتہ ملک میں صنعتی مزدوروں کی اجرتیں بہت زیادہ ہیں تو اس کا حل یہ نہیں ہے کہ چیز پر ٹیکس لگا دیا جائے ضرورت اس بات کی ہے کہ صنعتی روزگار بڑھانے کے لیے مالی امداد دی جائے۔ اس طرح ہم خرابی کی جڑ پر چوٹ کرتے ہیں۔ خرابی کی تلافی کا طریقہ نہیں اپناتے جس کا نتیجہ نظام میں کسی اور جگہ وسائل کے غلط استعمال کی شکل میں رونما ہوتا ہے۔ اسی طرح باہری بچتوں کے کیس میں بھی ٹریف کا بدل مالی امداد ہوتی ہے یہاں یہ امداد عامل کے استعمال پر نہیں بلکہ چیز کی مقدار پیداوار پر دی جائے گی۔ جہاں اجارہ کی وجہ سے پیریٹو کی مثالی پوزیشن تک نہیں پہنچا جا سکتا وہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تجارت کو آزاد کر دینے سے اجارہ تباہ ہو جاتا ہے اور مسابقت کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ آزادانہ تجارت کے خلاف عام دلیل کی شرائط پوری نہیں ہوتیں اس لیے وہ ضرر رساں ثابت ہوتی ہے اور آزادانہ تجارت سے بڑی مدد ملتی ہے۔

آمدنی کی سماجی نقطۂ نظر سے بہتر تقسیم کو تجارت میں مداخلت کی بجائے انتقال امداد کے ذریعہ حاصل کرنے کی دلیل زیادہ مشکل ہے امداد کے معاملے میں ہم زیادہ آگے نہیں جا پائے ہیں اور نہ ہی

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں ٹیکس جمع مالی امداد کی قسم کے طریقے کو امداد کا بدل کہا جا سکتا ہے۔ لمبے عرصے میں بین الاقوامی سماج کو خرچ کے مشترک مقاصد نع کرنا ہوں گے مثال کے طور پر اقوام متحدہ اور اس کے مخصوص اداروں کے لیے بجٹ تاکہ رقوم کا بین اقوامی انتقال لاگتوں اور فائدوں کے اثرات کی نابرابری کے ذریعہ باقاعدہ عمل میں لایا جا سکے۔ بازار بجٹ سے مختلف ہوتا ہے۔ وسائل کی عمدہ تقسیم کے لیے بازاروں کا استعمال کیا جاتا ہے آمدنی کی از سر نو تقسیم کے لیے بجٹوں کا۔ تاوقتیکہ قومی زرعی آمدنیوں کے لحاظ سے بین الاقوامی بجٹ کافی بڑے نہ ہوں بین الاقوامی خرچ اور ٹیکس کے ذریعہ آمدنی کی از سر نو تقسیم از خود ہو جانے کی گنجائش محدود ہوتی ہے۔ قومی بجٹ کے ذریعہ آمدنی کی تقسیم میں تبدیلیوں سے وہ تقسیم زیادہ قابل برداشت ہو جاتی جو قومی بازار سے رونما ہوتی ہے اگرچہ کاشتکاروں جیسے گروہ اس کے باوجود مطمئن نہیں ہوتے اور کارکردگی کو مسخ کر دینے والی رعایتوں خلاً قیمت کو سہارا دیے جانے پر اصرار کرتے ہیں۔ لمبے عرصہ میں بازار کے سامنے سر جھکانے کے لیے آبادی کو آمدنی میں شرکت کے ان طریقوں سے سہارا ملتا ہے جو بازار کے ساتھ موجود رہتے ہیں اور آمدنی کی تقسیم پر اس کے زیادہ سنگین اثرات کا ازالہ کرتے رہتے ہیں۔

بہترین دوم کا نظریہ:

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ کامل طور پر آزادانہ تجارت کے نتیجہ میں ایک ایسی مثالی صورت حال رونما ہو جائے گی جس میں سماجی (اور نجی) مختتم قدر سماجی (اور نجی) لاگت کے برابر ہو جائے گی تب بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ آزادی تجارت کی جانب کسی پیش رفت سے موجودہ تحفظی صورت پہلے سے بہتر ہو جائے گی۔ اگر کسی معیشت میں ہر جگہ سماجی قدر سماجی لاگت سے مختلف ہو تو ٹریف کے ہر ایسے خاتمہ سے صورت حال بہتر ہو جائے گی جس سے ان دونوں کے درمیان کل فرق میں کمی واقع ہو سکے۔ ایسا ہو سکتا ہے اور نہیں بھی۔ کسی ایک چیز پر ٹریف میں کمی کرنے سے اس چیز میں یہ فرق کم ہو سکتا ہے لیکن کسی دیگر چیز میں جہاں پر فرق نسبتاً زیادہ ہو اس کی وجہ سے تجارت میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ یہ معلوم کرنے کے لیے کہ ٹریف میں جزوی ڈھیل اچھی ثابت ہوگی یا خراب پروفیسر میڈ نے ایک نظریاتی نظام وضع کیا ہے جس میں سماجی مختتم لاگت سے سماجی مختتم قدر کے اختلافات کو الجبرائی طور سے جوڑا جاتا ہے۔ کل ملا کر اگر اختلافات میں کمی پیدا ہوتی ہے تو اسے صورت حال بہتر ہونے سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس میں اضافہ کو خرابی سے۔

مان لیجیے کہ برطانیہ فرانس سے آنے والی شراب پر ٹریف کم کر دیتا ہے۔ اس سے شراب کی سماجی مختتم قدر اور سماجی لاگت کے بیچ برطانیہ میں کم فرق رہ جائے گا اور صرف میں اضافہ ہو جائے گا۔ اس حد سے فلاح میں اضافے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے اور بھی اثر ہو سکتے ہیں۔ برطانیہ میں شراب کا صرف بڑھنے سے کسی بڑے فرق والی معاون چیز کے صرف میں اضافہ ہو سکتا ہے یا کسی ایسی مسابقتی چیز کی پیداوار کم ہو سکتی ہے جس میں فرق بہت کم یا بالکل نہ ہو۔ اسی قسم کا برآمدات بڑھانے والے ملک میں رونما ہو سکتا ہے۔ اگر ٹریف میں کی جانے والی کمی امتیازی ہے تو ان اثرات پر دھیان دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ مثلاً جرمنی ممکن ہے کسی اور جگہ اپنی شراب بیچ سکے یا نہ بیچ سکے یا پیداوار بند ہی کر دے۔ جب تک تمام متاثرہ ممالک میں صرف اور پیداوار پر جملہ اثرات نظر میں نہ ہوں اور یہ کیس میں سماجی قدر و لاگت کے تفاوت کو بطور وزن نہ استعمال کیا جائے تب تک آسانی سے یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ ٹریف میں کسی دی ہوئی کمی سے فلاحی صورت حال پہلے سے بہتر ہو جائے گی یا خراب۔ بعض حالات میں جہاں آزادانہ تجارت کو بہترین حل کے طور پر استعمال نہیں کیا جا سکتا دوسرا بہترین طریقہ کسی واحد چیز پر ٹریف کے نفاذ کا ہو سکتا ہے۔

یہ تمام بحث قدرے زیادہ تمثیلی معلوم ہوتی ہے لیکن اس کو آسان طریقہ سے واضح کیا جا سکتا ہے۔ مان لیجیے کہ کسی ملک میں تمام درآمدات پر 10 فی صد کا ٹریف ہے۔ تیار اشیا پر اس میں کوئی تبدیلی کیے بغیر خام مال پر ٹریف کو کم کر دینے سے تحفظ میں اضافہ ہو جائے گا۔ یہ بات ہم نے ٹریف کی مؤثر شرح پر بحث کے دوران نوٹ کی تھی آزادانہ تجارت کی جانب رجوع کرنے میں نہیں۔ خام مال کی سماجی مختتم قدر اور لاگت میں تفاوت کا کافی سے زیادہ ازالہ تحفظ دی گئی مصنوعات کی پیداوار میں جہاں یہ تفاوت زیادہ ہوتا ہے اضافہ ہونے سے ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ پروفیسر میڈ نے کہا ہے اوپر کی جانب ہر ایک قدم ہمیں لازمی طور پر سب سے اونچی پہاڑی پر نہیں لے جاتا۔ اگر کوئی شخص پہاڑ کے دامن میں کسی نیچی چوٹی پر ہے تو ممکن ہے اسے خاص ڈھال پر پہنچنے کے لیے تھوڑا نیچے آکر ادھر جانا پڑے۔

دوسرے بہترین طریقہ کے نظریہ سے ہمارا سابقہ تھوڑی دیر کے لیے کسٹم یونینوں کے سلسلے میں گذشتہ باب میں پڑا تھا۔ یہاں غیر امتیازی ٹریفوں کے مقابلہ میں آتی کمی جس سے تجارت بالکل ہی آزاد نہ ہو جائے (پہلا بہترین طریقہ) تجارت آفرینش کا سبب ہو سکتی ہے اور یہ دوسرا بہترین راستہ ہوگا اور اگر اس کمی سے تجارت کا رخ بدل جائے تو تیسرا چوتھا دسواں، "ن" واں بہترین طریقہ ہوگا۔

بارِ ثبوت :

اس مرحلہ پر یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ کچھ بھی کیا جا سکتا ہے اور کسی بھی طریقے سے کام چلایا جا سکتا ہے۔ مثالی صورت کے لیے پریٹو کی شرائط عام طور پر پوری نہیں ہوتیں۔ آمدنی کی بین اقوامی اور قومی تقسیم شاذ ہی تسلی بخش ہوتی ہے اور سماجی و نجی مختتم اقدار میں تفاوت کی وجہ سے تجارتی رکاوٹوں میں کسی مخصوص کمی سے ہم کارکردگی اور فلاح کی کسی مثالی پوزیشن سے قریب یا دور کچھ بھی ہو سکتے ہیں۔ تاہم کچھ مزید کہا جا سکتا ہے۔

اول تو کچھ نہایت پختہ اعتقاد ہیں۔ کیونکہ ٹریف سے شرائطِ تجارت بہتر ہوتی ہیں اس لیے امیر تر ممالک کو پہلے ٹریف ختم کرنے چاہئیں۔

ٹریف کا خاتمہ کرنے میں کسی ملک کو تجارت کے کافی حصہ سے ٹریف ہٹانے چاہئیں تاکہ نجی لاگت اور سماجی قدر میں فرق حتی الامکان حد تک کم ہو جائے۔

کسی ملک کو ان اشیاء پر ٹریف میں زیادہ کمی کرنے چاہئیں جن کی نجی اور سماجی قدر میں نسبتاً زیادہ فرق ہو۔ جہاں تفاوت ٹریف کا نتیجہ ہو وہاں نیچے ٹریفوں سے پہلے اونچے ٹریف کم کیے جانے چاہئیں۔

بسیار جہتی تجارت میں کسی ملک کو اگر ادائیگیوں کے میزان میں توازن بنائے رکھنے کے لیے ضروری ہو تو کسی ایک ملک سے آنے والی تمام اشیاء نیز ملکوں کے مابین تجارت دونوں صورتوں میں درآمدات پر پابندیوں میں سختی کا مداوا کرنے کے لیے زیادہ تفاوت والی اشیاء پر پابندیوں کو کم اور کم تفاوت والی اشیاء پر زیادہ کرنا چاہیے۔

یہ بات تو صحیح ہے کہ پیریٹو کی مثالی پوزیشن کے مفروضوں سے کسی انحراف کو درست کرنے کے لیے یا آمدنی کی تقسیم میں کسی مطلوبہ تبدیلی کی خاطر تجارت میں مداخلت بیجا نہ ہوگی کیونکہ کسی وجہ سے اس مسئلہ سے نبٹنے کے لیے سب سے بہتر طریقۂ کار کا استعمال نہ کیے جا سکنے کی صورت میں یہ دوسرا سب سے عمدہ طریقہ ہوگا۔ تاہم یہ عمل اس دلیل سے کہیں زیادہ مختلف ہے کیونکہ ماہرین معاشیات عام طور پر یہ نہیں جانتے کہ ٹریف مفید ثابت ہوتے ہیں یا ضرر رساں اس لیے آپ جیسے چاہیں انھیں نافذ کر دیں اور جب چاہیں انھیں ہٹا لیں۔ قیاس یہ ہے کہ آزادیٔ تجارت زیادہ بہتر ثابت ہوگی اگرچہ اس منزل کی جانب سبھی قدم مستحسن قرار نہیں دیے جا سکتے۔ پروفیسر ہیبرلر کا کہنا ہے کہ ٹریف اور کوٹے زہر کی مانند ہیں مخصوص بیماریوں کے لیے اس کی چھوٹی خوراکیں مفید ثابت ہوتی ہیں۔ تاہم زہر بہرحال زہر

ہے اسے غسلخانے کی الماری کے اوپر کے تختہ پر رکھنا چاہیے اور اس کے استعمال میں نہایت محتاط رہنا
چاہیے۔ یا غالباً آزادانہ تجارت کو دیانتداری کی مانند سمجھنا چاہیے اور جیسا کہ سبھی جانتے ہیں دیانتداری
سب سے عمدہ پالیسی ہے خاص طور سے اس لیے کہ پھر آپ کو یہ یاد رکھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ نے
کیا کہا تھا لیکن بعض حالات میں اس پر انکش لگانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یا جیسا کہ جناب چرچل
نے جمہوریت کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ حکومت کا نہایت گھٹیا سسٹم ہے لیکن کسی بھی متبادل نظام
سے بہر حال بہتر ہے۔ تجارت میں مداخلت کے خلاف شدید جذبہ کو ختم کرنے کی راہ میں دشواری
یہ ہے کہ ان برائیوں کے خلاف جنھیں صحیح طور پر تشخیص کیا گیا ہو، ٹیرفوں یا دیگر مقداری رکاوٹوں کے صحیح
استعمال نہ ہونے کا احتمال ہے۔ اگر ہم پھر جمہوریت کی طرف پھر رجوع ہوں تو سبھی جانتے ہیں کہ ایک فیاض دل
حکمراں حکومت کی مثالی شکل ہے بالکل اسی طرح جیسے مثالی مداخلت کو تجارتی مسائل سے نمٹنے کا سب سے
بہتر طریقہ کہا جا سکتا ہے۔ مطلق العنان حکمراں کو یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ اس کی حکومت میں رحم، فیاض اور
انصاف بنا رہے۔ مداخلتوں کے سلسلے میں ہمیں یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ وہ ضرورت کے بس عین مطابق
ہوں۔ طویل مدت میں یہ بہتر ہوگا کہ ہم جمہوریت کو بہتر بنانے کی کوشش کریں اور لاعلمی، اجارہ داری
سختی، اور دیگر تفادتوں کو جو آزادانہ تجارت کی راہ سے بعض انحرافات کو جائز قرار دیتے ہیں دور کریں۔

سماجی بنام معاشی منازل مقصود

پروفیسر ہیبرنر کے بین الاقوامی تجارت کی پالیسی کے خلاصہ کا کہنا یہ ہے کہ اس کے لیے نہ صرف
گہرے تجزیہ کی ضرورت ہے بلکہ ساتھ ہی تاریخی، سیاسی اور سماجی فیصلہ کی بھی مزید یہ کہ اس بارے میں
غالباً معاشی نظریہ کی نسبت معاشی تاریخ سے ہمیں زیادہ مدد مل سکتی ہے۔ یہ نکتہ ذکی الفہم ہے۔ جب
سماجی مقاصد اور کارکردگی میں تال میل باقی نہیں رہتا تو فوری طور پر یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ ان کے
مابین سودا کس طرح ہوگا۔ جب 19 ویں صدی میں شمالی امریکہ، ارجنٹائنا، اور آسٹریلیا کے زرخیز
علاقوں کی آبادکاری کے نتیجہ میں گیہوں کی قیمت گری تو معاشی ماہرین پر یہ بات بالکل واضح تھی کہ یورپ
کے کسان کی تباہی کا وقت آ پہنچا ہے۔ بہر حال سماجی پالیسی کا اصرار یہ تھا کہ سماج کے اتنے بڑے
طبقے کا معاشی طور پر صفایا کر دینا ناممکن ہے خاص طور پر ایسے طبقے کا جو قومی اچھائیوں (فرانس) کا
آئینہ دار ہے یا جو پیدل فوج (جرمنی) فراہم کرتا ہے۔ کارل پولانی یہ دیکھ کر مبہوت رہ گئے کہ برطانیہ
میں عدم مداخلت کے رواج نے بہتر کارکردگی کے لیے ایک سماجی طبقے کو ختم کر دینے کی اجازت دی۔

لیکن اونچے تحفظ کے بارے میں فرانس کا تجربہ خوشگوار ثابت نہیں ہوا اس کی زراعت نے 1950 تک جدید کاری کے لیے کوئی دباؤ محسوس نہیں کیا۔ سماجی تحفظ اور معاشی کارکردگی میں سمجھوتے کی ضرورت ہے تاکہ تبدیلی کی رفتار کو قابل برداشت حد تک دھیما بنایا جا سکے لیکن یہ بھی یقین رہے کہ تبدیلی کا کام بہر حال تکمیل کو پہنچے گا۔ آج یورپ میں کان کن ہر جگہ اسی طرح کی صورت حال کا شکار ہیں انھیں سماجی نقطۂ نظر سے جتنا جلد ممکن ہو زیادہ آمدنی والے پیشوں میں کام دیا جانا چاہیے تاکہ ایندھن کے معاملے میں کانٹی نینٹ (براعظم یورپ) اپنے ایندھن کے لیے بنیادی طور پر تیل کا استعمال کرنے لگے۔ (اور اگر ضرورت ہو تو عرب ناکہ بندی کے خوف سے بچنے کے لیے اس کا ذخیرہ بنا سکے) اور فولاد میں ان کاموں کے لیے جن میں ریاستہائے متحدہ کے کوئلہ کا بطور ایندھن نہیں بلکہ بطور کیمیکل ...... استعمال ہوتا ہے۔ کوئلہ کی کانوں میں کام کرنے والوں کے لیے طویل مدت کتنی طویل ہو؟ گیہوں کی کاشت کرنے والوں کے لیے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ میں 15 سال کا عرصہ بہت کم تھا اور فرانس میں 80 سال کا عرصہ بہت طویل۔

بہر حال اسی استدلال کی بنیاد پر کسی ایک یا دو سال کے نسبتی فائدے کی بنیاد پر مسئلہ کا حل ہمیشہ کے لیے نہیں کیا جانا چاہیے۔ 1950 کی دہائی کی مشہور مرغ لڑائی میں ڈچ، بلجیم اور جرمن کسانوں کو مین اور ڈلمارو (ڈیلاویر، میری لینڈ اور ورجینیا) میں کچھ عرصے پہلے سے قائم مرغی خانوں کے برابر آجانے کا موقعہ دینے کے لیے مشترک منڈی نے ریاستہائے متحدہ سے مرغیوں کی درآمد محدود کرنے کی کوشش کی (فرانس نے صفائی کا بہانہ لے کر امریکہ سے مرغیاں لینا بند کر دیا اور الزام لگایا کہ اس میں ہارمون ملانے سے کچھ خرابی پیدا ہو جاتی تھی) امریکی کسانوں، ریاستہائے متحدہ کے زراعتی محکمہ اور ریاستہائے متحدہ کے اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے آزادئ تجارت کے اعلیٰ اخلاقی اصول کی بنیاد پر اس کی مخالفت کی اور کہا کہ پہلے شروع کرنے کا فائدہ نہایت کم ہے۔ لیکن یہ تو ایک آزاد قدم صنعت تھی فارم بالکل فیکٹریوں کی طرح استعمال کیے جاتے تھے اور اس میں ریاستہائے متحدہ کو کوئی نسبتی برتری حاصل نہیں تھی۔ صنعت کی ابتدائی دشواریوں پر قابو پانے کے لیے چند سال کا تحفظ کافی تھا۔ اس کیس میں تجارت پر پابندی لگانے سے ہمدردی سے گریز کرنا نہایت مشکل ہے۔

پس آزادانہ تجارت کے فلسفہ میں اعتقاد رکھنا ایک معقول بات ہے لیکن اس فلسفہ میں مدہوش ہو جانا صحیح نہیں ہے۔ غالباً ہم معاشی تاریخ داں کو آخری مشورے کے طور پر وہی کہہ سکتے ہیں جو ہیر لبر نے تجویز کیا ہے اس کے لیے ہم ولیم ووڈرفس کے Impact of western man سے یہ

اقتباس پیش کرتے ہیں :۔

برطانیہ میں " آزادانہ تجارت " کا نصب العین خاص طور پر اہم تھا۔ آزادانہ تجارت کو تہذیب سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ وسیع ترین بین الاقوامی ارتباط سے دنیا کے معاشی کا سموز ردنما ہونے کی توقع کی جاتی تھی۔ آزادانہ تجارت امن و ترقی تھی۔ آزادانہ تجارت انسانی معاملات میں فطری ہم آہنگی اور تنظیم پیدا کرتی تھی .... برطانیہ اپنی تجارتی پالیسی میں کسی بھی طرح اخلاقی طور پر ایماندار نہیں تھا۔ برطانیہ نے اپنی زراعت، صنعت اور جہازرانی سے تحفظ کو اس لیے ختم نہیں کیا کہ اسے عظیم معاشی حقائق یا کوئی اونچا اخلاقی مقصد عزیز تھا۔ اصل وجہ تھی معاشی منفعت کی امید۔ تاہم برطانیہ میں بعض نہایت شریف النفس اور قابل لوگ " آزادانہ تجارت " کے خواب میں اعتقاد رکھتے تھے .... اور اس کی وجہ صرف مالی فائدے نہیں تھے۔

" آزادانہ تجارت " سراب ثابت ہوئی۔ اس کی سب سے بڑی خامی یہ تھی کہ اس نے معاشیات کو غیر ضروری اہمیت دی اور خاص طور پر یہ کہ دنیا پر ایک ایسا فلسفہ مسلط کرنے کی کوشش کی جن کو ایسی بنیادوں پر تعمیر کیا گیا تھا جو خالص برطانوی تھیں۔ لیکن یہ سراب کسی بھی طرح غیر اہم نہیں تھا اور اس نے ایک قوم کو دوسری قوم سے جوڑے رکھنے والے تجارتی رشتوں کو مضبوط کرنے میں بڑی مدد دی ....

خلاصہ :

آزادانہ تجارت کے حق میں دلیل کی بنیاد کارکردگی سے متعلق بعض شرائط کی پابندی پر ہے — اجارہ، باہری بچتیں، بازاری قیمت کا ساجی اقدار سے انحراف وغیرہ سب مفقود ہوں — نیز وہ آمدنی کی تقسیم جس طرح بھی کرے قابل قبول ہو۔ لیکن آزادانہ تجارت مع تفاوت کو دور کرنے والی دیگر کارروائی اصولی طور پر تجارت میں مداخلت کرنے سے بہتر ہے۔ جہاں آمدنی کی بین اقوامی تقسیم کو بدلنا مقصود ہو وہاں " تجارت امداد نہیں " کے مقابلہ میں جس سے وسائل کے بہتر استعمال میں رخنہ پڑتا ہے تجارت اور مدد بہتر ہے۔

دوسرے بہترین طریقے کا نظریہ کہتا ہے کہ جہاں آزادانہ تجارت کے لیے ضروری شرائط پوری نہ کی جا سکتی ہوں وہاں ضروری نہیں ہے کہ آزادانہ تجارت کی جانب ہر ایک قدم معیشت کو کسی زیادہ عمدہ اور منصفانہ حل کی جانب ہی لے جائے۔

ممکن ہے کہ تجارت میں مداخلت کے بعض اقدامات سے قومی اور بین اقوامی فلاح و بہبود میں

اضافہ ہو قیاس یہ ہے کہ آزاد تر تجارت مداخلت سے بہتر ہوتی ہے۔ تجارت میں مداخلت کرنے میں صبر وضبط سے کام لینا چاہیے۔ جب کبھی قلیل مدت میں سماجی اور معاشی مقاصد میں ٹکراؤ نظر آتا ہو تب یہ امید رکھنی چاہیے کہ طویل مدت میں بہترین کارگر حل وہی ہو گا جو سماجی نقطۂ نظر سے پسندیدہ ہو۔

تجاویز برائے مطالعہ:

تحقیقی رسائل

Meade, Trade and Welfare, Part - iv ; Caves Chap. Vii

اور نظریہ تجارت پر وہ تبصرے جن کا ذکر باب ا کے اختتام پر "فہرست کتب" کے نوٹ میں کیا گیا ہے۔ American

Readings in International Economic کی Economic Association

کے حصہ 3 میں بالڈون، ہیبرلر، بھگوتی اور راماسوامی کے مقالات بھی دیکھیں۔

نکات

سماجی وجوہات کی بنا پر آزادانہ تجارت کے نظریہ پر پولانی کا حملہ، The Great Transformation (New York Farrar and Rinehart Inc 1944) میں دیا ہوا ہے۔ 19 ویں صدی میں سمندر پار سے آنے والے سستے گیہوں کے بارے میں یورپ کی حکومتوں نیز کاشتکاروں کے ردعمل پر بحث سی۔ پی کنڈل برجر کے مقالے Group Behaviour and International Trade میں کی گئی ہے۔ وڈرف کی کتاب زیر حوالہ ... Import ہے۔

of Western Man. (New York; St. Martins Press Inc 1966)

اور اقتباس اس کتاب کے صفحہ نمبر 12 سے لیا گیا ہے۔

حصہ سوم

وسائل کا بین الاقوامی تعیّن

نظام ٹیکس اور ہجرت

باب 13 | بین اقوامی نظام ٹیکس

سرکاری مالیات کی مبادیات :

کم از کم آدم اسمتھ کے زمانے سے سرکاری مالیات کا تسلیم شدہ کام سرکار کا خرچ چلانے کے لیے ضروری رقم حاصل کرتا رہا ہے اور یہ رقم ایسے طریقوں سے حاصل کی جانی چاہیے جن سے وسائل کی تقسیم کم سے کم متاثر ہو اور جو سماج کے معیارِ انصاف سے پوری طرح ہم آہنگ ہوں۔ آمدنی، تقسیم اور انصاف کے یہ تقاضے جنھیں ہمیشہ آسانی سے ہم آہنگ نہیں بنایا جا سکتا ان آٹھ اثرات میں سے پانچ سے مشابہ ہیں جن کا ذکر ہم ٹریفوں، اکسچینج کنٹرول اور اکسچینج منہائی کے تحت کر چکے ہیں۔ اثرِ آمدنی بالکل ویسا ہی ہے۔ وسائل کی تقسیم پر اثر پیداوار اور صرف کے تحفظی اثرات کی مانند ہوتا ہے۔ مساوات (انصاف) کی نمائندگی کسی ملک کے اندر تو تقسیمی اثر اور ملکوں کے بیچ شرائطِ تجارت کی تبدیلیوں سے ہوتی ہے۔ حال کے برسوں میں یعنی کینیز کے زمانے سے ماہرین معاشیات کل پیداوار اور آمدنی پر ٹیکسوں اور سرکاری خرچ کے اثر پر مزید توجہ دینے لگے ہیں۔ یہ ٹریفوں کی آمدنی یا روزگار سے متعلق اثرات سے مشابہ ہے۔ مسابقت پر ٹیکسوں کے اثرات نہایت پیچیدہ ہوتے ہیں اور اس باب کی حدود میں نہیں آتے اس میں صرف دیگر سات اثرات پر بحث کی گئی ہے۔ ٹریف کا ایک پہلو جسے یہاں چھوڑ دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے میزان ادائیگی کا اثر ہے اور ملک کے نظامِ ٹیکس میں اس جیسا کوئی اثر نہیں ہے۔

اس لیے جو طالب علم یہاں تک آ چکا ہے اسے اس بات پر تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ یہاں ہم اس کی توجہ اس امر کی جانب مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ مختلف ملکوں کے نظامِ ٹیکس تجارت، بین اقوامی سرمایہ کاری اور عالمی ہجرت کو کس طرح متاثر کرتے ہیں۔ (آخر الذکر پر اگلے باب میں بحث کی جائے گی) معاشی یکجہتی سے متعلق کوششوں اور بین الاقوامی کارپوریشنوں کے دائرۂ کار دونوں کے سلسلے میں یہ موضوع عالمی سطح پر زبردست بحث کا مرکز بنا ہوا ہے۔ گو ہم باب 21 سے پہلے بین اقوامی

کارپوریشنوں پر تفصیلی گفتگو نہیں کریں گے تاہم یہاں اس کے ٹیکس سے متعلق پہلو پر قدرے توجہ دینا بہتر ہوگا۔ یہ خیال بے بنیاد نہیں ہے کہ اس موضوع پر زیادہ تر بحث میں ٹیکس کے نظاموں میں اختلافات کی اہمیت کے بارے میں مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے۔ وفاقی نظاموں میں ٹیکسوں کے اندر ریاستوں کے مابین اس طرح کے اختلافات ہمیشہ موجود رہے ہیں اور ان سے کوئی بہت زیادہ اہم مسائل پیدا نہیں ہوئے ہیں۔ نیز یہ بحث نظامِ ٹیکس کے بارے میں یک طرفہ رہی ہے اس میں فوائد کے اختلافات پر دھیان نہیں دیا گیا ہے، تاہم اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ایک تجزیاتی بنیاد کی تشکیل سودمند ثابت ہوگی۔

ہماری دلچسپی کا مرکز سرکاری مالیات نہیں بین الاقوامی معاشیات ہے۔ پس ہم بہت ہی آسان مفروضوں کی مدد سے متعدد مسائل کو حل کرتے ہیں اور یہ بات ذہن میں رکھتے ہیں کہ مفروضوں کے بدلنے سے ہمیں اپنے نتائج میں ترمیم کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ مثال کے طور پر ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کہ کمپنی کی آمدنی پر ٹیکس اس کے حصہ داروں پر پڑتا ہے اگرچہ یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ یہ ٹیکس آگے صارفوں پر ڈالا جا سکتا ہے یا پیچھے عوامل پیداوار پر ایک ایسا سوال ہے جس کا کوئی جواب حتمی طور پر نہیں دیا جا سکتا۔ اسی طرح فرض کر لیا جاتا ہے کہ اکسائز اور بکری ٹیکس کا تمام تر بوجھ آگے صارفین پر پڑتا ہے جب کہ روزگار ٹیکس جس میں سماجی تحفظ کے ٹیکس بھی شامل ہیں مزدوروں کو برداشت کرنے ہوتے ہیں۔ یہ مفروضہ اس خیال کے منافی ہے جس کا اظہار تیل کمپنیوں نے حال ہی میں کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یورپ میں کوئلہ کے تحفظ کی خاطر ایندھن تیل کی قیمت اونچی کرنے کی کوشش میں اس پر لگائے گئے اکسائز ٹیکس خود کمپنیوں پر پڑتے ہیں۔ وہ یہ دلیل پیش کرتی ہیں کہ تیل کی صنعت میں مسابقت کی موجودہ صورت حال کی وجہ سے کسی واحد کمپنی کی اشیاء کے لیے مانگ بہت زیادہ لچکیلی ہو جاتی ہے اور ٹیکس کو منتقل کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔

سرکاری فعل اور نسبتی فائدہ :

محض سرکار کا وجود ہی نسبتی فائدہ کو مسخ کر دیتا ہے۔ مان لیجیے کہ ملک A میں کسی بھی طرح کی حکومت نہیں ہے جب کہ ملک B میں ہے۔ B میں سرکاری خرچ اور ٹیکس دونوں سے نسبتی فائدہ کی اس بنیاد کا بدل جانا تقریباً یقینی ہے جو ان کی عدم موجودگی میں ہوتی۔ خرچ کی سائڈ پر یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ حکومت بازار سے عوامل کو ٹھیک موجودہ تناسبات میں بازار سے نکالتی ہے۔ اس طرح ہیکشچر اوہلن بنیادِ تجارت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ ہم یہ بھی فرض کیے لیتے ہیں کہ معاون یا متبادل اثرات کے

ذریعہ خرچ مانگ یا رسد کی جدولوں کو کسی صورت تبدیل نہیں کرتے۔ ان مفروضات کو ہضم کرنا مشکل ہے لیکن ٹیکس کے پہلو پر تبدیلی کا پیدا ہونا ناگزیر ہے۔ اکسائز ٹیکس سے تبدیلی لازماً ہوتی ہے بشرطیکہ ہم نہایت ہی سخت مفروضوں کو اختیار نہ کریں اور تدریجی آمدنی ٹیکس تک جو قیمت کو مختتم سماجی لاگت کے برابر ہی چھوڑتے ہیں تفریح کو کام سے نسبتاً زیادہ پرکشش بنا کر پیداوار میں محنت کے جز کو بدل دیتے ہیں۔ سرکاری مالیات کے ماہرین نے یک مشت تدریجی آمدنی ٹیکس کا ایسا نظریاتی طریقہ وضع کیا ہے جس سے آمدنی کی مختتم شرحیں نہیں بدلتیں اور اس طرح محنت کے معاملے میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوتی۔ بدقسمتی سے سبھی جانتے ہیں کہ اس ٹیکس کو لاگو کرنا ناممکن ہے اور یہ محض ایک ذہنی عجوبہ ہے۔

پس ہم اس تجویز سے اپنی بحث کا آغاز کرتے ہیں کہ سرکاری افعال سے نسبتی فائدہ بدل جاتا ہے۔ اور یہ بات صحیح ہوگی اگر دنیا کے تمام ملک سرکاری خرچ اور ٹیکس کے معاملے میں ایک ہی فلسفہ کو اپنالیں۔ لیکن جہاں حکومتوں کے نظام ٹیکس مختلف ہوں ـــــ یہاں ہم سکے کا ایک ہی رخ دیکھ رہے ہیں ـــــ بین الاقوامی معاشی طرز عمل پر اس کے اثرات نہایت دوررس ہو سکتے ہیں۔

ٹیکس کے نظاموں میں اختلافات کا اثر، ۱: تجارت، قومی فرمیں، غیر متحرک عامل:

کسی ملک میں اکسائز ٹیکس صَرف، مالیات، شرائطِ تجارت، آمدنی کی تقسیم، میزان ادائیگی اور قومی آمدنی کو ٹریفوں کی مانند ہی متاثر کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ ملکی اشیاء اور درآمدات دونوں پر لاگو ہوتے ہیں اس لیے ان کے تحفظی اثرات بہر حال نہیں ہوتے۔ ملک کے اندر اور بیرونِ ملک ان کے کچھ اثرات غیر اہم نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپین مشترک منڈی کے ممبر چاہتے ہیں کہ کافی اور تیل پیدا کرنے والے ملک ان اشیاء پر اپنے اکسائز ٹیکس کم کریں۔

مختلف ملکوں کے مابین ان کی شرحوں میں اختلافات کے مقابلہ میں مقامی اکسائز ٹیکسوں کا اثر ہماری توجہ کا زیادہ مرکز نہیں ہے۔ بعض حالات میں یہ ممکن ہے کہ صارفین کو کوئی اکسائز ٹیکس بالکل ہی ادا نہ کرنا پڑے۔ ہو سکتا ہے صارف کسی ملک سے چل پڑا ہو راستے میں سمندری جہاز یا ہوائی جہاز میں ہو یا دوسرے ملک میں داخل ہونے سے پہلے کسی ٹیکس سے بری بین الاقوامی ہوائی اڈے پر ٹھہرا ہوا ہو۔ جب وہ دوسرے ملک میں داخل ہوگا اسے کسٹم ڈیوٹی سے وہ معافی دستیاب ہوگی جو عام طور پر سیاحوں کو ملتی ہے اور اس طرح وہ دونوں ملکوں کے ٹیکس سے بچ جائے گا لیکن اس سفر کے زیادہ وسیع ہونے کا امکان نہیں ہے۔ جہاں سیاحوں کو ٹیکس کی زیادہ چھوٹ دی جاتی ہے ان اشیاء ـــــ شراب، تمباکو

وغیرہ ـــ کی مقداریں جن پر اکسائز ٹیکس دینا ہوتا ہے اور جنھیں سیاح درآمد کر سکتے ہیں خاص طور پر نہایت محدود ہوتی ہیں۔ ہم یہاں ان تبدیلیوں کا ذکر کریں گے جو ملکوں کے بیچ اکسائز کی شرحوں میں اختلافات سے پیدا ہوتی ہیں اور بڑی حد تک ان تبدیلیوں سے مشابہ ہیں جو ریاستہائے متحدہ میں مختلف ریاستوں کے اندر گیسولین، سگریٹ، اور نشیلے مشروبات پر ٹیکسوں کی مختلف شرحوں کے سبب رونما ہوتی ہیں۔

جہاں شرحیں کم ہوتی ہیں اور اکسائز ٹیکس خردہ فروشی کی سطح پر لگایا جاتا ہے وہاں شرحوں میں اختلافات کی بنا پر تجارت میں ہونے والی تبدیلیاں غیر اہم ہوتی ہیں۔ وہ سرحدی علاقے یا ان اشیا تک محدود رہتی ہیں جنھیں صارف لے جانا مناسب تصور کرتا ہے۔ لیکن جہاں ٹیکس پیداوار یا تقسیم کے بلند تر مراحل پر نافذ کیا جاتا ہے جیسے گیسولین صاف کرنے کی مشین یا کانی بھوننے کے چرھے پر وہاں سرحد پر ٹریف کے ساتھ ساتھ اکسائز ڈیوٹیوں کا لگانا ضروری ہوتا ہے۔ یہاں تک کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن جیسا کہ باب 11 میں نوٹ کیا گیا تھا جب دو ملک کسٹم یونین بنا لیتے ہیں خردہ فروشی کی سطح سے اوپر اکسائز ٹیکسوں میں اختلافات سے انتخاب کا مسئلہ ضرور پیدا ہوتا ہے۔ یا تو ٹیکس سے پیدا شدہ اور مسخ تجارت کو گوارا کیجیے۔ یہاں صارف انفرادی طور پر کم ٹیکس والے ملک سے سامان خریدیں گے یا سرحد پر کسٹم انسپکٹر تعینات کیجیے جن کا واحد کام مقامی اکسائز ٹیکسوں کو وصول کرنا ہوگا۔ اس تذبذب سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے اکسائز ٹیکسوں کو ہم آہنگ بنانے کے لیے بڑا دباؤ پیدا ہو گیا ہے۔ اس کی ہم آہنگی عام طور پر مساوات کی شکل اختیار کرتی ہے اور ان ملکوں میں جہاں اس وجہ سے شرحوں میں تبدیلی کرنی پڑتی ہے اس کے صریحاً مالیاتی، مساواتی، اور تقسیمی (عوامل) اثرات ہوتے ہیں۔

اگر صرف ٹیکس کے پہلو پر غور کیا جائے تو ہم آہنگی کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے نظام ٹیکس سادہ ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ کسی بھی طرح یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ایک خالص فائدہ ہوگا۔ کام کو مکمل کرنے کے لیے فائدوں کو بھی ہم آہنگ بنانا ضروری ہو سکتا ہے۔ مان لیجیے کہ دو ملک ہیں اور ان کے ٹیکس کے نظام مختلف ہیں۔ ایک میں سرکاری اسکول ہیں جنھیں نشیلے مشروبات اور سگریٹوں پر ٹیکس سے حاصل شدہ رقم سے چلایا جاتا ہے دوسرے میں پرائیوٹ اسکول ہیں اور ٹیکس نہیں ہیں۔ فائدوں کے بارے میں کچھ کیے بغیر ٹیکسوں کے نظاموں کو ہم آہنگ بنانا صریحاً ناموزوں ہوگا۔ اس سے کسی ایک یا دونوں ہی ملکوں میں بجٹ اور خرچ کی تقسیم کے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔

غیر ملکی تجارت پر ٹیکسوں کے نفاذ کے مختلف نظام ہونے سے شرحوں میں اختلافات سے پیدا ہونے والے مسائل مزید پیچیدہ ہو جاتے ہیں۔ یورپین مشترک منڈی میں ایک جانب بکری ٹیکسوں اور

دوسری جانب سماجی تحفظ کے ٹیکسوں کے سلسلے میں یہ دشواریاں خاص طور پر بڑی سنگین صورت اختیار کرگئی ہیں۔ اضافہ شدہ قدر پر فرانسیسی ٹیکس نظریاتی لحاظ سے اس بکری ٹیکس کے مقابلہ میں کہیں بہتر ہے جو پیداوار کے ہر مرحلے پر پیداوار کی کل مالیت پر لگایا جاتا ہے کیونکہ آخرالذکر ٹیکس کے اثر سے بچنے کے لیے عمودی ارتباط کی حوصلہ افزائی کرتا ہے[1] اس کے برعکس اضافہ شدہ قدر پر ٹیکس جسے فرانس میں ٹی۔ وی۔ اے یا Taxesur La valeur ajoutiee کہا جاتا ہے کی صورت میں ٹیکس کی سطح وہی رہے گی خواہ کسی چیز کو متعدد مراحل پر الگ الگ فرمیں پیدا کریں یا سب ہی مراحل کسی ایک مربوط کمپنی میں طے کیے جائیں۔ عملی طور پر اس کے وصول کرنے میں دشواری ہوتی ہے۔ ہر ایک مرحلہ پر پورا ٹیکس لگایا جاتا ہے اور پھر پچھلے مراحل پر ادا کیے گئے ٹیکس اس میں سے منہا کر دیے جاتے ہیں۔ فرانسیسی ٹیکس اختیاریہ 'منزل' کے اصول کو پسند کرتا ہے جس کے تحت وہ برآمدات پر ٹیکس چھوڑ دیں گے اور درآمدات کی کل مالیت پر ایک بکری ٹیکس نافذ کر دیں گے۔ اس کے برعکس مغربی جرمنی کے ماہرین 'نقطۂ آغاز' کے اصول کی حمایت کرتے ہیں جس کے تحت وہ درآمدات کو بکری ٹیکس کے بغیر آنے کی اجازت دیتے ہیں لیکن برآمدات پر ٹیکس قائم رکھتے ہیں۔

واضح رہے کہ بجٹ کا اثر ملک میں غیر اہم ہوتا ہے۔ استدلال کی خاطر ان لیجیے کہ ہر ایک ملک میں برآمدات و درآمدات برابر رہتی ہیں اور ان میں ٹیکس سے کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ ظاہر ہے اس بات سے بجٹ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا کہ فرانسیسی یا جرمن درآمدات یا برآمدات پر ٹیکس نافذ کرتے ہیں لیکن دیگر اثرات نہایت اہم ہو سکتے ہیں۔ اگر فرانس 'منزل' اور جرمنی 'نقطۂ آغاز' کے اصول پر عمل کرتا ہے تو جرمنی فرانس کو جو کچھ بیچے گا اس پر دو بار ٹیکس دینا ہوگا۔ ایک بار جرمنی میں اور ایک بار فرانس میں جبکہ فرانس سے جرمنی جانے والا مال دونوں کی حدود میں ٹیکس سے بچ جائے گا۔ اس سے پیداوار فرانس کے حق میں اور جرمنی کے خلاف بدل جانے گی فرانس کا میزان ادائیگی بہتر ہو جائے گا۔ دلچسپوں کے بارے میں مناسب منفعت اپنا نیچے، فرانس کی شرائط تجارت خراب ہو جائے گی وغیرہ وغیرہ۔

یہ مسئلہ سب سے پہلے یورپ کی کوئلہ اور فولاد کمیونٹی کے سامنے آیا نیز اسے کافی سنگین تصور کیا گیا۔

---

[1] واضح رہے کہ بیر کلدی مالیات میں معیاری نظریہ یہ ہے کہ اضافہ شدہ قدر پر ٹیکس اور بکری ٹیکس میں زیادہ بنیادی فرق یہ ہے کہ اول الذکر آمدنی ٹیکس کی مانند پیچھے منتقل کیا جا سکتا ہے جب کہ آخرالذکر آگے کی جانب بھیج دیا جاتا ہے۔ یہ نظریہ اس مفہوم سے مختلف ہے جسے اس کتاب میں یہاں سہولت کی خاطر اپنایا گیا ہے۔

نیدرلینڈ کے پروفیسر جان ٹنبرجن کی صدارت میں ماہرین معاشیات کی ایک اعلیٰ کمیٹی اس مسئلہ کا جائزہ لینے اور سفارشات پیش کرنے کے لیے مقرر کی گئی۔ خاص طور پر فرانسیسیوں کا یہ خیال تھا کہ جرمنی کو ہم آہنگی کی خاطر ان کے نظام کو اختیار کرنا چاہیے۔ لیکن ماہرین معاشیات کی رائے یہ تھی کہ جب تک طویل مدت میں ان دونوں ملکوں کا باہمی میزان ادائیگی مناسب طور پر متوازن رہتا ہے اس مسئلہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ فرانس کی حمایت اور جرمنی کے خلاف ٹیکس کسی بھی ترمیم کا مداوا قدرے اونچی شرح مبادلے ہو جائے گا۔ میزان ادائیگی، شرائطِ تجارت، پیداوار صَرف وغیرہ سے متعلق ٹیکس کے اثرات کو شرح مبادلہ میں اسی قدر اور مخالف تبدیلی سے ختم کیا جا سکتا ہے۔ سماجی اور نجی اقدار کے بیچ دیگر اختلافات کی مانند ٹیکس کا نظام بھی عام توازن کے سسٹم میں پہلے ہی جذب ہو چکا تھا۔ پس ماہرین کی رائے یہ تھی کہ مسئلہ کو نظر انداز کر دیا جائے۔

اب ماہرینِ معاشیات عام طور پر اس سفارش کی حمایت نہیں کرتے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ بکری پر نہایت ہی عمومی ٹیکس تک کے مقابلے میں شرح مبادلہ میں ہونے والی تبدیلیاں کہیں زیادہ عام نوعیت کی ہوتی ہیں۔ شرح مبادلہ میں گراوٹ سے ان دو ملکوں کے چالو کھاتے کے بیچ کا فرق مٹ جائے گا لیکن اس سے ان کے بیچ سرمایہ کی مدوں میں نیا فرق پیدا ہو جائے گا اور تیسرے ملکوں کے ساتھ یہ فرق تمام ادائیگیوں اور آمدنیوں میں رونما ہوگا۔ شرح مبادلہ کے تغیرات قصائی کے چھرے کا کام کرتے ہیں جب کہ ضرورت جراح کے نشتر کی ہوتی ہے مشترک منڈی کے ملکوں نے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے ٹیکس کے فرق کو نظر انداز اور شرح مبادلہ میں مناسب تبدیلی کرنے کی راہ کو اختیار کرنے سے گریز کیا۔

اس کی بجائے آپس کی تجارت کے سلسلے میں انھوں نے ابتدائی پیداوار کرنے والے کی بجائے صارف پر ٹیکس لگانے کے فرانسیسی طریقے کو اپنایا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انھوں نے برآمدات پر ٹیکس ختم کر دیے اور درآمدات پر انھیں نافذ کیا۔ اس طرح کسٹم انسپکٹر باقی رہے کیونکہ فرانسیسی T.V.A ٹیکس کی شرح جرمنی کے Umsatzstaner (بکری ٹیکس) جو آخری پیداوار پر لگایا جاتا تھا، کی شرح سے اونچی تھی اس لیے اس کا مطلب یہ بھی تھا کہ جب کہ ایک دوسرے کی مسابقت میں بکنے والا فرانسیسی اور جرمن فولاد پر ایک ملک میں ٹیکس کی مساوی شرح ادا کرتا تھا جرمن میں فرانسیسی فولاد کی نسبت فرانس میں جرمن فولاد پر ٹیکس کی شرحیں نسبتاً اونچی تھیں جرمنی کے فولاد کے کارخانے داروں نے اس نظام پر اعتراض کیا۔ وہ اسے تفریقی سمجھتے تھے اور اس امر کے لیے موردِ الزام ٹھہراتے تھے کہ جرمنی میں والس ویگن کاریں بڑی حد تک فرانس کی فولادی چادروں سے بنائی جاتی تھیں۔ پس اس بات کے لیے دباؤ دیا گیا برتاؤ ایک جیسا ہو اور

کسٹم انسپکٹروں نیز امتیازی سلوک کے الزام کی بنیاد دونوں کو ہی ختم کیا جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جرمنوں نے اصول منزل کی بنیاد پر T.V.A کو اپنا لیا اس میں درآمدات پر ٹیکس لگایا جاتا تھا اور اسے برآمدات سے منہا کر دیا جاتا تھا۔ یہ مسئلہ کی قیمت میں تھوڑی تخفیف کے مترادف تھا۔

پورے مالیاتی نظام میں یکسانیت کے بغیر اکسائز ڈیوٹیوں کو مساوی بنانے کی کوشش سے مزید دشواریاں پیدا ہوتی ہیں۔ آمدنی ہی کو لے لیجیے۔ جس حکومت کے نظام ٹیکس میں ایکسائز ٹیکس کی اہمیت زیادہ ہے اس کی آمدنی کافی کم ہو جائے گی اس کے برعکس جس ملک کے اندر ان کی اہمیت کم ہے اس پر تھوڑا بہت اثر ہی پڑے گا۔ معیشت کے کسی ایک پہلو میں یکسانیت لانے کے تقاضوں سے دیگر پہلوؤں میں یکسانیت لانے کے مزید تقاضے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ سلسلہ اسی وقت ختم ہوتا ہے جب ملک اپنی مالیاتی خود مختاریوں کو آپس میں ضم کر دیں یورپی معاشی سماج ابھی اس منزل سے کافی دور ہے۔

سماجی تحفظ کے ٹیکسوں میں یکسانیت لانے کے لیے فرانسیسی دباؤ کا مدعا یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ارتباط کے لیے کوئی وسیع تر بنیاد تلاش کی جائے بلکہ فرانس مشترک منڈی کے ممبروں کو انھیں ناکامیوں سے دوچار کرانا چاہتا ہے جن کا اسے سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اسی کے ساتھ فرانس کا تقاضہ یہ ہے کہ مشترک منڈی کے باقی تمام ممالک میں اور خود فرانس میں مردوں اور عورتوں کی اجرتوں میں کوئی فرق نہ رکھا جائے۔ اس قانون نے فرانس میں وسائل تقسیم اور تجارت کو غیر فطری بنا دیا ہے اگر اس کا اطلاق مشترک منڈی کے ذریعہ کیا جائے تو ممبر ملکوں کے آپسی اختلافات نسبتاً (اس معاملے میں) کم ہو جائیں گے۔ مگر باہر کی دنیا کے ساتھ ان میں اضافہ ہو جائے گا۔ مشترک منڈی میں شامل ہونے کے بعد سماجی تحفظ کا مسئلہ برطانیہ کے لیے خصوصی اہمیت کا حامل ہوگا۔ برطانیہ میں سماجی تحفظ کے لیے ادا کی جانے والی رقم کا بیشتر حصہ مالک اور مزدوروں سے روزگار پر لیے جانے والے ٹیکس سے نہیں آتا بلکہ آمدنی پر عام تجریدی ٹیکس کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے۔ اگر برطانیہ فرانس یا براعظم میں مروج نظام کو اپنائے گا تو برطانیہ میں آمدنی کی تقسیم مزدور کے خلاف اور مالدار شخص کے حق میں بدلے گی جن پر عام ٹیکسوں کا اثر سب سے زیادہ پڑتا ہے۔ اس کے برعکس اگر ہر ملک اپنے نظام کو قائم رکھے تو سماجی تحفظ کے لیے رقم بہم ہو جانے کے طریقہ میں فرق از خود برطانیہ کی نسبت فرانس میں محنت لاگت بڑھا دے گا اور نسبتی فائدہ مسخ کر دے گا۔

2 : تجارت، بین اقوامی فریں، عوامل کی عدم حرکت :

ملکوں کے بیچ وسائل کے استعمال و تقسیم، آمدنی، مساوات اور میزان ادائیگی کو متاثر کرنے والے

اکسائز ٹیکسوں کے اختلافات پر گذشتہ جز میں بحث کی جا چکی ہے لیکن یہ بات از خود واضح ہے کہ بین
الاقوامی فرموں کی موجودگی میں اسی طرح کے اثرات عوامل کی حرکت نہ ہونے پر بھی آمدنی ٹیکس کے نظاموں
میں اختلافات سے مرتب ہوں گے۔ مقامی فرم ملک کے اندر اشیاء پیدا کرتی اور آمدنی ٹیکس دیتی ہے۔
بین اقوامی فرمیں اس مقام کا انتخاب کر سکتی ہیں جہاں وہ اشیاء بنائیں اور ٹیکس ادا کریں ظاہر ہے کہ ان کا
فیصلہ آمدنی کی تعریف اور آمدنی ٹیکس کی شرحوں میں پائے جانے والے اختلافات سے متاثر ہوگا
کیونکہ فرمیں عام نفع کو نہیں ٹیکس کے بعد والے نفع کو بیشترین کرنا چاہتی ہیں۔
بے شک مقامی فرمیں ٹیکس شدہ نفع کو بیشترین کرتی ہیں لیکن ملک کے اندر ایک ہی تجارت میں تمام
فرمیں ـــ اجارہ داری قانونی گروہوں کو چھوڑ کر جنھیں نہایت ہوشیاری سے وضع کیا جاتا ہے ـــ
ٹیکس مساوی شرحوں پر ادا کرتی ہیں۔ جب ایک فرم دو ملکوں میں کام کرتی ہے اور کاروبار ایک ہی ہوتا ہے
تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر دیگر حالات مساوی ہوں تو وہ چیز کو اس ملک میں پیدا کرے گی جہاں
کارپوریشن کی آمدنی پر ٹیکس کی شرحیں نسبتاً کم ہوں گی اور اس کے اس فیصلے سے وسائل کی تقسیم، آمدنی،
بین اقوامی اور ملکی تقسیم آمدنی، روزگار اور میزانِ ادائیگی پر وہ جملہ اثرات مرتب ہوں گے جو اس میں مضمر ہیں۔
تجارت کے بعض ترجمان یہ رائے پیش کرتے ہیں کہ کاروبار پر صرف اس جگہ ٹیکس لگانا چاہیے جہاں
پیداوار کی جاتی ہے جائز ہے دلیل یہ ہے کہ جس کمپنی کو اپنے ملک میں ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے اپنے مقامی
حریفوں کے مقابلہ میں خسارہ رہتا ہے جو صرف ایک ٹیکس ادا کرتے ہیں یا ان غیر ملکی سرمایہ داروں کو فائدہ
رہتا ہے جو اپنے ملک کے قوانین کے مطابق صرف ان ملکوں میں ٹیکس ادا کرتے ہوں جہاں پیداوار کا کام کیا
جاتا ہے۔ اس کے خلاف یہ دلیل دی جاتی ہے کہ غیر ملکی فرم اپنے غیر ملکی سرمایہ کاروں کو بعض فوائد اور بعض
نقصانات پہنچاتی ہے۔ ایک جانب اس کا سستا سرمایہ، بہتر ٹیکنولوجی یا افضل انتظام ہوتا ہے تو دوسری
جانب ملک کے اندر اپنے ہیڈ آفس سے زیادہ فاصلے پر کاروبار کرنے کی لاگت بھی ہوتی ہے۔ اس کو ہر ممکن
نقصان سے چھٹکارا دلا دینا اور تمام فوائد کو بنائے رکھنے کی اجازت دینا غیر منطقی ہوگا۔
کمپنی کو مقامی ٹیکس دینا چاہیے۔ یہ بات بلاشبہ نظریۂ منفعت کے عین مطابق ہے اس نظریہ کے تحت
ٹیکس پولیس اور آگ سے تحفظ جیسی خدمات کے لیے ادا کیا جاتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ ملک کے بجٹ کے لیے
بھی مزید کچھ دیا جاتا ہے۔ ریاستہائے متحدہ کے ایک افسر نے غیر ملکی کاروبار سے حاصل ہونے والی آمدنی پر
ریاستہائے متحدہ میں لگائے جانے والے ٹیکس کو اس سے قطع نظر کہ دوسرے ملک میں کتنا ٹیکس دیا جاتا ہے
اس بنیاد پر جائز قرار دینے کی کوشش کی کہ ریاستہائے متحدہ کی حکومت غیر ممالک میں اپنے شہریوں کی

جائیداد کا تحفظ کرتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حکومتوں پر غیر ممالک میں اپنے شہریوں کی جائیدادوں کے تحفظ کی ذمہ داری عاید ہوتی ہے ایسی ذمہ داری جسے وہ ہمیشہ پورا نہیں کر پاتیں تاہم جائیداد کی فوری حفاظت کی ذمہ داری مقامی سرکار پر ہوتی ہے اور دونوں کے دائرۂ اختیار میں ٹیکس عاید نہیں کیا جا سکتا۔ جبکہ ملک دیگر دوست ملکوں کے ساتھ دہرے ٹیکس کو ختم کرنے کے معاہدے کرتے ہیں کیونکہ اس طرح کے ٹیکس سے ان کے بیچ معاشی تعلق محدود بلکہ ختم بھی ہو سکتا ہے۔ ایسی حرکت جو دونوں ہی ملکوں کے دائرۂ اختیار کو پھانسہ دے جائے اس سے دہرا ٹیکس بہتر ہے یا خراب ایک فلسفیانہ سوال ہے جس کا جواب ہر ایک طالب علم کو خود ہی دینا ہوگا لیکن کسی ایک سرے پر ٹیکس کا نفاذ اگر مالیاتی نقطۂ نظر سے نہیں تو وسائل کے استعمال اور مساوات کے لحاظ سے دونوں سروں پر ٹیکس یا عدم ٹیکس سے بہتر ہے۔

اگلے جز میں اس امر پر روشنی ڈالی جائے گی کہ قومی شرحوں میں اختلافات کی صورت میں صرف پیداوار کیے جانے والے ملک میں ٹیکس نافذ کیے جانے سے عوامل پیداوار کا بین اقوامی انتقال رونما ہوتا ہے۔ اس تحریک کے علاوہ بھی بہر حال یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ ٹیکس کی یہ بنیاد مساوات سے متعلق متعدد سوالات کو جنم دیتی ہے۔ انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ جن افراد کی آمدنی برابر ہو ان سے ٹیکس بھی برابر لیا جائے۔ پیدا شدہ آمدنی وسائل کی تقسیم و استعمال کے لحاظ سے ٹیکس کی قابل اطمینان بنیاد ہو سکتی ہے لیکن حاصل شدہ یا کمائی ہوئی آمدنی زیادہ منصفانہ بنیاد ہوگی۔ انصاف کے تقاضے کو ملحوظ رکھتے ہوئے ریاستہائے متحدہ باہر مغنی کمپنیوں سے آنے والی رقم پر ریاستہائے متحدہ کی شرحوں (25,000 ڈالر سالانہ سے اوپر 48 فیصد 1964 میں کی جانے والی کمی سے پہلے یہ 52 فیصد تھی) پر ٹیکس لینے کے ساتھ ساتھ باہر کمپنی کی آمدنی پر ادا کیے جانے والے ٹیکس کی چھوٹ دیتی ہے۔ اگر باہر ٹیکس 48 فیصد یا اس سے زیادہ ہے تو ریاستہائے متحدہ میں کچھ نہیں دینا پڑتا۔ اگر یہ 48 فیصد سے کم ہو تو ادا کردہ ٹیکس اور 48 فیصد کا فرق وصول کیا جاتا ہے۔

یہ ادا کیے گئے ٹیکسوں کو حساب میں شامل کرنے سے کسی حد تک شرحوں کو مساوی کرنے کی ضرورت کو تقویت ملتی ہے۔ جب عربین امریکن آئل کمپنی (Armco) نے ریاستہائے متحدہ کو نفع کی قابل لحاظ رقوم بھیجنی شروع کیں تو سعودی عرب کی حکومت نے 52 فیصد کی شرحوں پر کمپنی آمدنی ٹیکس نافذ کر دیا۔ اس ٹیکس کا (Armco) پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اسے تو کسی نہ کسی ملک کو نفع کا 52 فیصد دینا ہی تھا لیکن ریاستہائے متحدہ اور سعودی عرب کی ٹیکس سے ہونے والی آمدنیاں بدل گئیں قومی میزان ادائیگی اور فلاح و بہبود کے بین الاقوامی تقسیم میں فرق آیا۔

درحقیقت تیل کمپنی کے ذریعہ سعودی عرب کی حکومت نے ریاستہائے متحدہ کی حکومت پر ٹیکس نافذ کر دیا۔

ملک میں آمدنی کی وصولیابی سے پہلے ٹیکس نہ لیے جانے سے ریاستہائے متحدہ میں بین الاقوامی سرمایہ کاری کے لیے لوگوں کو مزید تحریک ملی۔ ٹیکس کی اس بنیاد کا مخالف مساواتی دلیل کا سہارا لیے ہوئے کہہ سکتا ہے کہ ملک کے اندر ٹیکس ادا کرنے والوں کو کمپنی کے ٹیکسوں کی ادائیگی نفع کے حصہ کی بجائے یافت پر کرنی پڑتی ہے۔ جب تک آمدنی کو ملک کے اندر نہیں لایا جاتا وہ اسے سرکار کی طرف سے دیا جانے والا غیر سودی قرض .... قرار دے سکتا ہے۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ ٹیکس کی التوائی بنیاد کو تو قائم رکھا جائے مگر ٹیکس ادا کرنے والوں سے اس آمدنی پر سود لیا جائے جو ملک میں نہیں لاتے لیکن جسے وہ استعمال کر سکتے ہیں۔ اس کے برعکس التوا۔۔ کی بنیاد کے حامی بعض ایسے ممالک سے جہاں ایکسچینج کنٹرول نافذ ہے آمدنی کو ملک میں نہ لا سکنے کی مجبوری کا تذکرہ کرتے ہیں اور ریاستہائے متحدہ کی غیر ملکی سرمایہ کاری میں اضافے سے عالمی فلاح میں اضافے کی اہمیت پر زور دیتے ہیں۔ خزانے کے افسر آمدنی کی بنیاد کی بجائے نفع کے حصہ کی بنیاد اپنانے کے لیے قانون میں تبدیلی کی حمایت اس وجہ سے کرتے ہیں کہ اس سے ریاستہائے متحدہ کی میزانِ ادائیگی میں کمزوری کا مداوا ہو سکے گا کیونکہ باہر سے ملک کے اندر آمدنی کو لانے کی حوصلہ افزائی ہوگی اور بیرونی سرمایہ کاری کی رفتار سست ہو جائے گی۔ آخر میں کانگریس نے اپنا فیصلہ خزانے کے افسروں کے خلاف اور غیر ممالک میں مفادات رکھنے والی صنعت کے حق میں دیا۔ جن ملکوں میں غیر ملکیوں پر ٹیکس کی سطحیں ریاستہائے متحدہ کے برابر یا اس سے زیادہ تھیں وہاں اس کارروائی سے کوئی فرق نہیں پڑا کیونکہ ان پر کوئی ٹیکس واجب نہیں رہ جاتا تھا۔ تاہم دیگر ممالک کے کیس میں نفع کا جو حصہ ملک میں لایا جاتا تھا اس پر ریاستہائے متحدہ میں ٹیکس لگتا تھا باہر کائی گئی آمدنی کے فنڈ پر نہیں۔

جب کسی کمپنی کو دو ملکوں میں ٹیکس کے مختلف نظاموں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور دونوں ملکوں میں اس کی شاخیں کام کر رہی ہوتی ہیں تو فطری طور پر اس کے لیے یہ کوشش کرنا لازمی ہوگا کہ نفع اس ملک میں بیشتر بن کیا جائے جہاں ٹیکس کی شرحیں نسبتاً کم ہوں۔ اس سے کسی ایک ملک میں سماجی پیداوار بیشتر بن نہ ہو سکے گی اور ہو سکتا ہے کہ عالمی سطح پر بھی ایسا نہ ہو سکے۔ مزید براں اس سے ٹیکس اختیاریہ کے لیے ایک مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ وہ آمدنی کیا ہے جسے یہ کہا جا سکے کہ اسے کسی دیے

جائیداد کا تحفظ کرتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حکومتوں پر غیر ممالک میں اپنے شہریوں کی جائیدادوں کے تحفظ کی ذمہ داری عاید ہوتی ہے ایسی ذمہ داری جسے وہ ہمیشہ پورا نہیں کر پاتیں تاہم جائیداد کی فوری حفاظت کی ذمہ داری مقامی سرکار پر ہوتی ہے اور دونوں کے دائرۂ اختیار میں ٹیکس عاید نہیں کیا جاسکتا۔ بیشتر ملک دیگر دوست ملکوں کے ساتھ دہرے ٹیکس کو ختم کرنے کے معاہدے کرتے ہیں کیونکہ اس طرح کے ٹیکس سے ان کے بیچ معاشی تعلق محدود بلکہ ختم بھی ہو سکتا ہے۔ ایسی حرکت جو دونوں ہی ملکوں کے دائرۂ اختیار کو جھانسہ دے جائے اس سے دہرا ٹیکس بہتر ہے یا خراب ایک فلسفیانہ سوال ہے جس کا جواب ہر ایک طالب علم کو خود ہی دینا ہوگا لیکن کسی ایک سرے پر ٹیکس کا نفاذ اگر مالیاتی نقطۂ نظر سے نہیں تو وسائل کے استعمال اور مساوات کے لحاظ سے دونوں سروں پر ٹیکس یا عدم ٹیکس سے بہتر ہے۔

اگلے جز میں اس امر پر روشنی ڈالی جائے گی کہ قومی شرحوں میں اختلافات کی صورت میں صرف پیداوار کیے جانے والے ملک میں ٹیکس نافذ کیے جانے سے عوامل پیداوار کا بین اقوامی انتقال رونما ہوتا ہے۔ اس تحریک کے علاوہ بھی بہر حال یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ ٹیکس کی یہ غیاد مساوات سے متعلق متعدد سوالات کو جنم دیتی ہے۔ انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ جن افراد کی آمدنی برابر ہو ان سے ٹیکس بھی برابر لیا جائے۔ پیدا شدہ آمدنی وسائل کی تقسیم واستعمال کے لحاظ سے ٹیکس کی قابل اطمینان بنیاد ہو سکتی ہے لیکن حاصل شدہ یا کمائی ہوئی آمدنی زیادہ منصفانہ بنیاد ہوگی۔ انصاف کے تقاضے کو ملحوظ رکھتے ہوئے ریاستہائے متحدہ باہر ضمنی کمپنیوں سے آنے والی رقم پر ریاستہائے متحدہ کی شرحوں (25,000 ڈالر سالانہ سے اوپر 48 فیصد 1964 میں کی جانے والی کمی سے پہلے یہ 52 فیصد تھی) پر ٹیکس لینے کے ساتھ ساتھ باہر کمپنی کی آمدنی پر ادا کیے جانے والے ٹیکس کی چھوٹ دیتی ہے۔ اگر باہر ٹیکس 48 فیصد یا اس سے زیادہ ہے تو ریاستہائے متحدہ میں کچھ نہیں دینا پڑتا۔ اگر یہ 48 فیصد سے کم ہو تو ادا کردہ ٹیکس اور 48 فیصد کا فرق وصول کیا جاتا ہے۔

یہ ادا کیے گئے ٹیکسوں کو حساب میں شامل کرنے سے کسی حد تک شرحوں کو مساوی کرنے کی ضرورت کو تقویت ملتی ہے۔ جب عربین امریکن آئل کمپنی (Armco) نے ریاستہائے متحدہ کو نفع کی قابل لحاظ رقوم بھیجنی شروع کیں تو سعودی عرب کی حکومت نے 52 فیصد کی شرحوں پر کمپنی آمدنی ٹیکس نافذ کر دیا۔ اس ٹیکس کا (Armco) پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اسے تو کسی نہ کسی ملک کو نفع کا 52 فیصد دینا ہی تھا لیکن ریاستہائے متحدہ اور سعودی عرب کی ٹیکس سے ہونے والی آمدنیاں بدل گئیں قومی میزان ادائیگی اور فلاح وبہبود کے بین الاقوامی تقسیم میں فرق آیا۔

درحقیقت تیل کمپنی کے ذریعہ سعودی عرب کی حکومت نے ریاستہائے متحدہ کی حکومت پر ٹیکس نافذ کر دیا۔

ملک میں آمدنی کی وصولیابی سے پہلے ٹیکس نہ لیے جانے سے ریاستہائے متحدہ میں بین الاقوامی سرمایہ کاری کے لیے لوگوں کو مزید تحریک ملی۔ ٹیکس کی اس بنیاد کا مخالف مساواتی دلیل کا سہارا لیتے ہوئے کہہ سکتا ہے کہ ملک کے اندر ٹیکس ادا کرنے والوں کو کمپنی کے ٹیکسوں کی ادائیگی نفع کے حصہ کی بجائے یافت پر کرنی پڑتی ہے۔ جب تک آمدنی کو ملک کے اندر نہیں لایا جاتا وہ اسے سرکار کی طرف سے دیا جانے والا غیر سودی قرض.... قرار دے سکتا ہے۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ ٹیکس کی التوائی بنیاد کو تو قائم رکھا جائے مگر ٹیکس ادا کرنے والوں سے اس آمدنی پر سود لیا جائے جو ملک میں نہیں لاتے لیکن جسے وہ استعمال کر سکتے ہیں۔ اس کے برعکس التوا.. کی بنیاد کے حامی بعض ایسے ممالک سے جہاں ایکسچینج کنٹرول نافذ ہے آمدنی کو ملک میں نہ لا سکنے کی مجبوری کا تذکرہ کرتے ہیں اور ریاستہائے متحدہ کی غیر ملکی سرمایہ کاری میں اضافے سے عالمی فلاح میں اضافے کی اہمیت پر زور دیتے ہیں۔ خزانے کے افسر آمدنی کی بنیاد کی بجائے نفع کے حصہ کی بنیاد اپنانے کے لیے قانون میں تبدیلی کی حمایت اس وجہ سے کرتے ہیں کہ اس سے ریاستہائے متحدہ کی میزان ادائیگی میں کمزوری کا مداوا ہو سکے گا کیونکہ باہر سے ملک کے اندر آمدنی کو لانے کی حوصلہ افزائی ہو گی اور بیرونی سرمایہ کاری کی رفتار سست ہو جائے گی۔ آخر میں کانگریس نے اپنا فیصلہ خزانے کے افسروں کے خلاف اور غیر ممالک میں مفادات رکھنے والی صنعت کے حق میں دیا۔ جن ملکوں میں غیر ملکیوں پر ٹیکس کی سطحیں ریاستہائے متحدہ کے برابر یا اس سے زیادہ تھیں وہاں اس کارروائی سے کوئی فرق نہیں پڑا کیونکہ ان پر کوئی ٹیکس واجب نہیں رہ جاتا تھا۔ تاہم دیگر ممالک کے کیس میں نفع کا جو حصہ ملک میں لایا جاتا تھا اس پر ریاستہائے متحدہ میں ٹیکس لگتا تھا باہر کمائی گئی آمدنی کے فنڈ پر نہیں۔

جب کسی کمپنی کو دو ملکوں میں ٹیکس کے مختلف نظاموں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور دونوں ملکوں میں اس کی شاخیں کام کر رہی ہوتی ہیں تو فطری طور پر اس کے لیے یہ کوشش کرنا لازمی ہو گا کہ نفع اس ملک میں بیشترین کیا جائے جہاں ٹیکس کی شرحیں نسبتاً کم ہوں۔ اس سے کسی ایک ملک میں سماجی پیداوار بیشترین نہ ہو سکے گی اور ہو سکتا ہے کہ عالمی سطح پر بھی ایسا نہ ہو سکے۔ مزید براں اس سے ٹیکس اختیاریہ کے لیے ایک مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ وہ آمدنی کیا ہے جسے یہ کہا جا سکے کہ اسے کسی دیے

ہوئے ملک میں کمایا گیا ہے۔؟

سرے پر جہاں مشترک لاگتیں ہوتی ہیں اس مسئلہ کو حل نہیں کیا جاسکتا۔ مان لیجیے کہ ٹرانس عربین پائپ لائن عرب، جارڈن، سیریا اور لبنان کی حدود کو پار کرتی ہے اور اپنے پائپ سے تیل لے جانے کے عوض نفع کماتی ہے۔ نفع کا کتنا حصہ ہر ایک ملک میں پیدا ہوا؟ سعودی عرب جہاں لمبائی کے لحاظ سے پائپ لائن سب سے زیادہ ہے نفع کی تقسیم کے لیے فاصلہ کو بنیاد بنانے کی حمایت کرتا ہے۔ لبنان جہاں پائپ لائن ختم ہوتی ہے اس بات پر بضد ہے کہ جغرافیائی لحاظ سے سب سے زیادہ اہمیت ان دو ملکوں کی ہوتی ہے جہاں تیل پائپ میں داخل کیا جاتا اور اس سے باہر نکلتا ہے۔ جارڈن اور سیریا جو باقی رہ جاتے ہیں ان کی رائے میں اہم بات یہ ہے کہ قومی حدود کی بہرحال خلاف ورزی کی گئی ہے اور چاروں ملکوں کو نفع میں برابر کا حصہ ملنا چاہیے۔ لیکن معاشی لحاظ سے یہ مسئلہ ناقابل حل ہے اور صرف نیم سیاسی طور پر سلجھایا جاسکتا ہے۔ اس "مشترک نفع" کا ایک ردعمل سعودی عرب کی یہ تجویز تھی کہ اس کی حدود میں پیداکردہ تیل پر تیل کے کنوئیں سے لے کر صارف تک ہر مرحلے پر ٹیکس لگایا جائے یعنی پائپ لائن اور ٹینکر کے ذریعہ نقل و حمل صفائی، ذخیرہ اندوزی اور تقسیم سب پر۔ یہ تجویز صریحی طور پر اختیار کے حدود سے متعلق ایک مسئلہ پیدا کردیتی ہے۔ کیا سعودی عرب کی حکومت کا حکم باہر بھی مانا جائے گا۔ لیکن جیساکہ باب 10 میں بتایا گیا ہے غالب گمان یہ ہے کہ یہ کوشش ٹیکس میں اضافہ کے ذریعہ قیمت بڑھانے کے اقدام کو جائز قرار دینے کے لیے کی گئی تھی۔

یہاں ایک ہی ملک اور ایک ہی کمپنی ہو جس کی باہر شاخیں یا ضمنی کمپنی ہو تو "نفع وضع کرنے" کا طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً ریاستہائے متحدہ کی مالیاتی سروس گا ہے گا ہے ایسا کرتی رہتی ہے جب وہ بین کمپنی سودوں پر ریکارڈ میں دکھائے گئے نفع کو صحیح تسلیم نہیں کرتی۔ ملک A میں ٹیکس کمیشن اگر اپنی حدود میں ملک B میں قائم کسی کمپنی کی شاخوں کے بیان کردہ منافعوں کو منظور نہیں کرتا تو وہ یہ طے کرسکتا ہے کہ شاخ کا نفع کتنا ہونا چاہیے اور اسی بنیاد پر ٹیکس لے سکتا ہے۔ اس کے قانون میں اپنائی گئی بنیاد معاشی اساس سے مختلف ہوسکتی ہے تاہم آخرالذکر کو مختصراً بیان کیا جاسکتا ہے... کاروبار میں داخل ہونے والے معقول حد تک باہر حریف کو کتنا نفع حاصل ہوگا؟ اگر ٹیکس اختیار یہ مثال کے طور پر یہ محسوس کرتا ہے کہ ضمنی کمپنی اصل کمپنی کو پیٹنٹ کے استعمال کے لیے ضرورت سے زیادہ رقم ادا کر رہی ہے یا اس کو سرپرست کمپنی سے خریداری پر وہ بٹہ نہیں مل رہا ہے

جس کی وہ مستحق ہے تو معیار یہ امر ہوگا کہ کیا کوئی علیحدہ باہنر حریف اس کم رائلٹی یا قیمتوں میں منہائی حاصل کر سکتا تھا لیکن اصول کو بیان کرنا آسان ہے اس پر عمل کرنا نہایت مشکل۔

اس صورت میں جب کمپنی کی پیداوار ایک ملک میں ہو اور اس پر مقررہ قیمت کی بنیاد پر ٹیکس ادا کرنا پڑے اور اس کی معاون کمپنی صارف ملک میں تخمینہ لگائے گئے بٹے کی اساس پر ٹیکس دے کمپنی کو تمام ممکن حالات میں سے بدترین صورت حال کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دونوں ملکوں میں ٹیکس اس نفع سے زیادہ پر دینا ہوگا جو ایک مربوط کمپنی پیدا کرتی ہے حکومت کا ٹیکس اختیاریہ جتنا "وضع کردہ نفع" کے نزدیک آئے گا اس بات کا امکان اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ لیکن غالباً یہ صورت حال زیادہ عام نہیں ہے ورنہ معاون کمپنی کو آزاد و خودمختار کمپنیوں میں تبدیل کرنے کی تحریک سامنے آتی۔

زیادہ حقیقی صورت حال یہ معلوم ہوتی ہے کہ کوئی کمپنی ایسے دو ملکوں کے درمیان کام کر رہی ہو جن میں سے ایک اس کی مدد کرنے کی کوشش کر رہا ہو مگر دوسرا اس کو کامیاب نہ ہونے دے رہا ہو۔ مثال کے طور پر اسرائیل کے کمپنی آمدنی ٹیکس کے دو حصے ہیں۔ ایک 28 فیصد کی برابر ہے اور دوسرا باقی 72 فیصد کا 25 فیصد یا ابتدائی آمدنی پر 18 فیصد۔ دونوں مجموعی حیثیت سے آمدنی پر 46 فیصد ٹیکس کو ظاہر کرتے ہیں۔ غیر ملکی سرمایہ کاری کو بڑھاوا دینے کے لیے کارپوریشن کی زندگی کے ابتدائی دس سالوں میں اسرائیل پہلے پانچ سال تک کمپنی کی آمدنی کو ٹیکس سے بری رکھنے کی رعایت دیتا ہے۔ پانچ سال کا یہ عرصہ اس سال سے شمار کیا جاتا ہے جس میں کمپنی کو پہلی بار خالص نفع حاصل ہو۔ اس عرصے میں دوسرے مرحلے کے ٹیکس یعنی 18 فیصد کی چھوٹ دی جاتی ہے لیکن اس سے ریاستہائے متحدہ کے سرمایہ کار اثر قبول نہیں کرتے۔ جب کہ اسرائیل اپنا ٹیکس چھوڑ دیتا ہے۔ ریاستہائے متحدہ اپنا ٹیکس معاف نہیں کرتا۔ کوئی امریکن کارپوریشن جسے 18 فیصد کی چھوٹ حاصل ہو اسے ادا کرنے پر مجبور ہوگی اس کا عام طور پر 2 فیصد (48 فیصد نفی 46 فیصد) ریاستہائے متحدہ کا حق ہوگا۔ اسرائیل نے ریاستہائے متحدہ کے ساتھ ایک نام نہاد ٹیکس سے 'چھوٹ' کا معاہدہ کیا ہے۔ اس کی رو سے کوئی ملک دوسرے کے شہریوں کو اگر ٹیکس میں کوئی مراعات دے گا تو اس پر دوسرا ملک مزید ٹیکس لگانے سے گریز کرے گا۔ لیکن اس معاہدے کی توثیق کے لیے محکمہ خزانہ نے سینیٹ پر کوئی زور نہیں دیا ہے۔ اسرائیل نے سویڈن، اٹلی، مغربی جرمنی اور بہت سے دیگر ممالک کے ساتھ اس طرح کے معاہدے کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ تاہم اسرائیل میں لگے ہوئے بیشتر

—

سرمایہ کے مالک ریاستہائے متحدہ کے شہری ہیں۔

ریاستہائے متحدہ کے 1962 کے مالیاتی ایکٹ کا ایک خاص مقصد ٹیکس سے فرار یا اس سے گریز کی ایک شکل کو جسے غیر منصفانہ تصور کیا جاتا تھا ختم کرنا تھا۔ یہ ایسی غیر پیداواری کارپوریشن کا قیام ہے جسے ٹیکس کی شرحوں میں تفاوت کا فائدہ اٹھانے کی خاطر قائم کیا جاتا ہے اسے عرفِ عام میں "ٹیکس کی جائے پناہ" کا نام دیا جاتا ہے۔ ایک مثال سوئس کینٹن میں بکری کارپوریشن کا قیام ہو سکتی ہے یہاں غیر پیداواری کمپنیوں سے کم شرح پر ٹیکس لیا جاتا ہے (جس کے لیے اسے کچھ فوائد پہنچانے ہوتے ہیں) ریاستہائے متحدہ سے فروخت کیا جانے والا مال اس کارپوریشن کے ذریعہ جاتا ہے۔ اس میں کلرکوں کی ایک بڑی تعداد بجکوں کو برآمدات کے لیے استعمال کی جانے والی قیمتوں سے اونچی قیمتوں پر تیار کرتی ہے۔ "منافع" سوئس کارپوریشن کو ہوتے ہیں جنھیں اس وقت تک باہر دوبارہ سرمایہ کاری کے کام میں استعمال کیا جا سکتا ہے جب تک ریاستہائے متحدہ میں ٹیکس حصہ نفع کی بنیاد پر لیا جاتا رہے ـــــ اور ریاستہائے متحدہ کی سرپرست کمپنی کو کوئی حصہ نفع نہیں دیا جاتا ـــ اسے ٹیکس کا بچانا قرار دیا جائے یا ٹیکس سے بچنا (جس کا مطلب قانون کے تحت دستیاب ہر گنجائش کا فائدہ اٹھانا ہوتا ہے) اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ صحیح صورت حال کیا ہے۔

ایک تیسرا ملک اس میں ملوث ہو سکتا ہے۔ سوئٹزرلینڈ کے ساتھ فرانس کا ٹیکس کے بارے میں ایک معاہدہ ہے جس کے تحت ان رائلٹیوں پر جنھیں تقسیم نہ کیا گیا ہو 24. فیصد کا وہ ٹیکس جو ہر دیگر ملک کو ادا کرنا ہوتا ہے یہ دونوں ایک دوسرے سے نہیں لیتے۔ ایک امریکی فرم جس کی ایک معاون کمپنی فرانس میں ہے پیٹنٹ رائلٹی لیتی ہے لیکن یہ حکم دیتی ہے کہ وہ پیٹنٹ رائلٹیوں کی ادائیگی مذکورہ سوئس "ٹیکس جائے پناہ" کو کر دے ٹیکس حصہ نفع کی بنیاد پر ہونے اور رقوم ریاستہائے متحدہ میں آنے کی بجائے باہر استعمال کیے جانے کی وجہ سے کوئی ٹیکس وصول نہیں کیا جاتا بس چند فیصد کی معمولی رقم سوئس کینٹن کو دینی پڑتی ہے۔

3 : ٹیکسوں میں فرق اور عامل کی حرکات :

اپنی کتاب "تجارت اور فلاح و بہبود" میں پروفیسر میڈ نے دو ایسے ملکوں کا مقابلہ کیا ہے جن کے ٹیکس کے نظام مختلف بنیادوں پر ہیں۔ وہ ملک جو کارکردگی میں زیادہ فرق کو گوارا نہیں کرتا پیداوار پر ٹیکس لگاتا ہے۔ دوسرا ملک جو مساوات پر زیادہ زور دیتا ہے آمدنی پر ٹیکس لگاتا ہے۔ ان

حالات میں ظاہر ہے کہ عوامل پیداوار نقل و حرکت کے لیے مجبور ہوتے ہیں ـــــ مثال کے طور پر نیو جرسی اور کنکٹی کٹ کے باشندے جو نیویارک شہر میں کام کرتے ہیں اور ٹیکس سے بچ جایا کرتے تھے۔ ایک شخص جو ایسے ملک میں کام کرتا ہے جہاں حاصل کردہ آمدنی پر ٹیکس لگایا جاتا ہے اور ایسے ملک میں رہتا ہے جہاں پیدا کردہ آمدنی پر ٹیکس دینا پڑتا ہے وہ سب سے زیادہ مزے میں رہتا ہے۔ اگر دیگر امور میں تبدیلی نہ ہو تو ٹیکس کے مختلف نظام وسائل کے استعمال کو مسخ کرتے ہیں اس میں نقل و حمل پر ضرورت سے زیادہ خرچ شامل ہے۔ مساوات، مالیات، روزگار اور میزان ادائگی سے متعلق اثرات اس کے علاوہ ہیں۔ جس ملک میں پیداوار پر ٹیکس لگایا جاتا ہے وہاں اس کے باہر رہنے والے شہریوں سے رقوم آتی ہیں لیکن نئی بچت سرمایہ کی شکل میں باہر جاتی ہے۔

لیکن دونوں ملکوں کا نظام ٹیکس ایک جیسا ہونے کی صورت میں بھی شرحوں میں اختلافات اہم نتائج کے حامل ہو سکتے ہیں۔ سرمایہ اور محنت پیداوار پر ٹیکس ہونے کی صورت میں کام کرنے کے لیے نسبتاً کم ٹیکس والے علاقوں میں منتقل ہوں گے، اگر ٹیکس کمائی گئی آمدنی پر ہوگا تو وہ ایسے علاقوں میں رہائش اختیار کریں گے۔ صرف ایسا دو دھاری ٹیکس جیسا ریاستہائے متحدہ میں ہے عوامل کی ایسی حرکات سے باز رکھتا ہے۔ یہاں ملک کے اندر کمائی گئی آمدنی اور باہر سے حاصل کی ہوئی آمدنی (جس حد تک اسے پہلے ہی ریاستہائے متحدہ کی سطح پر ٹیکس نہیں کر لیا گیا ہے۔) دونوں پر ٹیکس لیا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں بھی ریاستہائے متحدہ کے شخصی آمدنی کے قوانین انتقال عوامل کو تھوڑا بہت بڑھا دیتے ہیں۔ ریاستہائے متحدہ کے جو شہری 18 ماہ تک ملک سے باہر رہتے ہیں ان سے غیر ملکوں میں کمائی گئی آمدنی پر کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا۔ جہاں کہیں باہر بھی ٹیکس سے ایسا ہی استثنیٰ موجود ہے اس سے غیر ممالک میں رہنے کی ترغیب ملتی ہے جس کا ریاستہائے متحدہ کی تجارت، سرمایہ کاری اور دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے ہر طرح کی غیر ملکی تکنیکی امداد پر اثر پڑتا ہے۔ 1962 کے قانون میں اس رقم کی زیادہ سے زیادہ حد مقرر کی گئی ہے جس پر اس ذیل میں ٹیکس نہیں لیا جاتا۔ اس کا مقصد چند افراد کو ـــــ ان میں زیادہ تر فلمی ستارے آتے ہیں ـــــ جن کی آمدنیاں بہت زیادہ تھیں اس گنجائش سے بے جا فائدہ اٹھانے سے باز رکھنا تھا۔ یہ لوگ غیر ملکی ٹیکس سے بچنے کے لیے کسی ایک جگہ زیادہ دیر نہیں ٹھہرتے تھے لیکن 18 ماہ تک ملک سے باہر رہ کر ریاستہائے متحدہ کے ٹیکس سے بچ سکتے تھے۔ اس صورت میں مسخ نہ تو کارگر اور نہ ہی منصفانہ ہوتا تھا۔

ریاستہائے متحدہ ٹیکس کی چھوٹ کے ذریعہ عوامل کو انتقالِ مقام کی تحریک دینے سے بالاتر

نہیں ہے۔ پورٹوریکو میں "اپریشن بوٹ اسٹریپ" کے تحت وہاں کسی نئی صنعت کے قیام کے بعد سے 10 سال تک کمپنی آمدنی ٹیکس سے بری رکھا جاتا ہے۔ تاہم یہ ممکن ہے کہ جو کمپنیاں اس جزیرے میں منتقل ہوئیں ان کو ٹیکس کی مراعات سے ملنے والی مدد سے زیادہ وہاں پر دستیاب مواقع خاص طور پر سستی تربیت یافتہ محنت کی فراوانی نے انتقال کے لیے اکسایا ہو۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ مسابقت صرف ٹیکس کی اقسام اور سطحوں تک ہی محدود رہے۔ آمدنی کی تعریف بھی صریحاً ایک تغیر پذیر عنصر ہے جو آمدنی کی رقم کو متاثر کرتی ہے۔ 1950 کی دہائی میں جرمنی اور فرانس میں منہائی کی نسبتاً اونچی شرحوں نے ریاستہائے متحدہ کے سرمایہ کاروں کو اپنی جانب کھینچا۔ منہائی کی اونچی شرحیں قابل ٹیکس آمدنی کو کم کر کے اسی طرح سرمایہ لگانے والی فرم کو غیر سودی فنڈ فراہم کرتی ہیں جس طرح اُس وقت تک ریاستہائے متحدہ کے آمدنی ٹیکس کا التوا جب تک حصہ نفع ملک میں لایا نہ جائے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ قرضے اس وقت تک واپس نہیں لوٹائے جاتے جب تک کمپنی کا سائز ہی نہ گھٹ جائے۔ جب تک اس سال لگائے گئے سرمایہ پر قابل ٹیکس نفع رونما ہو (کیونکہ حساب کی کتابوں میں جائیداد 100 فیصد گھس گئی ہے۔ اگرچہ اس کی کام دینے کی عمر ابھی ختم نہیں ہوئی ہے) نئی سرمایہ کاری پر فاضل منہائی کے سبب نفع حقیقت سے کم دکھائے جاتے ہیں اور اس طرح ضروری نہیں کہ غیر سودی قرض واپس ہی ہو جائے۔ ریاستہائے متحدہ کے 1964 کے مالیاتی قانون میں سرمایہ کاری کے لیے 7 فیصد کی چھوٹ رکھی گئی تھی اس کا مقصد ملک میں سرمایہ کاری کو براہ راست بڑھاوا دینا تھا لیکن ہوا یہ کہ اس کی وجہ سے فرانس اور جرمنی میں ریاستہائے متحدہ کی سرمایہ کاری کو بڑھاوا ملا اور اس حد تک ٹیکس کے قوانین میں وہ ہم آہنگی پیدا ہو سکی جس کا متقاضی باب 11 میں بیان کردہ عمل ارتباط تھا۔

خلاصہ :

ٹیکس کے تین روایتی مقاصد ـــــ وسائل کی بہترین تقسیم، خزانے کے لیے رقم، اور مساوات ـــــ بین اقوامی معاشیات میں ترلیف کے آٹھ اثرات میں سے پانچ سے مطابقت رکھتے ہیں :-
پیداوار، صرف، آمدنی، اور تقسیمِ آمدنی یہ اثرات ملکوں کے اندر اور ان کے مابین رونما ہوتے ہیں۔
آمدنی کا استحکام جس کا اضافہ عوامی مالیات کے ماہرین نے بعد میں کیا ہے اثر روزگار کی مانند ہے۔
بین الاقوامی سطح پر صرف دو ہی مزید اثرات اور رونما ہوتے ہیں ان کا تعلق میزانِ ادائیگی اور مسابقت سے ہے۔

ٹیکس کے قومی نظاموں میں اختلافات کی وجہ سے معیشتوں کے ان مختلف پہلوؤں میں خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ لیکن جزوی طور پر ان کا ازالہ اچھائیوں میں ہونے والی تبدیلیوں یا شرح مبادلہ میں مناسب ردّ و بدل سے ہو سکتا ہے۔ نقل و حمل کی لاگتوں میں کمی اور ترلیفوں کے کم ہو جانے سے اکسائز ٹیکسوں کے ضرر رساں اثرات میں اضافہ ہوا ہے اور ان میں ہم آہنگ بنانے کی ضرورت کو محسوس کیا گیا ہے۔

بین الاقوامی فرموں کے معاملے میں ان تبدیلیوں نے پیداوار اور سرمایہ سرکاری کے مقام کو متاثر کیا ہے۔ فرمیں ٹیکس کے بعد والی آمدنی کو بیشتر ین کرتی ہیں اور ٹیکسوں میں اختلافات کو پیداوار اور سرمایہ کاری کے مقام کا تعین کرنے میں پیش نظر رکھتی ہیں۔ آمدنی کا جغرافیائی قیام جو اس امر کا تعین کرنے کے لیے اہمیت رکھتا ہے کہ اس پر کون سی حکومت ٹیکس عاید کر سکتی ہے اور جس سے (شرائطِ تجارت کے اثر کی مانند) فلاح کی بین الاقوامی تقسیم اور ادائیگیوں کا میزانیہ متاثر ہوتے ہیں مشکل مسایل پیش کرتا ہے۔ کوئی فرم اپنی حکمت عملی سے ٹیکس کو کم ترین کر سکتی ہے لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی فرم پر دو حکومتوں کے ٹیکس کا بے جا بوجھ پڑ جائے کیونکہ ان حکومتوں کی نفع نکالنے کی بنیادیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ اس باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایک حکومت کی دی گئی مراعات کو دوسری حکومت ٹیکس سے بری رکھ سکتی ہے اور ٹیکس کی جائے پناہ یا ان ٹیکس بچانے والے طریقوں پر بحث کی گئی ہے جن میں کمپنیوں کے قیام کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتا کہ ٹیکس کی نیچی شرحوں کا فائدہ اٹھایا جا سکے۔

ٹیکسوں کے نظاموں میں یا ایک ہی نظام میں شرحوں کے اندر اختلافات سے عوامل پیداوار محنت اور سرمایہ نقل مقام پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہ ٹیکس کے نظاموں میں ایک اہم فرق اس بنیاد پر پیدا ہوتا ہے کہ آمدنی کی کیا تعریف ہر ایک نظام میں اپنائی جاتی ہے اور خاص طور پر یہ کہ منہائی کے طور پر آمدنی میں سے کتنی تخفیف کی اجازت دی جاتی ہے۔

تجاویز برائے مطالعہ :

درسی کتب :

تحقیقی نظاموں کے ارتباط کے لیے دیکھیں Balassa: The Theory of Economic Integration Chap. xi.

تحقیقی رسائل :

دیکھیں Meade, Trade and Welfare, Ch xxv. L.B. Krause, and K.W. Dam, Federal Tax Treatment of Foreign Income (Washington D.C. The Brookings Institution 1964) and Carl S Shoup (ed.) Fiscal Harmonization in Common Market (New York : Columbia University Press 1967) 2 vols.

وہ طلبا جنھیں ٹیکس کے حقیقی نظاموں کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے قومی نظاموں کی ان 'World Tax Series' سے واقف ہوں گے جنھیں Harvard Law Schools International Program on Taxation نے شائع کیا ہے۔ 1967 کے وسط تک آسٹریلیا، برازیل، کولمبیا، فرانس، جرمنی (ایف۔ آر) ہندوستان، اسرائیل، اٹلی، میکسیکو، سویڈن، برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ کے بارے میں جلدیں منظر عام پر آ چکی تھیں۔

نکات :

ٹن برجن کمیٹی کے کام کا عنوان High Authority of the European Coal and Report on the Problems Raised by the steel committee ہے۔ Different Turnover Tax systems Applied within the Common Market (Luxemburg 1953)

اس کے بعد یونیورسٹی آف فرینک فرٹ کے پروفیسر فرٹز نیومارک کی زیر صدارت ایک کمیٹی نے ایک جائزہ شائع کیا تھا جس میں تحصیلی ہم آہنگی کے لیے سفارشات پیش کی گئی تھیں اور اس کا عنوان تھا Report of the Fiscal and Financial Committee of the E.E.C. and the Report of the Sub.- Committees A, B, and C (Amsterdam : International Bureau of Fiscal Documentation, 1963)

کینیڈی انتظامیہ کی ان تجاویز کے بارے میں غیر ملکی آمدنی پر ٹیکس مقررہ شرح پر نہ ہو کر آمدنی کی بنیاد پر کر دیا جائے تاجر کمیونٹی کے منفی رد عمل کو کانگریس کمیٹیوں کے سامنے بہت سی شہادتوں اور تجارتی مقالوں اور کتابوں میں پیش کیا گیا ہے اس نقطۂ نظر کے لیے تجارت پر ٹیکس صرف وہیں لگایا جائے جہاں پیداوار عمل میں آئے دیکھیں ای۔ جی۔ کولاڈو نائب صدر اسٹینڈرڈ آئل کمپنی نیو جرسی کی شہادت جو انھوں نے House Ways and Means Committee on the President's 1961 (Tax Recommendations Vol.

باب 14
محنت کی بین الاقوامی نقل وحرکت

بین الاقوامی معاشیات پر اکثر و بیشتر درسی کتابیں اور مطالعہ کے زیادہ تر کورس ہجرت کے سوال سے صاف دامن بچا کر نکل جاتے ہیں۔ ملکوں کے بیچ عوامل کی عدم حرکت کے کلاسکی مفروضے کو اس کے لیے غالباً صرف جزوی طور پر ہی ذمہ دار قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس مفروضے کا اطلاق تو سرمایہ پر بھی ہوتا ہے لیکن سرمایہ کی حرکات کو جیسا کہ حصہ پانچ میں واضح ہو جائے گا اس مضمون کے احاطہ میں مناسب جگہ دی جا چکی ہے۔ کسی حد تک یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ تجارت کی اہمیت سرمایہ پر چھا گئی تھی تاہم یہ حقیقت کہ 1851 اور 1960 کے بیچ یورپ سے 6 کروڑ افراد ترکِ وطن کر کے باہر گئے اور یہ کہ آج یورپ میں اپنے آبائی وطن کو چھوڑ کر آنے والے 40 لاکھ افراد کام کر رہے ہیں اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ہجرت کی اہمیت بھی کم نہیں ہے۔ یاد رہے کہ صدر روزولٹ نے ایک بار امریکی انقلاب کی بیٹیوں کو "ساتھی مہاجرین" کے نام سے مخاطب کیا تھا۔ مذکورہ پہلوتہی کا زیادہ امکانی سبب یہ ہو سکتا ہے کہ معاشیات کی نسبت یہ موضوع سماجیات اور آبادیات سے متعلق خیال کیا جاتا ہے۔ بہرحال موجودہ دور میں نقل وحمل کی لاگتوں میں کمی آنے کی وجہ سے بین الاقوامی ہجرت کی معاشیات اور ہجرت کی قومی پالیسی میں از سر نو دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔ آخر الذکر کو بڑی حد تک سماجی میدان میں تصور کیا جا سکتا ہے تاہم معاشی سوالات نہ تو کم دلچسپ ہیں اور نہ ہی غیر اہم۔

بین الاقوامی محنت بازار:

محنت کے لیے ایک محدود بین الاقوامی بازار کا وجود ہمیشہ رہا ہے۔ یورپ میں لوگ کام کرنے کے لیے سرحدوں کے آر پار آتے جاتے ہیں ایسا ہی ونڈسر کناڈا اور ڈیٹرائٹ مشیگن؛ اور براؤنس ولا ٹیکساس اور جوٹا مورز میکسیکو کے بیچ ہوتا ہے۔ کبھی کبھار کام کرنے والے مزدور کام کی تلاش میں ایک سے دوسرے ملک میں جاتے رہتے ہیں خاص طور پر وہ فصل کٹنے یا

نہیں ہے۔ پورٹو ریکو میں "اپریشن بوٹ اسٹریپ" کے تحت وہاں کسی نئی صنعت کے قیام کے بعد سے 10 سال تک کمپنی آمدنی ٹیکس سے بری رکھا جاتا ہے۔ تاہم یہ ممکن ہے کہ جو کمپنیاں اس جزیرے میں منتقل ہوئیں ان کو ٹیکس کی مراعات سے ملنے والی مدد سے زیادہ وہاں پر دستیاب مواقع خاص طور پر سستی تربیت یافتہ محنت کی فراوانی نے انتقال کے لیے اکسایا ہو۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ مسابقت صرف ٹیکس کی اقسام اور سطحوں تک ہی محدود رہے۔ آمدنی کی تعریف بھی صریحاً ایک تغیر پذیر عنصر ہے جو آمدنی کی رقم کو متاثر کرتی ہے۔ 1950 کی دہائی میں جرمنی اور فرانس میں منہائی کی نسبتاً اونچی شرحوں نے ریاستہائے متحدہ کے سرمایہ کاروں کو اپنی جانب کھینچا۔ منہائی کی اونچی شرحیں قابل ٹیکس آمدنی کو کم کر کے اسی طرح سرمایہ لگانے والی فرم کو غیر سودی فنڈ فراہم کرتی ہیں جس طرح اُس وقت تک ریاستہائے متحدہ کے آمدنی ٹیکس کا التوا جب تک حصہ منفع ملک میں لایا نہ جائے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ قرضے اس وقت تک واپس نہیں لوٹائے جاتے جب تک کمپنی کا سائز ہی نہ گھٹ جائے۔ جب تک اس سال لگائے گئے سرمایہ پر قابل ٹیکس نفع رونما ہو (کیونکہ حساب کی کتابوں میں جائیداد 100 فیصد گھس گئی ہے۔ اگرچہ اس کی کام دینے کی عمر ابھی ختم نہیں ہوئی ہے) نئی سرمایہ کاری پر فاضل منہائی کے سبب نفع حقیقت سے کم دکھائے جاتے ہیں اور اس طرح ضروری نہیں کہ غیر سودی قرض واپس ہی ہو جائے۔ ریاستہائے متحدہ کے 1964 کے مالیاتی قانون میں سرمایہ کاری کے لیے 7 فیصد کی چھوٹ رکھی گئی تھی اس کا مقصد ملک میں سرمایہ کاری کو براہ راست بڑھاوا دینا تھا لیکن ہوا یہ کہ اس کی وجہ سے فرانس اور جرمنی میں ریاستہائے متحدہ کی سرمایہ کاری کو بڑھاوا ملا اور اس حد تک ٹیکس کے قوانین میں وہ ہم آہنگی پیدا ہو سکی جس کا متقاضی باب 11 میں بیان کردہ عمل ارتباط تھا۔

خلاصہ:

ٹیکس کے تین روایتی مقاصد ـــــــ وسائل کی بہترین تقسیم، خزانے کے لیے رقم، اور مساوات ـــــــ بین اقوامی معاشیات میں تعریف کے آٹھ اثرات میں سے پانچ سے مطابقت رکھتے ہیں :-
پیداوار صرف، آمدنی، اور تقسیم آمدنی یہ اثرات ملکوں کے اندر اور ان کے مابین رونما ہوتے ہیں۔
آمدنی کا استحکام جس کا اضافہ عوامی مالیات کے ماہرین نے بعد میں کیا ہے اثر روزگار کی مانند ہے۔
بین الاقوامی سطح پر صرف دو ہی مزید اثرات اور رونما ہوتے ہیں ان کا تعلق میزانِ ادائیگی اور مسابقت سے ہے۔

ٹیکس کے قومی نظاموں میں اختلافات کی وجہ سے معیشتوں کے ان مختلف پہلوں میں خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں لیکن جزوی طور پران کا ازالہ اچھائیوں میں ہونے والی تبدیلیوں یا شرح مبادلہ میں مناسب ردّ و بدل سے ہو سکتا ہے۔ نقل و حمل کی لاگتوں میں کمی اور ٹریفوں کے کم ہو جانے سے اکسائز ٹیکسوں کے ضرر رساں اثرات میں اضافہ ہوا ہے اور ان میں ہم آہنگ بنانے کی ضرورت کو محسوس کیا گیا ہے۔

بین الاقوامی فرموں کے معاملے میں ان تبدیلیوں نے پیداوار اور سرمایہ سرکاری کے مقام کو متاثر کیا ہے فرمیں ٹیکس کے بعد والی آمدنی کو بیشترین کرتی ہیں اور ٹیکسوں میں اختلافات کو پیداوار اور سرمایہ کاری کے مقام کا تعین کرنے میں پیش نظر رکھتی ہیں۔ آمدنی کا جغرافیائی قیام جو اس امر کا تعین کرنے کے لیے اہمیت رکھتا ہے کہ اس پر کون سی حکومت ٹیکس عاید کر سکتی ہے اور جس سے (شرائطِ تجارت کے اثر کی مانند) فلاح کی بین الاقوامی تقسیم اور ادائیگیوں کا میزانیہ متاثر ہوتے ہیں مشکل مسایل پیش کرتا ہے۔ کوئی فرم اپنی حکمت عملی سے ٹیکس کو کم ترین کر سکتی ہے لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی فرم پر دو حکومتوں کے ٹیکس کا بے جا بوجھ پڑ جائے کیونکہ ان حکومتوں کی نفع نکالنے کی بنیادیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ اس باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایک حکومت کی دی گئی مراعات کو دوسری حکومت ٹیکس سے بری رکھ سکتی ہے اور ٹیکس کی جائے پناہ یا ان ٹیکس بچانے والے طریقوں پر بحث کی گئی ہے جن میں کمپنیوں کے قیام کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتا کہ ٹیکس کی نیچی شرحوں کا فائدہ اٹھایا جا سکے۔

ٹیکسوں کے نظاموں میں یا ایک ہی نظام میں شرحوں کے اندر اختلافات سے عوامل پیداوار محنت اور سرمایہ نقل مقام پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہ ٹیکس کے نظاموں میں ایک اہم فرق اس بنیاد پر پیدا ہوتا ہے کہ آمدنی کی کیا 'تعریف' ہر ایک نظام میں اپنائی جاتی ہے اور خاص طور پر یہ کہ منہائی کے طور پر آمدنی میں سے کتنی تخفیف کی اجازت دی جاتی ہے۔

تجاویز برائے مطالعہ :

درسی کتب :

تحقیقی نظاموں کے ارتباط کے لیے دیکھیں Balassa, The Theory of Economic Integration Chap. XI.

تحقیقی رسائل :

دیکھیں Meade, Trade and Welfare, Ch xxv. L.B. Krause, and K.W. Dam, Federal Tax Treatment of Foreign Income (Washington D.C. The Brookings Institution 1964) and Carl S Shoup (ed.) Fiscal Harmonization in Common Market (New York : Columbia University Press 1967) 2 vols.

وہ طلبا جنھیں ٹیکس کے حقیقی نظاموں کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے قومی نظاموں کی ان 'World Tax Series' سے واقف ہوں گے جنھیں Harvard Law Schools International Program on Taxation نے شائع کیا ہے۔ 1967 کے وسط تک آسٹریلیا، برازیل، کولمبیا، فرانس، جرمنی (ایف۔ آر) ہندوستان، اسرائیل، اٹلی، میکسیکو، سوئیڈن، برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ کے بارے میں جلدیں منظر عام پر آ چکی تھیں۔

نکات :

ٹن برجن کمیٹی کے کام کا عنوان High Authority of the European Coal and steel committee ہے Report on the Problems Raised by the Different Turnover Tax systems Applied within the Common market (Luxemburg 1953) اس کے بعد یونیورسٹی آف فرینک فرٹ کے پروفیسر فرٹز نیو مارک کی زیر صدارت ایک کمیٹی نے ایک جائزہ شائع کیا تھا جس میں تحصیلی ہم آہنگی کے لیے سفارشات پیش کی گئی تھیں اور اس کا عنوان تھا Report of the Fiscal and Financial Committee of the E.E.C. and the Report of the Sub.- Committees A, B, and C (Amsterdam : International Bureau of Fiscal Documentation, 1963)

کینیڈی انتظامیہ کی ان تجاویز کے بارے میں غیر ملکی آمدنی پر ٹیکس مقررہ شرح پر نہ ہو کر آمدنی کی بنیاد پر کر دیا جائے تاجر کمیونٹی کے منفی رد عمل کو کانگریس کمیٹیوں کے سامنے بہت سی شہادتوں اور تجارتی مقالوں اور کتابوں میں پیش کیا گیا ہے اس نقطۂ نظر کے لیے تجارت پر ٹیکس صرف وہیں لگایا جائے جہاں پیداوار عمل میں آئے دیکھیں ای۔ جی۔ کولاڈو نائب صدر اسٹینڈرڈ آئل کمپنی نیو جرسی کی شہادت جو انھوں نے House Ways and Means Committee on the President's 1961 (Tax Recommendations Vol.

باب 14 | محنت کی بین الاقوامی نقل وحرکت

بین الاقوامی معاشیات پر اکثر و بیشتر درسی کتابیں اور مطالعہ کے زیادہ تر کورس ہجرت کے سوال سے صاف دامن بچا کر نکل جاتے ہیں۔ ملکوں کے بیچ عوامل کی عدم حرکت کے کلاسیکی مفروضے کو اس کے لیے غالباً صرف جزوی طور پر ہی ذمہ دار قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس مفروضے کا اطلاق تو سرمایہ پر بھی ہوتا ہے لیکن سرمایہ کی حرکات کو جیسا کہ حصہ پانچ میں واضح ہو جائے گا اس مضمون کے احاطہ میں مناسب جگہ دی جا چکی ہے۔ کسی حد تک یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ تجارت کی اہمیت سرمایہ پر چھا گئی تھی تاہم یہ حقیقت کہ 1851 اور 1960 کے بیچ یورپ سے 6 کروڑ افراد ترکِ وطن کر کے باہر گئے اور یہ کہ آج یورپ میں اپنے آبائی وطن کو چھوڑ کر آنے والے 40 لاکھ افراد کام کر رہے ہیں اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ہجرت کی اہمیت بھی کم نہیں ہے۔ یاد رہے کہ صدر روزولٹ نے ایک بار امریکی انقلاب کی بیٹیوں کو "ساتھی مہاجرین" کے نام سے مخاطب کیا تھا۔ مذکورہ پہلو تہی کا زیادہ امکانی سبب یہ ہو سکتا ہے کہ معاشیات کی نسبت یہ موضوع سماجیات اور آبادیات سے متعلق خیال کیا جاتا ہے۔ بہر حال موجودہ دور میں نقل و حمل کی لاگتوں میں کمی آنے کی وجہ سے بین الاقوامی ہجرت کی معاشیات اور ہجرت کی قومی پالیسی میں از سر نو دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔ آخر الذکر کو بڑی حد تک سماجی میدان میں تصور کیا جاسکتا ہے تاہم معاشی سوالات نہ تو کم دلچسپ ہیں اور نہ ہی غیر اہم۔

بین الاقوامی محنت بازار :

محنت کے لیے ایک محدود بین الاقوامی بازار کا وجود ہمیشہ رہا ہے۔ یورپ میں لوگ کام کرنے کے لیے سرحدوں کے آر پار آتے جاتے ہیں ایسا ہی ونڈسر کناڈا اور ڈیٹرویٹ مشیگن؛ اور براؤنس ولا ٹیکساس اور جونٹا مورز میکسیکو کے بیچ ہوتا ہے۔ کبھی کبھار کام کرنے والے مزدور کام کی تلاش میں ایک سے دوسرے ملک میں جاتے رہتے ہیں خاص طور پر وہ فصل کٹنے یا

عمارتیں تعمیر ہونے کے موسم میں شمال کا رُخ کرتے ہیں خواہ وہ شمالی امریکہ میں میکسیکو کے رہنے والے ہوں یا یورپ میں بسنے والے اطالوی، یونانی، اور اسپینی۔ نوآبادیات میں متعین سرکاری افسر، غیر ملکی ضمنی کمپنیوں کا انتظام کرنے والے کاروباری لوگ باغات کے مالک، امن فوج کے جوان، اور بڑھتی تعداد میں پیشہ ورانہ نیز تکنیکی صلاح کار اپنی مستقل رہائش کے ملک سے باہر معاشی کرداروں میں مختلف وقت کے لیے رہتے ہیں۔ اور طویل مدتی یا مستقل ہجرت ایک جانا پہچانا منظر ہے کیونکہ لوگوں کے غول ایک یا دوسری مصیبت کے سبب باہر کی راہ اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں یا معاشی مواقع نے انھیں باہر کھینچا ہے۔

پس یہ کہا جا سکتا ہے کہ محنت کا ایک عالمی بازار موجود ہے لیکن کلاسیکی ماہرین معاشیات کا یہ خیال اس حد تک صحیح تھا کہ یہ بازار نہایت ہی غیر کامل ہے عام محنت کو تمام دنیا میں مساوی معاوضہ نہیں ملتا یہاں تک کہ مخصوص غیر مسابقتی گروہوں کے اندر بھی معاوضے برابر نہیں ہوتے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی ملک کے اندر بھی اجرتیں صرف موٹے طور پر اور بعض پیشہ ورانہ اور تکنیکی گروہوں کے لیے ہی مساوی رہتی ہیں عام مزدوروں کے لیے نہیں بعض ماہرین معاشیات اس حقیقت کو (بہت زیادہ) بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں کہ ایک شہر تک میں مساوی مہارت کے لیے اجرتیں برابر نہیں ہوتیں۔ اس حقیقت کے باوجود کہ محنت کسی حد تک غیر ملکوں کو ہجرت کر سکتی ہے اور اس رجحان کے ہوتے ہوئے بھی کہ بین الاقوامی تجارت سے جیسا کہ باب 2 میں بیان کیا گیا ہے عوامل کی قیمتوں میں قدرے ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے براعظموں کے بیچ محنت کے معاوضے میں فرق قائم رہتا ہے۔

بہرحال تقریباً 1955 سے یورپ میں محنت کا بین اقوامی بازار زیادہ کارگر ہو گیا ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں کے بیچ سرحدوں کے آر پار نقل و حرکت میں اضافہ ہوا ہے لیکن بڑی تبدیلی شمال کی جانب ہونے والی حرکت ہے خاص طور پر سوئٹزرلینڈ، بلجیم، فرانس، اور جرمنی کی طرف اس کا آغاز پہلے اٹلی والوں نے کیا بعد ازاں یونانی، اسپینی، پرتگالی اور ترک اس میں شامل ہوئے۔ 1966 میں لگائی جانے والی پابندیوں سے پہلے سوئس کامگاروں میں 30 فیصدی غیر ملکی تھے۔ یہ تعداد بلجیم کی 10 فیصدی، فرانس کی 9 فیصدی، اور جرمنی کی $4\frac{1}{2}$ فیصدی سے کہیں زیادہ تھی لیکن جیسا کہ نفتم تجزیہ کا طالب علم جانتا ہے ان کی اہمیت ان کی تعداد سے کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ غیر ملکی مزدور اپنے آبائی وطن سے دور کسی ایک مقام کے ساتھ کوئی مضبوط رشتہ نہیں رکھتا اس لیے اس کی حرکت پذیری یورپ کے محنت بازار میں حاشیہ پر صورت حال کو بہتر بنانے میں

اہم کردار ادا کرتی ہے۔ 1955 سے شروع ہونے والے عرصے میں یورپ اجرتوں کی شرحیں قابل فہم طور پر ایک دوسرے کے قریب آئی ہیں۔ وطن چھوڑ کر جانے والوں نے بحیرۂ روم سے لگے ملکوں میں اجرتوں کو اونچا کیا اور شمال میں باہر سے آنے والوں کی وجہ سے نسبتاً نیچی سطح پر رہیں تاہم نہ تو پیشہ ورانہ اور تکنیکی محنت کے لیے عوامل کی قیمتیں عالمگیر سطح پر مساوی ہو سکیں اور نہ یورپ میں عام محنت کے لیے۔ براعظموں کے بیچ تو عام مزدوروں کی اجرتوں پر بہت ہی کم اثر پڑا ہے۔

یہ ایک مشتبہ امر ہے کہ عامل۔ قیمت مساوات کا ماڈل بین الاقوامی ہجرت کے لیے موزوں ومناسب ہو سکتا ہے۔ یہ ہجرت جیسا کہ ہم سرمایہ کے بارے میں بھی دیکھیں گے بڑے گھسے پٹے کھانچوں سے ہو کر گذرتی ہے معاشی سگنلوں کے زیر اثر یہ تمام دنیا میں ہموار ومساوی طور پر نہیں پھیلتی۔ بہت سے بہاؤ ایسے ہیں جن کا ڈیزائن سیاسی ہے اور جو غیر معاشی یا نیم معاشی امور سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر ملکہ کی رعایا کے ناتے ویسٹ انڈیز کے رہنے والوں کو برطانیہ میں جا کر بسنے کا حق اس وقت تک رہا جب تک اس حق میں ترمیم نہ کر دی گئی اسی طرح الجیریا اور فرانسیسی کمیونٹی کے ممبران کے فرانس کے ساتھ ثقافتی رشتے نہایت مضبوط تھے۔ برطانیہ کے لوگ زیادہ تر انگریزی بولنے والی ڈومنیوں یا ریاستہائے متحدہ کو ہجرت کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں ایسی صورت میں بھی جب کہ ثقافتی اور سیاسی ملحوظات ابتداءً موجود نہیں ہوتے ہجرت ایک ایسا عمل ہے جس کا ردِ عمل مخالف سمت میں یقینی طور پر ہوتا ہے۔ یہ عمل سیکھنے سکھانے کے فعل سے مشابہت رکھتا ہے۔ شروع میں نقل وحرکت کم اور سست رفتار سے ہوتی ہے کیونکہ پہلے جانے والوں کو جمود اور تعطل پر قابو پانا ہوتا ہے ایک بار راستہ کھل جانے پر ایسے ادارے قایم ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے لوگوں کا بڑی تعداد میں منتقل ہونا ممکن ہو جاتا ہے۔

محنت کی نقل وحرکت کے نمونے:

ہمارے ملک کے لیے محنت کی نقل وحرکت کے عالمی نمونوں میں خصوصی دلچسپی کا حامل ریاستہائے متحدہ میں 1914 تک کے عرصے میں مہاجرین کا جوق در جوق آنا ہے۔ انگریز، جرمن، اسکنڈینویائی، آئرش، نیز اٹلی اور مشرقی یورپ سے آنے والے مہاجرین کی ایک بڑی تعداد ان میں شامل تھی۔ مہاجرین کی ہر لہر خود اپنے وجود میں اضافے کا باعث بنتی چلی جاتی تھی

ابتدا میں آنے والے تھوڑے سے مہاجرین نے کامیابی حاصل کی اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو بلا بھیجا اور اس طرح یہ تحریک زور پکڑ تی گئی یہاں تک کہ کسی نہ کسی وجہ سے یہ لہر ختم ہو گئی۔ معاشی تاریخ دانوں میں یہ امر بحث کا موضوع رہا ہے کہ کیا معاشی مشکلات کے دھکے کے مقابلہ میں موقع کی کشش زیادہ اہم رہی ہے۔ بہر حال کچھ بھی رہی ہو یہ بات بالکل واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ یہ طاقتیں صرف ایک طویل مدتی ہجرت سائیکل کے پس منظر میں ہی کار فرما تھیں۔ ممکن ہے اس پس منظر کی ابتدا معاشی حالات سے ہوئی ہو یا اس میں ایسے حالات کا کوئی بھی ہاتھ نہ رہا ہو۔ 1840 کی دہائی میں آئرلینڈ سے لوگوں کے بے تحاشہ آنے میں آلو کے قحط نے لوگوں کو اس ملک سے دھکا دیا۔ اس کے برعکس 1880 کی دہائی میں اٹلی اور مشرقی یورپ سے بڑے پیمانے پر نقل و حرکت کے باوجود جس کا آغاز یورپ میں گیہوں کی قیمت میں بڑی گراوٹ آنے سے ہوا تھا) سالانہ بہاؤ کے سائز کو ریاستہائے متحدہ کے اندرونی حالات نے متاثر کیا تھا۔ مہاجرین کا یہ بہاؤ 1907 کی دہشت کے نتیجہ میں سست پڑا اور بعد ازاں حالات سدھر جانے پر اس میں تیزی آئی۔

پروفیسر برن لے تھومس نے اٹیلانٹک کمیونٹی میں مونٹے طور پر ایک طرز عمل کا پتہ لگایا۔ اس میں تعمیرات سے متعلق یورپ اور شمالی امریکہ میں ہجرت کی طویل سائیکلیں ایک دوسرے کے مدمقابل دکھائی دیں اور ترک وطن کے عمل میں ایک ترا تری دور دیکھنے میں آیا۔ 19 ویں صدی کے پہلے نصف حصہ میں زرعی صلاحیت پیداوار میں اضافے کی وجہ سے یورپ میں لوگوں کی ایک بڑی تعداد دیہی بستیوں میں پھنسی رہ گئی 19 صدی کے دوسرے نصف حصہ میں یہی بات نقل و حمل کے میدان میں تکنیکی ترقی کے سبب پیدا ہوئی اس کی وجہ سے شمالی اور جنوبی امریکہ آسٹریلیا اور یوکرین کے زرخیز میدانوں سے اناج کا درآمد کرنا ممکن ہو گیا۔ صنعتی انقلاب نے یورپ کے شہروں میں کام کے مواقع فراہم کر دیے۔ طویل تعمیراتی سائیکل کے عروج کے دور میں ملک کے اندر لوگ بڑی تعداد میں دیہی علاقوں سے شہروں کی طرف جانے لگے۔ تاہم مندی کے زمانے میں جب ذرا دم لینے اور مقامی معاشی صورت حال کو ٹھوس بنانے کی ضرورت تھی دیہات سے بیروزگار لوگ باہر چلے گئے۔ اسکنڈی نیویا جرمنی اور برطانیہ کے کسان کو کبھی شہر اور کبھی شمالی امریکہ اور (برطانوی لوگوں کے لیے) انٹی پوڈ کی طرف لے جانے والی ایک طاقت شرائط تجارت کی تھی۔ جب شرائط تجارت یورپ کے موافق ہوتیں تو درون وطن کپڑے، کوئلے اور فولاد میں معاشی مواقع کی اُمید افزا بہتات ہوتی اور آخر میں یہ مواقع انجینئرنگ اور کیمیاوی تجارتوں میں بھی رونما ہوتے۔ مندی کے زمانے میں شرائط تجارت یورپ کے خلاف ہو جاتیں اور

سرمایہ اور محنت غیر ممالک میں چلا جاتا۔

یہاں ہم نے اس نمونے کے موٹے خط و خال کی تصویر کشی کی ہے تصویر کے حصوں پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ جنوبی اٹلی، ہنگری، پولینڈ، اور روس میں دیہات کی فاضل محنت کی کھپت کے لیے صنعت کا وجود برائے نام ہی تھا۔ بڑے عرصے تک یہ محنت بے حس و حرکت رہی۔ جب اس نے حرکت کی تو تقریباً تمام کی تمام غیر ملکوں میں منتقل ہو گئیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ میلان اور تورن کے شہروں میں جنوبی اٹلی کے باشندوں کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور وہ نیویارک یا سانفرانسسکو میں زیادہ آرام و سکون محسوس کرتے تھے۔ یعنی ایک بار نقل و حرکت کے شروع ہو جانے کے بعد یہ امر بھی دلچسپ ہے کہ ریاستہائے متحدہ میں آنے کے بعد یہ مہاجر کچھ ہی پیشوں میں جاتے تھے اور محدود مقامات پر ہی رہائش اختیار کر پاتے تھے۔ بڑی حد تک یہ ایک اتفاقی بات تھی۔ یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ نیویارک کے مقابلہ میں آئرلینڈ سے آنے والے زیادہ تر بوسٹن میں اس لیے بسے کیونکہ آخر الذکر بندرگاہ تک اٹلانٹک پار کر کے آنے کا کرایہ پانچ شلنگ کم تھا۔ مل راکی اور سینٹ لوئس میں جرمن طبقے منی سوٹا میں سوئیڈن کے گردن، ڈکوٹا زمیں ناروے کے لوگ، بالٹی مور اور بغیلو میں پول اور نیویارک میں پولینڈ اور روس سے آنے والے یہودی اس بات کو تقویت دیتے ہیں کہ مہاجرین نئی دنیا میں آکر بسنے کے عبوری دور میں اپنے قسم کے لوگوں میں رہنے کے متلاشی تھے۔ تعمیرات کے کام نے آئرلینڈ اور اٹلی کے مزدوروں کو اپنی طرف مائل کیا۔ جرمنی اور اسکنڈینویا کے لوگ مخلوط کھیتی اور اناج کی کاشت میں لگ گئے جنوبی اٹلی کے رہنے والے باغیچوں کے کام میں پولینڈ، جرمنی اور روس کے یہودی ملبوسات کی صنعتوں میں مشغول ہو گئے۔

1921 اور 1924 میں ریاستہائے متحدہ میں باہر سے آکر بسنے والوں پر کوٹے کا نفاذ زیادہ تر سماجی عوامل کی وجہ سے ہوا۔ جنوبی اور مشرقی یورپ سے آنے والوں کا بڑھتا ہوا بہاؤ جو جنگ کے زمانے میں منقطع ہو گیا تھا تیزی کے ساتھ دوبارہ جاری ہوتا ہوا معلوم ہوا۔ 19 ویں صدی میں برطانیہ، جرمنی اور اسکنڈینویا میں صنعتی انقلاب اور بڑھتی ہوئی حقیقی آمدنیوں سے ترک وطن کے رجحان پر جو رکاوٹ پیدا ہوئی تھی وہ اور کہیں بھی جڑ نہ پکڑ سکی اور ہجرت کی فطری طور پر بڑھتی ہوئی شرح میں کسی بھی جگہ کمی ہونے کے آثار دکھائی نہ دیے اس لیے بڑے پیمانے پر ہجرت کے امکانات روشن تر رہے۔ اس پر پابندی لگانے سے متاثرہ علاقوں میں سنگین سماجی اور معاشی مسائل پیدا

ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ لیکن اس کے جاری رہنے سے ریاستہائے متحدہ اور دوسرے علاقوں کو جو مہاجرین سے بھرتے جا رہے تھے اسی طرح کے مسائل سے دوچار ہونا پڑتا۔

معیارِ زندگی میں بین الاقوامی سطح پر پائے جانے والے اختلافات کے بڑھتے ہوئے ادراک کی وجہ سے برطانیہ میں دولتِ مشترکہ کے نسبتاً غریب علاقوں خاص طور پر پاکستان، برصغیر ہند، اور ویسٹ انڈیز سے آنے والوں کی تعداد میں قابلِ لحاظ اضافہ ہوا۔ اس قدر بڑی تعداد میں لوگوں کے ملک کے اندر آنے سے ایسے معاشی اور سماجی مسائل پیدا ہوئے جن کی وجہ سے 1962 میں کام کی تلاش میں آنے والے لوگوں کے آزادانہ داخلے کی پالیسی میں ترمیم کر کے انھیں افراد کو آنے کی اجازت دی جانے لگی جن کے پاس آنے سے پہلے ہی کام مل جانے کا ثبوت تھا۔

جنگ اور اس کے بعد والے اثرات کے نتیجہ میں بڑے پیمانے پر انتقالِ آبادی رونما ہوتا ہے۔ اس کے اسباب بھی زیادہ تر سماجی ہوتے ہیں۔ 1921 میں ترکی سے یونانیوں، آرمینا کے لوگوں اور یہودیوں کے اخراج، 1945 میں مشرقی یورپ سے جرمن نوآبادکاروں اور اوڈرنیسی خط کے مشرق میں رہنے والوں کا نکالا جانا، اور 1948 میں جس علاقے کو اسرائیل میں تبدیل کیا گیا یا 1967 میں اس نے جن علاقوں کو ہتھیا لیا وہاں سے عربوں کا بے گھر ہو جانا ایسی مثالیں ہیں جن کی جڑ صرف جنگ کے نتائج تھے۔ 1947 میں آزادی اور تقسیم کے بعد ہندوستان اور پاکستان کے بیچ بڑے پیمانے پر ہندوؤں اور مسلمانوں کی نقل و حرکت اور آہنی پردے کے پیچھے سے مغرب کی چوری چھپے لوگوں کا آنا اور جو انجام کار 1956 میں ہنگری سے سینکڑوں ہزاروں مہاجرین کے فرار کی صورت میں جا کر ختم ہوا ایسے واقعات ہیں جو سماجی، سیاسی اور مذہبی اختلافات کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان لاکھوں کروڑوں لوگوں کی نوآبادکاری سنگین سماجی اور معاشی مسائل پیش کرتی ہے۔ مشرقی جرمنی سے آنے والوں کو مغربی جرمنی میں کھپانے میں کچھ دشواری پیش آئی لیکن بعد میں یہی لوگ مغربی جرمنی کی خوشحالی کا سبب بنے۔ تمام دنیا (بشمول مشرقی یورپ) اور عرب کے ممالک سے آنے والے یہودیوں کا اسرائیل میں خیرمقدم کیا جاتا ہے۔ 1946 میں جو عرب جارڈن کو بھاگے یا 1967 میں جو نئے مہاجر وہاں آئے ان کی تعلیم اور صلاحیت کار محدود تھیں وہ ہجرت کرنے کے خواہشمند نہیں تھے بلکہ وہ تو اپنے گھروں کو عرب خودمختاری کے زیرِ سایہ لوٹنا چاہتے تھے۔ مہاجرین کے بڑے گروہوں کو شاذ ہی کھلے دل سے

اپنایا جاتا ہے۔ جو ملک باہر سے آنے والوں کا خیر مقدم کرتے ہیں وہ اپنی مقررہ ضروریات کے لحاظ سے ہی لوگوں کو آنے کی اجازت دیتے ہیں ان میں نوجوانوں، ماہرین فن، سرمایہ لگانے والوں، اور اکثر مخصوص پیشوں (جن میں زراعت بھی شامل ہے) کے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ جب وہ اس امر پر اصرار نہیں کرتے اور آنے والا 30 سال سے کم عمر کا غیر شادی شدہ فرد ہو تو وہ مغربی یورپ سے ترکِ وطن کر کے آنے والے خاندانوں کو ترجیح دیتے ہیں اور خاص کر ڈچ کسان کو جواب فاضل ہیں کیونکہ ان کے لیے سابقہ نیدرلینڈز ایسٹ انڈیز میں جا کر بسنے کا راستہ مسدود ہو چکا ہے۔ نتیجہ میں ایک ایسا ناقابل برداشت مسئلہ مہاجرین کا درپیش ہے۔ جسے نجی قومی اور (اقوام متحدہ کی ورکس اینڈ ریلیف ایجنسی کے ذریعہ) بین الاقوامی کاروائی بڑا بھاری بوجھ محسوس کرتی ہے اور جسے کم کرنے میں بین الاقوامی مہاجر تنظیم بھی کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں کر سکی ہے۔ ایسی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جن میں سیاسی مہاجرین کسی جنگ کے سبب نہیں بلکہ حکومتوں کے جبر و استبداد سے ترک وطن پر مجبور ہوئے۔ اگست 1961 تک مشرقی جرمنی کی بامہارت محنت کا ایک بڑا حصہ برلن کی راہ فرار ہو کر مغربی جرمنی میں (جو زیادہ خوشحال تھا) آبسا 1960 کی دہائی کے شروع میں جوں جوں کیسٹرو کی حکومت بائیں جانب مزید جھکتی گئی کیوبا سے زیادہ سے زیادہ لوگ فلوریڈا کی طرف غول در غول آئے۔ ہانگ کانگ سرخ چین سے آنے والے مہاجرین کی خاص آماج گاہ ہے جن کی تعداد وہاں چین میں قحط کے دوران بہت بڑھ جاتی ہے۔ اکثر مذہب اور سیاست گڈمڈ ہو جاتے ہیں پیوریٹنز (Puritans) اور دوسرے پرانے امریکی نوآبادکار اینگلیکن چرچ سے بھاگے۔ زار کے روس کے یہودی لوگ روم کی وجہ سے فرار ہوئے دیگر یہودی 1930 کی دہائی میں نازی تعذیب سے بچ کر بھاگے یہاں تک کہ انفرادیت نواز ڈیوخوبرز نے بھی کناڈا کی حکومت کے دعوت نامے پر روس کو صرف اس لیے چھوڑا کہ وہ حکومت کے انتظامیہ کے ساتھ اپنی عدم تعاون کی ضد پر اڑے رہنا چاہتے تھے۔

یورپ کا محنت بازار:

یورپ ہر ایک ملک غیر ملکی محنت کو خوش آمدید نہیں کہتا۔ برطانیہ جیسے بعض ملکوں میں ٹریڈ یونین مخالفت مزدوروں کو در آمد کرنے کی آمادگی کو دبائے رکھتی ہے۔ اسکنڈینویا میں

محنت کا ایک مشترک بازار ہے جو اس خطے کے رہنے والوں تک ہی محدود ہے۔ اس علاقے میں سب سے زیادہ نقل و حرکت فن لینڈ سے سوئیڈن کے اندر ہوئی ہے لیکن سبھی ملک بحیرۂ روم کے علاقے سے مزدوروں کو اپنے یہاں نہیں آنے دینا چاہتے اور اس کے لیے جواز پیش کرتے ہیں کہ جنوب سے آنے والے مزدوروں کو ان کے علاقے کی تاریک و سرد آب و ہوا راس نہیں آئے گی۔ یورپین اکنامک کمیونٹی کے ممبر کی حیثیت سے نیدرلینڈ نے روم سمجھوتے کو منظور کیا ہے۔ اس سمجھوتے کی رو سے کمیونٹی کے اندر محنت کی نقل و حرکت پر کوئی پابندی نہیں ہے تاہم نیدرلینڈ اٹلی سے مزدوروں کو بھرتی کرنے میں زیادہ جوش کا مظاہرہ نہیں کرتا۔ ای۔ سی۔ سی کے شمالی ممبر کمیونٹی کے اندر محنت کے نقل و حمل کا اس قدر خیر مقدم کرتے ہیں کہ وہ دیگر ملکوں میں مزدور بھرتی کرنے کے لیے ایجنسیاں قائم کرتے ہیں یہی نہیں انھوں نے اسپین، یونان، اور ترکی کو قومی مراعات (جو سب سے زیادہ مراعات والی قوم... نہیں) عطا کرنے کا بڑا فیاضانہ رویہ اپنایا ہے۔ جب تک ١٩٦٠ کی دہائی کے پہلے نصف میں ان ملکوں میں محنت کی کمیابی اتنی شدید ہی نہ ہو گئی کہ غیر ملکی مزدور اپنی محدود صلاحیت کار کی بنا پر ان کی ضرورت پوری نہ کر سکے یہ ملک اپنی قابل لحاظ معاشی نشوونما کے لیے غیر ملکی مزدوروں پر انحصار کرتے رہے۔ نشوونما میں ان مزدوروں کی امداد کو کل مزدوروں میں ان کے تناسب سے نہیں ناپا جا سکتا زیادہ اہم بات یہ ہے کہ انھوں نے حاشیہ پر اجرتوں کو کم رکھا اور اس طرح منافعوں کو اونچا کیا۔

ایک مرتبہ افراط زر کی چوٹ پڑی، لاگتیں بڑھیں، منافعے گھٹے تو 1950 کی دہائی سے 1960 کی دہائی کے وسط تک چلنے والا تیزی کا لمبا دور بالآخر ختم ہو گیا۔ زیادہ غیر ملکی مزدوروں کو کام پر لگانے کا دباؤ جاتا رہا جن مزدوروں کے معاہدوں کی مدت ختم ہو گئی تھی وہ اپنی "حسب خواہش" بچت کے ساتھ واپس وطن لوٹ رہے تھے اس طرح شمالی یورپ میں غیر ملکی مزدوروں کی تعداد کم ہو گئی۔ لیکن 1930 کی دہائی سے — جب فرانسیسیوں نے پولینڈ اور اٹلی والوں کو ان کے پرمٹ منسوخ کر کے اور زبردستی جہازوں میں لاد کر اپنے یہاں سے واپس جانے کے لیے مجبور کر دیا تھا — یہ صورت حال بہت مختلف تھی۔

غیر ملکی مزدوروں کو واپس لوٹنے میں یہ اندیشہ لاحق رہتا ہے کہ ممکن ہے اسے وطن کے اندر طرز زندگی اب راس نہ آئے، آسٹریلیا نے جو برطانیہ سے مزدور بھرتی کیا کرتا تھا اور وہاں سے سفید فام لوگوں کو لے جانے پر اصرار کرتا تھا آج اپنی تلاش کو وسیع تر کر دیا ہے، اور

اسے اس بات کا علم ہو گیا ہے کہ بحیرۂ روم کے مزدور جو شمالی یورپ میں رہ کر جنوب کو لوٹتے ہیں ان کے آسٹریلیا جانے کے امکانات نہایت روشن ہیں۔ غیر ممالک میں انھیں کام کرنے کے جن بہتر حالات اور اونچے معیار زندگی کا تجربہ ہوا اس نے وطن میں ان کی زندگی اجیرن کر دی ہے۔ لیکن ساتھ ہی آسٹریلیا والے کہتے ہیں کہ برطانیہ سے جانے والا فرد اس وقت تک صحیح معنی میں آسٹریلیائی نہیں بنتا جب تک وہ اپنے گھر برطانیہ کا پہلا چکر نہیں لگا آتا۔

مزدوروں کی نقل و حرکت کا ایک پیچیدہ نمونہ کناڈا پیش کرتا ہے یہاں لوگ برطانیہ سے آتے ہیں اور یہاں سے لوگ ہجرت کر کے ریاستہائے متحدہ جاتے ہیں۔ آخر الذکر طبقے میں نوجوان لوگ شامل ہیں جو تعلیم حاصل کرنے ریاستہائے متحدہ جاتے ہیں اور پھر وہیں رہ جانے کا فیصلہ کر لیتے ہیں۔ دوسرے ممالک سے آنے والے بہت سے طالب علم بھی یہی کرتے اگر ان کے ویزا میں یہ پابندی نہ لگائی جاتی کہ تعلیم ختم کرنے کے بعد وہ کم از کم دو سال کے لیے ملک کو چھوڑ دیں گے۔ موجودہ دور میں تعلیم کو انسانی سرمایہ میں سرمایہ کاری سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس لیے یہ حساب لگانے کی کوشش کی گئی ہے کہ کل ملا کر کناڈا کو سرمایہ کے کھاتے میں نفع ہوتا ہے یا نقصان یعنی اس تعلیم کے حساب سے جو وہ باہر جانے والوں کو دیتا ہے اور جس تعلیم کا فائدہ اسے آنے والوں سے حاصل ہوتا ہے۔ کناڈا میں باہر سے آنے والوں کا صرف ۱۰ فیصد ایسا ہے جو تعداد کے لحاظ سے کل ملا کر نفع بخش ثابت ہوتا ہے۔ لیکن پتہ یہ چلا کہ تعلیم کے لحاظ سے نفع اس سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ برطانیہ سے تربیت یافتہ افراد آتے ہیں اور کناڈا سے نسبتاً کم پڑھے لکھے اور نوجوان لوگ باہر جاتے ہیں۔

کیا ہجرت سے اس ملک کو فائدہ پہنچتا ہے جو لوگوں کو باہر بھیجتا ہے۔؟

اگر ہم آبادی کے تیز نقل و حمل کو نظر انداز کر دیں جن کا تذکرہ گذشتہ سے گذشتہ خبر میں کیا گیا ہے تو ایک دلچسپ سوال جس پر ماہرین معاشیات نے کچھ بحث و مباحثہ کیا ہے۔ یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی ملک سے لوگوں کا ترک وطن کر کے باہر جانا اس کے لیے کوئی اچھی بات ہے؟ اس کے خلاف یہ دلیل پیش کی گئی ہے کہ عمر رسیدہ لوگوں کو باہر بھیجنا سرمایہ کی برآمد کے مترادف ہے۔ بھیجنے والا ملک پیدائش سے ان کی پرداخت کرتا ہے۔ کھلاتا پہناتا اور تعلیم سے آراستہ کرتا ہے اس عرصے میں وہ کچھ پیدا نہیں کرتے اور جیسے ہی وہ پیداواری مرحلے

میں قدم رکھتے ہیں وہ انھیں ضائع کر دیتا ہے۔ ایک پیداواری مزدور کا زیاں پیداواری سرمایہ کی برآمد کی مانند ہے فرق صرف یہ ہے کہ برآمد کرنے والے ملک کو محنت کی خالص مختتم پیداوار پر کبھی صورتوں میں معاوضہ نہیں ملتا یعنی بنائے رکھنے اور تبدیل کرنے (زندہ رہنے) کی لاگتوں کے علاوہ۔

اگر مزدور غلام ہوتے۔ جتنا وہ وطن میں کما سکتے تھے اس سے زیادہ کمانے کے لیے انھیں باہر بھیجا جاتا اور اگر جتنی رقم وہ اپنی گذراوقات سے زیادہ کماتے وہ سرمایہ برآمد کرنے والے ملک میں واپس بھیج دیا جاتا تو سرمایہ برآمد کرنے کی مثال درست و مناسب ثابت ہوتی بشرطیکہ غلاموں کی پرداخت کا مقصد نفع کمانا ہوتا۔ بہرحال اصولاً آبادی کے بڑھنے کا کم از کم تھوڑے عرصے میں اس امر سے کوئی تعلق نہیں ہوتا کہ باہر جانے کے کیا مواقع موجود ہیں۔ یہ انتخاب کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی کہ مزدوروں میں انھیں باہر بھیجنے کی غرض سے سرمایہ لگایا جائے یا وسائل کو وطن کے اندر زیادہ نفع بخش پیداواری افعال میں استعمال کیا جائے۔ انتخاب ان صورتوں میں سے کرنا ہوتا ہے کہ وطن میں لوگ بے روزگار رہیں یا جزوی طور پر کام میں لگے رہیں یا باہر کام تلاش کریں۔ کام کرنے کی عمر تک مزدوروں کی پرداخت تعلیم اور تربیت پر خرچ کی گئی رقم کو غرق سمجھنا چاہیے۔ تب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ کیا ان وسائل سے آمدنی حاصل کرنا ممکن ہے یا بالفاظِ دیگر یوں کہیے کہ کیا لوگوں کو باہر بھیج کر محنت کے مقامی بازار میں بیروزگاری کے دباؤ کو کم کیا جا سکتا ہے۔

درحقیقت اگر ہجرت کو آبادی میں اضافہ پر طویل مدتی رکاوٹ سمجھا جاتا ہے تو فی کس حقیقی آمدنی کے لحاظ سے یہ عمل بے کار ثابت ہوگا۔ سب سے بہتر پالیسی یہ ہوگی کہ جب تک مالتھسی دیوار نہ ٹوٹ جائے اور فی کس آمدنی کو بنائے رکھنے کے لیے لوگ خاندان کو محدود نہ رکھنے لگیں انھیں دوسرے ملک میں جا کر بسنے کی اجازت نہ دی جائے۔

آبادی میں تیز رفتار سے اضافہ ہونے کی صورت میں بھی بڑے پیمانے پر ہجرت سے باقی ماندہ آبادی کے لیے حقیقی آمدنی پیدا ہو سکتی ہے بشرطیکہ ملک میں آنے والی ترسیل کی شرح اونچی ہو۔ جو لوگ عارضی طور پر باہر کام کرتے ہیں اور ایک مقررہ رقم بچا کر لوٹنا چاہتے ہیں ان سے ملک کو نہ صرف زرمبادلہ حاصل ہوتا ہے بلکہ بچت بھی اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ ان بچتوں کو ہمیشہ ہی بہترین پیداواری کاموں میں لگایا جاتا ہے۔ وہ لوگ جو مستقل طور پر ہجرت۔

کر جاتے ہیں اور جن میں وہ افراد بھی شامل ہیں جو لوٹنے کے ارادے سے جاتے ہیں مگر بعد میں غیر ممالک میں ہی سکونت اختیار کر لیتے ہیں۔ گھر کتنی رقم بھیجتے ہیں اس کا انحصار ان کے سماجی رشتوں پر ہوتا ہے۔ یہ رشتے کچھ حد تک ثقافتی نوعیت کے ہوتے ہیں اور کچھ اس عرصے کی عکاسی کرتے ہیں جتنی مدت مہاجر باہر گذار چکے ہوتے ہیں۔ ہجرت کے ابتدائی مدارج میں جب مرد اپنے خاندانوں کو پیچھے ملک میں چھوڑ جاتے ہیں تو وہ بال بچوں اور رشتہ داروں کی گذر بسر کے لیے رقم وطن بھیجتے ہیں اس میں وہ بچت بھی شامل ہوتی ہے جس کے ذریعہ یہ لوگ باہر کمانے والے کے ساتھ جا ملیں۔ بعد میں جب پورا خاندان باہر جا کر مل جاتا ہے وطن بھیجی جانے والی رقم گھٹ کر اتنی ہی رہ جاتی ہے جتنی دور کے رشتہ داروں کو سہارا دینے کے لیے ضروری سمجھی جاتی ہے۔ آخر میں جب ایک پشت گذر جاتی ہے بھیجی جانے والی رقم گھٹ کر نہایت حقیر رہ جاتی ہے کلچرل تبدیلیوں نے اس طرز عمل اور ساتھ ہی وقت کے حساب کو بدل دیا ہے۔ پہلی جنگ عظیم سے قبل کے 30 سالوں میں ریاستہائے متحدہ میں آنے والے مہاجر اس ملک میں اپنے ہی خول میں سمائے رہتے تھے ان کو اس معیار زندگی کو اختیار کرنے میں بڑا وقت لگتا تھا جو سارے ملک میں دوسری اور تیسری پشت کے خاندانوں کا ہوتا تھا۔ آج مہاجرین کے گروہ پر ثقافتی گرفت کا کوئی وجود ہی نہیں ہے کیونکہ ان کی تعداد اس قدر کم ہے اور کبھی کبھار آجانے والے مہاجر پر (جیسے ہنگری سے آنے والے مہاجر) امریکی معیار تیزی سے اختیار کرنے کا بڑا دباؤ پڑتا ہے۔ اگر آہنی پردے کے پیچھے ممالک میں رشتہ داروں کو رقوم کا بھیجنا بھی ممکن ہوتا —— گو ایسا ہے نہیں —— تب بھی صرف کے نئے معیار کو اپنانے کے سماجی تقاضوں کی وجہ سے ایسا کرنے کی استعداد بہت کم رہ جاتی ہے۔

لیکن اور بھی عناصر ایسے ہیں جن پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ وطن کے مقابلہ میں مہاجر غیر ملک میں زیادہ کماتا ہے اور خرچ کم کر سکتا ہے (اگر اس کا خاندان وطن میں ہے) اس طرح بچت میں دوہرا اضافہ ہوتا ہے اور سرمایہ محنت تناسب بہتر ہو جاتا ہے۔ لیکن اس سرمایہ کا مالک وہ ہوتا ہے اس کا ملک نہیں اور وہ اس سے ملنے والی آمدنی کو خرچ کرتا (یا بچاتا) ہے اس آمدنی پر ٹیکس اور عوامل کی قیمتوں میں تبدیلی نیز پوری معیشت میں ان کے میل میں رد و بدل خارجی اثرات میں جن کا دائرہ وسیع تر ہوتا ہے۔

اگر کسی بھی طرح کے خارجی اثرات نہ ہوتے تب یہ کہا جا سکتا تھا کہ کوئی شخص جو کچھ بھی کرتا

ہے وہ صرف اس کا اپنا فعل ہے۔ اگر ایک یا دوسرے ملک میں زیادہ کماتا ہے تو وہ خرچ یا بچت زیادہ کرتا ہے اور وہ بہر صورت بچت کا مالک وہی ہے۔ اگر سارے عوامل کو ان کی مختتم پیداوار دے دی جائے تو ہجرت سے عوامل کے ذخائر میں ہونے والی تبدیلیوں کے ٹیکسوں نیز دیگر عوامل کی قیمتوں پر یہی اثرات نمایاں ہوں گے اور بات یہاں ختم ہو جاتی ہے۔ کم ترقی یافتہ ملکوں سے ذہین تربیت یافتہ نوجوانوں کے باہر جانے پر بہت سے لوگ "ذہنی زیاں" کے بارے میں تشویش کا اظہار کرتے ہیں۔ اوپر دیے گئے استدلال کی روشنی میں یہ تشویش ضرورت سے زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ اس کے اہم اثرات ایک دوسرے کا ازالہ کر دیتے ہیں۔ اگر ایک سائنس داں برطانیہ سے جاتا ہے تو وہ اپنی پیداوار ساتھ لے جاتا ہے مگر اس کی آمدنی بھی تو اس کے ساتھ چلی جاتی ہے اور یہ آمدنی اشیا پر اس کے حق کو (جو اس کی مختتم پیداوار کی برابر ہوتا ہے) ظاہر کرتی ہے۔ ہجرت کا بیشتر تجزیہ اس نقطۂ نظر کے لحاظ سے پیداوار کے زیاں پر توزور دیتا ہے لیکن دوسروں کی پیداوار پر اس کے برابر حق کے خاتمہ پر دھیان نہیں دیتا۔

بہر حال ہم خارجی اثرات کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ بافراط دستیاب اور اس لیے سستے سائنسداں اور انجینئر، ڈاکٹر، یا ماہرینِ معاشیات (تک) کسی قوم کے اندر دیگر عوامل کے لیے خارجی نفع ہیں اور فنی تکنیکی اور پیشہ ورانہ افراد کی کمیابی، نقصان ایک قلیل ترین مقدار کے بعد یہ اثرات نسبتاً غیر اہم ہو جاتے ہیں۔ پس مثال کے طور پر نیدرلینڈ اور اسکنڈ نیویا کے ملک پیشہ ورانہ افراد کو اس لیے باہر بھیجتے ہیں کیونکہ وہ اپنے تمام تعلیم یافتہ شہریوں کو ایسے معاوضوں پر روزگار مہیا نہیں کر سکتے جو سماجی لحاظ سے قابل قبول ہوں۔ لیکن بڑے ملک سائنسدانوں (ہم ایک ہی زمرے کی مثال پر اکتفا کرتے ہیں) کی بڑی تعداد سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اور چھوٹے نیز غریب ملکوں میں ان کی تعداد تشویش ناک حد تک اُس قلیل ترین مقدار کے قریب ہوتی ہے جس کی دیگر کاموں کے چلانے کے لیے ضرورت رہتی ہے۔ جس ترکِ وطن سے ان کی تعداد اس کم سے کم ضرورت سے گھٹ جائے وہ عام طور پر پیداوار کے لیے ضرر رساں ثابت ہوگا۔

... ان خارجی اثرات میں سے زیادہ تر کا حساب نہیں لگایا جا سکتا۔ یہ بات اعلیٰ معیار کے فیٔنس، ون نیومینس، وون برانس جیسے سائنسدانوں کے لیے جنھوں نے سائنس اور ٹیکنولوجی کی تاریخ کا رخ بدل دیا خاص طور پر کہی جا سکتی ہے۔

ہجرت کے تمام عمل کو کسی بھی طرح ضرر رساں قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کسی ملک میں کھلی یا مخفی بیروزگاری ہو اور ابواب ۱۰ و 12 کی زبان میں عوامل کی قیمتیں مسخ ہو جائیں تو ایسی صورت میں ہجرت ان سے چھٹکارا پانے میں معاون ہو سکتی ہے۔ یہ دلیل غیر تربیت یافتہ محنت کے بارے میں صحیح ہے۔ اگر مخفی بیروزگاری کا مطلب یہ ہے کہ مختتم پیداوار صفر یا تقریباً صفر ہوتی ہے تو اس سے سرمایہ کاری کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ جب محنت یا خاندانی محنت جسے کسی بھی طرح معاوضہ دیا جانا ہو درحقیقت بالکل مفت دستیاب ہے تو مشین کیوں لگائی جائے۔؟ جب اتنی محنت کو الگ کر دیا جائے جس سے مختتم پیداوار اجرت کی برابر ہو جائے تب سرمایہ پر ملنے والے معاوضے کا حساب لگانے میں فائدہ رہتا ہے۔ پس ہجرت سے سرمایہ کاری میں تیزی آتی ہے، تکنیکی ترقی ہوتی ہے اور معاشی نشو و نما کو بڑھاوا ملتا ہے۔ ایسی صورت میں جیسا کہ 1950 اور 1960ء کی دہائیوں میں بحیرۂ روم کے ممالک کے تجربہ سے ظاہر ہوتا ہے ہجرت کی اونچی شرحیں نشو و نما کی شرحوں کے ساتھ چلتی ہیں۔

لیکن اس استدلال کو بہت زیادہ طول دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسا کہ گولڈ اسمتھ کا "خالی کردہ گاؤں" (Deserted Village . اور دسٹ کے بھوتوں کے شہر ہمیں یاد دلاتے ہیں شمالی آبادی سے نیچے کسی مقام پر معیشت کو ان مختلف پیداواری کاموں کو انجام دیتے ہیں جن کی اسے ضرورت ہے بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

کیا باہر سے لوگوں کے آنے سے ملک مستفید ہوتا ہے؟

مہاجرین کے آنے سے ملک کو فائدہ ہوگا یا نقصان اس کا انحصار آبادی کے مقابلہ میں ملک کے سرمائے اور زمین کے وسائل نیز ہونے والی نقل و حرکت کے فعال اثرات پر ہے۔ آسٹریلیا، کناڈا، برازیل اور ان جیسے بڑے نیز کم آبادی والے ملک نوجوانوں، کسانوں، کارخانوں میں کام کرنے والے باہنر مزدوروں جیسے چیدہ قسم کے افراد کی آمد میں دلچسپی رکھتے ہیں کیونکہ محنت کی رسد کے مقابلہ میں ان کے وسائل زیادہ وسیع ہیں اور کیونکہ طویل و عریض ملکوں میں سماجی معادن سرمایہ خاص طور پر بڑھتے ہوئے ماحصل پیدا کرتا ہے۔ موٹے طور پر شہروں کو ملانے والی سڑکوں، ریلوں، اور بندرگاہوں کے لیے (مثال کے طور پر) زیادہ آبادی کے لیے اتنا ہی سرمایہ درکار ہوتا ہے جتنا کم آبادی کے لیے اور کوئی مقررہ آبادی مثالی

سطح سے کافی کم ہو سکتی ہے۔

تاہم اس بات کا امکان موجود ہے کہ باہر سے لوگوں کی آمد کے نتیجہ میں زیادہ سرمایہ خرچ کرنا پڑے۔ رہنے کے لیے مکانوں کی ضرورت خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اس میدان میں تقسیم کی دشواریاں جو نقل وحمل کے جال کا طرۂ امتیاز ہیں مفقود ہوتی ہیں اور رہائش کے انتظام کے ساتھ اسکولوں، شہری ذرائع آمد کے وقت جس میں سڑکیں بھی شامل ہیں، ہسپتالوں اور اسی طرح کے مقامی معاون سرمایہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ آج آسٹریلیا میں سرمایہ کاری کا ایک قابل لحاظ حصہ باہر سے آکر بسنے والوں کی ضروریات سے منسلک ہے۔

لمبے عرصہ کے نقطۂ نظر سے یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ اسرائیل اور مغربی جرمنی میں بڑے پیمانے پر باہر سے لوگوں کی آمد سے ان ملکوں کو کوئی نقصان پہنچا ہے اگرچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ شروع میں سماجی معاون سرمائے کے لحاظ سے یہ لوگ مثالی آبادی کے معیار سے کہیں زیادہ تھے۔ اس کا سبب مذکورہ نقل وحرکت کے فعال پہلو ہیں۔ اسرائیل نے ان تمام یہودی مہاجرین کو خوش آمدید کہا جو ان ملکوں کو جہاں ان کی اقلیت تھی چھوڑ کر اسرائیل آسکتے تھے اسرائیل کی اس آمادگی نے آنے والے مہاجرین کے اندر وفاداری اور لگن کا جذبہ پیدا کرنے میں بڑا کام کیا اور انھیں زیادہ گھنٹے کام کرنے نیز صرف کے کم معیار کو قبول کرنے پر آمادہ کیا یہ مظاہرہ ہیں جو بازار کے احاطہ میں نہیں آتے اور معاشی مختتم پیداداری صلاحیت کی زبان میں ان کی وضاحت کرنے میں دشواری محسوس کرتا ہے۔ جرمنی میں فعال اثرات کی بنیاد جزدی اور صرف جزدی طور پر قومی کوشش کے جذبہ کی بیداری تھی۔ بڑی حد تک اس نے کچھ عرصے اجرتوں پر دباؤ کے ذریعہ کام کیا اس سے منافعوں میں اضافہ ہوا۔ اس سے آجرین کو کام کرنے اور سرمایہ کاری کی ایسی مہم چلانے پر مجبور ہونا پڑا جس سے جرمن سرمایہ سرعت کے ساتھ دوبارہ تعمیر ہو گیا۔

لیکن آنے والے مہاجرین ہمیشہ ہی ملک میں رہنے والوں کے ہم مذہب یا ہم قوم نہیں ہوتے اور اگر ایسا ہوتا بھی ہے جیسا کہ جزیرہ نما سینائی اور اردن میں فلسطینی عرب مہاجرین کا کیس ہے تب بھی ضروری نہیں ہے کہ کوئی فعال نتیجہ برآمد ہی ہو۔ (ان مثالوں میں جن ملکوں میں لوگ آئے انھوں نے مہاجرین کی ان کوششوں کی حوصلہ شکنی کی جس سے ان کی معاشی حالت سدھر سکے کیونکہ اگر ایسا ہو جاتا تو اس سے یہ جواز نکالا جا سکتا تھا کہ ان لوگوں کو اسرائیل میں اپنے علاقو(ں) کو لوٹنے کا کوئی حق نہیں رہ جاتا)

1962 کے سمجھوتے کے بعد الجیریا سے فرانس میں یورپ کے لوگوں کی واپسی ہوئی۔ اس کا اثر اتنا اچھا ہوا جتنا مغربی جرمنی میں مشرقی جرمنی سے آنے والوں کی وجہ سے ہوا تھا اور نہ ہی ایسا جمود دیکھنے میں آیا جیسا اردن پر عرب مہاجرین کے آنے سے طاری ہوا صورت حال کچھ درمیانی رہی۔

سماجی معاون سرمایہ میں خارجی بچتوں اور فعال قوتوں کے علاوہ مہاجرین کی آمد کل پیداوار اور آمدنی کی تقسیم پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ لرنر نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ جہاں ماحصل گھٹتے ہوئے ہوں اور جہاں اس وجہ سے مختتم پیداوار اوسط پیداوار سے کم ہو وہاں یہ ممکن ہے کہ مہاجرین کی آمد کے بعد آمدنی کی (بازار) تقسیم کو موجودہ مزدوروں کو رشوت دینے کے لیے بدل دیا جائے تاکہ وہ باہر سے آنے والی محنت کو قبول کرلیں۔ مہاجرین کی آمد سے محنت کی مختتم پیداوار اور اس لیے اجرت کی شرحیں کم ہو جاتی ہیں اور زمین و سرمایہ جیسے عوامل کا لگان بڑھ جاتا ہے جن کی رسد میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔ بہرحال حکومت نئے مزدوروں کو ان کی مختتم پیداوار کے لحاظ سے اجرت دے سکتی ہے لیکن پرانے مزدوروں کی پرانی اجرت قائم رکھ سکتی ہے نئی اور پرانی مختتم لاگت کے فرق کو وہ بڑھے ہوئے لگان کے ایک حصہ سے پورا کرسکتی ہے۔ کیونکہ پرانے ملک کے مقابلہ میں نئے ملک میں مختتم پیداوار زیادہ ہوتی ہے اس لیے اس عمل سے ہر ایک مستفید ہوتا ہے۔

کسی حد تک ایسا — کم از کم تھوڑے عرصے میں — خودکار طور پر ہوتا ہے۔ مہاجرین ایک غیر مسابقانہ گروہ کی شکل میں ہوتے ہیں جو ایسے نیچ کاموں کو اپنا لیتا ہے جنھیں باقی لوگوں میں سے کوئی بھی نہیں کرنا چاہتا۔ اٹلی والے کھیتوں، ہوٹل، اور دیگر خدمتوں کے کام میں چلے جاتے ہیں کچھ بھاری صنعت میں لگ جاتے ہیں اور اس طرح وہ سوئس لوگوں کو اعلیٰ کاموں اور دفتروں میں منتقل ہونے کے لیے آزاد کردیتے ہیں، باہر سے لوگوں کی تلاش کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ بعض مخصوص کاموں کے لیے مقامی محنت دستیاب نہیں ہوتی اور یہ کام باہر سے سستی محنت مل جانے پر سودمند ہو سکتے ہیں۔ 1830 اور 1840 کی دہائیوں میں کپاس کی پیداکاری کو نفع بخش بنانے کے لیے درکار غلاموں کی وجہ سے کپاس کی کاشت والے علاقوں میں اجرتوں کی شرحیں نیچی رہیں۔ اسی طرح میکسیکو کے بھشتیوں اور پورٹیریکو سے کھیتوں میں کام کرنے والے مزدوروں کے آنے سے حاشیہ پر اجرت کی شرحیں کم ہو جاتی ہیں۔ مہاجرین کی آمد کو بند کرنے کے لیے اصرار کی

بنیادی وجہ سماجی تھی تاہم اس میں کچھ معاشی عنصر بھی موجود تھا۔ آخر الذکر کا سبب وہ نوساختہ طاقتور ٹریڈ یونینیں تھیں جو جنگ سے ابھری تھیں۔

یا پھر جیسا کہ جرمنی میں ہوا تھا جرمن کی ضرورت اجرتوں کو عام طور پر کم رکھنے کے لیے، ہو سکتی ہے کسی حد تک اس کی وجہ مزدوروں کے لیے کارخانوں کی انفرادی تلاش ہو سکتی ہے۔ انجام کار بعد میں سرکار غیر ممالک میں بھرتی کے لیے ایجنسیاں قائم کر دیتی ہے۔ یا یہ ایک سوچی سمجھی پالیسی کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ لاطینی امریکہ پر ایک مسلمہ مصنف کا یہ دعویٰ ہے کہ ان ملکوں میں باہر سے لوگوں کو لانے کی حمایت آجرین کے وہ گروہ کرتے ہیں جو اجرت کی شرحوں کو کم سطح پر بنائے رکھ کر منافع کی شرحوں کو قائم رکھنے کے لیے بے چین دکھائی دیتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے ٹریف کی پالیسی پر اپنی بحث کے دوران کہا تھا مجموعی نقطۂ نظر سے کوئی ایک پالیسی موزوں ہو سکتی ہے لیکن اس جگہ تقسیمی اسباب کی بنا پر کسی دیگر پالیسی کو اختیار کیا جاتا ہے جہاں اس سے مستفید ہونے والے عامل یا گروہ کے ہاتھ میں سیاسی طاقت ہو۔ تاہم اس امر کا امکان زیادہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ معاملے میں تقسیمی دلیل اور مجموعی کارکردگی کا استدلال ایک دوسرے پر چھائے ہوتے ہیں، جیسا کہ مثال کے طور پر 1840 کی دہائی میں مانچسٹر کے حریت پسندوں اور 1950 کی دہائی میں ڈیٹرائٹ کے صنعت کاروں کی طرف سے آزادانہ تجارت کی حمایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ اگرچہ ان میں سے بہت سے ملکوں جیسے برازیل اور وینیزویلا میں آبادی تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔ تاہم وہاں فی الحال وسائل کے مقابلہ میں آبادی کم ہے اور ان کے پاس سماجی سرمایہ کا ایک عمدہ جال پہلے ہی سے موجود ہے۔

معاشی اچھائیوں سے قطع نظر سماجی اسباب کی وجہ سے یہ تجویز نہایت علمی حیثیت کی حامل ہے طویل عرصے میں تہا جرین یہ چاہیں گے کہ انھیں قومی دھارے میں جذب کر لیا جائے اور ان کے خلاف اجرتوں میں کوئی امتیاز نہ برتا جائے۔ ان کی یہ خواہش کتنی جلد پوری ہو گی، اس کا انحصار سماجی اور ثقافتی حالات پر ہے جن میں ان کی جلد کی رنگت بھی شامل ہے۔ لیکن یہ دباؤ ایسا ہے جس کے سامنے بالآخر سپر ڈالنی ہی پڑے گی۔

ہجرت کی عالمی پالیسی۔

خالص معاشی نقطۂ نظر — جسے موجودہ بحث میں اختیار کرنا ہمارے لیے مناسب

نہ ہوگا ـــــــ ہجرت کے سلسلے میں دنیا کے لیے سب سے عمدہ پالیسی یہ ہوگی کہ ان ملکوں کے بیچ جہاں آبادی میں اضافہ کی شرح کچھ رکی ہوئی معلوم ہوتی ہے اجرتوں کی نابرابری کو دور کرنے کے لیے مزدوروں کی نقل و حرکت بالکل آزادانہ طور پر ہو اگر نقل و حرکت کی راہ میں کسی طرح کی سماجی یا سیاسی رکاوٹیں نہ ہوں تو ان میں سے جن ملکوں میں مہاجرین جائیں گے وہاں پر اجرتیں کم ہوں گی اور جن ممالک سے وہ جائیں گے وہاں اجرتوں میں اضافہ ہوگا۔ اگر زیادہ آبادی والے ملک میں ابھی مالتھسی انقلاب نہیں آیا ہے تو غیر محدود ہجرت صرف باہر اجرتوں کو گھٹا کر ہی ان میں مساوات پیدا کر سکتی ہے کیوں کہ باہر جانے سے فاضل آبادی کی کمی کو فطری اضافہ پورا کرتا رہے گا۔

شمالی امریکہ اور مغربی یورپ کے بعض ملکوں میں آبادی کے میدان میں مخالف انقلاب سے اس پوزیشن میں بنیادی طور پر کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ نئے انقلاب کے زیر اثر لوگ بڑے خاندان کے خواہش مند ہیں خواہ اس کا فی کس مادی آمدنی پر برا اثر ہی کیوں نہ پڑے۔ وجہ یہ ہے کہ اب بڑے خاندان کا از خود ایک اچھی بات سمجھا جاتا ہے۔ بڑھے ہوئے خاندان کو حقیقی آمدنی کا حصّہ سمجھنا چاہیے۔ 6000 ڈالر فی خاندان کی جامد آمدنی میں خاندان کے افراد چار سے چھ ہونے پر اضافہ ہو جاتا ہے اگر چہ فی کس آمدنی 1500 ڈالر سے گھٹ کر 1000 ڈالر رہ جاتی ہے۔

کسی ایسے ملک سے جہاں خاندانی منصوبہ بندی رائج ہو ایسے ملک کو جہاں اس کی حاجت نہیں ہے، ہجرت سے ایک مخصوص مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں لوگ کہیں زیادہ بڑے خاندانوں کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ 19 ویں صدی کے آخری نصف میں آئرلینڈ نے زیادہ عمر میں شادی کے ذریعہ آبادی میں اضافہ کی شرح کو کم کیا۔ آئرلینڈ سے ریاستہائے متحدہ جاکر بسنے والے کہیں تھوڑی عمر میں کمانے اور شادی کرنے کے قابل ہو جاتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ریاستہائے متحدہ میں پہنچنے والے مہاجرین کی شرح پیدائش اس سماج کی شرح کے مقابلہ میں جسے وہ پیچھے آئرلینڈ میں چھوڑ آئے تھے کہیں زیادہ ہوگی۔ غالباً یہ ایک مثال کہی جا سکتی ہے، جس میں مالتھسی انقلاب پائے تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

تکنیکی امداد:

کم ترقی یافتہ علاقوں کی معاشی نشوونما میں حالیہ دلچسپی (جس میں تکنیکی امداد پر خاص زور ہے) سے یہ تاثر ملتا ہے کہ ذاتی آمد و رفت کے ذریعہ ٹکنالوجی کا بین اقوامی پھیلاؤ کوئی نیا مظہر ہے۔

لیکن ایسا نہیں ہے۔ تیرھویں اور چودھویں صدیوں میں فلیمس نبکروں نے برطانوی اونی صنعت کو اپنے راز سکھائے، کچھ عرصے بعد ہی لیمبارڈ سوداگروں اور بنک کاروں نے لندن میں کرشل انقلاب کی رہنمائی کی۔ صنعتی انقلاب کے بعد برطانیہ کے انجینئروں نے براعظم کی ریلوں کو تعمیر کیا اور برطانیہ کے کپڑے اور فولاد کے مزدوروں نے اپنے ہنر کو فرانسیسی، جرمن اور اٹلی کی فیکٹریوں اور ملوں تک پہنچایا تقریباً 1830 تک برطانیہ میں مشینری برآمد کرنے کی قانونی اجازت نہیں تھی اس کی وجہ مسابقت کا خوف تھا لیکن ریاستہائے متحدہ میں آنے والے ماسٹر کاریگر اسے چوری چھپے لے آئے یا آنے کے بعد خاکوں کی مدد سے ضرور مشینوں کو بنالیا۔

یہ ایک یقینی امر ہے کہ آج کی تکنیکی صلاحیت کے بین الاقوامی پھیلاؤ کے دائرے اور نوعیت میں اور مثال کے طور پر ۱۹ ویں صدی کی صورت حال میں اختلافات موجود ہیں۔ بین الاقوامی تنظیمیں قومی حکومتیں اور بین اقوامی کمپنیاں تکنولوجی کی تشہیر اور توسیع کے نئے ادارے ہیں اور یہ ادارے ظاہر ہے یہ کام واحد کاریگر یا انجینئر یا مزدوروں کے محدود کالونی کے مقابلہ میں کہیں زیادہ خوش اسلوبی سے کام انجام دے سکتے ہیں۔ انجام کار دوسری عالمگیر جنگ کے بعد سے ہر سال بین الاقوامی سیاحت اور ماہر فن افراد اونچے پیشوں والے اور کاریگر دونوں کی غیر ملکی سکونت میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ ٹیکساس کے تیل کے کنوئیں کھودنے والے گروہ کہیں بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ موریس۔ ہڈسن، کرپ اور ایسی ہی تعمیرات کا کام کرنے والی کمپنیوں کی ٹیمیں افغانستان سے لے کر زنزی بار تک ملتی ہیں۔ اسکنڈینویا اور برطانوی ڈومینیوں کے ماہرین معاشیات ــــ ان ملکوں میں برآمد کے لیے ان کی بہتات ــــ ایشیا، لاطینی امریکہ، اور افریقہ میں مرکزی بنکوں، پلاننگ بورڈوں، اور خزانے کی وزارتوں کے صلاح کاروں کی حیثیت سے کام کرتے نظر آتے ہیں۔ ریاستہائے متحدہ کے امن دستے (Peace Corps) اور اس جیسی ہی مگر چھوٹی یورپی اور برطانوی تنظیمیں ایک مخصوص قسم کی تکنیکی امداد کا مظہر ہیں۔ ان میں کام کرنے والے بہت اعلیٰ تکنیکی صلاحیت کے تو نہیں ہوتے لیکن وہ جدید معاشی زندگی اور اس کو بہتر بنانے کے لیے انسان کی استعداد کے ادراک کو یقیناً وسیع تر کرتے ہیں۔

نقل و حرکت کی آزادی اور سماجی ہم آہنگی

آمدنی کے مقابلہ میں نقل و حمل کی لاگت میں کمی آنے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی آبادی کے

ایک دوسرے کے ساتھ ملنے کے امکانات میں روزافزوں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ فلموں، رسائل، ریڈیو اور ٹیلی ویژن (جس میں ٹیلی اسٹار کے ذریعہ براہ راست نمائش بھی شامل ہے) کے ذریعہ مختلف علاقوں کے لوگ سیاحت کے علاوہ بھی ایک دوسرے سے واقف ہوتے جارہے ہیں۔ لیکن باہر والے کی دلچسپی اور مقامی باشندے کی واقفیت میں نمایاں فرق ہوتا ہے وہ اس ماحول سے جو اس کے لیے کبھی اجنبی تھا مانوس ہوجاتا ہے۔ باہر والے کے لیے سماجی رکاوٹیں اور جھجک اس وقت ختم ہونے لگتی ہے جب سیّاح اتنی بار کسی جگہ آچکا ہوتا ہے کہ اسے اپنے چکروں کی تعداد بھی یاد نہیں رہتی۔ بعض پیشوں میں اب لوگوں نے یورپ اور ایشیا کے بیچ اپنے چکروں کو گننا بند کردیا ہے بالکل ایسے ہی جیسے کبھی وہ مشرقی اور مغربی ساحلوں کے بیچ اور اس سے پہلے واشنگٹن سے نیویارک یا لاس اینجلس یا سانفرانسسکو کو اپنے دوروں کو شمار نہیں کیا کرتے تھے۔

آج بھی زیادہ تر دنیا حرکت پذیری سے کوسوں دور ہے۔ اس کا ایک حصہ ابھی پہلے سفر کے مرحلے میں ہی ہے لیکن اب زیادہ دور دراز کے علاقوں میں جاکر پریشانی محسوس نہ کرنے والے لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ 1930 کی دہائی میں ہارورڈ بزنس اسکول کے گریجویٹ ریاستہائے متحدہ کے کسی علاقے — مشرق، جنوب، مغرب وسطیٰ، مغرب بعید — میں کام کرنے کو بڑی ترجیح دیتے تھے۔ 1950 کی دہائی کے گریجویٹ ریاستہائے متحدہ میں کسی بھی جگہ کام کرنے کو تیار رہتے تھے۔ آج کا گریجویٹ دنیا میں کسی بھی جگہ (امریکی کمپنی میں اور امریکی تنخواہ پر) کام کرنے کے لیے آمادہ ہے۔ آخری جملے میں قوسوں کے اندر وہ ہچکچاہٹ بیان کی گئی ہے جس کا ختم ہونا ابھی باقی ہے۔ موجودہ صدی کے اختتام تک یہ امر ناگزیر معلوم ہوتا ہے کہ قیمتوں کی مساوات تنخواہ سے متعلق جز کو ختم کردے گی اور سماجی ہم آہنگی کے سبب اپنے ہم وطنوں کے ساتھ کام کرنے کی ضد باقی نہ رہے گی۔

آج صریحاً رجحان اس سمت میں ہے کہ نقل و حرکت کی آزادی کی توسیع زیادہ سے زیادہ ملکوں کے سماجوں کے زیادہ سے زیادہ گروہوں اور طبقوں پر اتنے بڑے پیمانہ پر کی جائے کہ سماجی ربط اور ہم آہنگی رونما ہوں۔ حرکت پذیری ایسے ملکوں کے لیے مسائل پیدا کرتی ہے جن میں بہت سہولتیں ہیں اور جن کو یہ اندیشہ ہے یا وہ ایسا محسوس کرتے ہیں کہ وہ اپنے مخصوص ذہانت والے، اعلیٰ تربیت یافتہ اور محنتی افراد کو گنوا دیں گے۔ حب الوطنی (اور غیر ملکی زبانوں کو سیکھنے میں دشواریاں) بعض لوگوں کو ملک سے نہ جانے دے گی۔ مختلف پیشوں میں دلچسپی اور [illegible] غیر ممالک

ایسے ہی لوگوں کو ملک میں آنے کی ترغیب دیں گے۔ بہرحال اس امر میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ لوگوں کی نقل و حرکت بین الاقوامی معاشیت کا ایک اہم پہلو ہو جائے گا اور اس کی اہمیت بڑھتی جائے گی۔

خلاصہ :

بین الاقوامی سرحدوں کے آر پار محنت محدود مقدار میں حرکت کرتی ہے اور عام طور پر کچھ طے شدہ راستوں پر ہی چلتی ہے۔ کچھ نقل و حرکت روزانہ، موسمی، کمپنیوں اور سرکاری اداروں کے ذریعہ ہوتی ہے اور کچھ دائمی طور پر۔ ۱۹ ویں صدی میں ہجرت کا طرز عمل یورپ اور غیر ملکوں میں ادلتی بدلتی طویل (تجارتی) سائیکلوں سے لعب کا رجحان رکھتا تھا۔ برطانیہ، آئرلینڈ، جرمنی اور اسکنڈ نیویا سے چلنے والی ہجرت کی لہریں ابتدا میں ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہوئے بڑھیں اور پھر جیسے جیسے یورپ اور نوآبادیوں کے بیچ اجرتوں کا فرق کم ہوتا گیا یہ لہریں رک سی گئیں تاہم اٹلی اور مشرقی یورپ سے ہجرت "خود اضافی" طور پر اس وقت بڑھتی رہی جب تک جنگ اور مہاجری کوٹوں نے اس کو نہ روکا۔ پیدائش کی شرحیں اونچی رہیں اور کوئی ایسی مقامی صنعت موجود نہیں تھی جو فاضل دیہی آبادی کو کھپا سکتی نقل و حرکت نے زیادہ تر بحیرۂ روم کے ملکوں سے) سوئٹزرلینڈ بلجیم، فرانس، اور فرانس، اور جرمنی کی جانب بڑے پیمانے پر ہونے والی یورپین محنت کا ایک یورپین بازار پیدا کر دیا، اسکنڈ نیویا، برطانیہ اور نیدرلینڈ کا مشترک بازار بڑی حد تک اس نقل و حرکت سے الگ تھلگ رہا۔

کسی ملک کو لوگوں کے وہاں سے باہر جانے سے ان کی وطن بھیجی گئی رقوم، باہر پیداوار میں توسیع کے سبب شرائط تجارت میں بہتری اور ڈھانچائی بیروزگاری میں کمی ہونے سے فائدہ پہنچتا ہے۔ بہرحال ایک لحاظ سے صحت مند مزدوروں کی پرداخت اور تعلیم میں سرمایہ لگتا ہے اور یہ بات واضح نہیں ہے کہ کیا ضرورت سے زیادہ آبادی والے ملکوں کو سرمایہ برآمد کرنا چاہیے۔ زیادہ تر سماج کے جفاکش اور محنتی افراد ہی زیادہ تر ہجرت پر مائل ہوتے ہیں۔ کسی ملک میں باہر سے مہاجرین کا آنا اسی صورت میں مستحسن خیال کیا جاتا ہے جب ان کے مقامی سماج میں ضم ہونے میں کوئی سنگین دشواری نہ ہو اور ملک کی آبادی ضرورت سے کم ہو۔ اس کے علاوہ ڈھانچائی اور تعلیمی اسباب کی بنا پر مہاجرین کو قبول کیا جا سکتا ہے۔ تاہم دیگر حالات میں مہاجرین کی آمد کے

فعال اثرات مرتب ہو سکتے ہیں اور جو غیر موافق معاشی اثرات کا کہیں زیادہ تدارک کر دیتے ہیں ۔

تکنیکی امداد کسی حد تک تعلیم کے ذریعہ دی جا سکتی ہے لیکن اس کا سب سے زیادہ کارگر ذریعہ لوگوں کی بین الاقوامی نقل و حرکت ہے۔ حرکت پذیری میں اضافہ کی وجہ سے دور دور کے لوگ زیادہ سے زیادہ تعداد میں سماجی اور معاشی بنیادوں پر آپس میں مل جل رہے ہیں ۔

مطالعہ کے لیے تجاویز :

درسی کتب

S. Enke and V. Salera, International Economics (3rd ed. Englewood Cliffs, N.J. Prentice Hall, Inc., 1957, Chap xvi; Kemp Chap. ix.

تحقیقی رسائل

Brinley Thomas کی کتاب Migration and Economic Growth (Cambridge University Press 1954) میں اٹلانٹک ہجرت کے تجربہ کا مطالعہ کیا گیا ہے اور اس میں بڑی تفصیلی کتابوں کی فہرست دی ہوئی ہے۔ یورپ میں ہجرت اور بین الاقوامی محنت بازار کی تشکیل پر دیکھیں، C.P. Kindleberger, Europe's Postwar Growth; The role of Labour Supply (Cambridge; Mass; Harvard University Press 1967). خاص طور پر دیکھیں باب 9 اور 10 ۔

H. Jerome, Migration and Business Cycle (New York; National Bureau of Economic Research 1926) میں اس امر کا جائزہ لیا گیا ہے یا ہر اس معاملہ میں مندی کی ضرب زیادہ اہم ہے یا خوش حالی (تیزی) کی کشش۔ Meade کی Trade and Welfare کے باب xxx میں عوامل کی نقل و حرکت کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

نکات

A. Scott, اور H. Grubel ذہنی خسارہ (Brain Drain) پر سلسلہ وار دلچسپ مضامین لکھے ہیں۔ دیکھیں AER, May 1966; JPE August 1966, and AER March 1967.

Studies in the Economic of Education کی کتاب Bruce Wilkinson (Ottawa, Department of Labour Dominion of Canada July 1965) "Human Capital Values of Canadian Immigration and Emigration. میں پر ایک باب موجود ہے۔

حصّہ چہارم

تطبیق کا عمل

باب 15
تطبیق کا نظام قیمت

اب ہم معاشیات خورد کی دنیا سے نکل کر اور اس بحث کو چھوڑ کر کہ کن اشیاء کو برآمد کیا جاتا ہے اور کن اشیاء کو درآمد نیز کن شرائط پر تجارت پر معاشیات کلاں کی دنیا میں قدم رکھتے ہیں اور خاص طور پر ادائیگیوں کے میزان کے عمل تطبیق کے میدان میں۔ ہم نے یہ فاصلہ ایک چھلانگ میں طے نہیں کیا جیسا کہ اس باب کے عنوان سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس میں لفظ "قیمت" سے یہ تاثر مل سکتا ہے کہ ہم ابھی معاشیات خورد میں ہی ہیں۔ تاہم جس قیمت میں ہم اب دلچسپی رکھتے ہیں اس کا اطلاق پوری معیشت پر ہوتا ہے۔ یہ یا تو کسی ملک کے زر کی قیمت ہے یعنی غیر ملکی تبادلہ کی شرح یا اگر یہ شرح جامد ہے تو ہماری مراد قیمت سطح سے ہے۔ لیکن یہ دونوں مفہوم ایک ساتھ نہیں اپنائے جا سکتے۔ اگر تمام قیمتوں کو دگنا اور شرح مبادلہ کو آدھا کر دیا جائے تو فی الحقیقت کوئی بھی تبدیلی ظہور میں نہیں آتی بحث کے زیادہ تر حصے میں ہم یہ جان کر چلیں گے کہ قیمتیں تبدیل نہیں ہوتیں اور شرح مبادلہ ہی بدلتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم قابل تغیر نظام شرح کی بات کر رہے ہیں۔ لیکن صورت حال اس کے برعکس ہو سکتی ہے یعنی شرح مبادلہ غیر متغیر رہے اور قیمت کی سطحیں بدلتی رہیں۔ طلائی معیار اور جامد شرح مبادلہ کے معیار میں ایسی ہی صورت حال کا موجود ہونا تصور کیا جاتا ہے۔ فی الواقع بین الاقوامی زری نظام کیا ہے، اس بحث کو کتاب کے آخری حصہ تک رکھا جائے گا۔ یہاں ہماری تمام تر توجہ کا مرکز طریقہ کار اور ذہنی اوزار ہیں۔

جیسا کہ گذشتہ پیرے سے معلوم ہوتا ہے، ہم بحث کا آغاز جزوی توازن کے خطوط پر کریں گے۔ اس باب میں ہم نظام قیمت کا جائزہ یہ مان کر لیں گے گویا آمدنیاں جوں کی توں رہتی ہیں۔ اگلے باب میں ہم اس صورت حال پر بحث کریں گے جس میں آمدنی میں تبدیلی ہو مگر قیمتوں کو غیر متغیر تصور کیا جائے۔ باب 17 میں ہم اس صورت حال کے بارے میں جو کچھ تھوڑا بہت کہا جا سکتا ہے کہیں گے جس میں قیمت اور آمدنی دونوں کی تبدیلی پر کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اور حصہ چہارم کے

آخری باب میں ہم عمل تطبیق کی تشریح ایک خاص طرح کی تبدیلی یعنی ایک سے دوسرے ملک کو سرمائے کے انتقال کی روشنی میں کریں گے یہاں ہمارا کام یہ واضح کرنا ہوگا کہ اشیاء اور خدمات کا حقیقی انتقال کس طرح زری انتقال کی جگہ لے لیتا ہے۔ اس عمل سے ادائیگیوں کا میزان (برآمدات نفی درآمدات) بدل جاتا ہے قرض دینے والے ملک کی برآمدات اور قرض لینے والے ملک کی درآمدات فاضل ہو جاتی ہیں۔

متغیر شرح مبادلہ :

جب کسی دی ہوئی قیمت پر مانگ رسد سے زیادہ ہوتی ہے تو توازن کو مانگ یا رسد یا دونوں میں تھوڑی تھوڑی تبدیلی کے ذریعہ یا قیمت کو بدل کر بحال کیا جا سکتا ہے۔ بین الاقوامی تجارت میں جب کسی کرنسی کی مانگ کی کسی شرح مبادلہ پر اس کی رسد سے مختلف ہوتی ہے تو بازار کو صاف کرنے کا ایک طریقہ یہ ہوتا ہے کہ شرح مبادلہ کو بدل دیا جائے تھوڑے عرصے میں نئی شرح پر مانگ رسد کی برابر ہو جاتی ہے۔

لیکن شرح مبادلہ میں تبدیلی کے اثرات زیادہ ہوتے ہیں۔ اس سے جن اشیاء کی بین الاقوامی تجارت ہوتی ہے یعنی برآمد اور درآمد کی جانے والی اشیاء اور گھریلو اشیا جو درآمدات کی نزدیکی حریف ہیں) اور بین الاقوامی تجارت میں شامل نہ ہونے والی گھریلو اشیاء کی قیمتوں کا باہمی تعلق بدل جاتا ہے ...... بین الاقوامی تجارت میں شامل اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہونے سے برآمدات اور درآمد سے مقابلہ کرنے والی چیزوں کی پیداوار بڑھے گی کیونکہ یہ اب زیادہ نفع بخش ہو جائیں گی نیز درآمدات پر خرچ کم کر دیا جائے گا۔ گھریلو اشیا کے مقابلہ میں بین الاقوامی تجارت والی چیزوں کی قیمت کم ہونے پر نتیجہ اس کے برعکس ہوگا درآمدات بڑھیں گی اور برآمدات کم ہو جائیں گی۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ عالمی قیمتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے تو کسی کرنسی کی غیر ملکی قیمت گرنے پر بین الاقوامی تجارت کی اشیاء کی مقامی قیمت میں اضافہ ہو جائے گا۔ ان لیجیے کہ سوتی کپڑے اور گیہوں کی عالمی قیمت کی نمائندگی ان کی نیویارک میں وصول کی جانے والی قیمتیں کرتی ہیں اور بالترتیب 30 سنٹ فی گز اور 2 ڈالر فی بوشل ہیں۔ نقل وحمل کی لاگتوں کو نظر انداز کر دیجیے اب اسٹرلنگ کی شرح 4 ڈالر فی پونڈ ہونے کی صورت میں ان اشیا کی لندن میں قیمت کپڑے کے لیے 15.6 d فی گز اور گیہوں کے لیے 10.5 فی بوشل ہوگی اگر غیر ملکی

مبادلہ بازار میں پونڈ اسٹرلنگ کی قیمت بدل جائے اور عالمی قیمتوں میں تبدیلی نہ ہو تو ان اشیاء کی اسٹرلنگ قیمت متاثر ہوگی۔ پونڈ کی قیمت گھٹ کر 2.40 $ رہ جانے پر سوتی کپڑے کی قیمت بڑھ کر 2S.6d اور گیہوں کی 16S.8d فی بوشل ہو جائے گی۔ سوتی کپڑا تیار کرنے والے اپنی پیداوار میں اضافہ کرنے اور اسے باہر بھیجنے کی طرف مائل ہوں گے جس سے برآمدات میں اضافہ ہوگا۔ کاشتکار اونچی قیمت کی وجہ سے زیادہ گیہوں اگائیں گے جس کی وجہ سے آٹا ملوں کو درآمدات گھٹانے کا موقع ملے گا۔

اس کے برعکس پونڈ کی شرح 4 $ سے بڑھ کر 5 $ ہو جانے پر کپڑے اور گیہوں کی قیمتیں گھٹ کر بالترتیب 12d اور 8S رہ جائیں گی جس سے برآمدات کی حوصلہ شکنی اور درآمدات کی حوصلہ افزائی ہوگی۔

اگر ہم مفروضے کو ترک بھی کر دیں کہ عالمی قیمتیں غیر متغیر رہتی ہیں تب بھی شرح مبادلہ گرنے کا اولین اثر یہ ہوگا کہ برآمدات بڑھیں گی اور درآمدات کی حوصلہ شکنی ہوگی۔ شرح مبادلہ میں اضافہ ہونے پر اثر اس کا الٹا ہوگا۔ مان لیجیے کہ اسٹرلنگ کی قیمت کم ہو کر 4 $ سے 2.40 $ رہ جاتی ہے لیکن سوتی کپڑے اور گیہوں کی قیمتیں بڑھ کر بالترتیب 2S.6d اور 16S ہو جانے کی بجائے نیویارک میں عالمی قیمتیں گھٹ کر 18 سنٹ اور 1.20 $ رہ جاتی ہیں تو سوتی کپڑے کی قیمت اب بھی 1S.6d اور گیہوں کی 10S رہے گی۔ قیمت میں تبدیلی نہ ہونے کی وجہ سے برطانیہ میں غیر ملکی تجارت میں رد و بدل کی کوئی کوشش نہ ہوگی لیکن باقی دنیا میں ایسا ہوگا۔ کم شدہ قیمت پر برطانیہ کو بھیجنے کے لیے گیہوں پیدا کرنے میں نفع کم رہ جائے گا پس برطانوی درآمدات کم ہوں گی اور کیونکہ اب انگلینڈ سے درآمد کی جانے والی اشیاء پہلے سے سستی ہو گئی ہیں اس لیے برطانوی برآمدات میں اضافہ ہوگا۔

شرح مبادلہ میں ہونے والی تبدیلی دونوں ملکوں میں بین الاقوامی تجارت والی اشیاء کی قیمتوں کے بیچ تعلق کو بدل دیتی ہے۔ ایک انتہائی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ قیمت میں تمام تر تبدیلی کسی ایک ہی ملک میں ہو اور دوسرے میں قیمت قطعی غیر متاثر رہے۔ عام کیس میں جہاں صرف دو ملک ہوں قیمتیں تھوڑی بہت دونوں میں ہی بدلیں گی اور بین الاقوامی تجارت والی اور مقامی اشیاء کا باہم تعلق دونوں ملکوں میں بدلے گا۔

اس کے علاوہ آمدنی کی وساطت سے کارفرما ثانوی اثرات بھی ہوں گے خواہ وہ صرف

ان تبدیلیوں تک ہی کیوں نہ رہیں جو غیر ملکی تجارت پر اولین اثرات کے نتیجہ میں رونما ہوتی ہیں۔ یہ ثانوی اثرات مخالف سمت میں کام کریں گے یعنی شرح مبادلہ میں ہونے والی تبدیلی کے اثرات کے برعکس ہوں گے۔ مثال کے طور پر شرح مبادلہ گرنے پر برآمدات میں اضافہ ہوگا اور درآمدات گھٹیں گی۔ لیکن برآمدات میں اضافے اور درآمدات میں کمی دونوں سے ہی قومی آمدنی میں اضافہ ہوگا اور اس کے سبب برآمدات گھٹنے اور درآمدات بڑھنے کا رجحان پائیں گی۔ ان ثانوی اثرات کو زرئی یا تحصیلی نظام کی کارروائی کے ذریعہ دور کیا جا سکتا ہے یا پالیسی سے متعلق فیصلے اور غلط کارروائی انہیں بڑھا سکتی ہے پس مبادلہ کی شرحوں کے ذریعہ حاصل کی جانے والی تطبیق کی کہانی میں قیمت واحد کردار ادا نہیں کرتی۔ تاہم ابتدائی ضرب اس پر پڑتی ہے۔

شرح مبادلہ میں تبدیلیوں سے شروع ہونے والے آمدنی کے اتار چڑھاؤ کی پیچیدگیوں کو باب 17 کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس مرحلے پہ ہمارا مقصد یہ دیکھنا ہے کہ شرح مبادلہ میں ہونے والی تبدیلیوں سے برآمدات و درآمدات کس حد تک متاثر ہوتی ہیں۔ اس کے لیے غیر ملکی تجارت میں مانگ اور رسد کی لچکوں پر بحث کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

فاضل مانگ اور رسد کے قوس :

اگر گھریلو رسد کی جدول تھوڑی بہت بھی لچکیلی ہوتی ہے تو کل پیداوار کی مانگ کی لچک کے مقابلہ میں درآمدات کی مانگ کی لچک نسبتاً زیادہ ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر برآمد کی جانے والی چیز کو مقامی طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور مقامی مانگ کے قوس کی لچک صفر سے زیادہ ہوتی ہے تو کل رسد (مقامی برآمد کی جانے والی) کے قوس کی لچک کے مقابلے میں برآمدات کی رسد زیادہ لچکیلی ہوتی ہے۔ ان اصولوں کی تشریح کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ مقامی مانگ اور رسد قوسوں کو یکجا کر کے فاضل مانگ یا فاضل رسد کو ظاہر کرنے والا ایک واحد قوس وضع کیا جائے۔ یہ آخری فاضل مانگ یا فاضل رسد قوس ہی بین الاقوامی تجارت میں عمل پیرا جدول کے مترادف ہوتا ہے۔

شکل 15.1 a میں کسی دی ہوئی چیز کی مانگ اور رسد کے مقامی قوسوں کو دکھایا گیا ہے۔ مان لیجیے یہ چیز گیہوں ہے اور مانگ اور رسد کو زر کی قیمتوں میں پیش کیا گیا ہے۔ بین الاقوامی تجارت کی عدم موجودگی میں بازاری توازن P نقطہ پر ہوگا۔ اس سے زیادہ قیمت پر رسد مانگ سے زیادہ ہوگی اور کم قیمت پر مانگ رسد سے زیادہ۔ فاضل رسد اور فاضل مانگ کی ان مقداروں کو جنہیں OP

قیمت سے اوپر رسد قوس سے مانگ قوس کو اور اس قیمت سے نیچے رسد قوس کو مانگ قوس سے گھٹا کر اخذ کیا گیا ہے، شکل 15.1 b جیسے دوسرے خاکے کے ذریعہ دکھایا جا سکتا ہے۔ یہ ایسا قوس ہے جو فاضل مانگ کو ظاہر کرتا ہے۔ OP قیمت سے اوپر فاضل مانگ منفی ہے (یا فاضل رسد ہے) یہ امر قابل توجہ ہے کہ مقامی مانگ قوس کے مقابلہ میں فاضل مانگ کے قوس کی لچک زیادہ ہے۔ اگر مقامی پیداوار کا وجود نہ ہوتا یا اس کی لچک صفر ہوتی یعنی اس کی ایک مقررہ مقدار ہوتی تو دونوں قوسوں کا ڈھال بالکل ایک جیسا ہی ہوتا۔ اگر مقامی مانگ کی لچک غیر محدود ہوتی تو ایک ہی قیمت پر فاضل مانگ کا قوس بھی لامحدود لچک کا حامل ہوتا۔

برآمد کرنے والے ملک کی پوزیشن 15.1 c میں دکھائی گئی ہے اور درآمد کرنے والے ملک کو دستیاب فاضل رسد کی شکل 15.1 a میں اخذ کی گئی ہے۔ دیکھیے اسے درآمد کرنے والے ملک کی کرنسی میں دکھایا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں قوسوں کو ایک ہی خاکے میں رکھا جا سکتا ہے اور کسی منفرد چیز کے بین الاقوامی بازار کے توازن کو درآمد کرنے والے ملک کی کرنسی کے لحاظ سے دکھانے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ کام شکل 15.1 e میں کیا گیا ہے۔ ہم عام مانگ اور رسد (کے قوسوں) کے اندر اس سادہ ترمیم والے جزوی توازن کے خاکے کو شرح مبادلہ میں گراوٹ کا مطالعہ کرنے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔

شرح مبادلہ میں گراوٹ :

ان خاکوں میں سے ایک ملک میں فاضل مانگ اور دوسرے میں فاضل رسد دکھانے والے دو خاکوں کو لیجیے۔ یہ واضح کرنے کے لیے کہ کسی غیر ملکی شرح مبادلہ بدلنے کی صورت میں کیا ہوتا ہے۔ اور اس کے لیے رسد اور مانگ کی لچکوں کی کیا اہمیت ہے۔ مجھے اس بیان میں ترمیم کرنے دیجیے۔ ہمیں ایسے دو نہیں بلکہ چار خاکوں کی ضرورت ہے۔ دو خاکے مقامی کرنسی میں مانگ اور رسد کو بیان کرنے کے لیے درکار ہیں اور دو ان قوسوں کو غیر ملکی زر مبادلہ میں بدلنے کے لیے۔ مقامی کرنسی اور غیر ملکی زر مبادلہ میں امتیاز کو واضح رکھنا اہم ہے بہرحال یہاں ہم تشریحی مقاصد کی خاطر دونوں کا استعمال کریں گے۔

پہلے ہم کسی ایک ملک کی غیر ملکی شرح مبادلہ کو لیتے ہیں تاکہ اس میں گراوٹ آنے سے قبل کے مانگ اور رسد قوس مقامی کرنسی اور غیر ملکی زر مبادلہ میں ایک ہی رہیں۔ اشکال 15.2 a (شرح مبادلہ میں) گراوٹ آنے والے ملک کے برآمداتی قوسوں کو مقامی کرنسی اور غیر ملکی زر مبادلہ

میں بالترتیب پیش کرتی ہیں۔ اگر ہم برآمد کی جانے والی صرف ایک ہی چیز کا تصور کریں تو متوازی محور اس چیز کے حجم (مقدار) کو ناپتا ہے۔ یا یہ تمام برآمدات کو اس طرح ناپ سکتا ہے کہ الگ الگ چیزوں کی اکائیاں زر کی مساوی مقدار کو ظاہر کریں۔ (10 سنترے، $\frac{1}{2}$ بوشل گیہوں، رمیلر کا $\frac{1}{2000}$) اور اس کے لیے ان کی موجودہ قیمتوں کو استعمال کیا جائے۔

شرح مبادلہ میں کسی تبدیلی کا کیا اثر مرتب ہوتا ہے جو فی الحال ہم اپنی توجہ صرف مقامی کرنسی کے خاکوں پر مرکوز کرتے ہیں۔ شرح میں گراوٹ کا اثر مثلاً برآمدات پر یہ ہوگا کہ طلب قوس اوپر کی جانب کھسک جائے گا۔ زر مبادلہ میں اس کا مقام تبدیل نہیں ہوگا۔ غیر ملکی کرنسی کی ہر ایک اکائی کے بدلے میں مقامی کرنسی کی زیادہ اکائیاں ملتی ہیں اس لیے شرح میں گراوٹ سے غیر ملکی طلب قوس اوپر کی جانب چلا جاتا ہے۔ شرح میں اضافہ ہونے سے یہ نیچے آجائے گا۔ یہ تبدیلی مقام متوازن نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ ایک یکساں فی صد ہے شکل 5.2 a میں نقطہ دار طلب قوس شرح میں 20 فی صد کی گراوٹ کے بعد برآمدات کے لیے نئے مانگ قوس کو ظاہر کرتا ہے۔

برآمدات کے مقامی کرنسی کے لحاظ سے مانگ قوس کا اوپر جانا مقامی کرنسی میں برآمدات کی مالیت بڑھا دیتا ہے۔ بلا شبہ برآمدات کی مالیت مقدار اور قیمت کو باہم ضرب دینے (PQ) سے حاصل ہوتی ہے اور ان کے حاصل ضرب سے بننے والے مستطیل کا رقبہ اسے ظاہر کرتا ہے شرح مبادلہ گر جانے پر برآمدات کی مالیت مقامی کرنسی میں کم نہیں ہو سکتیں۔ بدترین صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اگر مانگ قوس ایک دم غیر لچکیلا ہو یعنی عمودی۔ اوپر اور نیچے ہو اور نتیجۃً اس کے اوپر کی جانب کھسکنے کا تصور نہ کیا جا سکے ایسی حالت میں بھی مقامی کرنسی میں برآمدات کی مالیت نہ بدلے گی۔

اس کے برعکس شرح میں گراوٹ سے مقامی کرنسی میں درآمدات کی مالیت ممکن ہے نہ بدلے یا کم و بیش ہو جائے۔ شرح میں گراوٹ سے رسد قوس اوپر کی جانب کھسک جاتا ہے جب کہ غیر ملکی زر میں یہ جامد و قائم رہتا ہے۔ یہ صورت شکل 5.2 c میں دکھائی گئی ہے۔ درآمدات کی مالیت بڑھے گی، کم ہوگی، یا جوں کی توں رہے گی اس کا انحصار درآمدات کی مانگ کی لچک پر ہے اگر یہ لچک اکائی ہے تو درآمدات کی مالیت میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ اگر یہ اکائی سے کم ہے تو مالیت بڑھ جائے گی اور اگر اکائی سے زیادہ ہے تو مالیت گھٹ جائے گی۔

مارشل، لرنر شرط:

ان روابط کے نتیجہ میں مارشل۔ لیرنر شرط کا ارتقا ہوا۔ حقیقتاً اسے یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ شرح مبادلہ میں گراوٹ سے کسی ملک کے میزان ادائیگی میں بہتری پیدا ہوگی اور شرح میں اضافہ اسے خراب کرے گا، شرط یہ ہے کہ اس ملک کی برآمدات کی مانگ کی لچکوں کا مجموعہ اور درآمدات کی مانگ کی لچکوں کا مجموعہ دونوں ایک سے زیادہ ہوں۔ پہلے وہ کیس لیجیے جس میں برآمدات کی مانگ کی لچک صفر ہو۔ مقامی کرنسی میں برآمدات کی مالیت پہلے سے کم نہ ہوگی۔ اگر لچکوں کا جوڑ اکائی سے زیادہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہونا چاہیے کہ درآمدات کے لیے مانگ کی لچک اکائی سے زیادہ ہے اور اس لیے درآمد کی مالیت کم ہو جائے گی۔ برآمد کی مالیت میں کوئی کمی نہ آنے اور درآمدات کی مالیت گھٹ جانے کے سبب میزان ادائیگی بہتر ہو جائے گا۔ دوسرے سرے پر اگر درآمد کے لیے مانگ کی لچک صفر ہے تو درآمدات کی مالیت میں (مقامی کرنسی میں) اتنا ہی فی صد اضافہ ہو جائے گا جتنا (فی صد) شرح مبادلہ گری ہے، تاہم اگر برآمدات کے لیے مانگ کی لچک اکائی سے زیادہ —— اگر مانگ کی لچکوں کا جوڑ اکائی سے زیادہ ہوتا ہے تو ایسا ہی ہوگا —— تو برآمدات کی مالیت میں شرح میں گراوٹ کی فی صد سے زیادہ (فی صد) اضافہ ہوگا اور ادائیگیوں کا میزان پہلے سے بہتر ہو جائے گا۔

اگر مانگ کی ہر ایک لچک جداگانہ طور پر اکائی سے کم ہو لیکن ان کا جوڑ ایک سے زیادہ ہو تو مقامی کرنسی میں دیے گئے میزان ادائیگی میں بہتری کی صورت پیدا ہو جائے گی کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مقامی کرنسی میں درآمدات کی نسبت برآمدات کی مالیت میں زیادہ اضافہ ہوگا۔ اگر حساب غیر ملکی زر میں لگایا جائے تب بھی برآمدات اور درآمدات کی مالیت میں اسی تعلق کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہاں جیسا کہ شکل 15.2 b میں دکھایا گیا ہے، شرح کی گراوٹ سے برآمدات کے لیے مانگ قوس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ کیونکہ زر مبادلہ میں یہ جامد اور قائم ہوتا ہے۔ لیکن رسد قوس نیچے کی جانب اتر آتا ہے۔ غیر ملکی کرنسی میں دی گئی درآمدات کی مالیت کی صورت میں "مقامی کرنسی" کی غیر ملکی شرح گرنے پر (زر مبادلہ کی قیمت بڑھنے پر) مانگ قوس نیچے کی جانب کھسک آتا ہے۔

مارشل۔ لرنر شرط کارگر رہتی ہے۔ شرح میں گراوٹ آنے سے غیر ملکی کرنسی میں برآمدات

کی مالیت غیر ملکی مانگ توس کی لچک اکائی سے کم، ایک کی برابر، یا اکائی سے زیادہ ہونے کے لحاظ سے کم، غیر متغیر یا زیادہ ہو سکتی ہے۔ سرے پر جہاں اس کی لچک صفر ہو برآمدات کی (غیر ملکی کرنسی میں) مالیت شرح میں گراوٹ کی فی صد کے برابر کم ہو جائے گی۔ تاہم ایسی صورت میں بھی میزان ادائگی بہتر ہو جائے گی شرط یہ ہے کہ لچکوں کا جوڑ اکائی سے زیادہ ہو کیونکہ اب درآمدات کے لیے مانگ کی لچک کا اکائی سے زیادہ ہونا ناگزیر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ درآمدات کی مالیت شرح میں جتنی فی صد گراوٹ آئی ہے اس فی صد سے زیادہ کم ہو جائے گی۔ شرح میں گراوٹ سے غیر ملکی کرنسی میں درآمدات کی مالیت یا تو کم ہو سکتی ہے یا اتنی ہی رہ سکتی ہے اس میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔ درآمدات کی مانگ کے لیے لچک صفر ہونے پر غیر ملکی کرنسی میں درآمدات کی مالیت غیر متاثر رہے گی لیکن اگر برآمدات کے لیے مانگ کی لچک اکائی سے زیادہ ہے تو غیر ملکی کرنسی میں برآمدات کی مالیت میں اضافہ ہو جائے گا اور میزان ادائگی بہتر ہو جائے گا۔

مارشل۔ لرنر شرط جسے ضمیمہ ف میں الجبرے سے اخذ کیا گیا ہے، موٹے طور پر صحیح ہے، بس شرط یہ ہے کہ رسد کی لچکیں نسبتاً زیادہ ہوں اور ابتداءً میزان ادائگی بحالت توازن ہو لیکن ہو سکتا ہے کہ رسد کی لچکیں نسبتاً کم ہوں جیسا کہ مثال کے طور پر 1949 میں پونڈ اسٹرلنگ کی غیر ملکی قیمت میں سرکاری کمی کے وقت برطانیہ میں اسکاچ وہسکی کا کیس تھا یا کامل روزگار کی صورت میں جس کے ہونے کا امکان ہے۔ ایسی صورت میں میزان ادائگی بہتر بنانے کے لیے مارشل لرنر شرط کافی ہے ضروری نہیں۔ رسد کی لچک کم ہونے پر غیر ملکی کرنسی میں برآمدات کی قیمت اس درجہ کم نہیں ہو گی اور نہ ہی مانگ کی لچک کم ہونے پر زرمبادلہ کی آمدنی اس قدر گھٹے گی جتنا اس وقت کم ہوتی جب رسد لامحدود طور پر لچکیلی ہوتی شکل 15.3 میں نقاط a اور b کا مقابلہ کیجیے۔ کیونکہ a اور b کے درمیان مانگ توس کا ڈھال اکائی سے کم لچکیلا ہے b پر نسبتاً اونچی قیمت حجم میں کمی کا کافی سے زیادہ ازالہ کر دیتی ہے۔ پس مانگ کی لچکوں کا جوڑ ایک سے کم ہو سکتا ہے (لیکن زیادہ کم نہیں) اور اس کے باوجود میزان ادائگی کو رسد کی لچک کم ہونے کی صورت میں بھی بہتر بنا سکتا ہے۔

اس شرط پر اصرار کا راز کہ آغاز میں تجارت زیادہ غیر متوازن نہ ہو فیصدیوں کی خصوصیات میں مضمر ہے۔ اگر لچکوں کا جوڑ ایک سے زیادہ ہے تو برآمدات میں فیصد اضافہ درآمدات میں فیصد اضافے سے ہمیشہ زیادہ ہو گا۔ یا زرمبادلہ میں فیصد کمی نسبتاً کم ہو گی لیکن اگر برآمدات کے

مقابلہ میں درآمدات بہت زیادہ ہیں تو مقامی کرنسی میں درآمدات کی مالیت میں مطلق اضافہ نسبتاً زیادہ ہوسکتا ہے یا غیر ملکی کرنسی میں درآمدات کی مالیت میں مطلق کمی نسبتاً کم۔ حسابی میزان ادائیگی میں اس خرابی ($P_x Q_x - P_m Q_m$) کے ساتھ ہی جیومیٹرائی میزان میں بہتری پیدا ہوجاتی ہے ($\frac{P_x Q_x}{P_m Q_m}$)

مارشل۔ لرنر شرط لچکوں کے جوڑ میں اکائی کی اہم اہمیت پر زور دیتی ہے۔ لیکن شرح مبادلہ میں گراوٹ سے میزانِ ادائیگی قابل لحاظ سدھار کے لیے یہ جوڑ صریحاً کہیں زیادہ چار، یا پانچ یا چھ کے قریب ہونا چاہیے، لچکیں جتنی کم ہوں گی میزان ادائیگی میں کسی مطلوبہ تبدیلی کے لیے قیمت میں اتنی ہی زیادہ تبدیلی کرنے کی ضرورت پڑے گی، اس کے برعکس لچکیں جتنی زیادہ ہوں گی میزانِ ادائیگی میں کسی مجوزہ تبدیلی کے لیے قیمت کو اس قدر کم بدلنے کی حاجت ہوگی یا قیمت میں کسی دی ہوئی تبدیلی سے میزان ادائیگی اتنا ہی زیادہ متاثر ہوگا۔

مارشلی جیومیٹری :

ہم نے اس باب کے آغاز میں کہا تھا کہ معاشیاتِ خورد سے معاشیات کلاں کے درمیان کا عبوری راستہ اتنا یک لخت طے نہیں کیا گیا ہے جتنا کہ معلوم ہوتا ہے۔ زرمبادلہ کے بازار کے لیے اس امر کی وضاحت ہم اس جیومیٹری کی مدد سے جس کا استعمال مارشل نے پیش کش قوسوں کے لیے کیا تھا اشیاً کی قیمتوں اور زرمبادلہ کی اکائیوں کو حذف کرکے کرسکتے ہیں۔ اس مشق سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ بین الاقوامی تجارت میں استحکام کی شرائط وہی ہیں جو مارشل۔ لرنر نے زرمبادلہ کے بازار کے لیے بیان کی تھیں لیکن جب کہ بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریقہ بازار کو عام توازن کی حالت میں ظاہر کرتا ہے حقیقت میں یہ ایسا نہیں کرتا ہے۔ یہ وضاحت اس طرح کے توازن کو ظاہر کرسکے اس کے لیے آمدنیوں میں کسی تبدیلی کا نہ ہونا ضروری ہے اور مقامی کرنسی میں اشیاء کی قیمتوں کو بھی غیر متغیر رہنا چاہیے۔

پیش کش قوسیں جیسا مثال کے طور پر شکل a 15.4 میں دکھائی گئی ہیں کسی چیز کی ان مقداروں کو دکھاتی ہیں جو کسی مطلوبہ چیز کی مقداروں کے لیے دستیاب یا پیش کی جاتی ہیں۔ دونوں قوسوں کو ایک ہی رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ لیکن انھیں (تقریباً) عام مانگ اور رسد قوسوں میں تبدیل کرنا ممکن ہے۔ چیز کی شکل میں چیز A کی قیمت کو عمودی محور پر لیتے ہیں اور A چیز کی مقداروں کو جیسا کہ شکل 15.4 b

میں دکھایا گیا ہے متوازی طور پر A پیش کش توس کو مقدار ـــــ مقدار بنیاد سے بآسانی قیمت ـــــ مقدار رسد توس میں بدلا جاسکتا ہے۔ A چیز کی کم قیمتوں پر B A کے لیے A کی کوئی پیش کش نہیں کرے گا اس لیے عمودی طور پر منقطع قیمت ہے۔ علاوہ ازیں ایک مخصوص قیمت پر پہنچ جانے کے بعد زیادہ اونچی قیمتوں پر A کی مزید مقدار مہیا کرنے کے لیے A تیار نہیں ہوتا۔ وجہ یہ ہے کہ زیادہ اونچی قیمت پر اثر آمدنی اثر تبادلہ سے زیادہ ہو جاتا ہے اور A چیز کا استعمال خود A کرنے لگتا ہے۔ پس رسد توس پیچھے کی جانب خم کھا جائے گا۔

شکل 15.4 a میں B پیش کش توسس کو مانگ توس کے روپ میں پیش کیا جاسکتا ہے جو یہ بتائے گا کہ مختلف قیمتوں پر B چیز A کی کتنی مقداریں طلب کرتا ہے۔ اگر یہ چیز گفن مجوبہ کے تحت نہیں آتی جس کی وجہ سے صارف کم قیمتوں پہ اس کی مانگ کم اور زیادہ قیمتوں پر اسس کی زیادہ مانگ کرے گا تو یہ توس منفی طور پر بائیں سے دائیں نیچے کی طرف آئے گا یا کم سے کم اس کی لچک صفر سے کم نہیں ہوگی ـــ یا بالکل عمودی اوپر نیچے ہوگا۔ اشکال 15.4 a اور 15.4 b کو اس طرح بنایا گیا ہے کہ بازار مستحکم رہتا ہے۔ ایک قیمت P ـ O ایسی ہے جس پر بازار صاف ہو جاتا ہے یعنی مانگ اور رسد برابر ہو جاتی ہیں۔ اس قیمت پر جیسا کہ تیر ظاہر کرتا ہے مستحکم توازن دکھائی دیتا ہے۔ P ـ O سے زیادہ قیمتوں پر رسد مانگ سے زیادہ ہو جاتی ہے اور قیمت پر نیچے کی طرف دباؤ پڑنے سے توازن پھر بحال ہو جاتا ہے۔ اس سے نیچی قیمتوں پر مانگ رسد سے زیادہ رہتی ہے جو قیمت کو واپس توازن کی سطح پر کھینچ لے جاتی ہے۔

دونوں خاکوں کو زر مبادلہ کے بازار کے خاکوں میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ شکل 15.4 a میں B چیز کی مقامی قیمت B کی کرنسی کی ایک یونٹ کی برابر مقرر کر دیجیے اور اس کی پرواہ مت کیجیے کہ تجارت کی شرائط کا کیا ہوگا۔ اور یہی کام A چیز کے لیے A کی کرنسی میں کیجیے۔ اب شرائط تجارت وہی ہوں گی جو شرح مبادلہ ہے وہ یہ بتاتی ہیں کہ A چیز کی ایک اکائی میں سے کتنی کا تبادلہ B چیز کی ایک اکائی سے کیا جائے گا اور A کرنسی کی ایک اکائی میں سے B کرنسی کی ایک اکائی کے بدلے کتنا لے گا۔ اسی طرح شکل 15.4 b کی وضاحت پیش کی جاسکتی ہے۔ یہ عمل زر مبادلہ کے بازار کے عوام توازن کو ظاہر کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ پیش کش توسس میں اس سے پہلے پیش کیے گئے وہ خاکے نہیں ہیں جو واضح طور پر جزوی توازن کو ظاہر کرتے ہیں لیکن ان دیگر امور میں جن میں کوئی تبدیلی نہ ہونی چاہیے قومی آمدنی اور مختلف اشیا کی گھریلو منفرد قیمتیں شامل ہیں۔

عام پیش کش توسوں کے سلسلے میں استحکام کی شرط یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کو اندر کی جانب سے کاٹیں۔ یہ شرط وہی ہے جو مارشل۔ لرنر نے پیش کی تھی۔ یعنی درآمدی مانگ کی لچکوں کا جوڑ اکائی سے زیادہ ہو۔ یہاں ہم نے یہ کام طالب علم (اور اس کے استاد) کے لیے چھوڑ دیا ہے کہ وہ ضمیمہ کی مدد سے اس شرط کا ثبوت خود نکالیں۔ اس ضمیمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ کسی پیش کش توس کی درآمدی مانگ کی لچک کو کیسے اخذ کیا جا سکتا ہے۔ گو اس کام کے لیے میٹرک جیومیٹری کی مدد درکار ہو سکتی ہے ہم جلد ہی ایک مثال اس کے برعکس پیش کریں گے۔ لیکن دائیں ہاتھ کی ڈرائنگ میں ہم پر شرط توازن یہ ہے کہ مانگ کی لچک (جو منفی ہے) میں سے رسد کی لچک گھٹانے کا نتیجہ صفر سے کم ہونا چاہیے۔ یا یہ کہ رسد کا توس مانگ کے توس کو نیچے سے اور بائیں جانب سے کاٹے۔ یہ دونوں شرطیں ایک ہی ہیں۔ مانگ توس کو رسد توس میں بدلنے سے۔ جیسا کہ A کے معاملہ میں مارشلی مظاہرے میں کیا گیا ہے ـــــ اس کی لچک میں ایک کی کمی ہو جاتی ہے۔ (اگر ایک ایسے مانگ توس کو جس کی لچک اکائی کی برابر ہو رسد توس میں بدلا جائے تو آخر الذکر کی لچک صفر ہو گی) ایک پیچیدگی یہ ہے کہ مارشل۔ لرنر شرط کو عام طور پر مطلق مقداروں کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں علامتوں کا لحاظ نہیں رکھا جاتا جنھیں مارشلی طرز بیان میں مدنظر رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ لیکن استحکام کا مطلب یہ ہے کہ پیش کش توس ایک دوسرے کو اندر کی جانب سے کاٹیں یا یہ کہ درآمدی لچکوں کا جوڑ اکائی سے زیادہ ہو۔ مارشل کے پیش کش توسوں میں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ رسد کا توس نیچے اور بائیں جانب سے کاٹتا ہے یا یہ کہ مانگ کی لچک میں سے (جو منفی ہے) رسد توس کی لچک (منفی یا مثبت) گھٹا کر جو کچھ حاصل ہو صفر سے کم ہونا چاہیے۔ (مثلاً اگر مانگ کی لچک صفر ہو تو رسد کی لچک مثبت ہونی چاہیے۔)

غیر مستحکم توازن :

لیکن یہ نہ تو فطری ضرورت ہے اور نہ انسانی کہ پیش کش توس مستحکم رہیں اور یہی بات زرِ مبادلہ کے بازاروں پر بھی صادق آتی ہے۔ شکل 15.5a پر غور کیجیے۔ قیمت P — O پر Oa باہر کی طرف سے Ob کو کاٹتا ہے اندر کی جانب سے نہیں۔ A کے لیے (P — O) سے اونچی قیمتوں پر B چیز A کی زیادہ مقداریں طلب کرتا ہے اور A کم کی پیش کش کرتا ہے قیمت اور بھی اونچی ہو جائے گی۔ P — O بازار کو صاف کر سکتی ہے لیکن اس سے کوئی بھی انحراف افزائش پذیر ہوگا۔ یا شکل 15.5b پر دھیان دیں۔ چیز A کے لیے P — O سے زیادہ کوئی بھی قیمت رسد کے مقابلہ میں فاضل مانگ کا

سبب بن جائے گی قیمت کو بڑھائے گی اور اس سے نیچی قیمت پر رسد مانگ سے زیادہ ہو جانے کی وجہ سے قیمت گرے گی۔ یہاں بھی چاہے اشیاء کا بازار ہو یا زرِ مبادلہ کا P — O ایک غیر مستحکم توازن ہے۔ آخر الذکر کیس میں ہر ایک چیز مقامی کرنسی میں غیر متغیر رہتی ہے عمودی محور شرح مبادلہ کو ظاہر کرتا ہے اور متوازی طور پر غیر ملکی زرِ مبادلہ کی مقداریں دکھائی گئی ہیں۔

اس امکان پر ہم ابھی بحث کریں گے کہ لچکوں کا جوڑ اکائی سے کم ہوگا (مارشل۔لرنر کے طرز بیان میں) اب دیکھیے کہ شکل 15.5 b میں P′ — O پر ایک مستحکم توازن موجود ہے۔ اس سے کم قیمتوں پر A کی کرنسی کے لیے مانگ اس کی رسد سے زیادہ ہوگی اور زیادہ قیمت پر رسد مانگ سے زیادہ، اور P — O سے اوپر ایک اور مستحکم توازن ہونا چاہیے۔ A چیز کی کسی نہایت اونچی قیمت پر ملک A اپنی پیش کش میں اضافہ کرے گا اور کسی اونچی قیمت پر B کچھ بھی نہ لینا چاہے گا۔ پس قوسوں کو زیادہ اونچائی پر ایک دوسرے کو ضرور کاٹنا چاہیے۔ اور یہ ایک مستحکم نقطہ ہوگا۔ ہر ایک غیر مستحکم توازن دو مستحکم توازن سے گھرا ہوا ہوتا ہے۔ مفت اشیاء کے بعض غیر فطری کیسوں کی بات دیگر ہے۔ شکل 15.5 a میں اور B کی بہت اونچی قیمتوں تک پیش کش قوسوں کو نہیں لے جایا گیا ہے لیکن یہ قوس ایک دوسرے کو پھر دو مرتبہ کاٹیں گے اور ان مقامات پر مستحکم توازن رونما ہوگا۔

اس حقیقت کے بیان سے کہ غیر مستحکم توازن دو مستحکم توازنوں سے گھرے ہوئے ہوتے ہیں زرِ مبادلہ کے غیر مستحکم بازار کا مسئلہ ختم نہیں ہو جاتا۔ ایک ملک کو استحکام کا ایک نقطہ پسند ہو سکتا ہے اور دوسرے کو دوسرا نقطہ۔ شکل 15.5 b میں ظاہر ہے B نچلے مستحکم نقطہ کو جہاں اس کی چیز کی قیمتیں اونچی ہوں گی ترجیح دے گا جب کہ A اس اونچے نقطہ کو پسند کرے گا جو خاکے میں نہیں دکھایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں غیر مستحکم علاقے میں مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر خسارہ ہے اور لچکوں کا جوڑ اکائی سے کم ہے۔ (رسد لچکیں زیادہ ہیں جیسا کہ مندی میں ہوتا ہے) تو شرح میں گراوٹ سے تجارت کا توازن بہتر نہیں ہو سکتا بلکہ اس میں اضافہ مفید رہے گا۔ ملک کی برآمدات کی مانگ باہر غیر لچکیلی ہونے کی وجہ سے برآمدات میں اضافے سے زرِ مبادلہ کی یافت کم ہو جائے گی لیکن اونچی شرح مبادلہ اور کم برآمدات کی صورت میں یہ یافت بڑھ جائے گی۔ اسی طرح درآمدات کے سستا ہو جانے سے ان کی قیمت میں کمی کے تناسب سے ان کی مقدار میں کم اضافہ ہوگا اور درآمدات کی مالیت کم رہ جائے گی۔ بعض ماہرین معاشیات نے میزانِ ادائیگی میں خسارے کے مداوے کے طور پر شرح میں اضافہ کو آزمانے کے لیے ملکوں کی غیر آمادگی کا استعمال اس دعوٰی کو مہمل ثابت کرنے کے لیے کیا ہے کہ حقیقی دنیا میں لچکیں کم ہوتی ہیں۔ تاہم جہاں

لمبے عرصے میں لچکیں زیادہ ہوتی ہیں ـــــ خواہ تھوڑے عرصے وہ کم ہی کیوں نہ ہوں ـــــ شرح میں اضافہ کو خسارے کو دور کرنے کے لیے استعمال کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ برآمدات کے میدان میں پیداواری اجارے اور درآمدات میں خریداری اجارے کی قلیل مدتی پوزیشن کا فائدہ جلد ہی تحلیل ہو جاتا ہے۔

لچک سے متعلق رجائیت وقنوطیت :

1930 کی دہائی کی مندی کے دوران اس بارے میں بڑا شبہ تھا کہ شرح میں گراوٹ سے میزان ادائیگی سدھر جائے گا۔ اور ایک پورا مکتبۂ خیال پیدا ہو گیا اور قنوطیت لچک کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کے برعکس جنگ کے بعد والے دور میں ـــــ ترقی پذیر ملکوں کو چھوڑ کر جہاں اب بھی قنوطیت کا دور دورہ تھا ـــــ اکثر و بیشتر ماہرینِ معاشیات بدل کر لچک کے بارے میں رجائیت پسند ہو گئے۔ اس تبدیلی کی وجہ اکثر یہ خیال کی جاتی ہے کہ اب استدلال اور ناپ دونوں میں بہتری پیدا ہو گئی ہے۔ تاہم اس کی زیادہ تر وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اب حالات بدل گئے ہیں۔

لچکوں میں بہت سی باتوں سے تبدیلی ہو جاتی ہے۔ فروخت کرنے والوں کی تعداد اور بازار کے سائز کے لحاظ سے کسی فروخت کرنے والے کا بازار میں اپنا مقام، گھریلو پیداوار یا صرف کا حجم، قیمتوں میں رد و بدل کی مقدار، توقعات، ردعمل میں لگنے والا وقت اور خاص طور پر بازار کے حالات نیز متبادل بازار یا ذرائع سب تبدیلی کی وجہیں ہو سکتی ہیں ان سے ہر ایک کے بارے میں مختصراً کچھ کہنا مفید ہوگا۔

سبھی جانتے ہیں کسی واحد دکاندار کے مال کی مانگ کی لچک کے مقابلہ میں اس چیز کی (کل) مانگ کی لچک کم ہوتی ہے۔ سرے پر گیہوں کی مانگ کی قیمت۔ لچک صفر ہوتی ہے۔ کوئی بھی کسان ایک ہی قیمت پر وہ تمام گیہوں فروخت کر سکتا ہے جتنا اس کے لیے اگانا ممکن ہو۔ معتدل طور پر یہ بات بین الاقوامی معاشیات کے بارے میں بھی سچ ہے۔ بازار کے لحاظ سے بڑے ملک کے مقابلے میں نسبتاً چھوٹے ملک کی لچکیں زیادہ ہوں گی۔ بہت بڑے ملک کی لچک ممکن ہے بالکل وہی ہو جو (کل) پیداوار کی ہے۔ یہ ملک قیمت کو وضع کرنے والا ہوتا ہے اس کو قبول کرنے والا نہیں یعنی مینرلر کی اصطلاح میں ـــــ کافی میں برازیل، گیہوں میں گھانا، ربر اور ٹن میں ملایا کا سابقہ غیر لچکیلی مانگ توسوں سے پڑتا ہے یہ ملک اپنی برآمدات کی مالیت میں قیمت کم کرکے اضافہ نہیں

کر سکتے یا یہی کام قیمتوں میں تبدیلی کی بجائے شرح مبادلہ میں کمی کر کے انجام نہیں دیا جا سکتا۔

اس باب میں پہلے اس امر کی ایک وضاحت پیش کی گئی تھی کہ قومی پیداوار کے مانگ اور رسد قوسوں کے مقابلہ میں فاضل مانگ و رسد کے قوس زیادہ لچکیلے ہوتے ہیں۔ فاضل مانگ قوس میں (کل) پیداوار کا مانگ قوس اور گھریلو رسد کی لچک دونوں شامل ہوتے ہیں۔ فاضل رسد قوس (کل) پیداوار کے رسد قوس اور گھریلو مانگ کی لچک پر مشتمل ہوتا ہے۔ بعض ابتدائی پیداواروں کی نسبت مصنوعات میں یہ اثرات زیادہ بڑے ہوتے ہیں خاص طور سے ان اشیاء کے ضمن میں جنھیں "نو آبادیاتی" پیداوار کہا جاتا ہے۔ اگر کسی ملک میں جب کہ وہ انھیں پیدا کرتا ہو کافی، قہوے، یا کیلوں کے صرف کی لچک کم ہوتی ہے تو پیداوار رسد لچک میں مانگ کی لچک جوڑنے سے اول الذکر میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوتی۔ کیونکہ ترقی یافتہ دنیا میں ان اشیاء کی پیداوار نہیں ہوتی اس لیے باہر ان کی پیداوار مانگ لچک اور درآمد لچک دونوں برابر ہوتی ہیں۔ مقدار، توقعات، اور وقت ان سب کو ایک ساتھ لیا جا سکتا ہے۔ نتیجہ کا انحصار مانگ کی لچک میں صارف کے ردعمل اور رسد میں پیداوار کرنے والے کے ردعمل پر ہوتا ہے۔ معمولی قیمت تبدیلیوں میں ـــــ جو نہ دیرپا سمجھی جاتی ہیں اور نہ دیرپا ہوتی ہیں پیداوار اور صرف میں تطبیق کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ جب قیمت میں بڑی تبدیلی ہوتی ہے اس کے جاری رہنے کی توقع کی جاتی ہے اور وہ کچھ عرصے قائم رہتی ہے تو اس تبدیلی کے مطابق کام کرنے میں بہرحال فائدہ رہتا ہے۔

لیکن بڑا سوال یہ ہے کہ متبادل راستے کیا ہیں اور خاص طور پر یہ کہ دنیا مندی کا شکار ہے، یا خوشحالی کے دور سے گذر رہی ہے۔ مندی کے زمانے میں قیمت گرنے کی صورت میں مانگ اور رسد کم لچکیلی ہوتی ہیں اور شرح میں گراوٹ ٹھیک طور پر کام نہیں کر پاتی۔ اس کے برعکس شرح میں اضافے سے میزان تجارت پر برے اثرات مرتب ہونے کا امکان رہتا ہے کیونکہ رسد بڑھانے کے لیے فاضل گنجائش موجود ہوتی ہے اور جب قیمت میں اضافہ کیا جاتا ہے تو مختتم مانگ کرنے والے غائب ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس تیزی (خوشحالی) کے ادوار میں کم قیمتوں کے لیے مانگ اور رسد کی لچک زیادہ ہوتی ہے۔ بیچنے والے کے بازار میں لوگ کھلے طور پر اس ملک کی جانب رجوع کرتے ہیں جو اپنی قیمتوں کو کم کرتا ہے اور زوال پذیر صنعتوں سے آسانی کے ساتھ عہدہ برآ ہوا جا سکتا ہے کیونکہ متبادل مواقع دستیاب ہوتے ہیں۔ (قیمت اضافوں کا نتیجہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔) ان وجوہات کی بناء پر یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے کہ حسابی معاشی اس بارے میں اپنے تمام تر اختلافات کے

باوجود کہ بین الاقوامی تجارت میں لچکوں کو کیسے ناپا جائے 1930 کی دہائی کے مقابلے آج د شرح مبادلہ میں کمی کرنے کے موثر ہونے کے بارے میں احساس رجائیت میں اضافہ ہونے کے ساتھ) لچکوں کو اونچا پاتے ہیں۔

شرائطِ تجارت اور شرح کی گراوٹ :

شرح مبادلہ کم ہونے سے شرائطِ تجارت پر کیا اثر پڑے گا؟ ہم یہ کہنے سے گریز کریں گے کہ برآمدات کی قیمت غیر ملکی زر میں کم ہونے سے شرائطِ تجارت خراب ہو جائیں گی اور مقامی کرنسی میں درآمدات کی قیمت بڑھے گی۔ یہ بات اب صاف ہو گئی ہے کہ مقابلہ ایک ہی کرنسی میں کیا جانا چاہیے۔ ایک زاویے سے بچنے کے بعد ہم دوسرے کا شکار ہو جاتے ہیں۔ معاشیات میں بیشتر سوالات کے جواب کی طرح یہاں بھی صحیح جواب یہ ہوگا کہ "یہ حالات پر منحصر ہے"۔ اور ایک قدم مزید آگے جا کر جواب یہ ہوگا کہ اس کا انحصار لچکوں پر ہے۔

تین اہم صورتیں سامنے آتی ہیں، گراہم اور اس کے طالب علموں جیسے جدید کلاسیکی پیروکاروں کی نظر میں امکان یہ ہے کہ شرائطِ تجارت میں شرح کی گراوٹ سے کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوگی کیونکہ کسی بھی ملک کو عالمی قیمتوں پر تجارت کرنی ہوتی ہے اور ان پر وہ اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ شرح میں گراوٹ سے برآمدات اور درآمدات دونوں کی قیمتوں میں گراوٹ کی فیصد کے ٹھیک برابر اضافہ ہوتا ہے کیونکہ عام ملک کی برآمدات.........

..........غیر محدود طور پر لچکیلی ہوتی ہیں اور اس کی درآمد کی رسد بھی ایسی ہی لچک کی حامل ہوتی ہے۔ غیر ملکی پیش کش قوس ایک خطِ مستقیم ہوتا ہے۔ شرائطِ تجارت دی ہوئی ہوتی ہیں۔

جدید کلاسیکی مصنفین کے برعکس کلاسیکی ماہرین کی پوزیشن یہ ہے کہ شرح میں گراوٹ سے شرائطِ تجارت خراب ہو جاتی ہیں اور اس میں اضافے سے بہتر۔ کیونکہ ہر ایک ملک برآمدات میں خصوصیت بردار ہوتا ہے درآمدات میں نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی برآمدات کی قیمت پر اثر انداز ہو سکتا ہے لیکن درآمدات کی قیمتوں پر نہیں کلاسیکی مفروضے کی جانچ کی گئی ہے اور ایک عام اصول کے طور پر اسے درست پایا گیا ہے۔ بڑے ترقی پذیر ممالک کے سلسلے میں یہ اصول خاص طور پر صحیح ہے۔

تاہم کلاسیکی مفروضات تمام صورتوں میں صحیح ثابت نہیں ہوتے، ایک ملک درآمدات میں خصوصیت حاصل کر سکتا ہے جبکہ برآمدات کے بارے میں عام روش اختیار کر سکتا ہے یعنی۔

برآمدات میں اجارہ دارانہ پوزیشن (اگر ہو تو) کے مقابلہ میں درآمدات میں اس کی خریداری کا اجارہ زیادہ مضبوط ہو سکتا ہے۔ یہاں برطانیہ کی نمایاں مثال دی جا سکتی ہے جس کی شرائط تجارت 1931 میں شرح کم کرنے سے بہتر ہو گئی تھیں۔ کسی حد تک اس کا سبب فعال اثرات تھے لیکن بڑی حد تک اس کی وجہ یہ تھی کہ اپنی اشیاء خوراک اور خام مال کی فروخت کے لیے دنیا کا انحصار برطانیہ کے درآمد بازار پر تھا۔ نتیجۃً برطانوی برآمدات کی عالمی قیمتوں کے مقابلہ میں برطانوی درآمدات کی عالمی قیمتیں زیادہ گریں۔

جزوی بنام کامل لچکیں:

ہم یہ دُہراتے دُہراتے تھک گئے ہیں — لیکن ایسا کرنا مفید ہے — کہ لچک کے ذریعہ مسئلہ کی وضاحت کی اساس جزوی توازن کا تجزیہ ہے۔ شرح میں گراوٹ سے برآمدات اور درآمدات ہونے والی تبدیلیوں کا حساب لچکوں کے ذریعہ اس لیے لگایا جا سکتا کیونکہ ہم دیگر امور کو جوں کا توں قایم مان لیتے ہیں۔ لیکن جبکہ کسی ایک چیز کی مانگ اور رسد کے خوردبینی تجزیہ میں تمام اراددں اور مقاصد کے لیے دیگر امور کو غیر متغیر مان لینے میں کوئی مذائقہ نہیں ہے شرح مبادلہ کا معاملہ بالکل دوسرا ہے۔ اس قیمت میں کوئی تبدیلی ایسی تبدیلیوں کو جنم دیتی ہے جو ساری معیشت کا احاطہ کر لیتی ہیں دور دور تک اشیاء کی قیمتوں اور آمدنیوں کو بدل دیتی ہیں اس لیے دیگر امور کو غیر متغیر تصور نہیں کیا جا سکتا۔ برآمدات میں اضافہ اور درآمدات میں کمی ہونے کا کم سے کم یہ اثر ضرور ہوگا کہ گھریلو خرچ میں اضافہ ہو جائے گا جس سے ملک کے اندر زری آمدنیاں بدل جائیں گی پس ہمیں ان جزوی لچکوں کی ضرورت نہیں ہے جو دیگر امور کو غیر متغیر تصور کر لیتی ہیں بلکہ تمام اثرات پر دھیان دینے والی کامل لچکیں درکار ہیں، رجائیت پسند جزوی اور کامل لچکوں کے بیچ فرق کو کوئی اہم مسئلہ قرار دینے کے لیے تیار نظر نہیں آتے۔ قنوطیت پسندوں کو یہ اندیشہ لاحق ہے کہ کامل لچکیں جزوی لچکوں سے کم ہوں گی یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شرح مبادلہ میں سرکاری کمی سے معیشت میں مرتب ہونے والے اثرات کے سبب ان اشیاء کی قیمتوں میں جو تجارت میں شامل نہیں ہیں نیز تمام آمدنیوں میں اضافہ ہو جائے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ کچھ بھی نہیں ہوا۔ اگر شرح مبادلہ گرتی ہے اور تمام قیمتوں نیز آمدنیوں میں اس قدر اضافہ ہو جاتا ہے تو نظام کی ہم آہنگی قائم رہتی ہے تبدیلی صرف حساب کی اکائی میں ہو جاتی ہے۔

بدلتی قیمتیں اور (مبادلہ کی) جامد شرحیں:

اس تجزیہ کا اطلاق ایسی صورت میں ممکن ہے جہاں شرح مبادلہ جامد رہے اور قیمت کی سطحوں میں تبدیلی ہو رہی ہو۔ شرح میں اضافہ کی مانند گھریلو افراطِ زر قیمتوں پر اثر انداز ہو کر ادائیگیوں کی میزان کو خراب کر دیتا ہے۔ پرانی شرح مبادلہ پر اس ملک میں مال بیچنا زیادہ سود مند ہوتا ہے جہاں افراطِ زر ہو گیا ہو ایسی جگہ خریداری کے لیے موزوں نہیں رہتی۔ قیمتوں میں کمی سے۔ اگر ایسا کیا جا سکے ــــ میزانِ ادائیگی بہتر ہو جائے گی۔ یہ وہ میکنزم تھا جس کے ذریعہ طلائی معیار کارفرما تصور کیا جاتا تھا یعنی مشہور و معروف قیمت۔ دھات بہاؤ کا نظام جسے دھات بہاؤ قیمت نظام کہنا زیادہ موزوں ہوتا ــــ اگر کسی ملک کو سونا (دھات) ملتا تو اس سے زر کی رسد بڑھ جاتی قیمتوں میں اضافہ ہوتا اور میزان ادائیگی غیر موافق ہو جاتا اگر اس کے یہاں سے سونا باہر جاتا تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس سے اس کے زر کی رسد کم ہو گی قیمتیں گریں گی اور میزان بہتر ہو جائے گا۔

اس استدلال میں ایک اہم مفروضے پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ یہاں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ کامل روزگار جاری رہتا ہے۔ اور سوائے ان تبدیلیوں کے جو قیمت لچکوں کے سبب پیدا ہوتی ہیں، زری آمدنیوں نیز درآمدات و برآمدات کے بیچ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ لیکن اگر حقیقی آمدنی میں تبدیلی ہوتی بھی ہے یا اگر حقیقی آمدنی میں تبدیلیوں کے علاوہ زری آمدنی میں ہونے والی تبدیلیاں کسی وجہ سے درآمدات پر کیے جانے والے خرچ کو متاثر بھی کرتی ہیں تب بھی یہ تمام تبدیلیاں ایک ہی سمت میں ہوں گی۔ افراطِ زر قیمتوں کو بڑھاتا ہے، زری آمدنیوں میں اضافہ کرتا ہے اور حقیقی آمدنیوں میں تھوڑے بہت اضافہ کا سبب ہو سکتا ہے۔ ان تینوں ہی کے نتیجہ میں درآمدات زیادہ ہو سکتی ہیں۔ آخر میں واضح رہے کہ افراطِ زر جو میزانِ ادائیگی کو خراب کر دیتا ہے اور اس کے بعد شرح میں گراوٹ جو اسے بہتر بناتی ہے اگر دونوں برابر ہوں تو قیمتوں، زری آمدنی اور تجارت کی سطحوں کے ابتدائی رشتے پھر بحال ہو جائیں گے، تبدیلی صرف ان کی قامت میں ہو گی۔ ترقی پذیر ملکوں میں یہ طرزِ عمل کافی وسیع پیمانے پر دیکھنے میں آتا ہے۔ سوال جو خصوصی دلچسپی کا حامل ہے وہ یہ ہے کہ کیا یہ سلسلۂ عمل الٹی سمت میں بھی کام کرتا ہے اور اسبابی اہمیت کا حامل ہے یعنی شرح میں گراوٹ سے افراطِ زر ہوتا ہے جو میزانِ ادائیگی پر اول الذکر کے اثر کو ختم کر دیتا ہے۔ لیکن پہلے اس امر پر بحث کرنے کی ضرورت ہے کہ اگر قیمتوں

کو غیر متغیر مان لیا جائے تو آمدنی میں تبدیلیوں کا میزان ادائیگی پر کیا اثر پڑتا ہے۔

خلاصہ :

نظام قیمت بین الاقوامی تجارت کے میدان میں کس درجہ کارگر ڈھنگ سے کام کرے گا اس کا انحصار مانگ اور رسد کی لچکوں پر ہے۔ اگر یہ لچکیں اونچی ہیں تو قیمتوں میں معمولی تبدیلیوں کے نتیجہ میں برآمدات و درآمدات میں بڑی تبدیلیاں رونما ہوں گی۔ کامل مسابقت، عوامل کی حرکت پذیری اور عوامل کے غیر متغیر تناسبوں کے کلاسیکی مفروضے اگر پورے ہو سکیں تو یہی نتیجہ برآمد ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میزانِ ادائیگی کے خسارے کو دور کرنے کے لیے قیمت میں معمولی تبدیلی کی ضرورت ہوگی یا یہ کہ شرائطِ تجارت کو زیادہ نہیں بدلنا ہوگا۔

بہرحال حقیقی دنیا میں مانگ اور رسد کی لچکوں پر بحث کرنا ایک دشوار کام ہے۔ کسی دی ہوئی چیز کی لچک وقت کے ساتھ اور قیمت میں مختلف پیمانے کی تبدیلیوں کے نتیجہ میں بدلے گی۔ علاوہ ازیں اس کو ناپنے کے طریقے ابھی کافی سدھار چاہتے ہیں۔ صحیح بیانات کی راہ میں ان دشواریوں کے باوجود غالباً یہ بات صحیح ہے کہ 50 سال قبل کے عرصے کے مقابلہ میں آج بین الاقوامی تجارت کے میدان میں لچکیں کم ہیں۔

مارشل۔ لرنر کی شرط کے لیے ضروری ہے کہ مانگ کی لچکوں کا جوڑ اکائی سے زیادہ ہونے کی صورت میں ہی شرح کی گراوٹ ادائیگیوں کے میزان کو بہتر بنا سکتی ہے۔ (یہاں مانگ سے مراد کسی ملک میں درآمدات کی مانگ نیز باہر اس کی برآمدات کی مانگ دونوں سے ہے) یہ بات صحیح ہے خواہ بحث غیر ملکی کرنسی کے توازن پر کی جائے یا مقامی کرنسی کے۔ اس شرط کا مفروضہ یہ ہے کہ رسد کی لچکیں اونچی ہوتی ہیں اور میزان ادائیگی کا خسارہ بڑا نہیں ہوتا۔ لچکوں کا جوڑ ایک سے کم ہونے کی صورت میں کرنسی کی غیر ملکی شرح مبادلہ میں اضافہ سے یہ میزان سدھرے گا۔

قیمت کی تبدیلیوں کو آمدنی کی تبدیلیوں سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

مطالعہ کے لیے تجاویز :

درسی کتاب

تحقیقی رسائل

دیکھیں Made, The Balance of payments, part iv

اور وانس اور ہیچلپ کے لکھے ہوئے مضامین امریکن اکنامک ایسوسی ایشن کی کتاب

Readings in the Theory of International Trade No 4 and 5

میں اور مزید ملاحظہ فرمائیں

Egin Sohmen, Flexible Exchange Rates; Theory and Controversy (Chicago; The University Chicago Press 1961)

اور ریاضاتی سطح پر

G. Stuvel, The Exchange Stability problem (Leiden; Stenfert Kroese 1960)

A Marshall, Money, Credit, and Commerce (New York; Macmillion Co, 1924) Appendix J and A.P. Lerner, The Economic of control (New York; Macmillion Co.1944.)

مارشل ـ لرنر شرط کے لیے اصل حوالے ہیں ـ جدید حوالوں میں ہیں ـ L.A.Metzler 'The Theory of International Trade', in American Economic Association.

A survey of contemporary Economic Philadelphia, : The Blackistan, Co. 1948) ; and A.O.Hirschman Devaluation and the Trade Balance R E & S. February 1949.

نکات

جنگ عظیم کے بعد بین الاقوامی تجارت میں لچکوں کے سائز پر طویل اکانومیٹرک بحث کا خلاصہ A.C.Harberger نے جو لچک کے رجحانی اسکول سے تعلق رکھتے ہیں "Some Evidence on the International Price Mechanism" JPE December 1957 میں پیش کیا ہے ـ

ایم میکالے نے اس کلاسیکی قیاس کی حمایت میں شہادت پیش کی ہے کہ شرح میں گراوٹ میزان ادائیگی کو خراب کر دے گی کیونکہ کسی ملک کی درآمدات کے لیے مانگ کے مقابلہ میں

اس کی برآمدات کے لیے غیر ملکی مانگ کی لچک کم ہوتی ہے۔ (یعنی وہ پیداوار میں خصوصیت بردار ہوتا ہے اور صَرف کے میدان میں عمومیت کا حامل) دیکھیں ان کی تصنیف Concentration in International Trade (Amsterdam ; North Holland publishing Co. 1962)

1913 اور 1953 میں ایک چیز برآمد کرنے والے ملکوں کے تذکرے کے لیے دیکھیں۔
P.L.Yates: Forty years of foreign Trade (London George Allen and Unwin Ltd. 1959) Table 121 and Appendix Tables 37--45. ان جدولوں میں مختلف اشیاء کی برآمد بازاروں کے حصے دیے گئے ہیں۔

باب 16
آمدنی میں تبدیلیاں اور بین الاقوامی تجارت

مفروضہ:

اب ہم اس دنیا سے نکل کر جس میں قیمتیں بدلتی تھیں اور آمدنیاں جامد رہتی تھیں اس دنیا میں قدم رکھتے ہیں جہاں قیمتیں جامد رہتی ہیں اور آمدنیوں میں تبدیلی ہوتی ہے۔ تجرباتی اعتبار سے یہ ایک دلچسپ دنیا ہے لیکن یہ اس سے زیادہ حقیقی نہیں ہے جسے ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ اور اس میں داخل ہونے سے قبل ان متعدد مفروضوں کو ذہن نشین کر لینا ہی ہمارے لیے بہتر ہوگا جن کے تحت یہ دنیا کام کرتی ہے۔ تمہید کے طور پر یہاں ہم چند بڑے مفروضوں کو پیش کرتے ہیں۔ دوسروں کو جن میں سے کچھ کم اہم نہیں ہیں بعد میں جیسے جیسے بحث آگے بڑھے گی بیان کیا جائے گا۔

پہلی بات یہ ہے کہ اگر قیمتیں جامد رہتی ہیں تو زری آمدنی میں ہونے والی کوئی بھی تبدیلی حقیقی آمدنی اور پیداوار میں تبدیلی کے مترادف ہوتی ہے۔ اگلے باب میں جب اس صورت حال پر بحث کی جائے گی جس میں قیمتیں اور آمدنیاں دونوں بدلتی رہتی ہیں تو ہم کو یہ دیکھنا پڑے گا کہ درآمدات کو حقیقی آمدنی سے منسلک کیا جائے یا زری آمدنی سے۔ قیمتوں کے جامد رہنے کی شرط کا مطلب یہ ہے کہ خرچ میں اضافے کے ساتھ ساتھ ایسے غیر استعمال شدہ وسائل دستیاب رہتے ہیں جنھیں پیداوار کے کام میں لگایا جا سکتا ہے خرچ میں کمی واقع ہونے کی صورت میں عوامل موجودہ روزگار کو چھوڑنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ کامل روزگار کو خارج از بحث مان لیا جاتا ہے۔

جامد قیمتوں پر خالص قومی پیداوار اور قومی آمدنی کی مساوات قابل توجہ ہے کسی بند معیشت میں پیداوار اور آمدنی بالکل برابر ہوتی ہیں۔ لیکن ایک کھلی ہوئی معیشت میں شرائط تجارت بدلنے پر ان میں فرق ہو سکتا ہے۔ مان لیجیے کہ ایک سے دوسرے عرصے کے بیچ کُل پیداوار میں تبدیلی

نہیں ہوتی لیکن درآمدات کی قیمتوں میں اضافے کے سبب شرائطِ تجارت کم ہو جاتی ہیں۔ خالص قومی پیداوار میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی لیکن حقیقی آمدنی ضرور کم ہو جائے گی لیکن قیمتوں کے جامد رہنے کی صورت میں ہمیں اس امتیاز کے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ شرائطِ تجارت ایسی صورت میں بدل نہیں سکتیں اور پیداوار اور آمدنی دونوں ایک دم برابر ہوں گی۔

دوم ایک ہم وقت مضروب فیہ کے استعمال کے ذریعہ ہم وقت کو غائب فرض کر لیتے ہیں۔ آمدنی کے بدلنے میں وقت لگتا ہے اور وقت کو خرچ کے وقفوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اور عمل کے ہر مرحلے پر یہ پتہ لگایا جا سکتا ہے کہ کون کسے کیا دیتا ہے۔ لیکن ہم وقت مضروب فیہ کسی مدتی تجزیہ کے بنا ر کا وٹ کام کرنے کے آخری نتیجہ کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ تشریح کا کام نہایت صفائی سے کرتا ہے ہم اس کا استعمال کریں گے۔

تیسرے یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ ادائیگیوں کے میزان کے تمام خساروں اور فاضل رقموں کا کسی نہ کسی طرح سونے کی نقل و حرکت، تھوڑے مدت کے سرمائے یا دیگر ذرائع سے مالیاتی انتظام کیا جاتا ہے اس مرحلے پہ ذرائع ہماری دلچسپی کا مرکز نہیں ہیں۔

جیسے جیسے ہم آگے بڑھیں گے دیگر اہم مفروضوں سے روشناس کرایا جائے گا اور ان کی وضاحت کی جائے گی سہولت کے لیے یہاں چند کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ تفاعل خطی اور جامد ہیں، درآمدات صرف یا سرمایہ کاری کے لیے کی جاتی ہیں دوبارہ برآمد کے لیے نہیں، برآمدات کو صرف رواں پیداوار میں سے ہی فروخت کیا جاتا ہے سرکاری خرچ اور ٹیکس دونوں کا کوئی وجود نہیں ہے۔

درآمد تفاعل:

درآمدات اور قومی آمدنی کے بیچ رابطے کو بہت مختلف طریقوں سے بیان کیا جاتا ہے ان میں سے ایک درآمد کا اوسط رجحان ہے۔ یہ رابطہ درآمدات ڈالر مالیت کو قومی آمدنی کے فیصد کی شکل میں پیش کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے (M / Y) یا یوں کہیے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ درآمدات پر قومی آمدنی کا کتنا حصہ خرچ کیا جاتا ہے۔ اوسط درآمد رجحان 2 یا 3 فیصد کی کم شرحوں سے جیسا کہ سوویت روس میں ہے۔ ناروے، بلجیم، یا نیوزی لینڈ جیسے چھوٹے مگر نہایت خصوصیت بردار ملکوں میں 20 سے 40 فیصد تک جا سکتا ہے، اوسط درآمد رجحان کی شرحوں کے بیچ فرق کو زیادہ معنی پہنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کا بہت کچھ انحصار ملک کے

سائز اور خصوصیت برداری کی ڈگری پر ہوتا ہے۔ برطانیہ میں ہر ایک گروہ اتنا ہی خصوصیت بردار ہو سکتا ہے جتنا ریاستہائے متحدہ میں لیکن اگر ریاستہائے متحدہ اپنی حدود میں ایسے سرحدی علاقوں کو جو معاشی لحاظ سے .... مختلف ہیں مثلاً مین، ٹیکساس، فلوریڈا اور یومنگ شامل کرلے تو اس کے تمام طبقے کل ملا کر برطانیہ کے جملہ طبقوں کے مقابلہ میں درآمدات کی کم ضرورت محسوس کریں گے۔ مثال کے طور پر کسی ملک کو تجارت کو متاثر کیے بغیر دو حصوں میں بانٹ دیجیے۔ آپ دونوں حصوں کا درآمد کے لیے اوسط رجحان بڑی حد تک بڑھا دیں گے۔

بہت سے مقاصد کے لیے درآمد کا مختتم رجحان اوسط رجحان سے کہیں زیادہ اہم ہوتا ہے۔ مختتم رجحان کا مطلب آمدنی میں کسی دی ہوئی تبدیلی کے نتیجہ میں درآمدات میں ہونے والی تبدیلی ہوتی ہے۔ الجبرائی لحاظ سے یہ dM/dY ہوتی ہے۔ جہاں d کا مطلب "کے اندر تبدیلی" ہوتا ہے۔ اگر درآمدات میں m 8 ملین مالیت کا اضافہ ہوتا ہے جب کہ آمدنی 1 کھرب بڑھتی ہے تو مختتم رجحان 0.10 ہوگا۔

غالب گمان یہ ہے کہ مختتم رجحان درآمد کرنے کے اوسط رجحان سے مختلف ہوگا۔ دو مثالیں خاص طور پر پیش کی جا سکتی ہیں۔ برازیل اپنی بنیادی ضروریات کو زیادہ تر خود پورا کرتا ہے لیکن اس کا رہن سہن کا درجہ بس گذر اوقات جیسا ہی ہے۔ معیار زندگی بڑھنے سے ان نئی قسم کی اشیاء کو درآمد کرنا پڑتا ہے جنھیں ملک میں پیدا نہیں کیا جاتا۔ اس مثال میں درآمد کا اوسط رجحان کم ہوگا لیکن مختتم رجحان اونچا ہو سکتا ہے۔ اس صورت حال کا مقابلہ برطانیہ جیسے ملک کے کیس سے کیجیے جو گیہوں اور تمباکو جیسی بہت سی ضروریات زندگی کو درآمد کرتا ہے (اور فلمیں بھی...) اور عیش و عشرت کا سامان خود بناتا ہے اس کیس میں درآمد کرنے کا اوسط رجحان اونچا ہے مگر مختتم رجحان نسبتاً کم۔

درآمد کرنے کے اوسط اور مختتم رجحان میں رشتہ کو جس تناسب سے بیان کیا جاتا ہے اسے "آمدنی لچک" کہتے ہیں۔ عام طور پر اس کا تصور قومی آمدنی میں کسی دی ہوئی فیصد تبدیلی کی وجہ سے درآمدات میں ہونے والی فیصد تبدیلی کی شکل میں کیا جاتا ہے۔ اگر قومی آمدنی میں 5 فیصد تبدیلی ہونے سے درآمدات کی مالیت میں 10 فیصد کا اضافہ ہوتا ہے تو درآمدات کی آمدنی لچک نسبتاً اونچی یعنی 2 ہوگی۔ اس کے برعکس اگر قومی آمدنی میں 5 فیصد کے اضافے سے درآمدات میں صرف $2\frac{1}{2}$ فیصد کی تبدیلی ہی رونما ہوتی ہے تو درآمدات آمدنی کے لحاظ سے غیر لچکیلی ہیں یا 0.5۔ جب آمدنی میں کسی دی ہوئی فیصد تبدیلی کی وجہ سے درآمدات میں اتنے ہی

نیصد تبدیلی ہوتی ہے درآمدات کی لچک اکائی یا 1 کہلاتی ہے۔

الجبرائی طریقے سے آمدنی لچک کا ناپ $(dM/M)/(dY/Y)$ ہے جس میں درآمدات میں ہونے والی فیصد تبدیلی کو قومی آمدنی میں ہونے والے فیصد تبدیلی سے منسلک کیا گیا ہے کیونکہ

$$\frac{dM/M}{dY/Y} = \frac{dM/dY}{M/Y}$$

اس لیے درآمد کرنے کے مختتم رجحان کو اوسط رجحان سے تقسیم کرکے آمدنی لچک کا پتہ لگایا جاسکتا ہے اگر یہ دونوں ایک ہی ہوں تو درآمدات کی آمدنی لچک اکائی ہوگی یا دوسرے لفظوں میں قومی آمدنی میں کسی دی ہوئی تبدیلی سے درآمدات میں اسی قدر فیصد تبدیلی رونما ہوگی۔

قومی آمدنی کی مختلف سطحوں پر درآمد کرنے کے اوسط رجحان کو جدول درآمد یا درآمد کا رجحان کہتے ہیں۔ اسے شکل 16.1 میں دکھایا گیا ہے جہاں M/Y ـــــ ریاضی کی زبان میں درآمدات قومی آمدنی کے تفاعل کی حیثیت سے ـــــ معیشت کا درآمد کرنے کا رجحان ہے۔

درآمد کرنے کا رجحان

خرچ (ڈالر)

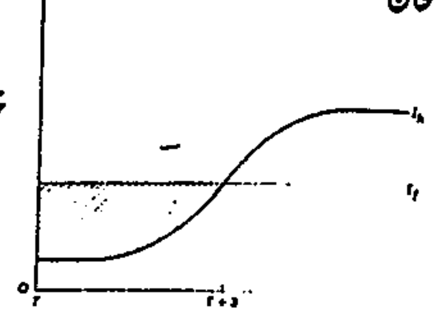

قومی آمدنی (ڈالر)

یہ خط O پر نقطۂ آغاز سے نہیں گذرتا کیونکہ قومی آمدنی صفر ہونے پر بھی کچھ نہ کچھ سامان جمع ذخائر کے ذریعہ باہر سے منگایا جائے گا۔ درآمد کرنے کا مختتم رجحان $M(Y)$ کا ڈھال ہے۔ بلاشبہ یہ مفروضہ کہ $M(Y)$ ایک خط مستقیم ہے غیر حقیقی ہے اور صرف تجزائی سہولت کے لیے اپنایا گیا ہے۔

مختلف رجحانوں اور لچکوں کو ظاہر کرنے کے لیے ریاضی کی علامات کے استعمال سے پڑھنے والے کو یہ گمان نہیں ہونا چاہیے کہ کسی ملک کے لیے ان تصورات کی عددی قیمتیں تمام

حالات میں غیر متغیر رہتی ہیں۔ ہم یہ فرض کرلیں گے کہ ان میں تبدیلی نہیں ہوتی مگر یہ مفروضہ صرف سہولت کے لیے ہے حقیقی دنیا میں مثال کے طور پر درآمد کے لیے کسی ملک کا مختتم رجحان دو ایسے سالوں کے بیچ صد درجہ مختلف ہوسکتا ہے جن میں سے ایک سال میں قومی آمدنی معیشت کے صنعتی سیکٹر میں بڑھی ہو اور دوسرے سال میں زراعت کے اندر۔ یا کسی ملک کا درآمد کے لیے مختتم رجحان مندی اور تیزی کے ادوار میں مختلف ہوسکتا ہے یا معتدل خوشحالی میں جب کہ ملکی صنعت میں حاصل صلاحیت پیداوار دستیاب ہوتی ہے یہ رجحان پوری صلاحیت والے افراطِ زر سے الگ ہوسکتا ہے کیونکہ آخر الذکر میں تھوڑے عرصے کے لیے فاضل خریداری صرف باہر ہی کی جا سکتی ہے۔

علاوہ ازیں درآمد کا مختتم رجحان خوشحالی کے دور میں جس میں قومی آمدنی میں اضافہ لمبے عرصے کی سرمایہ کاری ــــ مثلاً مکانوں میں جن کے لیے ریاستہائے متحدہ میں بہت کم درآمدی مال درکار ہوتا ہے ــــ کا نتیجہ ہو اس تیزی کے دور کے رجحان سے مختلف ہوسکتا ہے جس میں مال کے ذخائر تھوڑے عرصے میں بڑے پیمانے پر سرمایہ لگا ہو یا جس میں پائیدار اموالِ صرف پر خرچ میں خود بخود تبدیلی ہوگئی ہو۔ ...... درآمد کا مختتم رجحان ان تجارتی سائیکلوں میں زیادہ اونچا ثابت ہوا ہے جن میں ذخائر میں سرمایہ کاری زیادہ نمایاں رہی ہے مثلاً 37 ــ 1936 اور 50- 1949 میں جیسے جیسے معیشت کامل روزگار کی پوری صلاحیت پیداوار کے نزدیک پہنچتی ہے اس میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ نظریاتی تجزیہ کے لیے یہ تصور کرلینا سہولت پیدا کردیتا ہے کہ مختتم رجحانات جامد اور دائمی ہوتے ہیں لیکن علم دینے کے اس اوزار کا اس قدر عادی ہوجانا خطرناک ثابت ہوگا کہ ہم یہ سمجھنے لگیں کہ حقیقی دنیا میں بھی ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

ریاستہائے متحدہ کے رجحانات :

آج ریاستہائے متحدہ میں درآمد کا اوسط رجحان 4. فیصد سے کچھ ہی اوپر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے قومی آمدنی کا 4. فیصد (بالکل صحیح 1-4. فیصد) درآمدات پر خرچ کیا جاتا ہے۔ 1966 میں قومی آمدنی 616 ملین ڈالر تھی اور اشیاء درآمد کی مالیت 2-25 بلین ڈالر۔ 1966 میں 1958 کی قیمتوں پر آمدنی 526 بلین ڈالر اور درآمدات بقدر 2-24 بلین ڈالر تھیں اس طرح 1958 کی قیمتوں میں حقیقی رجحان 6-4 فیصد تھا) یہ اوسط رجحان برسوں سے دھیرے دھیرے کم ہو رہا تھا لیکن 1950 اور 1960 کی دہائیوں میں بدل گیا۔ 19 ویں صدی کے

آغاز میں یہ 10 فیصد تھا پہلی عالمی جنگ کے بعد یہ 7 فیصد رہ گیا اور دوسری عالمگیر جنگ کے بعد اور گھٹ کر 3 فیصد۔ تاہم یورپ کی معیشتوں کے پورے طور پر بحال ہو جانے کے بعد سے یہ رجحان بدل گیا ہے۔ اور قومی آمدنی کی نسبت درآمدات میں زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ اس تبدیلی کی توقع کی جا سکتی تھی کیونکہ خام مال کے ذخائر کم ہو گئے تھے اور اس کے نتیجہ میں درآمدات پر زیادہ انحصار کی توقع کی جا سکتی تھی۔ درحقیقت ہوا یہ کہ دوسری عالمی جنگ کے بعد مصنوعات (خام مال کی نہیں) کی درآمدات میں قابل لحاظ اضافہ ہوا کیونکہ امریکہ کا تعارف تمام دنیا میں مختلف اقسام کی اشیاء کی دستیابی سے زیادہ واقف ہو گیا تھا۔

ریاستہائے متحدہ میں درآمد کا مختتم رجحان تقریباً 7 فیصد (1965 میں 8.6 فیصد اور 1966 میں 7.4 فیصد) رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آمدنی کے ہر ایک اضافی ڈالر میں سے سنٹ درآمدات پر خرچ کیے گئے ہیں۔ لیکن درآمد کا یہ مختتم رجحان بدل سکتا ہے۔ یہ بات پہلے کہی جا چکی ہے۔ اس کا انحصار دور کے حالات پر ہے۔ 1950 کی دہائی میں یہ تقریباً 4 فیصد تھا یا 4 فیصد کے اوسط رجحان کے برابر 1960 کی دہائی کے وسط میں ریاستہائے متحدہ کی معیشت پر حامل روزگار کی پوزیشن پر پہنچ جانے کے بعد قومی آمدنی کا اس وقت سے زیادہ حصہ درآمدات پر صرف ہوا جب ملک میں قابل لحاظ بیروزگاری پائی جاتی تھی۔

درآمد کا موجودہ اوسط رجحان 4.1 فیصد اور مختتم رجحان 7.4 فیصد (حالیہ قیمتوں پر) ہونے سے درآمدات کے لیے مانگ کی آمدنی لچک 1.8 ہو جاتی ہے۔

آگے کی بحث میں ہم نے یہ فرض کر لیا ہے کہ درآمدات سرمایہ کاری یا بطور سرمایہ ذخیرہ کرنے کی بجائے تمام تر صرف کے لیے کی جاتی ہیں۔ یہ ایک غیر حقیقی مگر کارآمد مفروضہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ درآمدات مقامی خرچ کا نعم البدل ہیں اور آمدنی کو ختم کرتی ہیں۔ بعد ازاں ہم اس مفروضے کو ترک کر دینے سے پیدا ہونے والی صورت حال کا جائزہ لیں گے۔

برآمدات اور قومی آمدنی :

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے ہم یہ مان کر چلتے ہیں کہ برآمدات موجودہ پیداوار میں سے کی جاتی ہیں ماضی کی پیداوار میں سے نہیں، مثلاً ذخائر میں سرمایہ کاری کو گھٹا کر یا موجودہ املاک کے انتقال جیسے قدیم نوادرات یا تصاویر کو باہر بھیج کر برآمدات کو نہیں بڑھایا جاتا۔ اس کا مطلب

گریز زیر بحث لانے کے لیے تجزیہ کو وسیع تر کر سکتے ہیں۔

آمدنی کی تبدیلیاں اور میزان ادائیگی:

قومی آمدنی کی شرطِ توازن کو بیان کرنے کے لیے اشکال 16.7a اور 16.7b کافی حد تک مناسب و موزوں ہیں۔ تاہم وہ میزانِ ادائیگی پر ہونے والے اثر کو واضح کرنے میں ناکام رہتی ہیں۔ اس مقصد کے لیے قومی آمدنی کے توازن کی شرط کو کسی دیگر پیرائے میں بیان کرنا مفید رہتا ہے۔ $X + I_d = S + M$ لکھنے کی بجائے ہم I_d اور M کو باہم بدل کر $X - M = S - I_d$ لکھ سکتے ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ چالو کھاتے پر میزانِ ادائیگی بچت اور گھریلو سرمایہ کاری کے فرق کی برابر ہوتی ہے۔ اس بات کو اتنی ہی آسانی سے خاکے کے ذریعہ بھی دکھایا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے صرف اتنا کرنا ہوگا کہ ہم ایک جانب برآمد جدول سے درآمد کو منہا کر دیں (شکل 16.1 کو شکل 16.2 سے) اور دوسری جانب گھریلو سرمایہ عاری کو بچت جدول میں سے نکال دیں (شکل 16.3b کو شکل 16.3a میں سے) یہ کام شکل 16.8 میں انجام دیا گیا ہے۔ مخلوط $X - M$ جدول اوپر سے نیچے کی جانب آتی ہے کیونکہ اوپر کی جانب جاتی ہوئی درآمد جدول کو برآمدات کی ایک یکساں سطح میں سے گھٹایا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قومی آمدنی کی نچلی سطحوں پر میزانِ ادائیگی مثبت ہوتا ہے اور آمدنی میں اضافے کے ساتھ ساتھ گرتا ہے۔ $S - I_d$ جدول اوپر کی جانب جاتی ہے کیونکہ آمدنی کے بڑھنے سے بچت میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ مثبت ہوتی ہے جب کہ سرمایہ کاری جامد و قائم رہتی ہے۔ ان دونوں جدولوں کے ایک دوسرے کو کاٹنے سے قومی آمدنی کے توازن کا نقطہ دستیاب ہوتا ہے اور میزان ادائیگی کی پوزیشن کا پتہ لگ جاتا ہے۔ شکل 16.8 کو اس طرح بنایا گیا ہے کہ اس میں دونوں جدول ایک دوسرے کو ایسے نقطہ پر کاٹتی ہیں جہاں میزانِ ادائیگی صفر کے برابر ہے۔ لیکن جیسا کہ پہلے ہی کافی وضاحت کے ساتھ بتایا جا چکا ہے ایسا ہونا ضروری نہیں ہے۔

یہ خاکہ مضر دبِ فیہ کو ظاہر کرنے کے لیے زیادہ موزوں نہیں ہے۔ تاہم اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ چاروں جدولوں میں سے کسی میں بھی تبدیلی ہونے پر میزانِ ادائیگی نیز قومی آمدنی دونوں پر کیا اثر پڑے گا۔ گھریلو سرمایہ کاری میں اضافہ ہونے سے $S - I_d$ جدول کھسک کر نیچے $S - I_d'$ جدول کھسک کر نیچے $S - I_d'$ کے مقام پر آ جائے گی کیونکہ منفی مقدار بڑھ گئی ہے۔

ہم ان چیزوں کو شامل کرتے ہیں جنھیں ابتداءً صَرف کے لیے پیدا کیا گیا تھا مگر جنھیں ابھی بیچا نہیں گیا ہے۔ اس تعریف کی رو سے پیدا کردہ اشیائے صرف کی مالیت استعمال شدہ اشیاء صرف کی مالیت کے برابر ہوتی ہے۔ اس سے

$$C + I = C + S$$

اس لیے $\quad C = C$

$$I = S$$

پس قومی آمدنی کی سطح توازن وہ سطح ہوتی ہے جہاں سرمایہ کاری اور بچت کی جدولیں ایک دوسرے کو کاٹتی ہیں۔

اب اگر سرمایہ کاری کی جدول میں کوئی آزادانہ تبدیلی ہوتی ہے ــــ شکل 16.3c میں I سے I′ ــــ تو قومی آمدنی بڑھ جائے گی۔ اضافہ کی مقدار کا تعین سرمایہ کاری میں ہونے والے اضافے اور گھریلو مضروب فیہ سے ہوگا۔ تبدیلی کے لیے علامت d کا استعمال کرتے ہوئے ہم dI سے dY کا پتہ لگانا چاہتے ہیں۔ ایسا یا تو شکل 16.3c میں ان کو یک جا کرنے والے مثلث کی خصوصیات کے ذریعہ جیومیٹرائی طور پر کیا جا سکتا ہے یا سہل الجبرے کی مدد سے۔ شکل 16.3c میں dY کو dI اور S(Y) کے ڈھال کے لیے عکس کو باہم ضرب دے کر حاصل کیا جا سکتا۔ S(Y) کا ڈھال $\frac{dS}{dY}$ ہے اس لیے وہ مضروب فیہ جس سے ہمیں dY حاصل کرنے کے لیے dI کو ضرب دینا ہے۔ $\frac{1}{\frac{dS}{dY}}$ ہوگا یا $\frac{1}{MPS}$

جہاں MPS سے ہماری مراد بچت کا مختتم رجحان ہے۔

الجبرے کی رو سے قومی آمدنی کی متوازن سطح پر I = S اس لیے بحالت توازن

$$dI = dS$$

دونوں جانب dY میں تقسیم کرنے پر ہمیں حاصل ہوتا ہے:

$$\frac{dY}{dI} = \frac{dY}{dS} \text{ یا } \frac{1}{\frac{dS}{dY}} \text{ یا } \frac{1}{MPS}$$

یہ بند معیشت کا گھریلو مضروب فیہ ہے۔ آمدنی میں ہونے والی تبدیلی سرمایہ کاری میں ہونے والی تبدیلی کو مضروب فیہ سے ضرب دینے پر حاصل ہوتی ہے۔

$$dY = \frac{dI}{MPS}$$

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ غیر ملکی تجارت کا مضروب فیہ کیا ہوگا۔ مان لیجیے برآمدات میں

کوئی تبدیلی dX ہوتی ہے تو dY کیا ہوگا؟ یا $\frac{dY}{dX}$ جو غیر ملکی تجارت کا مضروب فیہ ہے کس کے برابر ہوگا؟

غیر ملکی تجارت کا مضروب فیہ — نہ بچت نہ سرمایہ کاری:

کسی کھلی معیشت میں جہاں غیر ملکی تجارت ہوتی ہے پیدا شدہ اشیاء (Y) جمع درآمدات (M) خریدی گئی اشیاء ($C + I$) جمع باہر بھیجی گئی اشیاء (X) کے برابر ہوتی ہیں۔ اب بھی ہم نے یہ فرض کیا ہوا ہے کہ سرکار عالم وجود میں نہیں ہے۔ اگر نہ تو بچت ہو اور نہ سرمایہ کاری تو سب آمدنی اشیاء صرف پر خرچ ہوگی اور Y کو C کے برابر ہونا لازمی ہوگا کیونکہ

$$Y + M = C + I + X$$

اور

$$I = 0 \quad , \quad Y = C$$

$$X = M$$

اور آمدنی کی متوازن سطحوں پر برآمدات و درآمدات مساوی ہوں گی۔ اگر برآمدات اور درآمدات کی جدول دی ہوئی ہوں جیسا کہ اشکال 16 . 1 اور 16 . 2 میں دکھایا گیا ہے تو قومی آمدنی کی سطح کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ کام شکل 16 . 4 میں کیا گیا ہے یہ دونوں پیش رد جدولوں کو ملاتی ہے بالکل اسی طرح جیسے شکل c 16 . 3 نے اشکال a 16 . 3 اور b 16 . 3 کو یکجا کیا تھا۔ ہم پہلا اقدام کے ذریعہ ہم اس سادہ معیشت کے لیے غیر ملکی تجارت کے مضروب فیہ کا پتہ لگا سکتے ہیں۔ برآمدات X سے X' ہو جانے پر آمدنی میں Y سے Y' تبدیلی کو برآمدات میں ہونے والی تبدیلی اور درآمد کی جدول کے ڈھال کے عکس کو باہم ضرب دے کر معلوم کیا جا سکتا ہے۔ آخر الذکر کی جگہ درآمد کے مختتم رجحان کا عکس بھی استعمال کیا جا سکتا ہے الجبرے کی شکل میں قومی آمدنی کی سطح توازن پر $M = X$ ہوگا اس لیے بحالت توازن $dx = dm$ دونوں طرف سے dY میں تقسیم کرنے سے

$$\frac{dY}{dX} = \frac{dY}{dM} \quad \text{یا} \quad \frac{dM}{dY} \quad \text{یا} \quad \frac{1}{MPM}$$

حاصل ہوگا۔

گھریلو بچت اور سرمایہ کاری سے مبرا کسی کھلی معیشت میں برآمدات کے مسلسل بڑھنے سے قومی آمدنی کی سطح توازن اس نکتہ تک اونچی ہو جاتی ہے جہاں برآمدات میں ہونے والا ہر نیا اضافہ

درآمدات میں اتنے ہی اضافہ کا سبب ہوتا ہے۔ بچت کی عدم موجودگی میں بڑھتی ہوئی برآمدات سے نظام کے اندر خرچ میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ خرچ صَرف پر ہو سکتا ہے (جس سے آمدنی بڑھتی ہے) یا درآمدات پر۔ مضروب فیہ کے کسی عرصے میں کارفرما ہونے سے خرچ کا ہر دور میں رواں آمدنی صَرف اور درآمدات میں بٹ جاتی ہے اور آمدنی میں ہونے والا ہر ایک اضافہ بھی ان دونوں میں منقسم ہو جاتا ہے۔ (اگرچہ مختتم رجحان کے اوسط سے مختلف ہونے پر آخر الذکر کی بنیاد دیگر ہوگی۔) صرف میں اضافہ کی وجہ سے آمدنی میں اس وقت تک اضافہ ہوتا رہے گا جب تک درآمدات میں ہونے والا اضافہ برآمدات کے سبب ہونے والے نئے خرچ کی تلافی نہ کر دے۔

درآمد کی جدول کے بدلنے سے قومی آمدنی بھی متاثر ہوگی جیسا کہ شکل 16.5 واضح کرتی ہے۔ یہاں برآمدات غیر متغیر رہتی ہیں لیکن آمدنی کی ہر ایک سطح پر درآمدات کو جتنی وہ ہوتیں اس سے کم تصوّر کر لیا گیا ہے۔ درآمد تفاعل میں ایسی تبدیلی شوق دلپسند کے بدلنے، یا ملک میں آمدنی کی تقسیم میں تبدیلی یا دیگر ممکن اسباب میں سے کسی کی وجہ سے ہو سکتی ہے اس کا سبب غیر ملکی ازاطِ زر سے قیمتوں میں ہونے والا اضافہ یا تریف بھی ہو سکتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہم نے قیمت کی تبدیلیوں کو اپنے تجزیہ میں غیر موجود فرض کر رکھا ہے۔ اس امر کو دھیان میں رکھنا چاہیے کہ برآمدات کی اصلی شرح میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ مفروضہ شرائط کے تحت پرانی قومی آمدنی کی سطح پر درآمد کرنے کے آمادگی میں کمی آمدنی میں اس قدر اضافہ کا سبب بن جاتی ہے کہ درآمدات پھر اپنی ابتدائی سطح تک بڑھ جاتی ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جدول کے اپنی جگہ سے ہٹنے کے ساتھ ساتھ جدول کے اندر بھی ایک حرکت رونما ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر درآمد کا رجحان تریفوں میں اضافے کے سبب بدلتا تو تریف کے حامی یہ دلیل پیش کر سکتے تھے کہ تریف کا کوئی اثر رونما نہیں ہوتا کیونکہ درآمدات جوں کی توں بنی رہتی ہیں۔ یہ بات صحیح نہ ہوگی۔ میزان ادائیگی پر کوئی اثر نہ ہوگا کیونکہ درآمد کی جدول کے مقام بدلنے سے آمدنی میں اتنی کافی تبدیلی آئے گی جس سے نئی پوزیشن میں درآمد جدول کے اندر اتنی ہی تبدیلیٔ مقام رونما ہو جائے گی۔ یوں سمجھیے کہ آمدنی کا اثر میزانِ ادائیگی کے اثر کو زائل کر دے گا۔ (یہ آمدنی کے اثر کی وہ بحث اور تریف کے میزانِ ادائیگی پر اثر کی بحث کی وہ پہلی قسط ہے جس کا وعدہ ہم نے پڑھنے والے سے باب 7 میں کر رکھا تھا۔)

واضح رہے کہ بچت اور سرمایہ کاری کی عدم موجودگی میں برآمدات ہمیشہ درآمدات کے برابر ہوتی ہیں یہ ڈیوڈ ہیوم کی دنیا ہے جس میں برآمدات کو بڑھانے کی کوشش بے سود ہے کیوں کہ

برآمدات میں ہر ایک اضافہ درآمدات میں ہونے والے مساوی اضافہ کی وجہ سے بے ثمر ہو جائے گا۔ ہیوم نے دھات۔ بہاؤ تجزیہ کا استعمال کیا تھا۔ اس سلسلے میں انھوں نے آمدنی کی بجائے قیمت کا سہارا لیا۔ برآمدات اور درآمدات برابر ہوتی ہیں۔ ہیوم کا یہ قانون غیر ملکی تجارت میں سے اس قانون کا نعم البدل ہے کہ مانگ رسد کے برابر ہوتی ہے۔ اور یہ قانون بھی بچت کو بحث میں شامل کرنے سے غلط ثابت ہو جاتا ہے۔

غیر ملکی تجارت کا مضروب فیہ۔ بچت:

بچت اور سرمایہ کاری کو شامل بحث کر لینے پر بھی قومی آمدنی کی شرط توازن S = I رہتی ہے لیکن سرمایہ کاری کے دو حصے ہو جاتے ہیں گھریلو (Id) اور غیر ملکی (If)

$$Id + If = S$$

غیر ملکی سرمایہ کاری اشیاء اور خدمات کی برآمدات اور ان کی درآمدات کا فرق ہوتا ہے۔

$$If = X - M$$

اسے گزشتہ مساوات میں رکھنے سے ہمیں

$$Id + X - M = S$$

یا

$Id + X = S + M$ حاصل ہوتا ہے۔

جو کسی کھلی معیشت میں قومی آمدنی کے توازن کی بنیادی شرط ہے۔

اس صورت حال کو خاکے کی شکل میں نہایت آسانی سے پیش کیا جا سکتا ہے اس کے لیے بس ایک جانب شکل 16.3 b میں گھریلو سرمایہ کاری کی جدول اور شکل 16.2 میں برآمد کی جدول کو جوڑنا ہوگا۔ اور دوسری جانب اشکال 16.1 اور 16.3 a میں بالترتیب درآمدات اور بچت کے تفاعل کو۔ یہ کام شکل 16.6 میں انجام دیا گیا ہے۔

اب مضروب فیہ دونوں تفاعل M (Y) اور S (Y) کے جوڑ کے ڈھال کے عکس کی برابر ہوگا نیز برآمدات میں اضافے اور سرمایہ کاری میں اضافے کے لیے ایک ہی رہے گا۔ قومی آمدنی کی جملہ سطحوں پر سرمایہ کاری کو مساوی مانتے ہوئے اور $X + Id = S + M$ کے ساتھ ہم صرف اول الذکر کو لیتے ہیں تو الجبرائی طور پر برآمدات میں ہونے والی تبدیلی بچت میں

ہونے والی تبدیلی جمع درآمدات میں تبدیلی کے برابر ہونی چاہیے۔ اس کو یوں پیش کرسکتے ہیں۔

$$dX = dS + dM$$

مساوات کی دونوں اطراف کو dY میں تقسیم کرکے ہم

$$\frac{dY}{dX} = \frac{dY}{dS + dM}$$

حاصل کرسکتے ہیں $\frac{dY}{dX}$ کو K (مضروب فیہ) کہتے ہیں۔

$$K = \frac{dY}{dS + dM} \text{ یا } \frac{1}{(dS/dY) + (dM/dY)} \text{ یا } \frac{1}{MPS + MPM}$$

شکل 16.6 میں خاکے کو اس طرح بنایا گیا ہے کہ قومی آمدنی Y کی سطح توازن پر $S = I_d$ اور $X = M$ ہے۔ ایسا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اگر لمبے عرصے کے لیے قرض دیے جائیں تو X، M سے زیادہ ہوسکتا ہے بشرطیکہ بچت S سرمایہ کاری I_d سے اس قدر زیادہ ہو کہ $S + M = X + I_d$ مساوات قائم رہ سکے۔ برآمدات X کی سطح سے زیادہ مثلاً شکل 16.7 a میں X' ہوں تو برآمدات درآمدات سے بقدر ab زیادہ ہوں گی یعنی بچت گھریلو سرمایہ سے زیادہ ہوگی۔ تاہم اگر برآمدات شکل 16.7 b میں گھٹ کر X'' رہ جائیں تو درآمدات برآمدات سے زیادہ ہوں گی اور گھریلو سرمایہ کاری بچت سے زیادہ۔ پہلے کیس میں فاضل برآمدات کو بچت میں تخفیف کے مترادف سمجھا جاسکتا ہے لیکن عام طور پر اسے مثبت غیر ملکی سرمایہ کاری کہا جاتا ہے۔ دوسرے کیس میں فاضل درآمدات کو یا تو بچت میں اضافہ کہہ سکتے ہیں یا منفی سرمایہ کاری جسے I_d میں سے گھٹانا ہوگا۔

اسی مقام پر جہاں بچت گھریلو سرمایہ کاری سے اتنا ہی انحراف کرتی ہے جتنا برآمدات درآمدات سے (علامات کو درست کرنا نہ بھولیے) قومی آمدنی کا نیا توازن اس امر پر زور دیتا ہے کہ ہم قومی آمدنی کے توازن کی بات کر رہے ہیں ادائیگیوں کے میزان میں توازن کی نہیں۔ درآمدات یا بچت کسی میں بھی اضافہ ان عوامل کو بے اثر بنانے کے لیے کافی ہوگا جن سے قومی آمدنی بڑھنے کا احتمال ہوسکتا ہے اور طالب علم کو یاد ہوگا کہ موجودہ باب کے کسی پہلے مرحلے پر ہم میزان ادائیگی سے متعلق مشکلات کو یہ مان کر حذف کرچکے ہیں کہ غیر ملکی تجارت کے کسی بھی فرق سے مالیاتی طور پر نپٹا جاسکتا ہے۔

واضح رہے کہ ہر مرحلے پر قومی آمدنی کو بدلنے والا لیور گذشتہ عرصے کی قومی آمدنی پر منحصر صرف میں ہونے والی تبدیلی ہوتی ہے۔ اس بنیاد پر ہم ٹیکسوں اور کمپنی منافعوں جیسے دیگر (آمدنی کے)

گریز پر بحث لانے کے لیے تجزیہ کو وسیع تر کر سکتے ہیں۔

آمدنی کی تبدیلیاں اور میزان ادائیگی:

قومی آمدنی کی شرطِ توازن کو بیان کرنے کے لیے اشکال 16.7a اور 16.7b کافی حد تک مناسب و موزوں ہیں۔ تاہم وہ میزانِ ادائیگی پر ہونے والے اثر کو واضح کرنے میں ناکام رہتی ہیں۔ اس مقصد کے لیے قومی آمدنی کے توازن کی شرط کو کسی دیگر پیرائے میں بیان کرنا مفید رہتا ہے۔ $S+M = X+I_d$ لکھنے کی بجائے ہم I_d اور M کو باہم بدل کر $S-I_d = X-M$ لکھ سکتے ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ چالو کھاتے پر میزانِ ادائیگی بچت اور گھریلو سرمایہ کاری کے فرق کی برابر ہوتی ہے۔ اس بات کو اتنی ہی آسانی سے خاکے کے ذریعہ بھی دکھایا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے صرف اتنا کرنا ہوگا کہ ہم ایک جانب برآمد جدول سے درآمد کو منہا کر دیں (شکل 16.1 کو شکل 16.2 سے) اور دوسری جانب گھریلو سرمایہ کاری کو بچت جدول میں سے نکال دیں (شکل 16.3b کو شکل 16.3a میں سے) یہ کام شکل 16.8 میں انجام دیا گیا ہے۔ مخلوط $X-M$ جدول اوپر سے نیچے کی جانب آتی ہے کیونکہ اوپر کی جانب جاتی ہوئی درآمد جدول کو برآمدات کی ایک یکساں سطح میں سے گھٹایا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قومی آمدنی کی نچلی سطحوں پر میزانِ ادائیگی مثبت ہوتا ہے اور آمدنی میں اضافے کے ساتھ ساتھ گرتا ہے۔ $S-I_d$ جدول اوپر کی جانب جاتی ہے کیونکہ آمدنی کے بڑھنے سے بچت میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ مثبت ہوتی ہے جب کہ سرمایہ کاری جامد و قائم رہتی ہے۔ ان دونوں جدولوں کے ایک دوسرے کو کاٹنے سے قومی آمدنی کے توازن کا نقطہ دستیاب ہوتا ہے اور میزان ادائیگی کی پوزیشن کا پتہ لگ جاتا ہے۔ شکل 16.8 کو اس طرح بنایا گیا ہے کہ اس میں دونوں جدول ایک دوسرے کو ایسے نقطہ پر کاٹتی ہیں جہاں میزانِ ادائیگی صفر کے برابر ہے۔ لیکن جیسا کہ پہلے ہی کافی وضاحت کے ساتھ بتایا جا چکا ہے ایسا ہونا ضروری نہیں ہے۔

یہ خاکہ مضروب فیہ کو ظاہر کرنے کے لیے زیادہ موزوں نہیں ہے۔ تاہم اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ چاروں جدولوں میں سے کسی میں بھی تبدیلی ہونے پر میزانِ ادائیگی نیز قومی آمدنی دونوں پر کیا اثر پڑے گا۔ گھریلو سرمایہ کاری میں اضافہ ہونے سے $S-I_d$ جدول کھسک کر نیچے $S-I_d$ جدول کھسک کر نیچے $S-I_d'$ کے مقام پر آجائے گی کیونکہ منفی مقدار بڑھ گئی ہے۔

یہ قومی آمدنی کو Y سے بڑھاکر، Y کردے گی اور میزانِ ادائیگی میں خسارہ رونما ہو جائے گا۔ یہ خسارہ ($M-X$) سرمایہ کاری میں ہونے والے اضافے (dI/dY) سے کم ہوگا کیونکہ جدول کے اندر ہونے والی حرکت جسے بڑھی ہوئی بچت ظاہر کرتی ہے جدول کے کھسک جانے کے اثر کو کسی حد تک زائل کردیتی ہے (جدول کا کھسک جانا اضافی سرمایہ کاری کو ظاہر کرتا ہے۔

....

....

دوسری جدولوں میں ہونے والی تبدیلیوں کے اثرات کا پتہ بھی اتنی ہی آسانی کے ساتھ لگایا جاسکتا ہے ـــــ برآمدات میں اضافہ یا تخفیف جو $M-X$ جدول کو بالترتیب اوپر نیچے حرکت دے گی، درآمد جدول میں اوپر یا نیچے تبدیلی جو مجموعی طور پر $M-X$ پر ایک ہی طرح اثر انداز ہوگی، یا بچت کے رجحان میں تبدیلی مذکورہ تبدیلیاں ہو سکتی ہیں۔ برآمدات میں اضافے، درآمدات میں کمیاں، سرمایہ کاری میں گراوٹ اور بچت میں اضافے سب سے میزانِ ادائیگی کو سہارا ملتا ہے اور ان کے برعکس ہونے والی تبدیلیوں سے اس پر چوٹ پڑتی ہے۔

اس خاکے سے ہم اس بات کا پتہ لگا سکتے ہیں کہ برآمدات اور صرف یا سرمایہ کاری کے بیچ مقابلہ ہے ـــــ جیسا مقابلہ برطانیہ جیسے مصنوعات فروخت کرنے والے بہت سے ممالک میں پایا جاتا ہے ـــــ آمدنی میں اضافے کے ساتھ ساتھ برآمدات کم ہونے کا کیا مطلب ہوگا۔ $M-X$ قوس کا منفی ڈھال اور زیادہ بڑا ہوگا۔ مذکورہ جدولوں میں سے کسی بھی دی ہوئی تبدیلی کا میزانِ ادائیگی کا اثر زیادہ اور آمدنی اثر کم ہو جائے گا۔

غیر ملکی بالواسطہ اثرات :

بیرونی بالواسطہ اثرات کو بحث میں شامل کرکے اس تجزیہ میں ایک اہم اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ ان اثرات سے ہماری مراد برآمدات اور / یا درآمدات میں تبدیلیوں سے غیر ممالک میں قومی آمدنی پر پڑنے والے اثر اور اس کے نتیجہ میں گھریلو غیر ملکی تجارت اور قومی آمدنی پر مرتب ہونے والے اثرات سے ہے۔ اگر زیرِ غور ملک باہری دنیا کے مقابلہ میں چھوٹا ہے تو غیر ملکی بالواسطہ اثرات کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ ایسے ملک کی درآمدات میں اضافہ سے باہر قومی آمدنی پر قابلِ لحاظ اثر نہیں پڑے گا اور اگر باہر آمدنی پر قابلِ توجہ اثر پڑے گا بھی تب بھی متاثرہ ممالک کا مذکورہ

چھوٹے ملک سے درآمد کرنے کا مختتم رجحان کم ہونے کی صورت میں یہ اثر معمولی ہی ہوگا۔ نیوزی لینڈ میں آمدنی کے اندر ہونے والا کوئی اضافہ برطانیہ میں آمدنی کو بڑھانے کے لیے کافی ہوسکتا ہے (نیوزی لینڈ کو برطانوی برآمدات میں اضافے اور مضروب فیہ کے ذریعہ) لیکن اس سے نیوزی لینڈ میں مزید بالواسطہ اثرات رونما ہونے کا امکان نہیں ہے کیونکہ نیوزی لینڈ سے درآمد کرنے کے لیے ابتدائی برطانوی بالواسطہ رجحان ہم یہ بطور مثال فرض کیے لیتے ہیں اتنا زیادہ نہیں ہے۔

لیکن بڑے ممالک کے معاملہ میں غیر ملکی بالواسطہ اثرات اہم ہوسکتے ہیں۔ عالمی زری آمدنی کا تقریباً 40 فیصد ریاستہائے متحدہ میں پیدا ہوتی ہے۔ ریاستہائے متحدہ کی آمدنی میں توسیع سے باقی دنیا سے اس کی درآمدات میں اضافہ ہوتا ہے۔ عالمی زری آمدنی بڑھتی ہے اور اس کے نتیجہ میں پھر تمام دنیا ریاستہائے متحدہ سے زیادہ اشیاء درآمد کرتی ہے۔ یہ اثر واپس ریاستہائے متحدہ کی آمدنی میں مزید اضافہ کردیتا ہے۔ یہ سلسلہ کہاں رکے گا اس کا انحصار ریاستہائے متحدہ نیز باقی دنیا میں بچت اور درآمد کے مختتم رجحانات پر ہے۔

اس باہمی عمل کو مختلف مرحلوں سے گذرتے ہوئے دکھایا جاسکتا ہے جیسا کہ شکل 9-6، ب کیا گیا ہے پہلے مرحلے میں ریاستہائے متحدہ اپنے مقامی سرمایہ کاری میں اضافہ کرتا ہے (ملٹی اسٹک) جو باقی دنیا سے درآمدات کا سبب بن جاتا ہے یعنی درآمد جدول میں Y سے Y' کی جانب حرکت رونما ہوتی ہے۔ باقی دنیا پر اس کا کیا اثر مرتب ہوتا ہے۔ یہ دوسرے مرحلے میں واضح کیا گیا ہے۔ اس کی برآمدات جدول اپنی جگہ سے کھسک جاتی ہے برآمدات بڑھتی ہیں اور ان کے ساتھ مضروب فیہ کے ذریعہ آمدنی اور اس کے بعد درآمدات میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ آخری تبدیلی ریاستہائے متحدہ کی برآمدات میں اضافے کے طور پر وہاں واپس پہنچتی ہے جس سے ابتدائی فاضل درآمدات کم ہوجاتی ہیں لیکن آمدنی میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے جس سے درآمدات ایک بار پھر بڑھ جاتی ہیں۔ ہم باقی دنیا کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ برآمدات بڑھتی ہیں اور آمدنی اور درآمدات ان کی پیروی کرتی ہیں۔ اس طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ خاکے کے ذریعہ آنے والی کم ہوتی ہوئی تبدیلیوں کا مرحلوں کو دکھایا جاسکتا ہے یہاں تک کہ یہ نظام کام کرنا بند کردیتا ہے۔

ساتھ ہی غیر ملکی بالواسطہ اثرات کا ایک اور جیومیٹرائی نمونہ تیار کیا گیا ہے جس میں دونوں میں دونوں میں سے ہر ایک ملک کی قومی آمدنی کو دوسرے ملک کی قومی آمدنی کے تفاعل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر شکل 10 . 16 میں A کی قومی آمدنی کو B کی قومی آمدنی کے تفاعل کی

شکل میں دکھایا گیا ہے B کی آمدنی صفر ہونے پر بھی A کی آمدنی اتنی ضرور ہوگی جتنی کہ وہاں صرف و سرمایہ کاری پر خرچ اور سرکاری خرچ ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ ان اخراجات کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ B میں کیا ہو رہا ہے۔ اس عدم انحصار کو اس حقیقت سے ظاہر کیا گیا ہے کہ جوڑ $C_a + I_{da} + G_a$ ایک افقی خط ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ B میں آمدنی کی تمام سطحوں پر یہ غیر متغیر رہتا ہے۔

بہرحال برآمدات A میں آمدنیوں کو جنم دیتی ہیں۔ ان برآمدات کا سائز B میں آمدنی کی سطح سے غیر متاثر نہیں رہتا۔ شکل 16.10 میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ کوئی آمدنی نہ ہونے پر بھی B، A سے درآمد کرتا ہے۔ اس سے کچھ آمدنی براہ راست پیدا ہو جاتی ہے (عمودی طور پر X_a) اور A میں غیر ملکی تجارت کے مضروب فیہ کے ذریعہ صرف میں مزید اضافہ کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے (C_{da})۔ جیسے جیسے B کی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے A کی برآمدات بڑھتی ہیں اور ان کے ساتھ خرچ میں اضافے کی تحریک برآمدات پر منحصر رہتی ہے۔

B میں قومی آمدنی کی مختلف سطحوں پر تینوں خطوط کا جوڑ A میں آمدنی کی سطح کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی خاکے میں ہم B میں آمدنی کو A کی آمدنی کے تفاعل کے طور پر اسی طرح دکھا سکتے ہیں یہ کام شکل 16.11 میں انجام دیا گیا ہے۔ جہاں خط A ملک A کی آمدنی کو ملک B کی آمدنی کے تفاعل کے طور پر دکھاتا ہے اور خط B ملک B کی آمدنی کو A میں آمدنی کے تفاعل کے طور پر واضح کرتا ہے۔ اگر یہ خطوط ایک دوسرے کو کسی مستحکم نظام میں کاٹتے ہیں تو اس سے دونوں ملکوں کی قومی آمدنیوں میں باہم عمل کا پتہ چلتا ہے۔ اب اگر B میں قومی آمدنی کسی وجہ سے بڑھتی ہے۔ مان لیجیے کہ اس کیس میں یہ وجہ B میں سرمایہ کاری کا بڑھنا ہے ــــ تو B کی آمدنی کو A کی آمدنی کے تفاعل کی شکل میں پیش کرنے والا خط دائیں جانب کھسک جائے گا کیونکہ A میں قومی آمدنی صفر ہونے پر بھی B کی قومی آمدنی نسبتاً زیادہ ہوگی۔ شکل 16.11 میں خط B کھسک کر B' ہو جاتا ہے۔ اس سے A میں قومی آمدنی بڑھ کر Y سے Y' ہو جائے گی۔ واضح رہے کہ B کے اندر قومی آمدنی میں آمدنی مقام میں تبدیلی کے مقابلہ زیادہ اضافہ ہوا ہے یعنی B محور کے ساتھ ساتھ Y اور Y' کے بیچ کا فاصلہ اس مقدار سے زیادہ ہے جتنے سے B تفاعل اپنی جگہ سے کھسکا تھا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ B کے اندر سرمایہ کاری کے اضافے نے B کی قومی آمدنی میں اضافہ کر دیا تھا A سے درآمدات میں اضافہ ہوا تھا اور اس لیے A کی

قومی آمدنی بڑھی بھی نتیجۃً B سے درآمدات (یا B کی برآمدات) میں اضافہ ہوا اور B میں ایک بار پھر قومی آمدنی بڑھی۔

دو ملکوں (یا ایک ملک اور باقی دنیا کو ایک اکائی مان کر ان کے درمیان) کی قومی آمدنیوں کے باہمی عمل کو واضح کرنے کے لیے اس تجزیہ کا استعمال مختلف حالات میں کیا جا سکتا ہے۔ B میں مختتم رجحانات (بچت، درآمد، ٹیکس، یا کسی دیگر میدان میں) میں کوئی بھی تبدیلی اس قوس کا ڈھال بدل دے گی جو B کی آمدنی کو A کی آمدنی کے تفاعل فعل کی شکل میں ظاہر کرتا ہے۔ اس سے دونوں ملکوں کی قومی آمدنی بدلے گی۔ B کے اندر شوق و پسند کی ایسی تبدیلی سے جو گھریلو صرف کو گھٹائے اور A سے درآمدات میں اضافہ کر دے دونوں قوسوں کو ایک ساتھ کھسکا دے گی لیکن ایک نمایاں نئے توازن کو جنم دے گی بشرطیکہ دونوں قوس اب بھی ایک دوسرے کو منقطع کرتے ہوں۔ یہ خاکائی تجزیہ جو غیر ملکی بالواسطہ اثرات کے اہم ہونے کی صورت میں درکار ہوتا ہے غیر ملکی تجارت کے مختلف مضروب فیہ کے طریقۂ کار کو واضح کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ان مضروب فیہ کے اخذ کرنے کے طریقے کو اس باب کے ایک ضمیمہ میں واضح کیا گیا ہے۔ یہاں متعلقہ فارمولوں کی ایک جوڑی پیش کرنا کافی ہوگا۔ ان میں سے ایک غیر ملکی تجارت میں تبدیلی سے متعلق ہے اور دوسرا گھریلو سرمایہ کاری میں تبدیلی سے —— بے شک غیر ملکی تجارت کے مضروب فیہ اول ملک کے اندر بچت اور درآمد کے مختتم رجحانات پر منحصر ہوتے ہیں۔ ان مختتم رجحانات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ برآمدات میں ہونے والے ابتدائی اضافہ میں سے کتنا ملک کے اندر صرف پر خرچ کیا جائے گا۔ دوم ان کا انحصار بیرون ملک بچت اور خرچ کے مختتم رجحانات پر ہوتا ہے جن سے دو باتوں کا تعین ہوتا ہے۔ اول یہ کہ غیر ملکی، آمدنی میں کوئی تبدیلی کس حد تک صرف میں ابتدائی کی کا نتیجہ ہوتی ہے اور دوم یہ کہ اس تبدیلی میں کتنا درآمدات کے ذریعہ واپس A میں پہنچتا ہے۔ برآمدات میں از خود ہونے والی کسی تبدیلی کے لیے مضروب فیہ کا فارمولا مندرجہ ذیل ہے۔

$$K = \frac{1}{MPSa + MPMa + MPMb\,(MPSa\,/MPSb)}$$

A میں مضروب فیہ مندرجہ ذیل صورتوں میں بڑا ہوگا۔

A میں درآمد کرنے کا مختتم رجحان نسبتاً کم ہو۔

A میں بچت کرنے کا مختتم رجحان نسبتاً کم ہو۔

B میں درآمد کرنے کا مختتم رجحان نسبتاً کم ہو۔ اور

B میں بچت کرنے کا مختتم رجحان نسبتاً زیادہ ہو۔

پہلے دو رجحانات A میں آمدنی خرد برد کو کم کر دیتے ہیں اور اس امر کو یقینی بنا دیتے ہیں کہ برآمدات میں اضافہ سے پیدا ہونے والے خرچ کی ابتدائی اور اس کے بعد آنے والی مقداریں اس سے زیادہ ہوں گی جتنی وہ دیگر صورت میں ہوتیں، B کے اندر درآمد کرنے کے مختتم رجحان کے کم ہونے سے A میں مضروب فیہ بڑھ جائے گا کیونکہ B کی آمدنی میں کسی کمی کے سبب A کی برآمدات میں ہونے والی کمی اس وجہ سے محدود ہو جائے گی۔ آخر میں B کے اندر بچت کا مختتم رجحان جتنا زیادہ ہوگا آمدنی میں گراوٹ اتنی ہی کم ہوگی اور نتیجۃً A کی برآمدات میں اس کے زیر اثر آنے والی کمی اتنی ہی کم ہوگی۔

بے شک ان تمام رشتوں کو الٹے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے مگر ہم صرف ایک کے بیان پر اکتفا کریں گے۔ اگر باہر درآمد کرنے کا مختتم رجحان زیادہ ہے تو A میں ضربیہ چھوٹا ہوگا کیونکہ بیرونِ ملک آمدنی میں ہونے والی کمی درآمدات کو فوراً کم کر دے گی اور اس سے A کی برآمدات میں ہونے والا ابتدائی اضافہ ختم ہو جائے گا۔

گھریلو سرمایہ کاری میں از خود ہونے والی تبدیلی کے لیے مضروب فیہ کا یہ فارمولا ہے۔

$$K = \frac{1 + (MPM_b / MPS_b}{MPS_a + MPM_a + MPM_b (MPS_a / MPS_b}$$

یہ مضروب فیہ برآمدات میں آزادانہ طور پر ہونے والی تبدیلی کے مضروب فیہ سے بڑا ہوتا ہے کیونکہ غیر ملکی بالواسطہ اثر ایسی سمت میں کارفرما ہوتا ہے جس سمت میں گھریلو سرمایہ کاری کام کرتی ہے اس کے برعکس نہیں جیسا کہ برآمدات میں تبدیلی کی صورت میں ہوتا ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم غیر ملکی تجارت کے مضروب فیہ اور غیر ملکی بالواسطہ اثرات کے موضوع کو خیرباد کہیں ایک یاددہانی مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ اگر باقی تمام دنیا (ہماری مثال میں ملک B) ملک A کے مقابلہ میں زیادہ بڑی ہے اور اس میں بہت سے ملک شامل ہیں تو غیر ملکی بالواسطہ اثرات کو نظرانداز کیا جا سکتا ہے۔ کل ملا کر ہر ایک ملک کا درآمدی رجحان بڑا ہو سکتا ہے لیکن ملک A سے اس کے درآمد کرنے کا مختتم رجحان کم ہی ہونے کا امکان ہے۔ پس غیر ملکی بالواسطہ قابل توجہ عنصر نہیں ہوگا یعنی گوئٹے مالا، اور نیوزی لینڈ اور مصر کے غیر ملکی تجارت کے مضروب فیہ میں۔ لیکن ریاستہائے متحدہ یا مغربی یورپ کی غیر ملکی تجارت پر بحث کرتے ہوئے اس کو نظرانداز کرنے

سے ہمارے لیے بڑے خطرات پیدا ہو سکتے ہیں۔

طالب علم کو پھر متنبہ کیا جاتا ہے کہ اس باب میں کی گئی بحث پیچیدہ ہونے کے باوجود بہت سے آسان کن مفروضوں پر جنھیں سہولت کی خاطر اپنایا گیا ہے ٹکی ہوئی ہے یہ مفروضے بنیادی اصولوں کو واضح کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ آمدنی کے تعین پر بحث کی موجودہ (اور ہنوز غیر واضح) صورت حال کے پیش نظر تھوڑا دم لینا مناسب ہوگا تاکہ زیر غور بنیادی ماڈل کی کچھ اہم خامیوں پر نظر ڈالی جا سکے۔

جنگ کے بعد کے عرصے میں زیادہ تر تجربی مطالعوں کے ذریعہ یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ مقرون بیہ جس رشتے کو یہاں بیان کیا گیا ہے وہ اگرچہ رجحان کے اعتبار سے صحیح ہے مگر حقیقت کے مناسب بیان سے کوسوں دور ہے۔ صَرف (یا بچت) تفاعل کا خط مستقیم ہونا ضروری نہیں ہے کیوں کہ آمدنی میں اضافہ کے ساتھ ساتھ بچت کرنے کا مختتم رجحان بڑھ سکتا ہے۔ درحقیقت جیسا کہ دائمی آمدنی کے نظریہ میں مانا جاتا ہے آمدنی میں وہ اضافے جنھیں محض اتفاقی تصور کیا جاتا ہے۔ سب کے سب بچت میں جا سکتے ہیں۔ رواں آمدنی کے علاوہ باقی دیگر تغیرات صَرف اور بچت طرزِ عمل کو بڑی حد تک متاثر کرتے ہیں۔ ان تغیراتی عناصر میں آمدنی اور صرف کی سابقہ سطحیں اور سابقہ بچتیں جو اب حقیقی املاک، اسٹاک، بونڈ اور بچت جمع جیسی دولت کے اندر جذب ہو گئی ہیں شامل ہیں۔ اور بلا شبہ وقت گذرنے پر قیمتیں بھی تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔

اپنے نظام میں وقت کو جگہ دینے سے ہم مزید مشکلات کا شکار ہو جاتے ہیں وقت کے وقفوں کا مسئلہ اور اثرات کو تیز تر کرنے والے عوامل کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ تغیر پذیر دنیا میں کارفرما ہوتے ہیں اور اوپر جس ساکن ماڈل کے خدوخال پیش کیے گئے ہیں اس کے دائرے سے باہر ہیں۔ سرمایہ کاری کے جن تفاعل کا استعمال کیا گیا ہے وہ خطِ مستقیم اور افقی ہیں ان میں آمدنی کے بدلنے سے کوئی تبدیلی نہیں ہوتی لیکن آمدنی میں ہونے والی تبدیلیاں مثلاً صرف میں اضافے کی وجہ سے سرمایہ کاری کی سطح میں تبدیلی کا باعث ہو سکتی ہیں۔ جیسے جیسے زیادہ اونچی آخری مانگ پورا کرنے کے لیے اموالِ صرف کی پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے۔ خاص طور پر جب نظام کی پوری صلاحیت کے استعمال کا وقت قریب آتا ہے تب پیداوار کی مزید توسیع کے لیے نئی مشینوں اور سامان کی فراہمی کی خاطر سرمایہ کاری میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ جب تک صارف مانگ کے بڑھنے کی شرح خود بڑھ رہی ہوتی ہے اس وقت تک اموالِ سرمایہ کاری کی مانگ میں بھی اضافہ ہوتا رہے گا۔ ایک بار اضافے کی شرح گر جانے کے

بعد سرمایہ کاری مانگ مطلق طور پر گھٹ جائے گی۔کم سرمایہ کاری ہونے پر مضروب نیہ آمدنی کو کم کرنے کے لیے کارفرما ہوگا اس لیے وہ صرف کو بھی کم کر دے گا۔ اس طرز سببیت کو ذہن میں رکھ کر تجارتی سائیکلوں اور طویل عرصے کے ترقیاتی رجحان کے گرد اتار چڑھاؤ کی وضاحت کے لیے ایکسلیریٹر ملٹی پلائر ماڈل تیار کیے گئے ہیں۔

غیر ملکی تجارت میں بعض ایسے مواقع آسکتے ہیں جہاں ایسا اثر رونما ہو جیسا گھریلو ایکسلیریٹر میں ہوتا ہے ہم اسے "غیر ملکی تجارت کا ایکسلیریٹر" کہہ سکتے ہیں۔ برآمدات میں اضافہ ہونے سے سرمایہ کاری بڑھتی ہے اور اس طرح فاضل درآمدات پیدا ہو جاتی ہیں۔ سرمایہ کاری میں اضافہ خود برآمدی صنعتوں میں ہو سکتا ہے۔ لندن میں امریکی سیاحت کے خرچ میں اضافے سے نئے ہوٹلوں کی تعمیر عمل میں آسکتی ہے۔ یا برآمدات میں توسیع سے پیدا ہونے والی عام خوشحالی سے گھریلو استعمال کی اشیاء بنانے والی صنعتوں میں نئی سرمایہ کاری رونما ہو سکتی ہے۔ ایکسلیریٹر اثر کو بھی مرحلہ بہ مرحلہ واضح کیا جا سکتا ہے۔ پہلے دور میں برآمدات بڑھیں گی۔ ان سے دوسرے مرحلے میں آمدنی اور صرف میں اضافہ ہوگا۔ برآمد میں اضافے اور اس سے پیدا ہونے والے صرف کے لیے پیداواری صلاحیت میں اضافہ کرنا ہوتا ہے اس لیے تیسرے مرحلے میں سرمایہ کاری بڑھتی ہے جو پھر آمدنی اور صرف کو بڑھاتی ہے اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہتا ہے۔

سادہ ایکسلیریٹر اپنے ناقابل عمل مفروضات کی بنا پر خود بھی نظریاتی اور تجربی ادب میں بدنامی کا شکار ہو چکا ہے۔ اور کیونکہ قومی آمدنی کے میدان میں نظریاتی کام کرنے والے اکثر ماہرین بند معیشت کا مفروضہ اختیار کرتے ہیں اس لیے تجارت کے ماہرین معاشیات بند نظاموں کے پیچیدہ دلائل کے نتائج کو بہت سے ملکوں والی دنیا پر لاگو کرنے میں اس وقت تک توقف سے کام لینا چاہیے جب تک یہ اصول صاف اور مسلمہ صورت اختیار نہ کرلیں تاہم ٹھیک اسی طرح جیسے ایکسلیریٹر گھریلو معیشتوں میں موجود ہوتے ہیں اور تجارتی سائیکلوں کو جنم دیتے ہیں وہ گاہے بگاہے اور مخصوص حالات میں بین الاقوامی معاشیات میں بھی پائے جا سکتے ہیں۔ اور جب وہ موجود ہوتے ہیں تو کسی متوازن پوزیشن سے برآمدات میں اضافہ کے سبب فاضل درآمدات یا برآمدات میں کمی سے فاضل برآمدات وقوع میں لاتے ہیں۔

درآمد کرنے کے لیے مختتم رجحانات کا جوڑ:

دو ملکوں کی کسی دنیا میں بہت سے مسائل میں اس بات سے کافی فرق پڑ جاتا ہے کہ درآمد

کرنے کے مختتم رجحانات کا جوڑ ایک سے زیادہ ہے، اس کے برابر ہے یا اس سے کم۔ آغاز اس امر سے کیجیے کہ A میں خرچ میں اضافہ ہوتا ہے اور B میں خرچ کے اندر اتنی ہی کمی واقع ہوتی ہے۔ دونوں ملکوں میں بچت کے مختتم رجحانات مساوی ہونے کی صورت میں اگر درآمد کے مختتم رجحانات کا جوڑ ایک دم .... ایک ہے تو دونوں ملکوں کی قومی آمدنی کا جوڑ نہ بدلے گا اور میزان ادائیگی A کے خلاف اور B کے موافق ہو جائے گا۔ میزان ادائیگی میں یہ تبدیلی خرچ میں ہونے والی تبدیلی کے برابر ہوگی۔ اگر خرچ میں ہونے والی تبدیلی 100 ہے اور ہر کیس میں مختتم رجحانات 0.5 ہیں تو تشریح کا کام آسان ہو جاتا ہے۔ A کے اخراجات میں اضافہ کا آدھا گھریلو اشیاء پر خرچ ہوگا اور آدھا درآمدات پر۔ درآمدات 50 کے برابر بڑھیں گی۔ اسی طرح B کے اخراجات میں ہونے والی کمی آدھی گھریلو اشیاء میں واقع ہوگی اور آدھی درآمدات میں۔ اس کی درآمدات بقدر 50 کم ہونگی۔ A کی برآمدات میں 50 کی کمی اور درآمدات میں 50 کا اضافہ توازن تجارت کو 100 کے برابر اس کے خلاف کر دے گا اور یہ منفی سرمایہ کاری خرچ میں ابتدائی اضافہ کو ختم کر دیتی ہے نیز قومی آمدنی کی سطح قائم رہتی ہے۔ B میں اس کے برعکس ہوتا ہے۔

اگر A اور B میں رقوم کو کچھ بدل دیا جائے لیکن درآمد کرنے کے مختتم رجحانات کا جوڑ اب بھی ایک ہی رہے تو اخذ کردہ نتائج میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ اگر درآمد کرنے کے مختتم رجحانات A میں 0.4 اور B میں 0.6 ہوں تو A کی برآمدات میں 60 کی کمی آئے گی جب کہ اس کی درآمدات 40 کے برابر بڑھیں گی اور اس طرح نتیجہ وہی رہے گا۔

اگر درآمد کرنے کا مختتم رجحان ایک سے زیادہ ہے تو میزان ادائیگی میں ہونے والی تبدیلی خرچ میں ہونے والی ابتدائی تبدیلی سے زیادہ ہوگی۔ A میں 0.6 MPM لے لیجیے۔ ابتدائی اثر کے طور پر A میں درآمدات 50 بڑھیں گی اور برآمدات میں 60 کی کمی واقع ہوگی۔ منفی سرمایہ کاری جو میزانِ ادائیگی میں 110 کے ابتدائی خسارے سے ظاہر ہوتی ہے A میں ابتدائی خرچ سے زیادہ ہے۔ اور A کی آمدنی گر جاتی ہے۔ اس کے برعکس B کی آمدنی بڑھے گی کیونکہ فاضل برآمدات خرچ میں ابتدائی گراوٹ سے زیادہ ہیں۔

اگر درآمد کرنے کے مختتم رجحانات ایک سے کم ہوں تو اس کے برعکس A میں خرچ بڑھنے اور B میں کم ہونے پر A میں آمدنی میں اضافہ ہوگا B میں آمدنی گھٹے گی اور میزانِ ادائیگی میں ہونے والی تبدیلی خرچ میں ابتدائی تبدیلیوں سے کم ہوگی۔ اسے عام طور پر نارمل کیس سمجھا جاتا ہے۔

خیال یہ ہے کہ ملک درآمدات کی نسبت گھریلو اشیاء پر زیادہ خرچ کرتے ہیں۔ وجہ نقل و حمل کی لاگت ہے جو بہت سی بھاری اور خراب ہو جانے والی اشیاء کا تجارت میں شامل ہونا تقریباً ناممکن بنا دیتی ہے۔ اگر A کی MPM 0.3 اور B کی 0.2 ہو A میں خرچ 100 بڑھنے اور B میں 100 کم ہونے سے شروع میں A کے میزان ادائیگی میں 50 کا خسارہ (B میں اضافہ) پیدا ہوگا اور A میں گھریلو خرچ کے لیے 50 فاضل بچ رہیں گے اور B میں اس کے برعکس ہوگا۔ اس سب کے نتیجہ میں قومی آمدنی میں ہونے والی تبدیلیاں اس سمت میں ہوں گی جس کی نشاندہی پہلے کی جا چکی ہے تاہم آخر میں میزانِ ادائیگی اور قومی آمدنی میں کیا تبدیلیاں ہوں گی۔ MPS اور مضروب فیہ کے علم کے بغیر نہیں بتایا جا سکتا۔

زرِ رسد:

ذرا ذہین طالب علم جس نے کینز کی معاشیات کلاں سے آگے جا کر زر کے وجود کو دوبارہ محسوس کر لیا ہوگا یہ مشاہدہ کرے گا کہ ہم نے اس باب میں اور باب 15 میں زر کی رسد پر کوئی توجہ نہیں دی ہے۔ زر کا تذکرہ قیمت۔ دھات، بہاؤ نظام اور قیمت سطح کے سلسلے میں باب 15 میں کیا گیا تھا۔ اس باب میں اس کا حوالہ نہیں دیا گیا گو کس اور پاٹینکسن کے نظام جو خرچ میں زر کی رسد کو شامل کرتے ہیں وضع ہو چکے تھے۔ اس طالب علم کو ذہین رہنے کے ساتھ ساتھ صبر سے کام لینا چاہیے۔ ہم شرح سود کے اثر کو کافی بعد تک زیر بحث نہیں لائیں گے یعنی درحقیقت باب 26 تک جہاں ہم سرمایہ کی قلیل مدتی نقل و حرکت کو عمل تطبیق میں شامل کر سکتے ہیں۔ بعض ماہرین معاشیات کی رائے میں زر کی رسد کا درآمدات پر براہ راست اثر پڑتا ہے۔ یہ اثر بچت اور درآمدات کے بیچ رقم کے انتقال سے رونما ہوتا ہے یعنی شرح سود بھی قیمتوں میں سے ایک ہے جسے گذشتہ باب کی بحث میں جگہ ملنی چاہیے۔ دوسروں کا خیال ہے کہ خرچ آمدنی کی بجائے زر کی رسد کا تفاعل ہے۔ بہرحال آج کے دن اور دور میں جب سرمایہ آزادانہ نقل و حرکت کر سکتا ہے سرمایہ قلیل مدتی نقل و حرکت پر زر کی رسد کے کردار کے مقابلہ میں یہ دونوں ہی روابط کم اہمیت کے حامل معلوم ہوتے ہیں۔ ہم انتظار کریں گے۔

خلاصہ:

ہیوم کو قیمت کے اثرات کی فکر تھی جب کہ ہماری دلچسپی کا مرکز آمدنی ہے۔ ہیوم کا قانون کہ

برآمدات درآمدات کے برابر ہوتی ہیں صرف بچت کی عدم موجودگی میں صحیح ہے۔ بچت کی عدم موجودگی میں برآمدات میں ہونے والا اضافہ آمدنی کو اس نقطہ تک بڑھادے گا جہاں فاضل برآمدات کو ختم کرنے کے لیے کافی اضافی درآمدات پیدا ہو جاتی ہیں۔ قومی آمدنی میں جس رقم کا اضافہ ہوگا اسے برآمدات میں ہونے والے اضافہ کو ایک مضروب فیہ سے جو $\frac{1}{MPM}$ کے برابر ہوتا ہے ضرب دے کر حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر بچت کی جاتی ہے تو برآمدات میں ہونے والا اضافہ درآمدات اور بچت میں ہونے والے اضافے سے زائل ہو جائے گا بشرطیکہ سرمایہ کاری میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔ اس صورت میں مضروب فیہ $1/(MPM + MPS)$ ہوگا۔

غیر ملکی تجارت کا مضروب فیہ قومی آمدنی میں اس تبدیلی کو بیان کرتا ہے جو برآمدات کے بدلنے یا کسی کھلی معیشت میں (جس میں آمدنی درآمدات میں راہ پاتی ہے) سرمایہ کاری کی تبدیلی سے رونما ہوتی ہے اگر درآمدات میں تبدیلی سے باہر آمدنی پر قابل لحاظ اثر پڑے اور اگر پھر باہر آمدنی کے بدلنے سے ملک کی برآمدات نمایاں طور پر متاثر ہوں تو غیر ملکی بالواسطہ اثرات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اب متعلقہ ملکوں کے بچت اور درآمد کرنے کے رجحانات کے مابین روابط کو بیان کرنے کے لیے زیادہ پیچیدہ فارمولے درکار ہیں۔

اگر کوئی ایکسیلریٹر کام کر رہا ہے اور اس کی وجہ سے برآمدات میں ہونے والے اضافے سے سرمایہ کاری بڑھتی ہے تو برآمدات میں ہونے والا اضافہ درآمدات میں اور بھی زیادہ اضافہ کو جنم دے سکتا ہے اور توازن تجارت کو غیر موافق بنا سکتا ہے۔

مطالعہ کے لیے تجاویز:

درسی کتب

دیکھیں Yeager Chap V ایک پرانی مگر مکمل وضاحت D.H. Marsh نے World Trade and Investment (New York : Harcourt Brace & Co. Inc. 1951) میں پیش کی ہے۔

تحقیقی رسائل

Meade, The Balance of Payments Parts II and III. میں ایک متوازی تجزیہ ملتا ہے جو مسائل کو حل کرنے کے عمومی طریقے کا استعمال کرتا ہے۔

F. Machlup International Trade and National Income Multiplier (Philadelphia The Blakiston Co. 1943) (Reprinted by M.Kelley Publishers 1965)

یہ ایک پرانا کام ہے مگر ایک مدقق تجزیہ کا استعمال کرتا ہے۔ کچھ اساتذہ ان تحریروں کو حرف آخر مانتے ہیں۔

Lloyd A Metzler, Unemployment Equilibrium in International Trade, Econometrica 1942.

J. M. Keynes, The General Theory of Employment Interest and Money (New York : Harcourt Brace & Co. Inc. 1936)

بیرونی بالواسطہ اثرات کے جس عمدہ بیان کو یہاں استعمال کیا گیا ہے اسے R. Robinson کے
دلچسپ مقالے " A Graphical Analysis of the Foreign Trade
Multiplier" EJ Sep. 1952. سے لیا گیا ہے۔

ایک اور خاکائی تجزیہ جسے پڑھنے میں طالب علم کو لطف آئے گا وہ ہے J. Black کا
" A Geometrical Analysis of the Foreign Trade Multiplier"
EJ June 1957

نکات

جدید اکانامیٹرک ماڈل سازی جو اس قسم کے تجزیۂ آمدنی کا سہارا لیتی ہے وہ ان کتابوں کے ابواب میں ملتی ہے۔

L. Klien and A. Goldberger : An Econometric Model of United States 1929- 1952 (Amsterdam, North Holland Publishing Co. 1955) and by R. Rhomberg and L. Boissonneault in J. Duesenberry G. Fromm, L. Klien and E. Kuh (eds) Brookings Quarterly Econometic Model of the United States (Chicago Rand Mc Natty & Co. 1965).

آخر الذکر میں نسبت شامل بحث ہے۔ برآمدات کو عالمی آمدنی پر منحصر مانا گیا ہے اور درآمدات کو الگ الگ کر دیا گیا ہے۔

باب 17 آمدنی اور قیمت کا باہمی عمل

مفروضات:

اب ہم ایسی دنیاؤں سے نکل کر جن میں قیمت بدلتی ہے تو آمدنی جامد رہتی ہے اور آمدنی بدلتی ہے تو قیمت ایسی حقیقی دنیا کی جانب رجوع کرتے ہیں جن میں قیمت اور آمدنی دونوں آزادانہ طور سے بدل سکتی ہیں۔ اس دنیا کے ساتھ دشواری یوں سمجھیے یہ ہے کہ یہ کم معینہ ہے۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ نامعلوم اقدار کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ان کا پتہ لگانے کے لیے کافی مساوات دستیاب نہیں ہیں ایسی صورت میں بین الاقوامی تطبیق پر بحث کرنا غیر ممکن ہے۔ اس لیے ہم مجبوراً بعض سوالات اٹھاتے ہیں اور یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ زیادہ محدود حالات میں مذکورہ نظام کس طرح کام کرتا ہے۔

گزشتہ پیرے میں "کم معینہ"، "نامعلوم اقدار کی تعداد اور مساوات" وغیرہ جیسی حسابی تراکیب سے اس طالب علم کو پریشانی نہیں محسوس کرنی چاہیے جسے ہائی اسکول سے اوپر کے ریاضی میں مہارت اور/ یا خود اعتمادی حاصل نہیں ہے۔ یہ اس قسم کا مضمون ہے جہاں غالباً ریاضی کا استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن ہم صدر جہ آسان نثر کی دنیا میں ہی رہیں گے۔ وجہ صرف پڑھنے والے کے مَن کا خوف ہی نہیں ہے بلکہ لکھنے والے کی استعداد بھی ہے۔

بے شمار امکانی صورتوں میں سے ہم چھ طرح کی صورت حال کا جائزہ لیں گے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ میزان ادائیگیوں اور سکّے کی قیمت میں سرکاری کمی کے آمدنی پر اثرات۔
۲۔ کامل روزگار کی صورت میں شرح کی گراوٹ۔
۳۔ ڈھانچائی افراطِ زر اور آمدنی کی از سرِ نو تقسیم۔
۴۔ متوازن تجارت کے ساتھ لچکیلی مبادلہ شرحیں۔
۵۔ تبدیل شدہ صلاحیت پیداوار۔

۶۔ باہر آمدنی اور قیمت میں تبدیلی ۔

سکہ کی قیمت میں سرکاری کمی کے میزانِ ادائیگی اور آمدنی اثرات :

ہم بحث کا آغاز اس سادہ حقیقت کے اعادہ سے کر سکتے ہیں کہ سکہ کی قیمت میں سرکاری کمی کے میزان ادائیگی اثرات اور آمدنی اثرات میں قریبی تعلق ہے ۔ شکل 17.1 میں مان لیجیے کہ شرح کی گراوٹ کے سبب M – X جدول اوپر کی جانب کھسک جاتی ہے[1]۔ کیونکہ لچکوں کا جوڑا اکائی سے زیادہ ہے ۔ میزان ادائیگی میں ہونے والا خالص سدھار اس رقم سے کم ہوگا جتنے سے جدول اپنی جگہ سے کھسک گئی ہے کیونکہ ابتدائی میزان ادائیگی اثر ایک آمدنی اثر کو پیدا کرتا ہے یعنی M – X جدول کے M′ – X′ مقام پر کھسک جانے کی وجہ سے آمدنی Y سے بدل کر Y′ ہو جاتی ہے ۔

شرح میں گراوٹ کا ابتدائی اثر کتنا کم ہو جائے گا اس کا تعین کس امر سے ہوتا ہے ؟ جواب ظاہر ہے ۔ یہ I/S جدول کا ڈھال ہے ۔ اگر یہ بہت تیکھا ہوتا ہے جس سے مضروب فیہ بہت چھوٹا ہو جاتا ہے تو آخر میں میزانِ ادائیگی اثر بہت کچھ ابتدائی ضرب کے مانند ہوگا لیکن اگر I/S جدول نسبتاً چپٹی ہو تو لمبے عرصے میں یہ آمدنی اثر میزان ادائیگی اثر کو بڑی حد تک معتدل کر دے گا ۔

منہائی کا میزانِ ادائیگی اثر

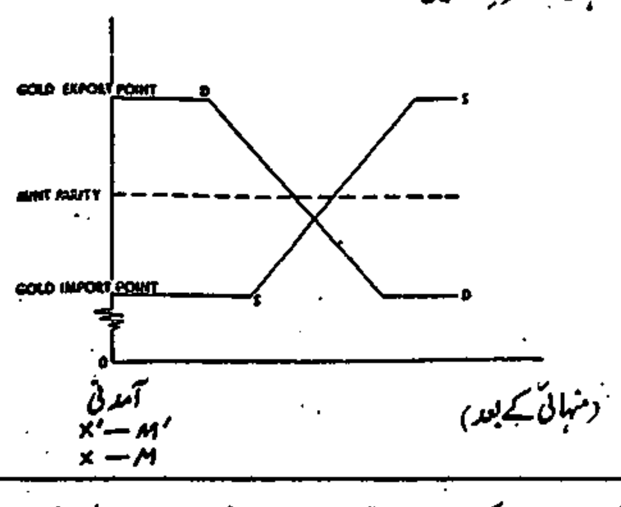

---

[1] واضح رہے کہ ہمیں ان کیسوں میں جہاں قیمت بدلتی ہے آمدنی کے خاکے استعمال کرنے میں محتاط رہنا ہوگا (باقی صفحہ پر)

شرح مبادلہ کی گراوٹ کے آمدنی اثر پر زور دینے سے ایک مزید نکتہ پیدا ہوتا ہے کہ شرح مبادلہ میں بعض تبدیلیاں میزان ادائیگی کو متاثر کرنے کے لیے نہیں بلکہ آمدنی میں اضافے کی حوصلہ افزائی یا اسے کم رکھنے کے لیے کی جاتی ہیں۔ 1961 میں کناڈائی ڈالر کی شرح کو 1.05 $ سے ریاستہائے متحدہ کے ڈالر میں کم کرنے کی کینیڈا کی کوشش کا یہی مدعا تھا۔ یا شرح میں اضافہ افراطِ زر کا مقابلہ کرنے کے لیے کیا جا سکتا ہے۔ 1948 میں نیوزی لینڈ کی کرنسی کی شرح مبادلہ میں اضافہ اس امر کا شاہد ہے اسی طرح 1961 میں جرمن مارک کی شرح میں 5 فیصد کا اضافہ زیادہ تر معیشت کے ضرورت سے زیادہ گرم ہو جانے سے بچنے کے لیے کیا گیا تھا۔ آمدنی یا میزانِ ادائیگی اثر کون زیادہ نمایاں ہوگا بے شک اس کا انحصار 1/a — S جدول کے ڈھال پر ہے۔ جب یہ جدول چپٹی ہوتی ہے تو جیسا کہ شکل 17.2 میں دکھایا گیا ہے تو شرح میں گراوٹ سے محض افراطِ زر رونما ہوتا ہے اور میزانِ ادائیگی اثر صفر رہتا ہے۔ جب یہ تیزی سے اوپر کی جانب اٹھتی ہے تو میزان ادائیگی اثر زیادہ اور آمدنی اثر کم ہوتا ہے۔ بچت پر کیا اثر پڑے گا اس کا علم نہ ہونے کی صورت میں زری اختیاریہ سے حماقت سرزد ہو سکتی ہے یعنی وہ شرح مبادلہ میں میزانِ ادائیگی کی وجہ سے تبدیلی کریں اور حاصل ہوا آمدنی اثر (اگر بچت کا مختتم رجحان اندازے سے بہت کم ہوا اور مضروب نیہ بہت زیادہ) یا وہ متلاشی ہوں آمدنی اثر کے اور تبدیلی ہو جائے میزان ادائیگی میں۔

سرب وغیرہ زر کی عدم موجودگی میں میزانِ ادائیگی سدھارنے میں منہائی کی ناکامی

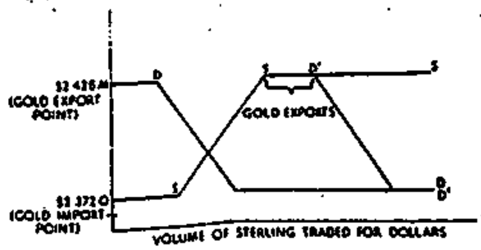

(بقیہ صـــہ) اس خاکے میں زری اور حقیقی آمدنیوں میں سر موکوئی فرق نہیں ہے اور چونکہ بہر صورت قیمتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی M—X جدول میں ہونے والی تبدیلی 1/a — S جدول میں تبدیلی سے قطعی طور پر بے تعلق ہو سکتی ہے قیمت کے بدلنے کی صورت میں ایسا نہیں ہوگا۔ سچ تو یہ ہے کہ ہمیں آمدنی کے خاکے سے دور ہی رہنا چاہیے مگر ہم اس کا احتیاط کے ساتھ استعمال کرنا چاہیں گے۔

کامل روزگار کے تحت شرح کی گراوٹ :

اب تک کی بحث کینزیائی تجزیہ کے خطوط پر کی گئی ہے۔ اس تجزیہ کا تقاضہ یہ ہے کہ دیگر عوامل کی رسد لچکیلی ہو یعنی زمین، محنت اور سرمایہ کاری غیر متغیر قیمتوں پر وافر مقدار میں دستیاب ہوں نیز یہ کہ زرئی آمدنی میں ہونے والی تبدیلی حقیقی آمدنی میں ہونے والی تبدیلی کے برابر ہو۔ وہ ادب جس نے مارشل۔ لرنر شرط کو جنم دیا زیادہ تر 1930 کی دہائی کے مندی کے دور میں منظر عام پر آیا تھا۔ اس وقت موٹے طور پر یہ تجزیہ صحیح تھا۔ لیکن کیا اس تجزیہ کو کامل روزگار کی صورت میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اس بات پر دھیان دینے کی ضرورت ہے کہ شکل 17.1 میں میزانِ ادائیگی میں بالآخر ہونے والی بہتری کریا تو میزانِ ادائیگی میں ابتدائی سدھار نفی حقیقی آمدنی میں اضافہ ضرب در آمد کے لیے مختتم رجحان تصور کیا جا سکتا ہے۔ میزانِ ادائیگی میں خالص سدھار کے برابر بچت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

اس نکتہ کو الجبرائی طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ قومی آمدنی کی شرطِ توازن یہ ہے۔

$$Y = C + Id + G + X - M$$

اگر ہم اس میں تھوڑی تبدیلی کریں اور علاقات کو بدلیں تو ہم یوں لکھ سکتے ہیں۔

$$X - M = Y - (C + Id + G) \quad \text{(اس طرح)}$$

چالو کھاتے پر میزانِ ادائیگی پیدا کردہ آمدنی نفی خرچ کے برابر ہوتا ہے۔

اخراجات کی مدوں $C + Id + G$ کا احاطہ کرنے کے لیے پروفیسر الیکزنڈر نے ادب میں ایک اصطلاح "انضمام" کا اضافہ کیا ہے۔ انضمام کے لیے A اور میزانِ ادائیگی کے لیے B کا استعمال کرتے ہوئے انھوں نے اس مساوات کو اس طرح پیش کیا ہے۔

$$B = Y - A$$

کسی دی ہوئی پوزیشن سے ہونے والی تبدیلیوں کو بھی اس مساوات سے دکھایا جا سکتا ہے۔ متغیر عنصر کی تبدیلیوں کو چھوٹے حروف سے ظاہر کرتے ہوئے ہم یوں لکھ سکتے ہیں۔

$$b = y - a$$

میزانِ ادائیگی میں ہونے والی تبدیلی پیداوار میں ہونے والی تبدیلی نفی خرچ میں ہونے والی تبدیلی کے برابر ہوتی ہے۔

روزگار کامل نہ ہونے کی صورت میں پیدا دار کو انضمام سے زیادہ بڑھا کر یا کسی مثبت ڈھال والی I/Ma — S جدول کے اوپر آگے کھسک کر میزانِ ادائیگی کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن کامل روزگار کی صورت میں ـــــ ایسی صورت حال کم ترقی پذیر ملکوں میں پائی جاتی ہے اور دوسری جنگ عظیم کے بعد کے بیشتر عرصے میں ترقی یافتہ ملکوں میں رہی ہے ـــــ یہ امر قطعی طور پر واضح نہیں کہ لا کو بڑھایا جا سکتا ہے۔ ان حالات میں میزانِ ادائیگی کو بہتر بنانے کے امکانات کا انحصار بقول الیکزنڈر اس بات پر ہے کہ انضمام کو کم کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ وہ کون سا طریقہ ہے جس کے ذریعہ منہائی شرح بچت میں اضافہ یا انضمام کو کم کر سکتی ہے؟

ایک امکان "سراب زر" کا ہے۔ مان لیجیے کہ حقیقی آمدنی کی بجائے زر کی آمدنی میں اضافہ ہونے سے بچت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کا مطلب "سراب زر" ہے یعنی خرچ کی عادات قیمتوں کی سطحوں کا خیال کیے بغیر زرئی آمدنی کے ساتھ ساتھ بدلتی ہیں۔ منہائی شرح کے تحت زرئی آمدنی میں اضافہ ہونے پر قیمتوں میں اضافے اور ان کے ساتھ حقیقی آمدنی غیر متغیر رہنے کے باوجود لوگ خرچ ہونے والی آمدنی کا تناسب کم کر دیں گے۔ در اصل ہم اسی پوزیشن میں رہ جائیں گے جسے شکل 17.1 ظاہر کرتی ہے بشرطیکہ افقی محور "زرئی آمدنی" کو ظاہر کرے۔ "حقیقی آمدنی" کو بھی نہیں۔ x - M جدول کے اوپر کھسک جانے پر یہ I/Ma — S جدول کو نسبتاً اونچی زرئی آمدنی کے نقطہ پر کاٹے گی اور قومی پیداوار بالکل وہی رہے گی جو پہلے تھی۔ لیکن حقیقی بچت میں اضافہ ہوگا اور میزانِ ادائیگی سدھر جائے گا۔

ایک دوسرا امکان مشہور و معروف پیگو۔ اثر میں پایا جاتا ہے جسے کیمبرج کے مشہور نامور معاشی سے منسوب کیا گیا ہے۔ زر کی رسد نہ بدلنے کی صورت میں قیمتوں اور زرئی آمدنی میں اضافے ہونے سے ـــــ پیگو کا خیال تھا ـــــ بچت میں اضافہ رونما ہو سکتا ہے کیونکہ صارف اپنے پاس موجود زر نقد کی حقیقی قدر کو دوبارہ بنانے کی کوشش کریں گے جو قیمتوں میں اضافے ہونے کے سبب کم ہو گئی تھی۔ معیاری طور پر یہ سوال اس طرح پوچھا جاتا ہے کہ اس وقت کیا ہوگا اگر ساری قیمتیں اور آمدنیاں دوگنی ہو جائیں مگر زر اتنا ہی رہے۔ ظاہر ہے کہ لوگ حقیقی آمدنی اور سیال اور جامد زرئی املاک کے بیچ پرانے تناسب کو بحال کرنا چاہیں گے اور حقیقی آمدنی کے مقابلہ میں بچت کی جدول اوپر کی جانب کھسک جائے گی۔ پس یہ ایک اور امکانی طریقہ ہے جس کے ذریعہ

[illegible]

اس کے اتنا بڑا عنصر ہونے کا امکان نہیں ہے کہ اس پر تکیہ کیا جا سکے۔

یا زر کی رسد ایک دوسرے طریقہ سے اثر انداز ہو سکتی ہے۔ زر کی رسد نہ بدلنے اور قیمت نیز آمدنی میں اضافہ سے شرح سود بڑھ سکتی ہے۔ اس سے بچت کی جدولوں میں جو شرح سود سے متاثر ہوتی ہیں زیادہ بچت رونما ہوگی۔ یہ بات نہایت درجہ کلاسیکی اور غیر کینزیائی دنیا میں سچ ثابت ہوگی۔

لیکن کامل روزگار کی صورت میں میزانِ ادائگی میں سدھار کی حقیقی اُمید اس امر میں مضمر ہے کہ اس کے آمدنی کی تقسیم پر جو انضمام کو متاثر کر سکتی ہے کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ اگر درآمدات کا بڑا حصہ عام صرف کے کام آتا ہے تو منہائی شرح سے اخراجات زندگی میں اضافہ ہو جانے گا اور مزدوروں، سرکاری ملازمین، اساتذہ، پنشن پانے والوں، اور مقررہ آمدنی والے ایسے ہی دیگر لوگوں کی حقیقی آمدنی کم ہو جائے گی۔ وہ کم بچت کریں گے۔ لیکن غیر ملکی تجارت کے سیکٹر — برآمدات اور درآمدات کی حریف صنعت — میں قیمتوں کے بڑھنے سے منافعوں میں اضافہ ہوگا اور اس کی وجہ سے کم از کم ابتدا میں نئی بچتیں ہوں گی۔ کل ملا کر لمبے عرصے میں انضمام گھٹے گا یا نہیں اس کا انحصار کسی حد تک دو باتوں پر ہوگا کہ منافع کی اونچی شرح کی وجہ سے نئی سرمایہ کاری غیر ملکی تجارت کے سیکٹر میں ایسا ہونے پر انضمام میں پھر اضافہ ہو جائے گا یا کیا سماج آمدنی کی تقسیم میں تبدیلیوں کو بخوشی قبول کرنے کے لیے تیار ہے۔ یہ ایک مختلف قسم کا ردِ عمل ہوگا۔

یہاں پر بہت کچھ دارومدار ادارائی قوتوں پر ہے۔ محنت کی سیاسی طاقت اور کل قومی آمدنی میں اپنے حصہ میں تخفیف کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے قبضہ میں ہر ہتھیار کو استعمال کرنے کے لیے آمدنی کے مختلف گروہوں کی آمادگی ان قوتوں میں شامل ہیں۔ جہاں پر اجرتوں کی شرحیں معیار زندگی کی لاگت سے منسلک ہوتی ہیں جیسا کہ اسکنڈنیویائی ممالک میں ہے وہاں پر منہائی شرح کے ذریعہ آمدنی کی تقسیم میں کسی بھی تبدیلی اور بچت میں اضافے کا امکان تقریباً معدوم ہوتا ہے۔ یا جہاں جیسے فرانس میں آمدنی کا ہر ایک گروہ — کسان، مزدور، سرکاری ملازمین، سپاہی، صنعت کار — اپنی حقیقی آمدنی میں کسی بھی کمی کو روکنے کے لیے ہر ایک ہتھیار اسٹرائک اور تشدد استعمال کرنے کے لیے تیار رہتا ہے وہاں منہائی شرح کے ذریعہ اس مقصد کے حصول کا امکان نہیں ہوتا۔ یہ صرف 1958 میں ڈیگال کی طاقتور حکومت کے برسر اقتدار آنے کا نتیجہ تھا کہ فرانسیسی سکہ کی قیمت کو کامیاب طور پر کم کیا جا سکا۔ یہ ایسی تخفیفِ شرح تھی جس نے محنت اور زراعت کے میدان میں حقیقی آمدنیوں کو گھٹا کر کارِ باری

طبقہ کو فائدہ پہنچایا۔ واضح رہنا چاہیے کہ لمبے عرصے میں معاشی نشو و نما ان طبقوں کے نقصانات کی تلافی کر دیتی ہے لیکن تھوڑے عرصے میں اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ میزانِ ادائیگی میں سدھار انھیں نقصان پہنچا کر ہی حاصل کیا گیا تھا۔ جب تک آمدنی کے نو تقسیم کا سہارا نہ ملے سراب زر، بیگو۔ اثر یا دی گئی حقیقی آمدنی کے تفاعل کی حیثیت سے بچت میں اضافہ کرنے کا کوئی دیگر طریقہ مثلاً بقول ایکلنڈ شرح کی منہائی کامل روزگار کی صورت میں از خود میزانِ ادائیگی کو بہتر نہیں بنا سکتی۔ اگر حقیقی آمدنی کو بڑھانا ممکن نہ ہو تو انضمام کم ہونا چاہیے، صرف کم کیا جانا چاہیے یا سرمایہ کاری میں کمی کی جانی چاہیے شرح کی منہائی سے انضمام کم نہ ہونے کی صورت میں ملک کے اندر قیمتوں میں اضافہ ہوگا۔ شرح کی تبدیلی پیمانے کے گز سے فٹ میں بدل دینے کے سوا کچھ نہ ہوگی اور ظاہر ہے کہ پیمانہ بدل جانے سے کسی بھی چیز کی لمبائی نہیں بدلتی۔

لیکن اب ماہرینِ معاشیات اس بات پر اتفاق رائے رکھتے ہیں کہ ایک...... اہم نکتہ ایکلنڈر کی نظر سے چوک گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے منہائی شرح کے ذریعہ وسائل کی تقسیم (مختلف پیداواری کاموں میں) کو بدل کر حقیقی آمدنی کو بڑھا سکنے کا امکان۔ مان لیجیے روزگار کامل ہے اور میزانِ ادائیگی خسارہ بردار ہے ظاہر ہے کہ شرح مبادلہ ضرورت سے زیادہ اونچی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وسائل کو برآمدات اور درآمدات کی حریف اشیاء پیدا کرنے والی صنعتوں میں سے نکال کر گھریلو اشیاء والی صنعتوں میں لگا دیا ہے۔ شرح مبادلہ کو گھٹا کر درست کرنے سے وسائل کی تقسیم بدلے گی جس سے حقیقی آمدنی میں اضافہ ہوگا۔ کسی خاص صورت حال کو چھوڑ کر آمدنی میں کتنا اضافہ ہوگا مبہم ہے کیونکہ قیمتوں کے بدلنے سے اشاریائی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگر منہائی شرح سے قبل کی قیمتوں کو لیا جائے (لیسپیر کا اشاریہ) تو آمدنی میں ہونے والی تبدیلی اس صورت سے مختلف ہوگی جس میں شرح گرنے کے بعد کی قیمتوں (پاشے کا اشاریہ) کو استعمال کیا جاتا ہے۔ تاہم تبدیلی کو ناپنے کی اس دشواری کے باوجود اضافہ وجود میں تو ضرور آیا ہے۔ اور اگر آمدنی میں اضافے کے ساتھ ساتھ انضمام کو نہ بڑھنے دیا جائے تو انضمام کی تخفیف کے نہ ہوتے ہوئے بھی میزانِ ادائیگی کے بہتر ہونے کا امکان بنا رہتا ہے۔ کچھ مصنفین اس اثر کو زیادہ اور کچھ کم اہمیت دیتے ہیں۔ پروفیسر میچلپ اور سیزہمن اسے مرکزی اہمیت کا حامل سمجھتے ہیں۔ کامل روزگار کی صورت میں انضمام اور تقسیم وسائل کی نسبتی اہمیت خواہ کچھ بھی ہو یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دونوں میں سے نظر انداز ایک کو بھی نہیں کیا جا سکتا۔

تخفیف شرح مبادلہ، ڈھانچائی افراطِ زر اور آمدنی کی دوبارہ تقسیم:

الیکزنڈر کے تجزیہ میں سراب زر، پیگو۔ اثر، اور آمدنی کی دوبارہ تقسیم مساوی (اور محدود) اہمیت کے حامل ہیں لیکن اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ لاطینی امریکہ میں تخفیف شرح کے بیشتر کیسوں کی وضاحت بنیادی طور پر آمدنی کے دوبارہ تقسیم اثر اور اس علاقے میں "ڈھانچائی افراطِ زر" (کہلائی جانے والی صورتِ حال) کے ذریعہ کی جاسکتی ہے۔ ارجنٹائنا یا برازیل یا چلی کسی کا بھی کیس لے لیجیے حالات کا سلسلہ کچھ اس طرح چلتاہے کہ بڑھتی ہوئی محنت لاگتیں اور جامد شرح مبادلہ کی وجہ سے برآمد کرنے والوں کی لاگتوں میں اضافہ اور ان کے منافع کم ہوتے ہیں۔ اسی کے ساتھ شہر کے مزدوروں کو اشیاء درآمد کرنے کی آزادی ہوتی ہے۔ پس میزانِ ادائیگی میں خسارہ رونما ہوتا ہے۔ کامل روزگار کی صورت میں جامد شرح مبادلہ حقیقی آمدنی کی تقسیم کو شہری مزدوروں کے حق میں بدل دیتی ہے۔ درآمدات میں اضافہ ہونے کی وجہ سے اس طبقے کی حقیقی آمدنی میں اور بھی اضافہ ہوجاتا ہے اور زرِ مبادلہ کے قومی رزرو کم ہوجاتے ہیں۔

جب اس خسارہ کو روکنا ضروری ہوجاتا ہے تو تخفیف شرح حقیقی آمدنی کے رخ کو شہری مزدوروں کی طرف سے دیہی برآمدی مفادات کی جانب موڑ دیتی ہے کیونکہ اشیاء برآمد کی قیمتوں میں اضافہ کے ساتھ ساتھ رہن سہن کی لاگت میں بھی اضافہ ہوجاتا ہے۔ جو منافع بچت کو بڑھاتے ہیں انھیں حقیقی اجرتوں کو کاٹ کر حاصل کیا جاتا ہے۔ اس سے کُل صرف گھٹتا ہے اور انضام میں کمی آتی ہے۔ بعض انتہائی صورتوں میں تخفیف شرح کے بارے میں لاطینی امریکہ کے اس نظریہ کا یہ دعویٰ ہے کہ میزانِ ادائیگی اثر کے مقابلے میں شرح میں گراوٹ کا آمدنی نو تقسیم اثر زیادہ اہم ہوتا ہے۔ اور درحقیقت برآمد کرنے والے تخفیف شرح کے طالب اسی لیے ہوتے ہیں کہ اس کا آمدنی کا نو تقسیم اثر مزدور طبقے کی اجرتوں میں ہونے والے اضافہ کا ازالہ کردے۔ اس تجزیہ میں دونوں گروہ کم بچت اور خوب خرچ کرتے ہیں۔ اس لیے تخفیف شرح سے میزان ادائیگی میں زیادہ سدھار نہیں ہوپاتا۔ یا اسی نکتہ کو دوسری طرح پیش کیا جاسکتا ہے۔ میزانِ ادائیگی کو بہتر بنانے کے لیے منہائی شرح کی راہ میں اصل رکاوٹ یہ ہے کہ ہم تقسیم آمدنی کو موثر طور پر بچت کرنے والوں کے حق میں بشمول سرکار جو منافع پر ٹیکس لگاتی ہے تبدیل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ ہر وہ طبقہ جو یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کی حقیقی آمدنی میں کمی جاری ہے قیمتوں میں اضافہ کر دیتا ہے، پیداوار کو روک لیتا ہے یا اس وقت تک کے لیے ہڑتال

کردیتا ہے جب تک درآمدات کی بڑھی ہوئی قیمتوں کے سبب رہن سہن کی لاگت میں ہونے والے اضافہ کی تلافی کے لیے آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ نہ ہو جائے۔ اس سب کا آخر میں یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ گھریلو قیمتیں اور زری آمدنیاں شرح میں گراوٹ کے (فیصد) حساب سے بڑھ جاتی ہیں اور نظام جوں کا توں باقی رہتا ہے۔ "ڈھانچائی افراطِ زر" کے ماہرین کا یہ دعویٰ ہے کہ شرح کی منہائی میزانِ ادائیگی کو سہارا نہیں دے سکتی۔ اس دعویٰ کا کیا سبب ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

لچکیلی شرحیں اور متوازن تجارت:

مبادلہ شرح میں تبدیلیوں کے آمدنی اثرات اور قیمت کے بیچ باہمی عمل کو ایک مختلف پس منظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ مان لیجیے کہ کوئی ملک شرح مبادلہ کے لچکیلے نظام کو اپناتا ہے جس کی وجہ سے اس کی میزان ادائیگی ہمیشہ متوازن رہتی ہے۔ کیا ان حالات میں مذکورہ معیشت ایسی آزادانہ زری اور تحصیلی پالیسی پر قائم رہ سکے گی جو گھریلو زری آمدنی کو مستحکم اور غیر ملکی بالواسطہ اثرات سے مبرا رکھے۔؟ بہت سے ماہرین معاشیات ایسا خیال کرتے ہیں۔ نئی راہوں کو روشن کرنے والے ایک مقالہ میں لارسن اور میزلر نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ایسا نہیں ہو سکے گا۔

ہم اپنی بحث کا آغاز معیشت کی میزانِ ادائیگی کے طرزِ عمل سے کرتے ہیں۔ برآمدات کے لیے مانگ یا درآمدات کی رسد میں تبدیلیاں رونما ہونے پر معیشت خود کو نہایت سرعت اور آسانی سے ان کے مطابق ڈھال لیتی ہے۔ یہ کام شرح مبادلہ میں ضروری تبدیلیوں اور گھریلو وسائل کی تقسیم میں بنا لاگت اور تیز رفتار رد و بدل کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔ مثال کے طور پر برآمدات کی مانگ کم ہو جانے کی صورت میں شرح مبادلہ اس درجہ کم ہو جائے گی جہاں اس سے پیدا ہونے والی نئی برآمدات یا کم شدہ درآمدات خود کارانہ طور پر ابتدائی تبدیلی کے اثر کو زائل کر دیں گی۔ برآمدات کی مانگ بڑھنے پر شرح مبادلہ میں اضافہ بڑھی ہوئی برآمدات کو ختم کر دے گا یا ابتدائی تبدیلی کا مداوا کرنے کے لیے درآمدات میں ضروری و مناسب اضافہ کر دے گا۔ اس طرح میزانِ ادائیگی ہمیشہ متوازن رہے گا۔ پہلے اندازہ کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ گھریلو وسائل پر خرچ میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی کیونکہ یا تو منہائی کے سبب برآمدات پر خرچ میں ہونے والی دیگر تبدیلیاں یا درآمدات میں تبدیلی کے ساتھ ان کی جگہ استعمال کی جا سکنے والی گھریلو اشیاء پر کیے جانے والے خرچ میں دیگر تبدیلیاں برآمدات پر غیر ملکی خرچ میں رونما ہونے والی تبدیلی کی کاٹ کر دیں گی۔ مثال کے طور پر برآمدات کم ہوں اور درآمدات

بھی اتنی ہی گھٹ جائیں تو برآمدات پر ہونے والے غیر ملکی خرچ میں کمی درآمدات کے بدل پر گھریلو خرچ میں اضافے سے پوری ہو جائے گی۔ اس کے لیے برآمدات کے سیکٹر سے درآمدات کی حریف صنعتوں میں گھریلو وسائل کا آسان اور رکاوٹوں سے بری انتقال درکار ہوگا۔ مان لیجیے کہ ایسا کیا جا سکتا ہے تو کیا گھریلو آمدنی مستحکم نہ ہو جائے گی؟

لارنس اور میزلر اس مسئلہ کو کل گھریلو خرچ پر شرائطِ تجارت میں ہونے والی تبدیلیوں کے اثر کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ غیر ملکی مانگ یا رسد میں ہونے والی تبدیلیوں کا میزانِ ادائیگی پر کوئی اثر نہ ہو لیکن شرائطِ تجارت ضرور متاثر ہوں گی۔ شرائطِ تجارت میں ہونے والی یہ تبدیلیاں قومی آمدنی اور خرچ کو کس طرح متاثر کریں گی؟

دو ملک اور دو اشیاء والے ماڈل میں روزگار سے متعلق اثرات مفقود ہوں گے کیونکہ ادل بدل کے اس ماڈل کے پس پشت ... کا قانون کارفرما رہتا ہے۔ تمام آمدنی خرچ کر دی جاتی ہے حقیقی آمدنی میں ہونے والی تبدیلیاں بچت کو متاثر نہیں کر سکتیں کیونکہ اس ماڈل میں بچت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن اگر بچت کی اجازت دے دی جائے تو ایک سوال اٹھتا ہے اور ایک مسئلہ پیدا ہو سکتا ہے۔

اس سوال کا جواب دینے کے لیے ہمیں معیشت کے بارے میں مزید مفروضے اختیار کرنے ہوں گے خاص طور پر ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ بچت کی شرح کا شرائطِ تجارت میں ہونے والی تبدیلیوں سے کیا تعلق ہے۔ مختلف ماہرینِ معاشیات نے ایسے بہت سے مفروضے پیش کیے ہیں۔

لارنس اور میزلر نے جس مفروضہ کو اختیار کیا تھا وہ یہ تھا بچت حقیقی آمدنی پر منحصر ہوتی ہے نیز یہ کہ شرائطِ تجارت بہتر ہونے سے آمدنی میں اضافہ بچت کو بڑھا دے گا اور شرائطِ تجارت گھٹنے پر بچت کم ہو جائے گی۔ اس سے انھوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ شرائطِ تجارت میں موافق تبدیلی سے حقیقی آمدنی اور بچت میں اضافہ ہونے کی وجہ سے قومی آمدنی گھٹ جائے گی۔ شرائطِ تجارت بہتر ہونے سے ان کی رائے میں مندی کی صورت پیدا ہو جائے گی۔ اس کے برعکس شرح میں گراوٹ سے شرائطِ تجارت خراب ہوں گی اور افراطِ زر رونما ہوگا کیوں کہ حقیقی آمدنی گھٹنے سے خرچ میں اضافہ (بچت میں کمی) ہوگی۔

اسٹولپر (شرائطِ تجارت کی بجائے) درآمدی قیمتوں کے ذریعہ کام کر کے سیدھے بچت تک پہنچے۔ ان کا مفروضہ یہ تھا کہ صارف کے ڈالر کے لیے بچت اور درآمدات ایک دوسرے کے حریف ہیں۔

اس صورت میں درآمدی قیمتوں میں اضافے (شرائطِ تجارت میں خرابی) سے درآمدات پر خرچ کم ہوجانے گا (لچک اکائی سے زیادہ) اور بچت بڑھ جائے گی۔ کُل خرچ گھٹے گا اور آمدنی کم ہوجائے گی اس کے برخلاف درآمدات کے سستا ہونے پر باہر سے اشیاء خریدنے کے لیے بچت کم کردی جائے گی جس سے خرچ میں اضافہ ہوگا۔

پس لازنس اور میزلر کی رائے میں شرائطِ تجارت میں بہتری ترفیم زر کی حالت رونما کرتی ہے اور اسٹولپر کی رائے میں افراطِ زر کی شرائطِ تجارت خراب ہونے پر اثرات اس کے برعکس ہوں گے۔

لازنس۔میزلر مفروضہ تنقید اس بنیاد پر کی جاسکتی ہے کہ یہ حد درجہ تنگ و محدود ہے۔ شرائطِ تجارت میں بڑی تبدیلی —— مثلاً ۱۰ فیصد —— حقیقی آمدنی میں کہیں کم تبدیلی پیدا کرے گی۔ درآمد کرنے کا مختتم رجحان 20 فیصد ہونے پر شرائطِ تجارت میں اسی قدر تبدیلی حقیقی آمدنی کو صرف 2 فیصد ہی متاثر کرے گی۔ حقیقی آمدنی میں 2 فیصد کی تبدیلی کسی بھی صورت میں بچت یا خرچ میں بہت زیادہ تبدیلی کا سبب نہیں بن سکتی۔ زیادہ بنیادی بات یہ ہے کہ درآمدات کی قیمتوں میں کمی کے سبب حقیقی آمدنی میں اضافہ ترقیم زر کی حالت پیدا نہیں کرسکتا کیونکہ کوئی بڑی ترقیم زر حقیقی آمدنی کو گھٹا دے گی اور حقیقی خرچ کو اس سطح پر بحال کر دے گی جو درآمدات میں گراوٹ کے قبل تھی لارسن میٹزلر کے مفروضہ کی بنا پر زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ ملک میں زری آمدنی کچھ گھٹے گی لیکن حقیقی آمدنی اور حقیقی خرچ میں کچھ اضافہ ہوگا۔

جہاں تک اسٹولپر کے مفروضے کا تعلق ہے اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ غیر حقیقی ہے۔ درآمدات اور بچت کو متبادل تصور کرنا مناسب نہیں ہے جب کہ صورت حال اس کے برعکس معلوم ہوتی ہے۔ یعنی یہ مفروضہ زیادہ معقول معلوم ہوتا ہے کہ درآمدات جتنی سستی ہوں گی بچت اتنی ہی زیادہ ہوگی۔

درآمدات کی قیمت میں تبدیلیاں رونما ہونے سے درآمدات، بچت، اور گھریلو خرچ پر کیا اثر مرتب ہوگا اس کا انحصار کسی ملک کی تجارت کے ڈھانچے پر ہوتا ہے۔ اگر قیمت لچک زیادہ ہو تو بدل اثر کافی ہوگا لیکن آمدنی۔ اثر کم رہے گا۔ درآمدات میں قابلِ لحاظ اضافہ ہوگا تجارت کو متوازن کرنے کے لیے درآمدات کے حریف سیکٹر میں سے نکلے ہوئے وسائل کو برآمدات کے میدان میں منتقل کرنے کی ضرورت پڑے گی لیکن مجموعی طور پر خرچ اور بچت میں مشکل ہی سے کوئی تبدیلی رونما ہوگی۔ اس ماڈل سے اس کی موجودہ شکل میں آمدنی میں کوئی قابلِ ذکر تبدیلی نہ ہوگی۔ تاہم فعال تبدیلیاں رونما ہوسکتی ہیں کیونکہ تطبیق کا عمل رکاوٹوں سے مبرّا نہیں ہوگا۔ پس مثال کے طور پر برآمدات میں توسیع کے لیے

اس بچت سے زیادہ سرمایہ کاری درکار ہو سکتی ہے جو درآمد حریف سیکڑے دستیاب ہوئی۔
درآمدات کے لیے مانگ کی قیمت لچک کم ہونے کی صورت میں بدل۔ اثر کم ہوگا تاہم آمدنی۔
اثر زیادہ رہے گا۔ آمدنی میں اضافے کا ایک حصہ بچایا جائے گا۔ اور زرئی آمدنی کسی حد تک کم ہو سکتی
ہے۔ تاہم خرچ کہیں زیادہ کیا جائے گا حقیقی آمدنی بیشتر ہونے پر صرف بھی زیادہ ہوگا اور بچت بھی۔
برآمدات کے سیکڑے وسائل رہا ہو جائیں گے اور انھیں گھریلو پیشوں میں منتقل کیا جائے گا۔
اس سلسلے میں حقیقی دنیا جو کلاسیکی مثال پیش کرتی ہے وہ 1930 کی دہائی میں برطانیہ کی
ہے جہاں شرائط تجارت بڑھنے پر ان دنوں حقیقی آمدنی میں بڑا اضافہ دیکھنے میں آیا تھا۔ اس کا سبب
اشیاء خوردنی اور خام مال کی مانگ کی غیر لچکیلی نوعیت تھی جس سے وہ حقیقی آمدنی دستیاب ہوئی جو
مکانات کی تعمیر میں استعمال کی گئی (صرف کی بجائے سرمایہ کاری کے لیے)
مختصراً یوں سمجھیے کہ شرائطِ تجارت اور گھریلو خرچ کے بیچ باہمی عمل کے بارے میں کسی عام اصول
کو وضع کرنا مشکل ہے۔ آمدنی۔ اثر کی نوعیت نیز درآمدات اور گھریلو اشیاء کے بیچ بدلیت ہر ملک
میں مختلف ہوتی ہے اور حالات کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔

صلاحیت پیداوار میں تبدیلی:

مان لیجیے دو ملک ہیں ہر ایک ملک ایک چیز پیدا کرتا ہے اور دو کا استعمال یعنی پیداوار میں
کامل طور پر خصوصیت بردار ہے لیکن صرف میں عمومیت کا حامل۔ اب A کی پیداواری صلاحیت
میں تبدیلی کا تصور کیجیے۔ اس تبدیلی سے A کی میزان ادائیگی بہتر ہوگی یا خراب اس کا انحصار
لچکوں نیز مختتم رجحانات پر ہے اور اس امر پر کہ A کی حقیقی پیداوار میں ہونے والا اضافہ اونچی
زرئی آمدنیوں، کم قیمتوں یا دونوں میں کس درجہ منعکس ہوتا ہے۔
جس حد تک صلاحیت پیداوار میں ہونے والا اضافہ بڑھی ہوئی زرئی آمدنی کی صورت
اختیار کرتا ہے پیداوار کے بڑھنے سے میزانِ ادائیگی خراب ہو سکتی ہے بشرطیکہ درآمدات کوئی
گھٹیا شے نہ ہوں۔ زیادہ آمدنی کا مطلب ہوگا درآمدات پر زیادہ خرچ۔ ملک B میں جہاں آمدنی
میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے اور جس کی درآمدات کی قیمتوں میں کوئی فرق نہیں آیا ہے ابتداءً کوئی
ردعمل سامنے نہیں آئے گا۔ اس کی برآمدات میں اضافہ ہونے سے قیمتوں کے بڑھنے کا امکان ہے گا
مقدوب فیہ کے سبب درآمدات میں اضافہ ہوگا اور قیمتوں کے بڑھنے سے برآمدات کم ہوں گی۔

تاہم کسی ایکسپیلروں جیسی مخالف و فعال تبدیلیوں کی عدم موجودگی میں مجموعی طور پر اچھا اثر مرتب ہوگا۔ کیونکہ یہ تمام سلسلہ B کی برآمدات میں اضافے سے شروع ہوا ہے۔ اور اگر B کی میزان ادائیگی بہتر ہوگی تو A کی خراب۔

اگر صلاحیت پیداوار میں اضافہ اس طور پر ہوا ہو کر زری آمدنیاں تو نہ بدلی ہوں مگر برآمدات کی قیمتیں کم ہوگئی ہوں تو پہلے مرحلے میں میزان ادائیگی اثر کا انحصار مانگ کی قیمت لچکوں کے جوڑ پر ہوگا۔ اگر یہ جوڑ اکائی سے زیادہ ہے تو میزان ادائیگی ۔ اثر A کے حق میں ہوگا اور اگر اکائی سے کم ہے تو اس کے خلاف — میزانِ ادائیگی — اثر سے ایک آمدنی۔ اثر مرتب ہوتا ہے۔ اور اول الذکر کو جزوی طور پر — مگر صرف جزوی طور پر — زائل کر دیتا ہے بشرطیکہ درآمد کرنے کے مختتم رجحانات کے جوڑ کو اکائی سے کم تصور کر لیا جائے۔

اگر صلاحیت پیداوار میں اضافہ ہونے سے زری آمدنی کچھ زیادہ اور قیمت قدرے کم ہو جائے تو آمدنی اثر اور قیمت اثر مخالف سمتوں میں چلیں گے یا ساتھ ساتھ ؟ اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ دونوں حرکتوں میں سے نسبتاً کون سی حرکت زیادہ ہے اور درآمدات کے لیے مانگ کی قیمت لچکوں کا جوڑ اکائی سے زیادہ کم ہے۔

یہ انتہائی سہل کردہ ماڈل ہے۔ پیداوار کسی ایک چیز تک محدود رہنے کی صورت میں پیداواری صلاحیت میں ہونے والی جملہ تبدیلیاں برآمد کے حق میں ہوتی ہیں۔ اور تیسرے ملکوں میں (جہاں اسی چیز کو پیدا کیا جاتا ہو) ہونے والے مقابلاتی اثرات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ لیکن ایک اور مزید زاویے سے یہ واضح کرنے کے لیے مذکورہ ماڈل کافی دلچسپ ہے کہ آمدنی اور قیمت میں ہونے والی تبدیلیاں کس طرح ایک دوسرے سے منسلک ہو سکتی ہیں۔

بیرون ملک آمدنی اور قیمت میں تبدیلیاں :

ہمارے آخری کیس سے یہ سوال اٹھتا ہے کہ بیرونِ ملک آمدنیوں اور قیمتوں میں تبدیلی ایک ہی سمت میں ہونے پر کسی ملک کا میزانِ ادائیگی آمدنی کی تبدیلیوں سے زیادہ متاثر ہوگی یا قیمت کی تبدیلیوں سے۔ ملک کے اندر آمدنیوں اور قیمت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ مانگ کی غیر منفی آمدنی لچک کی وجہ سے جسے اونچا مان لیا گیا ہے بیرونِ ملک آمدنی میں ہونے والی تبدیلی ہماری برآمدات کے لیے اہم مانی جاتی ہے۔ یہ فرض کرتے ہوئے کہ گھریلو قیمت لچک کم ہے۔

یہ واضح ہو کہ اس باب کے دیگر مفروضات کی طرح یہ مفروضے بھی قدرے مخصوص نوعیت کے ہیں لیکن ہماری برآمدات مصنوعات پر مشتمل ہونے کی صورت میں برآمدات کے لیے باہر آمدنی لچک کافی اہمیت کی حامل ہو سکتی ہے۔ اور اگر درآمدات اور اشیار خوردنی اور خام اشیار جیسی ضروریات پر مشتمل ہوں تو درآمدات پر قیمت میں تبدیلی سے شاذ ہی کوئی اثر پڑے گا۔ یہ مسئلہ زیادہ تر برطانیہ اور یورپ کو درپیش سمجھا جاتا ہے۔

اس طرح آمدنی اور قیمت اثرات (خاص طور پر تجارتی سائیکل میں) یورپ کے خلاف کارفرما ہو سکتے ہیں عالمگیر مندی کے دور میں باہر آمدنیاں گرتی ہیں اور قیمتیں بھی۔ برطانیہ کی برآمدات کم ہوتی ہیں اور درآمدات بھی دونوں میں سے کون سا اثر زیادہ طاقتور ہے؟ عالمگیر تیزی کے دور میں اس کا الٹا ہوتا ہے۔ عالمی آمدنیاں بڑھتی ہیں اور ان کے ساتھ برآمدات میں اضافہ ہوتا ہے۔ مگر عالمی قیمتیں بھی بڑھتی ہیں جن کی وجہ سے درآمدات مہنگی ہو جاتی ہیں۔ میزان ادائیگی کے سائیکلی کے طرز عمل کا تعین کرنے میں کون زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ آمدنی اثر یا قیمت اثر؟

اوپر اٹھائے گئے اور جملہ سوالات کی طرح اس سوال کا جواب بھی یہی ہے کہ "حالات پر منحصر ہے"۔ درآمدات کے لیے گھریلو مانگ کی قیمت لچک کتنی ~~ہے~~ باہر آپ کی برآمدات (ان کی درآمدات) کی مانگ کی آمدنی لچک کیا ہے، آمدنی میں ہونے والے اتار چڑھاؤ کتنے وسیع ہیں قیمت میں تغیرات کے سائز کا تعین کرنے والی اشیار کی باہری رسد کتنی لچکیلی ہے؟ زیر بحث معاملے میں ان امور کی اہمیت تو بالکل واضح ہے۔

تاہم کسی ملک کو دنیا میں اپنی زبوں حالی کی شکایت کرنے کے سلسلہ میں اس بات کی اجازت نہیں دی جاتی کہ وہ آج ایک اثر کو موردِ الزام ٹھہرائے اور بعد میں کسی اور اثر کو۔ یورپ کے یک مصنف نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ عالمی مندی کے زمانے میں مغربی یورپ کے صنعتی ملک آمدنی اثر کا شکار ہوتے ہیں اور تیزی کے ادوار میں شرائطِ تجارت اثر انھیں مجروح کرتا ہے۔ تیزی میں آمدنی اثر مندی میں شرائطِ تجارت اثر کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

یا کم ترقی یافتہ ممالک کے ایک ترجمان نے اس "حقیقت" کا رونا رویا ہے کہ مندی کے دوران ملکوں کو شرائطِ تجارت سے زک اٹھانی پڑتی ہے اور تیزی کے دور میں وہ افراطِ زر پر قابو پانے کے لائق نہیں رہتے پس ان کی میزانِ ادائیگی میں ہمیشہ خسارہ ہی رہتا ہے۔

اگر ہم آمدنی اور قیمت اثر دونوں کو اس وقت بغور دیکھیں جب وہ قیمت کی عدم لچک کی

وجہ سے مخالف سمتوں میں مذکورہ طور سے کام کرتے ہیں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تیزی اور مندی کے مختلف مدارج میں آمدنی اور قیمت کے اثرات مختلف ہوتے ہیں۔ بڑی عالمی تجارت والے کسی ایسے ملک کو لیجیے جیسے برطانیہ جو ایسی اشیاء کو برآمد کرتا تھا جن کی آمدنی لچک معدوم ہوتی تھی اور ایسی اشیاء کو درآمد جن کی قیمت لچک تقریباً صفر رہتی تھی۔ کسی نارمل سطح سے آغاز کیجیے تو ایسے ملک کو عالمی مندی سے فائدہ پہنچتا ہے اور عالمی خوشحالی سے ضرر۔ مندی میں درآمدات کی قیمتیں گر جاتی ہیں جب کہ برآمدات کی مانگ قائم رہتی ہے۔ تیزی کے دور میں شرائطِ تجارت غیر موافق ہو جاتی ہیں جبکہ برآمدات کے حجم میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوتا۔ قیمت اثر آمدنی۔ اثر پر غالب آجاتا ہے۔

اس کے برعکس اگر درآمدات کی مانگ کی قیمت لچک بہت کم ہو اور درآمدات کی غیر ملکی مانگ کی آمدنی لچک بہت زیادہ ہو تو ملک کو تیزی سے فائدہ اور مندی سے نقصان پہنچتا ہے آمدنی اثر قیمت۔ اثر پر حاوی ہو جاتا ہے۔

ایسا ممکن ہے کہ کسی ملک کی درآمدات کے لیے مانگ کی قیمت لچک نہ ہو اور اس کی برآمدات کی مانگ آمدنی لچک کی حامل ہو۔ یہ صورت حال تب رونما ہوتی ہے جب تیزی کے ابتدائی مراحل میں قیمتوں میں بس معمولی سا اضافہ ہو اور کامل روزگار پر یا اس کے نزدیک پہنچنے کے بعد والے مراحل میں یہ زیادہ تیزی سے بڑھیں۔ ان حالات میں کامل روزگار اور قیمتیں بڑھنے سے پہلے عالمی خوشحالی سے ملک فیضیاب ہو سکتا ہے۔ اس وقت آمدنی۔ اثر قیمت اثر پر غالب ہوتا ہے لیکن تیزی کے عروج والے مراحل میں حالات اس کے برعکس ہو جانے پر ملک کو نقصان ہو سکتا ہے۔

پس اس جگہ مذکورہ سوال کا جواب یہ ہے کہ کچھ بھی ہو سکتا ہے اور یہ کہ جب کسی ملک کے میزانِ ادائیگی پر آمدنی۔ اثر اور قیمت۔ اثر مخالف سمتوں میں کام کرتے ہیں تو ان دونوں میں سے کون زیادہ اہم ہوگا اس کا انحصار اس پر رہے گا کہ زیرِ غور کس قسم کے ملک سے متعلق ہے نیز قیمت اور آمدنی میں تبدیلیاں پیدا کرنے والے عوامل کس نوعیت کے ہیں صنعتی ممالک کی برآمدات آمدنی لچک کی حامل ہوتی ہیں اور ان کی درآمدات قیمت لچک سے محروم۔ ان میں قیمت کی نسبت آمدنی اثر کے زیادہ اہم ہونے کا امکان رہتا ہے (غالباً تیزی کے عروج کو چھوڑ کر) لیکن بعض صنعتی ممالک جن کی برآمدات کی آمدنی لچک معدوم ہوتی ہے (مثلاً کپڑے) اس طرح کے نتیجہ سے محروم رہ سکتے ہیں۔ ایسے ہی دیگر استثنا پیش کیے جا سکتے ہیں۔

لچکیں بنام انضمام :

ایک جانب لچک کے رجائیت پسندوں اور دوسری طرف انضمام اسکول کے بیچ جھگڑا ایسا ہے جس کی جڑیں معاشیات کے علمی ارتقار میں پائی جاتی ہیں۔ قیمت کے تجزیہ میں دیگر امور کو جن میں آمدنی بھی شامل ہے غیر متغیر مانتے ہوئے ہم جزدی توازن کی لچکوں کا استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح آمدنی کے تجزیہ میں ہم ایسے ماڈلوں کا استعمال کرتے ہیں جن کے لیے ساکن قیمتوں کا مفروضہ درکار ہوتا ہے۔ جب آمدنیاں اور قیمتیں دونوں بدلتی ہوں تو یا تو ہم Coteris Paribus. (دیگر امور جوں کے توں) کی بجائے Mulatis Mutandis (جن چیزوں کو بدلنا چاہیے انھیں بدلتے ہوئے) قسم کے عام توازن کی لچکوں کا استعمال کریں اور ان دیگر چیزوں کے ساتھ آمدنی کو بھی بدل دیں یا ہم انضمام کے راستے کو اختیار کرسکتے ہیں جس میں خرچ کرنے کے رجحانات نہ صرف ساکن قیمتوں کے ساتھ حقیقی آمدنی میں ہونے والی تبدیلیوں سے متعلق صارف کے ردعمل کی عکاسی کرتے ہیں بلکہ اضافی قیمتوں میں ہونے والی تبدیلیوں کی بھی۔ اگر جزدی ہے تو لچک کا طریقہ کافی نہیں ہے یہی بات آمدنی کے طریقہ کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے جب لچکوں کے طریقے میں خرچ میں ہونے والی تبدیلیوں کو اور آمدنی کے طریقے میں قیمتوں کے تغیرات کو شامل کرلیا جاتا ہے تو یہ دونوں طریقے ایک دوسرے میں ضم ہوجاتے ہیں میزان ادائگی پر تخفیف شرح کے اثر کو آنکنے کے لیے لچکوں کی راہِ عمل کو صحیح قرار دینا اور داخلی زرئی و تحصیل پالیسی میں تبدیلیوں کے تجزیہ کے لیے آمدنی کے طریقے کو مناسب و موزوں سمجھنا جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں غلط ہے۔ ایک کے بغیر دوسرے کا ملنا ناممکن ہے۔ میزانِ ادائگی پر تخفیف شرح کے اثر کا تعین اس وقت تک نہیں کیا جاسکتا جب تک یہ نہ کہا جاسکے کہ آمدنی میں کیا ردوبدل ہوا۔ یہی بات آمدنی میں تبدیلیوں... ...قیمتوں کے بارے میں صحیح ہے۔

میزان تجارت میں ہونے والی تبدیلی اور بچت میں ہونے والی تبدیلی اپنی تعریف کی رو سے برابر ہوتی ہیں۔ یہ مساوات

$$x - M = S - I$$

کوئی فعلی یا پالیسی مساوات نہیں بلکہ ایک مساوات متماثل ہے۔ معاشیاتِ کلاں کے طالب علم کو یاد ہوگا کہ کینز کے بند نظام میں S = I جو کچھ ہوا کے معنی میں صحیح ہے مگر آگے کے لیے جو سوچا گیا اس کے

اداخا ت ہیشہ یہ دونوں برابر نہیں ہوتے۔ اگر میزانِ ادائیگی میں تبدیلی اور گھریلو سرمایہ کاری نکال کر باقی بچت میں تبدیلی کے بیچ مستقبل میں مساوات کی ضمانت دی جا سکے تو میزان ادائیگی کے آنے والے وقت میں تخمینے لگانے کے لیے چاہے ہم لچکوں کا استعمال کریں یا انضمام کے طریقے کے نتیجہ میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ میزان ادائیگی کے سلسلے میں تجارت کی راہ سے ہو کر جانے والا لچکوں کا طریقہ برآمدات اور درآمدات کے جداگانہ تخمینہ پر زور دیتا ہے اور یہ فرض کر لیتا ہے کہ آمدنی اور خرچ خود کو تجارت کے تقاضوں کے مطابق ڈھال لیں گے۔ اس کے برعکس انضمام کا طریقہ بچت اور گھریلو سرمایہ کاری کو مدنظر رکھ کر کام کرتا ہے اور یہ مان لیتا ہے کہ تجارت ان سے ہم آہنگ ہو جائے گی۔ لیکن اگر مذکورہ مقولہ صرف 'جو کچھ ہوا' کے بارے میں ہی صحیح ہے تو دونوں طریقوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ بین الاقوامی معیشت میں اس امر پر ابھی اتفاق رائے نہیں ہو سکا ہے کہ کون سا طریقہ زیادہ کارآمد ہے۔

ریاستہائے متحدہ کے 1968 میزان ادائیگی پر بروکنگس کی رپورٹ (یہ 1963 میں لکھی گئی تھی اس لیے ایک پیش گوئی ہے) میں تجارت کے اعداد و شمار کی بنیاد پر کام کیا گیا تھا۔ اس میں یہ فرض کیا گیا ہے کہ ریاستہائے متحدہ کے مقابلہ میں قیمتیں یورپ میں زیادہ بڑھیں گی اور نتیجۃً لچکوں کے موافق ہونے کی وجہ سے میزانِ ادائیگی بہتر ہو جائے گا۔ بروکنگس کے اس مطالعہ پر اپنے تبصرے میں پروفیسر جونسن نے اس بنیاد پر بڑا ہی جارحانہ حملہ کیا ہے کہ اس کی پیش گوئی انضمام کی رو سے صحیح نہیں ہے۔ کم ترقی یافتہ ممالک کی ادائیگی میزانوں کے تخمینوں میں بھی ایسے ہی فرق مل سکتے ہیں ایک گروہ تجارت کے امکانات و مواقع پر نظر رکھے اور دوسرا بچت کے مختتم رجحانات پر تو دونوں مختلف نتائج پر پہنچیں گے۔

میزانِ ادائیگی میں تھوڑے عرصے کے اندر ہونے والی تبدیلیوں کے تجزیہ کے لیے لچکوں کا طریقہ انضمام کے طریقے سے بہتر معلوم ہوتا ہے۔ ماضی میں بچت اور سرمایہ کاری برابر رہ چکے ہوں مگر مستقبل میں نہیں ہوں گے کیونکہ اونچے منافعوں سے مثال کے طور پر غیر ارادی بچتیں رونما ہو سکتی ہیں جو میزانِ ادائیگی میں بطور فاضل رقم ظاہر ہوتی ہیں یا باہر اشیاء نہ بیچ سکنے کی وجہ سے اسٹاک میں غیر ارادی سرمایہ کاری۔ سرکاری گھریلو بچت سے زیادہ ہو سکتی ہے یہ تجارتی خسارہ کی شکل میں ظاہر ہو گی۔ مثال ہو بہو گھریلو آمدنی کے تعین جیسی ہے۔ بچت اور سرمایہ کاری کے تخمینوں کی جدولیں لمبے عرصے کے لحاظ سے صحیح ہوتی ہیں لیکن لچکوں کے کارفرما ہونے کی وجہ سے غیر ارادی مثبت یا منفی بچت یا سرمایہ کاری

رونما ہو سکتی ہے جس سے 'جو کچھ ہوا' مقولہ کی مساوات تبدیل ہو سکتی ہے۔

طریقۂ عمل دوسری راہ بھی اختیار کر سکتا ہے۔ سرمایہ کاری میں غیر ارادی کمی سے جیسا کہ 1967 میں جرمنی میں ہوئی میزان ادائیگی میں بڑی فاضل رقم رونما ہو سکتی ہے کیونکہ درآمد کرنے کے رجحان کی جدول کے اندر درآمدات کم ہوتی ہیں اور جن اشیاء کو ملک میں صرف یا سرمایہ کاری کے لیے فروخت نہیں کیا جا سکتا انھیں باہر بھیجا جاتا ہے۔ یہاں لچکیں غیر فعال رہتی ہیں۔

بہر حال یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ بحالت توازن فاضل برآمدات کا ازالہ کس طرح کی خالص بچت سے کیا جانا چاہیے اور فاضل درآمدات کا خالص سرمایہ کاری سے۔ (خالص سرمایہ کاری نفی گھریلو بچت۔) یہ پتہ لگانے کی کوشش ہمیشہ سود مند ثابت ہوگی کہ نظام میں گھریلو سرمایہ کاری اور بچت کون کر رہا ہے۔ اور یہ اندازہ لگانا چاہیے کہ یہ لوگ خود کو جس پوزیشن میں پاتے ہیں وہ خود ان کے ارادوں کا نتیجہ ہے یا عبوری صورت حال ہے۔

مطالعہ کے لیے تجاویز:

درسی کتابیں وغیرہ

دیکھیں Clement Phirtey and Rothwell Chap. 7

تحقیقی رسائل وغیرہ۔

انضمام کے طریقہ سے ہمیں ایس۔ یس الیگزنڈر نے اپنے مقالہ Effect of Devluation on a Trade Balance American Economic Association

میں روشناس کرایا اور اس پر حملہ کے لیے Readings in International Economics

دیکھیں F. Machlup " Relative Prices and Aggregate Spending in the Analysis of Devluation" AER June 1955, and "The terms of Trade Effect of Devluation upon Real Income and the Balance of Trade" Kyklos No. 4 (Bern) 1956.

الیگزنڈر نے اپنے مقالے "Effect of Devluation : A Simplified Synthesis of Elasticities and Absorption" AER Mar. 1959

میں اپنے ابتدائی خیال میں تبدیلی کی۔

A.C. Harberger's Currency Depreciation, Income and the Balance of Trade"

کا شمار اولین کوششوں میں کیا جاتا ہے، جنھوں نے آمدنی اور قیمت JPE Feb 1950

تجزیہ کو ایک ہی دائرۂ کار میں پیش کیا۔ اس سلسلے میں کچھ ہی ماہ بعد شائع ہونے والے یہ مقالے تھے۔

S. Laursen and L. A. Metzler, " Flexible Exchange Rates and the Theory of Employment" RE & S November 1950 and J.F. Stopler 'The Multiplier, Flexible Exchange Rates and International Equilibrium" QJE November 1950.

صلاحیت پیداوار کے کیس پر ایچ۔جی۔جونسن نے بحث کی ہے دیکھیں ان کا مقالہ " Increasing Productivity, Income price Trends and the Trade - Balance" E J Sept. 1954.

نکات

تقسیم میں تبدیلی کے اثر سے متعلق کیس مطالعہ کے لیے دیکھیں، Carlos F. Diaz - Alejandro, Exchange Rate Devaluation in a Semi-Industrial Country : The Experience of Argentina 1955- 61(Cambridge, Mass : The M.I.T. Press 1965)

بجلیں بنام انضمام کے تحت متن میں دیے گئے حوالے یہ ہیں۔ W.S. Salant et al, The United States Balance of Payments in 1968 (Washington, D.C. : The Brooking Institution 1963) (Paperback)

اس پر کڑی تنقید کے لیے دیکھیں H.G. Johnson "The International Position of the United States and the Balance of Payments for 1968. A Review Article" RE & S , February 1964.

روس میں روڈن نے ترقی پذیر ممالک کے لیے غیر ملکی امداد کی ضرورت کا تخمینہ گھریلو سرمایہ کاری اور بچت کے حساب سے لگایا ہے اور جی۔اے۔ٹی۔ٹی نے تجارت کی غیر ملکی پیش گوئی کی بنیاد پر۔ ان دونوں کے موازنہ کے لیے دیکھیں بلاسا کا مقالہ

"The Capital Need of the Developing Countries", Kyklos No. 2, 1964.

باب 18 انتقال عمل

عمل تطبیق پر اپنی بحث کو ختم کرتے ہوئے اب ہم حصہ 7 کا آغاز کریں گے یہ حصہ سرمایہ کی نقل وحرکت سے متعلق ہے لیکن اصل بحث شروع کرنے سے پہلے بطور تمہید ہم اس امر کا بیان کریں گے کہ سرمایہ ایک سے دوسرے ملک میں کیسے منتقل کیا جاتا ہے۔ کسی ملک میں قرض دینے والے مقامی کرنسی میں رقوم بچاتے ہیں۔ دوسرے ملک میں قرض لینے والے اصولاً زیادہ تر اپنی کرنسی میں رقم لینا چاہتے ہیں۔ جو مقامی کرنسی سے مختلف ہوتی ہے۔ زرمبادلہ کے بازار کے ذریعہ رقم کیسے منتقل کی جاتی ہے اور ملکوں کے بیچ حقیقی سرمایہ قرض دینے والے کی جانب سے فاضل برآمدات اور لینے والے کی جانب سے فاضل درآمدات کی شکل میں کیسے منتقل ہوتا ہے یہ تطبیق کا ایک معیاری اور جانا پہچانا مسئلہ ہے۔ ہاورڈ کے پروفیسر ٹازگ اوران کے طالب علموں نے اس ایک مسئلہ پر بڑا کام کیا ہے۔ اپنے مطالعہ میں انھوں نے برطانیہ، کناڈا، ارجنٹائنا، فرانس، آسٹریلیا اور دوسرے ملکوں کے تجزیہ کا جائزہ لیا ہے۔ ان کا یہ تمام کام اس کوشش کا حصہ تھا جس کے ذریعہ وہ تجارت میں تطبیق کے اس کلاسیکی نظریہ کی تصدیق کرنا چاہتے تھے جو قیمت۔ دھات۔ بہاؤ نظام کی شکل میں پیش کی جاتی ہے۔ پہلی عالمی جنگ کے بعد جرمن تاوان کی ادائیگیوں کی عمل پذیری پر بحث کے دوران کینز اور اوہلن نے یورپ اور ریاستہائے متحدہ کے ان بیشتر ماہرین معاشیات کے ساتھ جنھوں نے اس مباحثہ میں حصہ لیا بین الاقوامی تجارت کے نظریہ کے اہم پہلوؤں کے ارتقا میں بڑی مدد دی۔

عمل تطبیق کی اس مشق کے طور پر بحث انتقال کو اس سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ ایک بار سرمایہ مطلوبہ مقام پر پہنچ جانے کے بعد کیا کچھ ظہور میں آتا ہے یا اس کا مالک کون ہوتا ہے اور اس کی مختتم پیداوار سے کسے آمدنی ہوتی ہے اس کی تقریباً تمام تر توجہ کا مرکز یہ امر تھا کہ قرضداری کے نتیجہ میں اصل سرمایہ کس طرح مالک سے بیچ منتقل ہوتا ہے اور ادائیگیاں جن سے سرمایہ کی تشکیل رونما ہوتا

ضروری نہیں ہے مثلاً تاوان ایک سے دوسرے ملک کو اشیاء اور خدمات کا جسمانی انتقال کیسے عمل میں لاسکتی ہیں۔ آج تاوان یا خراج کو سرمایہ کی نقل و حرکت قرار نہیں دیا جاسکتا وہ صرف آمدنی کا انتقال کہلائیں گے۔ تاہم عمل تطبیق میں اپنی دلچسپی کے پیش نظر ہمارے لیے ابھی یہی مناسب رہے گا کہ ہم تاوانوں اور رضاکارانہ بین اقوامی ادائیگیوں (انتقالی) مثلاً قرضہ لینڈ لیز، مارشل پلان اور اے۔ آئی۔ ڈی مدد کو سرمائی نقل و حرکت سمجھیں۔

انتقال کا طریقِ عمل:

قلیل مدت میں طویل مدتی سرمایہ ادھار لینے والے قوتِ خرید پر اختیار کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ عام طور پر وہ اشیاء کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ بچت کے بغیر سرمایہ حاصل کرنے کے لیے جو پیداوار کے بغیر سرمایہ کاری یا صرف کرنے کے مترادف ہے۔ یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ یا تو ادھار لیا جائے یا جمع کردہ املاک کو سیّال شکل دی جائے۔ حقیقی معنی میں کسی ملک کو باہر سے سرمایہ صرف اسی صورت میں دستیاب ہوتا ہے جب اسے باہر سے اشیاء اور خدمات اپنی برآمد کردہ اشیاء کی مالیت سے زیادہ ملیں کوئی ملک باہر قرض اسی وقت دیتا ہے جب وہ اپنے یہاں کیے جانے والے صرف و سرمایہ کاری سے زیادہ پیدا کرے اور ان کا فرق درآمدات سے برآمدات کی زیادہ مالیت کی شکل میں رونما ہو۔

قرض لی گئی یا دی گئی اشیاء اور خدمات کا اموالِ سرمایہ ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس نکتہ کو سمجھانے کے لیے جس مثال کا بکثرت استعمال کیا گیا ہے وہ دو جزائر کے بیچ قرض کی ہے مان لیجیے یہ جزیرے جنوبی پیسفک میں ہیں اور مقامی قبائل سے آباد ہیں۔ ایک جزیرے اور قبیلے کو A کہہ سکتے ہیں اور دوسرے کو B۔ اگر B اپنے سردار کے لیے نئی جھونپڑی بنانے کے لیے A سے قرض لے تو سرمایہ کی حقیقی نقل و حرکت کئی شکلیں اختیار کر سکتی ہے۔ (۱) تعمیراتی سامان کی (خالص) درآمد اور اسی کے ساتھ چیدہ کاریگروں کو اس سامان سے جھونپڑی بنانے کے لیے بلانا: (2) A سے B میں ناریل اگانے کے لیے وہاں کے زراعتی مزدوروں کو درآمد کرنا۔ اس صورت میں B کے رہنے والے مقامی پیداوار سے جھونپڑی بنائیں گے یا (3) اشیائے صرف — یم، ناریل، اور دیگر اشیاء خوردنی — کی درآمد تاکہ B کی آبادی ضروریات زندگی سے بے نیاز ہو کر جھونپڑی بنانے کے کام میں لگ جائے۔

جب کسی ملک کی کوئی صنعت یا حکومت دوسرے ملک سے قرض لیتی ہے تو وہ اکثر و بیشتر گھریلو قوت خرید میں دلچسپی رکھتی ہے غیر ملکی میں نہیں۔ قرض لینے والا اپنے ملک میں قوت خرید کیسے حاصل کرتا ہے یہ سوال انتقال زر سے متعلق ہے لیکن پھر یہ انتقالِ زر جس طرح فاضل درآمدات کو جنم دیتا ہے ـــــ جو ملکوں کے مابین سرمایہ ادھار دیے جا سکنے کا واحد طریقہ ہے ـــــ اسے "حقیقی انتقال" کہتے ہیں۔ جیسا کہ ہم دیکھیں گے زری اور حقیقی انتقالات میں باہم تعلق ہے اگر کسی ایک یا دوسرے یا دونوں کی راہ میں دشواریاں آتی ہیں تو ہمارے لیے انتقال کا مسئلہ رونما ہو سکتا ہے۔

کلاسیکی طریقہ :

کلاسیکی نظریہ کے پاس انتقال کے مسئلہ کا طلائی معیار کے تحت ایک حل تھا اور تغیر پذیر مبادلہ شرحوں کے تحت دوسرا۔ اول الذکر میں لندن میں ادھار لی گئی رقم مثال کے طور پر ڈالر کے بدلے فروخت کر دی جاتی تھی اس کی وجہ سے پونڈ اسٹرلنگ کی شرح گر کر برآمدی طلائی نقطہ تک پہنچ جاتی تھی اور سونا قرض لینے والے ملک کے اندر آنے لگتا اس ملک کو ہم ریاستہائے متحدہ کہیں گے۔ سونا باہر جانے کی وجہ سے انگلینڈ میں زر کی رسد کم ہونے سے وہاں قیمتیں گر جاتی ہیں۔ اس کے برعکس ریاستہائے متحدہ میں ذرائع ادائیگی میں اضافہ ہو جانے کی وجہ سے قیمتیں بڑھ جاتی تھیں۔ قلیل مدتی سرمایہ کو کھینچ کر سونے کو باہر جانے سے باز رکھنے کے لیے انگلینڈ میں بنک کی (سودی) شرحوں میں اضافہ کرنے پر بھی عملِ تخفیف کارفرما رہے گا۔ اگرچہ غالباً اس کا پیمانہ چھوٹا ہو جائے گا۔ اس موضوع پر قدرے تاخیر سے بحث کی جائے گی۔ اگلے باب میں یہ مسئلہ زیر بحث آئے گا لیکن قرض دینے والے ملک میں سونے کے زیاں یا قلیل مدتی سرمائے کی باہر سے آمد نیز سود کی شرحوں میں اضافہ تخفیف کے عمل کا باعث ہوگا اور قیمتوں کو نیچا کر دے گا۔ ریاستہائے متحدہ میں سونے کا اضافہ یا لندن پر قلیل مدتی مطالبات کا بڑھنا، زر کی رسد میں توسیع، اور سود کی کم شرحیں سب قیمتوں کو بڑھانے کا کام انجام دیں گے۔

انگلینڈ میں کم اور ریاستہائے متحدہ میں اونچی قیمتوں کے سبب اول الذکر میں فاضل برآمدات رونما ہوں گی اور اخیر الذکر میں فاضل درآمدات۔ یہاں یہ مفروضہ مضمر ہے کہ قیمت لچکوں کا جوڑا اکائی سے زیادہ ہوگا۔ نتیجۃً برطانیہ میں یہ فاضل برآمدات اور ریاستہائے متحدہ میں فاضل درآمدات حقیقی انتقال کو ظاہر کرتی ہیں۔

اشیاء کی شکل میں رونما ہونے والا یہ حقیقی انتقال سونے کی ابتدائی نقل و حرکت یا قلیل مدتی سرمایہ کی نقل و حرکت کا رخ بدل دیتا ہے۔ برطانوی برآمدات درآمدات سے زیادہ ہونے کی وجہ سے سونا بنک آف انگلینڈ میں واپس لوٹ آئے گا یا لندن کا زری بازار نیو یارک سے تھوڑے عرصے کے سرمائی قرضوں کو لوٹانے کے قابل ہو جائے گا۔ سرمائے کی پوری نقل و حرکت اشیاء کی شکل اختیار کر لینے پر سونے یا قلیل مدتی سرمایہ کی نقل و حرکت کا رخ مکمل طور پر بدل چکا ہوگا۔ اور اگر ہم سود کی ادائیگی کے اثرات اور سرمایہ کی صلاحیت پیداوار کو نظر انداز کر دیں تو ہر چیز بحالت توازن معلوم ہوگی۔ برطانیہ میں برآمدات کی قیمت گرنے اور ریاستہائے متحدہ میں درآمدات کی قیمت بڑھنے سے عمل انتقال کے دوران شرائط تجارت قرض لینے والے کے حق میں اور قرض دینے والے ملک کے خلاف ہو جائیں گی لیکن حقیقی انتقال پورا ہو جانے کے بعد وہ بدل کر پہلی پوزیشن میں آجائیں گی۔

کاغذی معیار کے تحت نظام انتقال کے بارے میں کلاسیکی نظریہ جانی پہچانی راہوں پر گامزن دکھائی دیتا ہے۔ قرضدار ڈالر کے بدلے پونڈ فروخت کرنے کی کوشش کرتا ہے اس سے پونڈ کی شرح گر جاتی ہے کیونکہ استحکام بخش قلیل مدتی سرمایہ کی نقل و حرکت معدوم ہوتی ہے۔ اسٹرلنگ کی مہنائی اور انجام کار ڈالر کی قیمت میں اضافہ قرض دینے والے کی برآمدات اور قرض لینے والے کی درآمدات کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور قرض لینے والے کی برآمدات نیز قرض دینے والے کی درآمدات کی حوصلہ شکنی۔ جوں جوں برطانیہ کی فاضل برآمدات کا حجم بڑھتا ہے ابتداءً قرض لینے والا ان ڈالروں کو خریدتا ہے جن کی ضرورت اسے ریاستہائے متحدہ میں خرچ کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ زری انتقال اور حقیقی انتقال کے عمل ساتھ ساتھ جاری رہتے ہیں۔ لندن سے ساری رقوم (اور سرمایہ) نیو یارک منتقل ہو جانے کے بعد برطانیہ کی فاضل برآمدات غایب ہو جاتی ہیں اور اسٹرلنگ کی مہنائی کا خاتمہ ہو جاتا ہے کیونکہ ڈالر کی مانگ گھٹ جاتی ہے اور برطانیہ کی فاضل برآمدات سے پیدا شدہ اسٹرلنگ کی مانگ کو صرف اونچی شرح پر ہی پورا کیا جا سکتا ہے۔

اس تصور میں استحکام بخش تھوڑے عرصے والی سرمائی حرکات کو شامل کر لینے پر یہ بڑی حد تک طلائی معیار کے نظام سے مشابہ ہو جاتی ہے۔ اگر آغاز میں جب اسٹرلنگ کی مہنائی شروع ہوتی ہے وہ سٹہ باز جن کے خیال میں لمبے عرصہ میں اسٹرلنگ کی شرح پرانی سطح پر ہی ٹکی رہے گی اسے معمولی بٹہ پر خریدیں تو اسٹرلنگ کے بدلے وہ جو ڈالر دینا چاہیں گے ان سے ابتداءً قرض لینے والے کو

قوتِ خرید کے انتقال کا موقعہ دستیاب ہو جائے گا۔ ریاستہائے متحدہ سے سرمایہ کا تھوڑے عرصے کے لیے اخراج وہاں توسیع افزا اثرات کا حامل ہوگا۔ برطانیہ میں تھوڑے عرصہ کا سرمایہ آنے سے تخفیف بردار اثرات رونما ہوں گے۔ ان کی تشریح ابھی نہیں کی گئی ہے تاہم یہ اثرات سونے کی حرکات کی مانند کام کریں گے گو ان سے رونما ہونے والے نتیجہ کم یقینی ہوں گے اور ان کی قوت بھی زیادہ نہ ہوگی۔ بہرنوع ان کی وجہ سے ریاستہائے متحدہ میں قیمتیں بڑھیں گی اور برطانیہ میں کم ہو جائیں گی۔ سرمایہ کی قلیل مدتی حرکات خواہ رونما ہوں یا نہ ہوں انتقال کے نتیجہ میں شرائطِ تجارت عام طور پر قرض دینے والے ملک کے خلاف بدلتی ہیں۔

بہاؤ — کلاسیکی نظریہ میں :

اوپر بیان کردہ تجزیہ پر اعتراضات کا نشانہ خاص طور پر طلائی معیار کے تحت عملِ مطابقت رہا ہے۔ تین اعتراضات اٹھائے گئے ہیں اول یہ کہ قرضے کی رقم کا ایک حصہ ممکن ہے سب سے پہلے برطانیہ میں ہی خرچ کیا جائے اسے فوراً تسلیم کر لیا گیا۔ ادھار لی گئی رقوم کو باہر خرچ کرنے کے لیے قرض لینے والوں کے مختتم رجحان کا ملک کی درآمدات کے لیے مختتم رجحان کے برابر ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جس حد تک حاصل شدہ رقوم فوراً ہی خرچ کر دی جائیں گی حقیقی انتقال خود بخود عمل میں آ جائے گا زری انتقال نہ تو عمل میں آئے گا اور نہ اس کی ضرورت ہوگی۔

دوم یہ دلیل پیش کی گئی کہ قیمتوں کو ریاستہائے متحدہ میں بڑھانا اور برطانیہ میں کم کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ بہت سی چیزوں کی تجارت دونوں ملکوں میں ہوتی ہے اور ایک قیمت کے قانون کا تقاضہ یہ ہے کہ کسی واحد بازار میں ہر جگہ ایک ہی قیمت مانگی جائے۔ گیہوں کی قیمت شکاگو میں 2 ڈالر اور لیورپول میں 16 S. ہونے کی صورت میں قیمت کا ایک جگہ بڑھ جانا اور دوسری جگہ گر جانا ناممکن ہے کیونکہ دونوں باہم بندھی ہوئی ہیں۔ بہرحال یہ اعتراض قابلِ قبول نہیں ہے۔ ریاستہائے متحدہ سے برطانیہ کو برآمد کیے جانے والے گیہوں کی قیمت دونوں بازاروں میں بڑھنے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ اور انگلینڈ سے ریاستہائے متحدہ بھیجے جانے والے اونی کپڑوں کی قیمت دونوں ملکوں میں گر سکتی ہے۔ دراصل کلاسیکی ماہرینِ معاشیات کی توجہ کا مرکز قیمت کی جزوی سطحیں تھیں۔ معاملہ کو ریاستہائے متحدہ کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو گھریلو قیمتوں کے ساتھ ساتھ برآمدات کی قیمت میں اضافہ کی توقع کی جا سکتی تھی۔ لیکن درآمدات کی قیمتیں جن کا تعین برطانیہ میں ہوتا تھا گر سکتی تھیں۔

انگلینڈ کے معاملہ میں اس کے برعکس صورت حال ہوگی۔ ایک قیمت کے قانون میں محض رسمی تصحیح کے بعد کلاسیکی نظام اس اعتراض سے بری ہوجاتا ہے۔

تیسرا اور نظریاتی لحاظ سے سب سے بنیادی اعتراض یہ تھا کہ کلاسیکی نظام زر کے مقداری نظریہ پر ٹکا ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ کلاسیکی تجزیہ 17ویں اور 18ویں صدی میں عملی صداقت کا حامل رہا ہو (کیونکہ) اس وقت معیشت میں کم وبیش ہر وقت کامل روزگار کی صورت بنی رہی تھی۔ آج بھی ممکن ہے کہ جنگ جیسے افراط زر کے شکار ادوار میں صورت حال کی پیش گوئی کے لیے ہم اس تجزیہ پر بھروسہ کرسکیں لیکن تھوڑے عرصے میں زر کی مقدار قیمتوں کی سطح کی شاذ ہی نشان دہی کرسکتی ہے۔ جدید اصطلاحات میں اس صورت حال کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ زر میں تبدیلیوں کے نتیجہ میں خرچ میں تبدیلیوں کا رونما ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور بعض اوقات خرچ میں تبدیلیوں سے روزگار متاثر ہونے پر قیمت میں کسی طرح کی تبدیلیاں رونما نہیں ہوتیں۔

لیکن حقائق کے مقابلہ میں نظریاتی اعتراضات کم اہمیت کے حامل تھے۔ کلاسیکی نظریہ میں جسے کامل بنانے میں پروفیسر ٹازگ کا بڑا ہاتھ تھا اور جس کی تصدیق کے لیے ان کے شاگرد کوشاں رہے اُن کے لیے تکلیف دہ یہ امر تھا کہ حقیقی دنیا میں عمل انتقال اس سے کہیں زیادہ آسانی کے ساتھ کام کررہا تھا جتنا کلاسیکی تشریحات سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔ غالباً زر کی رسد اور قیمتوں نیز بعدازاں برآمدات ودرآمدات میں تبدیلیوں کے لیے وقت درکار ہوتا تھا۔ درحقیقت میزان ادائیگی حیرت انگیز رفتار اور قطعیت کے ساتھ خود کو قرضوں میں تبدیلیوں کے مطابق ڈھال لیتا تھا (یا اس کے برعکس؟) اور یہ کام کسی نمایاں دباؤ کے بغیر جس کے نتیجہ میں سونا ممالک کے بیچ حرکت پذیر ہوا یا شرح مبادلہ بدلے انجام پاجاتا تھا۔

جدید نظریہ:

وہ امور جن پر کلاسیکی نظریہ نے توجہ نہیں دی تھی خرچ اور آمدنی میں ہونے والی تبدیلیاں نیز درآمد کے لیے مختتم رجحان کے ذریعہ میزان ادائیگی پر مرتب ہونے والے ان کے اثرات تھے۔ بات صرف اتنی ہی نہیں تھی کہ بسا اوقات قرض لینے والے قرضوں کی رقم کا ایک حصہ براہِ راست قرض دینے والے ملک میں ہی خرچ کردیتے تھے۔ قرض کے اس حصہ کے بارے میں درآمد کرنے کے مختتم رجحان (قوتِ خرچ میں تبدیلی پر) کو اکائی کہا جاسکتا ہے اور اس حد تک انتقال خودکارانہ طور پر عمل

میں آتا ہے۔ لیکن قرض کا وہ حصّہ جو ملک کے اندر خرچ کیا جاتا ہے گھریلو خرچ کو بڑھا کر آمدنی میں اضافہ کر دیتا ہے۔ یہ بڑھی ہوئی آمدنی درآمدات پر خرچ کی جاتی ہے جس سے قرض کا ایک حصہ منتقل ہو جاتا ہے۔ اس طرح کتنا قرض منتقل ہو جائے گا اس کا انحصار بہت سے عوامل پر ہے۔ ان میں قرض لینے والے ملک میں درآمد کرنے اور بچت کے مختتم رجحانات دونوں ملکوں میں زری آمدنی کا راستہ اور گھریلو سرمایہ کاری کا ردعمل (اگر کوئی ہو) شامل ہیں۔

یہ بات ایک اصول کے طور پر کہی جاتی ہے کہ اگر قرض لینے والے ملک کے اندر بچت کا مختتم رجحان مثبت ہو اور اگر قرض لینے والے ملک میں سرمایہ کاری قرض کی رقم سے زیادہ نہ بڑھے نیز کسی بھی ملک میں سرمایہ کاری کے اندر ترغیبی تبدیلیاں رونما نہ ہوں تو دونوں ملکوں میں آمدنی میں ہونے والی تبدیلیاں ....
.... درآمدات میں ترغیبی تبدیلیوں کے ذریعہ کل قرض کو منتقل کرنے کے لیے ناکافی ہوں گی۔ اس اصول کی وضاحت عمومی انداز سے شکل 18.1 a میں دیے گئے مضروب فیہ خاکے کی مدد سے کی جا سکتی ہے۔ اس خاکے میں صرف ایک ملک کو لیا جاتا ہے کسی واحد (نہ دہرائے جانے والے) انتقال کی بجائے قرض لینے اور سرمایہ لگانے کے عمل کو جاری مانا جاتا ہے اور غیر ملکی ردعمل کے تمام بالواسطہ اثرات کو حذف کر دیا جاتا ہے۔

مان لیجیے کہ کسی قرض لینے والے ملک کی بچت کا مختتم رجحان 0.1 اور درآمد کرنے کا 0.3 ہے۔ ایسی صورت میں MPS + MPM̄ کا جوڑ جو مضروب فیہ کا عکس ہے 0.4 ہوگا اور مضروب فیہ 2½ اگر قرض لینے والے ملک کے اندر باہر سے لیے جانے والے 10 ملین کے نئے قرضے بطور اضافی سرمایہ کاری خرچ کیے جائیں۔ تو آمدنی میں 25 ملین ڈالر کا اضافہ ہوگا۔ بچت بقدر 2.5 ملین بڑھے گی اور درآمدات بقدر 7.5 ملین یا 10 ملین ڈالر کے برابر اضافہ ہونے سے یا 1-S جدول نیچے کھسک آنے کی وجہ سے صرف تین چوتھائی قرض منتقل ہوگا۔ باقی 2.5 ملین ڈالر قرض لینے والے ملک کے اندر نئی بچت کی شکل اختیار کر لے گا زرمبادلہ کا بازار اس کا دباؤ محسوس کرے گا اور اس بازار میں قرض دینے والے ملک کی کرنسی کی رسد اور قرض لینے والے ملک کی کرنسی کی مانگ مائل بہ اضافہ ہوگی۔ قرض کے اس حصہ کے حقیقی انتقال کے لیے جامد شرحوں کے معیار پر قائم قیمت۔ دھات —— بہاؤ جیسا نظام یا کاغذی معیار کے تحت قرض دینے والے ملک کی کرنسی کی منہائی درکار ہوگی۔

اگر قرض دینے والے ملک میں بچت بڑھا کر باہر کی جانب رقم منتقل کرنے کی کوشش کی جائے تو جیسا کہ شکل Fig 18.1b سے واضح ہے یہی بات اس صورت میں بھی صحیح ہوگی۔

غیر ملکی ردعمل سے مبرّا ان سادہ مثالوں میں سے پہلی میں قابل غور بات یہ ہے کہ اگر MPS صفر ہوتا اور مضروب فیہ 3.3) تو آمدنی میں تبدیلیوں کے ذریعہ سارے قرض کو منتقل کیا جا سکتا تھا۔ یا MPS بدلے بغیر ۰.۱ رہنے کی صورت میں اگر سرمایہ کاری کی جدول کا ڈھال مثبت نیز ۰.۱ یا اس سے زیادہ ہو تو قرض کی کل رقم بلکہ اس سے بھی زیادہ کا انتقال عمل میں لایا جا سکتا تھا۔ مختصراً اس اصول کا مدعا یہ ہے کہ اگر بچت کرنے کا مختتم رجحان مثبت ہو اور اگر سرمایہ کاری جدول کا کوئی ایکسیلریٹر یا دیگر مثبت ڈھال نہ ہو تو آمدنی میں تبدیلیوں کے ذریعہ قرض کی پوری رقم کو منتقل کیا جا سکے گا۔

غیر ملکی بالواسطہ اثر کو شامل بحث کرنے سے صورت حال میں کوئی زیادہ فرق نہیں پڑے گا بشرطیکہ مذکورہ ملک ان رقوم کو بچائے جنھیں منتقل کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی "تنہائی میں مستحکم" بھی ہو یعنی اس ملک کا صرف اور سرمایہ کاری پر خرچ کا بھی ایک مختتم رجحان ہو اور ایک سے کم۔ یا اس کا I–S ترس مثبت ڈھال رکھتا ہو۔ اس امر کی وضاحت ایک عرصائی تجزیہ میں لائڈ میٹزلر نے اپنے ایک لاثانی مقالہ میں کی ہے یہ مقالہ امریکی معاشی انجمن کے ۱۹۴۹ کے 'مطالعے' میں دوبارہ شائع ہوا ہے۔ اس کو دوسرے طریقوں سے بآسانی پیش کیا جا سکتا ہے[1]

زیر نظر استدلال کا نچوڑ ہے کہ B کی آمدنی اور درآمدات میں براہ راست کمی سے A کی فاضل درآمدات کو جو مدد ملتی ہے A کی بڑھی ہوئی درآمدات سے B کی برآمدات اور آمدنی کو ملنے والا حوصلہ اس کی نفی کر دیتا ہے۔

تاہم یہ ضرورت سے کہیں زیادہ آسان ماڈل ہے حقیقی دنیا کے معاملات پر بحث کے دوران

---

[1] بعض پڑھنے والوں کے لیے یہ امر باعث دلچسپی ہو سکتا ہے کہ وہ میڈ کے طریقہ کار کے ذریعہ جس کا تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے (صفحہ 293) غیر ملکی بالواسطہ اثر کے ساتھ اور اس کے بغیر رونما ہونے والے نتائج کا مقابلہ کریں۔

غیر ملکی بالواسطہ اثر کے بغیر اور MPM برابر 0.3، MPS برابر ۰.۱ اور MPC برابر ۰.۶ کے ساتھ A کے اندر ۱۰ ملین ڈالر کا قرض خرچ کرنے سے A کی آمدنی میں 25 ملین ڈالر کا اضافہ ہوگا اور اس کی درآمدات اس رقم کا 0.3 گنا یا 7.5 ڈالر بڑھیں گی۔

اس کے بہت سے مفروضے بدلنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ یہ مفروضے مندرجہ ذیل سے متعلق ہیں۔

۱۔ قرض دینے والے ملک میں خرچ اور آمدنی کا طرز عمل

۲۔ قرض لینے والے ملک میں خرچ اور آمدنی کا طرز عمل

قرض دینے والے ملک B میں رجحانات کے اعداد دیے ہونے کی صورت میں آمدنی میں ہونے والی تبدیلی کا حساب ایک ایسی میٹرکس سے لگایا جا سکتا ہے جس میں A اور B کو عمودی کالموں میں خرچ کرنے والوں کی حیثیت سے اور افقی قطاروں میں بطور خرچ کے وصول کنندگان رکھا جائے۔ A کا اپنے یہاں خرچ کا مختتم رجحان (MPC_a) بائیں ہاتھ کے اوپری بکس میں ہے۔ اس کا درآمد کا مختتم رجحان (یعنی B میں خرچ) اس کے ٹھیک نیچے۔ B کا اپنے یہاں خرچ کا مختتم رجحان نیچے کے دائیں ہاتھ والے کونے میں ہے اور اس کا بچت کا رجحان اس کے اوپر۔

Receivers \ Spenders,	A	B
A	MPC_a	MPM_b
B	MPM_a	MPC_b

ہر ایک ملک میں قومی آمدنی کے لیے شرط توازن یہ ہے کہ کل خرچ کل آمدنی کے برابر ہو۔ اگر A میں خرچ کے اندر آزادانہ طور پر ۱۰ ملین ڈالر کا اضافہ ہو جائے اور B میں اتنی ہی کمی تو یہ دو مساوات اخذ کی جا سکتی ہیں۔

$$10 + MPC_a \times dy_a + MPM_b \times dy_b = dy_a$$

اور

$$MPM_a \times dy_a - 10 + MPC_b \times dy_b = dy_b$$

جہاں dy_a اور dy_b (یا زیادہ سہولت کے لیے a اور b) آمدنی A اور B کی تبدیلیوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ مختتم رجحانات کو بھرنے پر ہمارے پاس دو مساوات اور دو نامعلوم اقدار رہ جاتی ہیں، یعنی

۳۔ قرض لینے والے کا قرض کی رقم میں سے درآمد کرنے کا مختتم رجحان۔

۴۔ نظام بنک کاری کا ردعمل وغیرہ۔

$$10 + 0.6a + 0.3b = a$$

$$0.3a - 10 + 0.6b = b$$

اگر ہم (متعدد کوششوں کے بعد) انھیں حل کر سکیں تو ہم دیکھیں گے کہ a اور b میں سے ہر ایک 3.4 ملین میں سے کچھ کم ہوگا۔ A میں یہ اضافہ اور B میں تخفیف کو ظاہر کرے گا۔ اب B کی فاضل برآمدات کی بنیاد برآمدات میں لگ بھگ 4.3 ملین کے اضافے اور درآمدات میں 4.3 ملین کی کمی ہے۔ اس طرح پہلے کے 7.5 ملین کے مقابلے میں یہ کل اضافہ 8.6 ملین کا ہوا۔ پس جب تک دونوں ملک "تنہائی میں مستحکم" رہتے ہیں تو ردعمل سے مبرّا صورت حال کے مقابلہ میں دونوں ملکوں کے اندر خرچ میں تبدیلی سے بہت زیادہ نہ سہی کچھ اضافہ تو ضرور ہوتا ہے۔

تاہم اگر قرض دینے والا ملک اپنے خرچ کو بقدر 10 کم نہ کرے تو قرض لینے والے ملک کے اندر خرچ میں اضافہ اور غیر ملکی ردعمل دونوں مل کر 7.5 ملین ڈالر میں سے 4.3 ملین ڈالر منتقل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ کیونکہ B میں آمدنی تقریباً اتنی ہی بڑھ جائے گی جتنی A میں (57.1 ملین ڈالر کے مقابلہ میں 42.9 ملین ڈالر) اور B کی درآمدات کو کم کرنے کی بجائے ان میں اضافہ کر دے گی۔

ان مفروضات کی حدود میں بھی حالات ایک دوسرے سے اتنے مختلف سے دوچار ہو سکتے ہیں کہ آمدنی کی تبدیلیاں نظریاتی بین الاقوامی سرمائی نقل و حرکت کو بروئے کار لانے میں کس حد تک کارگر ہوں گی اس کے بارے میں کسی عام اصول کو بیان کرنا ناممکن ہے۔ تاہم سرمایہ کے جن انتقالات نے پروفیسر ٹارک کو حیرت زدہ کر دیا تھا ان کے پیش نظر یہ نتیجہ اخذ کرنا بے جا نہ ہوگا کہ آمدنی کی تبدیلیاں سرمایہ کی عام حرکات کو غالباً بآسانی عمل میں لا سکیں گی اور جرمن تاوان کے تجربہ سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ سرمائے کے بعض انتقالات کو پورا کرنے میں بڑی دشواری کا سامنا ہو سکتا ہے۔

قرض دینے والے ملک میں خرچ اور آمدنی کی راہوں کو بہت سے عوامل متاثر کریں گے۔ ان میں یہ امور شامل ہیں کہ منتقل کیے جانے والے سرمایہ کو کس طریقے سے حاصل کیا گیا ہے اور قرض لینے والے کے خرچ میں اضافے سے مذکورہ ملک کی برآمدات کتنی تیزی کے ساتھ بڑھتی ہیں۔ جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے ہم یہ مانے لیتے ہیں کہ ایک صورت تو یہ ہے کہ مطلوبہ رقم کو بچت میں اضافہ کرکے یا سرمایہ کاری گھٹا کر یا بیرونِ ملک تاوان کی ادائیگی کے لیے لگائے ٹیکسوں میں اضافہ کرکے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے کسی بھی صورت میں قرض دینے والے ملک میں خرچ اور آمدنی گھٹے گی اور اس سے درآمدات کم ہوں گی نیز برآمدات کے لیے اشیا دستیاب اور اس طرح باہر سرمایہ منتقل کرنے کا کام آسان ہو جائے گا۔ بہرحال دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ

بیرونی سرمایہ ساکھ کی تخلیق یا افراطِ زر کے دیگر طریقوں کے ذریعہ حاصل کیا جائے۔ اس صورت میں حقیقی انتقال کا عمل زیادہ دشوار ہو جائے گا کیونکہ برآمدات میں بیرونی خرچ سے پیدا شدہ اضافے سے قرض دینے والے ملک کی آمدنی بڑھ جائے گی جو درآمدات کو بڑھا کر اور برآمدات کو کم کر کے عملِ انتقال کے خلاف کام کرے گی۔

قرض دینے والے ملک میں خرچ میں کمی یا اضافہ ہو سکتا ہے لیکن خرچ کے طرزِ عمل کے بارے میں پیش گوئی قدرے زیادہ تعین کے ساتھ قرض لینے والے ملک میں کی جا سکتی ہے۔ زیادہ تر قرض سرمائے کی تشکیل کے مقاصد سے لیا جاتا ہے اور اس کا عام طور پر یہ مطلب ہوتا ہے کہ خرچ اور زر کی آمدنیوں میں اضافہ ہو گا۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ باہر سے تاوان کی رقم وصول کرنے والا ملک اس کی وجہ سے نہ تو ٹیکس کم کرے اور نہ ہی سرکاری سرمایہ کاری میں اضافہ کرے۔ وہ ملنے والی رقوم کو محض سرکاری قرضوں کی ادائیگی کے لیے استعمال کر سکتا ہے اگر اس کی وجہ سے سود کی شرحیں نہیں گرتیں اور دیگر سرمایہ کاری میں اضافہ نہیں ہوتا تو ممکن ہے کہ رقم پانے والے ملک میں خرچ اور قومی زری آمدنی پر کوئی اثر مرتب نہ ہو۔ ادائیگی کرنے والے ملک میں خرچ میں کٹوتی کے ذریعہ تاوان کی رقم کے قابلِ لحاظ حصہ کو اس صورت میں بھی منتقل کیا جا سکتا ہے لیکن اگر دونوں ملک اپنے خرچ کے جدول میں ترمیم کر لیں تو انتقال کا کام کچھ آسان ضرور ہو جائے گا۔

اگر دونوں میں سے کسی بھی ملک کا نظامِ بنک بچت یا سرمایہ کاری میں ابتدائی تبدیلیوں یا حقیقی انتقال سے قبل قرض کی رقم فراہم کرنے کے لیے درکار قلیل مدتی ساکھ کی حرکت کی بنیاد پر ساکھ کو کئی گنا پھیلنے یا سکڑنے کی اجازت دے تو گذشتہ بحث سے اخذ کردہ توقعات میں مزید ترمیم کرنے کی ضرورت پڑے گی۔ دونوں ملکوں میں آمدنی کے طرزِ عمل سے متعلق اظہارِ رائے میں یہ ردِ عمل مضمر ہے مگر اس کو واضح طور پر بیان کرنا مناسب رہے گا۔

ان وسیع اختلافات میں سے زیادہ تر کو ریاضی کے ایک پیچیدہ فارمولے کی شکل میں رکھا جا سکتا ہے۔ لیکن ایسا کرنے کی بجائے ہم خلاصہ کے طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ زری بین الاقوامی سرمائی انتقالات کو آمدنی میں تبدیلیوں کے ذریعہ جزوی طور پر، پوری طرح، یا ضرورت سے زیادہ (یعنی ابتدائی زری ادائیگی سے حقیقی انتقال زیادہ ہو) اشیائی شکل دی جا سکتی ہے۔ نیز یہ کہ دیگر امور جس حد تک غیر متغیر ہوں گے۔ حقیقی انتقال اتنا ہی مکمل یا ضرورت سے زیادہ ہو گا۔

1۔ زرئ سرمایہ حاصل کرنے کے دورانِ عمل قرض دینے والے ملک میں خرچ اور آمدنی ابتدائی گریں۔

2۔ قرض لینے والے قرض لی گئی رقم کو قرض دینے والے ملک کے اندر خرچ کریں۔

3۔ قرض لینے والے ملک میں۔

(ا) بچت کرنے کے کم مختتم رجحان

(ب) سرمایہ کاری کے مثبت مختتم رجحان

(ج) تاوان کی صورت میں سرکاری قرض کم ہونے پرٹیکس کم کرنے، یا سرکاری سرمایہ کاری میں اضافہ کرنے یا گھریلو سرمایہ کاری یا صَرف بڑھانے کے لیے آمادگی کے سبب زرئی آمدنی میں اضافہ ہو۔

4۔ غیر ملکی بالواسطہ اثر دونوں ملکوں میں کم ہو۔

5 دونوں ملکوں کے بنک نظام قلیل مدتی سرمایہ اور سونے کی حرکت سے متاثر ہوتے ہیں۔

اس کے برعکس اوپر بیان کردہ شرائط جتنی کم پوری ہوں گی اس بات کا امکان اتنا ہی زیادہ ہوگا کہ خود سرمائے کے انتقال سے آمدنی میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کے ذریعہ سرمایہ پوری طرح منتقل نہ ہو پائے گا ان حالات میں طلائی معیار کے تحت سونے کا بہاؤ درکار ہوگا جس سے نظامِ بنک کے ذریعہ آمدنی میں تبدیلیاں ہو سکتی ہیں یا قیمتوں میں تبدیلیوں کے ذریعہ باقی رقم کو منتقل کرنے کے لیے شرح مبادلہ میں ترمیم کی ضرورت پڑے گی۔

سیالیت بڑھانے کے لیے زرئی قرض لینا:

گذشتہ چند سالوں میں اس رائے کا اظہار کیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ بین الاقوامی قرضداری کا تھوڑا بہت حصہ الیسا رہا ہو جس کا مقصد محض زر کا حصول ہی رہا ہو۔ جدید زرئی نظریہ کی روشنی میں یہ کلاسیکی مفروضہ بدل گیا ہے کہ غیر ملکی زر سرمایہ املاک حاصل کرنے کے لیے ہی قرض لیا جاتا ہے۔ اس نظریہ کی رو سے صاحب املاک دولت کی مختلف سطحوں پر اس کی اقسام میں توازن رکھتے ہیں۔ اگر کسی ذخیرہ میں حقیقی املاک کا اضافہ کیا جاتا ہے تو غالباً سیال املاک کو بھی بڑھایا جائے گا۔ B میں تمسکات بیچ کر A میں قرض لینے والے غالباً حاصل کردہ رقم کا بیشتر حصہ حقیقی املاک پر خرچ کریں گے۔ علاوہ ازیں خرچ کے سبب A کی آمدنی میں ہونے والے ضربیائی اضافہ کی

وجہ سے لین دین کے بڑھے ہوئے حجم کی مالی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے A کا اب زیادہ زر درکار ہوگا۔ املاک اور آمدنی میں تبدیلیوں سے A زر کی رسد میں اضافے کی ضرورت نظام انتقال کے عمل کو (خواہ وہ آمدنی کے ذریعہ کام کرے یا قیمت کے) پورا ہونے سے بآسانی روک سکتی ہے۔ یہ خیال اس واضح کلاسیکی نتیجہ کو یقیناً مشکوک بنا دیتا ہے کہ عمل انتقال مکمل ہو جانے پر سونے، قلیل مدتی سرمائے، اور زر کی رسد سب کی۔۔۔۔ ابتدائی پوزیشن بحال ہو جائے گی۔

کسی حد تک ممالک زر کی رسد میں اضافہ کرنے کے لیے قرضے لیتے ہیں اس امکان پر ایک معاشی تاریخ داں نے روشنی ڈالی تھی جو اس امر کی چھان بین کر رہے تھے کہ ۱۹ ویں صدی میں ریاستہائے متحدہ کے اندر نظام انتقال کس طرح کام کرتا تھا۔ اس لیے اس نکتہ پر مزید بحث ہم اس وقت تک کے لیے ملتوی کر سکتے ہیں جب تک ہم حقیقی دنیا میں انتقال سے متعلق تاریخی حقائق و شواہد جمع نہ کر لیں۔

شرائطِ تجارت اور انتقال :

کلاسیکی مصنفین بڑے شوق سے یہ سوال پوچھا کرتے تھے : عمل انتقال کے تحت شرائطِ تجارت پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے؟ سرمایہ کو منتقل کرنے میں اگر نظام قیمت پیش روی سے کام لے گا تو ظاہر ہے کہ شرائطِ تجارت قرض دینے والے کے خلاف اور قرض لینے والے کے حق میں بدلیں گی۔ فاضل برآمدات حاصل کرنے کی خاطر بیرونِ ملک زیادہ اشیاء بیچنے کے لیے قرض دینے والے کو تخفیف زر یا منہائی شرح کے ذریعہ قیمتوں کو کم کرنا ہوگا۔ بیچنے والوں کے نقطۂ نظر سے زیادہ نفع بخش بازار بننے کے لیے قرض لینے والے ملک کو یا تو افراطِ زر یا شرح مبادلہ میں اضافہ کے ذریعہ قیمتوں کو بڑھانا ہوگا۔

بہر حال درآمدات کے مختتم رجحان یا آمدنی میں تبدیلیوں کے ذریعہ انتقال عمل میں آنے کے امکان سے یہ صورت بدل جاتی ہے۔ مان لیجیے کہ قرض لی گئی رقوم میں سے درآمد کے لیے سرمایہ کاروں کا مختتم رجحان اکائی کی برابر ہے اور تمام رقم کو قرض دینے والے ملک میں ہی خرچ کر دیتے ہیں۔ اگر وہ انھیں اشیاء کو خریدیں جنھیں نئی بچت کرنے والوں نے چھوڑا ہے تو پورے نظام میں قیمتیں کہیں بھی متاثر نہ ہوں گی اور شرائطِ تجارت میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ اگر وہ برآمد کی جانے والی اشیاء خریں اور بچت کرنے والے درآمد کی جانے والی اشیاء سے گریز کریں تو شرائطِ تجارت

قرض لینے والے کے خلاف جا سکتی ہیں۔ اور اگر قرض دینے والے ملک میں زری سرمایہ نئی بچت کی بجائے بنک ساکھ سے پیدا کیا گیا ہے تو کل ملا کر اس ملک میں خرچ بڑھ جائے گا قیمتوں کے چڑھنے کا امکان رہے گا اور شرائط تجارت بھی قرض لینے والے کے خلاف اور دینے والے ملک کے حق میں بدلیں گی۔

شرائطِ تجارت اور آمدنی میں تبدیلیاں:

جب عمل انتقال کا زیادہ تر دباؤ آمدنی میں ہونے والی تبدیلیوں کو برداشت کرنا ہوتا ہے تو شرائطِ تجارت میں تبدیلی (اگر ہو تو) کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ دونوں ملکوں میں آمدنی کس حد تک مخالف سمتوں میں بدلتی ہے؛ گھریلو اشیاء اور درآمدات پر خرچ کرنے کے مختتم رجحانات کا تناسب کیا ہے اور رسد کی لچکیں کیسی ہیں۔ تاہم ایسے حالات میں دشواری یہ ہوتی ہے کہ ان کے لیے دو مختلف قسم کے تجزیے درکار ہوتے ہیں اور ان کو باہم مشکل ہی سے باندھا جا سکتا ہے۔ آمدنی کی تبدیلیوں اور مضروب نسبہ کا استعمال بچت اور درآمد کے مختتم رجحانات کو خطی مان کر چلتا ہے اور یہ مفروضہ خود بے کار وسائل کی بنیاد پر غیر متغیر قیمتوں پر انحصار کرتا ہے۔ اس کے برعکس شرائطِ تجارت کا تجزیہ کامل روزگار اور عام توازن کے مفروضے کو اختیار کرتا ہے۔ اس باب میں اس تجزیہ کی باریکیوں میں جانے کی گنجائش نہیں ہے تاہم اس کے بارے میں موٹے طور پر ہم کچھ کہہ سکتے ہیں۔

شکل نمبر 18.1 کو پھر ملاحظہ کیجیے۔ اس میں ہم نے غیر ملکی بالواسطہ اثرات کو غایب مان لیا تھا اور قرض دینے والے ملک کو نظر انداز کر دیا تھا۔ اب ہم یہ مانے لیتے ہیں کہ زرِ قرض کو نئی بچت کی بجائے ساکھ کی تخلیق کے ذریعہ حاصل کیا گیا تھا اور اس لیے ابتداءً قرض دینے والے ملک میں کل خرچ غیر متاثر رہا تھا۔ قرض لینے والے ملک کی اشیاء پر خرچ کی جانے والی کل رقم میں 25 ملین ڈالر کا اضافہ ہوا اس میں سے 10 ملین ڈالر کا قرض تھا اور 15 ملین ڈالر ترغیبی صرف کو ظاہر کرتا ہے قرض دینے والے ملک میں کل خرچ میں صرف 7.5 ملین ڈالر کا اضافہ بڑھی ہوئی برآمدات کی شکل میں ہوا۔ اگر دونوں ملکوں میں رسد کی لچکوں کا مقابلہ کسی صورت کیا جا سکے اور وہ لامحدود نہ ہوں تو شرائطِ تجارت قرض لینے والے ملک کے حق میں بدل جائیں گی۔

اگر تبدیلیاں دونوں ملکوں میں رونما ہوں تو عام اصول قائم رہے گا اور اس کا استعمال کیا قرض لینے والے کے برخلاف قرض دینے والے ملک میں کل خرچ کا کیا ہوتا ہے؟ اگر کل

ملاکر دونوں ملکوں کی آمدنی میں ہونے والی تبدیلی صفر ہو یعنی قرض دار ملک کی آمدنی میں ہونے والا اضافہ قرض دینے والے ملک کی آمدنی میں واقع ہونے والی کمی سے کٹ جائے اور کوئی بچت نہ ہو تب کسوٹی یہ ہوگی کہ آیا درآمد کے مختتم رجحانات کا جوڑا اکائی سے زیادہ، اس کی برابر یا اس سے کم ہے اس امر کی وضاحت ان میٹرائسز کے ذریعہ کی جا سکتی ہیں جنھیں صفحہ 316 کے ذیلی نوٹ میں استعمال کیا گیا تھا۔

مان لیجیے کہ دونوں MPCs اور دونوں MPMs ایک جیسے ہیں اور بالترتیب 0.6 اور 0.4 کے برابر جیسا کہ منسلکہ میٹرکس میں دکھایا گیا ہے۔ MPMs کا جوڑا ایک سے کم ہوگا۔ A کے خود اپنی اشیاء پر خرچ میں ہونے والا اضافہ اس تخفیف سے زیادہ ہوگا جو B میں A کی اشیاء پر خرچ میں واقع ہوگی۔ A کے B کی اشیاء پر خرچ میں ہونے والا اضافہ B کے خود اپنی اشیاء پر خرچ میں ہونے والی کمی سے کم ہوگا۔ کل ملاکر A کی اشیاء پر کیے جانے والا خرچ بڑھے گا اور B کی اشیاء پر کیا جانے والا خرچ گھٹ جائے گا۔ شرائطِ تجارت صریحاً B کے خلاف اور A کے حق میں بدلیں گی۔

Receivers	Spenders, A	B
A	$MPC_a + 0.6$	$MPM_b - 0.4$
B	$MPM_a + 0.4$	$MPM_c - 0.6$

اس کے برعکس اگر MPCa اور MPCb میں سے ہر ایک 0.4 اور دونوں MPMs 0.6 ہوں تو ظاہر ہے یا تھوڑے سے غور سے واضح ہو جائے گا کہ A کی اشیاء پر B کے خرچ میں واقع ہونے والی کمی A کے خود اپنی اشیاء پر خرچ میں ہونے والے اضافے سے زیادہ ہوگی جبکہ B کی اشیاء پر A کے خرچ میں ہونے والا اضافہ B کے خود اپنی اشیاء پر خرچ میں کمی سے زیادہ ہوگا۔ کل ملاکر B کی اشیاء پر خرچ میں اضافہ ہوگا اور A کی اشیاء پر خرچ میں کمی ہو جائے گی اور شرائطِ تجارت قرض دینے والے کے حق میں بدل جائیں گی۔

جہاں درآمد کے مختتم رجحانات کا جوڑا اکائی کی برابر ہوتا ہے اور بچت معدوم کل ملاکر ہر ایک چیز پر خرچ جوں کا توں رہتا ہے اور شرائطِ تجارت میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ درآمد کے مختتم

رجحانات 0.5 سے کم ہیں یا زیادہ اس سے شرائطِ تجارت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس کی وضاحت کے لیے مندرجہ ذیل میٹرائسز کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔

Receivers \ Spenders,	A	B
A	+ 0 - 6	- 0 . 6
B	+ 0 . 4	- 0 . 4

Receivers \ Spenders,	A	B
A	+ 0 . 3	- 0 . 3
B	+ 0 . 7	- 0 . 7

Receivers \ Spenders,	A	B
A	+ 0 . 5	- 0 . 5
B	+ 0 . 5	- 0 . 5

MPS s صفر کی برابر ہیں یہ مفروضہ ٹھیک عام توازن کے جیومیٹرائی ماڈل کی مانند ہے جس میں ہم دو اشیار، دو ملکوں کو لیتے ہیں اور انتقال اشیار کی شکل میں کیا جاتا ہے۔ انتقال اشیار کی شکل میں کرنے سے خرچ میں ہونے والی تبدیلیاں بے اثر ہو جاتی ہیں۔ درآمد کے مختتم رجحانات کا جوڑ ایک سے کم ہو یا دوسری طرح سے یوں سمجھئے (یہاں بھی غور کرنے سے پتہ لگتا ہے) MPC a زیادہ ہو MPM b سے یا MPM a کم ہو MPC b سے تو ان حالات میں شرائطِ تجارت قرض لینے والے کے حق میں جائیں گی۔

اگر بچتیں موجود ہیں، اگر دونوں ملکوں میں خرچ میں ہونے والی تبدیلی مختلف ہے یا اگر رسد کی لچکیں غیر مساوی ہیں تو درآمد کے مختتم رجحانات کے جوڑ کی سادہ کسوٹی بیکار ہو جاتی ہے۔ بچتوں سے بآسانی نپٹا جا سکتا ہے۔ خرچ میں مساوی تبدیلی ہونے کی صورت میں شرائطِ تجارت قرض لینے والے کے حق میں اسی وقت جائیں گی جب لینے والے کے یہاں صرف کا مختتم رجحان دینے والے کے یہاں درآمد کے مختتم رجحان سے زیادہ اور قرض دینے والے کا مختتم رجحانِ صرف قرض لینے والے کے درآمد کے مختتم رجحان سے زیادہ ہو۔ جیسا کہ نیچے دی ہوئی میٹرکس سے ظاہر ہوتا ہے۔ درآمد کے مختتم رجحانات کا جوڑ معقول کسوٹی نہیں رہ جاتا۔ اس میٹرکس میں درآمد کے مختتم رجحانات کا جوڑ ایک سے کم ہے لیکن یہ بات بالکل واضح ہے کہ کل ملا کر A کی اشیار پر

خرچ میں کمی اور B کی اشیاء پر خرچ میں اضافہ ہوگا جس سے شرائطِ تجارت قرض دینے والے B کے حق میں بدل جائیں گی۔

Receivers \ Spenders	A	B
A	+ 0.3	− 0.6
B	+ 0.3	− 0.2
Savings	+ 0.4	− 0.2

عام صورت حال میں جہاں دونوں ملکوں کے اندر ہونے والا خرچ نہ تو مساوی ہوتا ہے اور نہ مخلف سمت میں بدلتا ہے ان کی شرائطِ تجارت کے بارے میں — اگر رسد کی لچکیں برابر ہوئی ہوں — پیش گوئی کے لیے آمدنی میں ہونے والی تبدیلیوں اور گھریلو اشیاء نیز درآمدات پر خرچ کے رجحانات کا جاننا ضروری ہوگا۔ اہم سوال یہ ہے کہ قرض دینے والے اور قرض لینے والے کی اشیاء پر خرچ میں مزید کتنا اضافہ (یا کمی) ہوتی ہے۔ قرض لینے والے ملک کی آمدنی میں قرض دینے والے ملک کی آمدنی کے مقابلہ میں اضافہ اور درآمد کے رجحان سے گھریلو اشیاء پر خرچ کرنے کا رجحان جتنا زیادہ ہوگا شرائطِ تجارت کے قرض لینے والے کے موافق جانے کا امکان بڑھے گا۔ بہر نوع اگر انتقالِ سرمایہ کے کسی مخصوص کیس میں قرض لینے والے کی آمدنی قرض دینے والے سے زیادہ بڑھے لیکن گھریلو اشیاء پر خرچ کے مقابلہ میں درآمد کا رجحان زیادہ ہو اور قرض دینے والے ملک میں حالات اس کے برعکس ہوں تو عام نتیجہ برآمد ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھتا ضرورت اس بات کی ہوگی کہ دونوں ملکوں کی اشیاء پر کیے جانے والے خرچ کا ٹھیک — پتہ لگایا جائے۔

شرائطِ تجارت اور رسد کی لچکیں:

حقیقی دنیا میں رسد کی مساوی لچکوں کا مفروضہ قطعی صحیح نہیں ہے۔ مان لیجیے کہ قرض لینے اور دینے والے دونوں ملکوں کی اشیاء پر خرچ میں مساوی اضافہ ہوتا ہے۔ شرائطِ تجارت کس ملک کے حق میں ہوں گی اس کا انحصار رسد کی لچکوں پر ہوگا۔ اگر قرض لینے والا خام مال کا مالک ہے اور دینے والا مصنوعات کا تو قرض لینے والے کی شرائطِ تجارت بہتر ہونے کا امکان ہے کیونکہ

خرچ بڑھنے سے قیمتیں بڑھ جاتی ہیں (کم از کم تھوڑے عرصے میں) جب کہ پیداوار میں زیادہ اضافہ نہیں ہوتا۔ یہ صورت حال قرض دینے والے ملک کی پوزیشن کے برعکس ہوتی ہے جہاں —— یہ مانتے ہوئے کہ تھوڑی بہت فالتو پیداواری صلاحیت موجود ہے —— خرچ میں اضافے سے پیداوار بڑھے گی لیکن قیمتوں میں تھوڑا بہت اضافہ ہی ہوگا۔

شرائطِ تجارت پر بحث کا خلاصہ:

اس مرحلہ پر بہت سے قارئین اپنی بھنویں سکوڑیں گے اور یہ نتیجہ اخذ کریں گے کہ انتقالِ سرمایہ کے تحت شرائطِ تجارت کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں کہا جا سکتا۔ یہ صورت حال افسوسناک ہے مگر حقیقی شرائطِ تجارت آمدنی میں کل ملا کر تبدیلیوں، درآمد کرنے اور گھر میں بنائی گئی اشیاء پر خرچ کے مختتم رجحانات اور رسد کی مجموعی طور پر لچکوں پر منحصر ہوتی ہیں۔ زیادہ صحیح طور پر یوں کہیے کہ ان کا انحصار اس بات پر ہے کہ آمدنی میں ہونے والی تبدیلیاں شرائطِ تجارت کو کس حد تک متاثر کرتی ہیں۔ اگر آمدنی کی تبدیلیاں تمام سرمایہ کو منتقل کرنے میں ناکام رہتی ہیں تو بچا ہوا سرمایہ قیمت میں تبدیلیوں کے ذریعہ منتقل کیے جانے کے لیے رہ جاتا ہے۔ شرائطِ تجارت پر آمدنی کے اثر سے قیمت میں براہِ راست تبدیلیوں کا اثر زیادہ مؤثر و کارگر ثابت ہو سکتا ہے۔

لیکن یہ صورت حال کسی بھی طرح مایوس کن نہیں ہے۔ نیچے ہم لمبے عرصے کے حسب معمول اور غیر معمولی سرمائی نقل و حرکت میں امتیاز کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس سے ہمیں کچھ مدد مل سکتی ہے۔ ہم اس کے نتیجہ کی پیش گوئی اتنا کہنے کے لیے کر سکتے ہیں کہ عام سرمائی حرکات کے تحت قرض لینے والے ملک میں آمدنی کے اندر ہونے والی تبدیلیوں کے رونما ہونے کا امکان قرض دینے والے ملک میں مخالف سمت میں متوازی تبدیلیوں کی نسبت زیادہ ہے نیز یہ کہ آمدنی میں ہونے والی تبدیلیاں تمام سرمایہ کو اور بسا اوقات اس سے زیادہ کو منتقل کرنے کے لیے کافی وسیع ہوں گی —— اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ خرچ میں کل ملا کر ہونے والی تبدیلی غالباً اضافہ کی صورت اختیار کرے گی۔ شرائطِ تجارت اب اس ملک کے حق میں ہوں گی جس میں اس اضافہ کا زیادہ حصہ خرچ کیا جائے گا۔ یا اس ملک کے حق میں جس کے اندر مطلوبہ اشیاء کے لیے رسد کی لچک کم ہو گی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ایسے دونوں ہی ملکوں کے حق میں ہوں یا پھر اگر دونوں اثر مخالف سمتوں میں کارفرما ہوں تو مجموعی طور پر اثر کو دیکھنا ہوگا۔

کسی مخصوص کیس میں پہلے سے یہ کہنا مشکل ہے کہ خرچ کا زیادہ حصہ کس ملک میں جائے گا۔ اگر قرض لینے والا ملک کم ترقی یافتہ ہے تو اسے درآمدہ اشیاء کی حاجت ہوگی کیونکہ وہاں غالباً سرمائی اشیاء پیدا کرنے والی صنعت موجود نہ ہوگی۔ اسی کے ساتھ تشکیل سرمایہ کے کام کا بڑا حصہ تعمیرات پر مشتمل ہوتا ہے جسے کسی مقررہ مقام پر ہی انجام دینا ہوتا ہے۔ غالباً مجموعی طور پر قرض لینے والا ملک قرض دینے والے ملک کی اشیاء کی نسبت اپنی پیداوار پر ہی زیادہ خرچ کرے گا تاہم آخری طور پر کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔

بہر حال جب ہم رسد کی لچکوں کے موضوع پر آتے ہیں تو یہاں پر یہ قیاس مضبوط تر معلوم ہوتا ہے کہ قرض دینے والے ملک کی نسبت قرض لینے والے ملک کی رسد کم لچکیلی ہوگی۔ قرض دینے والے ملک عام طور پر ترقی یافتہ ہوتے ہیں اور مطلوبہ صنعتوں میں پیداواری صلاحیت میں اضافہ کرنے کی زیادہ استعداد رکھتے ہیں۔ خرچ میں (خالص) اضافہ کا بیشتر حصہ اگر وہ بہت زیادہ نہیں ہے قرض دینے والے ملک کی اشیاء پر صرف ہونے کی صورت میں بھی یہ ہو سکتا ہے کہ قرض لینے والے ملک کی نسبت قیمتیں قرض لینے والے ملک میں مزید اونچی ہو جائیں۔

اس استدلال کے پیش نظر جسے حتمی قرار نہیں دیا جا سکتا قیاس کچھ اس طرح کا ہے کہ تمام حالات میں شرائطِ تجارت قرض لینے والے ملک کے حق میں اور قرض دینے والے ملک کے خلاف جائیں گی۔ قرض لینے والے ملک خصوصیت کے ساتھ سرمایہ کی تشکیل کے لیے بڑی حد تک مقامی وسائل کا استعمال کرتے ہیں اور قرض دینے والے ممالک میں برآمدات کی قیمت کو متاثر کرنے میں نمایاں طور پر ناکام رہتے ہیں کیونکہ ان کی رسد کی لچکیں زیادہ ہوتی ہیں۔ یہ امر قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ عام بین الاقوامی قرضوں کے سلسلے میں شرائطِ تجارت پر مرتب ہونے والے اثرات کو متعلقہ ادب میں ضرورت سے زیادہ اہمیت دی گئی ہو اور یہ خیال مثبت مگر کم اہمیت کا حامل ہو کہ شرائطِ تجارت قرض لینے والے ملک کی طرفداری کرتی ہیں۔

بہر حال خراج، تاوان، یا دیگر یک طرفہ انتقال جس کے سلسلے میں آمدنی میں ہونے والی تبدیلیوں، رجحانات اور رسد کی لچکوں کے بارے میں کوئی اصول وضع نہ کیا جا سکے مذکورہ قیاس آرائی کے دائرہ میں نہیں (نہیں — پھر کبھی) آتے — شرائطِ تجارت میں تبدیلیاں ان ملحوظات سے متعین ہوتی ہیں اور کسی بھی سمت میں کوئی ٹھوس قیاس آرائی نہیں کی جا سکتی۔

مرغی یا انڈا:

ایک اور بحث طلب کلاسیکی سوال یہ تھا کہ حقیقی انتقال آیا لازماً زری انتقال کے بعد اس سے پہلے یا ساتھ ساتھ عمل میں آتا ہے۔ کاغذی معیار کے حالات میں جہاں تھوڑے عرصے کی سرمائی نقل و حرکت مفقود ہو زری اور حقیقی انتقال کا ساتھ ساتھ پورا ہونا ناگزیر ہے کیونکہ اگر قرض لینے والے بیرونی زر مبادلہ کو براہ راست خرچ نہ کریں تو وہ اسے اپنی کرنسی کے عوض اسی وقت فروخت کر سکتے ہیں جب فاضل درآمدات کی مدد سے مقامی کرنسی کی فاضل رسد وجود میں آچکی ہو۔ لیکن طلائی معیار یا ایسی لچکیلی شرح مبادلہ کے تحت جس میں تھوڑے عرصے کی سرمائی حرکات اسے استحکام بخش کر طلائی معیار کی مانند بنا دیں مذکورہ سوال جواب سے محروم رہ جاتا ہے۔ اور خاص طور پر معاشیات میں کوئی بھی یا تمام جواب صحیح ہو سکتے ہیں۔

پروفیسر ٹازگ اور ان کے طالب علم سرمائی نقل و حرکت کو ایک خود مختار عامل تصوّر کرتے تھے اور قرض لینے والے ملک کی فاضل درآمدات کو اس کا نتیجہ یقیناً یہ صورت حال بہت مرتبہ سامنے آئی ہے لیکن واقعات کا اس ترتیب میں رونما ہونا ضروری نہیں ہے۔ کوئی ملک سرمایہ کاری کے ایسے پروگرام پر عمل پیرا ہو سکتا ہے جس کے لیے وہ مطلوبہ رقم مقامی طور پر ساکھ کو توسیع دے کر حاصل کرے ۔ اس کے نتیجہ میں رونما ہونے والا افراطِ زر فاضل درآمدات کا سبب بن جائے گا۔ بعد ازاں اس خلا کو بیرونی قرضوں سے پر کیا جا سکتا ہے۔ باہر سے قرض لینے کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ غیر موافق توازن کے اثرات سے کرنسی کو محفوظ رکھنے کے اقدامات میں مرکزی بنک نے مقامی شرح سود کو بڑھا دیا ہو۔

دوسرے سرے پر وہ کیس ہے جس میں قرض لینے والے ملک کے اندر کوئی نیا خرچ اس وقت تک رونما نہیں ہوتا جب تک زر کو غیر ممالک سے بطور قرض حاصل نہ کر لیا جائے یا جیسا کہ تاوان سے متعلق ادائیگیوں کے کیس میں ہوتا ہے سرمائے کی حرکت واضح طور پر قطعی طور پر آزادانہ ہو اور میزان ادائیگی میں تطبیق (اگر ہوتی ہی ہے تو) اس کا نتیجہ ہو۔

لیکن کسی بھی سمت میں اسبابی راہبری کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ زری انتقال اور میزان ادائگی میں تطبیق دونوں ایک ساتھ اور مساوی طور پر دور رس عوامل سے متاثر ہو سکتے ہیں۔ یہ اسبابی عوامل بچت کے رجحان اور مقامی سرمایہ کاری کے مواقع کے بیچ لمبے عرصے کے رشتوں پر مشتمل ہو سکتے ہیں۔

کسی ملک میں سرمایہ لگانے کے مواقع نئی بچتوں کی رسد کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہونے کی صورت میں ایک طرف افراطِ زر اور فاضل درآمدات رونما ہوں گی اور دوسری جانب سرمایہ کاروں کو باہر سے قرضے لینے کی ترغیب ملے گی۔ سرمائے کی نقل و حرکت اور چالو کھاتے میں عدم توازن کے درمیان واضح اور قریبی ربط سببی ہونے کی بجائے باہمی انحصار کا عکاس ہو سکتا ہے تاہم ایسا ہونا ضروری نہیں ہے۔

انتقال ــــ حقیقی دنیا میں:

اس بات کو ہم لمبے عرصے والے سرمائی انتقال کی چند مثالیں اختصار کے ساتھ اوپر بیان کردہ اصولوں کی تشریح کے طور پر پیش کر کے ختم کریں گے۔ ان میں سے بعض انتقال کامیابی کے ساتھ عمل میں لائے گئے ہیں اور بعض ناکام رہے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم ان جانی پہچانی مثالوں سے گریز کریں جن کا ذکر اس موضوع سے متعلق ادب میں ملتا ہے۔ اس لیے ہم 13-1900 کے کناڈا کے تجربہ کو پیش کریں گے اور 19 ویں صدی میں امریکہ نے جو قرض لیے تھے ان کا سرسری طور پر ذکر کریں گے۔ ہم فرانس۔ پروشیا تلافی نقصان کا موازنہ پہلی جنگ عظیم کے بعد جرمنی کے تاوانوں سے کریں گے۔ بعد ازاں پہلی عالمی جنگ کے بعد وسطی اور مشرقی یورپ میں استحکام بخش سرمائی حرکات کا مقابلہ ان کے بعد ہونے والے غیر استحکامی انتقالات سے کیا جائے گا۔ آخر میں 1920 کی دہائی میں ریاستہائے متحدہ سے سرمائے کے باہر کی طرف حسب معمول بہاؤ اور اس سے اگلی دہائی میں اندر کی جانب غیر معمولی بہاؤ پر بحث کی جائے گی۔

13 ــ 1900 کناڈا کی قرضے: بین الاقوامی تطبیق کے نظریہ کی کلاسیکی تصدیق وائی نر کی کتاب Canada's Balance of International Indebtedness 13 ــ 1900 میں ملتی ہے۔ پروفیسر وائی نر نے کناڈا کے قرضوں کا حساب براہِ راست طور پر لندن بازار میں بھیجے گئے بانڈوں اور بالواسطہ طور پر میزانِ ادائگی میں دیگر مدوں کے تخمینہ کے ذریعہ لگایا۔ انھوں نے اس زرئی نظام کا پتہ لگایا جس کے ذریعہ کناڈا کے بینک اپنے بنیادی زرر و کناڈا میں سونے میں رکھنے کی بجائے نیویارک میں ڈالر کی شکل میں رکھتے تھے۔ اور آخر میں انھوں نے کلاسیکی قیمت۔ دھات۔ بہاؤ نظام کا ثبوت پیش کیا اور اس ضمن میں شرائطِ تجارت کے رول پر روشنی ڈالی اس کے لیے انھوں نے ان امور کی وضاحت کی کہ کناڈا میں مقامی قیمتیں سب سے زیادہ

بڑھیں برآمدات کی قیمتوں میں کم اضافہ ہوا اور درآمدات کی قیمتیں سب سے کم بڑھیں نیز کناڈا نے جو قرضے لیے تھے وہ فاضل درآمدات کی شکل میں جو تقریباً قرض کے برابر نہیں ملک کے اندر منتقل ہو گئے۔

ان کے مطالعہ کے وقت ڈومینین بیورو کے اعداد و شمار کے ماہر آر۔ ایچ کوٹس واقعات کی ترتیب کی دوسری ہی تصویر پیش کر رہے تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ سرمایہ ملک میں آنے کی وجہ سے تیزی کی صورت پیدا نہیں ہوئی تھی بلکہ معاملہ اس کے برعکس تھا۔ تیزی نے جس کا آغاز ۱۸۹۶ میں ہوا تھا انجام کار سرمائے کے ملک کی جانب بہاؤ کو جنم دیا سود کی شرحوں اور قیمتوں میں اضافہ سرمایہ کا بہاؤ شروع ہونے سے پہلے ہی ہو تا رہا تھا۔ اور برآمدات گھٹ نہیں رہی تھیں ان میں اضافہ ہو رہا تھا کیونکہ ریلوں میں سرمایہ کاری نے یورپ کے صرف کے لیے اناج اگانے کے لیے درکار زمینوں تک پہنچنا ممکن بنا دیا تھا۔

حال کے برسوں میں متعدد عالموں نے آمدنی کے نظریہ کی روشنی میں وائنر کے انکشافات کا جائزہ لیا اور نشو و نما کے نظریہ پر بھی غور کیا۔ آخر الذکر برآمدات میں توسیع کے اسباب بیان کرتا ہے۔ ان عالموں کی تحقیق سے پتہ چلا کہ یہ توضیحات جو کوٹس کی تشریح سے میل کھاتی ہیں کلاسیکی قیمت۔ دھات۔ بہاؤ نظام کے مقابلہ میں حقائق سے زیادہ نزدیک ہیں۔ لیکن آج بھی وائنر کا کام بین الاقوامی معاشی تجزیہ میں امتیازی نشان کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اس نے متعدد مسائل کو اعداد و شمار کے پس منظر میں اٹھایا اور نظریہ کو حقائق کے مطابق وضع کرنے کی کوششوں کو بڑا سہارا دیا۔

<u>۱۹ ویں صدی میں امریکی تجربہ</u>: ۱۹ ویں صدی میں ریاستہائے متحدہ کے میزان ادائگی میں لمبے عرصے والی سائیکلوں کے مطالعہ کے دوران جے۔ جی۔ ولیمسن نے دیکھا کہ سونے کی حرکات اس نمونے پر بالکل نہیں ہوتیں جو قیمت۔ دھات۔ بہاؤ تجویز کرتا ہے۔ سرمایہ کے داخلی بہاؤ کے آغاز پر سونا ملک میں آنے اور بعد ازاں حقیقی انتقال سے اپنا رخ بدلنے کی بجائے ہمیشہ اس بہاؤ کے دوران ملک میں آیا اور اس نے اپنا رخ اسی وقت بدلا جب سائیکلی (داخلی) بہاؤ ختم ہوا۔ سرمایہ کا داخلی بہاؤ ریاستہائے متحدہ میں اکثر تغیرات میں سرمایہ کاری کی لمبی سائیکلوں (گرنٹ) کے نتیجہ تھے۔ ان کے لیے زر کی رسد میں اضافے کی ضرورت تھی۔ باہر سے قرض لینے کی ضرورت کچھ تو ریاستہائے متحدہ میں حقیقی اشیاء اور خدمات منتقل کرنے کے لیے درپیش تھی۔ لیکن ایک مقصد

بنک نظام پر سونے کے دباؤ کو کم کرنا بھی تھا۔ کلاسیکی نظام میں تمسکات اور اشیار کے دو بازار صاف کرنے پڑتے تھے مگر درحقیقت بازار تین تھے۔ یعنی اشیار۔ زر۔ اور تمسکات کے۔ ریاستہائے متحدہ میں شدید معاشی سرگرمی کے ادوار میں اشیار — اور زر کے لیے فالتو مانگ تمسکات کی زائد رسد سے پوری کر دی جاتی تھی یعنی لندن میں پونڈ بیچ کر۔ سونا واپس باہر اس وقت بھیجا جاتا تھا جب تیزی کا زور ٹوٹ چکا ہوتا تھا اور زر کی رسد سکڑتی ہوئی ہوتی تھی۔

انتقال کے نظام کے بارے میں یہ دلچسپ مشاہدہ ہمارے لیے بعد میں اس وقت کارآمد ثابت ہوگا جب ہم 1960 کی دہائی میں ریاستہائے متحدہ کے میزان ادائیگی میں عدم توازن کا جائزہ لیں گے۔ تاہم فی الحال اسے انتقال کرانجام دینے میں زر کے کردار کی کلاسیکی وضاحت کا ایک اہم استثنٰی سمجھیے۔

<u>فرانس پروشیا تلافی:</u> 1871 کی فرانس۔ پروشیا تلافی نے ماہرین معاشیات کو بڑی مصیبت میں ڈال دیا کیونکہ پہلی جنگ عظیم کے بعد یہ جرمن تاوانوں کے لیے ایک نظیر بن گئی جب کہ اس وقت ادائیگی کے لیے ضروری شرائط قطعی بدل چکی تھیں۔ جرمنی نے 1870 کی مختصر جنگ میں فتح حاصل کی۔ آلسیک اور لورین کو فرانس سے الگ کر دینے کے علاوہ اس نے فرانس پر 5 بلین فرینک کا ہرجانہ بھی عاید کر دیا۔ سود ملا کر یہ رقم 301ر5 ملین فرینک بنی۔ آلسیس۔ لورین ریلوے پر فرانسیسی حق کے انتقال سے جس کی قیمت 325 ملین فرینک لگائی گئی یہ رقم گھٹ کر 5 بلین سے کم رہ گئی۔ تقریبًا 750 ملین سونے چاندی اور جرمن نوٹوں کی شکل میں منتقل کیے گئے۔ اس طرح چند قسطوں میں زرِ مبادلہ کے ذریعہ منتقل کرنے کے لیے $4\frac{1}{4}$ باقی رہ گئے۔

فرانسیسی فرینک میں ہرجانہ کی رقم حاصل کرنے کے لیے فرانس نے دو بڑے قرض لیے جن کی مجموعی رقم $4\frac{1}{2}$ بلین فرینک تھی جنھیں اس نے 1871 اور 1872 میں حاصل کیا۔ ان قرضوں کا ایک قابل لحاظ حصہ باہر سے حاصل ہوا۔ ان قرضوں میں ان غیر ملکیوں نے جنھیں یہ سرمایہ کاری پرکشش محسوس ہوئی اور ان محب وطن فرانسیسیوں نے جنھوں نے اپنے غیر ملکی سرمائے کو فروخت کیا دونوں ہی نے حصہ لیا۔ ان دونوں سے فرانس کی حکومت کو وہ بیرونی زرِ مبادلہ حاصل کرنے کا موقع مل گیا جسے اس نے قرض سے حاصل شدہ رقم سے خرید لیا۔ ان دونوں ذرائع سے ملا کر 4 بلین سے زیادہ فرینک دستیاب ہوئے۔ قرضوں کے باقی حصہ کو نئی بچت سے پورا کیا گیا۔ اس بچت کی حوصلہ افزائی کچھ تو سود کی اونچی شرحوں نے کی اور کچھ محب وطن فرانسیسیوں سے

کی گئی اس اپیل نے کردہ بچت کر کے تلافی کی رقم ادا کرنے میں مدد کریں تاکہ فرانس کے قومی وقار کی پیشانی سے یہ بدنما داغ دھل جائے۔

750 ملین سونے چاندی اور بنک نوٹوں کی شکل میں اور $4\frac{1}{2}$ بلین میں سے بیشتر زرمبادلہ —— جسے فرانس کی غیر ملکی تمسکات کی ملکیت کو بیچ کر اور فرانسیسی قرضوں میں غیر ملکیوں کے حصہ لینے کے ذریعہ حاصل کیا گیا تھا —— کی شکل میں ادا کر دینے کے بعد ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انتقال کا مسئلہ بالآخر ختم ہو گیا ہے۔ لیکن ایسا قطعی نہیں ہوا تھا۔ یہاں تک تو صرف انتقال کے لیے ضروری انتظامات پورے ہوئے تھے۔ حقیقی سرمایہ تو باہر اس وقت جانا شروع ہوا جب اگلے پانچ سال میں فرانس نے اپنی بیرونی املاک کے ایک حصہ کو از سر نو ترتیب دیا اور فرانسیسی rentes (بانڈ) میں لگائی گئی رقوم کو واپس لوٹایا۔ برآمدات 1870 اور 1871 میں 2.9 بلین کی سطح سے 1872 میں بقدر 1 بلین زیادہ ہو گئیں اور 1875 تک 3.9 بلین فرینک کی سطح پر قائم رہیں۔ تاہم درآمدات 2.9 سے بڑھ کر صرف 3.6 بلین فرینک ہی ہوئیں۔ اس طرح اوسطاً 300 ملین کی فاضل برآمدات پیدا ہو گئیں یعنی 1872 سے 1875 تک کے چار سال میں یہی صورت حال رہی۔ تلافی کے حقیقی انتقال کی اصل مقدار یہ تھی۔ اس دہائی کے باقی حصہ میں اور سرمایہ باہر گیا اور حقیقی انتقال عمل میں آتا رہا۔ فرانس میں تخفیف زر سے حقیقی انتقال میں مدد ملی کیونکہ قرضوں کے حصول کے لیے سود کی شرحوں میں اضافہ کیا گیا اور سود کی ادائیگی کے لیے ٹیکس بڑھائے گئے۔ جرمنی میں 1873 تک افراطِ زر نے بھی اس کام میں کافی اعانت کی۔ جرمنی میں اس افراطِ زر کا ایک سبب وہ سونا تھا جو تلافی کی رقم کی جزوی ادائیگی کے طور پر حاصل کیا گیا تھا۔ اس ضمن میں غالباً یہ بات زیادہ اہمیت کی حامل ہے کہ اسی دوران جرمنی نے دو دھاتوں کے زری معیار کو جس میں سونا اور چاندی دونوں شامل ہوتے ہیں ترک کر کے صرف طلائی معیار کو اپنا لیا تھا۔

جرمن افراطِ زر نے کسی حد تک فرانس سے درآمدات کی حوصلہ افزائی کر کے انتقال کے کام میں مدد دی جزوی طور پر یہ عمل زیادہ چکر دار تھا۔ برطانیہ میں فرانسیسی فروخت میں اضافہ ہوا اور جرمن فروخت میں کمی آئی۔ برطانیہ کے صرف اشیاء میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی صرف اس کی رسد کا منبع بدل گیا۔ برطانوی برآمدات کے ذریعہ بھی اسی نتیجہ پر پہنچا جا سکتا تھا۔ برطانیہ سے جرمنی کی درآمدات میں اضافہ ہوا۔ اور فرانسیسی درآمدات (نسبتاً) کم ہوئیں۔ برطانیہ اب بھی پہلے جتنی اشیاء ہی فروخت کر رہا تھا لیکن برآمدات کا رخ فرانس سے جرمنی کی جانب موڑ کر اس نے سرمایہ کے انتقال میں مدد دی۔

فرانس ۔ پرو شیا تلافی نے معاشیات کے سامنے جو دشواری پیش کی وہ یہ تھی کہ اس نے تاوان کو ممالک کے بیچ قابلِ انتقال ظاہر کیا بشرطیکہ اس نظام کو ٹھیک طور پر استعمال کیا جائے۔ تاہم اب پیچھے نظر ڈالنے پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ یک طرفہ ادائیگی اس لیے قابلِ عمل ہو سکی کیونکہ فرانسیسی بہر صورت یہ کام انجام دینا چاہتے تھے اور جرمنی نے خرچ میں اضافے کی پروا نہیں کی تھی۔ اس کے برعکس پہلی عالمی جنگ کے بعد جرمن تاوانوں کے عمل انتقال کی ناکامی نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ 1871 کا واقعہ کوئی عام نہیں بلکہ ایک مخصوص کیس تھا۔

<u>جرمن تاوان ۱۹۱۹ – 31 :</u> ۱۹۱۹ میں شکست خوردہ جرمنی سے فرانس تاوان جنگ کا مطالبہ کرے گا۔ 1871 کے واقعات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں تھی۔ لیکن عمل انتقال کو کامیاب بنانے کے لیے یہ ضروری تھا کہ 1871 کی پوزیشن موجود ہو یا پھر اسی طرح کے حالات کسی اور شکل میں موجود ہوں۔ ان دونوں میں سے کوئی شرط پوری نہیں ہوئی۔

۱۹۱۹ کی جدول کے حقائق یعنی افراطِ زر کے بوجھ سے نظام کا درہم برہم ہو جانا اور 1924 کے ڈیوس منصوبے کی نئی بنیاد، 1928 کے بعد پھر ناکامی اور اس کے نتیجے میں 1930 کا ناکام ینگ منصوبہ، اس کے فوراً بعد جون 1931 کا ہوور التوا۔ ان میں سے یہاں ہم کسی پر بحث نہیں کریں گے ہمارے مقاصد کے لیے اتنی یاد دہانی کافی ہے کہ بالترتیب فاضل برآمدات اور فاضل درآمدات جو درکار تھیں انھیں حاصل کرنے کے لیے نہ تو جرمنی نے قیمتوں کو گھٹایا اور نہ ہی تاوان وصول کرنے والوں نے اخراجات میں اضافہ کیا۔ جرمن حکومت نے تاوانوں کی ادائیگی کے لیے درکار رقوم ٹیکس کے ذریعہ حاصل کرنے کی کوشش کی اور یہ ٹیکس کساد بازاری پیدا کرنے والے تھے ۔ لیکن سود کی شرح میں اضافے اور نیویارک میں نوخیز بین الاقوامی سرمائی بنکروں نے اس کوشش کو ناکام بنا دیا۔ قومی سطح پر سرکاری تخفیف زر کو صوبائی اور مقامی افراطِ زر نے ختم کر دیا کیونکہ صنعت اور مقامی حکومتوں نے خرچ کے لیے باہر سے قرض لے کر ادوان سے مجموعی طور پر خرچ بڑھا۔

نہ تو برطانیہ اور نہ ہی فرانس نے اپنے خرچ کو آنے والی تاوان یافت کے مطابق بدلا۔ انھوں نے تاوان کے طور پر ملنے والی رقوم کو آمدنی کا ایسا نیا ذریعہ نہیں سمجھا جسے آمدنی میں کئی گنا اضافہ کرنے کے لیے استعمال کیا جانا چاہیے تھا وہ تو اسے قرض گھٹانے کا ایک ذریعہ ہی سمجھتے رہے۔ پس مجموعی طور پر یہ تاوان ادا کرنے والے ملک میں خرچ کو گھٹانے اور وصول کرنے والے ملک میں اسے بڑھانے میں کامیابی حاصل نہ کر سکے ۔ قرض لی گئی رقوم کی بنیاد کو چھوڑ کر انتقال ناممکن ثابت ہوا۔

اس ادائیگی نے ایک اہم معاشی اختلاف رائے کو جنم دیا۔ اس قسم کی لاتعداد بحثوں کی طرح اس میں بھی نہ کوئی ہارا اور نہ کوئی جیتا۔ اوہلن کے ساتھ دوران بحث کینز اس نتیجہ پر پہنچے کہ تاوانوں کی ادائیگی نہیں کی جاسکتی (بات صحیح ہے مگر ان کے دلائل غلط)۔ ان کے خیال میں قیمت لچکیں ضرورت سے زیادہ کم تھیں اور جرمنی برآمدی اشیاء کی قیمتوں کو گھٹا کر برآمدات کی مالیت میں اضافہ نہیں کرسکتا تھا۔ ممکن ہے یہ بات صحیح ہو لیکن اس کو کبھی آزمایا نہیں گیا کیونکہ جرمنی نے برآمدی اشیاء کی قیمتوں کو کم نہیں کیا۔ اس کے برعکس اوہلن قیمت لچکوں کے بارے میں کینز کی تشویش کو اہمیت نہیں دیتے تھے کیونکہ انھوں نے پہلی مرتبہ اپنی توجہ اس امکان پر مرکوز کی تھی کہ انتقال قیمتوں میں تبدیلی کے ذریعہ نہیں بلکہ آمدنی میں تبدیلی کے ذریعہ ہوگا۔ تاہم وہ یہ دیکھنے سے قاصر رہے کہ متعلقہ ممالک میں سے کوئی بھی ان داخلی پالیسیوں پر عمل پیرا نہیں تھا جن کی ضرورت انتقال کے لیے تھی۔

1928 میں ریاستہائے متحدہ نے جرمنی کو لمبے عرصے کے قرضے دینا بند کردیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ تاوانوں کے ادا کرنے اور ساتھ ہی اشیاء درآمد کرنے کی سہولت ختم ہوگئی۔ 1929 میں اس خلاء کو تھوڑے عرصے کے قرضوں سے پر کیا گیا اور تجارت کے کھاتے میں جرمنی اب بھی تھوڑی سی فاضل درآمدات حاصل کرتا رہا تاہم 1930 کے آغاز سے صورت حال یکسر بدل گئی۔ 1929 میں جرمن درآمدات کی مالیت 3.25 بلین ڈالر تھی۔ مگر جرمنی میں تخفیف زر نے اسے 1930 میں گھٹا کر 2.53 بلین ڈالر اور 1931 میں 1.66 بلین ڈالر کر دیا۔ برآمدات کی سطح کافی حد تک قایم رہی اور 1929 میں متوازن تجارت کی صورت حال بدل کر یہ ہوگئی کہ 1930 میں 230 ملین ڈالر کی فاضل برآمدات رونما ہوئیں اور 1931 میں 315 ملین ڈالر کی حقیقی انتقال تخفیف زر کے ذریعہ عمل میں آیا۔

مختلف مشاہدین اس واقعہ کو قدرے مختلف انداز سے دیکھتے ہیں۔ بعض اس سے یہ تاثر لیتے ہیں کہ میزان ادائیگی کو حالات کے مطابق بنانے کے لیے آمدنی میں ہونے والی تبدیلیاں کتنی کارگر ہوتی ہیں۔ دوسرے اس سے یہ سبق لیتے ہیں کہ ہر صورت میں میزان ادائیگی کے تطبیق سے ½5 ملین لوگوں کے جو رجسٹر شدہ مزدوروں کا 30 نیصد ہے بیروزگار ہو جانے کا امکان رہتا ہے —— بس ہٹلر اور ایک عالمی جنگ کا۔

<u>تندرو افراط زر اور سرمائے کی حرکات:</u> مشرقی اور وسطی یورپ میں پہلی عالمی جنگ کے بعد والا عرصہ آزادانہ طور پر متغیر شرحوں کے تحت مختلف قسم کی سرمائی حرکات —— لمبے اور تھوڑے عرصے

کی ـــــ کی مثالیں پیش کرتا ہے اور سرمایہ کے انتقال کے عمل پر مزید روشنی ڈالتا ہے۔ ان میں سے زیادہ تر ممالک میں جنگ کے بعد افراطِ زر کا رونما ہونا ناگزیر تھا کیونکہ خاندانوں، فرموں اور حکومتوں سبھی نے ایک ساتھ اپنی آمدنی سے زیادہ خرچ کرنے کی کوشش کی۔ سونے اور بیرونی زرِمبادلہ کے ذخائر تیزی کے ساتھ ختم ہوگئے اور بیرونی شرح مبادلہ کو گرنے دیا گیا۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان ممالک کی کرنسیوں کی قیمت دو بازاروں میں لگائی جاتی تھی۔ ملک کے اندر قیمتوں کی شکل میں اور باہر زرِمبادلہ میں۔ منہائی کے ابتدائی مراحل میں دونوں بازاروں میں استحکام بخش سٹہ ہوتا تھا۔ ملک کے اندر قیمتوں کو بڑھتا دیکھ کر صارفین خرچ کو اس توقع سے ملتوی کر دیتے تھے کہ قیمتیں پھر گریں گی۔ آمدنی کی نئی سطح اور اونچی قیمتوں پر صارفین کی بچت سرمایہ کار کے خسارے اور تجارتی سرمایہ کاری کی ضرورت کو پورا کر دیتی تھی۔ باہر غیر ملکی سٹہ باز زر، مارک، شلنگ اور دیگر کرنسیوں کی کم قیمتوں سے حیرت زدہ ہو کر ان کو اس اُمید میں خرید لیتے تھے کہ وہ اپنی ابتدائی یا جنگ سے پہلے کی شرحوں پر لوٹ جائیں گی۔

استحکام بخش غیر ملکی سرمایہ ملک میں آنے سے بیرونی شرح مبادلہ کو اس سے اونچی رہے ہیں۔ جتنی وہ دیگر صورت میں ہوتی۔ سہارا ملا۔ زرِمبادلہ کے بازار میں سٹہ کے لیے خریداری کی مالیت اور برآمدات مل کر درآمدات کے برابر ہوگئیں۔ اس طرح ملک میں آنے والا سرمایہ اشیا میں منتقل ہو گیا۔ اس طرح رونما ہونے والی درآمدات اندرونی افراطِ زر کو بھی قابو میں رکھتی تھیں اور صارفین کی بچتوں کے ساتھ مل کر کرنسی کی بیرونی قیمت کو اس کی داخلی قیمت سے زیادہ رکھنے میں مددگار ہوتیں۔ اس مرحلے میں گھریلو بازار کے مقابلے میں غیر ملکی بازار میں کرنسی کی قیمت زیادہ رہتی۔

لیکن اشیا کی کم قیمتوں اور زرِمبادلہ کی اونچی شرحوں کی ان توقعات کو ناامیدی کا شکار ہونا پڑتا تھا۔ کچھ وقت گذرنے کے بعد سٹہ بازوں کی ساری خوش فہمی دور ہو جاتی تھی اور وہ اپنی پوزیشن کو الٹ دیتے تھے۔ صارفین آمدنی ملتے ہی اسے خرچ کر ڈالتے تھے اور جس حد تک وہ سابقہ بچتوں یا بنک ساکھ کا سہارا لے سکتے تھے ان کے خرچ کی رفتار اور بھی تیز ہو جاتی تھی۔ داخلی قیمتوں پر اس کا دھماکہ خیز اثر ہوتا تھا۔ بیرونی بازار میں غیر ملکی سٹہ باز اپنی بساط کو الٹ دیتے تھے اور جن کرنسیوں کو انھوں نے شرح میں اضافے کی توقع پر خریدا تھا بیچ کر نقصان کو برداشت کر لینے میں ہی عافیت سمجھتے تھے۔ اور جوں جوں لوگ مقامی کرنسی کو بیرونی زرِمبادلہ کے بدلے بیچتے تھے، سرمائے کا 'فرار' شروع ہو جاتا تھا۔

تاہم ان ممالک سے مجموعی طور پر سرمائے کا باہر جانا اس وقت تک ناممکن تھا جب تک برآمدات درآمدات سے زیادہ نہ ہو جائیں۔ بنا رکاوٹ بدلتی ہوئی شرحوں کے ساتھ اور سونے کے سہارے کی عدم موجودگی میں شرح کو مثال کے طور پر پولینڈ کو خریداری کے لیے سستا ملک بنانے کی خاطر پہلے ہی کافی حد تک گرنا پڑا تھا یعنی اس سے پہلے کہ کوئی شخص جس کے پاس پونڈ کے بدلے بیچنے کے لیے پولش مارکس (بعد میں زلوٹی) ہوں انھیں بدل سکے۔ کوئی مقامی سرمایہ دار پونڈ اسی صورت میں حاصل کر سکتا تھا جب کوئی شخص پولش مارکس کے بدلے میں پونڈ سے دستبردار ہونے کو آمادہ ہوتا۔ یہ اس صورت میں ہو سکتا تھا جب پونڈ رکھنے والے پولش مارک کے حق میں سٹہ بازانہ نظریہ رکھتے۔ کچھ وقت کے بعد اس کی گنجائش ختم ہو گئی تھی۔ یا وہ اس صورت میں اسٹرلنگ خرید سکتے تھے جب مبادلہ بازار میں شرح کی گراوٹ کی رفتار داخلی منہائی سے تیز تر ہوتی تاکہ شرح کے نسبتاً کم ہونے کی وجہ سے پولینڈ میں قیمتوں کے تیزی کے ساتھ چڑھنے کے باوجود ان کے لیے وہ سستی رہتیں۔ اس طرح سرمایہ کو باہر منتقل کرنے کے لیے فاضل برآمدات پیدا ہو جاتیں۔ کچھ وقت گذرنے کے بعد اس پورے عمل میں کچھ اختصار کی صورت نکل آئی۔ تباہ کن قیمتوں پر زرِ مبادلہ خریدنے کی کوشش کی بجائے تندرو افراطِ زر کا شکار کرنسی کا مالک ان اشیا کو خریدنے لگا جنھیں وہ باہر بھیج کر غیر ملکی زرِ مبادلہ میں فروخت کر سکتا تھا۔ سرمایہ برآمد کرنے کے اس طریقے نے اپنی ہی فاضل برآمدات کو جنم دیا اور اندرونی افراطِ زر کو ہوا دی۔ لیکن مقامی اور بیرونی بازار دونوں میں ہی متزلزل کرنے والے سٹے کے تحت افراطِ زر کی دھماکہ خیز نوعیت اس درجہ نمایاں تھی کہ اس نے کرنسیوں کو نہایت تیزی کے ساتھ مسمار کر دیا اور انھیں مستحکم کرنے یا ان کی جگہ نئی کرنسیوں کر دینے کے لیے نہایت سخت اقدامات اٹھانے کی ضرورت پڑی۔

دوسری عالمی جنگ کے بعد 25 سال پہلے لڑائی کے خاتمہ پر رونما ہونے والے تندرو افراطِ زر کی یادیں ذہن میں محفوظ ہونے کے باوجود وہ ممالک جو ضروری کنٹرول قائم رکھنے میں ناکام رہے یا زرعی اصلاحات کو عمل میں نہ لا سکے اوروں کی نسبت کہیں زیادہ سُرعت کے ساتھ تندرو دھماکہ خیز افراطِ زر کے نرغے میں آ گئے۔ داخلی یا خارجی طور پر استحکام بخش سٹہ بازی کا مرحلہ کبھی نہ آیا کیونکہ حالات کے حسب معمول ہو جانے کا کسی کو کبھی یقین نہیں تھا۔ وہ تمام افراد جو راہِ فرار اختیار کر سکتے تھے یا تو غیر ملکی کرنسیوں یا اشیا کی خریداری میں لگ گئے۔ پہلی عالمی جنگ کے بعد مارک دسمبر 1924 میں قطعی طور پر ٹوٹ چکا تھا اور زلوٹی کی منہائی پر اسی سال میں قابو پا لیا گیا تھا۔ یہ کام صلح کے چھ سال بعد انجام پایا تھا۔ لیکن 1945-46 میں ہنگری کا پنگو وی۔ای۔ ڈے کے صرف 9 ماہ بعد تک

اپنی جگہ قائم رہا اور اس کے بعد اس کی قیمت گھٹ کر ایک آکٹی لنتھ کے برابر رہ گئی۔

نارمل سرمائی حرکات: بعض ماہرین معاشیات سرمائے کی حسب معمول اور غیر معمولی حرکات کے بیچ امتیاز کرتے ہیں ایک لحاظ سے سبھی بین الاقوامی سرمائی حرکات غیر معمولی ہوتی ہیں یعنی اگر ہم اس کلاسیکی مفروضے کو اختیار کریں کہ عوامل پیداوار بین اقوامی سطح پر غیر متحرک ہوتے ہیں۔ تاہم اگر ہم تسلیم کر لیں کہ سرمایہ تو حرکت کرتا ہے چاہے یہ حرکت ملکوں کے مابین شرح سود کو مساوی کرنے کے لیے ناکافی ہو تب حسب معمول اور غیر معمولی سرمائی حرکات میں امتیاز کرنا مناسب ہو سکتا ہے۔

۱۹ویں صدی عیسوی کے دوران سرمائے کا انتقال ان ممالک سے جہاں یہ وافر اور سستا تھا ان ملکوں میں ہوا جہاں اس کی کمی تھی اور وہ مہنگا تھا۔ لندن، پیرس اور امسٹرڈم نے قرضے دیے باقی دنیا نے یہ قرضے لیے۔ سرمایہ نے کم شرح سود والے ملکوں سے زیادہ شرح والے ملکوں کا رُخ کیا۔

یہ بات کافی واضح ہے کہ لندن کا بازارِ سرمایہ یونین پیسفک ریل روڈ کے بانڈوں کے لیے ایسی شرح سود مقرر کرے گا جو لندن کے بازار میں دیگر شرحوں کے برابر یافت دے یعنی خطرے کے عنصر کو چھوڑ کر۔ ہماری مراد اس نفسیاتی منہائی سے نہیں ہے جو بین الاقوامی سطح پر بھی اسی طرح کارفرما ہوتی ہے جیسے کسی ملک کے اندر سرمائے کے کسی بازار میں کوئی واحد شرح سود خیالی اعتبار سے کارفرما ہو سکتی ہے خواہ سرکاری اور B درجے کے بانڈوں پر شرحوں کے بیچ فرق ہی کیوں نہ ہو۔ نظریاتی شرح سود نفسیاتی خطرے کے عنصر سے پاک ہوتی ہے مگر بازاری شرح نہیں۔

تاہم موجودہ مقاصد کے لیے سرمائے کے حسب معمول انتقال سے ہماری مراد اس حرکت سے ہے جو کسی کم شرح سود والے ملک سے زیادہ سود والے ملک کی جانب ہوتی ہے۔ یہاں ہماری توجہ کا مرکز نفسیاتی یا نظریاتی شرحیں نہیں بلکہ بازاری شرحیں ہوتی ہیں۔ غیر معمولی حرکت وہ ہوتی ہے جس میں سرمایہ اونچی شرح سود والے ملک سے کم شرح سود والے ملک میں منتقل ہو۔

سرمائے کی بعض حرکات جو اس محدود معنی میں غیر معمولی قرار دی جا سکتی ہیں تجارتی بول چال کے لحاظ سے قطعی حسب معمول سمجھی جاتی ہیں مثال کے طور پر التوا میں پڑے ہوئے قرضوں کی ادائیگی یا اصل کی واپسی اس حد تک غیر معمولی ہیں جہاں تک کہ ابتدائی قرضہ معمول کے مطابق تھا کیونکہ مقروض ملک جہاں سود کی شرح اونچی ہے قرض دینے والے ملک کو جہاں شرح سود کم ہے ادائیگی کر رہا ہے اسی طرح کسی ایسے ٹرسٹ کی سرمایہ کاریاں "غیر معمولی" طور پر چڑھائی پر اوپر جاتی معلوم ہو سکتی ہیں جو اپنی املاک میں تنوع لانا چاہتا ہے۔ اگرچہ یہ سرمایہ کاریاں رقوم کا بہترین استعمال

ثابت ہو سکتی ہیں۔ لیکن میزان ادائیگی میں کسی کم ترقی یافتہ ملک سے سرمائے کا فرار غیر معمولی طور پر اہمیت کا حامل ہے اگرچہ ایسے ملک کو جانے والا سرمایہ مخصوص حرکات کو ظاہر کرتا ہے اور ادائیگی کا نظام انھیں بآسانی پایۂ تکمیل کو پہنچا سکتا ہے۔

حسب معمول (نارمل) انتقال: یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ بیشتر مثالوں میں سرمائے کا عام انتقال قرض لینے والے ملک کے اندر خرچ کیا جائے گا اور اس سے قومی آمدنی نیز درآمدات میں اضافہ ہوگا۔ کبھی کبھی اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے۔ جرمن کیس پر ہم نے ابھی ابھی بحث کی ہے۔ اس میں غیر ملکی قرضوں کے نتیجہ میں رونما ہونے والے بیشتر (تمام نہیں) افراط زر کا اثر لگتا دانت ادا کرنے کے لیے سرکار نے تخفیف زر کے ذریعہ کر دیا تھا۔ تاہم اصولی طور پر اونچی شرح سود والے ملک خرچ کرنے کے لیے ہی قرضے لیتے ہیں۔ قرض دینے والے ملک میں تخفیف زر ہونا ضروری نہیں ہے۔ قرض لینے والے ملک میں آمدنی کی توسیع کا یقین ہونے پر یہ بات نسبتاً غیر اہم ہو جاتی ہے۔

۱۹ ویں صدی میں قرضے اس عام قسم کے تھے۔ 1920 کی دہائی میں ریاستہائے متحدہ کے قرضے بھی مذکورہ جزوی استثنیٰ کو چھوڑ کر اسی نوعیت کے تھے۔ 1924 سے 1925 تک مجموعی طور پر لمبے عرصے کے قرضوں کا اوسط 800 $ ملین فی سال رہا۔ اور اس رقم کو منتقل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ سونا کا انتقال (غیر خالص اور خالص دونوں) نسبتاً کم رہا اور اس کی وضاحت بڑی حد تک تھوڑے عرصے والی سرمائی حرکات سے کی جا سکتی ہے۔

غیر معمولی انتقال: تاہم 1930 کی دہائی میں ریاستہائے متحدہ کے اندر آنے والے سرمائے کی نوعیت بالکل دوسری تھی۔ یہ سرمایہ ٹیکس، شرح میں تخفیف اور ایک دم ضبط کر لیے جانے کے امکان سے بچنے کے لیے بھاگ رہا تھا۔ اس سے نہ تو قرض دینے والے ملک میں خرچ کم ہوا اور نہ قرض لینے والے ملک میں خرچ بڑھا۔ کہا جاتا ہے کہ 1930 کی دہائی میں ریاستہائے متحدہ کو غیر ملکی سرمائے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ سچ ہے لیکن اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ اس رقم کو استعمال کیوں نہیں کیا گیا؟ امریکی تمسکات کی غیر ملکی خریداری نے ان کی قیمتوں میں اضافہ کیا یعنی قیمتیں اس سے زیادہ ہو گئیں۔ جو وہ اس خریداری کے نہ ہونے کی صورت میں ہوتیں۔ تاہم امریکہ کی فرموں نے زیادہ تمسکات کو جاری کر کے اس کا فائدہ نہیں اٹھایا۔ بانڈوں کی غیر ملکی خریداری سے سود کی شرحیں گر گئیں لیکن قرضے لینے والوں کی تعداد میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوا۔ اس وقت تمسکات کی قیمت اور شرح سود کے لحاظ سے ریاستہائے متحدہ میں سرمائے کی مانگ غیر لچکیلی تھی۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ کم شرح سود والے ملک سے زیادہ شرح سود والے ملک میں سرمائے کے حسب معمول انتقال سے ملنے والی رقم کو قرض لینے والا خرچ ہی کرے یا یہ کہ انتقال اس کے برعکس ہونے پر یہ رقم بالکل خرچ نہ کی جائے۔ لیکن قیاس یہی کیا جاتا ہے۔ اس بنیاد پر سرمائے کی بہتات والے ملکوں سے کمیابی والے ملکوں میں سرمایہ کا انتقال کافی آسانی سے ہو جاتا ہے۔ غریب سے امیر ملکوں میں سرمائے کا منتقل کرنا زیادہ دقت طلب کام ہوتا ہے۔

دوسری عالمی جنگ کے بعد ریاستہائے متحدہ کی میزانِ ادائیگی کے طرزِ عمل سے ایک بالکل ہی مختلف تصویر سامنے آئی۔ اس میں نئے اجرار کے ذریعہ سرمائے کے باہر کی جانب بہاؤ میں اضافے، براہ راست سرمایہ کاری، اور موجودہ غیر ملکی تمسکات کی خریداری کے ساتھ ساتھ سرکاری عطیات کی نوعیت میں معمولی سی تبدیلی سے انتقال کا عمل بڑا پیچیدہ ہو گیا۔ کہانی کے باقی حصہ کو ہم عمل توازن پر بحث کے دوران بعد میں پیش کریں گے۔ یہاں صرف اتنا بتا دینا اہم ہوگا کہ جنگوں کے بیچ کے عرصے میں رواں کھاتے میں فاضل آمدنی کی وجہ سے ریاستہائے متحدہ کا میزان ادائیگی ناکافی سرمائی حرکات کے سبب بدلا کرتا تھا لیکن پھر ——— خاص طور پر 1958 کے بعد ——— سرمائے کے باہر کی جانب بہاؤ اور عطیات کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے رواں کھاتے میں ناکافی فاضل آمدنی کی وجہ سے بدلنے لگا۔

جنگ کے بعد والے عرصے کے آغاز میں از سر نو تعمیر کا کام شروع ہوا اور خام مال کی سنگین کمیابی سے دوچار دنیا میں ریاستہائے متحدہ پیداوار کے اہم منبع کے طور پر ابھرا۔ دوسرے ملک اشیاء اور خدمات کی فاضل درآمد حاصل کرنے کے لیے قرض لینے، مدد مانگنے، اور جمع شدہ رقوم خرچ کرنے کے لیے بے چین نظر آتے تھے۔ جنگ کے بعد والی اسکیموں کے تحت ریاستہائے متحدہ سے دی جانے والی امداد اور مارشل پلان کو رواں کھاتے میں ہونے والی فاضل آمدنی سے بڑی تحریک ملی۔ کوریا میں جنگ چھڑ جانے پر یورپ اور مشرق بعید کو مسلح کرنے کی ضرورت پیش آئی اور بابرمعاشی ترقی کے پروگراموں کو مدد دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ ان کی وجہ سے صورت حال میں تبدیلی ہوئی۔ رواں کھاتے میں فاضل آمدنی کافی کم ہو گئی۔ 1958 میں کرنسی کو آپس میں بدلنے کی سہولت بحال ہو جانے پر سرمائے کے باہر جانے کی رفتار بتدریج بڑھنے لگی تاہم 1964-1958 کے دوران چالو کھاتے میں فاضل آمدنی تیزی سے بڑھنے کے باوجود پورا انتقال نہ ہو سکا۔

ترقی پذیر ممالک میں سرمایہ منتقل کرنا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ تاہم ان ملکوں نے کسی حد تک

ریاستہائے متحدہ سے قرضے لیے لیکن فاضل درآمدات یورپ سے کیں۔ ریاستہائے متحدہ سے سرمایہ یورپ بھی منتقل ہوا لیکن یہ انتقال پورے طور پر اشیاء و خدمات کی شکل اختیار کرنے سے قاصر رہا۔ لمبے عرصے کا سرمایہ ریاستہائے متحدہ سے یورپ جاتا رہا اور یورپ کے ہاتھوں میں حرکت کے لیے مالی ذرائع مہیا کرنے کے لیے ڈالر جمع ہوتے گئے۔

سرمائے کی اس حرکت کو حقیقی انتقال کی شکل اختیار کرنی چاہیے تھی یا نہیں یہ ایک بحث طلب سوال ہے۔ پروفیسر میچ لپ جیسے بعض ماہرین کی رائے میں ایسا ہونا چاہیے تھا۔ ایک دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس حرکت کا سبب یورپ اور ریاستہائے متحدہ میں بچت اور سرمایہ کاری کے بیچ گہرے اختلافات نہیں ہیں۔ یہ ایک زرنی مظہر ہے۔ اسی طرح کا مظہر جس نے ۱۹ ویں صدی میں ریاستہائے متحدہ کے عمل انتقال کو پیچیدہ بنا دیا تھا۔ یہ حصہ ششم تک غیر حل شدہ ہوگا۔

خلاصہ:

عمل انتقال سرمائے کو ایک سے دوسرے ملک میں حقیقی طور پر پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ آزاد یک طرفہ ادائیگیوں کی صورت میں زر یا قوت خرید کا انتقال عمل میں آتا ہے جو بالآخر اشیاء کی شکل میں حقیقی انتقال کی صورت اختیار کرتا ہے۔ کلاسیکی معاشی نظریہ کا اعتقاد یہ تھا کہ انتقال کا کام قیمت، دھات، بہاؤ نظام کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔ جدید ماہرین جن میں شر دعات اوہلن نے کی اپنی توجہ اس سلسلے میں آمدنی کی تبدیلیوں پر مرکوز کرتے ہیں۔

تاہم یہ ضروری نہیں ہے کہ حقیقی انتقال سے پہلے قوت خرید کا انتقال عمل میں آئے۔

انتقال کے دوران شرائط تجارت کا کیا ہوگا اس کا انحصار دونوں ملکوں میں آمدنی میں تبدیلی، مقامی اور درآمد شدہ اشیاء پر خرچ کے بحیثیت مجموعی مختتم رجحان اور رسد کی لچکوں پر ہوگا۔

نظریۂ انتقال کی پرداخت پہلی جنگ عظیم سے پہلے قرض لینے کے سلسلے میں کناڈا کے تجربے اور جنگ کے بعد فرانس۔ پروشیا تلافی اور جرمن تاوانوں کی یک طرفہ ادائیگیوں کی روشنی میں کی گئی تھی۔ پہلی عالمی جنگ کے بعد تغیر پذیر شرحوں کے معاملے میں اس کا اطلاق کرنسی سے متعلق بر نظیبوں پر کیا گیا۔ ۱۹ ویں صدی میں ریاستہائے متحدہ کے قرض لینے کے تجربہ نے قرضوں سے متعلق زرنی مظاہر کے بارے میں کلاسیکی نظریات کو درہم برہم کر دیا۔ آج کے حالات میں بھی ایسا ہو سکتا ہے۔

امیر ممالک ـــــ سے غریب ملکوں میں سرمایہ منتقل کرنا نسبتاً کہیں آسان ہے اور اس کے برعکس سمت میں کام کرنا مشکل۔ تاہم دوسری جنگ عظیم کے بعد اور کافی عرصے تک حقیقی انتقال کو کامیاب بنانے میں ناکام رہنے کے بعد ریاستہائے متحدہ کو معاشی ترقی کے لیے سرکاری امداد اور سرمایہ کی حرکت کے انتقال کے سلسلے میں پوری طرح ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

مطالعہ کے لیے تجاویز:

تحقیقی رسائل وغیرہ۔

دیکھیں Haberler, Chaps. vii & viii and Viner, Studies in the Theory of International Trade, Chaps. vi & vii. ....

J. W. Angell کی Theory of International Trade (Cambridge Mass : Harvard University Press 1926 میں نظریہ کا خلاصہ قدرے پرانے نکتہ تک پیش کیا گیا ہے

Carl Iversen کی Aspects of the Theory of International Capital Movements (Cambridge [illegible]) نے کہانی کو مزید دس سال آگے بڑھایا ہے Bloomfield نے جس کتابچے کا ذکر نیچے کیا گیا ہے اس بحث کو 1950 تک لے آتا ہے۔ انتقال کے مسئلہ پر کلاسیکی نظریات کی تصدیق کے سلسلے میں اہم مطالعے مندرجہ ذیل ہیں۔

J. H. Williams : Argentine International Trade under Inconvertible Paper Money, 1880 - 1900 (Cambridge, Mass : Harvard University Press [illegible]

J. Viner : Canada's Balance of International Indebtedness [illegible] - [illegible] (Cambridge, Mass : Harvard University Press, [illegible])

R. Wilson : Capital Imports and Terms of Trade (Melbourne, Australia, University of Australia Press 1931)

H. D. White, The French International Accounts 1880 - [illegible] (Cambridge, Mass : Harvard University Press [illegible]

اس موضوع پر کتابچوں کی شکل میں دیگر مواد مندرجہ ذیل پر مشتمل ہے۔

(Chicago, The University of Chicago Press 1950)

I. Fanno ; Normal and Abnormal International Capital Transfers (Minneapolis, Minn ; University of Minnesota Press , 1939)

B.S.Fleetwood, Sweden's Capital Imports and Exports (Stockholm ; Natur och Kultur 1947)

R. Purkse, International Kapitalbewegungen (Vienna ; Verlag Julius Springer 1935)

J.G. Williamson, American Growth and the Balance of Payments 1820 - 1913, A study of the long Swing (Chapel Hill, N.C ; University of North Carolina Press, 1963)

وینر کے کتابچے کو دو مضامین میں جدید تر نظریہ کی روشنی میں از سر نو لکھا گیا ہے۔ یہ مضامین ہیں :۔

G.M.Meier "Economic Development and the Transfer Mechanism 1895 - 1913" Canadian Journal of Economics and Political Science, February 1953.

اس میں آمدنی کے میکنزم پر زور دیا گیا ہے۔

J.C.Ingram, "Growth and Canada's Balance of Payments", AER March 1957.

اس میں نشو ونما کے اثرات پر توجہ مرکوز کرائی گئی ہے۔

John A Stovel کی کتاب Canada in the World Economy (Cambridge, Mass ; Harvard University Press 1959) میں مواد کا پوری طرح دوبارہ جائزہ لیا گیا ہے۔

R. Nurkse کی کتاب The Course and Control of Inflation after World War I (Princeton, N.J; League of Nations 1946)
میں پہلی عالمی جنگ کے بعد والے عرصے میں سرمائی حرکات کے بارے میں بہترین جائزہ ملتا ہے
انتقال پر رسالوں میں ملنے والا ادب عمدہ اور نہایت متنوع ہے۔ امریکن اکنامک
ایسوسی ایشن کے مضامین کے مجموعوں میں اس ادب کو سلیقہ سے جمع کرنے کا آغاز کیا گیا ہے۔ آمدنی

میں تبدیلیوں کے ذریعہ انتقال' پر منیزر کو خاص طور پر دیکھیں اور کینز اور اوہلن کے مضامین بھی
امریکن اکنامک ایسوسی ایشن کی Readings in the theory of International. Trade

تواریخی مثالوں کے بارے میں کارآمد اور آزادانہ اظہار رائے کے لیے Fritz Machlup کی International Money, Debts and Gold (New York : Charles Scribner's Sons 1964)

میں باب v x میں دیکھیں جس کا انھوں نے "The Transfer Problem : Theme and Four Variations"

نکات

میٹرکس طریقہ جس کا استعمال اس باب میں کیا گیا ہے. Meade نے اپنی تصنیف The Balance of Payments میں صفحات 36, 88 - 95 and 125 - 48 پر پیش کیا ہے۔

حصّہ پنجم

حرکات سرمایہ

باب 19 — قلیل مدتی حرکاتِ سرمایہ

حرکاتِ سرمایہ کی اقسام:

حرکاتِ سرمایہ کی درجہ بندی کے لیے بہت سی کوششیں کی گئی ہیں۔ انھیں "ترغیبی اور غیر ترغیبی" "استحکام بخش اور استحکام کش" "حقیقی اور مساواتی" "توازن گر، سٹہ بردار، آمدنی اور غیر ترغیبی" خانوں میں بانٹا گیا ہے۔ تاہم "قلیل مدتی اور طویل مدتی" سب سے زیادہ عام درجہ بندی ہے۔ یہاں درجہ بندی کے لیے ایک واضح کسوٹی موجود ہے۔ ایسی حرکتِ سرمایہ جو ایسے قرض پر مشتمل ہو جس کی واپسی ایک سال سے کم کے عرصے میں ہونا طے پائے قلیل مدتی کہلائے گی۔ اگر قرض کے کاغذ کی معیاد سال بھر سے زیادہ ہے یا یہ حقِ ملکیت جیسے کمپنی کے حصے یا جائداد کی دستاویز پر مشتمل ہے تو سرمائے کی حرکت طویل مدتی کہلائے گی۔

گو سرمائے کی قلیل اور طویل مدتی حرکات کے بیچ امتیاز بالکل واضح ہے تاہم یہ ضروری نہیں ہے کہ اس امتیاز سے یہ بھی پتہ لگ جائے کہ اس حرکت کے رونما ہونے کا سبب کیا تھا یا میزانِ ادائیگی پر اس سے کس طرح کے اثرات مرتب ہونے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ ان مقاصد کے لیے ہمیں حرکاتِ سرمایہ کو ترغیبی عوامل اور میزانِ ادائیگی میں ان کے کردار کی بنیاد پر تقسیم کرنا ہوگا۔ ترغیب کے لحاظ سے یہ جاننا چاہیں گے کہ سرمائے کی کوئی حرکت توازن گر ہے یا سٹہ بردار، آمدنی کے لیے عمل میں لائی گئی ہے یا غیر ترغیبی ہے۔ میزانِ ادائیگی میں یہ ترغیبی ہو سکتی ہے یا غیر ترغیبی، استحکام بخش ہو سکتی ہے یا استحکام کو ختم کرنے والی۔ تاہم کیونکہ قلیل مدتی اور طویل مدتی حرکات کا سرمایہ کے اسباب و اثرات مختلف ہوتے ہیں اس لیے جیسے جیسے ہم آگے بڑھیں گے ان پہلوؤں پر روشنی ڈالنا ضروری ہوگا۔

علاوہ ازیں قرض کی دستاویز کے لحاظ سے درجہ بندی سے حقیقتاً اس بات کا پتہ نہیں چلتا

کہ سرمائے کی کوئی حرکت عارضی ہے یا نیم دائمی۔ غیرملکی بنک جمع میں بہت سی تبدیلیاں کافی لمبے عرصے میں بتدریج رونما ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر کوئی عرب شیخ جس کی رقم زیورخ کے کسی نمبر شدہ بنک کھاتے میں پوشیدہ جمع ہے ایسے بلوں کا حامل ہو سکتا ہے جنھیں مانگنے پر ادا کرنا ہو بنیادی طور پر اس نے اپنے ملک اور سوئٹزرلینڈ دونوں کے نقطۂ نظر سے سرمائے کو طویل مدت کے لیے منتقل کیا ہے۔ 1920 اور 1930 کی دہائیوں میں یورپ کے سٹہ باز نیویارک کے حصص بازار میں طویل مدتی سرمایہ کاری ـــــ کمپنیوں کے عام حصوں ـــــ کا استعمال کیا کرتے تھے لیکن ان کا لین دین تیز رفتاری کے ساتھ ہوتا تھا اور سیالیت مختصر وقفے کے لیے ہی ختم ہوتی تھی یورپ کا ایک مرکزی بینک جو تھوڑے عرصے کے بل خریدنے کی بجائے ریاستہائے متحدہ کی حکومت کے بونڈ لیتا ہے اب بھی زری زرِ رزر کا حامل ہے اور حقیقی معنی میں طویل مدتی سرمایہ کاری نہیں کر رہا ہے۔

لیکن درجہ بندی کی کوئی بھی بنیاد تمام مقاصد کے لیے مفید نہیں ہے۔ فی الحال ہم سرمائے کی قلیل مدتی حرکات کو کاغذ اور حامل کے لحاظ سے دو خانوں میں رکھتے ہیں۔

قرض کے قلیل مدتی کاغذات اور ان کے حامل:

سرمائے کی قلیل مدتی حرکات مثلاً ریاستہائے متحدہ کی دو طرح رونما ہو سکتی ہیں ریاستہائے متحدہ کے شہریوں کو جو رقوم دیگر ممالک کے رہنے والوں سے لینی ہیں ان میں تبدیلی ہو یا جو رقوم انھیں غیرملکیوں کو دینا ہیں وہ بدلیں۔ ریاستہائے متحدہ کے رہنے والوں میں حکومت، فیڈرل رزرو سسٹم تجارتی بینک، زری بازار کے دیگر ادارے (بشمول دوسری طرح کے بینک، مالیاتی بچولیے، تمسکات کے دلال، تاجر، نجی سٹہ باز وغیرہ) اور صنعتی نیز تجارتی فرمیں شامل ہیں۔ قلیل مدتی قرض کاغذات کی نمایاں مثالیں مرکزی بینک کی جمع رقوم، تجارتی بینکوں کی جمع رقوم، بل، تسلیم شدہ بل، اور ڈرافٹ، کھلے قرضے، اور بینک نوٹ تک ہیں۔ اہم ترین کاغذات اور ان سے متعلق شہریوں کے بڑے گروہ کی ایک فہرست نیچے دی گئی ہے۔

حامل	لین داریاں	دین داریاں
ریاستہائے متحدہ کا خزانہ	غیرملکی مرکزی بینکوں میں جمع کردہ رقوم ریاستہائے متحدہ کی حکومت کو دیے جانے والے	ریاستہائے متحدہ کی حکومت غیرملکیوں کے پاس قرض لی گئی رقوم جن میں بیرونی زر کی اختیارہ

حامل	لین داریاں	دین داریاں
	وہ قرضے جو سال بھر میں واجب الادا ہو جائیں گے۔	کے پاس طویل مدت کے قرض بھی شامل ہیں۔
فیڈرل ریزرو سسٹم	غیر ملکی مرکزی بینک میں جمع کردہ رقوم	فیڈرل ریزرو سسٹم کے پاس بیرونی مرکزی بینکوں کی جمع کردہ رقوم۔
تجارتی بنک	غیر ملکی بنکوں میں جمع کردہ رقوم	غیر ملکیوں کے پاس فیڈرل ریزرو کے نوٹ
	باہر بلوں کا اپنے پاس ذخیرہ	غیر ملکیوں کو ادا کی جانے والی رقوم
	باہر کی کٹوتی برآمد درآمد	باہر لیے گئے اور ڈرافٹ قرضے۔
زرعی بازار کے ادارے	غیر ملکی بینکوں میں جمع کردہ رقوم	غیر ملکیوں کو ادا کی جانے والی رقوم
	باہر بلوں کا اپنے پاس ذخیرہ	باہر سے لیے گئے اور ڈرافٹ قرضے
تجارتی اور صنعتی فرمیں	غیر ملکیوں کی فرموں پر واجب رقوم (ضمنی کمپنیاں شامل)	غیر ملکی فرموں کو واجب الادا رقم
		غیر ملکی مالکوں کے بلوں کی قبولیت
	غیر ملکی بینکوں میں طے کردہ رقوم	غیر ملکی بینکوں سے لیے گئے قرضے۔
	باہر اپنے پاس بل	

اس فہرست میں املاک اور دین داریوں کو کرنسی کے حساب سے بانٹنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے یعنی وہ جن کی مالیت ڈالر میں ہے اور وہ جن کی دیگر کرنسیوں میں۔ اس میں مستقبل کے مبادلہ سمجھوتوں کو مزید شامل نہیں کیا گیا ہے۔ یہ سمجھوتے نہ تو املاک میں آتے ہیں اور نہ دین داریوں میں۔ یہ تو بس مستقبل میں ایک کے بدلے دوسری ملکیت لینے کا سمجھوتہ ہوتا ہے۔ اس میں وہ طویل مدتی سرکاری بانڈ شامل ہوتے ہیں جو بیرونی زرعی اختیاریہ کے پاس ہوتے ہیں کیونکہ یہ حد درجہ سیال املاک جنھیں فعال بازار میں بآسانی فروخت کیا جا سکتا ہے ایک سال سے کم مدت کے قرضوں سے شاذ ہی الگ کی جا سکتی ہیں۔ دونوں میں امتیاز کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ ایسی کسی بھی فہرست کے بارے میں یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ہر لحاظ سے مکمل ہے لیکن پیش نظر فہرست یہ ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے کہ نوعیت کس حد تک مختلف ہو سکتی ہے۔ یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ حالانکہ اس فہرست میں بینک میں جمع رقوم اور مبادلہ بلوں کو سطح پر قلیل مدتی سرمائے کے اہم کاغذات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تاہم ۱۹ویں صدی میں مبادلہ بل زیادہ اہمیت کے حامل تھے اور 20 ویں صدی میں جمع رقوم۔

قلیل مدتی حرکات اور سونا:

طلائی معیار کے تحت سونے کی مانند قلیل مدتی حرکات سرمایہ کے بھی دو کام تھے ایک میزانِ ادائیگی میں اور دوسرا نظام بنک کاری کے اندر۔

میزان ادائیگی میں سرمائے کی تھوڑے عرصے کی حرکات بعض اوقات سونے کی حرکات کو جنم دیتی تھیں لیکن عام طور پر وہ اُن کا بدل ہوتی تھیں۔ مثال کے طور پر سونے کی حرکات کا سبب بننے والی قلیل مدتی سرمائی حرکات رواں کھاتے کے بحالتِ توازن ہونے کی صورت میں رونما ہو سکتی ہیں۔ اشیاء اور خدمات کی برآمدات ان کی درآمدات کے مساوی ہوتی ہیں اور اس وجہ سے کسی بین الاقوامی ادائیگی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تاہم ان حالات میں قلیل مدتی سرمایہ باہر جاتا ہے یہ حرکت ٹیکس کے خوف سے خود مختارانہ طور پر ہو سکتی ہے، کسی غیر ملکی کرنسی کی قیمت میں اضافہ کی توقع کے تحت حرکت سٹہ بردار ہو سکتی ہے۔ بیرون ملک بڑھ شرح کے اضافہ اور درون ملک اس کی کمی کے نتیجہ میں آمدنی حرکت ہو سکتی ہے۔ اگر سرمائے کے باہر جانے سے رواں کھاتہ زیادہ اثر نہ لے تو سونا ملک سے باہر جانے لگتا ہے۔ یا کسی ایسے مقام پر جہاں کرنسیوں کو باہم تبدیل کرنے کی سہولت ہو کوئی مرکزی بینک اپنے پاس زرمبادلہ کو محض سونے میں تبدیل کر سکتا ہے۔ ان تمام صورتوں میں سرمائے کی قلیل مدتی حرکت سے سونے کی حرکت رونما ہوتی ہے۔

تاہم عام حالات میں میزانِ ادائیگی کے اندر سرمائے کی قلیل مدتی حرکت سونے کی جگہ لے لیتی ہے۔ کسی ملک کی برآمدات درآمدات سے زیادہ ہیں۔ باہر سونا حاصل کرنے کی بجائے وہ اپنے بیرونی زرمبادلہ کے ذخیرہ میں اضافہ کر لیتا ہے اس طرح طلائی مبادلہ معیار طلائی معیار کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ اسٹرلنگ بلاک کے مالک سونے کی بجائے بنیادی بین الاقوامی رزرو کے طور پر اسٹرلنگ کا استعمال کرتے ہیں۔ ریاستہائے متحدہ اور مشرقی بلاک سے باہر کے ملکوں کے زری اختیاریوں نے 1938 سے 1964 تک اپنے سونے کے مقابلہ میں ڈالر کے رزرو زیادہ بڑھائے اور بعد ازاں 1967 تک ڈالر کے مقابلہ میں سونے کو زیادہ اہمیت دی۔ 1938 میں سونا اور ڈالر 11.4 بلین ڈالر اور 474 ملین ڈالر کے برابر تھے۔ 1964 کے آخر میں وہ 25.4 بلین ڈالر اور 15.8 ملین ڈالر ہو گئے جون 1967 کے اختتام پر وہ بالترتیب 27.1 بلین ڈالر اور 1.4 بلین ڈالر تھے۔

سونا اور زر کی رسد:

زر کی رسد پر سرمائے کی قلیل مدتی حرکات کے اثر کا بیان شروع کرنے سے پہلے اس امر کا مختصر جائزہ لینا مفید رہے گا کہ سونے کی حرکات سے زری تبدیلیاں کس طرح پیدا ہوتی ہیں۔ اس کا انحصار بڑی حد تک نظام بنکاری کی نوعیت اور مرکزی بینک کے رزرو زر اور دین داریوں کے باہمی تناسب پر ہے نیز اس بات پر بھی کہ ممبر بینکوں کے رزرو زر (مرکزی بینک کی جمع دینداریاں) اور ان کی جمع میں کیا تناسب ہے۔ طلائی معیار کے تحت سونا باہر جانے سے زر کی رسد میں کئی گنا کمی واقع ہوتی ہے۔ قرضوں کی بنیاد سکڑ جاتی ہے اور ممبر بینک جنھیں روایات یا قانونی ضرورت کے تحت رزرو کے مجوزہ تناسب بنائے رکھنے ہوتے ہیں قرضوں کو واپس لینے اور لگائی گئی پونجی کو بیچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اگر مرکزی بینک بھی کسی کارگر رزرو کی بنیاد پر کام کر رہا ہوتا ہے تو اس کے پاس صورت حال کو متاثر کرنے کے لیے قابلِ لحاظ طاقت ہوتی ہے۔ ریاستہائے متحدہ میں ساکھ کا اہرام جب پورے عروج پر کام کرتا تھا اور فیڈرل رزرو بینکوں کی نوٹوں سے متعلق دین داریوں کو قطعی طور پر نظر انداز کر کے وہ سونے کے ایک ڈالر کے زیاں کے بدلے فیڈرل رزرو کے قرضوں میں 3 ڈالر کی کمی کا خواہاں ہوتا تھا۔ اس کے نتیجہ میں ممبر بینکوں کے رزرو میں کل ملا کر 4 ڈالر کی کمی سے ممبر بینکوں کی جمع یا زر میں 20 ڈالر کی کمی واقع ہو جاتی۔ یہاں یہ مان لیا گیا ہے کہ مجموعی حیثیت سے رزرو کا تناسب 20 فیصد کا ہوتا تھا۔ تاہم اب ریاستہائے متحدہ میں داخلی رزرو کی اس ضرورت پر زیادہ توجہ نہیں دی جاتی فیڈرل رزرو کی جمع سے متعلق دینداریوں کے سلسلے میں سونے کی پشت پناہی کی ضرورت کو کانگریس نے ختم کر دیا ہے اور صدر نے کانگریس سے کہا ہے کہ وہ فیڈرل رزرو سسٹم کو اپنی دینداریوں کے لیے فیڈرل رزرو کے نوٹوں کی شکل میں رزرو کا تناسب بنائے رکھنے کی ضرورت سے بری کر دے۔

1931ء میں سونے کے معطل کیے جانے سے پہلے برطانوی نظام ذرا مختلف طور پر کام کرتا تھا۔ یہاں مرکزی بنک کی دینداریاں کسی سادہ تناسب کے ذریعہ سونے کے ساتھ منسلک نہیں تھیں لیکن ایک مقررہ کم سے کم رقم کے بعد جسے "امانتی اجرا" کہتے تھے بینک آف انگلینڈ کی تمام دینداریوں کے لیے ایک کے بدلے ایک کے حساب سے سونا رزرو میں رکھنا ہوتا تھا۔ بینک آف انگلینڈ کے پاس سونے کے ذخیرہ میں مختتم تبدیلی سے مرکزی بینک کی دینداریاں بھی اسی قدر بدل جاتی تھیں لیکن کیونکہ تجارتی بینک، بینک آف انگلینڈ کے پاس نسبتاً کم تقریباً 11 فیصد۔

زر رکھتے تھے اس لیے سونے کی شکل میں ایک پونڈ اسٹرلنگ باہر جانے سے زر کی رسد میں تقریباً 9 £ کی کمی واقع ہوتی تھی۔

اس مشاہدے کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ طلائی معیار کے تحت سونا باہر جانے سے زیر استعمال زر میں اس سے کئی گنا کمی واقع ہوتی ہے۔ اس کے برعکس سونا ملک میں آنے سے زر کی رسد میں اس رقم سے کئی گنا اضافہ ہو سکتا ہے۔

قلیل مدتی حرکات اور زر:

قلیل مدتی سرمایہ کے باہر جانے سے سونا ملک کے اندر آ سکتا ہے جس سے زر کی رسد میں کئی گنا اضافہ ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس سرمایہ ملک میں آنے سے زر کی رسد میں کئی گنا کمی واقع ہو سکتی ہے۔

ان رابطوں کو طلائی مبادلہ معیار کے حوالے سے بآسانی واضح کیا جا سکتا ہے۔ آغاز ہم فاضل برآمدات سے کرتے ہیں جن کے لیے رقم بہم کی جاتی ہے۔ طلائی مبادلہ معیار کے تحت فاضل برآمدات کو ختم کرنے کے لیے سرمائے کے باہر کی جانب بہاؤ نے نمایاں طور پر یہ شکل اختیار کی کہ طلائی معیار والے ملک کے مرکزی بینک کے بیرونی زر مبادلہ کے ذخیرہ میں اضافہ ہو گیا۔ یہ زر مبادلہ ایسا ہی تھا جیسے سونا اور اس لیے اس کی بنیاد پر مرکزی بینک قرضوں میں توسیع کر سکتا ہے۔ تاہم اس توسیع کے بغیر بھی اس کی بنیاد پر ممبر بینک اپنے زر روز میں اتنی ہی رقم کا اضافہ کر سکتے ہیں اور اس طرح زر کا پھیلاؤ کئی گنا ہو سکتا ہے۔ مقامی کرنسی کی اکائیوں میں 100 کی برابر بیرونی زر مبادلہ حاصل ہونے پر مرکزی بینک کا تختہ میزان مندرجہ ذیل تبدیلیاں ظاہر کرے گا۔

مرکزی بینک

املاک		دینداریاں	
بیرونی زر مبادلہ	100 +	ممبر بینکوں کے زر روز	100 +

اس کے نتیجہ میں ممبر بینکوں کا تختہ میزان یوں بدلے گا۔

تمام ممبر بینک

املاک		دینداریاں	
مرکزی بینک کے پاس زر روز	100 +	جمع کنندگان کی جمع کردہ رقوم	100 +

وہ برآمدکنندہ جسے زرِ مبادلہ ملتا ہے اور جو وہ مرکزی بینک کو فروخت کر دیتا ہے اتنی ہی آسانی سے سونا بھی حاصل کر سکتا تھا۔ سرمایہ کی قلیل مدتی حرکت (باہر کی جانب) ملک کے اندر آنے والے سونے کی جگہ میزان ادائیگی ہی میں نہیں لے لیتا بلکہ زر کی رسد میں توسیع کی بنیاد فراہم کرنے میں بھی سونے کا بدل بن جاتا ہے۔

ایک اور شکل جو سرمائے کا باہر جانا اختیار کر سکتا ہے وہ غیر ملکی بینکوں کو واجب الادا رقوم میں کمی کی ہے۔ مان لیجیے کہ اس فاضل برآمد کو جس کی وجہ سے سرمایہ باہر جاتا ہے متعلقہ ملک کے مرکزی بینک میں بیرونی مرکزی بینک کی جمع کردہ رقم میں تخفیف کے ذریعہ ادا کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں تختۂ میزان یوں نظر آئے گا۔

مرکزی بینک

املاک	دین داریاں
کوئی تبدیلی نہیں	ممبر بینکوں کی جمع کردہ رقوم ------ 100 +
	غیر ملکی مرکزی بینک کی جمع ----- 100 −

تمام ممبر بینک

املاک	دین داریاں
مرکزی بینک کے پاس رزرو .... 100 +	برآمد کنندگان کی جمع کردہ رقوم ...... 100 +

اس شکل میں قلیل مدتی سرمائے کے باہر جانے کا ممبر بینک کے رزرو زر پر وہی اثر مرتب ہوگا جیسا کہ سونے کے ملک میں آنے یا مرکزی بینک کے بیرونی زرِ مبادلہ کے رزرو میں اضافہ سے۔ تاہم مرکزی بینک پر اثر اس سے مختلف ہو سکتا ہے۔ اگر مرکزی بینک اس لحاظ سے اپنی تمام دینداریوں کو مساوی اہمیت دیتا ہے کہ اُن کے لیے املاک کو سیال رکھنا ہوتا ہے تو مرکزی بینک کی قرضوں کی پالیسی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ لیکن اگر مرکزی بینک غیر ملکیوں سے متعلق دینداریوں کے بڑھنے سے نمایاں طور پر فکرمند ہو کیونکہ انھیں اچانک واپس مانگا جا سکتا ہے مگر ممبر بینکوں کی دینداریوں کے بارے میں اسے ایسی کوئی تشویش نہ ہو تو املاک کی طرف یہ تبدیلی بھی قرض کی پالیسی میں ڈھیل کا سبب بن سکتی ہے۔ غیر ملکیوں سے متعلق جلد ادا کی جانے والی دینداریوں میں کمی ہونے سے مرکزی بینک قرض کی اساس میں توسیع کی جانب بالکل اسی طرح مائل ہو سکتا ہے جیسا کہ وہ غیر ملکی املاک ــــ خواہ سونا ہو یا بیرونی زرِ مبادلہ ــــ میں اضافے کے تحت ہماری گزشتہ مثالوں میں ہوتا۔ پس سرمائے کی باہر کی جانب

قلیل مدتی حرکت اس شکل میں پوری طرح سونے کے اندر کی جانب بہاؤ کا مقام لے سکتی ہے لیکن مرکزی بینک پر یہ اثر اس اثر کے مقابلہ میں کم یقینی ہے جو ممبر بینک کے زرِ رد میں اضافے کا ہوگا اور جس کے تحت کئی گنا توسیع عمل میں آئے گی۔

بیرونی مبادلہ کی املاک میں اضافے کے توسیع پسندانہ اثر اور غیر ملکیوں سے متعلق دینداریوں میں اضافے کے تخفیف بردار اثر کے بیچ اس عدم مماثلت کی وجہ سے بہت سے ماہرین تو اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ کل ملا کر سوطلائی مبادلہ معیار کی فطرت میں افراطِ زر ہے اور دوسرے ماہرین کی رائے میں دینداریوں کو ضرورت سے زیادہ جمع ہوتے رہنے کی اجازت دے کر یہ معیار از خود اپنی تباہی کا سبب بن جاتا ہے۔ سونا زر ہے۔ قلیل مدتی سرمایہ مرکزی بینک کی املاک میں شامل ہونے پر زر ہوتا ہے لیکن اگر وہ مرکزی بینک کی دینداریوں میں سے ہے تو یہ ضروری نہیں کہ اس کی وجہ سے زر کی رسد کم ہو جائے اپنی پالیسی کی بنیاد خالص املاک (سونا اور غیر ملکی زرِ مبادلہ نفی غیر ملکیوں کی دینداریاں) کی بجائے غیر خالص املاک (سونا اور غیر ملکی زرِ مبادلہ) بنانا جیسا کہ ریاستہائے متحدہ نے 1950 سے تقریبًا 1957 تک کیا مرکزی بینک کے لیے ایک غیر منطقی فعل ہو سکتا ہے۔ تاہم اس دور کے بعد ریاستہائے متحدہ کو اس ضرورت کا احساس ہو گیا کہ خالص سونے اور بیرونی زرِ مبادلہ کی تبدیلیوں پر نظر رکھنی چاہیے۔

سرمائے کی قلیل مدتی اور طویل مدتی ترکات کے بیچ امتیاز کرنے کے لیے یہاں ایک اہم جواز پیش کیا جا سکتا ہے۔ اول الذکر ایک زرنی کام انجام دیتے ہیں لیکن آخر الذکر نہیں۔ درحقیقت جب ہم قلیل مدتی سرمائے کے بارے میں سوچتے ہیں تو ہمارے ذہن میں قرض، بینک، جمع اور ایسے ہی دیگر مالیاتی مظاہر ابھرتے ہیں جب ہم طویل مدتی سرمائے کا خیال کرتے ہیں تو اکثر مالیاتی مفہوم کی بجائے طبعی املاک کے بارے میں سوچنا بہتر ہوتا ہے۔ یہیں کبھی کبھی سرمائے کی قلیل مدتی حرکات کے طبعی پہلوؤں اور طویل مدتی سرمائے کے مالیاتی نوعیت کے بارے میں ضرور غور کرنا چاہیے۔ ذہین ماہرینِ معاشیات وہی ہے جسے اس بات کا علم ہو کہ عام اصول کہاں لاگو نہیں ہوتا۔ تاہم بیشتر حالات میں قلیل مدتی سرمایہ زر کے نزدیک ہوتا ہے اور طویل مدتی سرمایہ اس سے دور۔

ریاستہائے متحدہ کے ذمہ غیر ملکی ڈالر جمع ہوتے جانے سے ــــ مجموعی طور پر یہ رقم 1947 کے اختتام پر 8.4 ملین ڈالر سے بڑھ کر جون 1967 کے آخر میں 29.6 ملین ڈالر ہو گئی تھی ــــ بعض مشاہدین کو بڑی فکر پیدا ہوتی ہے۔ اس فکر کا اظہار عام طور پر غیر ملکی ڈالر دینداریوں اور ریاستہائے متحدہ کے طلائی ذخائر کے بیچ تناسب کے استعمال میں ملتا ہے۔ کیونکہ اب یہ

دینداریاں طلائی رزرو سے زیادہ ہو چکی ہیں (جون 1967 میں 13.1 ملین ڈالر) اور کیونکہ ریاستہائے متحدہ کی ادائیگیوں میں خسارہ جاری ہے اس لیے اس تناسب کے مزید "خراب" ہو جانے کا قوی امکان موجود ہے۔ اس صورت حال کے پیشِ نظر بہت سے لوگ سرکار کے اندر اور باہر کفِ افسوس مل رہے ہیں۔ اصل خطرہ یہ ہے کہ اگر ڈالر کی تمام دینداریوں کو فوراً زرِ نقد میں طلب کر لیا جائے تو اب ہمارے پاس اتنا سونا نہیں ہے کہ ہم اپنی تمام ذمہ داریوں کو پورا کر سکیں۔ بعض اصحاب اس کا جواب بنک کاری کی مثال کر سامنے رکھ کر دیتے ہیں۔ ان کا اصرار ہے کہ سونے کے ذخائر میں سے غیر ملکی دینداریوں کو گھٹانا ضروری نہیں ہے کیونکہ اس بات کا امکان بہت ہی کم ہے کہ غیر ملکی پوری رقم کو سونے کی شکل میں نکالیں گے۔ اگر بینک میں جمع کردہ ساری رقوم اچانک اور ایک ساتھ بینک سے نکالی جائیں تو کسی بھی بینک میں حسب ضرورت سیالیت نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر اسٹرلنگ کا علاقہ برطانوی سیال رزرروز کی بنیاد پر کم وبیش کارگر ڈھنگ سے کام کرتا ہے جب کہ رزرروز غیر ملکی دینداریوں کے ایک تہائی سے زیادہ نہیں ہیں۔ جمع رقوم کی مقدار ہی کو نہیں ان کی نوعیت کو دیکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔

لیکن غیر ملکی قلیل مدتی دینداریوں کے ساتھ رزرروز کے تناسب کی ایک اور اہم کمزوری ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان رزرروز پر مذکورہ دینداریوں کے علاوہ اور کوئی مانگ نہیں ہوتی۔ ڈالر یا اسٹرلنگ یا کسی دیگر کرنسی پر تبادلہ کی سہولت کی موجودگی میں غیر ملکیوں کی یلغار کے بعد مقامی افراد کی یلغار ہو سکتی ہے۔ رزرروز کی کوئی بھی مقدار اس صورت حال کا سامنا نہیں کر سکتی۔ مقامی افراد کے مقابلہ میں غالباً غیر ملکی کسی کمزور پڑتی ہوئی کرنسی سے پہلے بدظن ہوں گے۔ اس وجہ سے زرروز اور غیر ملکی دینداریوں کے بیچ تناسب قدرے اہم ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ خیال کرنا بالکل غلط ہوگا کہ آخری غیر ملکی کو ادائیگی کر دیے جانے کے بعد ہی پہلا مقامی فرد آئے گا۔ پس رزرروز اور غیر ملکیوں کو ادا کی جانے والی رقوم کے بیچ تناسب کی کوئی خاص اہمیت نہیں رہ جاتی۔

زر میں بنیادی اور ثانوی تبدیلیاں :

سرمائے کی قلیل مدتی حرکات زر کی رسد میں کس حد تک سونے کا مقام لیں گی اس کا انحصار اس امر پر ہوگا کہ بینک کاری نظام میں املاک کہاں ہیں اور دینداریوں کو کہاں رقم کیا گیا ہے۔ بہت زیادہ اس بات پر منحصر ہے کہ زر سے ہماری کیا مراد ہے۔ یہاں ہم اس کی تعریف میں تمام گھریلو مانگ جمع کر

شامل کرتے ہیں مگر غیر ملکیوں کی جمع کردہ رقوم کو نہیں۔ یہ کسی حد تک من مانی تعریف ہے اور ایک رائے یہ ہو سکتی ہے کہ غیر ملکی زر کماتے (اپنی برآمدات کے ذریعہ) اور اسے خرچ کرتے (درآمدات پر) ہیں اس لیے اُن کی جمع رقوم کو مقامی شہریوں کی جمع سے مختلف نہیں سمجھا جانا چاہیے۔ تاہم غیر ملکی رقوم کی رفتارِ گردش غالباً شہریوں کی مانگ جمع کی رفتارِ گردش سے مختلف ہوتی ہے اور زر کی تعریف سے انھیں عام طور پر باہر رکھا جاتا ہے۔

سرمائے کی قلیل مُدتی حرکات کے سبب زر کی رسد میں ہونے والی تبدیلیوں کو بنیادی، ثانوی اور ثالثی اقسام میں بانٹا جا سکتا ہے۔ واضح رہے کہ ہم زر میں تبدیلیوں کی بات کر رہے ہیں آمدنی میں تبدیلیوں کی نہیں۔ ہماری بحث کا موضوع ذرائع ادائیگی میں ہونے والی گوناگوں توسیع و ترمیم سے آمدنی پر ضربیائی اثرات نہیں ہیں۔ زر کی رسد میں ہونے والی بنیادی توسیع یا ترمیم وہ کہلائے گی جو رواں کھاتے میں میزان ادائیگی کے اندر نفع یا خسارے کی وجہ سے رونما ہو۔ برآمدات درآمدات سے زیادہ ہوتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کل ملا کر برآمد کنندگان کے ہاتھوں میں زر کی مقدار بڑھے گی۔ یا درآمدات برآمدات سے زیادہ ہوتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنا زر برآمدات کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اس سے زیادہ زر درآمدات ختم کر دیتی ہیں۔ انھیں بنیادی توسیع یا ترمیم کہا جاتا ہے۔

گھریلو زر کی رسد میں پوری تبدیلی کا حساب لگانے کے لیے میزان ادائیگی میں رواں کھاتے کے اندر زر کی رسد میں ہونے والی تبدیلیوں میں قرضوں کی گھریلو آفرینش یا خاتمہ کو جوڑنا چاہیے۔ یہ ایک ہی بات کو دوسرے الفاظ میں دہرانا ہے۔ اس لیے بہت زیادہ دلچسپی کی حامل نہیں ہے۔ بعض ماہرین معاشیات نے قرضوں کی آفرینش اور میزان ادائیگی کے نفع یا خسارے کی سادہ مساوات میں تبدیلیاں کر کے زر کی رسد میں تبدیلی کا حساب لگانے کی کوشش کی ہے اور ان سے متعلق اعداد و شمار کا مطالعہ کیا ہے لیکن اس طرح کے ماڈل کو واضح طور پر قائم کرنا ناممکن ہے۔ یعنی یہ کیسے جانا جا سکتا ہے کہ کیونکہ زر کی رسد غیر متغیر رکھی گئی ہے اس لیے قرضوں کی آفرینش سے خسارہ پیدا ہوا ہے یا خساروں کی وجہ سے قرضوں کی آفرینش کی ضرورت پڑی ہے یا دیگر ممکن روابط میں سے کونسا رشتہ فعال رہا ہے۔ کم از کم ترقی یافتہ ممالک میں تو اس مسئلہ پر تحقیق بے سود ثابت ہوتی ہے کیونکہ کسی مخصوص سببی رشتے کا وجود نہیں ہے۔

جیسا کہ گذشتہ پیرا سے تاثر ملتا ہے قرضوں کی توسیع و ترمیم میزانِ ادائیگی کے اثرات سے بری نہیں ہے۔ زر میں ثانوی تبدیلیاں سرمائے کی قلیل مدتی حرکات کے سبب رونما ہو سکتی ہیں کیوں کہ یہ حرکات ممبر بینک کے زر روز کو متاثر کرتی ہیں۔ مان لیجیے کہ برآمدات درآمدات سے زیادہ ہیں اور ان کی

ادائیگی کے لیے مرکزی بینک میں غیر زری اختیاریوں کی جمع رقوم میں سے (انھیں گھٹا کر) کی جاتی ہے۔ ممبر بینک کی جمع رقوم میں اضافہ ہوتا ہے۔ برآمد کنندگان کی جمع رقوم میں اسے ختم کرنے والا اضافہ زر میں بنیادی توسیع کہلائے گا لیکن اس طرح جو فاضل زرِ روز پیدا ہوتے ہیں ان کی بنیاد پر نئے قرضے دیے جا سکتے ہیں اور اس سے ثانوی توسیع رونما ہو جائے گی۔

اس کے برعکس وہ فاضل درآمدات جن سے ممبر بینک کی جمع رقوم گھٹ جائیں اور غیر ملکی مرکزی بینک کے پاس جمع رقوم میں اضافہ ہو جائے زرِ روز کے کم ہو جانے کے باعث ثانوی ترخیم کا سبب بن جائیں گی۔ ثانوی توسیع و ترخیم میں یہ البتہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ فالتو زرِ روز موجود نہیں ہوتے۔

اگر مرکزی بینک زرِ روز کی بنیاد پر کام کرتا ہے اور زرِ روز کے بڑھنے پر بلوں کی منہائی کو بڑھاتا یا کھلے بازار میں سرمائی اموال خریدتا ہے یا زرِ روز گھٹنے پر غیر ملکی دینداریوں کو کم کرتا یا زر کی رسد کو سکیڑتا ہے تو ان افعال سے رونما ہونے والی زری تبدیلی ثالثی اثر کہلاتی ہے۔ لیکن بیشتر مقاصد کے لیے ہم ثالثی اثرات کو نظر انداز کر سکتے ہیں بس اس طرح زر کی رسد میں ثانوی تبدیلی کے اندر زر میں ہونے والی وہ جملہ تبدیلیاں شامل ہوتی ہیں جو غیر ملکیوں کی کل دینداریوں اور لین داریوں میں مجموعی طور پر تبدیلی کے باعث رونما ہوتی ہیں۔

اگر سیالیت سود کی شرحوں، اور ان کی وجہ سے گھریلو سرمایہ کاری میں تبدیلیوں کی وساطت سے زر کی رسد میں ہونے والی ثانوی تبدیلی سے قومی آمدنی بدلتی ہے تو ایسی تبدیلیوں کو مضروب فیہ کی وجہ سے رونما ہونے والی تبدیلیوں سے الگ رکھنا چاہیے۔ فاضل درآمدات سے پیدا ہونے والی آمدنی یا فاضل درآمدات سے ختم ہونے والی آمدنی کو آمدنی میں مضروب فیہ تبدیلی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اگر آمدنی میں ہونے والی تبدیلیوں کے ساتھ مل کر زر میں ہونے والی تبدیلیاں گھریلو خرچ اور آمدنی میں مزید تبدیلی پیدا کریں تو اسے بنک کاری آمدنی تبدیلی کہہ سکتے ہیں اور یہ بنک کاری آمدنی تبدیلی آمدنی میں ہونے والی ہر اس تبدیلی سے مختلف ہوتی ہے جو بین الاقوامی ایکسپلائٹر کے ذریعہ رواں کھاتے میں نفع یا خسارے کی وجہ سے رونما ہوتی ہے۔ اس تبدیلی کو کوئی نام دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ہم ایکسپلائٹر کا تذکرہ اتنا کم کرتے ہیں کہ ہم ہر موقعہ پر اس کا نام لے سکتے ہیں۔

اس صورت حال پر توجہ دیجیے۔ کوئی غیر ملکی مرکزی بینک خود اپنے مفاد کے پیش نظر ریاستہائے متحدہ میں کھلے بازار کے سودے کر سکتا ہے۔ اگر وہ سونا دے کر فیڈرل رزرو بینک سے جمع رقم خریدتا ہے تو وہ ہمارے زرِ روز میں اضافہ کرتا ہے۔ اگر وہ جمع رقم دے کر سونا خریدتا ہے تو زرِ روز گھٹتا ہے۔ لیکن اس کے ڈالر زرِ روز میں کوئی تبدیلی نہ ہونے کی صورت میں بھی وہ نیو یارک بازارِ زر کو متاثر کر سکتا ہے۔ فیڈرل رزرو میں جمع رقوم

بڑھانے سے یہ بنیاد سکڑتی ہے کسی عالمی بنک کاری مرکز کو بین الاقوامی لین دین سے رزر روز میں ہونے والی بے معنی تبدیلی کے اثر کو زائل کرنا اسی طرح سیکھنا چاہیے جیسے وہ نوٹوں کے چلن پر موسمی یا ایسی ہی دیگر تبدیلیوں کے اثر کو ختم کرنے کے لیے کارروائی کرتا ہے۔

تجارتی بینکوں کا رول:

لیکن اب ہم سرمائے کی قلیل مدتی حرکات اور زر کی رسد کے موضوع پر واپس آتے ہیں۔ ہم نے اوپر جو مثال تشکیل کی ہے اس میں املاک یا دینداریوں میں تبدیلی مرکزی بینک میں ہوئی ہے اس کی قطعی ضرورت نہیں تھی۔ مان لیجیے کہ باہر جانے والا قلیل مدتی سرمایہ تجارتی بینک کے پاس غیر ملکی زرِ مبادلہ میں اضافہ کی شکل اختیار کرتا ہے تقریباً اسی طرح جیسے آسٹریلیا کے بینک رزرو کے طور پر براہ راست اسٹرلنگ اپنے پاس رکھ لیا کرتے تھے۔ جو دولت مشترکہ کے پاس ان کی جمع رقوم کے علاوہ ہوا کرتے تھے۔ اب جیسے جیسے بینک اپنے غیر ملکی زرِ مبادلہ کے ذخیرہ اور برآمد کنندگان کو ادا کی جانے والی دینداریوں میں اضافہ کریں گے زر میں بنیادی توسیع رونما ہوگی۔ تاہم ثانوی توسیع بھی رونما ہوگی یا نہیں اس کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ تجارتی بینکوں کو غیر ملکی زرِ مبادلہ اپنے رزرو میں شمار کرنے کی اجازت ہے کہ نہیں۔ یا اگر رزرو قانونی حد سے زیادہ ہیں تو کیا وہ ان بڑھتی ہوئی املاک کی وجہ سے خود کو زیادہ محفوظ سمجھتے ہیں اور اس لیے قرضوں اور سرمایہ کاریوں میں توسیع کرنے کے موڈ میں ہیں۔ پس تھوڑا بہت ثانوی پھیلاؤ ہو سکتا ہے اگرچہ اس کا امکان اتنا تو نہیں ہے جتنا اس کیس میں ہوتا جہاں املاک میں ہونے والی تبدیلی مرکزی بینک میں واقع ہوتی۔

قلیل مدتی سرمائے کی حرکات (باہر کی جانب) تجارتی بینکوں میں غیر ملکی جمع رقوم میں تخفیف کی شکل اختیار کر سکتی ہیں یہاں ثانوی توسیع اس وقت تک نہ ہوگی جب تک غیر ملکیوں کو دینداریوں کے سائز کے بارے میں بینکوں کو کوئی تشویش نہ ہو اور اس امکانی تخفیف کا خطرہ کم ہو جانے پر وہ مطمئن ہو کر قرضوں اور سرمایہ کاری میں اضافہ کے لیے تیار نہ ہوں۔ بینکوں کی قانونی پوزیشن ایسی ضرور ہونی چاہیے کہ وہ زیادہ رزرو کی موجودگی کا فائدہ اٹھا کر ایسا کر سکیں۔ مندی کے زمانے میں سرمایہ لگانے کے مواقع کم ہونے کی وجہ سے ایسے رزرو جمع ہو سکتے ہیں۔ وہ محض اس خوف کے عکاس ہو سکتے ہیں کہ گھریلو کے مقابلہ میں غیر ملکی جمع رقوم زیادہ 'دائمی' ہوتی ہیں پس قانون کی ضرورت سے زیادہ احتیاط برتنا بہتر ہوگا۔

زر کا بازار:

تیسری صورت یہ ہے کہ سرمائے کی قلیل مُدتی حرکت کے لیے درکار رقم تجارتی یا مرکزی بینکوں کی بجائے بازار سے حاصل کی جائے اس صورت میں زر کی ثانوی توسیع کے رونما ہونے کا امکان نہیں ہے اور بنیادی توسیع تک کو بحث سے خارج کیا جا سکتا ہے مان لیجیے کہ فاضل برآمدات کے لیے رقم سٹہ باز قلیل مدتی سرمائے کو باہر بھیج کر فراہم کرتے ہیں۔ ریاستہائے متحدہ کے میزان ادائیگی میں پہلی عالمی جنگ سے پہلے موسمی نفع کے لیے ہر ایک موسم خزاں میں وہ سٹہ باز رقم فراہم کرتے تھے جو اسٹرلنگ کو جب وہ سستا ہوتا تھا خریدتے تھے اور بعد میں موسم بہار میں جب اس کی قیمت چڑھ جایا کرتی تھی اسے فروخت کرنے کا منصوبہ بنایا کرتے تھے (اس موسم میں میزان ادائیگی کمزور ہوا کرتی تھی)۔ برآمد کرنے والوں کی جمع رقوم میں اضافہ ہو جاتا تھا مگر سٹہ بازوں کی جمع رقوم گھٹ جایا کرتی تھیں۔ مجموعی طور پر زر کی رسد میں کوئی تبدیلی نہ ہوتی تھی۔ لیکن آمدنی میں اضافے کے مالی انتظام کا ایک اور طریقہ بھی ہے۔ برآمد کرنے والوں کے پاس رقوم میں اضافہ ایک ایسی توسیع ہے جسے زری معاشی "سودائی چلن" کے نام سے پکارتے ہیں یعنی یہ وہ جمع رقوم ہوتی ہیں جنھیں اشیاء اور خدمات کو خریدنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ تاہم سٹہ بازوں نے انھیں روپیہ سودائی چلن میں سے نہیں دیا ہے۔ (البتہ وہ بات دوسری ہے کہ یہ تازہ بچائی گئی رقوم ہوں جس کا امکان نہیں ہے) بلکہ یہ رقم اس جمع شدہ فنڈ میں سے دی گئی ہے جن کو کہیں لگانے کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ ان کا تعلق اس سے ہے جسے کبھی کبھی 'مالیاتی چلن' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زر کی کُل رسد میں تو کوئی تبدیلی نہیں ہوتی مگر 'سودائی چلن' میں اضافہ اور 'مالیاتی چلن' میں کمی ہو جاتی ہے۔ نیز فاضل برآمدات کی وجہ سے بڑھی ہوئی قومی آمدنی کے لیے مالی انتظام کیا جا سکتا ہے۔

آخر میں اگر برآمد کرنے والے باہر جانے والے قلیل مدتی سرمایہ کی رقم خود بہم پہنچائیں تو کوئی زری تبدیلی رونما نہیں ہوگی۔ مجموعی طور پر برآمدات زائد رہتی ہیں۔ مان لیجیے کہ برآمد کرنے والے غیر ملکی درآمد کنندگان کو رقم ادا کرنے کے لیے چھ ماہ کی مہلت دیتے ہیں۔ برآمدات میں نفع کے لیے رقم سرمایہ باہر بھیج کر جسے برآمد کنندگان فراہم کرتے ہیں حاصل کی جاتی ہیں۔ اگر برآمد کرنے والا ادارہ بلوں کو بھناتا ہے یا اپنے بینک سے مزید قرض لیتا ہے تو زر میں اضافہ ہو جائے گا خواہ بینک براہِ راست قلیل مدتی سرمایہ فراہم کرے یا برآمد کرنے والی فرم کو بینک کے قرض کی شکل میں بالواسطہ

طور پر ملے۔ اگر برآمد کنندہ کو فاضل رقم کی ضرورت نہیں ہے تو اس کی جمع میں سے رقم نکل جائے گی، اس کو سامان مہیا کرنے والوں کی جمع رقوم میں اضافہ ہوگا اور زر کی مقدار میں جو چلن میں ہے کوئی تبدیلی نہیں ہوگی لیکن جب تک برآمد کنندہ کے پاس پہلے ہی سے بیکار پڑی ہوئی رقم موجود نہ ہو وہ باہر بھیجے گئے مال کے اخراجات پورے نہیں کرسکتا۔ اس صورت میں انھیں مالیاتی چلن کے خانے میں رکھا جائے گا۔ یا پھر وہ تجارت سے آئندہ کے لیے دستبردار ہو کر ہی یہ کام انجام دے سکے گا۔ اس صورت میں رقوم کسی منصوبے کے تحت سودائی سے مالیاتی چلن میں منتقل نہیں ہوں گی کیوں کہ انھیں باہر بھیج دیا جائے گا۔

مختلف امکانات:

اس بحث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سارے ہی امکانات ختم ہو چکے ہیں۔ سرمائے کے باہر جانے کے بارے میں اظہار رائے کے سلسلے میں ہم نے ابھی اس امکان کا جائزہ نہیں لیا ہے کہ درآمد کرنے والے غیر ملکیوں کو واجب الادا دینداریوں کو فاضل برآمدات کے لیے رقم کا انتظام کرنے کی خاطر کم کرسکتے ہیں اور نہ ہی اس بات پر غور کیا کہ ان کے اس فعل کا زر کی رسد پر کیا اثر پڑے گا۔ محنتی اور پر جوش طالب علم ان مثالوں اور ان کی تمام دیگر شکلوں کو سرمایہ کے باہری بہاؤ کو زر کی کمی سے منسلک کرتے ہوئے خود سمجھ سکتا ہے۔ تاہم یہ اہم نکات ذہن میں رہنے چاہئیں۔

1۔ اس مشق کے لیے زر کی تعریف کیا کی جائے؟ کیا غیر ملکی جمع زر ہے؟ کیا مالیاتی چلن زر ہے؟ محدود ترین تعریف کی صورت میں اس فاضل برآمد سے جس کے لیے قلیل مدتی سرمائی حرکت سے رقم کا انتظام کیا جائے زر کی رسد میں ابتدائی اضافہ ہوگا۔ فاضل درآمدات کے لیے اس طرح رقم بہم پہنچانے سے زر کی رسد سکڑے گی۔ وسیع تر تعریف اپنانے پر زر کی مقدار نہ بدلے گی گو کل رقم کی حد میں اہم تبدیلیاں ظہور میں آئیں گی۔

2۔ سرمائے کی قلیل مدتی حرکات کے سبب زر کی رسد میں ہونے والی ثانوی تبدیلی سے متعلق عام اصول یہ ہے کہ اس کے یقینی ہونے کا دار و مدار مرکزی بینک سے ان لوگوں کے فاصلہ پر ہے جو رقوم کو حرکت میں لائیں گے۔ اگر قلیل مدتی سرمائے کو خود مرکزی بینک کی کتابوں پر ہی چلایا جاتا ہے تو ثانوی توسیع پیدا ہو سکتی ہے اور ہوگی۔ مرکزی بینک کی کتابوں میں یہ کام املاک کے ذریعہ انجام دیا جائے یا دینداریوں کے ذریعہ اس سے نتیجہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا البتہ اس کی راہ میں ضرورت سے زیادہ زرروز کی

موجودگی حائل ہو سکتی ہے۔ اگر رقوم کو تجارتی بنیک منتقل کرتے ہیں تب بھی کچھ امکان (توسیع زر کا) باقی رہتا ہے اگرچہ پہلے سے کم۔ اگر انتقال کی رقم غیر بینکاری بازار فراہم کرتا ہے تو ثانوی توسیع ناممکن ہے۔

اب ہم سرمائے کی اس قلیل مدتی حرکت کی طرف واپس آتے ہیں جس سے سونے کی حرکت رونما ہوتی ہے۔ اور وہ اس کی جگہ نہیں لیتی۔ رواں کھاتے کو متوازن کرنے کی صورت میں باہر کی طرف سرمائے کی قلیل مدتی حرکت پیدا ہوتی ہے اس کے نتیجہ میں سونے کا زیاں ہوتا ہے۔ سونا کم رہ جانے سے زر کی رسد میں ابتدائی اور ثانوی کمی پیدا ہوتی ہے لیکن قلیل مدتی سرمائے کے باہر جانے سے ابتدائی اور ثانوی توسیع کا ازالہ ہو سکتا ہے۔ نتیجہ جمود کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ سونے کی برآمدات کے مقابلہ میں قلیل مدتی سرمائے کے باہر جانے کی وجہ سے رونما ہونے والی ابتدائی اور ثانوی تبدیلیاں نسبتاً کم یقینی ہو سکتی ہیں اس صورت میں مجموعی طور پر زر میں کمی ہو سکتی ہے قومی آمدنی میں فاضل در آمدات کی وجہ سے خواہ کوئی کمی نہ ہوئی ہو تب بھی نتیجہ یہی نکلے گا۔ گرم زر کی حرکت سے غیر پسندیدہ تبدیلیاں رونما نہ ہوں اس سلسلے میں استحکامی فنڈز کے کردار پر بحث کے دوران ہم اس نتیجہ کا پھر جائزہ لیں گے۔

قلیل مدتی سرمایہ، سٹہ، اور سود کی شرح:

۱۹ویں صدی کے طلائی معیار کے تحت سود کی شرح قلیل مدتی سرمائے کو حرکت دیتی تھی اور میزان ادائیگی کے تطبیق میں اہم کردار ادا کرتی تھی۔ یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ اس کام کے لیے بازارِ زر کے مختلف عناصر — تاجران، بینک، مرکزی بینک — سب کو سٹہ بازی کے لیے آمادہ رہنا ہوگا یعنی زرِ مبادلہ سے متعلق کسی پوزیشن پر قائم رہنا ہوگا یا غیر ملکی کرنسیوں میں دی ہوئی لین داریوں اور دین داریوں میں عدم توازن کو بنائے رکھنا ہوگا۔ اگر اسٹرلنگ میں کوئی بھی سٹہ بازانہ موقف اختیار کرنے پر تیار نہ ہو تو لندن میں منہائی کی شرح بڑھا دینے کا صرف اتنا اثر ہوگا کہ کرنسی پر مستقبل کی منہائی بڑھ جائے گی (یا پریمیم کم ہو جائے گا) شرح سود میں تبدیلی سے تحریک پا کر جو بھی سرمایہ ملک کے اندر آئے گا اسے مبادلہ جو کھم سے بچنے کے لیے مستقبل کے بازار میں دوہرے حفاظتی سودے کیے جائیں گے۔ جب تک مستقبل کے زرِ مبادلہ کی فروخت میں اضافہ جو نقد خریداریوں کے اثر کو زائل کرتی ہے مستقبل کی خریداریوں میں سٹہ بازی کو فروغ نہ دے — ہمارا مفروضہ ہے کہ وہ ایسا نہیں کرتیں — مستقبل میں بیچنے کی کوشش خریداروں کے نہ ملنے کی وجہ سے ناکام رہے گی۔ اور شرح گر جائے گی۔ جب مستقبل کی منہائی شرح سود کے فرق کی برابر ہوتی ہے تب دوہرے سودوں سے محفوظ رقوم کو اونچی شرح سود والے بازار

میں منتقل کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

پس سرمائے کی قلیل مدتی حرکات کے لیے منہائی شرح کو بطور تحریک استعمال کے لیے ایسی سٹہ بردار سرمائی حرکات کی ضرورت ہوتی ہے جن کو نقصان کے خطرے سے بچنے کا انتظام نہیں کیا جاتا۔ ۱۹ ویں صدی میں یہی صورت حال تھی۔ غیر ملکی تاجر بحیثیت مجموعی اس بات میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا تھا کہ اس کی املاک اسٹرلنگ کی شکل میں ہیں یا اس کی اپنی کرنسی میں اور اسے شاذ ہی یہ فکر ہوتی تھی کہ اس کی دینداریاں کن کرنسیوں میں ہیں۔ نیپولینائی جنگوں کے دوران 1797 سے 1816 تک کے عرصے کو چھوڑ کر سونے کے لحاظ سے پونڈ اسٹرلنگ 1717 سے اپنی جگہ سے نہیں ہٹا جب کہ 1834 کی معمولی ترمیم اور خانہ جنگی کے سبب 1861 سے 1879 تک سونے میں ادائیگی سے انکار سے قطع نظر ڈالر کی قیمت بھی 1792 سے سونے کے ساتھ جامد و قائم رہی۔ زرمبادلہ سے متعلق توقعات غیر لچکیلی تھیں اور سٹہ استحکام بخش تھا۔ ان حالات میں سود کی شرح میں تبدیلیوں سے سرمائے کے قلیل مدتی انتقال کو تحریک ملتی تھی۔

طلائی معیار میں منہائی کی شرح کے ردِ عمل کے بارے میں کلاسیکی نظریہ یہ تھا کہ یہ قرضوں کی راہ سے کام کرکے قیمتوں کو بدل دیتی ہے اور اس سے برآمدات اور درآمدات متاثر ہوتی ہیں۔ ہاٹرے نے اس مسئلہ پر جامع ترین بحث کی ہے اس کی رو سے یہ تاثر ملتا ہے کہ لندن کے بازار میں تھوک فروش قرض لی گئی رقوم سے کاروبار چلاتے تھے۔ بلون کو دوبارہ بھنائی کی شرح میں اضافہ سے اشیاء کی نقل و حرکت کی لاگت بڑھ گئی جس کی وجہ سے تاجر انھیں فروخت کر دینے کی طرف مائل ہوتے۔ اس سے قیمتیں گرتیں برآمدات کی حوصلہ افزائی ہوتی اور درآمدات کی حوصلہ شکنی۔ منہائی کی شرح کم ہونے سے اثر اس کے برعکس ہوتا اور تاجر اشیاء کے ذخائر میں توسیع کرنے لگتے ۔۔۔۔ ان خریداری کے زیر اثر قیمتیں چڑھ جاتیں برآمدات کم ہوتیں اور درآمدات کی حوصلہ افزائی ہوتی۔ اس طرح یہ سمجھا جاتا تھا کہ طلائی معیار میں بنک شرح میزانِ ادائیگی کو متاثر کرتی ہے۔ منہائی کی شرح میں اضافہ یا کمی کرنے سے برآمدات اور درآمدات کی حوصلہ افزائی اور حوصلہ شکنی ہونے سے سونا ملک میں آئے گا یا وہاں سے باہر جائے گا۔ [11]

بعد کی چھان بین سے ایسا معلوم ہوا کہ مستحکم توقعات کی دنیا میں سرمائے کی قلیل مدتی حرکات اس چکردار فاصلے کو چھوٹے راستے سے طے کر جاتی ہیں۔ منہائی شرح میں اضافہ لندن کو قرض دینے کی طرف راغب اور وہاں سے قرض لینے کی حوصلہ شکنی کرکے ایسی صورت پیدا کر دیتا ہے جس میں سونا

باہر سے لندن کے بازار میں آنے لگتا ہے۔ بہرحال منہائی کی اونچی شرح پر قرض لینے والے لندن کو واجب الادا بلوں کی وقت پورا ہو جانے پر تجدید کرنے کی بجائے انھیں ادا کرنا بہتر سمجھیں گے اور غیرملکی بینک اسٹرلنگ میں بنائے گئے بلوں کو بھنانے سے پہلے دوبار سوچیں گے وہ انھیں اپنے پاس رکھ کر زیادہ آمدنی کمانے کو ترجیح دیں گے۔ بہرصورت سرمائے کے بہاؤ کا رخ لندن کی جانب ہو گیا اور اس سے سونا ملک میں آنے لگے گا۔ اس کے برعکس شرح سود گرنے سے سرمایہ باہر جانے لگے گا اور اسی کے ساتھ سونا بھی کیونکہ لندن میں واجب الادا زیادہ بل بنائے جائیں گے اور وہاں بلوں کو بھنایا جائے گا۔

چھوٹے راستہ کا یہ طریقہ اس قدر کارگر تھا کہ قلیل مدتی سرمائے کو مختلف سمت میں حرکت دے کر میزانِ ادائیگی میں رواں کھاتے کی وجہ سے رونما ہونے والے کسی بھی طلائی بہاؤ کو روک کر اس کا رخ موڑا جا سکتا تھا۔ سالہا سال کے تجربہ سے بینک آف انگلینڈ نے یہ سبق سیکھا کہ بحران چاہے گھریلو ادائیگیوں میں ہو یا غیرملکی ادائیگیوں میں اس کا علاج بینک شرح کو تیزی سے بڑھانا اور اونچی شرح پر بنا روک ٹوک قرض دینا ہے۔ بازار کو مجموعی حیثیت سے سیالیت دستیاب تھی لیکن صرف اسی صورت میں جبکہ سزا کے طور پر اونچی منہائی کی شرح ادا کی جائے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس قسم کی سٹہ بازی جو ۱۹ ویں صدی میں دکھائی دیتی تھی اور وہ جو آج (1958 میں کرنسیوں کی باہم تبدیلی کی بحالی اور 1961 میں گلڈر اور مارک میں الحاق کے بعد) فروغ پا رہی ہے اس سے نمایاں طور پر مختلف ہے جو 1970 اور 1930 کی دہائیوں میں ظہور پذیر ہوئی تھی۔ اس درمیانی عرصے میں لوگ شرح مبادلہ میں تبدیلی کی توقع میں سٹہ بازی کیا کرتے تھے۔ ۱۹ ویں صدی میں اور آج اور بھی زیادہ لوگ بہت سی کرنسیوں کو اپنے پاس رکھنے کے لیے آمادہ ہیں کیونکہ وہ مبادلہ کی شرحوں میں کسی تبدیلی کی توقع نہیں رکھتے۔ مشترک منڈی، سوئس فرینک اور اسکنڈنیویائی کرنسیوں کے ڈالر کے ساتھ رابطوں کے بارے میں یہ بات خاص طور پر صحیح ہے۔ یہاں ڈالر سے ہماری مراد یورپ ڈالر اور یورپ کے مالیاتی اداروں کی ڈالر املاک نیز ذمہ داریوں دونوں سے ہے۔ اسٹرلنگ کے بارے میں یہ بات صحیح نہیں ہے یہاں زرمبادلہ کی پوزیشن پر گہری نظر رکھی جاتی ہے۔ لیکن دنیا کی دیگر بڑی کرنسیوں میں مبادلہ کے خطرات کو کبھی کبھی نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ اس میں دلچسپ بات یہ ہے کہ جب کہ شرح میں تبدیلیوں سے قلیل مدتی سرمایہ بڑا متاثر ہوتا ہے تاہم گھریلو زری مقاصد کے لیے سود کی شرح میں تبدیلیاں کمیاب ہوتی جاتی ہیں۔ میزانِ ادائیگی کی وجوہات کی بجائے گھریلو اسباب کی بنا پر سود کی

شرحوں کو بڑھانے یا کم کرنے کی کوشش کو قلیل مدتی سرمائے کا بہاؤ ناکام بنا دیتا ہے۔

استحکام کش حرکات:

تغیر پذیر مبادلہ شرحوں یا ایسی جامد شرحوں کی صورت میں جنھیں اکثر بدلا جاتا ہو لوگ مبادلہ کے خطرات سے بچیں گے یا انھیں سوچ سمجھ کر مول لیں گے۔ مبادلہ کے خطرات سے گریز کرنے کی صورت میں قلیل مدتی سرمائے کی حرکات عمل میں نہیں لائی جا سکتیں (سوائے رواں کھاتے میں ہونے والی متوقع تبدیلیوں کے جو ایک نازک مسئلہ ہیں اور جنھیں باریک بین افراد کے علاوہ سب ہی لوگ نظر انداز کر دینا بہتر سمجھتے ہیں۔) لیکن مبادلہ کے خطرات سوچ سمجھ کر مول لیے جاتے ہیں اس لیے سرمائے کی قلیل مدتی حرکات ضرور رونما ہوتی ہیں اور یہ حرکات یا تو استحکام بخش ہوتی ہیں یا استحکام کو متزلزل کر دیتی ہیں۔
زری افراتفری اور شرح میں اکثر رونما ہونے والی تبدیلیوں کی دنیا میں ـــــ مثال کے طور پر جیسا ۱۹۱۹ اور 1958 کے دوران ہوا ـــــ قلیل مدتی سرمائے پر کوئی کنٹرول نہ ہونے کی صورت میں توقعات لچکیلی ہو جاتی ہیں اور یہ سرمایہ استحکام کش طریقہ سے کام کرتا ہے۔ ان حالات میں منہائی کی شرح میں کسی بھی اضافہ کے سبب سرمایہ ملک کے اندر آنے کی بجائے اکثر باہر جائے گا۔ اسے حکام کی میزانِ ادائگی کو بچانے کے لیے آمادگی کے عزم سے تعبیر کرنے کی بجائے کمزوری کی ایسی نشانی سمجھا جائے گا جو انجام کار کرنسی کی جانب پہلا قدم ہو گا۔

ڈش مارک اور ڈچ گلڈر کی شرحوں میں 5 فیصد کے اضافے کے بعد اس طرح کی استحکام کش حرکت ۱۹۶۱ کے موسم بہار میں نیویارک اور خاص طور پر لندن سے فرینک فرٹ اور امسٹرڈم کی جانب سرمائے کے بہاؤ کی شکل میں سامنے آئی۔ بین الاقوامی بازارِ زر نے شرحوں میں اس تبدیلی کو آخری تبدیلی نہیں سمجھا بلکہ آنے والی تبدیلیوں کے سلسلے میں پہلا قدم تصور کیا۔ بجائے اس کے کہ جرمنی اور نیدرلینڈ سے غیر ملکی رقوم اپنے منافع کے ساتھ متعلقہ ملکوں میں واپس جاتیں نئی رقوم ان دونوں ملکوں کے اندر آنے لگیں۔

استحکام کش سٹے کے تحت فاضل درآمد سے سرمایہ باہر جاتا ہے اور زرِ رزرو میں کمی آتی ہے۔ وہ سرمایہ ملک کے اندر نہیں آتا جس سے رواں کھاتے میں میزانِ ادائگی کے لیے درکار رقم حاصل ہو سکے اور زرِ رزرو کی حرکت غیر ضروری ہو جائے۔ اس کے برعکس فاضل برآمد سے شرح مبادلہ میں اضافے اور شرح سود میں گراوٹ کے ذریعہ تدارک کے طور پر سرمایہ باہر نہیں جاتا جیسا استحکامی سٹہ بازی میں ہوتا ہے

بلکہ الٹا ملک کے اندر آتا ہے جس سے سونے اور مبادلہ کے رزرو زمیں پریشان کن اضافہ ہوتا ہے بنکوں میں رزرو ضرورت سے زیادہ ہو جاتے ہیں اور زر کی بڑی بہتات رونما ہو جاتی ہے۔ جنگوں کے بیچ کے عرصے میں قلیل مدتی سرمائے کی حرکات کو بین الاقوامی استحکام کے حصول کا ذریعہ سمجھنے کی بجائے اسے اس کے لیے تباہ کن تصور کیا جانے لگا۔ لگاتار عدم توازم کا شکار رہنے والی کسی کرنسی کے بچاؤ کے لیے پہلا ضروری قدم یہ سمجھا جاتا تھا کہ سرمائے کی حرکات پر پابندی عاید کی جائے۔

رواں کھاتہ لگ بھگ بحالت توازن ہونے کی صورت میں سرمائے کا استحکام کش باہر کی جانب بہاؤ سے سونا ملک کے باہر جائے گا اور سرمایہ ملک کے اندر آنے سے سونا بھی ملک کے اندر آئے گا یہ ہو سکتا ہے کہ سرمائے کی حرکت کا زری اثر سونے کی حرکت کے اثر کو زائل کر دے۔ مثال کے طور پر جب 1937ء میں "سونے کی گھبراہٹ" کے دوران ایسا کیس دیکھنے میں آیا۔ اس وقت غیر ملکی مرکزی بنکوں نے اس توقع میں ڈالر حاصل کیے کہ ریاستہائے متحدہ میں سونے کی سرکاری قیمت خرید میں کمی کر کے ڈالر کی شرح میں اضافہ کیا جانے والا ہے۔ سونا دے کر ڈالر لیے گئے۔ فیڈرل رزرو سسٹم کے پاس سونے کی شکل میں ایک نئی دولت آئی اور ساتھ ہی ایک نئی دینداری بھی یعنی غیر ملکی مرکزی بنیک کی جمع۔ جب تک فیڈرل رزرو سسٹم کے طلائی تناسب میں اضافہ کی وجہ سے واجب الادا رزرو بنیک قرض میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی سونے کے توسیعی اثر کا قلیل مدتی سرمایہ ملک کے اندر آکر پورے طور پر ازالہ کر دیتا ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں واقعات کا اس طرح پیش آنا ضروری نہیں ہے۔ اگر غیر ملکی رقوم نیو یارک میں فیڈرل رزرو سسٹم کے کھاتے میں جمع ہونے کی بجائے کسی تجارتی بنیک کے پاس جمع ہوں تو ممبر بنیک کے رزرو میں کل ملا کر اضافہ ہو جائے گا۔ اور مجموعی طور پر قرضوں میں ثانوی توسیع ہو سکتی ہے۔

ایسے مواقع پیدا ہو سکتے ہیں جب سونے کی حرکات کے مجموعی اثر کو قلیل مدتی رقوم کے باہر جانے کے مخالف رجحانات پر حاوی آنے کے لیے آزاد چھوڑنا مناسب تصور کیا جائے۔ لیکن اصولاً ملک اسی بات کو پسند کرتے ہیں کہ سرمائے کی استحکام کش حرکات ان کی زری پالیسی پر اثر انداز نہ ہوں۔ "گرم زر کی حرکات" کے زری اثرات کو زائل کرنے کے لیے جو ہتھیار وضع کیے گئے وہ ہیں مبادلہ استحکام فنڈ اور سونے کو بے اثر کرنے کا عمل۔

استحکامی فنڈ:

پہلا استحکامی فنڈ، برطانوی مبادلہ مساواتی کھاتہ تھا جسے 1932ء میں قائم کیا گیا تھا۔ اس کا

مقصد یہ تھا کہ ستمبر 1931ء میں برطانیہ کے طلائی معیار کو چھوڑ دینے کے بعد مبادلہ شرح میں تبدیلیوں کو معتدل بنایا جا سکے۔ بہت سے دیگر معاشی اداروں کی طرح شروع میں یہ بات واضح نہیں تھی کہ مبادلہ مساواتی کھاتے (EEA) کا استعمال کن کاموں کے لیے کیا جائے گا۔ اس کے قیام کے وقت توجہ کا خاص مرکز شرح مبادلہ میں ہونے والی تبدیلیاں ہی تھیں۔ عملی طور پر مبادلہ کی شرحوں کو مستحکم رکھنے کے لیے یہ کھاتہ کچھ زیادہ کارگر ثابت نہ ہو سکا کیونکہ اس نے مبادلہ کے خطرات سے پہلو تہی کی اور اس کی بجائے روزانہ خریدے گئے زرِ مبادلہ کو سونے میں بدل کرا کے (سونے کو) برطانیہ کے ساحل پر لاتا رہا۔

بالآخر شرح مبادلہ کو متاثر کرنے میں مبادلہ مساواتی کھاتے کی اہمیت کم ہو گئی اور لندن کے بازارِ زر کو سیالیت میں ان ضرورت سے زیادہ تبدیلیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے اس کا استعمال کیا جانے لگا جو بصورت دیگر گرم زر کی حرکات کے سبب پیدا ہوتیں۔

ابتداءً اس کھاتے کو اسٹرلنگ بلوں سے لیس کیا گیا۔ سرمائے کے اندرونی بہاؤ کا سامنا کرنے کے لیے یہ کھاتہ زرِ مبادلہ خریدنے (اور اسے سونے میں بدلنے) کی پوزیشن میں تھا لیکن سرمایہ ملک سے باہر جانے کی صورت میں یہ کچھ بھی کرنے سے قاصر تھا کیونکہ اسٹرلنگ کے بدلے غیر ملکیوں کو دینے کے لیے اس کے پاس نہ تو سونا تھا اور نہ ہی زرِ مبادلہ لیکن EEA کے بل — جو درحقیقت سرکار کی قلیل مدتی دینداریاں تھیں — کسی بھی رقم کے لیے جاری کیے (یا بیچے) جا سکتے تھے۔ جب کوئی غیر ملکی اسٹرلنگ خریدتا تو EEA اتنی ہی رقم کے بل فروخت کر دیتا اور زرِ مبادلہ (انجام کار ڈالر) خرید لیتا۔ غیر ملکی کو اسٹرلنگ املاک مہیا کر دی جاتی اور اسٹرلنگ انتظامیہ اس سونے کو لے لیتے جو ان کے پاس بنک کاری نظام کے باہر موجود تھا۔ سرمائے کے باہر جانے سے زر کی رسد میں کوئی ثانوی توسیع نہ ہو سکتی تھی۔

ابتدائی توسیع رونما ہوئی یا نہیں اس کا انحصار اس بات پر تھا کہ زر کی کیا تعریف اپنائی جاتی ہے اور غیر ملکی فرد کس طرح اسٹرلنگ لینا چاہتا ہے۔ غیر ملکی شخص کے پاس روپیہ کسی بینک جمع کی شکل میں ہونے کی صورت میں زر کی تعریف میں زر کے اندر غیر ملکی جمع رقوم کو شامل کرنے پر زر کی مقدار میں اضافہ ہو جاتا تھا ورنہ نہیں۔ آخرالذکر صورت میں یہ توقع کی جاتی تھی کہ مبادلہ مساواتی کھاتہ جن بلوں کو بیچے گا انھیں مذکورہ تجارتی بینک خرید لے گا۔

EEA کا تختۂ میزان

املاک	دینداریاں

سونا .... 100 £ + بل .... 100 £ +

تجارتی بینکوں کا تختۂ میزان

بل .... 100 £ + غیر ملکیوں کو واجب الادا رقوم ..... 100 £ +

اس کے برعکس اگر غیر ملکی شخص بلوں کو براہ راست اپنے پاس رکھتا تھا تو زر کی مقدار میں کسی بھی تعریف کے تحت کوئی اضافہ نہ ہوتا۔ وہ اسٹرلنگ بلوں کے بدلے سونے میں بدلے جا سکنے والے زرِ مبادلہ سے دستبردار ہو جاتا۔ اور مبادلہ مساواتی کھاتہ سونے کے عوض بل دے دیتا۔ برطانوی حکومت کو ان بلوں پر سود ادا کرنا پڑتا جو غیر ملکی شخص کو ملتا۔ سرمائے کے انتقال کی اجازت دینے کے لیے یہ قیمت ادا کرنی پڑتی تھی کیونکہ اس سرمائی حرکت کو اس طرح روکنا کہ اس سے مضر اثرات رونما نہ ہوں زیادہ مہنگا پڑتا۔

ذہین طالب علم کی سمجھ میں یہ بات آ گئی ہو گی کہ اگر غیر ملکی شخص جمع رقوم اور تجارتی بینک بلوں کے مالک رہیں تو زر میں ترفیعی اثر رونما ہو گا۔ بینک کی دینداریوں میں اضافہ ہو چکا ہے لیکن ان کے بنیادی رزرو نہیں بڑھے ہیں۔ اگر سرمائے کے ملک میں آنے سے پہلے ان بنیادی رزرو کے تناسب کی ضرورت بس پوری ہو رہی تھی تو اب اس میں کمی واقع ہو سکتی ہے۔ تجارتی بینکوں کے بینک میں جمع رقوم کی دوبارہ تشکیل کے لیے بینک آف انگلینڈ اکثر کھلے بازار سودے کیا کرتا تھا اس سے وہ قلیل مدتی سرمائے کے ملک میں آنے سے مندی پیدا ہونے اور سرمائے کے باہر جانے سے جھٹکے نتائج سے بچنے کی کبھی کوشش کرتا تھا۔

صورت حال کو قابو میں رکھنے کے لیے ان نام نہاد سودوں میں بینک آف انگلینڈ بہت زیادہ سرمایہ ملک میں آنے اور E E A سے بلوں کے بڑی مقدار میں فروخت ہونے کی صورت میں نظام زر کو ٹھیک رکھنے کے لیے بلوں کو تھوڑی تعداد میں خریدنے کی ضرورت محسوس کرتا تھا۔

بعد میں جب غیر ملکی لندن کے بازار سے اپنی رقوم کو واپس نکال لیتے تھے تو یہ سارا کام مخالف سمت میں عمل میں لایا جاتا تھا۔ مبادلہ مساواتی کھاتہ غیر ملکی زرِ مبادلہ کے بدلے سونا بیچتا اور اسی کے ساتھ اسٹرلنگ کے بدلے غیر ملکی زرِ مبادلہ فروخت کرتا۔ اسٹرلنگ کا استعمال لندن بازار میں خزانہ کے بلوں کو ادا کرنے کے لیے کیا جاتا۔ دوسری طرف غیر ملکی اسٹرلنگ کے بدلے برطانوی خزانہ کے جاری کردہ بلوں کو فروخت کرتے یا اسٹرلنگ بیچتے جس سے تجارتی بینکوں کو خزانہ کے بلوں کو بیچنے کی ترغیب ملتی اور غیر ملکی زرِ مبادلہ خریدتے جس کے سبب ان کے مرکزی بینک سونا خریدنا شروع کر دیتے۔ بینک

آف انگلینڈ معاملات کو تھوڑا بہت ٹھیک ٹھاک کرتا اور پھر مذکورہ سودوں کو پلٹ دیا جاتا اور اسکا لندن کے زری بازار پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ اس سلسلہ میں بینک آف انگلینڈ ان ابتدائی رزروز کو سمیٹنے کے لیے بلوں کو فروخت کرتا تھا جن کی اب تجارتی بینکوں کو ان غیر ملکی جمع میں کمی واقع ہوجانے کے بعد مزید ضرورت نہیں رہتی تھی۔

جیسا کہ پہلے کہا جاچکا ہے استحکامی فنڈ کا یہ طریقہ کار بڑا کامیاب رہا کیونکہ مبادلہ مساواتی کھاتہ اسٹرلنگ سے لیس تھا اور کیونکہ اسے جن اثرات کو زائل کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا ان سے غیر ملکی سرمایہ ملک کے اندر آتا تھا۔ اگر اس کے پاس سونے یا زرِ مبادلہ کے ذخائر ہوتے تو وہ سرمائے کے ملک میں آنے کے مسئلہ کا سامنا کرنے سے قاصر رہتا مگر سرمائے کے باہر جانے کے مسئلہ سے بخوبی نپٹ سکتا تھا۔ سرمائے کے باہر جانے کے مسئلہ سے نپٹنے کے لیے استحکامی فنڈ کو سونے کی ضرورت ہوتی ہے اور سرمایہ ملک میں آنے کے مسئلہ کو حل کرنے کے لیے گھریلو زر یا تقریباً زر نما چیز درکار ہوتی ہے۔

ریاستہائے متحدہ کا استحکامی فنڈ:

ابتداءً ریاستہائے متحدہ کے استحکامی فنڈ کو سونے کے اس نفع کے ایک حصہ سے قائم کیا گیا تھا جو ریاستہائے متحدہ کے سونے کے ذخیرہ کی قیمت 1934ء میں 20.67 ڈالر فی اونس سے بڑھا کر 35 ڈالر فی اونس کر دینے پر حاصل ہوا تھا۔ نئی قیمت پر فنڈ کے پاس 2 ملین ڈالر کی مالیت کا سونا موجود تھا اس وجہ سے سرمائے کے باہر کی جانب بہاؤ کے مالیاتی انتظام کے لیے اس کی پوزیشن نہایت مضبوط تھی۔ تاہم سونا ملک کے اندر آنے کی صورت میں وہ قطعی طور پر کوئی مدد کرنے سے قاصر تھا۔ غیر ملکیوں کو ڈالر مہیا کرنے کے لیے اسے ڈالر حاصل کرنا پڑتے تھے۔ یہ کام وہ نیویارک کے فیڈرل رزرو بینک کو صرف سونا بیچ کر ہی کرسکتا تھا۔ اس سودے کا اولین نتیجہ مندرجہ ذیل ہوتا ہے۔

نیویارک کا فیڈرل رزرو بینک

املاک	دیناریاں
سونا .... +100$	استحکامی فنڈ کی جمع .... +100$

اس صورت میں جب استحکامی فنڈ اس غیر ملکی زرِ مبادلہ کو جو اسے باہر کے لوگ اپنی رقوم کے لیے محفوظ جگہ کی تلاش میں پیش کرتے ہیں خریدنے کے لیے اپنے ڈالر خرچ کرتا ہے تو استحکامی فنڈ کی جمع میں کمی ہونے سے ممبر بینکوں کی جمع میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ اس سے بلاشبہ زر کی اسی توسیع کے لیے

موقعہ فراہم ہو جاتا ہے جس کو روکنے میں مدد دینے کے لیے اس فنڈ کو قائم کیا گیا تھا۔

سُونے کو بے اثر و بے ثمر بنا دینے کا عمل:

استحکامی فنڈ کے پاس ڈالر قرض لینے کی طاقت نہ ہونے کی صورت میں سرمائے کے اندر کی طرف بہاؤ کو قرضوں کی بنیاد پر اثر انداز ہونے سے روکنے کے لیے کھلے بازار کے سودوں کا طریقہ استعمال میں لایا جاتا ہے۔ مرکزی بینک کے تختۂ میزان میں جوں ہی سونے میں اضافہ ہو منہائیوں اور تمسکات کو کم کر دینا چاہیے تاکہ ممبر بینک کے زرِ روزیں میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ غیر ملکی اپنی رقوم کو جمع کی شکل میں تجارتی بنکوں کے پاس رکھتے ہیں تو مذکورہ پالیسی کے لیے کسی بھی استحکامی فنڈ کی ضرورت نہ رہے گی اور اس پالیسی کو ہم بآسانی "سونے کو بے اثر بنانے کے عمل" کا نام دے سکتے ہیں۔ سرمائے کے باہر کی جانب اس بہاؤ کو بے اثر بنانے کے لیے جس سے سونے کا زیاں ہوتا ہو ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ مرکزی بینک کھلے بازار میں تمسکات خریدے۔

37-1936ء میں ریاستہائے متحدہ کی سرکار نے سونے کو بے اثر بنانے کی ایک ایسی پالیسی پر عمل کیا جس میں فیڈرل زرز رو سسٹم کو کھلے بازار کے سودوں کے ذریعہ مدد کرنے کے لیے نہ کہا جائے۔ عام طور پر جب سونے کی قیمتوں میں فرق سے فائدہ اٹھانے کی خاطر سونے کے سٹہ باز سرکاری خزانے کے ہاتھ سونا فروخت کرتے تو وہ فیڈرل زرز رو بینک کے پاس اپنے جمع کردہ فنڈ میں کمی کر پورا کر دیتا۔ تاہم سونے کی درآمدات کو بے اثر بنانے کے لیے وہ سونے کے لیے ادائیگی اس جمع میں سے کرتا۔ اس جمع کو معمول پر لانے کے لیے وہ طلائی سرٹیفکٹ جمع کرنے کی بجائے زری بازار سے قرضے لے کر رقم پوری کرتا۔ سونے کی خریداری کے لیے درکار نئے قرضے ممبر بینک کے زرز روز میں اضافہ کو ختم کرنے کے لیے وہی کام انجام دیتے جو فیڈرل زرز رو سسٹم سرکاری تمسکات بیچ کر کرتا۔

اگر ملک میں سونا سرمائے کے اندر کی جانب بہاؤ کی بجائے رواں کھاتے میں فاضل برآمدات کی وجہ سے آتا ہے تو بے ثمر بنانے کی پالیسی زر کو سرمائی چلن سے سودائی چلن میں جانے سے نہیں روک سکتی۔ اس زری تبدیلی سے آمدنی کی مضروب نیہ توسیع کے لیے رقم فراہم ہوتی ہے۔ برآمد کنندگان اور ان کو مال مہیا کرنے والوں کے پاس زر میں اضافہ ہوتا ہے۔ جیسے جیسے سرکاری خزانہ یا فیڈرل زرز رو سسٹم زری بازار میں سرکاری تمسکات فروخت کرتا ہے سرمائی چلن میں زر کی واقع ہوتی جاتی ہے۔ بے اثر بنانے کے عمل کو پوری طرح پایۂ تکمیل کو پہنچانے کے لیے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ سونا خریدنے

کے لیے درکار رقم ٹیکسوں میں اضافہ کر کے حاصل کی جائے۔ عمل کی اس تکمیل سے آمدنی اور زر دونوں ہی کے اثرات ختم ہو جائیں گے۔ تب سرکار کی فاضل آمدنی (نئی بچت) فاضل برآمدات (غیر ملکی سرمایہ کاری) کے برابر ہو جائے گی۔ مجموعی طور پر ٹیکس کی آمدنی میں ہونے والا اضافہ زر کو سودائی چلن سے باہر اتنی ہی تیزی سے کھینچے گا جتنی تیزی سے فاضل برآمدات اسے چلن میں پہنچائیں گی۔

بیسل سمجھوتہ:

قلیل مدتی سرمائے کے آنے سے عدم استحکام سے دوچار ملک کے لیے ہوسکتا ہے زرئی بازار میں اٹھائے گئے قدم مسئلہ کو حل کرنے کے لیے کافی نہ ہوں۔ یہی بات اس ملک کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے جو زرئی رزروز میں ہونے والی کمی کو دور کرنے کے لیے سرمائے کا زیاں برداشت کرتا جا رہا ہے۔ غالباً اس ملک کے میزان ادائیگی کو سہارا دینا پڑے گا جو سونا کھوتا جا رہا ہے۔ مرکزی بینکوں کا یہ احساس بڑھتا جا رہا ہے کہ سرحد کے دونوں جانب زرئی انتظامیوں کو مل کر کارروائی کرنی ہوگی۔ 1961 کے موسم بہار میں سرمائے نے بڑے پیمانے پر ـــــ زیادہ تر لندن سے زیورک فرنٹ اور امسٹرڈم کی جانب ـــــ حرکت کی۔ اس وقت بیسل میں بینک فار انٹرنیشنل سٹلمنٹس کے زیر اہتمام کیے گئے ایک سمجھوتے کے تحت براعظم یورپ کے مرکزی بینکوں نے اسٹرلنگ خرید کر اپنے پاس جمع کر لیے۔ جن نجی افراد کے پاس اسٹرلنگ تھے انھوں نے ان کو غیر ملکی مبادلہ بازار میں دھڑا دھڑ بیچنا شروع کر دیا۔ سرکاری ذرائع نے انھیں خرید لیا۔ اس سے مجموعی طور پر سرمائے کی حرکت ختم ہوگئی۔ تجارتی (مشترکہ حصص) بینکوں اور زرئی بازار سے غیر ملکیوں کو واجب الادا دینداریاں بینک آف انگلینڈ کو منتقل ہو جانے کی وجہ سے کچھ زرئی اثرات ضرور باقی رہ گئے۔ ان کو زائل کرنے کے لیے کھلے بازار کے سودوں کی ضرورت پڑی۔ اسی طرح جرمنی اور نیدرلینڈ میں سرمائے کے ملک کے اندر آنے کے بعد بازار زر میں بڑھی ہوئی سیالیت کو سمیٹنا ضروری ہو گیا۔

مرکزی بینکوں میں باہمی تعاون اور ان کی ماہانہ نشستوں سے ظہور میں آنے والے اس عارضی تیز غیر رسمی بندوبست کی کامیابی سے ایک مسئلہ پیدا ہوتا ہے جس پر ہم حصہ ششم میں روشنی ڈالیں گے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح کے غیر رسمی اور لچکیلے انتظامات اطمینان بخش ہوتے ہیں یا مختلف فریقین کے حقوق اور ذمہ داریوں کو وضع کرنے کے لیے نئے اداروں (یا پرانے اداروں میں ترمیم کرنے) کی ضرورت پڑتی ہے ؟ دونوں طرف بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔ جب تک سبھی مختلف شکلوں کا ادراک نہ ہو جائے

جن میں یہ مسائل رونما ہو سکتے ہیں اس وقت تک بیسل سمجھوتے کی طرح لچکیلے پن کو برقرار رکھنا ہی بہتر ہوگا۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ فرانس اور خاص طور پر نیدرلینڈز کے مرکزی بینکوں نے 1931 میں بینک آف انگلینڈ کی مدد کرنے کی کوشش کی اور ان کے پاس منہائی زدہ اسٹرلنگ کی بڑی مقدار جمع ہوگئی۔ کیا قومی ادارے کسی واضح سیاسی اجازت مثلاً گنجائشی قانون کے بغیر بین الاقوامی خطرات مول لے سکتے ہیں۔؟

زرِمبادلہ میں مرکزی بینک کے مستقبل کے سودے:

زرروز کے استعمال اور غیر ملکی سہارے کے علاوہ کسی کرنسی پر سٹہ بازی کے حملے کا مقابلہ کرنے کا ایک طریقہ اور ہے۔ اور وہ ہے مستقبل کے بازار میں مداخلت۔ جب بازار میں غیر ملکی کرنسیوں کے عوض ڈالر فروخت کیے جا رہے ہوں تو ، وزرروبینک کے حاکم نقد سودا بازار میں ڈالر کو سونے سے سہارا دینے کی بجائے مستقبل کے سودوں کے لیے اسٹرلنگ، مارکس سوئس فرینکس اور دیگر کرنسیاں بازار میں ڈالے یعنی مستقبل کے ڈالر خریدے۔ بعض ایسے افراد جو غیر ملکی کرنسیوں کے متلاشی ہیں اس صورت میں نقد ڈالر اپنے پاس رکھنے پر قناعت کر سکتے ہیں اور غیر ملکی کرنسی کے حصول کی خواہش کی تسکین کے لیے مستقبل کے ڈالر خرید سکتے ہیں۔ تاہم اگر ان کی ضد یہ ہو کہ ان کے پاس نقد غیر ملکی کرنسی ہونی چاہیے تو مستقبل کے غیر ملکی زرِمبادلہ کی شرح میں فیڈرل رزرو کی فروخت سے رونما ہونے والی گراوٹ سے سود کی شرحوں میں سٹہ کرنے والے بازار میں آنا پسند کریں گے۔ یہ لوگ نقد ڈالر خریدیں گے اور مستقبل کے ڈالر بیچیں گے یعنی غیر ملکی کرنسیوں کو نقد فروخت کریں گے اور مستقبل کے لیے انھیں خریدیں گے۔ اُن کے نقد سودے بیرونی زرِمبادلہ کے باہر کی جانب فوری بہاؤ سے پیدا ہونے والی کمی کو پورا کر دیں گے۔ ان کے مستقبل کے سودے سرکاری فروخت کے برابر ہوں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ڈالروں کے غیر ملکی حاصل ریاستہائے متحدہ کے طلائی زرروز میں کسی کمی کا سبب بنے بغیر اپنے ڈالروں کے بدلے غیر ملکی کرنسی حاصل کر سکیں گے۔

جنگوں کے مابین اور جنگ کے فوراً بعد کے عرصے میں اس طریقۂ کار کا استعمال جس کی سفارش کینز نے کی تھی محض گاہے گاہے کیا گیا ہے۔ میزان ادائیگی میں سنگین عدم توازن سے نپٹنے کے لیے یہ طریقۂ کار مناسب نہیں ہے کیونکہ زری حکام کو بالآخر ان غیر ملکی کرنسیوں کو خریداروں کے حوالے کرنا ہوگا جو انھوں نے مستقبل کے لیے فروخت کی تھیں ــــــ اس کے باوجود بھی کہ وہ مدت پوری ہو جانے پر

اپنے معاہروں کو اور آگے بڑھا سکتے ہیں۔ مستقبل کے معاہدے دراصل قومی زرِ مبادلہ کے زرِ ذخائر پر بار یا ان پر رہن ہوتے ہیں

تاہم مرکزی بینکوں کے مستقبل کے سودے ایک یا دوسری کرنسی پر مختصر اور تیز حملوں کا سامنا کرنے میں مفید ثابت ہوتے ہیں کیونکہ وقت گذرنے پر ان حملوں کا رخ مخالف سمت میں ہو جانے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ خزانہ انھیں ڈالر کے دفاعی حصار کی باہری سرحد سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی قلیل مدتی تدبیر ہے جو زرِ ذخائر کو اچانک ہونے والے نقصانات سے محفوظ رکھ کر خود اعتمادی کو برقرار رکھتی ہے اور بیرونی زرِ مبادلہ کے بازار میں سراسیمگی کو کم کرتی ہے۔

مستقبل کے سودے گھریلو زرعی مقاصد کے لیے بھی کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔ سرمائے کے بڑی مقدار میں ملک کے اندر آنے پر اس کا تدارک کرنے کے لیے مرکزی بینک اپنے سرکاری تمسکات کو بیچنے کی بجائے تجارتی بینکوں کو مزید زرِ ذخائر بنانے کے بدلے بیرونی زرِ مبادلہ اپنے پاس رکھنے کے لیے مجبور کر سکتا ہے۔ اس کام کو انجام دینے کے لیے وہ حال کے زرِ مبادلہ کو فروخت کرتا ہے اور مستقبل میں اسی قدر زرِ مبادلہ خریدنے کا سمجھوتہ کر لیتا ہے۔ تجارتی بینک خریداری کے لیے مجبور ہو جاتے ہیں کیونکہ ایسا کرنے سے وہ گھریلو سیال سرمایہ کاری کی نسبت مرکزی بینک کی مقرر کردہ شرحوں سے زیادہ سود کما سکتے ہیں۔ فرانس کے مرکزی بینک نے 1927 میں اسٹرلنگ اور بینک آف اٹلی نے 1965 میں ڈالر کے سلسلے میں یہی کام کیا۔ مستقبل کے زرِ مبادلہ میں مرکزی بینک کے یہ سودے قومی زرعی پالیسی میں ضرور سہولت پیدا کرتے ہیں تاہم وہ غیر ملکی زرعی حکام کے لیے گمراہ کن ثابت ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ حکام اپنے بازار میں باہر کے بینکوں میں سرکاری اور نجی طور پر جمع کردہ رقوم کے بارے میں مختلف خیالات رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر اٹلی کے تجارتی بینکوں کے پاس ڈالروں کو نجی اداروں کی ملکیت سمجھا جاتا ہے جب کہ ان کے پاس یہ ڈالر درحقیقت محض عارضی طور پر رکھے ہوتے ہیں اور انجام کار ان کی مالک سرکار ہی ہوتی ہے۔

مبادلہ کنٹرول:

1930 کی دہائی میں عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ قلیل مدتی سرمائی حرکات کے استحکام کش عمل کا مقابلہ کرنے کے لیے مبادلہ کنٹرول واحد مؤثر طریقہ ہے۔ بے روزگاری سے لڑنے کے لیے سستے زر کی پالیسیوں کے نتیجہ میں سیال رقوم کے بڑے بڑے تالاب بن گئے تھے۔ جارحیت، بیرونی دھمکیاں

کر توڑ ٹیکسوں اور خانہ جنگی کی آفتوں میں مبتلا دنیا میں سرمایہ چپ چاپ ملک سے باہر جا سکتا تھا (یعنی جب تک زری بازاروں کو سیال حالت میں رکھنا ضروری تصور کیا جاتا) اور سرمائے کا یہ انتقال اتنے بڑے پیمانے پر ہو سکتا تھا کہ سرکار اس کا انتظام کرنے میں دشواری محسوس کرنے لگتی (اگر حکومتیں سود کی شرحوں کو بڑھنے دیتیں تو املاک کے مالک بیرونی زر مبادلہ کے لیے اپنی گھریلو املاک کو کرنسی میں تبدیل کر سکتے کیونکہ وہ "مقید" ہو جاتے یعنی وہ سیالیت اسی قیمت پر حاصل کر پاتے جس پر املاک کے بعض دیگر مالکان اپنی سیالیت سے دستبردار ہونے کے لیے تیار ہوتے)۔

بین الاقوامی زری فنڈ کی 1944 میں بریٹن ووڈ کے مقام پر وضع کردہ سمجھوتے کی دفعات میں سرمائے کی قلیل مدتی حرکات پر کنٹرول کے لیے اس نتیجہ کو بین الاقوامی تدابیر میں شامل کیا گیا تھا۔ تاہم سرمائی حرکات پر کنٹرول رکھنے کی دلیل خواہ کتنی بھی مضبوط ہو حقیقی دنیا میں اسے عملی جامہ پہنانے میں دشواری پیش آتی ہے۔ برآمدات سے ہونے والی آمدنیوں کو جمع کرنا ہوگا اور بلوں میں مال کی قیمت کو کم دکھانے کے رجحان کو روکنا ہوگا۔ غیر ملکی تمسکات کو باہر جانے سے روکنا ہوگا۔ ملک کے شہریوں کو قومی کرنسی (جو قرض کی ایسی شکل ہے جس پر سود نہیں لیا جاتا) باہر لے جانے اور سبھی غیر ملکیوں اور اپنے شہریوں کو اسے ملک کے اندر لانے سے باز رکھنا ہوگا۔ بیرونی سودوں میں ادھار کی شرائط پر نظر رکھنی ہوگی تاکہ درآمدات نقد یا پیشگی ادائیگی (کی بنیاد پر نہ کی جا سکیں اور برآمدات کے لیے ادائیگی کی مدت طویل سے طویل تر نہ ہو سکے اور اس طرح سرمایہ "پیشگی یا بعد میں ادائیگیوں" کے ذریعہ باہر نہ بھیجا جا سکے۔ پروفیسر ہانگ سن نے کہا ہے کہ اگر ہم نے جنگ کے بعد والے عرصے میں بین اقوامی معاشیات کے بارے میں کوئی سبق سیکھا ہے تو وہ یہ ہے کہ میزانِ ادائیگی پر مجموعی طور سے کنٹرول حاصل کیے بغیر حرکات پر قابو رکھنا ناممکن ہے۔

کاغذی معیار کے تحت سرمائی حرکات:

آزادانہ تغیر کاغذی معیار کے تحت استحکام بخش سرمائی حرکات قلیل مدتی کھاتہ کی بنیاد پر رونما ہو سکتی ہیں اور شرح مبادلہ میں ہونے والی تبدیلیوں کو محدود رکھ سکتی ہیں یا یہ حرکات استحکام کش ہو سکتی ہیں اور ان میں اضافہ کر سکتی ہیں۔ تاریخ دونوں طرح کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ تاہم یہ پیش گوئی کرنا بڑا مشکل ہے کہ کس قسم کی سٹہ بازی ظہور میں آئے گی۔

کینز نے ایک مرتبہ یہ تجویز پیش کی تھی کہ طلائی معیار میں سونے کے نقاط کا درمیانی فاصلہ ا

دینا چاہیے غالباً ان کی رائے میں ایسا مرکزی بینک کی خریدنے اور بیچنے کی قیمتوں کے بیچ فرق کو بڑھا کر کیا جا سکتا تھا۔ اس تجویز کا مقصد استحکام بخش قسم کی قلیل مدتی سرمائی حرکات کی حوصلہ افزائی کرنا تھا کیونکہ سونے کے درآمدی نقطہ سے کچھ کم پر بیرونی زرِ مبادلہ کو خریدنے اور سونے کے برآمدی نقطہ کے پاس کی قیمت پر اسے بیچنے سے سٹے بازوں کو زیادہ منافع حاصل ہو سکتا تھا سرکاری مداخلت کے بغیر بیرونی زرِ مبادلہ کی شرح میں تبدیلیوں کی اس تجویز میں مستقبل کی شرحوں کی گنجائش موجود تھی جس کی وجہ سے یہ امید کی جاتی تھی کہ استحکام بخش سٹے بازی رونما ہوگی۔ تاہم جیسا کہ ہم ضمیمہ H میں دیکھیں گے کسی مستقبل بازار کا قیام اس امر کا ضامن نہیں ہوتا کہ سٹہ استحکام بخش قسم کا ہی ہوگا۔ اگر ایسا ہوگا تو بیرونی زرِ مبادلہ کی شرح طویل مدتی متوازن شرح کے آس پاس ہی مختصر حدود میں گھومتی رہے گی بالکل اسی طرح جیسے کوئی خودکار جہاز راں اپنے جہاز کے راہ سے ہٹنے کا پہلے ہی اندازہ لگا لیتا ہے اور اس سے قبل کہ جہاز راہ سے بھٹکے ضروری اصلاح کر لیتا ہے۔ تاہم اگر ایسا نہ ہو تو استحکام کش سٹہ اختلافات میں ایسے ہی اضافہ کر دے گا جس طرح کوئی معاون متحرک مشین غیر مستحکم حرکات کے بیچ صحیح راہ کی تلاش میں مقررہ راہ سے اِدھر اُدھر کافی بھٹکتی رہتی ہے۔

1950 سے 1961 کے دوران مبادلہ کی بدلتی ہوئی شرحوں کے عرصے میں کناڈائی ڈالر سے متعلق سٹے بازی کی دلچسپ صورت حال پر غور کیجیے، یہاں شرح مبادلہ میں تغیرات کے جواب میں قلیل مدتی رقوم کا ردِ عمل استحکام بخش صورت میں رونما ہوا۔ دھومبرگ نے دیکھا کہ شرح مبادلہ میں ایک سنٹ کی تبدیلی سے قلیل مدتی سرمائے کی حرکت بقدر 45 ملین ڈالر ہوتی تھی شرح میں اضافے سے اتنا سرمایہ ملک سے باہر جاتا تھا اور گرنے سے ملک کے اندر آتا تھا۔ یہ بازار سود کی شرحوں سے تقریباً بے نیاز تھا۔ طویل مدتی سرمائے کے بازار میں اس کے برعکس سود کی شرحوں میں اختلافات سرمائے کے بہاؤ میں قابل لحاظ تبدیلیاں پیدا کرتے تھے جبکہ سرمایہ کار شرح مبادلہ کو نظرانداز کر جاتے تھے۔[1] اس کی

---

[1] ایسا ہونے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ خیال کیا جاتا تھا کہ طویل مدت میں کناڈائی ڈالر ریاستہائے متحدہ کے صرف ایک ڈالر کی برابری ہوگا اور کسی بونڈ کے اجرا، نیز اس کی ادائیگی کے تقریباً بیس سال کے عرصے میں مقررہ شرح سے شرح میں ہونے والے تغیرات مجموعی طور پر غیر اہم ثابت ہوں گے۔ اس سرمائے کا بیشتر حصہ کناڈا کے صوبائی اور میونسپل بونڈوں کی صورت میں امریکہ کی بیمہ کمپنیوں نے خریدا۔ اسے دونوں ہی فریق طویل مدتی نقطہ نظر سے دیکھ سکتے تھے۔

* * *

وجہ سے سود کی شرح سے متعلق پالیسی کی بالادستی تعجب خیز طور پر عقبی دروازے سے دوبارہ قائم ہوگئی۔ طویل مدتی سود کی شرحوں سے طویل مدتی سرمائے کی حرکات پیدا ہوئیں جن کی وجہ سے شرح مبادلہ میں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ان کے نتیجہ میں قلیل مدتی سرمایہ حرکت میں آیا۔ اس طرح طویل مدتی سرمائی بازار میں ہونے والی تبدیلیاں قلیل مدتی بازار میں سرایت کر گئیں۔ معاملات اس کے برعکس پیش نہیں آئے۔ اور شرح تبادلہ خود مختار متغیر عنصر کا متوسل عنصر رہ گئی۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ سود کی شرحوں میں اضافہ ہونے سے ترفیم زر کی صورت پیدا ہوگئی۔ اس کی راہ عمل بڑی عجیب تھی یعنی اونچی سود کی شرحوں نے بیرونی سرمائے کو کھینچا جس سے کرنسی کی شرح میں اضافہ (اور ترفیم زر) ہوگیا۔

اگر بیرونی زر مبادلہ کی شرح کو بازار کی صورت حال سے بغیر کسی امداد کے از خود ہم آہنگ ہونے کے لیے آزادانہ چھوڑا جائے بلکہ روز بروز ہونے والے 'موسمی' یا سائیکلی تغیرات کو ختم کرنے کے لیے زری حکام مداخلت کریں تو انھیں استحکام بخش قسم کی قلیل مدتی سرمائی حرکات کو خود عمل میں لانا ہوگا۔ میزانِ ادائیگی میں عارضی نوعیت کا خسارہ ہونے کی صورت میں یہ حکّام بازار کو ضروری غیر ملکی مبادلہ مہیا کریں گے۔ اس قلیل مدتی سرمائے کے ملک میں آنے سے (جس سے غیر ملکی املاک کم ہوں گی) زر کی رسد میں ابتدائی اور ثانوی ترفیم بالکل ایسے ہی رونما ہو سکتی ہے گویا کرنسی طلائی معیار پر رہی ہو۔ میزان ادائیگی میں عارضی نفع ہونے کی صورت میں حکّام کو مذکورہ عمل کے برعکس شرح کو بڑھنے دینے کی بجائے فالتو زر مبادلہ کو سمیٹنا پڑے گا۔ جس حد تک سرکاری قلیل مدتی سرمائی حرکات غیر ملکی مبادلہ کی شرح کو مستحکم رکھنے کا کام انجام دیتی ہیں وہ ایسا ہی ہے جیسے ملک طلائی معیار پر ہو خاص طور پر اس وجہ سے کیونکہ استحکام کے لیے درکار سرمائی حرکات کا انتظام مرکزی بینک یا اس کے دیے ہوئے فنڈ یا قرضے کی مدد سے کوئی اور سرکاری ادارہ کرتا ہے۔

اعداد و شمار پر مبنی تشریحات :

جدید حسابی معاشیات کی تحقیقوں میں قلیل مدتی سرمائے کو نظر انداز تو نہیں کیا گیا ہے تاہم اس معاملہ میں پیش رفت کافی سست رہی ہے۔ ایک محقق نے یہ پتہ لگایا کہ سرمائے کی قلیل حرکات سود سے متاثر نہیں ہوتیں دوسرے کا کہنا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ کسی تحقیق میں ریاستہائے متحدہ سے باہر جانے والے قلیل مدتی سرمائے پر سب سے زیادہ اثر اس غیر ملکی تجارت میں تبدیلیوں کا پایا گیا ہے جس کے لیے ضروری رقم قلیل مدتی بہاؤ سے فراہم کی جاتی ہے۔ اس بارے میں اختلاف رائے ہے کہ سٹہ بازی کا

سب سے اچھا بدل کیا ہو سکتا ہے۔ یا کوئی اسٹاک تطبیق کا ماڈل (جس میں سود کی شرحیں بدلنے پر املاک کی فہرست میں تبدیلی کی جاتی ہے) کسی ایسے ماڈل سے بہتر ہے یا بدتر جس کا انحصار سرمائی حرکات پر ہوتا ہے۔ کیا ہم سرمائے کو سود کی شرح میں اختلافات سے منسلک کریں یا ان اختلافات میں ہونے والی تبدیلیوں سے۔؟ ایک کے بعد دوسرے مصنف پہلے والے ماہرین معاشیات کے حسابی ماڈلوں پر متعصب تخمینے دینے کا الزام لگاتے ہیں لیکن اس میدان میں سربستہ رازوں کو کھولنے کے لیے جو بھی لگاتار کوششیں کی جا رہی ہیں ان سے بہت معمولی نوعیت ربطی ثابتے حاصل ہوئے ہیں۔

سائنس میں ترقی کی یہی راہ ہے۔ اختلاف آرا، اتنا گہرا ہے کہ ابھی اس مضمون کو بین الاقوامی معیشت کے میدان میں منتقل کرنے کی بجائے مزید تحقیقات کے لیے حسابی ماہرین معاشیات کے ہاتھوں میں ہی رہنے دینا چاہیے۔ تاہم طویل (لیکن بہت زیادہ طویل نہیں) مدت میں درسی کتاب کی سطح پر اعداد و شمار پر مبنی کام اور منطقی کام دونوں کو باہم ملا کر پیش کیا جانا چاہیے۔

خلاصہ:

قلیل مدتی سرمائی حرکات وہ کہلاتی ہیں جو ایک سال سے کم مدت میں واجب الادا کاغذات کی صورت اختیار کرتی ہیں۔ وہ سونے کا مقام لے سکتی ہیں یا سونے کے انتقال کا سبب بن سکتی ہیں۔ جب وہ سونے کا مقام لیتی ہیں تو زر کی رسد پر ان کے ابتدائی اثرات ویسے ہی ہوتے ہیں (جیسے سونے کی حرکات کے) لیکن ثانوی اثرات بھی ویسے ہی ہوں اس کا امکان زیادہ نہیں ہوتا۔ قلیل مدتی سرمائی حرکات استحکام کش ہونے کی صورت میں ان کی وجہ سے سونے کی حرکات رونما ہوتی ہیں۔

سرمائے کی قلیل مدتی حرکات سے عہدہ برا ہونے کے لیے بہت سے طریقوں کا استعمال کیا گیا ہے یا تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ استحکام بخش سٹہ بازی کے عرصے میں ان حرکات پر سود کی قلیل مدتی شرحوں میں تبدیلی کر کے موثر طور پر قابو پایا جا سکتا ہے استحکام کش حرکات ہوں لیکن اُن کے زری نیز بینک کاری اثرات پیدا نہ ہو سکیں اس کام کے لیے استحکامی فنڈ اور سونے کو بے اثر و بے ثمر بنانے کے طریقے ایجاد کیے گئے ہیں۔ مستقبل کے مبادلہ مرکزی بینک بہت عرصے سے لین دین کر رہے ہیں اب اس کا استعمال زیادہ موثر ہتھیار کی صورت میں سامنے آنے لگا ہے۔ مبادلہ کنٹرول جسے کبھی ان حرکات کو دبانے کے لیے وضع کیا گیا تھا عملی طور پر اس کا استعمال کرنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

ابھی تک قلیل مدتی سرمائی حرکات کے نظریہ کی معاشیاتی حسابی جانچ کی کوششیں بار آور ثابت

نہیں ہوتی ہیں۔

مطالعہ کے لیے تجاویز:

تحقیقی رسائل وغیرہ:

دیکھیں C. Iversen, Aspects of the Theory of Capital Movements
(Copenhagen ; Ejnar Munksgaards Forlag 1935) Xiii, iii, iii خاص طور پر دیکھیں

Bloomfield, Capital Imports and the American Balance of Payments, 1934 - 39 (Chicago, The University of Chicago Press 1950)

C.P. Kindleberger, International Short-Term, خاص طور پر ابواب v ,ii اور iii اور Viii,
Capital Movements (New York ; Columbia University Press 1937 reprinted Agustus M. Kelley Publishers 1966).

N.F. Hall, The Exchange . مبادل مساواتی کھاتے کے طریقۂ کار کے تفصیلی بیان کے لیے دیکھیں
Equalization Account (London ; Macmillan & Co. Ltd. 1935)

سٹہ بازی اور مستقبل کے مبادلہ پر بحث اس باب سے نکل کر باب 23 اور ضمیمہ H کی دنیا میں جاتی
H. Grubel, Forward Exchange, speculation and the ہے اس بحث کے لیے دیکھیں
International Flow of Capital (stanford Calif ; Stanford University Press 1966) and William H. Branson " The Capital Account in the United States Balance of Payments" an M.I.T. thesis of 1967.

نکات

Currency and Credit (London ; Longmans کی کتاب R. G. Hawtrey
Green & Co., 1919) میں قیمت کی سطح اور میزانِ تجارت پر سود کی قلیل مدتی شرحوں کے اثر پر بحث
ملتی ہے۔ سسٹم مذکورہ طور پر کام نہیں کرتا اس کا ثبوت W. E. Beach نے پیش کیا ہے دیکھیں ان کی
تصنیف British International Gold Movements and Banking Policy 1881 -
1913 (Cambridge ; Mass ; Harvard University Press, 1935).

زر کی رسد اور میزانِ ادائیگی میں ہونے والی تبدیلیوں کے مقابلہ کے لیے دیکھیں: Robert Triffin

Money Maze (New Haven, Conn : Yale University Press ضمیمہ ; The [illegible] 1963).

مستقبل کے مبادلہ بازار میں ریاستہائے متحدہ کے سرکاری اقدام کی تفاصیل نیویارک فیڈرل ریزرو بینک کے ماہانہ رسالے کے متعدد شماروں میں ملتی ہیں۔

کناڈائی شرح مبادلہ میں تغیرات کے جواب میں قلیل مدتی سرمائے کی حرکت کے بارے میں رھومبرگ نے جو انکشافات کیے ہیں ان کے لیے حوالے کے طور پر دیکھیں R.R. Rhomberg "Canadian Foreign Exchange Market", SP, April 1960.

قلیل مدتی سرمائی حرکات پر حسابی معاشیات کے کام پر بحث کے لیے دیکھیں J.L. Stein, "International Short-term Capital Movements", AER, March 1965

انھوں نے Bell اور Kenen کے جس کام کا حوالہ دیا ہے اس کے نیز Stein پر تنقید اور ان کے جواب کے لیے دیکھیں AER, June 1967.

باب 20 طویل مدت والا تمسکاتی سرمایہ

طویل مدتی قرض :

موجودہ اور اگلے باب میں قومی معیشتوں کے بیچ متحرک طویل مدتی سرمائے کی بہت سی اشکال میں سے چند پر بحث کی گئی ہے۔ زیرِ نظر باب میں زیادہ تر قرض کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اگلے باب میں کمپنی کے حصوں یا مالکانہ سرمایہ پر بحث کی گئی ہے یہ سرمایہ کمپنی کے انتظام پر کنٹرول عطا کرتا ہے۔ ان اقسام کے بیچ سرمایہ حرکات کا ایک اور اہم ذریعہ ہے یعنی کمپنیوں کے موجودہ حصص کی وساطت سے سرمائے کی وہ حرکات جن کے ساتھ کنٹرول مشکل نہیں ہوتا۔ ہم نے اُن سرمائی حرکات کو نظر انداز کر دیا ہے۔ جنگوں کے بیچ والے عرصہ میں نیو یارک اسٹاک مارکٹ کی جانب یورپی سرمائے کی ایک اہم حرکت دیکھنے میں آئی۔ اس کا زور 1929ء کے بعد کم نہ ہوا بلکہ دوسری جنگ کے بعد یورپ میں معاشی بحالی کے آغاز کے بعد بھی جاری رہا۔ علاوہ ازیں آخر الذکر واقعہ کی وجہ سے سرمائے کا ایک الٹا بہاؤ شروع ہو گیا۔ یورپ (اور جاپان) کے حصص میں ریاستہائے متحدہ کا نجی سرمایہ نجی سودوں اور باہمی سرمایہ کاری فنڈوں کے ذریعہ آنے لگا۔ کمپنی کے حصوں میں ہم اس لین دین کو نظر انداز کرتے ہیں۔ اس باب میں قرض اور اگلے میں براہِ راست سرمایہ کاری کے بارے میں ہمیں جو کچھ کہنا ہے وہی سب کچھ بڑی حد تک اس لین دین پر بھی لاگو ہوگا۔

لمبے عرصے کے قرض دینے کی روایتی شکل بونڈ ہے۔ 1914ء تک پورے ہونے والے 100 سال کے عرصے میں دنیا کے مالیاتی بازاروں پر اسٹرلنگ بونڈ چھایا رہا۔ 1919ء سے 1930ء تک کے عرصے میں نیو یارک بونڈ مارکٹ نے وہی رول ادا کیا جو لندن کا بازار پہلے ادا کرتا رہا تھا۔ لیکن تبدیلی کا یہ وقفہ مختصر رہا۔ بہت زیادہ قرضوں کا دیا جانا، بین الاقوامی عدم توازن، کساد بازاری، برآمدی بازاروں کا زوال،

[illegible]

کے بونڈوں کے علاوہ جملہ بونڈوں سے منحرف کر دیا۔ درحقیقت کناڈا کے بونڈوں کو کبھی بھی غیر ملکی بونڈ تصور نہیں کیا گیا۔ علاوہ ازیں چند مستثنیات کو چھوڑ کر جن میں غالباً بتدریج اضافہ ہو رہا تھا قرض لینے والے ایک غیر یقینی دنیا میں مقررہ ذمہ داریوں کو پسند کرنے سے گریز کرنے لگے تھے، غیر ملکی بونڈ کے برے دن آگئے تھے۔

دوسری عالمی جنگ کے کافی بعد جب یورپ کی کرنسیوں کی بدل پذیری بحال ہوئی تو نیویارک کے بونڈ بازار میں نئی زندگی پیدا ہوئی۔ یورپ کے سرمائی بازار... مختلف زمروں میں بٹ گئے تھے۔ ان بازاروں نے جہاں سود کی شرحیں کم تھیں جیسے سوئس اور ڈچ بانڈوں کے اصرار کو نسبتاً چھوٹی رقوم تک محدود کر دیا۔ دوسرے بازاروں میں جہاں بڑی رقموں کا لین دین ہوتا تھا سود کی شرحیں اونچی تھیں۔ نیویارک کے طویل مدتی بازار نے بیرونی اجرار کے خلاف اپنے جذبہ پر دھیرے دھیرے قابو پالیا اور نہ صرف کناڈا اور اسرائیل کو بونڈوں کے نئے اجرار کا کام بتدریج شروع کر دیا بلکہ یورپ، ڈومینین، اور جاپانی سرمایہ کاروں کو بھی بونڈ فروخت کرنے لگا۔ (اسرائیل کو جاری کردہ بونڈوں میں بخشش کا بڑا عنصر شامل تھا) خالص اجرار غیر خالص سے کم تھا کیونکہ یورپی سرمایہ کاروں نے جو نیویارک بازار کی سیالیت کے عرض سے متاثر تھے یورپ کے قرضداروں کے جاری کردہ ڈالر بونڈ خریدے حالانکہ نیویارک سے جاری کیے جانے والے بونڈوں پر شرح سود اس سے کم تھی جو یورپ میں ادا کرنی پڑتی تھی۔ بازار کا پھیلاؤ اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ ریاستہائے متحدہ کے میزان ادائیگی کی کمزوری کے پیش نظر حکام خزانہ نے جولائی 1963 میں نئے تمسکات کے اجرار پر ایک امتناعی تریف یعنی سود مساوی کرنے والا ٹیکس IET لاگو کر دیا۔ اس پر بازار یورپ میں منتقل ہو گیا جہاں نام نہاد ڈالر بونڈ یعنی وہ بونڈ جن کی قیمت ڈالر میں دکھائی جاتی تھی ریاستہائے متحدہ سے باہر قرضدار جاری کرتے اور قرضخواہ انھیں خریدتے۔ یوں تو یہ بازار اس ڈالر بونڈ بازار سے چھوٹا تھا جو پہلے نیویارک میں تھا اور جس کے پیچھے ریاستہائے متحدہ کے سرمایہ کاروں کی طاقت کارفرما تھی تاہم آخر میں اس بازار کے اندر فی سال نئے اجرار کی رقم ایک ملین ڈالر تک جا پہنچی تھی۔ یورپ کے تمام بیرونی بونڈ بازاروں ـــــ قومی اور بین الاقوامی دونوں ـــــ کے مقابلہ میں یہ رقم کہیں زیادہ تھی۔

آج بین الاقوامی قرضوں میں بیرونی بونڈ کی نمایاں حیثیت باقی نہیں رہی ہے تاہم اس کے مطالعہ کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کا طرزِ عمل لمبے عرصے کے قرض کی دیگر اشکال ـــــ مثلاً بینکوں کے مدتی قرضوں اور سرکاری طور پر دیے جانے والے قرض ـــــ سے مختلف ہوتا ہے کیونکہ غیر ملکی بونڈ نجی سرمایہ کاروں کے ہاتھوں فروخت کیے جاتے ہیں۔ قرض لینے والا سرکاری ہو سکتا ہے۔

مگر قرض دینے والا سرکاری نہیں ہوتا۔ سرمایہ کار بینک ان بونڈوں کی بکری کی ضمانت لیتے ہیں جنھیں سرمائی بازار کے ذریعہ نجی اداروں یا انفرادی سرمایہ کاروں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور ان اداروں یا سرمایہ کاروں کے لیے اصل رقم کا تحفظ اور آمدنی کے ملتے رہنے کا یقین ہی اصل چیز ہوتی ہے۔ قرض دینے والوں کی نجی حیثیت کی وجہ سے بونڈوں کا طرزِ عمل جداگانہ صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس سے قرض لینے اور قرض دینے والے ملکوں میں آمدنی کی سطح اور میزانِ ادائگی دونوں متاثر ہوتے ہیں۔

1928 یا 1929 کے بعد بونڈ کو گہن لگ جانے سے بیرونی قرضوں کی نئی صورتیں ظہور میں آئیں۔ ان صورتوں میں کچھ نجی بینک کاری، کچھ لمبے عرصے کے سرکاری قرض اور کچھ سرکاری بینک کاری کے طریقے شامل تھے۔ 1930 سے 1950 تک بنکوں کے ذریعہ دیے جانے والے لمبے عرصے کے نجی قرض سنہری کناری کے تمسک مثلاً سونے کو رہن رکھ کر ہی دیے جاتے تھے یا ایسے قرضوں تک محدود تھے جن کی ضمانت سرکار دیتی تھی۔ 1950 کی دہائی میں بین الاقوامی تجارت کے لیے درمیانی مدت کے قرض دینے میں بینک پھر سے دلچسپی لینے لگے۔ اس کی وجہ کچھ تو 1919 کا وہ ایج ایکٹ تھا جس کا استعمال بہت کم کیا گیا اور کچھ برآمد۔ درآمد بینک کے قرضوں نیز گارنٹی کے پروگرام سے ملنے والی امداد تھی۔ IET کے بعد یورپ کے قرض لینے والے ریاستہائے متحدہ سے لمبے عرصے کے بینک قرضوں کی جانب راغب ہو گئے۔ یہ سلسلہ اس وقت ختم ہوا جب IET ایں گور ترمیم کے ذریعہ بینک سے ایک سال کی مدت سے زیادہ کے قرضوں پر بھی ٹیکس لیا جانے لگا۔ قرض دینے کے سرکاری کام کو جزوی طور پر ایسے بنک کاری اداروں کے ذریعہ انجام دیا جاتا رہا جیسے ریاستہائے متحدہ میں برآمد۔ درآمد بینک اور 1946 سے یہ کام بڑی حد تک بین الاقوامی تعمیر و ترقی کے بینک (IBRD)، بین امریکی ترقیاتی بینک، یورپی سرمایہ کاری بینک، اور ایشیائی ترقیاتی بینک جیسے اداروں نے اپنے ذمے لیا۔ سرکاری قرضوں کا دیگر کام ایسے اداروں کے ذریعہ کیا جاتا ہے جنھیں اسی مقصد کے لیے خاص طور پر تشکیل کیا گیا ہے۔ ان میں قرض۔ پٹہ انتظامیہ، معاشی تعاون کا انتظامیہ، باہمی تحفظ ایجنسی، بین اقوامی تعاون کی ایجنسی اور بین الاقوامی ترقیاتی ایجنسی جیسے ادارے شامل ہیں۔ یا پھر جہازوں کو ٹھکانے لگانے یا فالتو اشیاء کو ختم کرنے کی طرح کے مقاصد کے لیے قرضوں کا خصوصی انتظام کیا جاتا ہے۔

پس ہم اپنی بحث کو پختہ بازار کے ذریعہ دیے جانے والے نجی قرضوں نیز بہت سی شکلوں میں دیے جانے والے سرکاری طویل مدتی قرضوں تک ہی محدود رکھیں گے۔ بینک کے قرضوں کے ذریعہ رونما ہونے والے سرمائی بہاؤ کو اس بنیاد پر نظر انداز کیا جا سکتا ہے کہ اس کا طرزِ عمل زیادہ تر انھیں دونوں اصولوں سے

کسی ایک کے مطابق ہوتا ہے۔

بیرونی اور گھریلو سرمایہ کاری :

غیر ملکی سرمایہ کاری اس لحاظ سے گھریلو سرمایہ کاری سے مشابہ ہے کہ اس سے سرمایہ سازی کے دوران آمدنی اور روزگار میں اضافہ ہوتا ہے اور سرمائے کی تشکیل مکمل ہو جانے کے بعد زیادہ آمدنی کے لیے بالآخر صلاحیت پیداوار بڑھ جاتی ہے۔ پہلے معاملہ میں فاضل برآمدات کے ذریعہ حقیقی سرمائے کے باہر منتقل ہونے سے گھریلو آمدنیوں میں مضروب فیہ اضافہ ہوتا ہے جس سے گھریلو روزگار میں توسیع ہوتی ہے دوسرے معاملے میں بیرونی سرمایہ کاری سے آمدنی میں ہونے والا اضافہ اس اضافہ سے قدرے مختلف ہوتا ہے۔ اضافہ قومی آمدنی میں ہوتا ہے جغرافیائی پیداوار میں نہیں کیونکہ قومی سرمایہ ملک سے باہر لگا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جب کوئی ملک باہر سے قرض لیتا ہے تو نئی صلاحیت پیداوار کے اضافے کی وجہ سے جغرافیائی پیداوار بڑھ جاتی ہے لیکن قومی آمدنی میں اس اضافے کی مالیت سے کم اضافہ ہوتا ہے کیونکہ پیداوار میں ہونے والے اضافہ کا ایک حصہ بیرونی آمدنی کی شکل میں ان عوامل کو چلا جاتا ہے جو غیر ملکیوں کی ملکیت ہوتے ہیں۔

بلاشبہ تناسب عوامل پر دونوں صورتوں میں یقیناً مختلف اثر رونما ہوتا ہے۔ بیرونی سرمایہ کاری سے گھریلو تناسب عوامل غیر متغیر رہتا ہے اور سرمایہ۔ محنت تناسب میں اس اضافہ کی روک تھام ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے سرمایہ ملک میں لگائے جانے کی صورت میں محنت کی منتظم لاگت زیادہ اور سرمائے کی کم ہو جاتی۔ اسی بنیاد پر یہ توقع کی جانی چاہیے کہ محنت بیرونی قرض دیئے جانے کی مخالفت کرے گی بالکل اسی طرح جیسے وہ ماضی میں ان واقعات پر ٹیرف کی حمایت کرتی تھی جن میں زیادہ محنت کا استعمال ہوتا تھا۔ حال کے برسوں میں محنت نے اس تشویش کا اظہار کرنا شروع کر دیا ہے لیکن اس تشویش کا اظہار فی الحال براہ راست سرمایہ کاری کے میدان میں کیا جا رہا ہے جہاں بیرونی سرمایہ کاری اور مقامی روزگار کے بیچ تعلق واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔

ایک پرانا امتیاز ہے جسے کینز نے طبعی املاک کے جانے و ترویج کی بنیاد پر وضع کیا تھا۔ نجی سرمایہ کار چاہے ملک میں رقم لگائے یا ملک سے باہر خطرات مول لیتا ہے۔ اگر وہ فیصلہ کرنے میں غلطی کرتا ہے تو اس کی سرمایہ کاری بیکار ثابت ہوتی ہے تو سرمایہ کاری گھریلو ہونے کی صورت میں طبعی املاک کم از کم قومی حدود میں تو رہتی ہیں لیکن بیرونی سرمایہ کاری میں وہ غیر ملکیوں کو مل جاتی ہیں۔ یہ امتیاز اس صورت میں مناسب ہوگا اگر اس نے

اس اندیشہ کا اندازہ لگانے میں غلطی کی ہے کہ سرکار اس کی املاک کو بغیر کسی معقول معاوضہ کے ضبط کرلے گی۔ لیکن یہ بات معاشی خطرات کے زمرے میں شامل نہیں کی جا سکتی۔ کوئی بیکار فیکٹری یا رہا ہے بہر حال بیکار ہے خواہ وہ ملک کے اندر ہو یا باہر اور اگر کسی املاک کے لیے کچھ تھوڑی بہت قیمت مل سکتی ہے تو اسے مذکورہ قیمت پر فروخت کیا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں بھی اس امر سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ املاک ملک میں ہے یا ملک سے باہر۔

سرمائی بازاروں کے کامل ہونے کی صورت میں دنیا بھر میں سود کی شرح ایک سی ہوگی۔ لیکن ایسے کامل بازار بے شک دستیاب نہیں ہوتے۔ رقم واپس نہ ملنے اور املاک ضبط کر لیے جانے کے خطرات بہر حال موجود رہتے ہیں ان کے لیے خطرے کے فاضل معاوضہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ فاضل معاوضے ہر ایک ملک کے لیے الگ ہوتے ہیں۔ ان کی ادائیگی کے بغیر سرمایہ ملک کے محفوظ بازار کو چھوڑ کر باہر نہیں جائے گا۔ علاوہ ازیں بیشتر سرمایہ کار اور قرض لینے والے کوتاہ بین ہوتے ہیں یعنی ان کی نظر کا دائرہ سرمایہ لگانے یا قرض لینے دونوں ہی معاملات میں وطن کی حدود سے آگے نہیں بڑھتا۔ (اس بات کا غیر منطقی ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ باہر سرمایہ کاری کرنے اور قرض لینے کے مواقع کے بارے میں معلومات حاصل کرنے پر بہر حال خرچ کرنا پڑتا ہے)

ماہرین معاشیات اس خیال سے کھیلنا پسند کرتے ہیں کہ انتقال سرمایہ سے باہر سود کی شرح کم ہو جانے کی صورت میں کسی ملک کو سرمائے کے باہر جانے پر پابندیاں لگانے سے فائدہ ہوگا۔ قرض دینے کی مثالی صورتِ حال کے تحت سرمائے کی مقامی قیمت غیر ملکی سرمایہ پر آمدنی کی مختتم شرح کے برابر ہونی چاہیے اوسط شرح کے برابر نہیں اگر ان دونوں شرحوں میں فرق ہو۔ اگر عالمی سرمائی بازار میں قرض دینے والا ملک قیمت کا فیصلہ کرنے والا بھی ہو تو یہ فرق مثال کے طور پر پیدا ہو جائے گا۔ اس کو ٹھیک مثالی ٹریف کی مانند سمجھنا چاہیے۔ مثالی ٹریف کی حکمت عملی کے تحت ملک کے اندر اضافی قیمتوں کو باہر کی تبدیلی شکل کی (اوسط نہیں) مختتم شرحوں کے برابر کرنے کے لیے برآمدات اور / یا درآمدات کو محدود کرنا مفید رہے گا۔ بشرطیکہ ملک کی تجارت عالمی قیمتوں پر اثر انداز ہوتی ہو۔ ایسا تھوڑا بہت ادبی مواد بھی موجود ہے جس میں مثالی ٹریف کو غیر ملکی قرض دینے کی مثالی سطح کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔ اس ادب سے عملی موزونیت کی نسبت نظریاتی حسن میں زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ نہ صرف مالک سرمائی میدان میں عالمی بازاروں کے اندر پڑوسی کو فقیر بنا دینے والی مداخلت کرنے سے ہچکچاتے ہیں بلکہ طویل مدتی معاہدوں کا رواج نیز ساتھ ہی ان کے لگاتار ہوتے رہنے کے امکان کا نہ ہونا واجب الادا اجرت سے ہونے والی آمدنی پر آج کی قیمتوں کے اثر کو

غیراہم بنادیتے ہیں۔

قرض دینے کے اداری نمونے :

بین الاقوامی سرمائی بازار کی غیرکامل صورت حال ممکن ہے 1ET سے قبل نقل وحمل اور رسل ورسائل کے بہتر انتظامات کی وجہ سے سدھر رہی ہو مگر اس بازار کا ادھوراپن آج بھی کافی نمایاں نہیں۔ سرمایہ کاروں کے واضح طور پر طے شدہ رجحانات سرمایہ کار بنک کاری اداروں کے طریقۂ کار اور کنٹرول سب نے مل کر سرمائے کی حرکات کو گھسی پٹی راہوں سے نہیں ہٹنے دیا ہے۔ آبی مثال کی طرح سرمایہ ان بڑے دریاؤں کی مانند نہیں بہتا جو ایک وسیع علاقے پر اپنی سطح کو مساوی رکھتے ہیں بلکہ آبپاشی کی اُن لہروں اور کھائیوں کی طرح چلتا ہے جن کے پانی سے بعض علاقے سیراب ہوتے ہیں اور دوسرے علاقے محروم رہ جاتے ہیں خواہ وہ نسبتاً نشیب ہی میں کیوں نہ ہوں اور انھیں زیادہ پانی درکار ہو۔ ایسے حالات میں سرمائی حرکات کو سمجھنے کے لیے تاریخ داں کے طریقۂ کار کی ضرورت پڑتی ہے جو اس امر کی نشاندہی کر سکتا ہے کہ سرمائے کے بہاؤ کے لیے نالیاں کہاں کھودی گئی تھیں اس میدان میں معاشی کا تجزیہ سود مند ثابت نہیں ہوتا۔ وہ تو صرف اتنا بتا سکتا ہے کہ جداگانہ بازاروں میں سرمائے کی مانگ اور رسد کی صورت حال کیا ہے۔ وہ ایک دوسرے سے کیسے اور کس حد تک منسلک ہیں اس پر معاشی روشنی نہیں ڈالتا۔

تقریباً 1825 سے 1850 تک برطانیہ سے بیرونی قرضے زیادہ تر براعظم کے قرض لینے والوں کو دیے جاتے تھے۔ سب سے زیادہ رقوم ریلوں اور ان سے متعلق صنعتوں کے لیے مانگی جاتی۔۔۔ 1848 کے انقلابوں کے بعد بہر حال برطانوی سرمایہ کار یورپ کے قرضوں سے روگردانی کر کے برطانوی سلطنت، ریاستہائے متحدہ اور بتدریج مشرقِ وسطیٰ نیز لاطینی امریکہ کو قرضے دینے لگے۔ زور اب بھی ریلوں کی تعمیر پر رہا۔ حالانکہ نوآبادیاتی اجرا بورسٹی سرمایہ کاری کے زمرے میں آتے تھے یعنی انھیں وہ سرمایہ کار لے سکتے تھے جو نہایت محفوظ تمسکات میں رقم لگانا چاہتے ہوں اور اس سے نوآبادیاتی سرکاروں کو اپنے بونڈ انھیں شرحوں پر فروخت کرنے میں مدد ملتی تھی جو برطانوی سرکار کے جاری کردہ بونڈوں کے تقریباً برابر ہوتی تھی۔ سرمایہ ان ملکوں کا رخ کرتا تھا جہاں تعمیر و ترقی کے کام کیے جا رہے ہوں۔ مثال کے طور پر ارجن ٹائینا کو قرضوں کی شروعات 1880 کی دہائی میں بڑی سست رفتاری کے ساتھ ہوئی اور 1885 سے یہ ایک دم بڑھی تیز 1890 میں بارنگ برادرز کی تباہی تک جاری رہی۔

برطانوی امداد سے اپنی ریلوں کو چالو کر لینے کے بعد فرانس نے اپنی دیگر صنعتوں کے لیے سرمائی اجرا وضع

کرنے کے بجائے قرض دینے کے لیے یورپ کے ملکوں کا رخ کیا زیادہ تر قرضے ریلوں کی تعمیر اور صنعتی بینکوں کے قیام کے لیے دیے گئے۔ فرانسیسی رقم لگانے والوں اور انجینئروں نے جرمنی، اٹلی، اسپین اور آسٹریا کی تعمیر و ترقی میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ فرانسیسی بینکوں کو ملنے والے اونچے کمیشن اور بیرونی قرض لینے والوں کے پریس کو رشوت دے کر خراب کردینے کی وجہ سے بے شمار زر فریب اجرار بازار میں آنے لگے۔ مثال کے طور پر زار حکومت پیرس میں ان قرضوں کو جاری کرنے میں کامیاب ہوگئی جو وہ لندن یا برلن میں فروخت یا واپس کرنے میں ناکام رہی تھی۔

یہ سوال آج بھی جواب کا محتاج ہے کہ برطانیہ اور فرانس نے قرضوں کی شکل میں جو رقوم دوسرے ممالک کو دیں کیا ان کا ملک کے اندر نفع بخش استعمال نہیں کیا جاسکتا تھا۔ لندن شہر اور پیرس کے مقام پر ان ممالک میں یہ الزام لگایا گیا کہ انھوں نے ملک کے اندر قرض دینے سے انکار کرکے باہر ایسے مقاصد کے لیے قرض دیے جن کی معاشی افادیت بہت کم تھی اور اس طرح پہلی عالمی جنگ سے قبل کے دور میں برطانیہ اور فرانس میں ترقی کی رفتار کو سست رکھا۔

دو ں جنگوں کے درمیانی عرصے میں از سر نو تعمیر کے لیے سرمایہ کی ضرورت نے لندن اور پیرس کو بین الاقوامی قرض کے میدان سے باہر کردیا البتہ سلطنت کے ملکوں کو جو دولتِ مشترکہ کی شکل اختیار کرتے جارہے تھے برطانیہ سے قرضوں کا سلسلہ جاری رہا۔ نیویارک نے دنیا کے مالی مرکز کا مقام حاصل کرلیا اور یہاں پر بیرونی بونڈ —— خاص طور پر جرمنی اور لاطینی امریکہ کے —— بدمستی سے جاری کیے گئے۔ بڑے ضمانتی کمیشنوں کی وجہ سے بدعنوانیاں پیدا ہوئیں۔ اس میں نیویارک بینکوں کی سرمایہ کاری شاخوں کی بونڈوں کی اونچے دباؤ والی فروخت بھی شامل تھی حالانکہ کئی بار انھیں قرض لینے والے کی رقم واپس نہ کرنے کی کمزوری کا ذاتی طور پر علم ہوتا تھا۔ نیویارک نے کناڈا کو سرمایہ کاری کی رقم فراہم کرنے کے سلسلے میں بھی لندن کا مقام لے لیا۔ یوں تو ریاستہائے متحدہ کی بیمہ کمپنیوں کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ غیر ملکی بونڈ نہیں خریدتیں تاہم وہ دوسرے ہی سانس میں یہ بات تسلیم کرنے کے لیے تیار رہتی تھیں کہ کناڈا کے بونڈ وہ بلاشبہ خریدتی ہیں۔

1950 کی دہائی کے آخری سالوں میں نیویارک کے بونڈ بازار میں پھر سے زندگی کی لہر آئی اور اس پر IET کے حملے تک جاری رہی۔ اس سے زیادہ تر یورپ کے قرضخواہ، نوآبادیات، اور جاپان (IBRD اور اسرائیل کے علاوہ) فیضیاب ہوئے۔ بیشتر ترقی پذیر ملکوں کو ابھی قرضوں کے لیے اپنی ساکھ کو قائم کرنا تھا۔ میکسیکو ایک ملک تھا جس کو اس میں کامیابی حاصل ہوئی۔ 100 ملین ڈالر سالانہ کی رقم تک کناڈا، کم ترقی یافتہ ملکوں یا جاپان پر IET کا اطلاق نہیں ہوتا تھا۔ تاہم اپنے استثنیٰ کے باوجود 1967 میں میکسیکو نے

نیویارک بازار میں اپنی ساکھ کو قایم رکھنے کی کوشش میں برود۔ ڈالر کے بونڈ بازار میں کہیں زیادہ اونچی سود کی شرحوں پر قرض لینے کا انتخاب کیا۔

سرکاری کنٹرول :

برطانیہ میں نوآبادیاتی قرضوں کو ٹرسٹی سرمایہ کاری کا درجہ دیے جانے کے اثر کا تذکرہ پہلے کیا جاچکا ہے۔ انیسویں صدی میں فرانس کی وزارت خارجہ نے اپنے ساتھیوں کو خود قرضے دینے اور دوسرے ملکوں سے انھیں قرضے لینے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ 1920 کی دہائی میں ریاستہائے متحدہ کے اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے ایلانی زرقرض کو یہ ہدایت جاری کی کردہ دیے جانے والے قرضوں کے بارے میں اطلاع دے تاکہ وہ ایسے قرض پر اعتراض درج کر سکے جو ریاستہائے متحدہ کی خارجی پالیسی کے خلاف جاتا ہو۔ اعتراض کی بنیاد خالص سیاسی تھی اور مجوزہ قرض کی صحت سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ بعد میں جب تمسکات و مبادلہ کا کمیشن قایم ہوگیا تو غیر ملکی قرضخواہوں بشمول غیر ملکی سرکاروں کے لیے قانونی طور پر یہ ضروری ہوگیا کہ وہ نئے قرضوں کے جاری کیے جانے سے پہلے اس کمیشن کے پاس ایک رجسٹریشن بیان داخل کریں جس میں وہ تمام اعداد و شمار تفصیل سے پیش کیے جائیں جن کی روشنی میں قرض کی صحت مندی کا اندازہ لگایا جاسکے۔ درکار تفصیلات میں میزان ادائیگی کے گوشوارے نیز قومی آمدنی سرکاری آمد و خرچ اور دیگر اعداد و شمار شامل ہوتے تھے۔ SEC قرض کی کسی تجویز کی اچھائیوں کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں دیتا تھا اس کا کام تو محض اس کا تعین کرلینا تھا کہ قرضخواہ نے وہ جملہ معلومات فراہم کردی ہیں جو بونڈوں کے خریدار کو ان اچھائیوں کے بارے میں خود فیصلہ کرنے کے قابل بنا سکیں۔

اگر ان کے شہریوں کے معاہداتی حقوق پورا کرنے میں غیر ملکی سرکاریں کوتاہی سے کام لیتی تھیں تو حکومتیں سفارتی سطح پر بھی عرضداشت پیش کرتی تھیں۔ اس واقعہ کو ابھی بہت زیادہ عرصہ نہیں گذرا جب باہر ریاستہائے متحدہ کی جائیداد کی حفاظت کی خاطر ریاستہائے متحدہ کے بحریہ کا استعمال کیا جاتا تھا اور ممالک کو امریکی سرمایہ کاروں کی طرف اپنی ذمہ داریوں کو تسلیم کرنے میں امداد بہم پہنچاتے تھے۔ آج وعدہ پر رقم نہ لوٹائے جانے کے سوالات کو بنیادی طور پر نجی گروہوں — مثلاً ریاستہائے متحدہ میں غیر ملکی بونڈ داروں کی کونسل — کا معاملہ تصور کیا جاتا ہے۔ اپنے کیسوں کو پیش کرنے میں انھیں اپنی حکومتوں سے مدد لینے کا حق ہوتا ہے اور انھیں یہ مدد ملتی بھی ہے۔ یہاں تک کہ برطانیہ میں تو متحدہ سلطنت کی کونسل کو ایک نیم سرکاری ادارہ سمجھا جاتا ہے۔ تاہم سرکار کی اس دلچسپی اور امداد کو "کنٹرول" سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

سرکار بین الاقوامی قرضوں سے دیگر طور پر بھی منسلک رہی ہے۔ مثال کے طور پر 1934 کے جونسن ایکٹ

کے تحت ایسی غیر ملکی حکومتوں کو عوام سے قرض لینا ممنوع قرار دیدیا گیا تھا جنھوں نے ریاستہائے متحدہ کی سرکار کو لیے ہوئے قرض لوٹانے کی ذمہ داریوں کو پورا نہیں کیا تھا۔ یہ ایکٹ ریاستہائے متحدہ میں علیحدگی پسندانہ جذبہ کے عروج پر بنایا گیا تھا دوسری عالمی جنگ کے شروع میں برطانیہ کو قرضے دینے کے لیے اسے ختم کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ برطانیہ کو اس سے بری ان کر ریاستہائے متحدہ اسے قرض دیتا رہا۔ اس کا اطلاق نہ خود امریکی سرکار پر ہوا اور نہ تعمیر نو کی مالیاتی کارپوریشن جیسے اس کے ضمنی اداروں پر۔ اور اگر ایسا ہوتا بھی تب بھی ریاستہائے متحدہ کے پاس دیگر اقوام کو سامان پٹہ پر یا مفت دینے کی گنجائش موجود تھی یہ کام 1941 کے قرض۔ پٹہ ایکٹ کی طرح کے کسی اختیار کے تحت کیا جا سکتا تھا۔ جب تک زرعی قرض ہی نہ دیا جاتا کوئی دشواری مشکل سے ہی پیش آتی۔

پس بیرونی قرضوں کے لین دین کے نجی کام میں سیاسی اسباب کی بنا پر یا ملک کے سرمایہ کاروں کے تحفظ کی خاطر سرکاری کنٹرول کے ذریعہ مداخلت کا استعمال کیا گیا ہے۔ تاہم سرمائی حرکات پر کنٹرول کے نفاذ کا بڑا مقصد میزان ادائیگی کا تحفظ رہا ہے اور اس استعمال کی اہمیت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ IET کا مقصد بھی تھا۔ بہت سے ممالک ٹیکس کی بجائے براہ راست کنٹرول کا استعمال ہی کرتے ہیں۔ لندن میں 1931 میں قائم کردہ سرمائی اجرا کمیٹی اپنے بونڈوں کو لندن میں بیچنے کے لیے غیر ملکی قرضخواہوں کو اجازت دینے یا نہ دینے کا اختیار رکھتی ہے۔ اور اجازت دیے جانے کی صورت میں قرضخواہ کو قطار میں لگنے کے لیے کہا جا سکتا ہے یعنی وہ اپنے بانڈ بیچنے کے لیے نمبر آنے کا انتظار کرے تاکہ ایک ساتھ بہت زیادہ اجراء سے بازار کا دم نہ گھٹنے لگے۔ دھیرے دھیرے برطانیہ کو قرض دینے میں کمی کرنے کی مجبوری کا احساس ہوتا گیا یہاں تک کہ 1966 کے موسم بہار میں اس نے صاف طور پر کہدیا کہ اب وہ زیر تسلط حکومتوں کو قرض دینے سے قاصر ہے اور خاص طور پر آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ جیسے ممالک کو جو لندن میں مستقل طور پر قرضے لینے کا کام کرتے رہے تھے۔ ہم نے باب 18 میں اس جانب اشارہ کیا تھا کہ انتقال سرمایہ کیوں اور کب ناکام رہتا ہے۔ ہم اس مسئلہ کی جانب پھر ابواب 24 اور 25 میں میزانِ ادائیگی پر بحث کے دوران رجوع کریں گے۔ تاہم بحث کے اس مرحلے پر طالب علم کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ میزانِ ادائیگی کے معاملہ میں سرمائی بہاؤ کو کبھی کبھی (غالباً اکثر) ضرورت سے زیادہ سمجھا جاتا ہے اور ان کو براہِ راست یا ٹیکس کے ذریعہ کم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

استحکامی قرضے :

سرکاری (اور بینک کاری) قرضوں کی دو عام اقسام میں امتیاز کیا جا سکتا ہے۔ استحکامی قرض اور وہ قرض جو

دینے والے کی مخصوص برآمدات یا لینے والے کی درآمدات کے لیے رقم مہیا کرنے کے لیے دیا جاتا ہے۔ دوسرے امتیازات کی مانند اس فرق کو بھی سختی سے قائم نہیں رکھا جا سکتا۔ مثال کے طور پر 1946ء کا ½ 3 ملین ڈالر کا برطانوی قرضہ بنیادی طور پر استحکامی قرض کے ارادے سے دیا گیا تھا کہ برطانوی حکومت ڈالر میں پونڈ کی بدل پذیری کو قائم رکھ سکے لیکن یہ بات تسلیم کرنی پڑی کہ بدل پذیری کا حصول سال بھر سے پہلے ناممکن ہے اور اس عرصے میں قرض کا کم از کم کچھ حصہ ان درآمدات کی ادائیگی کے لیے استعمال کرنا پڑے گا جن کی برطانیہ کی از سر نو تعمیر کے لیے اشد ضرورت ہے۔

خالص استحکامی قرضے ـــــ خاص طور پر 1920ء کی دہائی میں ـــــ زر مبادلہ کے مندروز میں کمیوں کو پورا کرنے کے لیے دیے گئے تھے۔ ان میں سے بہت سے قرضے حکومتوں نے دیے تھے لیکن بعض صورتوں میں خاص طور پر ڈیوس اور ینگ قرضوں کے معاملہ میں امریکی قرضے نجی بینکوں یا عوام نے فراہم کیے تھے۔ پہلی عالمی جنگ میں برطانوی حکومت نے جے۔ پی مورگن اور کمپنی سے نیویارک بازار میں پونڈ اسٹرلنگ کو مستحکم رکھنے کے لیے اپنے ایجنٹ کے طور پر کام کرنے کے لیے کہا تھا۔ یعنی جب کبھی شرح برطانوی اختیاریہ سے طے شدہ شرح سے کم ہوتی پونڈ کو ڈالر سے خریدتی تھی۔ بعد میں اسے بنک کاری ادارس نے مذکورہ کام کے لیے برطانوی حکومت کو ضروری رقوم فراہم کیں۔

استحکامی قرضوں سے کافی مشابہ وہ نوآبادیاتی قرضے ہیں جن کے معاہدے برطانیہ میں کیے گئے۔ نوآبادی کی کرنسی کی پشت پناہی کے لیے ان قرضوں سے ملنے والی رقوم کو لندن میں بطور جمع رکھا گیا (غالباً سابق نوآبادی کہنا زیادہ مناسب رہے گا کیونکہ اب سب ہی نوآبادیاں آزاد ہو چکی ہیں)۔ 1950ء کی دہائی کے شروع میں اسٹرلنگ علاقہ کے نظام پر بڑا بحث ومباحثہ رہا۔ اس کا مرکز یہ نکتہ تھا کہ نوآبادیوں کو اپنے سے قرض لینے پر مجبور کر کے برطانیہ جیسا مالدار ملک ان کا استحصال کر رہا ہے۔ ان میں سے بہت سی نوآبادیوں میں کرنسی کا نظام ایسا تھا جس میں مقامی زر کی 100 فیصد پشت پناہی غیر ملکی مبادلے سے کی جاتی تھی اور یہ زر مبادلہ لندن میں جمع کردہ اسٹرلنگ ہوتا تھا۔ اس معاملہ میں کچھ غم و غصہ کا اظہار بھی کیا گیا کہ اپنے زر کی رسد میں خاطر خواہ توسیع کرنے کے لیے ان ملکوں کو فاضل برآمدات پیدا کر کے اسے برطانیہ کو ادھار دینا پڑتا تھا۔

نوآبادیاتی زری نظام پر پوری بحث ہمیں زیر نظر میدان سے بہت دور لے جائے گی [1] لیکن یہ نکتہ بیان

---

[1] ان دور افتادہ میدانوں میں ہم یہ نکتہ اٹھائیں گے کہ کسی کمل معیشت کے لیے جس کی برآمدات تغیر پذیر ہوتی ہیں 100 فیصد زرندو کا نظام اس وقت تک مفید ثابت ہوتا ہے جب تک 100 فیصد کا قاعدہ حاشیہ پہ لاگو کیا جائے اوسط پر نہیں (لواق ص ہ)

کرنے کی ضرورت ہے کہ مذکورہ نظام میں زر کی رسد کے لیے محنت مدد کار نہیں ہوتی۔ اس سے قرض لیا جا سکتا ہے۔ وہ نوآبادی یا آزاد حکومتیں جو اسٹرلنگ کے نظام سے منسلک ہیں طویل مدت کے قرض لے سکتی ہیں۔ حاصل کردہ رقوم کو جمع کی شکل میں رکھ سکتی ہیں اور اسٹرلنگ کی اس جمع کی بنیاد پر مقامی کرنسی جاری کر سکتی ہیں۔ لاگت صرف لمبے اور کم عرصے کی شرحوں کا فرق ہوگا۔ وسائل کی شکل میں حقیقی لاگت (مبادلہ زر کی آمدنی کو نکال کر) نہیں آئے گی۔ شرحوں کے بیچ فرق کی شکل میں جو لاگت آئے گی اس کے بدلے میں فائدہ بھی حاصل ہوگا یعنی مقامی کرنسی کا مالک چاہے تو اسے درآمدات میں بدل سکتا ہے۔ یہ نتیجہ توقعات کے خلاف ہے لیکن مثبت حسابی امکان رکھتا ہے —— درآمدات کی ادائیگی کے لیے بیرونی زرِ مبادلہ دستیاب ہے۔ نوآبادی نظام زر میں شامل نوآبادیاں کم ادھار دیتی ہیں اور زیادہ قرضے لیتی ہیں۔ اور زیادہ ادھار دینا اور کم قرض لینا ہے۔ نظام سے باہر کے ملک کے لیے لندن بنک کاری کے فرائض انجام دیتا ہے۔ یہ استحصال نہیں ہے۔

استحکامی قرضے اور درآمدات کے لیے لی جانے والی رقوم ان قرضوں سے مختلف ہوتے ہیں جو قوت خرید کے لیے عام شکل میں لیے جاتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ آخر الذکر کی تلاش بیرونی قوت خرید پر اختیار کے لیے کی جاتی ہے اور ان کے سلسلے میں انتقال کا کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔ پورے طور پر کامیاب استحکامی قرض کو ممکن ہے کبھی بھی استعمال نہ کرنا پڑے۔ اس کی موجودگی سے ہی سٹہ بازوں کو کرنسی کی مضبوطی کا یقین ہو جاتا ہے اس طرح سٹہ بازی ہی استحکام کا سبب بن جاتی ہے۔ ایسے حالات میں لمبے عرصے کے استحکامی قرضہ کی رقم کے برابر قلیل مدتی قرض لے لیا جاتا ہے کیونکہ قرض دینے والے ملک میں رقوم جمع کھاتے میں بغیر کسی استعمال کے پڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ کوئی رقم ایک سے دوسرے ہاتھ میں نہیں جاتی اور کوئی حقیقی انتقال نہیں ہوتا۔

کبھی کبھی نفسیاتی تاثر پیدا کرنے کے لیے استحکامی قرض سونے کی شکل میں دے دیا جاتا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد بار بار یہ تجویز پیش کی گئی کہ ایک بلین ڈالر یا تقریباً اتنی رقم سونے کی شکل میں بنک آف فرانس کو ادھار دی جائے اور اس سونے کو ایک ٹرک میں رکھ کر شہر شہر اور گاؤں گاؤں گھمایا جائے تاکہ کسانوں کو کرنسی کی طاقت کا یقین دلایا جا سکے اور انھیں اپنے لوئس دی اور، نپولین، اور انگل (یہ سب سونے کے سکے ہیں) ذخائر میں سے نکالنے پر آمادہ کیا جا سکے۔ یہ تجویز بلاشبہ جزوی یا کلی طور پر طنز میں ڈوبی ہوئی تھی لیکن اس سے یہ پتہ

(بقیہ حاشیہ صـ) بالفاظ دیگر کسی پورے طور پر کھلی معیشت میں یہ بات نہایت کارگر ثابت ہوتی ہے کہ زرِ روز میں جتنی کمی واقع ہو زر کی رسد کو اتنی ہی رقم سے کم ہونے دیا جائے۔ لیکن غیر ملکی زرِ مبادلہ کے ذریعہ تجربہ کے ڈالروں کی —— جو کل کا نصف یا ۶۰ فیصد ہوتے ہیں —— پشت پناہی کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

لگ جاتا ہے کہ استحکامی قرضوں کا استعمال میں آنا ضروری نہیں ہے۔

درآمدات کے لیے قرض لینا:

1913 سے پہلے اور 1929 تک کچھ کم درجے میں غیر ممالک سے قرضے لینے کا مقصد عام طور پر وسائل کو سستے داموں پر حاصل کرنا تھا۔ ملک کے مقابلہ میں سود کی شرحیں باہر کم ہوتی تھیں۔ سرمایہ کاری کا کام کرنے یا بجٹ تک کے خسارے کو پورا کرنے کے لیے کوئی ملک اس وقت باہر سے قرض حاصل کرتا تھا جب ملک کے اندر اور باہر کی سود کی شرحوں میں پایا جانے والا فرق خطرے کے اس معاوضہ سے کم ہوتا تھا۔ جو غیر ملکی سرمایہ کار طلب کرتے تھے۔

مندی کے زمانے میں خطرہ کا معاوضہ زیادہ ہو جاتا تھا اور ترقی پذیر ممالک کے زرعی بازاروں میں سود کی شرحیں سستے زر کی پالیسیوں کے تحت گراوٹ کی طرف ہوتی تھیں۔ عام طور پر قوت خرید ملک کے اندر سے حاصل کی جا سکتی تھی۔ بیرونی قرضوں کی ضرورت میزانِ ادائگی کے خساروں کو پورا کرنے کے لیے پڑتی تھی۔

آج کی ترقی کرتی ہوئی دنیا میں تجزیہ میں ایک مزید عنصر شامل ہو گیا ہے۔ جب کوئی ملک اپنے وسائل کو (مختلف کاموں میں) دوبارہ تقسیم کر سکتا ہو اور اس کی برآمدات کی مانگ اس درجہ لچکیلی ہو کہ وہ برآمدات کے ذریعہ مقامی وسائل کو بآسانی درآمدات میں تبدیل کر سکتا ہو تو معاشی نشو و نما کے لیے اسے بیرونی قرضوں کی ضرورت صرف سرمایہ کاری کے واسطے کل وسائل میں اضافہ کرنے کے لیے ہی پڑتی ہے یعنی مقامی بچت میں کسی کمی کو پورا کرنے کے لیے لیکن سبھی ملک اس طرح کی تبدیلئ ہیئت پر قادر نہیں ہوتے۔ سرمایہ کاری میں غیر ملکی ساز و سامان کے تناسب جامد ہونے کی وجہ سے نشو و نما کے کام میں درآمدات رکاوٹ ثابت ہو سکتی ہیں۔ موجودہ پیداواری صلاحیت کے پورے استعمال کے لیے درکار درمیانی اشیاء کے بارے میں بھی یہی کہا جا سکتا ہے۔ دستیاب گاڑیوں اور ٹرکوں سے کام لینے کے لیے پٹرولیم کی اشیاء درآمد کرنے کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ یا فولاد کے کارخانوں کے لیے درآمد کردہ کوئلہ یا خام لوہا درکار ہو سکتا ہے۔ پیداوار کی موجودہ سطح پر وسائل کی ملک کے اندر تقسیم بدلنے کی دشواریوں یا برآمدات کے لیے مانگ لچکیلی نہ ہونے کی وجہ سے ممکن ہے مقامی وسائل کو آسانی سے درآمدات میں تبدیل نہ کیا جا سکے ایسی صورت میں درآمدات کے بیرونی قرضوں کی حاجت ہو سکتی ہے۔

میک کنن نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ نشو و نما کے کسی سادہ ماڈل میں جہاں نشو و نما کا انحصار سرمائے پر ہو۔ سرمائے کو بیرونی اور مقامی عناصر میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا سرمایہ / پیداوار تناسب مختلف ہو گا یا بہر صورت نشو و نما کی شرح اور سرمائے میں باہمی رشتہ مختلف ہو گا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ مقامی وسائل میں تبدیلئ ہیئت

کی کافی صلاحیت موجود ہو اور برآمدات کی مانگ نسبتاً لچکیلی ہو۔ ایسی صورت میں ترقی کی راہ میں جس رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے بیرونی قرضوں کی ضرورت پڑے گی وہ صرف مقامی بچت کی کمی ہوگی۔ یا بیرونی قرضوں کی ضرورت ترقی کی راہ میں مانع درآمدات کو خریدنے کے لیے اس وقت تک کے لیے ہو سکتی ہے جب تک برآمدات کو پیدا کرنے یا درآمدات کے بدل تیار کرنے کی مقامی صلاحیت میں درکار اضافہ نہ ہو جائے۔ یا یہ ہو سکتا ہے پہلے ایک رکاوٹ حائل ہو اور بعد میں دوسری اس کی جگہ لے لے۔ شکل a 20.1 میں مقامی بچتوں اور بیرونی زرمبادلہ کے رشتہ کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ یہ خاکہ اس طرح تیار کیا گیا ہے کہ رکاوٹ مقامی بچت رہے۔ اس کیس میں بیرونی قرض درآمدات کو خریدنے کے لیے نہیں عام قوت خرید کے لیے درکار ہیں۔ لیکن شکل b 20.1 میں ایک خاص فاصلے تک یعنی جب تک پیداواری صلاحیت میں کافی اضافہ نہ ہو جائے بیرونی زرمبادلہ رکاوٹ کا کام کرتا ہے۔ اس فاصلہ کو پار کرنے کے بعد ترقی کی حد کا تعین کل بچت سے ہوتا ہے۔ بین الاقوامی امداد کا پروگرام مرتب کرنے کے سلسلے میں اس تجزیہ کو مخصوص ترقی پذیر ملکوں پر زیادہ تفصیلی طور پر لاگو کیا گیا ہے۔

بندھے ہوئے قرضے:

قرض لینے والے ملک کو تبدیلیٔ ہیئت کی صلاحیت سے محرومی کے سبب قرض لینے ـــــ خاص طور پر درآمدات خریدنے کے لیے ـــــ کی ضرورت پڑتی ہے۔ قرض دینے والے کو عمل انتقال میں دشواریوں کے پیش نظر قرضوں کو مخصوص برآمدات کی خرید سے باندھ دینے کے طریقہ کو اختیار کیا گیا ہے۔

مندی کے دوران برآمدات کو بڑھاوا دینے کے لیے اکثر قرضے دیے گئے۔ مثال کے طور پر ریاستہائے متحدہ میں برآمد درآمد بینک، برطانیہ میں برآمد ساکھ گارنٹی ڈیپارٹمنٹ اور اموال سرمایہ فروخت کرنے والے دیگر ممالک میں، ایسی ہی تنظیموں نے مندی کے زمانے میں جب سرمائے کا طویل مدتی نجی عالمی بازار ڈھیر ہو چکا تھا مشینری کی برآمدات کو جاری رکھنے کے لیے سرکاری قرضے دینے کی ضرورت محسوس کی۔ یہاں قرض کا مقصد برآمدات کو فروخت کرنا تھا۔ علاوہ ازیں جرمنی جیسے بعض ملکوں میں کبھی بھی قرض کو اشیاء کی فروخت سے الگ کرنے کا خیال پیدا نہیں ہوا تھا لیکن آج بندھے ہوئے قرض جو مسئلہ پیش کرتے ہیں وہ بالکل دوسرا ہے۔ بیرونی قرضوں یا دیگر شکلوں میں امداد کے طالب ترقی پذیر ملک ہوتے ہیں۔ ان قرضوں کو ریاستہائے متحدہ کے میزان ادائیگی کو کمزور کرنے کی بدترین مثال پیش کرنے سے باز رکھنے کے لیے انھیں ریاستہائے متحدہ میں خرچ سے باندھ دیا جاتا ہے۔

یہ بندش بے ٹنگ پیپر لو کے بہتر زینت کے اس اصول سے انحراف کرتی ہے جس کی رو سے ہر کسی کو ہمیشہ سب سے سستے بازار سے مال خریدنا چاہیے۔ یہ اتفاق شاذ ہی ہوگا کم از کم زمانہ امن میں ـــ سرمائے کے لیے سب سستا بازار ان مختلف درآمدات کی خریداری کے لیے بھی سب سے سستا ہو جنھیں قرض لی گئی رقم سے خریدا جاتا ہے۔ بندش جتنی کارگر ہوگی اس سے اشیاء کی لاگت بڑھے گی یا قرض کی قدر کم ہو جائے گی۔ تعمیر و ترقیات کے بین الاقوامی بینک کے حساب سے قیمت کی وہ سطح جس پر بندھے ہوئے قرض کی رقم خرچ کی جاتی ہے ارزاں ترین ذرائع کی قیمت سے تقریباً 30 فیصد اونچی ہوتی ہے۔

لیکن بندش ہمیشہ ہی مؤثر ثابت نہیں ہوتی۔ زر کو کسی بھی جگہ استعمال کیا جا سکتا ہے اور وقت کے ساتھ اکاؤنٹنٹ ایک شاطرانہ اصول وضع کرنے میں کامیابی حاصل کر چکے ہیں۔ جزوی توازن میں دیگر باتوں کے جوں کا توں رہنے پر ایک نیا قرضہ جسے باندھ دیا گیا ہے اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہوگا لیکن دیگر باتوں کی جوں کا توں نہ رہنے کی عادت ہے۔ مثال کے طور پر بندھی ہوئی امداد کا تصور کیجیے۔ اگر فوجی امداد دستیاب ہے لیکن معاشی امداد نہیں ملتی تو کوئی بھی ملک اپنے وسائل کو دفاعی کاموں سے منتقل کر کے معاشی استعمال میں لا سکتا ہے اور فی الواقع فوجی تیاری کی پرانی سطح کو برقرار رکھ کر معاشی کوششوں میں اضافہ کر سکتا ہے۔ یا اس کا الٹا کام کیا جا سکتا ہے۔ وہ برآمدات کی آمدنی سے جس ترقیاتی پروجیکٹ پر عمل کرنے کا منصوبہ بنا رہا تھا اسے قرض کی بنیاد پر قرض دینے والے ملک کو منتقل کر سکتا ہے اور برآمدات سے حاصل ہونے والے غیر پابند زر مبادلہ کو دیگر مقاصد کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ خاص طور پر اگر کوئی ملک اپنے وسائل کی ہیئت تبدیل کر سکتا ہے تو وہ غیر مختتم مقاصد کے لیے قرضوں (یا امداد) کا استعمال کر کے بندھے ہوئے قرضوں (یا بندھی ہوئی امداد) کی لاگت کو کم سے کم کر سکتا ہے اور اس طرح حاشیائی کاموں میں غیر پابند زر مبادلہ کو استعمال کرنے کے لیے آزاد ہو جاتا ہے۔

تاہم بہت سے ملکوں میں تبدیلیٔ ہیئت کی یہ صلاحیت بڑی محدود ہوتی ہے۔ فرض کیجیے کہ کوئی ایسا ملک گھریلو سرمایہ کاری میں دلچسپی رکھتا ہے۔ ایسی صورت میں قرضوں کو سرمایہ کاری کے بیرونی زر مبادلہ کے عنصر سے باندھ دینے پر بڑی رکاوٹ سامنے آ سکتی ہے۔

مان لیجیے کہ کوئی ملک معاشی ترقی کے کسی پروگرام کے جز کے طور پر ایک ریلوے لائن تعمیر کرنا چاہتا ہے پروجیکٹ کی کل لاگت 100 ملین ڈالر ہے۔ اس میں سے فرض کیجیے 50 ملین ڈالر اس ساز و سامان کی مالیت ہے جسے باہر سے خریدنا ضروری ہے باقی 50 ملین ڈالر مقامی کرنسی میں خرچ کی لاگت کو ظاہر کرتا ہے۔ بندھے ہوئے قرضوں کے نظام کے تحت ریاستہائے متحدہ میں صرف 50 ملین ڈالر کے قرضے لیے

جا سکتے ہیں کیونکہ قرضخواہ کو یہ بتانا ہوگا کہ اس قرض سے ریاستہائے متحدہ سے کیا سامان خریدا جائے گا۔ خریداری کے لیے ریاستہائے متحدہ سب سے سستی جگہ ہو یا نہ ہو لیکن قرض ریاستہائے متحدہ کی اشیاء کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔ جن باقی 50 ملین ڈالر کو مقامی طور پر خرچ کیا جاتا ہے ان کی وجہ سے بیرونی زرِ مبادلہ کی ضرورت پیدا ہونے کا امکان ہے۔ اس کا انحصار اس پر ہو سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا کہ مقامی رقم کو کس طرح حاصل کیا جاتا ہے۔ اگر ان کو نئی بچت یا ٹیکسوں کے ذریعہ جن سے صَرف گھٹے گا حاصل کیا جاتا ہے تو خرچ سے افراطِ زر نہیں ہوگا یعنی قومی زرِی آمدنی یا درآمدات نہیں بڑھیں گی۔ اس کے برعکس اگر جیسا کہ اکثر ہوتا ہے مقامی خرچ کو جزوی یا کلّی طور پر قرضوں کی آفرینش یا آمدنی سے زیادہ خرچ کے ذریعہ پورا کیا جاتا ہے تو گھریلو خرچ کا پیمانہ چھلک کر نئی درآمدات کا سبب بن سکتا ہے۔ درآمدات میں کتنا اضافہ ہوگا اس کا انحصار بے شک درآمدات اور بچت کرنے کے مختتم رجحانات پر ہوگا — بیرونی ردِ عمل کو ہم یہاں نظر انداز کر رہے ہیں۔ لیکن بڑھی ہوئی درآمدات کے لیے دستیاب قرض سے غیر ملکی زرِ مبادلہ ملنے کا کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا۔ عمل انتقال خرچ کے صرف پہلے دور میں کام کرتا ہے۔ خرچ کے بعد والے ادوار کی ادائیگی زرِ زر سے کرنی ہوگی یا اگر یہ کافی نہیں ہیں تو نتیجہ شرح کی گراوٹ یا مبادلہ کنٹرول کی شکل میں ظاہر ہوگا۔

قرضوں کے لیے پروجیکٹ کی بنیاد:

تعمیر و ترقی کے بین الاقوامی بینک نے ایسے قرض دینے شروع کیے ہیں جو بنیادی طور پر بندھے ہوئے قرضے ہیں۔ گو کہ بینک کے آفیسر اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ ان کو یہ نام دینا مناسب ہوگا۔ یہ قرضے پروجیکٹ کی بنیاد پر دیے گئے ہیں۔ یعنی قرض لینے والے ملک کو اس مقصد کو بتانا پڑتا تھا جس کے لیے قرض درکار ہے نیز یہ مقصد اتنا مبہم نہیں ہو سکتا تھا کہ "بجٹ کے خسارے کو پورا کر دیا جائے" علاوہ ازیں ابتداء میں قرض لینے والے کو ان نئی درآمدات کی نشان دہی کرنی ہوتی تھی جن کی پروجیکٹ کے لیے ضرورت ہوتی تھی۔ اور یہ بھی ہوتا تھا کہ انھیں کہاں سے خریدا جائے گا۔ اگر پروجیکٹ منظور کر لیا جائے اور درآمدات کو معقول سمجھا جائے تو پھر بینک درآمدات کے لیے درکار رقم ادھار دینے کے لیے تیار ہو جاتا تھا۔

یہ طریقۂ کار جسے اب بینک نے بدل دیا ہے دو اسباب کی بنا پر قابلِ اعتراض تھا۔ یہ "امتیاز برتنے والا" تھا اور اس کی وجہ سے قرض لینے والے ملک کی بیرونی زرِ مبادلہ سے متعلق دشواریوں میں کمی ہونے کی بجائے ان کے بڑھ جانے کا امکان رہتا تھا۔ امتیازی خاصیت اس بات میں پائی جاتی ہے کہ بینک عام قوتِ خرید قرض دینے کی بجائے وہ کرنسی قرض دیتا تھا جس کے خرچ کرنے کی مذکورہ ملک سے توقع کی جاتی تھی۔

کسی بھی طرح کے امتیاز سے پاک نظام میں قرض سب سے زیادہ سستے ذریعہ سے دیا جائے گا۔ یعنی اس بازار سے جہاں سود کی شرح سب سے کم ہو —— اور قرض کی رقم وہاں خرچ کی جائے گی جہاں پر مطلوبہ اشیاء ارزاں ترین ہوں۔ ڈالر قرض لیے جا سکتے ہیں اور خرچ برطانیہ میں کیے جا سکتے ہیں یا جیسا کہ انیسویں صدی میں ہوتا تھا پونڈ ادھار لے کر برّاعظم میں کہیں بھی خرچ کیے جا سکتے ہیں۔ صرف انھیں کرنسیوں کو ادھار دینا جن کو خرچ کیا جانا ہے قرض لینے والے کو اس بات پر مجبور کرنے کے مترادف ہے کہ یا تو وہ قرض کی رقم نسبتاً مہنگے بازار سے حاصل کرے یا درکار اشیاء کو مہنگے بازار سے خریدے یہ اور بات ہے کہ قرضوں اور اشیاء کے لیے سستا ترین بازار ایک ہی ہو۔ غالباً عملی لحاظ سے 1950 تک یہ اعتراض اہمیت کا حامل نہیں تھا کیونکہ اشیاء اور قرض دونوں ہی ریاستہائے متحدہ میں ارزاں ترین تھے۔ تاہم قرض کی کرنسی کو پروجیکٹ کے لیے درکار درآمدات کی کرنسی کے ساتھ باندھ دینے کا اصول امتیاز برتنے والا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایسا قرض جو پروجیکٹ کے لیے درکار درآمدات کی ضرورت تک محدود ہو بین الاقوامی کھاتوں میں توازن پیدا کرنے کے لیے ناکافی ہوتا ہے۔ صرف ایک انتہائی کیس میں جہاں تمام مقامی خرچوں کے لیے درکار رقم ترقیم زر کے ذریعہ حاصل کی جائے یہ دعویٰ غلط ہو سکتا ہے۔ پروجیکٹ کے مقامی خرچ کے لیے رقم حاصل کرنے کے ایسے کسی بھی طریقہ سے جو افراطِ زر پیدا کرتا ہو آمدنی اور درآمدات میں اضافہ ہوگا اور بین الاقوامی کھاتے عدم توازن کا شکار ہو جائیں گے۔ مخصوص غیر ملکی قوت خرید کی محدود مقدار کے حق میں عام قوت خرید کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ ان قرضوں اور پروجیکٹوں نے ملک کے میزان ادائیگی کو بہتر بنانے کی بجائے اسے اور خراب کر دیا ہے۔

سرمایہ جذب کرنے کی صلاحیت:

عالمی بینک جس پر ہم نیچے نہایت تفصیل کے ساتھ بحث کریں گے یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ اس کے سامنے مسئلہ رقم (فنڈز) کی کمی کا نہیں بلکہ پروجیکٹوں کی کمی کا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ بیرونی قرضوں کو جذب کرنے کی صلاحیت نہایت محدود ہے۔ قرضوں کے جذب کرنے کی صلاحیت کا تعین کیسے ہوتا ہے؟

متبادل رکاوٹوں —— بیرونی زرِ مبادلہ یا کل بچت —— کے معنی میں پیش کیا جانے والا پچھلا تجزیہ یہاں کارآمد ثابت ہوگا۔ کسی رکاوٹ کی عدم موجودگی میں سرمایہ جذب کرنے کی صلاحیت اس نقطۂ انقطاع کا تفاعل ہے جہاں گھٹتی ہوئی پیداوار کے پروجیکٹ دلچسپی کا باعث نہیں رہتے۔ منفعت جو اس حد کو ظاہر کرتی ہے صلاحیت پیداوار کی 20 فیصد سالانہ یا 10 فیصد یا ...... یا 5 صفر شرح ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ رائے کہ

سرمایہ جذب کرنے کی صلاحیت محدود یا خمیدہ ہوتی ہے، زیادہ رکاوٹوں کا تصور کرتی ہے مثلاً انتظامی صلاحیت، مقررہ تناسبات میں درکار ربا ہنرمزدور، یا IBRD کے سامنے پیش کرنے کے لیے پروجیکٹ تجاویز تیار کرنے کے لیے درکار انجینئرنگ کی لیاقت۔ ان میں سے بہت سی رکاوٹوں اور زیادہ قرضوں کے ذریعہ جنھیں باہر سے مخصوص قابلیت کے افراد حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا جائے بآسانی ختم کیا جاسکتا ہے اگرچہ اس تصور میں یہ مفروضہ مضمر ہوسکتا ہے کہ ملک خود اپنی انتظامی یا انجینئری صلاحیت کا استعمال کرتا ہے۔ اگر اس حقیقت کو تسلیم کر لیا جائے کہ سرمائے کو جذب کرنے کی محدود صلاحیت کا تصور رکاوٹوں کی موجودگی پر ٹکا ہوا ہے تو پھر معقول بات اس حد کو تسلیم کرنا نہیں بلکہ رکاوٹوں کو دور کرنا ہوگی۔

سائیکلی اثرات کو زائل کرنے والے قرضے:

بعض اوقات یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ لمبے عرصے کے قرضوں کو تجارتی سائیکل کے توڑ کے حربہ کی شکل میں استعمال کیا جانا چاہیے ـــــ مندی میں انھیں بڑھایا جائے اور تیزی میں انھیں کم کیا جائے۔ خیال یہ ہے کہ اس کے دو اثرات رونما ہوں گے۔ اول قرض دینے والے ملک میں تجارتی صورت حال کو مستحکم رکھنے میں مدد ملے گی اور دوم میزان ادائیگی میں ٹھہراؤ پیدا ہوگا۔

ایک معاشی ماڈل کے اندر یہ طریقہ اطمینان بخش طریقے سے کام کرتا ہے۔ مان لیجیے کہ ملک A میں گھریلو سرمایہ کاری میں ہونے والے تغیرات کی وجہ سے تجارتی سائیکلیں رونما ہوتی رہتی ہیں لیکن باقی دنیا جسے B کہتے ہیں آمدنی اور سود کی شرحوں میں استحکام رکھتی ہے۔ مندی کے زمانے میں لمبے عرصے کی شرح سود A میں گرے گی اور B کے لیے یہاں سے قرض لینا زیادہ پرکشش معلوم ہوگا۔ اس کے برعکس تیزی کے دور میں شرح سود بڑھ جائے گی اور سرمایہ کاری کے لیے رقم یہاں سے لینا پسند نہ کیا جائے گا اور اس طرح غیر ممالک کو دیے جانے والے قرضے کم ہوجائیں گے۔ غیر ملکیوں کو قرضے مندی میں بڑھتے اور تیزی میں گھٹتے ہیں اور اس طرح A کے اندر مقامی خرچ میں ہونے والی تبدیلیوں کا جزوی یا پوری طرح ازالہ کرنے کے لیے پاسنگ کا کام کرتے ہیں۔

فاضل برآمدات جو آمدنی کے گرنے اور اس کے نتیجہ میں برآمدات کی نسبت درآمدات میں زیادہ کمی واقع ہونے کی وجہ سے رونما ہوتی ہیں ان سے حاصل شدہ رقم کو صرف فنڈ کرنے سے کام نہیں چلے گا بلکہ خرید کارروائی کی ضرورت ہوگی۔ یہ کام قلیل مدت کی وہ سرمائی حرکات انجام دیں گی جن کی ضرورت برآمدات کی سطح کو برقرار رکھنے کے لیے پڑتی ہے۔ سائیکلی اثرات کو دور کرنے کے لیے دیے جانے والے قرض برآمدات میں بہرحال مثبت ترسیع کا سبب ہوں گے۔ شکل 2.20 میں سرمایہ کاری میں کمی واقع ہونے سے ــــ جس کی وجہ سے Id ــــ S

جدول اوپر کی جانب کھسک کر M' — S ہوگئی ہے ——— قومی آمدنی Y سے گھٹ کر Y' رہ گئی ہے۔

انسدادِ سائیکل کے لیے غیرملکی قرض دینا

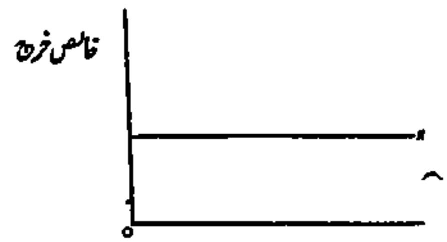

جدول کے اوپر چلنے سے a کے بقدر فاضل برآمدات پیدا ہو جاتی ہیں۔ لیکن سائیکل کا توڑ کرنے والے قرض کا تقاضا یہ ہے کہ $M - X$ جدول اوپر کی جانب کھسکے مثلاً $M - X''$ ہو جائے۔ اس صورت میں اوپر کی جانب کھسکنے کا فاصلہ بقدر b ہوگا۔ اس سے آمدنی کی ابتدائی Y سطح پر c ($b = c$) کی برابر فاضل برآمدات پیدا ہوں گی۔ اس طرح درآمدات پھر سے بڑھ جائیں گی اور حاصل شدہ فاضل برآمات a کا صفایا کر دیں گی۔

قرض دینے کا سائیکلی نمونہ:

اس ماڈل میں درحقیقت اس کے علاوہ کوئی غلطی نہیں ہے کہ یہ آج کی دنیا کے لیے خاص طور پر کوئی معنی نہیں رکھتا۔

1914 سے پہلے بین الاقوامی طویل مدتی قرضے خاص طور پر وہ جو برطانیہ دیا کرتا تھا موڑ کے نقاط کو چھوڑ کر سائیکل توڑ ہوا کرتے تھے۔ صورت حال یوں معلوم ہوتی تھی جیسے سرمایہ کاری کے لیے وسائل کا ایک مقررہ فنڈ موجود ہو۔ گھریلو سرمایہ کاری میں تیزی آتی تو بیرونی قرضخواہ محروم رہ جاتے لیکن جب ملک میں مندی شروع ہو جاتی تو قرض دیے جا سکنے والے فنڈ باہر سرمایہ کاری کے نئے مواقع تلاش کرنے لگتے۔ کبھی کبھی موڑ کے اوپر گھریلو اور بیرونی سرمایہ کاری ساتھ ساتھ چلتی۔ شروع کے مراحل میں ایک ساتھ بڑھتی اور مندی آنے کے ابتدائی عرصے میں ایک ساتھ کم ہوتی۔ کیرن کروس نے اس ماڈل کو وضاحت سے بیان کیا ہے اور یہ تجویز پیش کی ہے کہ شرائط تجارت ان وسائل کے گھریلو اور بیرونی سرمایہ کاری میں تقسیم کرنے کا رول ادا کر سکتی ہیں۔

منڈی میں شرائطِ تجارت برطانیہ کے خلاف ہو جانے پر سرمایہ باہر چلا جاتا۔ آنے والی تیزی کے زمانے میں جب باہر قیمتیں گرتیں شرائطِ تجارت برطانیہ کے حق میں ہو جاتیں اور گھریلو سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کرتیں۔

لیکن یہ نمونہ جو تفصیلات دینے کی بجائے ایک عام رجحان کو ظاہر کرتا تھا پہلی عالمی جنگ کے بعد بدل گیا۔ طویل مدت کے لیے قرضے دینے اور گھریلو سرمایہ کاری میں مثبت رشتہ کا رجحان پایا جاتا تھا گو یہاں بھی موڑ کے نقاط پر صورت حال مختلف ہوتی تھی۔ اس کا سبب جانے پہچانے اصول ایکسیلیریشن میں ملتا ہے۔ گھریلو سرمایہ کاری میں ایسی گراوٹ جس سے آمدنی اور درآمدات کم ہو جائیں بیرونی سرمایہ کاری کے امکانات کو بھی متاثر کرتی ہے۔ بیرونی ملک کی برآمدات گھٹ چکی ہوتی ہیں۔ نتیجہ میں اس کی قومی آمدنی کم ہو جاتی ہے۔ اس لیے قرض دینے کے لیے یہ ملک کم پرکشش مقام ہو جاتا ہے۔ یہ ایکسیلیریشن کا سادہ اصول ہے۔ بکری میں اضافہ ہونے سے باہر سرمایہ کاری میں اضافہ ہوگا بکری کی کمی سے نہیں۔ علاوہ ازیں امکانی قرضخواہ کی برآمدات گرنے سے بیرونی زرمبادلہ کے ذریعہ نئے قرضوں کے سود اور اصل کے منتقل کرنے کے امکانات بہرحال مدھم پڑ جاتے ہیں۔ کسی ملک کی برآمدات کی سطح جتنی اونچی ہوتی ہے غیر ملکیوں کو وہ ملک اتنا ہی قرض کا مستحق نظر آتا ہے۔ یہ سطح جتنی گرتی ہے قرض کے لیے اس کی ساکھ اتنی ہی کم معلوم ہوتی ہے۔ تجارتی سائیکل میں ایکسیلیریشن کا اصول قرض لینے والے ملک کے برآمدی سیکٹر کی منفعت اور میزان ادائیگی میں اتار چڑھاؤ کی راہ سے غیرملکی قرضوں کو یقینی طور پر متغیر بنا دیتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ سائیکل کا اتار والا وقفہ نفع بخش قرض دینے کا بہترین وقت ہوتا ہے بشرطیکہ یہ یقین ہو کہ بالآخر بحالی کا دور شروع ہوگا۔ سائیکل توڑنے کے لیے نجی قرض دیے جانے کے حق میں یہ استدلال گھریلو قرضوں یا تمسکات کی خریداری پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ تاہم تجارت... کساد بازاری کا شکار کیوں ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ کافی لوگوں کو یہ اطمینان نہیں ہوتا کہ بحالی بہرحال ناگزیر ہے۔

گھریلو اور بیرونی سرمایہ کاری کے بیچ مثبت رشتہ بہرحال کامل نہیں ہوتا اور موڑ کے نقاط پر خاص طور سے پیچیدگی اختیار کر سکتا ہے۔ ایسا شرح سود کے طرزِ عمل کی وجہ سے ہوتا ہے۔ 1928 کے آخر اور 1929 کے آغاز میں جب مثال کے طور پر تجارتی سائیکل کے وسعت بردار دور کے سبب ریاستہائے متحدہ میں بازار حصص اور سود کی شرح میں سٹہ بازی تیزی کے ساتھ بڑھی تو باہر کے ملکوں کو دیے جانے والے قرض ایک دم بہت کم ہو گئے کیونکہ مانگتے ہی دیے جانے والے بازارِ زر نے سٹہ بازوں کو قرض دینے کے کام میں لانے کے لیے رقوم واپس کرنے کا حکم دے دیا۔ علاوہ ازیں تباہی کے فوراً بعد سود کی شرحیں گر گئیں اور بیرونی قرض دینے کے کام میں تھوڑی دیر کے لیے جان سی پڑ گئی۔ کسی سائیکل میں شرح سود کے مخصوص طرزِ عمل کی وجہ سے طویل مدت کے

بیرونی قرض دینے میں ہونے والے تغیرات کسی حد تک گھریلو سرمایہ کاری میں رونما ہونے والی تبدیلیوں میں مختلف ہو سکتے ہیں۔ تاہم بڑی حد تک خوشحالی کے دور میں بیرونی قرضے زیادہ اور مندی کے زمانے میں کم دیے جائیں گے کیونکہ ایکسپورٹر کی مجموعی طاقت ان تمام تدار کی اثرات پر حاوی آجائے گی جو سود کی اضافی شرحوں میں تبدیلیوں کے ذریعہ پیدا ہوئے ہوں۔

پس سرمائے کی طویل مدتی حرکات سے ان ممالک کے سائیکلی مسائل میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے جو ابتدائی اشیاء پیدا کرتے ہیں۔ مندی کے زمانے میں ان کی بیرونی زرمبادلہ کی رسد دو وجوہات سے کم ہو جاتی ہے۔ برآمدات گھٹتی ہیں جس کی وجہ سے بیرونی قرضے کم ملتے ہیں۔ قرض دینے والے ملک کے نقطۂ نظر سے استحکام کو متزلزل کرنے والے دو بڑے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں۔ اول گھریلو سرمایہ کاری جو یا تو لگاتار بڑھتی چلی جاتی ہے یا مسلسل کم ہوتی جاتی ہے۔ اور دوم بیرونی سرمایہ کاری جس کا طرز عمل بھی اسی طرح کا ہوتا ہے۔

طویل مدتی قرضوں کے میدان میں نجی کام سرکار اپنے ہاتھ میں لے لے تب بھی اس صورت حال میں اتنی تبدیلی نہیں ہوتی جتنا کہ پہلی نظر میں توقع کی جا سکتی ہے۔ اول تو اس ضرورت کو سمجھنے اور کارروائی کرنے میں وقت لگ جاتا ہے جس کی وجہ سے مدد کرنے میں اتنی تاخیر ہو جاتی ہے کہ سائیکل کا اگلا دور شروع ہو جاتا ہے اور اس امداد کی ضرورت ختم ہو چکی ہوتی ہے۔ سائیکل کا توڑ کرنے کے لیے ملک کے اندر عوامی کاموں پر خرچ کرنے کا تصور زیادہ کارآمد ثابت نہیں ہوتا کیونکہ سڑکوں، اسکولوں، ڈاکخانوں، ہسپتالوں وغیرہ پر کیے جانے والے خرچ کے بیشتر حصے کو یا تو خوشحالی کے لیے دور میں ملتوی نہیں رکھا جا سکتا یا وہ یقینی طور پر سائیکل کے ساتھ منسلک ہوتا ہے۔ خوشحالی کے زمانے میں مثال کے طور پر نجی مکانات کی تعمیر میں توسیع کے ساتھ ساتھ سڑکوں، اسکولوں وغیرہ کی تعمیر بھی ہونا چاہیے اور اس کے لیے سرکار کو رقم مہیا کرنی چاہیے۔ اسی طرح جن مقاصد کے لیے غیر ملکی حکومتیں قرض لینا چاہتی ہیں اور دیگر حکومتیں یا بین الاقوامی ادارے یہ قرض دینے کے لیے تیار ہیں ان میں سے بہت سے یا تو سائیکلی توسیع کے دور میں برآمدات سے متعلق ہوں گے یا انھیں ایک ساتھ مندی میں پورا کرنے کے لیے ملتوی کرنا ممکن نہ ہوگا۔

اپنے معاہدے کی دفعات کی روشنی میں بین الاقوامی تعمیر و ترقی کے بینک کو سائیکلی تغیرات کو دور کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنی تھی۔ "بینک کے مقاصد یہ ہیں: .... (۷) وہ اپنے فرائض انجام دینے میں اپنے ممبر ممالک کے علاقوں میں تجارتی صورت حال پر بین الاقوامی سرمایہ کاری کے اثرات پر ضروری توجہ دے گا۔"

تاہم ایسے حالات میں اس نے اعلان کر دیا ہے کہ اس کا بنیادی کام معاشی ترقی کو سہارا دینا ہے۔ مخالف سائیکلی وقت پر زیادہ توجہ دینا اس مقصد کے خلاف ہوگا۔

یہ دلیل پیش کی جا سکتی ہے اور ہم ایسا آگے کریں گے کہ متعدد ملکوں میں ایک ساتھ گھریلو سرمایہ کاری کرنا سب سے عمدہ کام ہے لیکن اس کے بعد دوسرا سب سے بہتر راستہ بیرونی سرمایہ کاری کا ہے یا شکل 20.2 جیسے کیس میں ملک کے اندر خود سرمایہ لگانے کا۔ گھریلو مشکلات کے لیے گھریلو تدابیر اختیار کرنے سے بین الاقوامی معاشی صورت حال کو ہمیشہ مؤثر ترین مدد ملتی ہے۔ لیکن بین الاقوامی سرمائی حرکات کے موجودہ نمونے کی روشنی میں اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ گھریلو مندی کا تدارک کرنے کے لیے باہر سے قرض لینا نہایت مفید ہے گا تب بھی یہ بل زیادہ عملی معلوم نہیں ہوتا۔

جمع ہوتے جانے والے قرضے :

اگر موٹے طور پر بیرونی سرمایہ کاری گھریلو سرمایہ کاری سے مشابہ ہے (اور اس کا مخالف سائیکلی استعمال اتنا ہی مشکل) تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جس ملک میں سرمایہ کاری کے مواقع بچت کے مقابلہ میں کم ہوں اسے قرضے دیتے چاہئیں اور جس ملک میں سرمایہ کاری کے مواقع زیادہ مگر بچت کم ہو اسے باہر سے قرض لینا

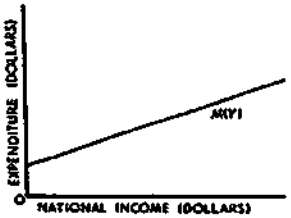

چاہیے۔ لیکن ایسے لوگ بھی ہیں جو قرضے دیتے یا لیتے رہنے کی ضرورت کے بارے میں فکرمند رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ بیرونی قرضے بہت زیادہ عرصے تک ملک کے اندر سرمایہ کاری کے مواقع کے فقدان کا بدل نہیں ہو سکتے کیونکہ سود نہ ملنے یا رقم رک جانے کا امکان رہتا ہے۔ دلیل کے طور پر مان لیجیے کہ کوئی ملک چالو کھاتے میں ایک ملین ڈالر سالانہ فاضل برآمدات بنائے رکھنا چاہتا ہے۔ پہلے سال میں وہ باہر ایک ملین ڈالر کا قرض دے سکتا ہے۔ لیکن اگلے سال باہر نہ صرف ایک ملین ڈالر کا قرض دینا ہوگا بلکہ گذشتہ رقم پر سود اور قسط کی ادائیگی کے لیے بھی کافی قرض دینا ہوگا یعنی اگر معاہدے کی رو سے باقاعدہ طور پر رقم کی واپسی ضروری ہے۔ سود اور قسط کی رقم جتنی زیادہ ہوگی فاضل برآمدات کو بنائے رکھنے کے لیے قرض دینے کی

رفتار اتنی ہی زیادہ کرنی پڑے گی ٹیبل 1.20 جو ہن شا کے ایک مقالہ سے لی گئی ہے واپسی کی مختلف شرحوں پر سود کے اثر کو واضح کرتی ہے ایک دوسری ٹیبل میں جسے ہم یہاں پیش نہیں کر رہے ہیں سود در سود کا مزید حساب لگایا گیا ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ سود کی شرح 8 فیصد ہوگی اور پچاسویں سال کے لیے ضرورت کا حساب لگایا جائے تو 90.46 ملین ڈالر کا قرض واپسی کے بغیر ہمیشہ قائم رہے گا۔

اس تجزیہ کا اطلاق واپس کی جانے والی رقم پر ہوتا ہے۔ یہ ایک غیر معمولی سرمائی حرکت ہے اور نیا قرض نہ دیے جانے کی صورت میں انتقال کی دشواریاں پیدا ہوتی ہیں۔ پرانے قرضوں کی معاہداتی واپسی کی وجہ سے کمزور کرنسیوں والے ممالک سے سرمایہ ڈالر کے علاقے میں حرکت کرتا ہے۔ اگر برآمد۔ درآمد بینک اور خاص طور پر تعمیر و ترقی کا عالمی بینک اس سرمائی حرکت کو روکنا چاہتے ہیں تو انھیں ہر سال نئے قرضوں کے طور پر بڑی رقوم دینی ہوں گی۔ سرمائے کی مختتم کارکردگیوں کو مساوی بنانے میں اعانت کے لیے یہ ضروری ہے کہ وافر سرمائے والے مالدار ممالک سے سرمائے کی کمی والے غریب ممالک کو جانے والا سرمایہ دائمی قرضوں پر مشتمل ہو مثال کے طور پر یہ جامد املاک جنھیں قائم رکھا جائے یا برطانوی کونسلوں جیسی کوئی شکل اختیار کرے۔ تاہم حقیقت حال یہ ہے کہ قرضے تھوڑے عرصے کے لیے دیے جاتے ہیں اور اصل کو قسطوں میں واپس کرنا ہوتا ہے۔

قرض واپس کرنے کی ضرورت دلیل وضع کرنے میں غلطی کی ایک اور مثال پیش کرتی ہے۔ یہ دلیل کسی ایک منفرد قرض کے معاملے میں تو کارآمد ہے لیکن بیرونی قرضے دینے کے مسئلہ کو مجموعی طور پر بڑا پیچیدہ بنا دیتی ہے کیونکہ واپسی کے لیے نئے قرض نہ دیے جانے کی صورت میں سرمائی حرکات ایک ہی سمت میں اوپر چڑھتی چلی جاتی ہیں۔

واپسی کے معاملہ سے قطع نظر پرانے قرضوں پر سود لینے سے ایک اور مسئلہ سر اٹھاتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اگر قرض کا دیا جانا روک دیا جائے تو معاہدے کی رو سے سود کی ادائیگی میزان ادائیگی کو قرض دینے والے ملک کے خلاف کر دیتی ہے۔ اس طرح کی تبدیلی کو روکنے کے لیے واجب الادا غیر ملکی قرضوں میں اضافے کی شرح بیرونی قرضوں پر ملنے والے سود کی شرح کے برابر ہونی چاہیے۔ اگر کسی ملک کی صلاحیت پیداوار اور آمدنی اسی شرح سے بڑھے جس شرح سود کی سطح پر وہ باہر قرض دیتا ہے اور وہ اس وجہ سے باہر مذکورہ شرح پر ہی قرض دے تو میزان ادائیگی دیگر باتوں کے جوں کا توں رہنے کی صورت میں یکساں رہے گی۔

لیکن یہ تجزیہ غیر دلچسپ ہے۔ نوعیت کے اعتبار سے یہ جزوی توازن پر دلالت کرتا ہے جب کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ اس میں دیگر امور کو جوں کا توں مانا جاتا ہے جب کہ حالات ایسے ہوتے ہیں جن میں ان امور کا بدلنا

ناگزیر ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ باہر سے ملنے والی آمدنی صَرف میں خرچ پر اضافہ کردیتی ہے اور متعلقہ وسائل کو روزگار فراہم کرتی ہے۔ ایسی صورت میں سرمایہ کاری کے مواقع سے زائد بچت کو کھپانے کا واحد طریقہ فاضل برآمدات کو بنائے رکھنا قرار دینا اور اس مقصد کے حصول سے چپٹے رہنا بے معنیٰ ہو جاتا ہے۔ اگر درحقیقت ابتدائی قرض کو صحیح طور پر پیداواری کام میں لگایا گیا ہے اور اس سے ہونے والی آمدنی میں سے سود دیا جا سکتا ہے تو یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ قرض لینے والا ملک سود کی ادائیگی کے لیے مزید قرض لینے پر مجبور ہو۔ ایک ہی مقام پر ٹھہرے رہنے کے لیے قرضوں میں جیومیٹرائی اضافے کا مسئلہ حقیقی معنیٰ میں اس وقت پیدا ہو سکتا ہے جب ایک طرف قرضوں سے حاصل ہونے والی تمام آمدنی کو بچا لیا جائے اور دوسری جانب تمام قرضوں کو سرمایہ سازی کے کام میں لگانے کی بجائے اموال صَرف پر خرچ کر دیا جائے۔

پہلے قرض لینے والے ملک کو لیجیے۔ پہلے سال میں وہ قرض دیتا ہے اور آمدنی وصول کرتا ہے۔ اس آمدنی کا ویسا یا تقریباً ویسا ہی مضروب فیہ اثر مرتب ہوتا ہے جیسا برآمدات میں اضافے کا۔ باہر سے آنے والی رقم میں سے کچھ گھریلو اشیاء پر صَرف کر دی جائے گی کچھ درآمدات پر اور کچھ بچالی جائے گی۔ آمدنی کے آزمیشں کے پہلے دور میں بچائی گئی رقم مضروب فیہ کو اس سے کم کر دے گی جو وہ عام برآمدات کی صورت میں ہوتا۔ اس وجہ سے بیرونی سود کا مضروب فیہ بیرونی تجارت کے مضروب فیہ سے قدرے چھوٹا ہو سکتا ہے۔ یہ متوازن بجٹ کے اس اصول سے مشابہ ہے جس سے وہ طالب علم ضرور واقف ہوگا جسے تجزیہ آمدنی کی باریکیوں سے واقفیت حاصل ہے۔ آمدنی کا وہ حصّہ جسے پہلے دور میں خرچ کیا گیا اور ہر آنے والے دور میں دوبارہ خرچ کیا گیا کسی حد تک ان وسائل کو کام پر لگائے گا جنھیں پہلے بیرونی سرمایہ کاری میں استعمال کیا جا رہا تھا۔ وقت کے ساتھ فاضل برآمدات کو بنائے رکھنے کی ضرورت ختم ہوتی جائے گی۔

سود ادھار لینے کی ضرورت :

قرض لینے والے ملک میں یہ تصور قابل قبول نہیں ہے کہ کسی ملک کو پرانے قرضوں پر سود چکانے کے لیے قرض لینا ہوگا۔ لاطینی امریکہ کے مشاہیر پرانے قرضوں پر سود کے انتظام کا نئے قرضوں سے برابر موازنہ کر رہے ہیں اور اکثر اس طرح کے بیانات دیتے رہتے ہیں : "ریاستہائے متحدہ لاطینی امریکہ سے منافع اور سود کی شکل میں اس سے کہیں زیادہ باہر لے جا رہا ہے جتنا وہ نئے سرمائے کی شکل میں واپس دے رہا ہے۔" ڈومر نے ایک مقالے میں یہ حساب لگایا کہ جب تک کل دیے جانے والے قرضوں کی شرح افزائش واجب الادا قرضوں شرح سود کے برابر نہ ہو قرض لینے والے ملک کے میزان ادائیگی کا اس کے خلاف ہو جانا ناگزیر ہے

صورت میں یوں رکھ سکتے ہیں۔

$$R = \frac{a + n}{a + r}$$

جہاں R قرضخواہ ملک کا میزانِ ادائیگی ہے (دین داری - لین داری کا تناسب) a واپسی کی شرح ہے ناواجب الادا قرضوں پر سود کی شرح اور r نئے قرضوں کی شرحِ افزائش۔ جب تک n، R سے کم رہتی ہے۔ R ایک سے کم رہتا ہے اور میزانِ ادائیگی موافق رہتی ہے۔

لیکن یہ تجزیہ نہایت غیر مکمل ہے۔ گذر بسر کی سطح پر رہنے والے لوگوں کو صَرف کے لیے قرض دینے کے سلسلے میں شاید یہ موزوں رہے۔ جیسا کہ شاطر مہاجن جانتے ہیں اگر کوئی غریب انسان مصیبت میں پھنس کر قرض لینے پر مجبور ہو جائے تو اس کی قرضداری پھر جیومیٹرائی انداز سے بڑھتی ہی رہتی ہے۔ لیکن جب قرضے پیداواری مقاصد سے لیے جاتے ہیں تو ہر ایک قرض کو اپنی ادائیگی کا خود انتظام کرنا چاہیے۔ نئی برآمدات پیدا ہوں گی یا پرانی برآمدات پر زیادہ نفع بچے گا اور یہ قرض سے متعلق ادائیگیوں کے لیے کافی ہوگا۔ ڈومر کے لاطینی امریکہ کے تجزیہ کے تحت کسی ایک پروجیکٹ کے لیے قرضوں میں روز افزوں اضافے کے بغیر رقم ادھار لینا ناممکن ہوگا۔ یہ دیڑی مرچکا بیہودہ ہے۔ موازنہ نئے قرضوں کا پرانے سود سے نہیں بلکہ نئے قرضوں کا سرمایہ کاری کے لیے درکار نئی درآمدات سے اور پرانے سود کا پرانے سرمایہ کی صلاحیت پیداوار کے سبب برآمدات میں ہونے والے اضافے نیز درآمدات میں ہونے والی کمی سے کیا جانا چاہیے۔ اگر 2 ، 1 ، 0 وقت کی نشاندہی کریں L سے مراد قرضے ہوں x اور M برآمدات و درآمدات کو ظاہر کریں اور i سود کو مختلف مراحل میں (واپسی کو نظر انداز کرتے ہوئے) میزانِ ادائیگی کچھ اس طرح نظر آنی چاہیے۔

(مرحلہ I)

$$\frac{M_0 + dM\,cap_0}{X_0 + L_0}$$

جہاں $L_0 = dPI\,cap_0$ عمل انتقال کو ظاہر کرتا ہے۔

(مرحلہ II)

$$\frac{M_0 + (iL_0 - dML_0) + (dM\,cap_1)}{X_0 + (dxL_0) + (L_1)}\ etc$$

پس iL_0 (ابتدائی قرضے کا سود) کا موازنہ L_1 (اگلے عرصے کے قرض) سے نہیں بلکہ dxL_0 + اور dML_0 – (برآمدات میں وہ اضافہ اور درآمدات میں وہ کمی جو L_0 کی پیداواری صلاحیت کے

سبب پیدا ہوتے ہیں) یہ کام ان کا احاطہ کرنے والے دائرے سے کیا گیا ہے۔ اور اگر کچھ نئے قرضے لیے گئے ہیں تو ان کا استعمال پرانے قرضوں کا سود چکانے کی بجائے نئے اشیاء کے خریدنے میں (L ۱ = dm cap) کیا جانا چاہیے۔

بعض حالات میں یہ استدلال صحیح نہیں رہتا۔ جہاں کسی پروجیکٹ کے بارآور ہونے میں کافی عرصہ لگتا ہو وہاں اس کی پیداواری صلاحیت فوراً ہی برآمد کی جانے والی یا درآمدات کے بدل کے طور پر استعمال میں آنے والی اشیاء پیدا نہیں کرنے لگے گی۔ جب تک پیداوار شروع نہ ہو جائے ایسی صورت میں سود کی ادائیگی کے لیے قرض لینا ضروری ہوگا۔ لیکن اس کا تو صرف مطلب یہ ہوتا ہے کہ فی الحقیقت جو رقم قرض لی گئی ہے وہ نظر آنے والی رقم سے پیداوار کے وقت تک جمع شدہ سود کے بقدر زیادہ ہوگی۔ مثال کے طور پر اسوان کا اونچا ڈیم کو پیداوار کا کام شروع کرنے میں دس سال لگے اس کی لاگت ایک بلین ڈالر کا سرمایہ اور اس پر دس سال کے سود کے برابر ہوئی۔ یا قرض گھریلو پروجیکٹس کے لیے ہو اور ملک کے سامنے زرمبادلہ میں اس طرح کی رکاوٹ ہو جیسی شکل 20.1b میں پیش کی گئی ہے یا وہ وسائل کی ہیئت نہ بدل سکتا ہو۔ ایسی صورت میں یہ توقع کی جانی چاہیے کہ قرض لینے والا ملک بالآخر پیداواری صلاحیت میں اضافہ کرے گا جس کا استعمال وہ برآمدات بڑھانے یا درآمدات کو کم کرنے والے کاموں میں کر سکے گا یا کیس صرفی قرضے جیسا ہوگا۔ اور صرف کے لیے رقم قرض کی بجائے امداد کے ذریعہ مہیا کی جانی چاہیے۔

اگر قرض لینے والے ملک کو سود کی رقم بھی ادھار لینے کی ضرورت نہ ہو تو قرض دینے والے ملک کو بھی یہ مزید قرض نہ دینا پڑے گا۔ انیسویں صدی کے اختتام پر برطانیہ تقریباً اتنے ہی قرضے ہر سال دے رہا تھا جتنا اسے واجب الادا قرضوں پر سود کی شکل میں وصول ہوتا تھا لیکن میزان ادائیگی میں دونوں کے بیچ کوئی تجزیاتی رشتہ نہیں پایا جاتا۔ باہر لگائی گئی رقم پر آمدنی پانے والے اسے گھریلو ذرائع سے ملنے والی آمدنی میں ملا دیتے تھے اور پھر قابل خرچ آمدنی کو صرف اور بچت میں تقسیم کرتے تھے اور پھر آخرالذکر کو ملک کے اندر اور ملک سے باہر لگائی گئی رقم میں بانٹتے تھے۔ بعض کمپنیاں اپنی بیرونی آمدنی کی براہ راست دوبارہ غیر ممالک میں سرمایہ کاری کرتی تھیں۔ (اور برطانیہ کو نفع کا حصہ بھی بھیجتی تھیں)۔ لیکن باہر کی آمدنی اور باہر کی سرمایہ کاری میں نہ کوئی رشتہ پہلے تھا اور نہ آج ہے۔

خدمت قرض کا تناسب:

جنگ کے بعد کے زمانے میں ترقی پذیر ملکوں کے قرضوں میں اضافے کی وجہ سے آرج اسے ،

معاملہ میں گہری دلچسپی لی جارہی ہے کہ ممکن ہے بعض ممالک نے بہت زیادہ قرضے لے لئے ہوں اور اب وہ ان کی واپسی نہ کر سکتے ہوں اس بارے میں کسی ملک کو صورت حال کو دیکھنے کا مختصر طریقہ اس کے خدمت قرض کے تناسب کو سمجھا جاتا ہے۔ اس سے مراد سود نیز واجب الادا قرض کی قسط اور برآمدات کی موجودہ مالیت کے بیچ تناسب سے ہے۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد سے تقریباً 1955 تک ترقی پذیر ممالک کے سرکاری قرضوں کے سلسلے میں یہ تناسب 5 فیصد سے کم تھا۔ اس کے بعد یہ 1965 میں بڑھ کر 15 فیصد ہو گیا۔ اس عرصے میں بہت سے ممالک ——— ارجنٹائنا، برازیل، چلی، ترکی وغیرہ ——— اپنے قرض واپس لوٹانے میں ناکام رہے۔ دوسروں کو بین الاقوامی تنظیموں نے بچایا۔ تاہم کچھ ایسے بھی تھے مثلاً انڈونیشیا اور گھانا جنھوں نے فوجی کاموں اور شاندار مگر ناقابل عمل ترقیاتی پروجیکٹوں کے لیے ادھار لیا۔ ان کے خدمت قرض کے تناسبات بہت اونچے ہیں اور اس بات کا قوی امکان ہے کہ انھیں اپنی بین الاقوامی ذمہ داریوں کو دوبارہ ترتیب دینا پڑے گا۔

خدمت قرض کا تناسب کوئی زیادہ صحیح تصور نہیں ہے۔ جیسا کہ گذشتہ صفحہ پر دیے گئے تناسبات سے پتہ لگتا ہے، سود کو برآمدات میں اضافے یا درآمدات میں تخفیف سے منسلک کیا جانا چاہیے۔ پس منظر میں ایک سے دوسرے سیکٹر میں وسائل کو تبدیل کرنے کی صلاحیت، نئی سرمایہ کاری کی پیداواری قوت اور بڑھتی ہوئی آمدنی میں سے بچت کرنے کا مختتم رجحان اتنے ہی یا زیادہ اہم ہیں جتنا خدمت قرض کا تناسب۔ جہاں کوئی ملک شرح مبادلہ کو ضرورت سے زیادہ اونچا رکھتا ہے اور گھریلو افراط زر خارجی شرح کی منہائی سے زیادہ رہتا ہے وہاں خدمت قرض کرتے رہنے کے لیے اس کی استعداد مشکوک ہو جاتی ہے۔ تجزیہ میں کسی ایک تناسب کو اہم ترین قرار دینے کا رجحان قابل فہم ہے لیکن اس باب کا پیغام یہ ہے کہ معاشی کو بین الاقوامی قرضداریوں کے متعدد وسیع تر پہلوؤں پر نظر رکھنی چاہیے۔ خاص طور پر اہم یہ امور ہیں کہ قرضوں کو سودمند پیداواری کاموں میں استعمال کیا جائے۔ حاصل شدہ پیداوار کے کافی حصہ کو الگ کر کے کچھ کو خدمت قرض کے لیے دے دیا جائے اور کچھ نئے پروجیکٹوں کے لیے بچایا جائے، خدمت قرض کے لیے دی جانے والی رقم کو باہر منتقل کرنے کے لیے معیشت اس پر قادر ہو کر وسائل کو گھریلو کاموں میں سے نکال کر برآمدات یا درآمدات کے ترلیف کاموں میں لگا سکے۔ اور آخری بات یہ ہے کہ کسی اور معاملہ میں معیشت بدانتظامی کا شکار نہ ہو۔ آج کی دنیا میں غالباً یہ بڑی سخت شرائط ہیں لیکن اگر یہ پوری ہو جائیں تو بیرونی قرضوں کے میدان میں بندھے ہوئے قرضوں سے لے کر پچھلی رقوم پر سود کی ادائیگی کے لیے قرض دینے کے اصرار تک

تمام غیر منطقی خیالات اور مصلحتوں سے گریز ممکن ہو سکتا ہے۔

خلاصہ:

غیر ملکی سرمائی حرکات کی بہت سی شکلیں ہیں۔ ان میں سے قدیم ترین غیر ملکی بونڈ ہے جو تقریباً مر چکا تھا مگر اب پھر زندہ ہوتا جا رہا ہے۔ جہاں تک قومی آمدنی پر مضروب فیہ یا ترقیاتی اثرات کا تعلق ہے غیر ملکی سرمایہ کاری گھریلو سرمایہ کاری سے مشابہت رکھتی ہے۔ عوامل کے تناسبات پر اثرات کے بارے میں ان میں فرق ہوتا ہے۔

بین الاقوامی سطح پر سرمایہ ان گہری نہروں میں بہتا ہے جو ادارتی ملحوظات نیز سرمائے کی مختتم قوت پیداوار کے لحاظ سے بنتی ہیں۔ سرکاری کنٹرول ایک اہم اثر رہا ہے۔ سرکار بھی بین الاقوامی سیدان میں قرض دینے کے لیے ایک اہم ذریعہ بن کر ابھری ہے جو استحکامی قرضے دینے کے علاوہ مخصوص پروجیکٹو کے لیے رقم جٹانے کے لیے قرض دیتی ہے یا مخصوص برآمدات یا درآمدات کے لیے۔

بندھے ہوئے قرضوں کے بارے میں عام طور پر اس وجہ سے اعتراض اٹھایا جاتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ فلاح کے اس اصول سے مطابقت نہیں رکھتے جس کی رو سے قرض لینے اور اشیاء خریدنے دونوں ہی کاموں کے لیے ارزاں ترین بازار کا انتخاب کیا جانا چاہیے۔ قرضوں کی پروجیکٹائی بنیاد تجزیائی لحاظ سے قابل قبول نہیں ہے کیونکہ یہ بندھی ہوئی نوعیت کے ہوتے ہیں اور پھر قرض لینے والے ملکوں کو رقم کی ضرورت صرف پروجیکٹ کے زرمبادلہ والے عنصر کے لیے نہیں بلکہ خاص طور پر میزانِ ادائیگی میں سرمائی پروجیکٹوں کی وجہ سے رونما ہونے والے خسارہ کو پورا کرنے کے لیے ہوتی ہے سائیکلوں کا مقابلہ کرنے کے لیے بیرونی قرضے دینا اتنا ہی قابل عمل فعل ہے جتنا گھریلو سائیکل کے برعکس خرچ کرنا۔ یہ سوچنا غلط ہے کہ ایک بار شروع کر دینے پر بیرونی قرضوں کا دینا (یا لینا) برابر جاری رکھنا ہوگا۔ کیونکہ قرضخواہ کو پرانے قرضوں پر سود کی ادائیگی کے لیے پھر ادھار دینا چاہیے، یہ قرض ان نئے قرضوں کے علاوہ ہوگا جو فاضل برآمدات کو قائم رکھنے کے لیے دیے جائیں گے۔ اس طرح یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا اور اس کی شرح میں جیومیٹرائی طور پر اضافہ ہوتا جائے گا۔

خدمت قرض کا تناسب بیرونی قرض پر سود اور واپسی کی قسط کو برآمدات کی مالیت سے جوڑتا ہے۔ یہ کسی ملک کی باہر سے قرض لینے کی صلاحیت، اپنے یہاں کارگر طور سے پیداوار میں لگانے اور اپنے قرض کی خدمت کرنے کی استعداد کو ناپنے کا ایک بھدا طریقہ ہے۔

معاملہ میں گہری دلچسپی لی جا رہی ہے کہ ممکن ہے بعض ممالک نے بہت زیادہ قرضے لے لئے ہوں اور اب وہ ان کی واپسی نہ سکتے ہوں اس بارے میں کسی ملک کو صورت حال کو دیکھنے کا مختصر طریقہ اس کے خدمت قرض کے تناسب کو سمجھا جاتا ہے۔ اس سے مراد سود نیز واجب الادا قرض کی قسط اور برآمدات کی موجودہ مالیت کے بیچ تناسب ہے۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد سے تقریباً 1955 تک ترقی پذیر ممالک کے سرکاری قرضوں کے سلسلے میں یہ تناسب 5 فیصد سے کم تھا۔ اس کے بعد یہ 1965 میں بڑھ کر 15 فیصد ہو گیا۔ اس عرصے میں بہت سے ممالک —— ارجنٹائنا، برازیل، چلی، ترکی وغیرہ —— اپنے قرض واپس لوٹانے میں ناکام رہے۔ دوسروں کو بین الاقوامی تنظیموں نے بچایا۔ تاہم کچھ ایسے بھی تھے مثلاً انڈونیشیا اور گھانا جنھوں نے فوجی کاموں اور شاندار مگر نا قابل عمل ترقیاتی پروجیکٹوں کے لیے ادھار لیا۔ ان کے خدمت قرض کے تناسبات بہت اونچے ہیں اور اس بات کا قوی امکان ہے کہ انھیں اپنی بین الاقوامی ذمہ داریوں کو دوبارہ ترتیب دینا پڑے گا۔

خدمت قرض کا تناسب کوئی زیادہ صحیح تصور نہیں ہے۔ جیسا کہ گذشتہ صفحہ پر دیے گئے تناسبات سے پتہ لگتا ہے، سود کو برآمدات میں اضافے یا درآمدات میں تخفیف سے منسلک کیا جانا چاہیے۔ پس منظر میں ایک سے دوسرے سیکٹر میں وسائل کو تبدیل کرنے کی صلاحیت، نئی سرمایہ کاری کی پیداواری قوت اور بڑھی ہوئی آمدنی میں سے بچت کرنے کا مختتم رجحان اتنے ہی یا زیادہ اہم ہیں جتنا خدمت قرض کا تناسب۔ جہاں کوئی ملک شرح مبادلہ کو ضرورت سے زیادہ اونچا رکھتا ہے اور گھریلو افراطِ زر خارجی شرح کی منہائی سے زیادہ رہتا ہے وہاں خدمت قرض کرتے رہنے کے لیے اس کی استعداد مشکوک ہو جاتی ہے۔ تجزیہ میں کسی ایک تناسب کو اہم ترین قرار دینے کا رجحان قابل فہم ہے لیکن اس باب کا پیغام یہ ہے کہ معاشی کو بین الاقوامی قرضداریوں کے متعدد وسیع تر پہلوؤں پر نظر رکھنی چاہیے۔ خاص طور پر اہم یہ امور ہیں کہ قرضوں کو سود مند پیداواری کاموں میں استعمال کیا جائے۔ حاصل شدہ پیداوار کے کافی حصہ کو الگ کر کے کچھ کو خدمت قرض کے لیے دے دیا جائے اور کچھ نئے پروجیکٹوں کے لیے بچایا جائے، خدمت قرض کے لیے دی جانے والی رقم کو باہر منتقل کرنے کے لیے معیشت اس پر قادر ہو کر وسائل کو گھریلو کاموں میں سے نکال کر برآمدات یا درآمدات کے حریف کاموں میں لگا سکے۔ اور آخری بات یہ ہے کہ کسی اور معاملہ میں معیشت بدانتظامی کا شکار نہ ہو۔ آج کی دنیا میں غالباً یہ بڑی سخت شرائط ہیں لیکن اگر یہ پوری ہو جائیں تو بیرونی قرضوں کے میدان میں بندھے ہوئے قرضوں سے لے کر پچھلی رقوم پر سود کی ادائیگی کے لیے قرض دینے کے ادارتک

تمام غیر منطقی خیالات اور مصلحتوں سے گریز ممکن ہو سکتا ہے۔

خلاصہ :

غیر ملکی سرمائی حرکات کی بہت سی شکلیں ہیں۔ ان میں سے قدیم ترین غیر ملکی بونڈ ہے جو تقریباً مر چکا تھا مگر اب پھر زندہ ہوتا جا رہا ہے۔ جہاں تک قومی آمدنی پر مضروب فیہ یا ترقیاتی اثرات کا تعلق ہے غیر ملکی سرمایہ کاری گھریلو سرمایہ کاری سے مشابہت رکھتی ہے۔ عوامل کے تناسبات پر اثرات کے بارے میں ان میں فرق ہوتا ہے۔

بین الاقوامی سطح پر سرمایہ ان گہری نہروں میں بہتا ہے جو ادارتی ملحوظات نیز سرمائے کی مختتم قوت پیداوار کے لحاظ سے بنتی ہیں۔ سرکاری کنٹرول ایک اہم اثر رہا ہے۔ سرکار بھی بین الاقوامی میدان میں قرض دینے کے لیے ایک اہم ذریعہ بن کر ابھری ہے جو استحکامی قرضے دینے کے علاوہ مخصوص پروجیکٹوں کے لیے رقم جٹانے کے لیے قرض دیتی ہے یا مخصوص برآمدات یا درآمدات کے لیے۔

بندھے ہوئے قرضوں کے بارے میں عام طور پر اس وجہ سے اعتراض اٹھایا جاتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ فلاح کے اس اصول سے مطابقت نہیں رکھتے جس کی رو سے قرض لینے اور اشیاء خریدنے دونوں ہی کاموں کے لیے ارزاں ترین بازار کا انتخاب کیا جانا چاہیے۔ قرضوں کی پروجیکٹائی بنیاد تجزیاتی لحاظ سے قابل قبول نہیں ہے کیونکہ یہ بندھی مبنی نوعیت کے ہوتے ہیں اور پھر قرض لینے والے ملکوں کو رقم کی ضرورت صرف پروجیکٹ کے زرمبادلہ والے عنصر کے لیے نہیں بلکہ خاص طور پر میزان ادائیگی میں سرمائی پروجیکٹوں کی وجہ سے رونما ہونے والے خسارہ کو پورا کرنے کے لیے ہوتی ہے

سائیکلوں کا مقابلہ کرنے کے لیے بیرونی قرضے دینا اتنا ہی قابل عمل فعل ہے جتنا گھر پر سائیکل کے برعکس خرچ کرنا۔ یہ سوچنا غلط ہے کہ ایک بار شروع کر دینے پر بیرونی قرضوں کا دینا (یا لینا) برابر جاری رکھنا ہوگا۔ کیونکہ قرضخواہ کو پرانے قرضوں پر سود کی ادائیگی کے لیے پھر ادھار دینا چاہیے، یہ قرض ان نئے قرضوں کے علاوہ ہوگا جو فاضل برآمدات کو قائم رکھنے کے لیے دیے جائیں گے۔ اس طرح یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا اور اس کی شرح میں جیومیٹرائی طور پر اضافہ ہوتا جائے گا۔

خدمت قرض کا تناسب بیرونی قرض پر سود اور واپسی کی قسط کو برآمدات کی مالیت سے جوڑتا ہے۔ یہ کسی ملک کی باہر سے قرض لینے کی صلاحیت، اپنے یہاں کارگر طور سے پیداوار میں لگانے اور اپنے قرض کی خدمت کرنے کی استعداد کو ناپنے کا ایک بھدا طریقہ ہے۔

مطالعہ کے لیے تجاویز:

درسی کتابیں:

کپ: ابواب iii x اور xiv — اور انیسویں صدی کے قرضوں پر معہ ٹیبلوں اور ادبی حوالات کے لیے دیکھیں William Woodruff, Impact of Western Man ch.4 including notes to tables and bibliography. See also R.F.Mikesell, Public International Lending for Development (New York: Random House, Inc.1966) (Paperback)

تحقیقی رسائل وغیرہ:

اداراتی تجزیوں کے لیے دیکھیں Royal Institute of International Affairs, The Problem of International Investment (London: Oxford university Press 1937); C. Lewis, America's Stake in International Investment (Washington D.C.The Brookings Institution 1938); The United Statesand Foreign Investment Problems (Washington D.C.The Brooking Institution 1948). and R.F.Mikesell(d (ed) u.s.Private and Government Investment Abroad (Eugene, One: University of Oxford Books 1962)

انیسویں صدی میں برطانیہ کے دیے ہوئے قرضوں کے بارے میں دیکھیں L. H. Jenks.

The Migration of British Capital to 1875 (New York: Alfred A Knopt Inc. 1927), H.Feis. Europe The World's Banker 1870-1913 (New Haven , Conn:Yale University Press 1931) (Paperback) w.w. Norten &co. Ltd., 1914)A.K.Cairncross Home and Foreign Investment 1870-1913 ((Camb...

Cambridge University Press, 1963) and R. E. Cameron France and The Economic Development of Europe 1800-1913 Pruiceton, N.J. Priuicetôn University Press 1960)

خالص نظریہ کے بارے میں دیکھیں R. A. Mundell, International Trade and Factor Mobility", in American Economic Association, Readings in International Economics; R.W.Janes International Capital Movement and Theory of Tariffs & Trade", Q J E, February 1967: and M.C.Kemp " Foreign Investment and the National Advantage", in Economic Record March, 1962.

نکات

ترقی کی راہ میں زرمبادلہ اور بچتوں سے پیدا ہونے والی رکاوٹوں کے بیچ فرق کے لیے دیکھیں۔

R.Mekinnn, Foreign Exchange Constraunts in Economic Development and Efficient Aid Allocation " E J, June 1964

کسی ملک کی غیر ملکی سرمایہ کی ضروریات پر اس طرز فکر کا اطلاق Adelman اور Chenery نے یونان کے معاملہ میں کیا ہے۔ اس کے لیے فروری 1966 کا Q J E دیکھیں Chenery اور نے یہی کام اسرائیل کے سلسلہ میں انجام دیا ہے دیکھیں ستمبر 1966 کا AER ۔ کولمبیا کے کیس میں اس کے پرجوش استعمال کے لیے دیکھیں۔

J.Vanek, Estimating Foreign Resources Need for Economic Development (New York: Mc.Graw - Hill Book Co. Inc, 1967)

سرمایہ کو جذب کرنے کی صلاحیت کے موضوع پر دیکھیں John H. Adler, Absorptive Capacity (Washington, D.C. The Brookings Institution 1965)

سود در سود کے مسئلہ پر بحث کے لیے دیکھیں R. Enishaw, " Foreign Investment and American Employment", AER May 1946;

W.S.Salant "The Domestic Effects of Capital Exports under the Point Four Program", AER, May 1950 and E.D. Domas, Foreign Investment and the Balance of Payments". AER, December 1950

IBRD کے معاشی شعبہ کے Dragoslav Arramovic اور دوسرے اصحاب نے
خدمت قرض کے تناسب کا تجزیہ سلسلہ وار کتابوں میں کیا ہے ان میں سے جدید ترین تصنیف یہ ہے۔

D. Arramovic et al, Economic Growth and External Debt (Baltimore, Md: The John Hopkins Press, 1964)

ایک مربوط بازارِ سرمایہ کی ضروریات پر ایک شاندار ادارائی بحث کے لیے دیکھیں۔

European Economic Community, The Development of a European Capital Market Market (Brussels 1967)

باب 21 براہ راست سرمایہ کاری

براہ راست سرمایہ کاری غالباً آج بین الاقوامی معیشت کا سب سے زیادہ حسّاس میدان ہے۔ اپنے میزانِ ادائیگی کو ضرر سے بچانے کے لیے ریاستہائے متحدہ اس بات کے لیے کوشاں رہتی ہے کہ اس کی کمپنیاں باہر زیادہ براہ راست سرمایہ کاری نہ کریں، کم ترقی یافتہ ممالک کو استحصال کا اندیشہ لاحق رہتا ہے۔ یورپ کی ریاستیں اور نوآبادیاں اس فکر کا شکار ہیں کہ کہیں غیر ملکی ملکیت کے سبب، گھریلو وسائل پر ان کی گرفت ڈھیلی نہ پڑ جائے۔ قدرتی وسائل بنک کاری، خوردہ فروشی، دفاعی صنعتوں، اخبارات، مشروبات جیسے بعض ایسے میدانوں میں جہاں خاص طور پر زیادہ نقصان پہنچنے یا وسائل کے بیکار جانے کا اندیشہ ہوتا ہے سرمایہ کاری کی ممانعت یا اسے محدود رکھنے کے احکامات جاری کیے جاتے ہیں۔ مقامی ساجھے داری پر اصرار کیا جاتا ہے زرِ مبادلہ باہر سے لانے، ٹریننگ کے حصول کو مقامی طور پر بنائے جانے، گھریلو ریسرچ، برآمدات جیسے معاملات میں شرائط عاید کی جاتی ہیں۔ اور اس سب کے باوجود بین الاقوامی کمپنیوں کے دائرۂ کار میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ہم پہلے براہ راست سرمایہ کاری کے نظریہ پر غور کریں گے پھر سرمایہ کاری کرنے والے نیز میزبان ملک دونوں کے میزانِ ادائیگی پر اس کے اثرات کا جائزہ لیں گے اور آخر میں ان بہت سے الزامات پر نظر ڈالیں گے جو بین الاقوامی کمپنیوں پر لگائے جاتے ہیں مثلاً یہ کہ وہ بہت مہنگی پڑتی ہیں، استحصال کرتی ہیں، اجارہ دارانہ ہوتی ہیں، مقابلہ کرتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اس باب کا اختتام بین الاقوامی کمپنی کے مستقبل میں مقام کا اندازہ لگانے اور ان تقاضوں کا جائزہ لینے پر ہوتا ہے جن کی وجہ سے بین الاقوامی سماج کو بہت سے معاملات میں اپنی پالیسیوں کو حالات کے مطابق ڈھالنا ہے۔

براہ راست سرمایہ کاری کا نظریہ:

یہ خیال کیا جاتا تھا کہ تمسکاتی اور براہِ راست سرمایہ کاری میں بنیادی فرق یہ ہے کہ براہ راست

سرمایہ کاری میں کنٹرول کی ضرورت پڑتی ہے جب کہ نمسکاتی سرمایہ کاری اس سے بے نیاز ہوتی ہے۔ کنٹرول ایک قانونی تصور تھا اور اس سے مراد بیرونی کمپنی کے حصّوں میں ۱۰۰، ۹۸، 51 یا 48 فیصد ملکیت سے ہوتی تھی۔ یا کنٹرول کا تصور نظریہ فیصلہ کے اعتبار سے کیا جاتا تھا اور اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ ایک واضح طور پر تیار کردہ اسکیم کے دائرے میں اعلیٰ عہدہ داران کے انتخاب، نئی اموال، سرمائے کے بجٹ، تحقیق اور ترقی نیز نفع کی تقسیم جیسے سوالات کے بارے میں باہر کارروائی کا فیصلہ ہیڈ آفس سے کیا جائے گا لیکن سیدھی سرمایہ کاری ایک سرمائی حرکت تھی، ساتھ ہی ساتھ کنٹرول رکھا جاتا تھا اور دیگر عناصر زیادہ تر تکنیکی قسم کے ہوتے تھے۔

تاہم مشاہدے میں یہ بات آئی کہ براہ راست سرمایہ کاری کے لیے اکثر سرمایہ منتقل کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ باہر سرمایہ کاری کرنے کے لیے کوئی فرم مقامی کرنسی میں ادھار لے لیا کرتی تھی۔ کمپنی میں حصّوں کی رقم یہ بیرونی زرمبادلہ میں فراہم کر دیا کرتی تھی لیکن اگر سرمایہ کاری بیرونی فرم کے ساتھ مشترک کام میں کی جاتی تو فرم کا حصہ پیٹنٹ مشینری، ٹیکنولوجی، یا دیگر حقیقی املاک کی شکل میں ادا کیا جا سکتا تھا۔ علاوہ ازیں سرمایہ کاری کے ایک بار نفع کمانے شروع کر دینے کے بعد مقامی قرضوں اور نفع کو پھر فرم میں لگا کر اس کی توسیع کی جاتی تھی۔ براہ راست سرمایہ کاری اتنا بین الاقوامی سرمائی حرکت کا مظہر نہیں ہوتی تھی جتنا باہر سرمایہ سازی کے عمل کو انجام دینے کا۔

دیگر نظریات کی کوئی کمی نہیں ہے۔ ایک نظریہ کی رو سے براہ راست سرمایہ کاری جوئے بازی کی مانند تھی۔ کوئی فرم باہر تھوڑا سرمایہ لگاتی اور اس میں اضافہ کرتی جاتی یہاں تک کہ وہ بڑی رقم داؤ پر لگا دیتی بالکل اسی طرح جیسے کوئی جواری جیتی ہوئی تمام رقم میز پر رکھے رہے۔ یہ بات دیکھنے میں آئی کہ براہ راست سرمایہ کاری سے ہونے والے نفع کا عام طور پر 50 فیصد پھر سے کام میں لگا دیا جاتا تھا۔ اس لیے یہ مسئلہ اصول بن گیا کہ براہ راست لگائے جانے والے سرمایہ کا آدھا نفع کاروبار سے نکال لیا جاتا تھا اور باقی آدھا اسی میں جمع ہوتا رہتا تھا۔ یا براہ راست سرمایہ کاری تکنیکی سائیکل میں آخری مرحلہ ہوتی ہے جیسا کہ ہم نے باب 4 میں اشارہ کیا تھا۔ ابتداً گھریلو پیداوار ہوتی ہے اس کے بعد برآمدات ہوتی ہیں اور جب باہر پیداوار کی نقل ہونے لگتی ہے تو فرم بیرون ملک پیداوار کا کام کرنا شروع کر دیتی ہے۔ یہ صورت حال الیگزنڈر لام فلوس کے "دفاعی سرمایہ کاری" کے تصور سے مشابہ ہے۔ گھریلو سرمایہ کاری پر تذکرے کے سلسلے میں انھوں نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ بعض سرمایہ کاری ایسی ہوتی ہے جس کی متحرک نفع کی خواہش نہیں ہوتی بلکہ اس کا مقصد

نقصان سے بچنا ہوتا ہے۔ نفع کم ہو جانے سے متوقع نقصان کے لحاظ سے اس سرمایہ پر یافت کی مختتم شرح کسی دیگر سرمایہ کاری پر مختتم شرح کے برابر ہی ہوتی ہے مگر اوسط شرح کم رہتی ہے۔ کم نفع کی امید پر کسی بازار میں داخل ہونا اس سے بہتر ہے کہ انہیں اس بازار سے باہر ہی دھکیل دیا جائے اس نظریہ کا تعلق ایک تجارتی نقطۂ نظر سے ہے۔ براہ راست سرمایہ کاری اس وقت ہوتی ہے جب بڑے اور پھیلے ہوئے بازار موجود ہوں، اس کی رہنمائی نفع نہیں بازار کرتے ہیں۔ جہاں بازار موجود ہوں وہاں لمبے عرصے میں نفع تو مل ہی جاتا ہے۔

اجارہ دارانہ مسابقت :

ان میں سے ہر ایک تشریح میں صداقت کا عنصر ضرور موجود ہے لیکن اتنی پر اثر اور عمومی حیثیت کی مالک کوئی بھی دلیل نہیں ہے جیسی کہ اسٹیفن ہائمر نے اپنے M.I.T کے تحقیقی کام، The International Operation of National Firms میں پیش کی ہے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ براہ راست سرمایہ کاری کا تعلق اجارہ دارانہ مسابقت سے ہے نہ کہ سرمائے کی بین الاقوامی حرکات کے میدان سے۔ اگر دیگر باتیں جوں کی توں رہیں تو مقامی کمپنی کو غیر ملکی کمپنی پر سبقت حاصل رہتی ہے۔ زیادہ فاصلہ پر کام کرنا مہنگا پڑتا ہے۔ سفر، رسل و رسائل اور خاص طور پر غلط فہمی کی لاگت نسبتاً زیادہ ہوتی ہے۔ مقامی فرم کے قدم زمین پر جمے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس خطرے کی کاٹ کے لیے باہر سے آنے والی فرم کو کوئی دیگر ایسا فائدہ حاصل ہونا چاہیے جس میں مقامی فرم اس کی شریک نہ ہو سکے۔ یہ فائدہ خاص طور سے ٹکنولوجی یا پیٹنٹ کے میدان میں ہو سکتا ہے۔ اس کی رسائی بہت بڑے سرمایہ تک ہو سکتی ہے یعنی اس سے کہیں زیادہ جتنا کوئی مقامی فرم جمع کر سکتی ہے۔ یا جیسا کہ تیل صاف کرنے یا دھات تیار کرنے کے کام میں ہوتا ہے۔ کمپنی پیداوار کے مختلف مراحل پر اپنے کاموں اور درکار سرمایہ میں عمودی تال میل پیدا کر سکتی ہے۔ اور ہر مرحلہ پر ضروریات کے اپنے علم اور اسٹاک کی اونچی لاگت کی بنیاد پر اپنے کاموں میں تال میل بٹھا کر بچت حاصل کر سکتی ہے۔ اشتہار بازی کی بنیاد پر وہ مختلف اشیاء میں امتیاز پیدا کر سکتی ہے۔ یا اس کا انتظام فی الواقع اعلیٰ تر ہو سکتا ہے۔ تاہم زیادہ فاصلہ پر کام کرنے کی کمزوری پر قابو پانے کے لیے فرم کو کوئی مخصوص برتری ضرور حاصل ہونی چاہیے۔

فرم ملک کے اندر جتنا نفع کما سکتی ہے باہر اس کو اس سے زیادہ نفع کمانے کی اہلیت کا

حاصل ہونا چاہیے۔ یہی نہیں بلکہ باہر مقامی فرموں کے مقابلہ میں اس فرم کو زیادہ نفع کمانا چاہیے۔ اپنی تمامتر کمزوریوں کے باوجود یہ توقع کی جاتی ہے کہ اس فرم کے مقابلہ میں جو بنیادی طور پر پیداوار اور فروخت کے کام میں لگی ہوئی ہو بین الاقوامی سرمائی بازار سرمائے کے منتقل کرنے کا کام زیادہ بہتر طور پر انجام دے سکتا ہے۔

براہ راست سرمایہ کاری کے اس نظریہ کے بہت سے اہم پہلو ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جن صنعتوں میں خالص مسابقت ہو گی ان میں براہ راست سرمایہ کاری نہیں کی جائے گی۔ بہت کم کسان ملک کے باہر کھیتی کا کام کرتے ہیں یا سیرس ردیک یا کپڑے، لباس، چمڑے وغیرہ کی صنعتوں کے نمائندوں کے علاوہ بہت زیادہ خوردہ فروش باہر کام نہیں کرتے۔ دوم کوئی فرم غیر ملکیوں کو مشترکہ پیداواری مہموں میں شریک کرنا پسند نہیں کرتی کیونکہ وہ بہتر چیز کو اپنے لیے ہی محفوظ رکھنا چاہتی ہے[1] مقامی سرمایہ کار قدرتی طور پر اس تجویز کی مخالفت کرتے ہیں کہ وہ سرپرست کمپنی کے حصے خریدیں کیونکہ مقامی صورت حال کے پیش نظر ان کو جتنا نفع ملنا چاہیے وہ تمام حصوں پر منقسم ہو جانے کی وجہ سے کم رہ جاتا ہے۔ سوم ایک ہی صنعت میں براہ راست سرمایہ کاری دو سمتوں میں چلتی ہے جبکہ اگر حرکت کا انحصار نفع کی عام سطحوں پر ہو تو ایسا نہیں ہوگا۔ کسی حد تک ایسا اشیائی امتیاز اور خصوصیت برادری کی وجہ سے نفعوں کے اختلاف کی وجہ سے ہوتا ہے۔ لیکن کسی حد تک ایسی مسابقت چند فرموں کے بیچ محدود ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جہاں ہر ایک فرم یہ کوشش کرتی ہے کہ دوسری فرم کو کوئی غیر متوقع فائدہ نہ اٹھانے دے۔ بس صابن کے میدان میں لیور برادرس ریاستہائے متحدہ میں کام کرتی ہے اور پروکٹر اور گیمبل برطانیہ میں، تیل کا کام ریاستہائے متحدہ میں شل کرتی ہے اور ایسو سل کے مختلف بازاروں میں اور یہی بات صابن میں کنور اور ہیر، فوٹو

---

[1] اقلیت کو حصے کافی نفع بخش قیمت پر فروخت کیے جانے کی صورت میں یہ انداز فکر کچھ غیر معقول معلوم ہوتا ہے لیکن مشترک پیداواری مہموں کے خلاف ایک اور مجبور کن سبب بھی ہے۔ اکثریت اور اقلیت والے حصہ داروں کے مفاد میں تفاوت ہونا تقریبا ناگزیر ہے۔ ایک ترقی کا خواہشمند ہوتا ہے اور دوسرا گروہ نفع کے حصہ میں دلچسپی رکھتا ہے۔ یا ایک ضمنی کمپنی کے نفع کو زیادہ سے زیادہ کرنا چاہتا ہے جبکہ دوسرا پوری کمپنی کی آمدنی میں دلچسپی رکھتا ہے اور کمپنی کے وسیع تر مفاد میں کسی بھی ضمنی کمپنی کے مفاد کو قربان کر سکتا ہے۔

گرانی کے سامان میں اگھنا اور کوڈک کے بارے میں کہی جا سکتی ہے۔ ایسی اور بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ جب آٹوموبیل کی کوئی کمپنی برازیل میں ایک چھوٹا سا اور غیر ہنرمند کارخانہ لگاتی ہے تو 15 اور کمپنیاں میدان میں آجاتی ہیں جس طرح کشتیوں کی دوڑ میں آگے جانے والی کشتی کو راہ نہیں دینی چاہیے بلکہ اپنی پوزیشن کو قائم رکھنے کے لیے اس کے آگے آجانا چاہیے۔

براہ راست سرمایہ کاری کی اجارہ دارانہ نوعیت کے بارے میں بڑی جلد غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے۔ مقامی فرم جس کی کارکردگی اچھی نہ ہو اسے یہ دشواری محسوس ہوتی ہے کہ باہر سے حملہ کرنے والا بہت سخت مقابلہ کرتا ہے۔ جیسا کہ 1920 اور 1930 کی دہائیوں میں چین اسٹوروں کے معاملہ میں ہوا باہر کی بڑی فرم سے مقامی اجارہ کو شکایت مقابلہ کی ہوتی ہے جب کہ وہ اس پر الزام اجارے کا لگاتا ہے۔ اور R.C.A جیسی فرمیں جس نے کمپوٹر کے میدان میں جرمنی کی سائمنس سے سانٹھ گانٹھ کر لیا یا جنرل الکٹرک فرانس نے مشین بل کے ساتھ انھوں نے ایسا اجارہ کی توسیع کے لیے نہیں بلکہ اس صنعت میں انٹرنیشنل بسنس مشینز کی رہبری کو چنوتی دینے کے لیے قوت حاصل کرنے کے لیے کیا۔ اس سے بین الاقوامی مسابقت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ایک مثال یہ ہے کہ 1967 میں کناڈا کی اکھان ایلیمونیم لیمٹڈ نے ناروے کی حکومت سے اردال اوگ سندل ورک سے 50 فیصد حصے خریدے۔ آخر الذکر ایسی ایلیمونیم کمپنی تھی جس کی "مسابقت سے ساری صنعت ڈگمگا رہی تھی"۔ کسی حریف کو خرید لینے سے تجارت میں رکاوٹ پڑتی ہے۔ لیکن کسی مخصوص صورت حال کا جائزہ لیے بغیر یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ کسی فرم کو خرید لینے یا سرمایہ کاری میں اضافہ کرنے سے مسابقت بڑھے گی یا کم ہوگی۔

فرمیں کسی عرصے یا علاقے کو نظر میں رکھ کر ہی اپنے نفع کو زیادہ سے زیادہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ دائرۂ نظر بدلتے رہتے ہیں۔ 1950 سے پہلے کیمپل سوپ کمپنی کی کناڈا سے باہر شاذ ہی کوئی شاخ تھی۔ اس کے برعکس ہینز کی کمپنی تقریباً 57 شاخیں دوسرے ملکوں میں کام کر رہی تھیں اول الذکر کی تمام تر توجہ گھریلو پیداوار پر مرکوز تھی لیکن ملک کے اندر سخت مقابلہ کے پیش نظر آخر الذکر باہر شاخیں پھیلانے میں خاص دلچسپی لے رہی تھی۔ تاہم 1950 کے بعد کیمپل کمپنی نے بھی باہر پھیلنے کی مہم کا آغاز کر دیا۔ اسی طرح دوسری عالمی جنگ سے پہلے ریاستہائے متحدہ میں کیمیکل صنعت اور دواساز کمپنیاں غیر ملکی مقابلہ سے بچنے کی کوشش میں اس درجہ مشغول نہیں کہ وہ باہر پیداوار کا کام شروع کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہ سکیں۔ 1954 کی مندی میں گھریلو سرمایہ کاری کے اپنے جنگ کے

بعد کے بیشتر منصوبوں کو پورا کر چکنے کے بعد انھوں نے بین الاقوامی افق کی جانب نظر اٹھائی اور باہر سرمایہ لگانا شروع کیا۔ جیسا کہ باب 11 میں پہلے ہی کہا جا چکا ہے۔ 1957 کے روم سمجھوتے نے ریاستہائے متحدہ کی بیرونی سرمایہ کاری کو تیز کیا۔ اس سمجھوتے نے نفع کمانے کے نئے مواقع تو زیادہ پیدا نہیں کیے تھے مگر نفع کمانے کے موجودہ مواقع کی طرف توجہ ضرور مبذول کرائی تھی۔ مشترک منڈی کے آغاز تک یورپ کی تیز اور لگاتار ترقی ان بہت سی بڑی فرموں کے دائرۂ نظر سے باہر رہی تھی جو وہاں سرمایہ کاری کر سکتی تھیں۔ EEC کی تشکیل کے بعد ان کے دائرۂ نظر میں ایک دم اضافہ ہوا یورپ اس کے اندر آگیا اور مجموعی طور پر یورپ میں سرمایہ کاری میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوا۔

براہ راست سرمایہ کاری کے اس نظریہ کو مختصراً ایک سادہ فارمولے میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس فارمولے کو ابتدائی معاشیات میں آمدنی کے کسی مستقل بہاؤ کو سرمائے کی شکل میں پیش کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

$$C = \frac{I}{i}$$

یہاں C املاک یا دینداری کی قیمت ہے۔ I اس سے پیدا ہونے والا آمدنی کا دھارا اور i سود یا نفع کی بازاری شرح بس طالب علم کو یاد ہوگا کہ 1000 $ کی علامتی قیمت کا ایک دائمی بونڈ جس پر 4 فیصد کا سود ملتا ہو (40 $ سالانہ آمدنی یا I) بازار میں شرح سود (i) 3 فیصد ہونے کی صورت میں 1333 $ کا فروخت ہوگا۔ (C)۔ ہائمر کا براہِ راست سرمایہ کاری کا نظریہ کہتا ہے کہ ملک A میں کسی آمدنی والی جائیداد مثلاً کسی فرم کے لیے غیر ملکی ملک A کے رہنے والوں سے زیادہ قیمت ادا کرنے کے لیے آمادہ ہو جانے کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ وہ کم 'i' پر قانع ہو جاتے ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ زیادہ اونچی 'I' کما سکتے ہیں۔ بین الاقوامی سرمائی بازار یقیناً کامل نہیں ہوتے اور i میں اختلافات سے سرمائے کے بہاؤ میں مدد ملتی ہے۔ لیکن براہِ راست سرمایہ کاری کا طرز عمل یعنی میزبان ملک میں اسی شرح (i) پر جو مقامی افراد کو دینی پڑتی ہے قرض لینے کے لیے سرمایہ کاروں کی آمادگی، اجارہ دارانہ صنعتوں میں اس کا جماؤ، اس کی دو طرفہ حرکت اور مکمل ملکیت پر اس کی ضد سب یہی ظاہر کرتے ہیں کہ اہم چیز بڑی I ہے چھوٹی i نہیں۔

سرمایہ کار ملک کا میزانِ ادائیگی :

سرمایہ کار اور میزبان دونوں ملکوں کے میزان ادائیگی پر براہ راست سرمایہ کاری کے اثرات پر اختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔ ہم یکے بعد دیگرے ان کا جائزہ لیں گے۔ ریاستہائے متحدہ نے فروری 1965ء میں قرض پر روک لگانے کا ایک رضا کارانہ پروگرام (VCRP) نافذ کیا اس کا مقصد یورپ کی جانب براہِ راست سرمایہ کاری کی رفتار کو سست کرنا اور نفع کو ملک میں لانے کی ترغیب دینا تھا۔ ابتدا میں 400 کمپنیوں بعد ازاں 700 اور پھر 900 کمپنیوں کو یہ ہدایت کی گئی کہ وہ ملک کے میزانِ ادائیگی پر پڑنے والے اثر کو بدلنے کے لیے کارروائی کریں تاکہ 5 فیصد کا سدھار ممکن ہو سکے۔ توجہ کا مرکز سرمایہ کاری پر روک لگانا نہیں تھا بلکہ میزانِ ادائیگی پر اس کے اثر کو محدود کرنا تھا۔ برآمدات میں توسیع، درآمدات میں کمی، ملک میں نفع کی زیادہ رقم بھیجے، قرضوں کے لیے ریاستہائے متحدہ سے دوسرے ممالک کی جانب توجہ، ان سب کی اتنی ہی اہمیت تھی جتنی بیرونی سرمایہ کاری میں واقع ہونے والی کمی کی۔ تاہم اس بات کی شہادت دی جا سکتی ہے کہ 1964ء میں ریاستہائے متحدہ کی بیرونی براہ راست سرمایہ کاری ضرورت سے زیادہ رہی تھی کیونکہ تمسکاتی سرمایہ کاری پر 1963ء میں سود برابر کرنے والے ٹیکس کے نفاذ سے بہت سی کمپنیوں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ کسی نہ کسی شکل میں رکاوٹ لگائی جانے والی ہے، اور اس لیے انھوں نے اپنی غیر ملکی لین داریوں میں عام ضرورت سے زیادہ اضافہ کر لیا تھا۔

سرمایہ کار ملک کے میزانِ ادائیگی پر براہ راست سرمایہ کاری کے اثرات کی نوعیت کے بارے میں کوئی نزاع نہیں ہے اور اُن اثرات کے اضافی سائز کے بارے میں تھوڑا بہت اختلاف رائے ہی ہے۔ بحث کا مرکز ماڈل کا انتخاب ہے۔ مثال کے طور پر سبھی مانتے ہیں کہ براہِ راست سرمایہ کاری سے ساز و سامان، پرزوں، اور پیداوار میں کام آنے والے ذخائر کی برآمدات میں براہ راست تیزی آتی ہے اور کمپنی کے دائرۂ کار میں دیگر اشیاء کی برآمدات کو بالواسطہ طور پر سہارا ملتا ہے۔ یہ وہ اشیاء ہوتی ہیں جنھیں کمپنی باہر اپنی موجودگی کی وجہ سے بیچ پاتی ہے۔ میزانِ ادائیگی کو دیگر مثبت امداد لگان، پیٹنٹ پر ملنے والی رائلٹی، اور ٹیکنولوجی سے ملتی ہے۔ اور سب سے زیادہ سہارا سود اور منافع کے بہاؤ سے ملتا ہے گو سارے نفع ملک میں نہیں لائے جاتے۔ منفی پہلو پر برآمدات کی جگہ نئی بیرونی اشیاء کا آجانا، گھریلو بازار کے لیے باہر سے بعض اشیاء کی درآمد اور سب سے بڑھ کر

ابتدائی سرمایہ کاری کی رقم جیسے عناصر ہوتے ہیں۔ انتقال کا نظام کس طور پر کام کرتا ہے اس کے بارے میں معاشیات کلاں کی سطح پر کوئی بحث نہیں کی گئی ہے یا یہ بحث نہایت ہی محدود رہی ہے۔ زیر بحث ساری مدیں براہِ راست غیر ملکی سرمایہ کاری کے عمل سے پیدا ہوتی ہیں۔

اس مسئلہ کی اپنی ابتدائی تشکیل میں پل نے صرف چند ہی متغیر عناصر کا استعمال کیا تھا جن کی تفصیل یہ تھی۔

میزان ادائیگی سنورتی ہے		میزان ادائیگی بگڑتی ہے۔	
برآمدات میں تیزی اور فیس ...	19	سرمایہ	100
ملک میں لائی گئی آمدنی	6		
میزان د سالانہ	25		100

دوسرے عرصے سے شروع ہو کر آمدنی سال بہ سال ہوتی رہی۔ تاہم سوال یہ پیدا ہوا کہ سرمائے کے بہاؤ سے متعلق موزوں ترین مفروضہ کیا ہوگا۔ ایک واحد سرمایہ کاری کی بنیاد پر پہلے سال میں میزان ادائیگی میں 100 ڈ کا خسارہ رہا لیکن اس کے بعد ہر سال بہتر ہوتا گیا یہاں تک کہ پانچویں سال کے اختتام پر کل خسارہ صفر ہو گیا اور اس کے بعد ہر بات خوش آئند ہوتی گئی۔ لیکن پل نے اس ماڈل کو فضول قرار دیا۔ اگر بیرونی سرمایہ کاری کی جدول کو 100 ڈ کی برابر اوپر کھسکا دیا جائے اور پھر ہر سال 100 ڈ کی نئی سرمایہ کاری ہو تو چوتھے سال کے اختتام پر جمع ہوتا ہوا خسارہ بڑھ کر 250 ڈ ہو جائے گا۔ اس کے بعد ہر سال کم ہوتا جائے گا لیکن نویں سال سے پہلے صفر نہ ہو پائے گا۔ ممکن ہے یہ بھی سب سے زیادہ حقیقت پسندانہ ماڈل نہ ہو 1957 اور 1961 کے بیچ ریاستہائے متحدہ کی بیرونی سرمایہ کاری میں 25 فیصد سالانہ کی شرح سے اضافہ ہوا۔ اس فیصد کی بنیاد پر آگے کا حساب لگانے سے یہ پتہ لگتا ہے کہ ہر 100 ڈ کی براہِ راست سرمایہ کاری 5 سال میں اپنی ادائیگی کر دیتی ہے لیکن کل رقم کا اٹھتا ہوا غیر موافق اثر میزان ادائیگی پر ہمیشہ کے لیے بڑھ جاتا ہے۔

سرمایہ کاری کے ایک واحد ٹرانزکشن کے حق میں تجارتی زرتے نے جدولی تبدیلی اور اضافے کی یکساں شرح کے ماڈلوں کی زبردست مخالفت کی۔ ان کی دلیل بے شک صحیح ہے۔ لیکن موزوں ماڈل کیا ہے؟ اس کا درحقیقت کوئی بہترین جواب نہیں دیا جا سکتا۔ یہ سوال پر منحصر ہے جیومیٹرائی اضافے والا ماڈل تھوڑے عرصے کے علاوہ یقیناً کسی بھی مقصد کے لیے احمقانہ معلوم ہوتا ہے۔

درخت کبھی آسمان تک نہیں پہنچتے۔ اور بچے جن کا پیدائش کے وقت کا وزن پانچ ماہ کے اندر دگنا اور سال بھر میں تین گنا ہو جاتا ہے کسی مثبت وزن پر جا کر رک جاتے ہیں وہ لامحدود پونڈ، اسٹون یا کلوگرام کے نہیں ہو جاتے۔ تاہم جس طرح واحد انجکشن، بدلتی جدول یا جیومیٹرائی تیز رفتاری کے بیچ انتخاب نہیں کیا جا سکتا اس بات کا بھی کوئی جواب ممکن نہیں ہے کہ سب سے بہتر ماڈل کیا ہوگا۔

ایک تجارتی گروہ قومی صنعتی کانفرنس بورڈ (NICB) نے براہ راست سرمایہ کاری کے سلسلے میں "اضافائی" اور "نباتاتی" طرزِ فکر میں امتیاز کرنے کی کوشش کی۔ اول الذکر حاشیہ پر ایک واحد سرمایہ کاری کو لیتی ہے۔ اور پھر اس کے اثرات کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتی ہے۔ NICB اس طرزِ فکر کی منطق کو صحیح قرار دیتا ہے لیکن اسے غیر حقیقی قرار دے کر مسترد کر دیتا ہے اس کی رائے میں بیرونی سرمایہ کاری کے ٹکڑے نہیں کیے جا سکتے۔ پوری سرمایہ کاری کو ایک اکائی مان کر چلنا ہوتا ہے۔ پرانے سرمائے کی افادیت کو برقرار رکھنے کے لیے نئی سرمایہ کاری ضروری ہوتی ہے۔ بیرونی بہاؤ کو رد کرنے سے نہ صرف مستقبل میں آمدنی ختم ہو جائے گی بلکہ نفع حصص کا موجودہ دھارا بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔ باہر کام کرنے والی فرم کو بازار کی توسیع کے ساتھ قدم ملا کر چلنا ہوگا۔ رک کر کھڑے ہو جانے سے بازار میں اس کا مقام چھن جائے گا اور اس طرح اس کے مرنے کے دن قریب آجائیں گے۔ نباتاتی دلیل کی خوبیوں کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ یہ کچھ صوفیانہ انداز رکھتی ہے۔ اگر بیرونی سرمایہ کاری نفع بخش ہے تو نفع کو پھر صنعت میں لگایا جا سکتا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو توسیع کی صحت میں شبہ ہے۔ ماہرین معاشیات اس طرح کی دلیل پر ناک بھوں سکوڑتا ہے لیکن یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ تاجر ایسا کیوں سوچتے ہیں۔

اگرچہ ماڈل کے صحیح انتخاب کے سلسلے میں کوئی پیش رفت مشکل ہے۔ متعلقہ عناصر کو زیادہ واضح کرنا ممکن ہو سکا ہے۔ بر دکنگس کے ایک مطالعہ میں اثرات کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے۔

میزان ادائیگی سدھارنے والے		میزان ادائیگی بگاڑنے والے	
برآمدات میں اضافہ	10.6	سرمایہ	100
ملک میں لایا گیا نفع کا حصہ	8.1	درآمدات میں اضافہ	6.5
رائلٹی اور فیس	2.3	برآمدات میں کمی	(صفر)

ان اعداد کی موجودگی میں واحد انجکشن چھٹے سال میں اور مسلسل بہاؤ گیارھویں سال میں میزان کو

برابر کر دیا ہے مگر 22 فیصد سالانہ کی شرح پر بڑھنے والا دھارا کبھی بھی نہیں۔ آخری صورت میں سالانہ سرمایہ کاری کی رقم بیسویں سال میں 53 ملین ڈالر کے آس پاس پہنچ جاتی ہے اور برآمدات میں اضافہ 37 ملین ڈالر کے آس پاس۔ باقی مدوں کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔

صورت حال کا مشاہدہ کرنے والے ایک صاحب نے ایک مزید سوال اٹھایا ہے:۔ مان لیجیے کہ زر کو بغیر منتقل کیے 100 $ کی نئی سرمایہ کاری کی گئی ہے۔ حصوں کی قیمت ادا کرنے کے لیے اشیاء اور دیگر قیمتی ملحوظات کو لشبکل جنس منتقل کیا گیا ہے اور باقی ماندہ سرمائے کو مقامی قرضوں یا پرانے سرمائے کے نفع سے حاصل ہونے والی رقوم سے پورا کیا گیا ہے اس صورت حال میں سرمایہ کاری کے مثبت اثرات فوراً پیدا ہوں گے اور ان میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ وہ ماڈل جو 100 $ ڈالر کے منفی اثر سے شروع ہوتا ہے کسی بھی صورت سے واحد ممکن ماڈل قرار نہیں دیا جا سکتا تاہم اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مختلف ماڈلوں میں استعمال کیے جانے والے سبھی تناسب میزانِ ادائیگی کے اعداد و شمار سے اخذ کیے گئے تھے۔ اگر کوئی شخص ایک مختلف مسئلہ اٹھاتا ہے تو اسے تناسبات کا ایک نیا سیٹ وضع کرنا ہوگا۔ اگر آپ 100 $ کی ابتدائی سرمایہ کاری کو حذف کرتے ہیں تو آپ کو ماڈل کے دیگر مثبت اور منفی عناصر کو بھی بدلنا ہوگا۔

مختصر طور پر ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ براہ راست سرمایہ کاری سے میزان توازن کسی بھی ایک سال میں جب اس سرمایہ کاری کی رقم بڑی ہوتی ہے بگڑتا ہے لیکن جیسے جیسے وقت گذرتا ہے اس سرمایہ کاری سے میزان توازن کو بہتر ہونے میں مدد ملتی ہے۔ اس نظریہ میں تھوڑی بہت صداقت ہو سکتی ہے کہ پرانی سرمایہ کاری سے ملنے والے نفع کو جاری رکھنے کے لیے سال بہ سال رقم لگاتے رہنے کی ضرورت پڑے گی لیکن غالباً اسے زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیے۔ جیسا کہ دنیا میں اور بہت سے معاملات میں ہوتا ہے آج کا بحران لمبے عرصے میں صحت کا دشمن ثابت ہوتا ہے اور ایسی کارروائی کو حق بجانب قرار دینے کے لیے جو تھوڑے عرصے میں مفید مگر لمبے عرصے میں ضرر رساں ہو یہ یقین کر لینا ضروری ہے کہ آج کا بحران فی الواقع بڑا جان لیوا ہے۔

میزبان ملک کی میزان ادائیگی پر پڑنے والا اثر :

براہ راست سرمایہ کاری کے اثر کو سرمایہ کار اور میزبان دونوں ہی ملکوں کی میزان ادائیگی [illegible] قرار دیا جا سکتا ہے بشرطیکہ ایک اسے تھوڑے عرصے [illegible] نظر سے دیکھے اور

دوسرا لمبے عرصے کے لحاظ سے ۔ اور وہ ایسا ہی کرتے ہیں۔ میزبان ملک براہ راست سرمایہ کاری کو 'مہنگا' قرار دیتا ہے۔ تھوڑی سرمایہ کاری کا میزان ادائیگی پر شروع کے سالوں میں معمولی اثر پڑے گا نفع کو دوبارہ کام میں لگایا جائے گا۔ اس طرح ایک کمپنی بن جائے گی جو نفع کی ایک بڑی رقم باہر بھیجا کرے گی۔ ایسے کیسوں کی کوئی کمی نہیں ہے جن میں ابتدائی سرمایہ کاری کا موازنہ بعد کے سالوں میں نفع کے سالانہ بہاؤ سے کیا جاتا ہے۔ ایک پرانے اور بدنام کیس میں آسٹریلیائی عوام 1950 کی دہائی کے شروع میں اس وقت بڑے چراغ پا ہوئے جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ جنرل موٹرز۔ ہولڈن پرائیویٹ لمیٹڈ کا ایک سال نفع بکری کا 14 فیصد لگی ہوئی رقم کا 24 فیصد، حصہ داروں کے سرمائے کا 39 فیصد اور جنرل موٹرز کے ابتداء میں لگائے گئے سرمائے کا 560 فیصد ہوتا تھا۔ اس منافع میں سے جو رقم نفع حصص کے طور پر تقسیم کی جاتی تھی وہ لگی ہوئی رقم کا 11 فیصد، حصہ داروں کے سرمائے کا 18 فیصد، ابتدائی سرمایہ کاری کا 260 فیصد اور سال بھر کی آسٹریلیائی ڈالر آمدات کے 8 فیصد کے برابر ہوتی تھی۔ یہ سب کچھ اس حقیقت کے باوجود ہوا کہ کمپنی نے ہولڈن کار ـــــ جسے کبھی کبھی کو رویہ کا پیش رو بتایا جاتا ہے ـــــ کی قیمت ایسی سطح پر مقرر کی تھی جو بازار کی مانگ کو پورا کرنے میں ناکام رہی۔ فہرست میں چھ ماہ کا انتظار کرنا پڑتا تھا۔

ایک عالم نے جنرل موٹرز ہولڈن کے کیس کو زریں جوئے کے نظریہ کی وضاحت میں بطور مثال پیش کیا ہے۔ اس نظریہ کی رو سے براہ راست لگائی ہوئی رقوم نہایت تیز رفتاری سے بڑھتی ہیں کیونکہ کمپنیاں نفع کو واپس پیداوار میں لگانے کا کام آنکھ بند کر کے کسی طے شدہ اصول کے ماتحت کرتی جاتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ابتدائی سرمایہ سرعت کے ساتھ اہرامی شکل اختیار کرتا جاتا ہے اور بالآخر اس سے نکلنے والا آمدنی کا دھارا ابتدائی سرمایہ کاری کے مقابلہ میں بہت بڑا ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے۔ تاہم ایسا ابھی وقت ہوگا جب پیدا کردہ چیز روپیہ کمائے یعنی براہ راست سرمایہ لگانے والا ایسی چیز پیدا کرے اور بیچے جسے عوام چاہتے ہیں۔ براہ راست لگائی گئی سبھی رقوم دوبارہ لگانے کے لیے نفع کمانے کی صلاحیت نہیں رکھتیں اور براہ راست سرمایہ کاری کرنے والا کوئی بھی شخص اس وقت نفع کو دوبارہ اسی کام میں نہیں لگائے گا جب تک مزید نفع کمانے کے امکانات روشن نہ ہوں۔ مہنگا سمجھے کی بجائے براہ راست سرمایہ کاری کو کارگر قرار دیا جا سکتا ہے یعنی ان معنی میں کہ اس نے ایک ایسی کار کم داموں پر فراہم کی جسے آسٹریلیا کے عوام بہت زیادہ چاہتے تھے۔

اس بنیاد پر منافعوں یا نفع حصص کی بعد میں ملنے والی شرحوں کا ابتدائی سرمایہ کاری سے مقابلہ

کرنا جائز نہیں ہے۔ ان کا موازنہ کاروبار میں لگی ہوئی کل رقم یا غیر ملکی حصہ داروں کی رقم سے کرنا مناسب نہ ہوگا۔ جب تک سرمایہ کار کو نفع کی رقم ملک سے باہر لے جانے کا اختیار رہتا۔ ہر سال دوبارہ لگائی جانے والی رقم کو جداگانہ اور خرید سرمایہ کاری سمجھا جانا چاہیے۔ نفع کو سرمائے میں شامل کر دینا اور اہرام سازی ناگزیر نہیں ہیں۔ پچھلے باب میں ہم نے دیکھا ہے کہ نہ تو سرمایہ کاروں کو پرانے قرض پر سود کو ادھار دینے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ قرضدار پر ادھار لینے کے لیے مجبور ہوتا ہے۔ اسی طرح ابتدائی سرمایہ کاری کا بے تحاشہ بڑھنا ضروری نہیں ہے۔ نفع میں سے جو بھی رقم دوبارہ لگائی جاتی ہے اسے آمدنی کمانے کا اپنا الگ حق ہوتا ہے۔

ہولڈن کی بکری کے لیے رقم کیسے فراہم کی گئی۔ اس کے بارے میں ایک چھوٹا سا نکتہ بیان کیا جا سکتا ہے۔ کسی نئی چیز کے میدان میں آنے سے مانگ اس کے حق میں بدل سکتی ہے۔ اگر کل مانگ میں کوئی تبدیلی نہ ہو تو ہولڈن کی خریداری میں اضافہ ہونے سے دیگر اشیا کی خریداری کم ہو گی جس سے بعض درآمدات میں براہ راست کمی واقع ہو گی اور باقی میں سے وسائل آزاد ہو جائیں گے ان وسائل کو برآمدات کو بڑھانے یا درآمدات کو گھٹانے والے کاموں میں لگایا جا سکتا ہے۔ بہر حال اگر ہولڈن کی خریداریوں کے لیے درکار تمام رقم قرض سے مہیا کی جائے ـــــ مثلاً قسطوں میں لوٹائے جانے والے ادھار کی شکل میں ـــــ تو کل خرچ میں اضافہ ہوگا اور کل وسائل پر دباؤ بڑھ جائے گا جس کی وجہ سے فاضل درآمدات رونما ہوں گی لیکن میزانِ ادائیگی پر اس بار کے لیے براہ راست سرمایہ کاری کو اتنا موردِ الزام قرار نہیں دیا جانا چاہیے جتنا قرضوں میں ہونے والی توسیع کو۔

ایک تیسرا کافی اہم نکتہ یہ ہے کہ جنرل موٹرز۔ ہولڈن نے اپنے بڑے منافع ٹریف کی کافی اونچی حفاظتی دیوار کے پیچھے حاصل کیے۔ جب 1966 کی جولائی میں جاپان کی ٹیوٹا کار آسٹریلیا میں درآمد کی جانے والی گاڑیوں کے $7\frac{1}{2}$ فیصد حصے پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئی ٹریف بورڈ نے اس امر کو یقینی بنانے کے لیے کہ بازار میں کاروں کی فراہمی درآمدات کی بجائے ملک کے اندر کی صنعت سے ہو مال کی قیمت پر ٹریف کو 35 فیصد سے بڑھا کر 45 فیصد کر دیا۔ مختصر نا اہل کارخانے کو قائم رکھنے کے لیے ٹریف کو جتنا اونچا کرنے کی ضرورت پڑتی ہے حاشیہ سے اوپر کے کارگر کارخانوں کا نفع اتنا ہی زیادہ ہو جاتا ہے۔ یہ معلوم کرنا ناممکن ہے کہ 1960 کی دہائی میں جنرل موٹرز۔ ہولڈن کے منافع کتنے رہے تھے کیونکہ 1950 کی دہائی میں جنرل موٹرز کے بارے میں اتنا ہنگامہ برپا ہوا تھا کہ اس نے اقلیتی حصے خرید لیے اور خود کو نجی کمپنی میں تبدیل کر لیا جس کا ایک ہی مالک رہ گیا اور جس پر اپنے حسابات

شائع کرنے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ لیکن جس حد تک آسٹریلیائی ٹریف بورڈ درآمدات پر اونچے ٹریف بنائے رکھتا ہے جنرل موٹرز۔ ہولڈن کے منافعے (شکل 7-1 میں تو تقسیم اثر) آسٹریلیائی اقدام کا نتیجہ ہیں غیر ملکی کمپنی کی کارروائی کا نہیں۔

زیادہ بنیادی بات یہ ہے کہ جب براہ راست سرمایہ کاری سے بڑے منافعے حاصل ہوتے ہیں تو وہ اس بات کی علامت ہوتے ہیں کہ مانگ کے مقابلہ میں رسد بے حد کم ہے اور رسد کو اس حد تک بڑھانے کے لیے جہاں صرف حسب معمول نفع ہی مل سکے نئے کارخانے قایم کیے جانے چاہئیں۔ قومی مفاد کے نقطۂ نظر سے یہ زیادہ بہتر ہوگا کہ مقامی صنعت کار اس موقع کا فائدہ اٹھائیں۔ لیکن بیرونی سرمایہ کار بڑے منافعے اس وجہ سے حاصل کر رہا ہے کیونکہ گھریلو صنعت اس خلاء کو پر کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی۔ جنرل موٹرز۔ ہولڈن کے کیس میں اونچے منافعے وہی کام انجام دیتے ہیں جن کی ان سے سرمایہ دارانہ نظام میں توقع کی جاتی ہے۔ جنرل موٹرز۔ ہولڈن کی کامیابی نے فورڈ اور ڈیملر۔ بینز جیسی کار بنانے والی عالمی کمپنیوں کو آسٹریلیا میں اپنی ضمنی شاخیں قایم کرنے کی طرف راغب کیا۔ اور اگر ٹریف نہ ہوتا تو ان کے قائم ہو جانے کے بعد منافعے نارمل ہو جاتے۔ پیداوار کسی میدان میں بڑھائی جائے اس کے لیے اونچے منافع کے سگنل کی ضرورت تھی۔ ممکن ہے براہ راست سرمایہ کاری اجارہ دارانہ طاقت نئی فرموں کو میدان میں نہ آنے دے لیکن جہاں اس طاقت کی بنیاد عمدہ کارکردگی اور مہارت ہو جیسا کہ جنرل موٹرز کے کیس میں تھا وہاں ضرورت نقل کی ہوتی ہے سرزنش کی نہیں۔

یہ بات بڑی دلچسپی کا باعث ہے کہ 1960 کے بعد جب درآمدات پر پابندیوں کو ڈھیلا کر دیا گیا تو آسٹریلیا میں لگے ہوئے امریکی سرمائے پر نفع کی شرحیں بڑی تیزی سے گریں۔ پس براہ راست سرمایہ کاری کی مہنگی نوعیت اور میزانِ ادائیگی پر اس کے اثرات کے بارے میں جتنے بھی نکات اٹھائے گئے ان میں سب سے زیادہ وہ اہم تحفظ معلوم ہوتا ہے جو تجارت پر کنٹرول کے سبب غیر ملکی کو حاصل ہوتا ہے۔ اجارہ اور اجارہ میں چند فرموں کا ہونے کی صورت میں منافعے اعتدال کی سطح سے اوپر رہتے ہیں۔ ٹریف اور کوٹے ان اجاروں کی پناہ بن جاتے ہیں۔ جو حکومتیں ٹریف بڑھا کر اجارہ کو زیادہ تحفظ عطا کر سکتی ہیں ان کے پاس براہ راست سرمایہ کاری پر نفع کی شرح کو کم کرنے کی طاقت بھی ہوتی ہے۔

کم ترقی یافتہ ممالک کا استحصال:

کم ترقی یافتہ ممالک میں براہ راست سرمایہ کاری کے رول پر خاص توجہ دی گئی ہے۔

عراق میں عراق پٹرولیم کمپنی کی کارکردگی پر بحث کرتے ہوئے ایڈتھ پن روز نے یہ فیصلہ دیا کہ اس کمپنی نے ملک کا "استحصال" کیا ہے۔ کیونکہ جتنے نفعے کی خاطر وہ ملک میں آنے پر رضامند ہو جاتی اس نے اس سے کہیں زیادہ نفع کمایا ہے۔ لیکن اتنے حقارت آمیز لفظ کے استعمال سے تجزیے کے الجھ جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ عراق پٹرولیم کمپنی کو کسی دیگر براہ راست سرمایہ کاری کرنے والے کی طرح ایسی برتری حاصل ہے جس کا وہ فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ یہ برتری خواہ ٹکنولوجی میں ہو یا تیل کے فروخت کرنے میں یا سرمائے کی بڑی رقوم تک دسترس میں۔ ابتداً عراق کی برتری محدود ہے —— وہ صرف تیل بردار ریگستانوں کا مالک ہے —— لیکن یہ صورت حال دوطرفہ اجارے پر مشتمل ہے —— مقابلہ بیچنے والے اجارے اور خریدنے والے اجارہ کے بیچ ہے اور اس کا کوئی حتمی حل نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ہر ایک فریق معاہدے میں جتنا زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی امید کر سکتا ہے اور کم سے کم وہ جتنا لینے کے لیے آمادہ ہو سکتا ہے دونوں کے بیچ اتنا فاصلہ ہوتا ہے کہ کسی بھی حل کو ایک یا دوسرے فریق یا دونوں کے استحصال پر محمول کیا جا سکتا ہے یعنی اگر استحصال کی تعریف اسی طرح کی جاتی ہے کہ کسی فریق کو اس سے زیادہ قیمت ملتی ہے جتنی کہ وہ لینے کو تیار ہو۔

ایسی صورت میں کمپنی اور ملک کے بیچ ہونے والی سودے بازی کو سمجھنے کے لیے غیر صفر جوڑ کھیل نظریے کے تجزیہ کی ضرورت پڑتی ہے جو محبت اور جنگ سے مشابہت رکھتا ہے جہاں بہت سے حل ممکن ہوتے ہیں مثلاً دونوں خوش (امن) ایک خوش دوسرا ناخوش (فتح) یا دونوں ناخوش (تباہ کن جنگ)۔ تجزیہ کا ایک اور زیادہ مفید طریقہ اس امر کا جائزہ لینا ہے کہ وقت کے ساتھ اور پالیسیوں کے زیر اثر کسی مفروضہ ملک اور کمپنی کی سودے بازی کی نسبتی طاقت کس طرح بدلتی ہے۔ کم ترقی یافتہ ملک میں بازاروں، ٹکنولوجی، سرمایہ، اور انتظامی صلاحیتوں کا فقدان ہوتا ہے۔ سودا کرتے وقت کمپنی ان سب کی پیش کش کرتی ہے۔ ملک کے پاس تو بس قدرتی وسائل ہوتے ہیں۔ جب تک ایسا ملک مراعات حاصل کرنے کے لیے بہت سی کمپنیوں کو بولی لگانے پر آمادہ نہ کر سکے تو اس کے پاس جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے اسے قبول کرنے کے سوا کیا چارہ ہو سکتا ہے۔ پھر ان کمپنیوں پر تقسیم علاقہ کی پہلے سے ہی کوئی ایسی پابندی نہیں ہونی چاہیے جیسی مثلاً سرخ خط کے معاہدے

میں ہے۔ اس کی رو سے نقشہ پر کھینچے گئے سُرخ خط کے شمال میں مشرقِ وسطیٰ کی تمام مراعات برطانیہ کو حاصل ہوں گی اور جنوب میں ریاستہائے متحدہ کو۔ اگر مذاکرات کے دوران بندرگاہ میں کوئی توپ بردار کشتی بھی موجود ہو تو سودے بازی کی گنجائش اور بھی کم رہ جاتی ہے۔

تاہم وقت کے ساتھ سودے بازی کی طاقت کا توازن بدلتا ہے۔ کمپنی بڑی رقوم لگا چکی ہوتی ہے۔ اب سارے ہنر اسی کے پاس نہیں رہ جاتے کیونکہ کمپنی حکومت کے اصرار کے باعث مقامی لوگوں کو تکنیکی تربیت دے چکی ہوتی ہے۔ سرکاری عہدے داران میں صنعت سے متعلق باریکیوں کی معاشی سوجھ بوجھ پیدا ہو جاتی ہے۔ وسائل کے ذخائر کے بارے میں یقین ہو جانے کی وجہ سے نئی فرموں کے لیے خطرات کم ہو جاتے ہیں۔ اس کی وجہ سے حریف میدان میں آنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ پرانا معاہدہ ختم ہو جانے اور اگر ممکن ہو تو اسے منسوخ کر دینے کے بعد جن شرائط پر نیا سمجھوتہ ہوتا ہے وہ پہلے کی نسبت کہیں زیادہ ملک کے حق میں ہوتی ہیں۔ کمپنیاں اپنی پوزیشن بنائے رکھنے کی کوشش کرتی ہیں مثال کے طور پر پٹرول کی صنعت میں کچھ عرصہ تک یہ صورت رہی 50-50 کے سمجھوتے ہوئے جن کے تحت کمپنی اور مقامی ٹیکس انتظامیہ نفع اور رائلٹیوں کی رقم برابر برابر بانٹ لیا کرتے تھے۔ لیکن سودے بازی کی پوزیشن ٹھہراؤ پر نہیں آتی۔ ملک نئی شرائط عاید کرنے کی کوشش کرتے ہیں: کمپنی کو مثال کے طور پر اس کی مقامی کرنسی بڑھی ہوئی مبادلہ شرح پر خریدنی ہو گی یا یہ ضروری کر دیا جاتا ہے کہ ٹیکس قیمت فروخت کی بجائے (جس میں بٹہ شامل ہوتا ہے) پہلے سے طے شدہ قیمت پر ادا کیے جائیں۔ نئی مراعات 60-40 یا 75-25 کی تقسیم پر دی جاتی ہیں اور پرانی مراعات کو بتدریج اس بنیاد پر لانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ابتدائی دو فریقی معاہدہ مسابقانہ حل کے نزدیک آتا جاتا ہے۔ آخر میں ملک کمپنی کو معتدل سے کم نفع قبول کرنے پر مجبور کر کے اس کا استحصال کر سکتا ہے۔ بس وہ نفع کو اتنا ہی اونچا رکھتا ہے جو کمپنی کو واپس چلے جانے سے باز رکھے۔ اور بہت سے کیسوں میں فی الحقیقت ملک اس میں بھی آگے بڑھ گئے ہیں اور کمپنیوں کو واپس لوٹ آنا پڑا ہے۔

اس بحث کی روشنی میں کم ترقی یافتہ ممالک کے لیے مناسب پالیسی براہ راست سرمایہ کاری کو گلے لگانا اور دھیرے دھیرے اس کی اجارہ داری پر حملہ آور ہونا ہو گی براہ راست سرمایہ کاری کو ملک میں آنے سے باز رکھنا بہتر نہ ہو گا۔ عقلمندی یہی ہے کہ اس کی ٹکنولوجی کو سیکھا جائے۔ انتظامی امور کا درس لیا جائے۔ ٹیکسوں اور سرکاری بچت کے ذریعہ سرمایہ کی تشکیل کی جائے اور اس طرح بیرونی

سرمائے پر ترقی کے انحصار کو ختم کیا جائے نیز مال براہ راست طور پر فروخت کرنے کی راہیں کھول جائیں۔

بین الاقوامی کارپوریشن :

علم معاشیات کا ایک دلچسپ سوال یہ ہے کہ مختلف مسابقتی استعمالوں میں وسائل کے تقسیم کا بہتر ذریعہ بازار ہیں یا کمپنیاں، بازار کی خامیوں پر باب 12 میں بحث کی جا چکی ہے۔ بین الاقوامی کمپنیاں ممکن ہے دستیاب وسائل سب سے بہتر طور پر استعمال نہ کر سکیں اس پر زیر نظر باب میں سرسری طور پر غور کیا جا چکا ہے۔ تاہم ایک ایسی صورت بھی ہو سکتی ہے جس میں مسابقانہ بازار میں چھوٹے تاجروں پر مشتمل تجارت کی نسبت دنیا بھر میں اجرتوں، لگانوں اور سود کی شرحوں کو برابر کرنے میں بیسویں صدی کے بطن سے پیدا ہونے والی بڑی کارپوریشن زیادہ کارگر آلہ ثابت ہو گی۔ اس کی مثال اس قومی کارپوریشن سے دی جا سکتی ہے جس نے ریاستہائے متحدہ میں تقریباً 1890 کے بعد اجرتوں و سود کی شرحوں نیز لگانوں کو مساوی بنانے میں بڑی مدد دی۔ ملک کے اندر اس نے یہ کام سب سے سستے بازار (نیویارک) سے قرضے لے کر اور ان مقامات پر سرمایہ کر کے انجام دیا جہاں بازاروں اور لاگتوں کے لحاظ سے سرمائے کی پیداواری صلاحیت سب سے زیادہ تھی۔ اس کے نتیجہ میں رونما ہونے والی سرمائی حرکت اور محنت کی مانگ میں تبدیلی جنوب میں شمال کے طور پر اجرتوں کو بڑھانے اور سود کی شرحوں کو کم کرنے میں مقامی کمپنیوں کی تجارت یا عوامل پیداوار کی براہ راست مگر محدود حرکت کے مقابلہ میں کہیں زیادہ موثر ثابت ہوئیں۔

آج ایسی کمپنیوں کی تعداد برابر بڑھتی جا رہی ہے جو اپنے دائرۂ کار کو قومی سطح سے بڑھا کر بین الاقوامی میدان کا احاطہ کر رہی ہیں۔ کہاں سے قرض لیا جائے۔ کارخانہ کسی مقام پر لگایا جائے، مال کس جگہ فروخت کیا جائے۔ تحقیقات کہاں کی جائے کس علاقے میں مال خریدا جائے ان سب امور کے بارے میں ان کی جغرافیائی انتخاب کا دائرہ وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ تیل، کیمیاوی اشیاء، موٹریں، ٹائر، اشیاء خوردنی تیار کرنے والی اور ایسی ہی دیگر دیو قامت فرمیں ساری دنیا میں اپنا کاروبار پھیلائے ہوئے ہیں۔ ۵۰ یا 50 ملکوں میں شاخیں رکھنے والی کمپنیوں کی اب کوئی کمی نہیں رہی ہے، اور 5 یا 10 ملکوں میں ضمنی کمپنیوں کا رکھنا تو اب ایک عام بات ہے۔ جس حد تک یہ کمپنیاں مختلف بازاروں میں کام کرنے والی فرموں کے کام میں اجارہ دارانہ نفع کمانے کے لیے تال میل کرتی ہیں اور

نقل بازی کے ذریعہ نئی فرموں کو صنعت میں آنے سے باز رکھنے میں کامیاب رہتی ہیں یہ واضح طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ وہ فلاح و بہبود کو بیشترین کرتی ہیں۔ جس حد تک یہ کمپنیاں عوامل اور اشیاء دونوں کو ارزاں ترین بازار سے خریدتی اور سب سے مہنگے بازار میں فروخت کرتی ہیں وہ ایک ایسا ادارائی جال فراہم کرتی ہیں جو عوامل کے معاوضوں کو برابر کرنے اور ساری دنیا میں فلاح و بہبود کو بڑھانے میں تجارت کے بہاؤ سے کہیں زیادہ آگے نکل جاتا ہے۔

واضح طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ بین الاقوامی کارپوریشن لازمی طور پر غیر جانبدارانہ طرزِ عمل اختیار کرتی ہیں۔ پیریش نے اس بات کو نوٹ کیا کہ جنرل موٹرز۔ ہولڈن نے آسٹریلیا میں اپنے کام کا آغاز اس اصول کے تحت کیا تھا کہ تمام خریداری ریاستہائے متحدہ میں کی جائیگی تا وقتیکہ آسٹریلیا میں وہی اشیاء ۱۰ فیصد کم داموں پر دستیاب نہ ہوں۔ کچھ عرصے کے بعد اس اصول میں ترمیم کر دی گئی اور یہ کہا گیا کہ آسٹریلیا سے باہر کسی اور جگہ سے اشیاء اسی وقت خریدی جائیں گی جب وہ وہاں (آسٹریلیا کے مقابلے میں) ۱۰ فیصد زیادہ سستی ہوں۔ دونوں میں سے کوئی اصول بھی منصفانہ نہیں ہے۔ ان نپے تلے اصولوں کے لیے تھوڑا بہت جواز یقیناً موجود ہے۔ یہ فیصلہ کرنے کی لاگت کو کم ترین کر دیتے ہیں اور مال کی خریداری سے پہلے (خریداری کرنے والے) ایجنٹ کو دنیا بھر سے قیمتوں کی جانکاری حاصل کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ معلومات حاصل کرنے میں بڑی لاگت آتی ہے اور چھوٹی مقدار دل نیز ۱۰ فیصد جیسے معمولی اختلافات کے کسی طے شدہ اصول کو اس بنیاد پر حق بجانب قرار دیا جاسکتا ہے۔ اگر جنرل موٹرز کے ضوابط کا منشا اس سے زیادہ کچھ نہیں تھا تو وہ قابل فہم ہیں۔ بہر حال اگر یہ مبنیٔ تعصب ہے اور واقعات کی روشنی میں نفع کو بیشترین کرنے والے اصول کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کارپوریشن شہریت کی ضرورت محسوس کرتی ہے اور شہریت والے ملک کے حق میں جانبداری کارکردگی کی دشمن ہوسکتی ہے۔

مارکسی نظریات کے حامل لوگوں کے الزامات کے باوجود بین الاقوامی کارپوریشن ایک اور معنی میں فی الحقیقت بین الاقوامی نہیں ہوتی۔ ایسی ہر کارپوریشن کا ایک مقامی (ملک کے اندر) دفتر ہوتا ہے۔ یہ اپنی بیلنس شیٹ کو مقامی حسابی اکائی میں رکھتی ہے اور اپنے نفع کو بیشترین کرنے کا حساب اسی اکائی (گھریلو کرنسی) میں لگاتی ہے۔ حقیقی طور پر عالمی کارپوریشن کا جو اپنے صدر دفتر اور سیال املاک کو کسی بھی کمزور کرنسی والے ملک سے منتقل کرنے پر تیار ہو ابھی عالم وجود میں آنا باقی ہے۔ ریاستہائے متحدہ میں قومی کارپوریشن تک کی حیثیت محدود سے چند کمپنیوں کو ہی حاصل ہے یعنی ایسی کمپنیوں کی تعداد

جیسے جنرل موٹرز جن کے ڈیٹرائٹ اور نیویارک میں دو ہیڈ آفس ہوں (یعنی پیداوار اور مالیات کے لیے) کہ انکی بہت کم ہے۔ لیکن امریکن آئل کمپنی (آرامکو) جو پیداوار کا کام سعودی عرب میں کرتی ہے جس کا اعلیٰ ترین انتظامیہ نیویارک میں ہے اور حساب کتاب بینک میں رکھا جاتا ہے مستقبل کا نمونہ پیش کرتی ہے۔ بہرحال سعودی عرب کی حکومت چاہتی ہے کہ اس کمپنی کا صدر دفتر نیویارک سے ہٹا کر دہران میں لایا جائے اور اس سے آنے والے حالات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

بڑی بین الاقوامی کارپوریشن کا ارتقاء ابھی پورا نہیں ہوا ہے اس کا پتہ بھی کسی بڑی امریکی کارپوریشن کے تختہ میزان پر نظر ڈالنے سے ہو جاتا ہے۔ اس تختہ میزان میں امریکہ کے اندر اور باہر کی آمدنی واملاک اور ممکن ہو تو بکری تک کو الگ الگ دکھایا جاتا ہے۔ خواہ جنرل موٹرز ہو یا ڈیوپونٹ، کورن پروڈکٹ ریفائننگ، اسٹینڈرڈ آئل کمپنی آف نیوجرسی یا اور کوئی کمپنی آپ دیکھیں گے کہ ہر ایک کیس میں ریاستہائے متحدہ کی نسبت بیرونی سرمایہ کاری اور بیرونی بکری پر آمدنی کی شرح زیادہ ہوتی ہے۔ کسی حد تک یہ خطرات کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر ہمارے پاس ان ملکوں کے بارے میں جہاں خطرات امریکہ سے کچھ ہی زیادہ ہیں فی حصہ یا بکری کے فی ڈالر کے اعداد وشمار مثلاً کناڈا، آسٹریلیا، یا دولت متحدہ کے بارے میں موجود ہوں تب بھی امریکی کارپوریشنوں کے منافعے ریاستہائے متحدہ کے مقابلہ میں زیادہ اونچے ہوں گے (اور ریاستہائے متحدہ میں باہر کی کمپنیوں کے یہاں لگے ہوئے سرمائے پر زیادہ) کیونکہ کمپنیوں کو یہ احساس رہتا ہے کہ ان کا وطن تو کہیں ہے مگر وہ باہر زیادہ نفع کی تلاش میں ہی نکلتی ہیں۔ جب وہ ہر ڈالر پر اور ڈالر کی برابر باہر کسی بھی جگہ لگی ہوئی رقم پر (خطرے کے بعد) ایک ہی نفع حاصل کرنے لگیں تبھی بڑی کارپوریشنوں کو صحیح معنی میں بین الاقوامی کہا جا سکے گا۔

کارکردگی اور شہریت:

کناڈا کے معاشی ترقی کے امکانات پر رائل کمیشن کے لیے "کناڈا۔ ریاستہائے متحدہ کے معاشی رشتے" کے موضوع پر لکھتے ہوئے بریچر اور ریمین نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ کناڈائی صنعت کی غیر ملکی ملکیت سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا کیونکہ کوئی کناڈائی کمپنی اور کناڈا میں کوئی غیر ملکی کمپنی جو دونوں اپنے نفع کو بیشترین کرنے کے لیے کوشاں ہوں گی ایک ہی نہج پر کام کریں گی۔ جو چیزیں ایک ہی چیز کے برابر ہوں وہ آپس میں بھی برابر ہوں گی۔ بہرحال اس باب کے تجزیہ سے یہ تاثر ملتا ہے کہ دائرہ نظر میں فرق ہونے کی وجہ سے طرز عمل مختلف ہو سکتا ہے۔ بین الاقوامی کمپنی کو سرمایہ کاری،

ٹیکس، خریداری، بھرتی وغیرہ بہت سے معاملات میں انتخاب کی بڑی گنجائش ہوتی ہے۔ اکثر اس کا انتخاب کارکردگی کے ملحوظات پر مبنی ہوگا۔ بعض اوقات وہ اپنی ملکیت کے ملک کی شہریت کے تقاضوں کو پورا کرے گی اور کارکردگی کے تقاضوں کو نظرانداز کر جائے گی۔ دونوں ہی صورتوں میں اس کے مفاد میزبان ملک کے مفادات سے مختلف ہوں گے۔ یا یہ میزبان ملک میں ایک اچھے شہری کی طرح رہنے کی کوشش کرے گی جس کی وجہ سے بعض صورتوں میں اسے کارکردگی کے معیار سے انحراف کرنا پڑ سکتا ہے اور مالک۔ ملک کے وقتی مفادات سے روگردانی کی ضرورت ہو سکتی ہے۔

دائرۂ اختیار کی توضیحات میں اختلاف کی وجہ سے بڑا جھگڑا پیدا ہوتا ہے۔ ریاستہائے متحدہ کی حکومت کا نظریہ یہ ہے کہ یو۔ ایس کی کمپنیوں کے غیر ملکی کام سے متعلق معاملات یو۔ ایس حکومت کے دائرۂ اختیار میں آتے ہیں۔ یو۔ ایس کے میزان ادائیگی کو متاثر کرنے والے سوالات، ٹرسٹ مخالف پالیسی، غیر ملکی پالیسی اور ایسے ہی دیگر معاملات میں ہماری حکومت یو۔ ایس کارپوریشنوں کو احکامات جاری کرنا اپنا حق سمجھتی ہے۔ انھیں ملک کے میزانِ توازن کو سدھارنے کے لیے اپنی غیر ملکی شاخوں کو زیادہ مال برآمد کرنا اور کم اشیاء منگانا چاہیے، ریاستہائے متحدہ کی خارجہ پالیسی پر عمل کرتے ہوئے انھیں غیر ملکی ضمنی کمپنیوں سے کیمونسٹ چین کو برآمدات بند کرنی چاہئیں۔ انھیں اعلیٰ کارکردگی والے کمپیوٹروں کو فرانسیسی حکومت تک نہ پہنچنے دینا چاہیے۔ فرانس کی حکومت کو اپنی جوہری صلاحیت میں اضافہ کرنے کے لیے ان کی تلاش رہتی ہے۔ اور جوہری استعداد کا پھیلاؤ ریاستہائے متحدہ پسند نہیں کرتی۔ وغیرہ وغیرہ۔ ریاستہائے متحدہ کی حکومت اس طرح کی ہدایات جاری کرتی رہتی ہے۔

ان ہدایات کو غیر ملکی حکومتیں اپنے دائرۂ اختیار میں جو کچھ ہوتا ہے اس پر فرمانروائی حق جتانے کی کوشش سے تعبیر کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر جس کمپنی کی تنظیم کناڈا کے قوانین کے تحت عمل میں آئی ہے اسے میزانِ ادائیگی کے بارے میں کناڈا کی حکومت کی پالیسی کو مدنظر رکھنا چاہیے ریاستہائے متحدہ کی نہیں، بین الاقوامی قانون ہماری حدود سے باہر رہتا ہے۔ لیکن ہم اس دشواری کو دیکھ سکتے ہیں جس کا کسی بین الاقوامی کمپنی کو اس وقت سامنا کرنا پڑتا ہے جب دو حکومتیں اسے مختلف طرزِ عمل اختیار کرنے کی ہدایت جاری کرتی ہیں، سیاسی معاملات پر معاشی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ معاشیات کے میدان میں وہ یہ تجویز پیش کر سکتا ہے کہ ایک ٹھوس کسوٹی کارکردگی ہے جو ہدایت بھی

اسے بڑھائے اس پر عمل کیا جائے۔

کبھی کبھی بین الاقوامی کارپوریشن خود ہی کارکردگی کے معیار سے ہٹ جاتی ہے۔ مثال کے طور پر ایسی صورت حال اس وقت رونما ہوتی ہے جب یہ کارپوریشن مسابقت کرداتی ہے، مجموعی طور سے ٹیکس کو کم سے کم کرنے کے لیے خود اپنے آپ سے مال منتقل کرنے کی من مانی داخلی قیمتیں وصول کرتی ہے، شہریت کے مفاد کی خاطر ایک یا دوسری کمپنی یا رسد کے ذریعہ کے حق میں امتیازی رویہ اپناتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

لیکن بعض اوقات حکومتیں قومی مقاصد کے پیش نظر اس طرح کے ضابطے نافذ کرتی ہیں جو کارکردگی کے معیار سے انحراف کرتے ہیں اور ایسی بین الاقوامی کمپنی کے عام طرز عمل کے خلاف جاتے ہیں جو کارکردگی کے معیار پر پوری اتر رہی ہوتی ہے۔ براہ راست سرمایہ کاری کے بیشتر مطالعوں میں ایک یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ کیا سرپرست کمپنی اپنی شاخوں کو برآمد کرنے کے کام میں حصہ لینے سے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ سوال شاذ ہی کیا جاتا ہے کہ نسبتی فائدہ برآمدات کے حق میں ہے بھی یا نہیں یا بین الاقوامی کارپوریشن رسد کے کم لاگت والے ذریعہ سے اپنے آرڈر کیوں پورے کرنا نہیں چاہے گی۔ جہاں درآمد سے مقابلہ کرنے والے کسی کام میں براہ راست سرمایہ کاری کی وجہ ترغیب رہا ہو وہاں یہ پوچھنا کہ کیا فرم مال برآمد کرتی ہے ایک احمقانہ سوال ہے... ہوگا۔ یا ایک یا دوسرے گروہ کے اکسانے سے حکومت غیر ملکی سرمائے کو کسی اجارہ دار صنعت ——— بنک کاری، خوردہ تجارت یا کان کنی ——— میں جانے سے روک سکتی ہے۔ سوشلسٹ یا بڑی تجارت کے مخالف معاشی (دونوں ایک نہیں ہوتے) یہ سمجھتا ہے کہ اختلاف رائے کی صورت میں حکومت صحیح اور بڑی تجارت غلط راہ پر ہوتی ہے۔ آزادی تجارت کا مکتب خیال اس کے برعکس سوچتا ہے اس سلسلے میں لچکیلا موقف یہ ہے کہ تجارت اور حکومت دونوں ہی ایسی پالیسیاں اختیار کرسکتی ہیں جو کارکردگی کے عالمی معیار کے لیے ضرر رساں ہوسکتی ہیں۔ ان میں سے بعض پالیسیوں کو دوسری بہترین راہ کا درجہ دیا جا سکتا ہے ——— مثلاً مشروبات میں غیر ملکی سرمایہ کاری کی ممانعت ——— جبکہ اول بہترین پالیسی تعارف کی بالادستی اور آمدنی کی منصفانہ تقسیم ہوتی لیکن سیاسی صلاحیت کے فقدان کی وجہ سے ان پر عمل کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ بعض پالیسیاں دوسروں کو نقصان پہنچا کر اپنا بھلا کرنے کے مترادف ہوسکتی ہیں مثلاً تجارت اجارہ داری حاصل کرنے کی کوشش کرے یا حکومت مثالی ترلیف کی پالیسی پر گامزن ہو۔ ایرک ہوفر کا سچا معتقد کسی بھی طرف جھک سکتا ہے لیکن تجزیائی

نقطۂ نظر سے باعزت پوزیشن یہ ہے کہ کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے حقائق کا علم ضروری ہوتا ہے۔
بیشتر صورتوں میں بین الاقوامی کارپوریشن کی کارکردگی مقامی تحفظ یافتہ کارپوریشن کے مقابلہ میں زیادہ ہوگی۔ یہ متحرک ہوتی ہے اس کی نظر زیادہ وسیع ہوتی ہے۔ یہ ترلیفوں کی تبدیلیوں کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کر لینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اور درحقیقت آزادی تجارت کو زیادہ پسند کرتی ہے اس کے مفادات عالمگیر ہوتے ہیں قومی نہیں۔

اس صورت حال کی روشنی میں یہ بات نہایت عجیب معلوم ہوتی ہے کہ یورپی معاشی سماج میں بیشتر یورپی کارپوریشن درحقیقت وہ ہیں جن کی ملکیت ریاستہائے متحدہ میں ہے۔ فرانسیسی کمپنیاں فرانس میں واقع ہیں اور کارکردگی کی شرائط میں تبدیلی ہونے کے باوجود بھی اپنی جائے مقام بلجیم، جرمنی، اٹلی، یا نیدرلینڈ کو منتقل نہیں کریں گی۔ مگر امریکی ملکیت والی کمپنی ایسا ضرور کرے گی۔ جس طرح بحیرۂ روم کے مزدور شمالی ممالک کے بیچ حرکت پذیر رہتے ہیں کیونکہ اُن کی جڑیں کہیں بھی نہیں ہیں اسی طرح ریاستہائے متحدہ کی یا اینگلو ڈچ کارپوریشن جو بہت سے ملکوں میں کام کرتی ہے اس کمپنی کے مقابلہ میں زیادہ صحیح معنی میں یورپین ہوتی ہے جو اپنی قومی روایات اور شہریت کی وجہ سے بندھی ہوئی رہتی ہے۔

حکومتیں کارکردگی پر دیگر امور کو فوقیت دیتی ہیں اور ممالک اپنے سماجی فلاح کے کام میں کارکردگی کے ساتھ معاشی آزادی کے خواہاں ہو سکتے ہیں۔ تجارت کے نفع نقصان کا اندازہ لگانا بڑا مشکل کام ہے۔ اسی طرح کارپوریشنوں کے ٹھوس مقاصد میں نفع کے علاوہ دیگر ملحوظات بھی ہوتے ہیں جن میں کارپوریشن کے انتظامیہ کا ذہنی سکون و اطمینان کی زندگی بھی شامل ہیں۔ بین الاقوامی کارپوریشن بہت سی قومی کمپنیوں کو ظہور میں لانا چاہے گی۔ ان میں سے ہر ایک اس ملک کی جہاں وہ کام کر رہی ہے ایک اچھا شہری رہے گی اور نفع کمانے کے ان تمام مواقع سے فوراً ہاتھ کھینچ لے گی جو قومی پالیسی کے لیے مسائل پیدا کرتے ہوں۔ تاہم یہ کسی کارپوریشن کا رول نہیں ہے۔ یہ ایک معاشی ادارہ ہے سیاسی نہیں۔ اس کا مقصد نفع کمانا ہوتا ہے اپنی عمر کو زیادہ سے زیادہ کرنا نہیں۔ کارپوریشنوں کو قوانین کا احترام کرنا ہوتا ہے اور یہی ہونا بھی چاہیے۔ ان سے یہ توقع کرنا کہ وہ قومی مفاد و خواہش کو سمجھیں اور اس کو پورا کرنے کی کوشش کریں بہت زیادہ بلند معیار تو نہیں ہے، تاہم یہ ایک غلط معیار ہے۔

قومی پالیسیوں کو ہم آہنگ بنانا:

مختلف قسم کی قومی حدود میں کام کرنے والی بین الاقوامی کارپوریشن کو اپنا کام سب سے زیادہ نفع بخش علاقے میں منتقل کر کے نفع کو بیشتر ین کرنے کا موقعہ ملتا ہے لیکن یہ اندیشہ بھی رہتا ہے کہ اسے ہر جگہ جرمانہ بھرنا پڑے اور اس طرح بدترین حالات کا سامنا کرنا ہو، یہ ممکن ہے —— جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں —— کہ یہ کچھ یا تمام کارپوریشن ٹیکس سے گریز کر جائے یا اس سے خود کو بچالے جائے۔ صرف ایک جگہ اپنے کام پر معقول ٹیکس ادا کرے یا دوہرے ٹیکس کا شکار ہو جائے۔ اور یہی بات ٹرسٹ مخالف، میزانِ ادائیگی، تحقیق و ترقی اور دیگر میدانوں کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے۔

کارکردگی سے انحراف کو محدود رکھنے کے لیے کسٹم یونینوں کو مجبوراً ایکسائز ٹیکسوں کو ہم آہنگ بنانا پڑا ہے۔ کیونکہ کارپوریشن بین الاقوامی حرکت پذیری نسبتاً کم لاگتوں پر حاصل کر لیتی ہے اس لیے دیگر میدانوں میں بھی ایسی ہم آہنگی پیدا کرنی ہو گی اور نہ صرف کسٹم یونین میں بلکہ ساری دنیا میں ایسا کرنا ہو گا۔ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ میزانِ ادائیگی کے معاملات کس ملک کے دائرۂ اختیار میں ہیں اور کیا میزانِ ادائیگی کے اسلحہ خانے سے ان پالیسیوں کو خارج کرنا ممکن ہو گا جو تجارت کی بین الاقوامی تقسیم کی کارکردگی کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ ریاستہائے متحدہ کے لیے یہ ایک سرزنش ہو گی۔ اس کے برعکس دنیا ریاستہائے متحدہ کے اس موقف کو قبول نہ کر کے سخت غلطی کرے گی کہ تمام تاجر اقوام کا مفاد کسی صنعت میں انضمام کے ذریعہ مسابقت کو ختم کرنے میں مضمر ہے یہ انضمام ان دو کمپنیوں کا ہونا چاہیے جو کسی چیز کی پیداوار میں عالمی بازار میں اہم پوزیشن کی حامل ہوں۔ یہ انضمام کہیں بھی ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

پالیسیوں کو ہم آہنگ بنانے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ عدم مداخلت کی پالیسی پر عمل کیا جائے۔ ٹیکس کے میدان میں ایسا کرنا ممکن نہیں ہے اور مسابقت کو قائم رکھنے جیسے میدانوں میں ایسا کرنا عقلمندی سے بعید ہو گا۔ بین الاقوامی زری میدان میں نہایت دھیرے دھیرے ہم خیالی پیدا ہوئی ہے اور مشترک نظریات کو اپنایا جا رہا ہے۔ اگر بین الاقوامی کارپوریشن کو قومی حکومتیں لمبی ڈھیل دینے کو تیار نہیں ہیں تو بین الاقوامی کارپوریٹ طرزِ عمل کو ضابطہ میں لانے کے لیے اسی طرح کی کوشش کی جانی چاہیے۔

خلاصہ:

قومی کارپوریشنوں کے بین الاقوامی کام یا براہ راست سرمایہ کاری کا تعلق بین الاقوامی سرمائی حرکات کی بجائے اجارہ دارانہ مسابقت کے نظریہ سے ہے۔ کسی بھی دیگر نظریہ کے مقابلہ میں یہ نظریہ ان صنعتوں کی زیادہ بہتر وضاحت کرتا ہے جن میں براہ راست سرمایہ کاری کی جاتی ہے یا جو عوامل اس میدان میں کام کرتے ہیں نیز بین الاقوامی قرضے جن باتوں سے متاثر ہوتے ہیں۔

سرمایہ کاری کرنے والے ملک کے میزانِ ادائیگی پر براہ راست سرمایہ کاری کا اثر تھوڑے عرصے میں ضرر رساں اور لمبے عرصے میں مفید ثابت ہوتا ہے۔ متوازن فیصلہ کے لیے مناسب ادطِل کیا ہوگا یہ ابھی تک ایک کھلا ہوا سوال ہے۔ اس کے برعکس میزبان ملک کی براہ راست سرمایہ کاری تھوڑے عرصے میں مفید مگر لمبے عرصے میں ضرر رساں ثابت ہوتی ہے۔ یہ صورت حال اس وقت خاص طور پر رونما ہوتی ہے جب قرض کی نرم پالیسیوں اور اونچے ترفیوں سے براہ راست سرمایہ کاری کو زیادہ نفع کمانے میں مدد ملتی ہے۔

ترقی یافتہ ممالک کم ترقی یافتہ ملکوں میں براہ راست طور پر جو سرمایہ کاری کرتے ہیں اسے اصطلاحات کی تعریف کیے بغیر استحصال سے عبارت کرنا مناسب نہ ہوگا۔ دو فریقی اجارہ کی صورت میں تمام تر فائدہ نمایاں طور پر سرمایہ لگانے والی کمپنی کو ملنا شروع ہوتا ہے اور بتدریج میزبان ملک کو منتقل ہوتا جاتا ہے۔

جس طرح قومی کارپوریشن ملک کے اندر عوامل پیداوار کے معاوضوں کو مساوی بنانے اور ٹیکنولوجی کو پھیلانے کا کام انجام دے چکی ہے اسی طرح یہ امکان کافی روشن ہے کہ یہی کام بین الاقوامی کارپوریشن مستقبل میں عالمی سطح پر انجام دینے کا ایک اہم ذریعہ ثابت ہوگی۔ جہاں بین الاقوامی کارپوریشن کو متضاد مفادات والے قومی دائرہ ہائے اختیار کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہاں وہ ان مفادات کے بیچ جھول سکتی ہے یا اسے دوہرے جرمانوں یا متضاد احکامات سے نقصان پہنچ سکتا ہے۔ ٹیکس، ٹرسٹ مخالف، میزان ادائیگی اور ایسے ہی دیگر معاملات سے متعلق پالیسیوں میں ہم آہنگی قائم کرنے سے صورت حال بہتر ہوگی خاص طور پر اگر ایسی پالیسیاں کارپوریٹ طرز عمل کے معیار کا تعین کرنے میں کارکردگی کو قومیت پر ترجیح دیں۔

مطالعہ کے لیے تجاویز:

درسی کتابیں

Roy Blough: International Business: Environment and Adaptation (New York : Mc Graw Hill Book Company Inc.1966)

تحقیقی رسائل وغیرہ:

اس میدان میں مربوط تحقیقی رسائل بہت کم ملتے ہیں۔ دیکھیں

J.N. Behrman: Promoting Free World Economic Development Through Direct Investment", in R.F.Mikesell(ed) U.S Private and Govt. Invetment Abroad (Eugenue One: University of Oregon Books, 1962)

اور اس باب میں جس تصنیف پر بہت زیادہ بھروسہ کیا گیا ہے وہ ہے۔

Stephen H.Hymer "The International Operations of National Firms, A Study of Direct Investment" (doctoral dissertation M.I.T.1960).

کتابچوں کی شکل میں بہت ادب موجود ہے۔ ان میں سے زیادہ نمایاں اور اہم مندرجہ ذیل ہیں:

Donald T.Brash:United States Investment in Australian Manufacturing Industry (Combridge:Mass:Harvard University Press 1966)

John H.Dunning, American Investment in British Manufactuing Industry.(London:Georage Allen and Unwin Ltd.1958).

Allen W.Johnstone, United States Direct in-Investment in France (combridge:Mass ;The M.I.T. Press 1965).

جو طالب علم فرانسیسی پڑھ سکتے ہیں انھیں اس زبان میں موجود ادب کا جائزہ لینا چاہیے مثلاً جیسے۔

Gilles Y Bertin L' Investment de Firmes Entrangeres en France (Paris:Presses Universitaires de France 1963)

1 Michael Kidron , Foreign Investment in India (London : Oxford University Press 1965)

A.E.Safarian. Foreign owner ship of Canadian Industry (Toronto: McGraw Hill Book Company of Canada 1966).

Arthur Stonehill, Foreign Ownership in Norvegian Enterprize (Oslo: central, Bureau of statistics, 1965).

ریمنڈ ورنن کی نگرانی میں غیر ملکی تجارتی کاموں کے بارے میں ہارورڈ بزنس اسکول میں ایک بڑا تحقیقاتی پروجیکٹ چل رہا ہے اور اس سے جلد ہی مزید مواد روشنی میں آنا شروع ہو جائے گا۔ وقفہ بوقفہ رونما ہونے والے ادب میں سے دیکھیں

H.W.Singer, The Distribution of Gains between investing, and Borrowing Countries in American Economic Association, Reading in International Economic; and Edith T. Penrose, Foreign Investment and the growth of the Firms" E.J June 1956 and Profit Sharing between Producing Countries and Oil Companies in the Middle East", E J June 1959 t.

نکات:

ریاستہائے متحدہ کے میزانِ ادائیگی پر براہ راست سرمایہ کاری کے اثرات کے سلسلے میں بحث کے لیے دیکھیں

P.W.Bell, "D Private Capital movement and the U.S.Balance of Payments Position in Factors Affecting the United States Balance of Payments prepared for subcommittee on International Exchange and Payments, Joint Economic Committe, 87th Cong, 2nd.sess. (Washington, D.C U.S. Government Printing Office 1962)

and J.W.Polk, I.W.Meister, and L.A.vier, U.S.Production Abroad and the Balance of Pyaments : A Survey of corporate Investment Experience (New York : National Industrial Conference Board 1966)

(ریاستہائے متحدہ کی کارپوریشنوں کی غیر ملکی ضمنی کمپنیوں کی پیداوار کو "ریاستہائے متحدہ کی بیرونی پیداوار" کے نام سے پکارنا عجیب طرح کی خود بینی معلوم ہوتی ہے۔)

یورپ میں ریاستہائے متحدہ کے سرمایہ کاری سے متعلق حقائق کے بارے میں اندازہائے فکر کا ایک قابلِ ذکر دلچسپ مطالعہ کے طور پر دیکھیں۔

باب 22 بین حکومتی معاشی امداد

بیسویں صدی کے وسط سے پہلے بین الاقوامی مالیاتی سودوں میں سرکار کا رول زیادہ تر باہر سے کبھی کبھار قرض لینے اور (سرمائے کے) نجی بہاؤ پر کنٹرول تک محدود تھا۔ کچھ مستثنیات بھی تھیں۔ فرانس سے لوئی سیانا اور روس سے الاسکا کی خریداری ریاستہائے متحدہ کے اہم سرمائی سودے رہے ہیں۔ برطانوی حکومت نے نو آبادیوں کو مالی امداد فراہم کی (جنھیں بہر حال داخلی لین دین کہا جا سکتا ہے) اور بعض مرتبہ فوجی مدد بھی دی مثلاً جارڈن میں عرب لیجن کو سہارا دینے کے لیے ۱۰ ملین پونڈ سالانہ کی مدد دی گئی۔

جنگ کے زمانے میں صورت حال مختلف رہی۔ اتحادیوں نے مال اور خون دونوں میں ساتھ حصہ لیا۔ پہلی عالمی جنگ کے اتحادی جنگی قرضوں کے بارے میں صدر کولیج کی یہ رائے کہ وہ تجارتی قرضے ہیں ("انھوں نے زر کرائے پر حاصل کیا۔ کیا ایسا نہیں تھا۔ ؟") بہت سے کانوں کو ۱۹۲۰ کی دہائی میں بھی ایک عجیب بات معلوم ہوئی۔ برطانیہ نے نپولین کے خلاف اپنے براعظم کے ساتھیوں کو توڑ پھوڑ کرنے میں مدد دی اور اسے صحیح کارروائی ثابت کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔

تباہی نے بین حکومتی امداد کو بھی جنم دیا۔ بین الاقوامی ریڈ کراس محض ایک نیم سرکاری تنظیم ہے لیکن ریاستہائے متحدہ نے بوکسر تاوان کے اپنے حصے کو چینی راحت کے لیے سرکاری کارروائی کے ذریعہ منتقل کیا اور ٹوکیو کے زلزلے اور آگ کے سانحہ میں سرکاری امداد کو بروئے کار لایا گیا۔ تباہی کی صورت میں بین الاقوامی سطح پر سب سے بڑا رول نجی امداد نے انجام دیا لیکن حکومت بالکل ہی بے حرکت نہیں رہی۔

گذشتہ حالات کے پیش نظر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بین الاقوامی معاشیات میں سرکار کو بڑا رول ادا کرنا ہوگا بالکل اسی طرح جیسا اس نے گھریلو میدان میں کیا ہے۔ گھریلو میدان میں

حکومت کے معاشی کردار میں پھیلاؤ کا آغاز جنگ اور کساد بازاری کے ادوار میں ہوا۔ 1929 میں سرکاری بجٹ قومی آمدنی سے 5 فیصد سے بھی کم تھا۔ آج یہ 20 فیصد ہے اور 1944 میں جنگ کے عروج پر 50 فیصد تھا۔ ملک کے اندر سرکار کے رول میں بیشتر اضافہ جنگ —— گذشتہ، حالیہ، یا امکانی —— کے سبب ہوا ہے۔ لیکن آج کے 20 فیصد میں سے ایک قابل لحاظ رقم ملک میں انتقالی کاموں (جنگ کے زمانے میں لیے گئے قرض پر سود کے علاوہ) مثلاً سماجی تحفظ، تعلیمی امداد، رہائش، اور سڑکوں پر خرچ کی جاتی ہے۔ اس کے ٹھیک متوازی 1960 کی دہائی میں بیشتر بین حکومتی لین دین کا سبب دفاع پر کیا جانے والا خرچ رہا ہے لیکن کچھ لین دین ایسے بھی رہے ہیں جن کے پس پشت بین الاقوامی انتقالات یا ملکوں کے بیچ بٹوارے کا نیا اصول کارفرما رہا ہے۔

ٹیبل 22.1 میں ریاستہائے متحدہ کی حکومت کی اس بین الاقوامی معاشی امداد کا ریکارڈ پیش کیا گیا ہے جو مارچ 1941 میں قرضہ۔پٹہ سے شروع ہوئی اور جنگ کے ساتھ ختم ہوئی اور پھر یکم جولائی 1945 سے 31 دسمبر 1965 تک دی گئی۔ رقوم بڑی متاثر کن ہیں۔

ٹیبل 22.1

ریاستہائے متحدہ کی غیر ملکی امداد اور قرضوں کا بلحاظ پروگرام یکم جولائی 1940 یا 31 دسمبر 1965 خلاصہ

(ملین ڈالر)

	عرصہ جنگ (یکم جولائی 1940 تا 30 جون 1945)	عرصہ بعد از جنگ (یکم جولائی 1945 تا 31 دسمبر 1965)
کل امداد	48,128	84,371
فوجی امداد	380	36,165
معاشی اور تکنیکی اعانت		29,900
زرعی پیداوار کی تقسیم		5,768
شہریوں کے لیے رسد	813	6,002

قرضہ-پٹہ	46,728	
دیگر (بشمول Unra مابعد Unra		
اور خصوصی پروگرام)	207	6,536
نفی اثنی مدد، واپسیاں اور		
پہلے دی گئی امداد جو قرض میں بدل گئی	-7,882	-4,894
خالص امداد	40,246	79,477
کل قرضے	1,095	30,169
برآمد- درآمد بینک	324	9,540
زرعی تجارت ترقی اور اعانت		3,907
قرضہ-پٹہ اور فاضل جائداد	349	1,562
ملک پروگرام قرضے		7,410
پچھلی امداد بشکل قرض		2,747
دیگر	417	5,003
نفی بڑی وصولیابیاں	-380	-11,780
خالص قرضے	715	18,389
دیگر امداد		
بیرونی کرنسی کی جمع شدہ خالص لین دینیاں ____		3,334
خالص غیر ملکی امداد	40,961	101,200

مختلف علاقوں میں ان کی تقسیم کے ارتقار کو (اور بڑے موٹے طور پر نوعیت کے لحاظ سے) ٹیبل 2.22 میں پیش کیا گیا ہے۔ ریاستہائے متحدہ کی امداد کے اس ارتقار کو نیچے پیش کیا گیا ہے لیکن یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ دنیا میں ریاستہائے متحدہ ہی ایسا واحد ملک نہیں ہے جو امدادی رقوم فراہم کر رہا ہے۔

1965 میں سرکاری امداد فرانس میں قومی آمدنی کا 1.08 فیصد بلجیم میں 0.9 فیصد پرتگال میں 0.75 فیصد ریاستہائے متحدہ میں 0.67 فیصد اور آسٹریلیا میں 0.64 فیصد

تھی۔ ان میں بعض وہ سرمائی قرضداریاں اور گارنٹیاں بھی شامل ہیں جنھیں عام تجارتی شرطوں پر دیا گیا تھا۔ سوویت یونین کافی پہلے 1954 سے فوجی اور سماجی امداد دینے میں مغربی طاقتوں کا حریف بن گیا تھا لیکن تقابل کے لیے اس کے اعداد و شمار اس بارے میں دستیاب نہیں ہیں۔

۱۹۴۹ سے 1966 (دسمبر) تک کے مالی سالوں میں دی جانے والی امداد اور سابقہ ذمہ داریوں کا خاکہ

(ملین ڈالر)

قسم اور علاقہ	مارشل منصوبہ کا عرصہ	باہمی تحفظ ایکٹ کا عرصہ		غیر ملکی امداد ایکٹ کا عرصہ	کل
	1949-52	1953-57	1958-61	1962 سے دسمبر 1966	1949 سے
	(4 سال)	(5 سال)	(4 سال)	(5½ سال)	دسمبر 1966 تک
کل میزان	14,505	9,142	7,416	12,040	43,103
ترقیاتی قرضے	....	....	1,967	5,871	7,859
تکنیکی تعاون/ترقیاتی گرانٹ	86	574	702	1,546	2,958
دفاعی سہارا/معاون امداد	14,089	7,837	3,624	2,506	28,056
دیگر بشمول بین اقوامی ادارے	331	731	1,103	2,066	4,231
مشرقی ایشیا	706	3,068	1,808	1,170	6,753
ویتنام	....	784	681	1,380	2,845
مشرق قریب اور جنوبی ایشیا	1,088	2,024	2,556	4,079	9,748
افریقہ	4	120	666	1,093	1,883
لاطینی امریکہ	19	246	570	2,846	3,881
یورپ	12,479	2,296	453	10	15,229
غیر علاقائی	218	604	681	1,461	2,965

Sovrce : Agency for International, Operations Report (Fiscal Year 1967)

نوٹ : تمام مدوں کا جوڑ سبھی صورتوں میں میزان سے میل نہیں کھاتا کیونکہ اعداد کو تھوڑا کاٹا چھانٹا گیا ہے۔

معاشی امداد — تعریف کا مسئلہ :

جب ریاستہائے متحدہ براہ راست امداد دینے والا واحد ملک تھا اس کی تعریف کرنے میں کوئی خاص دشواری پیش نہیں آتی تھی۔ یہ ملک اپنی تعریف خود وضع کر سکتا تھا اور بات وہیں ختم ہو جاتی تھی۔ تاہم ایسی دنیا میں جہاں ایک سے زیادہ ملک امداد کا کام کر رہے ہوں، موازنوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس کے لیے معاشی امداد کیا ہے یہ طے کرنا ضروری ہو جاتا ہے بدقسمتی سے اس بارے میں کوئی اتفاق رائے نہیں ہے کہ اس عنوان کے تحت کن چیزوں کو شامل کیا جائے۔ گرانٹس کو بادیہ النظر میں اس میں شامل ہونا چاہیے بشرطیکہ گرانٹ اور خریداری میں امتیاز کیا جا سکے۔ A سے B کو ملنے والی گرانٹ غالباً B کو اس کی اپنی مرضی کا کوئی کام کرنے دینے کے مترادف ہے۔ مان لیجیے A یہ چاہتا ہے کہ B فلاں کام کرے اور وہ B کو اسے کرنے کے لیے آمادہ کر لیتا ہے؟ یا مان لیجیے وہ دونوں اسے کرنا چاہتے ہیں لیکن کسی تیسرے غیر جانبدار اندازے کے مطابق وہ کام ایسا نہیں ہے جسے کیا جائے؟ یا فرض کیجیے کہ اس کے لیے A کو کچھ خرچ کرنا نہیں پڑتا؟ سابقہ فرانسیسی نوآبادیوں کو بین الاقوامی معاملات میں فرانسیسی کیمپ میں رہنے پر مجبور کرنے کے لیے وہاں فرانسیسی تخریب کاریاں یا ریاستہائے متحدہ کے فاضل مال کو باہر کھپانے (فاضل ذخائر کے خاتمہ سے پہلے) کی کارروائی ایسے معاملات ہیں جن کے بارے میں بہت سے فلسفیانہ سوالات اٹھائے جا سکتے ہیں۔

لیکن زیادہ تر ممالک اور تنظیم برائے معاشی تعاون و ترقی (OECD) کی ترقیاتی امداد کمیٹی امداد کی تعریف میں نہ صرف تمام گرانٹوں (خواہ وہ خریداری سے کتنی ہی مشابہ کیوں نہ ہوں) اور سستے داموں پر دیے گئے فالتو ذخائر کی سب فروخت کو ہی شامل کرتے ہیں بلکہ سرکاری اور حد یہ ہے کہ نجی قرضوں تک کو جو تجارتی شرائط پر دیے جاتے ہیں اس کے تحت لے آتے ہیں۔ معاشی اعتبار سے یہ بات مناسب قرار نہیں دی جا سکتی۔ کسی معاشی کی نظر میں امداد کی مقدار ایک جانب قرض کی موجودہ مالیت اور دوسری طرف واپسی کے وقت واجب الادا رقم کے فرق کو قرار دیا جانا چاہیے۔ سخت قرضوں کے سلسلہ میں یہ فرق صفر کی برابر ہوتا ہے۔

اور وہ امداد کے خانے میں نہیں آتے۔ جن قرضوں کی سود کی شرحیں ان بازاری شرحوں سے کم ہوتی ہیں جنھیں سود اور واپس کی جانے والی رقم کے دھارے کی موجودہ مالیت کا پتہ لگانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے ان میں امداد کے عنصر کو بازاری شرحوں سے تفاوت کے تناسب سے ناپا جاتا ہے۔ نرم قرضوں کے سلسلے میں جنھیں بیرونی کرنسی میں واپس کرنا ہوتا ہے یہ حساب لگانا مشکل ہے۔ یہاں ان امکانات کی تقسیم کا اوسط نکالنا ہوتا ہے جو اس سے متعلق ہوتے ہیں کہ سود اور سرمائے کی واپسی دونوں بیرونی مبادلہ کی کسی مخفی منہائی کے بغیر قرض دینے والے کے لیے کس کس طور سے مفید ثابت ہوں گے۔ ایک سادہ مثال کے طور پر فرض کر لیجیے کہ خدمت قرض کو بیرونی زرِ مبادلہ میں تبدیل کرنے کا امکان یا بغیر کسی مخفی منہائی کے اسے کارآمد اشیاء اور خدمات پر خرچ کر سکنے کا موقعہ ٹھیک $\frac{1}{2}$ ہے۔ ایسی صورت میں سود کی بازاری شرحوں کی رو سے نرم قرض میں سے نصف کو امداد اور نصف کو تجارت قرار دیا جا سکتا ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں اس باریک حساب کتاب کو قطعی طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے شرائطِ بازار سے خواہ کتنی بھی نزدیک کیوں نہ ہوں امداد بہرحال امداد ہے۔ جرمن امداد کا بیشتر حصہ تھوڑی مدت (مگر ایک سال سے زیادہ) بعد برآمدات کی قیمت کی ادائیگی یا سرکاری قرضوں، برآمدی ساکھ کی گارنٹی پر مشتمل ہوتی ہے لیکن جرمنی کا کہنا ہے کہ یہ سب مراعات اسی طرح کی بیرونی امداد کے مترادف ہیں جیسے 3 فیصد سود کا بیرونی کرنسی میں واپس لوٹایا جانے والا 40 سال کی مدت کا قرض۔ ان معاملات میں دنیا مسائل کا شکار ہوتی جا رہی ہے۔ یہ مسائل اس وقت خاص طور پر نہایت پیچیدہ ہو جاتے ہیں جب قرضدار ملک وقت پر واجب الادا رقوم ادا نہیں کر پاتے اور انھیں مجبوراً قرضوں کی واپسی کے ٹائم ٹیبل کو دوبارہ ترتیب دینا اور رقوم کو کم کرنا پڑتا ہے۔

یوں تو ہماری بحث کا مرکز زیادہ تر ریاستہائے متحدہ سے دی جانے والی امداد رہے گی تاہم اس باب میں ہم متعدد مقامات پر کثیر الاطراف امداد کا تذکرہ کریں گے اور ترقی یافتہ ملک کی امداد کا سرسری جائزہ خاص طور پر بوجھ بانٹنے کے اس مسئلہ کے سلسلہ میں لیں گے جو OECD کی ترقیاتی امدادکمیٹی (D.A.C) میں مسلسل زیرِ غور رہتا ہے۔

قرضہ، پٹہ، باہمی امداد، اور فوجی راحت:

قرضہ، پٹہ کے اصولوں سے عام طور پر لوگ واقف ہیں۔ ریاستہائے متحدہ نے اپنے

ساتھیوں کو اشیاء (زر نہیں) اس بنیاد پر بغیر کسی قیمت کے فراہم کی تھیں کہ ان کی ادائیگی سے متعلق معاملہ جنگ کے بعد طے کیا جائے گا۔ بدلے میں ان میں سے بہت سے ملکوں نے یو۔ ایس فوج کو اپنے یہاں باہمی امداد فراہم کی تھی۔ قرضہ۔ پٹہ امداد فوجی سازوسامان اور فوجی و شہری رسد پر مشتمل تھی۔ باہمی امداد میں امریکی فوجوں کو مہیا کی گئی خدمات بشمول عوامی محنت، لگان، مقامی طور پر دستیاب اشیاء اور مقامی اخراجات کے لیے فوجیوں کو تنخواہ کے طور پر دی گئی رقوم آتی تھیں۔ اس باہمی امداد کی رقم 7882 ملین ڈالر تھی جو دوسرے طرف سے ملنے والے قرضہ۔ پٹہ کا 16 فیصد تھی۔ بلجیم کے کیس میں باہمی امداد کی رقم قرضہ۔ پٹہ سے زیادہ تھی اور آخری حساب کتاب میں کل ملا کر ریاستہائے متحدہ کو بلجیم کی واجب الادا رقم چکانی پڑی۔

جنگ کے اختتام کے ساتھ ہی صدر ٹرومین اور سکریٹری آف اسٹیٹ بائرنس نے کانگریس سے کیے گئے اقرار کے مطابق قرضہ۔ پٹہ کا سلسلہ یکایک (تعجیلاً) بند کر دیا۔ جو سامان راہ میں تھا وہ منزل پر پہنچایا گیا۔ اور جن مخصوص اشیاء کا آرڈر ملا ہوا تھا انھیں تیار کر کے بھیجنے کی اجازت دی گئی۔ قرضہ۔ پٹہ سے متعلق دصولیابی کی سہولتوں کو شہریوں کے لیے ضروری اشیاء مثلاً گیہوں اور گیسولین حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا گیا لیکن ان کے لیے پوری نقد ادائیگی کی گئی۔ باہمی میں جن چیزوں کو مہیا کیا گیا تھا ان کے بارے میں مذاکرات کے ذریعہ معاملات طے کیے گئے۔ کچھ ایسی اشیاء جو کمیاب تھیں انھیں واپس لوٹانے کے لیے کہا گیا۔ بعض اشیاء، جو شہری استعمال کے لیے اہم تھیں مگر جنھیں ابھی استعمال نہیں کیا گیا تھا بلکہ اسٹور میں تھیں یا راستے میں انھیں منتقل شدہ مان لیا گیا مگر یہ طے پایا کہ ان کی پوری قیمت لگائی جائے گی اور واجب الادا رقم کو لمبے عرصہ کے لیے قرض دے دیا جائے گا۔ فوجی سامان اور رسد کا بیشتر حصہ جو صرف میں آ گیا تھا اس کا معاوضہ جنگ میں دیگر ممالک کے خرچ کے عوض معاف کر دیا گیا۔ ساتھ ہی بیرون ملک یو۔ ایس سازوسامان کی ایک بڑی مقدار ایسی تھی جسے شہری استعمال میں لایا جا سکتا تھا۔ اس میں ٹرک، ٹائر، خیمے، فوجی کپڑے، اور اشیاء خوردنی شامل تھے۔ اس تمام سامان کو فالتو قرار دے دیا گیا اور فالتو املاک کے قرضوں کی شکل میں اتحادی ملکوں کے سپرد کر دیا گیا۔ ان قرضوں کی مدت 28 سال کی تھی اور اس پر 3 فیصد کی شرح سود لگائی گئی تھی۔

قرضہ۔ پٹہ فعال اتحادیوں کو دستیاب تھا۔ آزاد کرائے گئے ممالک میں سے جنھوں نے

قرضہ۔ پٹہ معاہدے نہیں کیے تھے انھیں شہری استعمال کے لیے فوجی رسد ملی تاکہ وہ فوجی کارروائی کے علاقے میں نظم ونسق برقرار رکھ سکیں۔ یہ کام مشہور ومعروف پلان A کے تحت کیا گیا۔ ان اشیا کے لیے بعد میں فوج نے بل پیش کیے اور انھیں فالتو املاک سے متعلق سمجھوتوں میں ضم کر دیا گیا۔ آسٹریا اور اٹلی کو جن کا مقام آزاد کرائے گئے اور شکست خوردہ ممالک کے درمیان میں تھا بین الاقوامی امداد کے لیے اقوام متحدہ کی راحت وآبادکاری ایجنسی کو منتقل کیے جانے سے پہلے تک ریاستہائے متحدہ اور برطانیہ سے فوجی امداد ملتی رہی جرمنی اور جاپان کی شہری آبادیوں کو ریاستہائے متحدہ سے امداد کی سہولت فوجی بجٹ میں ایک مد مقبوضہ علاقوں میں حکومت و راحت (Garioa,) کے تحت فراہم کی گئی۔

UNRRA کی اور اس کے بعد امداد:

دورانِ جنگ ہی یہ بات محسوس کر لی گئی تھی کہ آنے والے سالوں میں سنگین مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس آنے والی صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے راحت اور نو آبادکاری کے لیے Unrra کی تنظیم کی گئی۔ اس تنظیم کا کام اس کے نام سے ہی ظاہر ہے۔ ساز سرِ نو تعمیر کے کام کو مکمل کرنے اور زمانۂ امن میں معاشی ترقی کے عبوری دور کے مسائل کو حل کرنے کے لیے تعمیر و ترقی کا بین الاقوامی بینک قائم کیا گیا، اور دوبارہ تشکیل کردہ مالیاتی دنیا میں ادائیگیوں کو منظم کرنے کے لیے بین الاقوامی زری فنڈ وجود میں آیا۔ ہر چند کہ ماہرین معاشیات (اور غالباً افراد کے چند دیگر طبقے) اس بات کو پسند کریں گے کہ بین حکومتی امداد کا کام ٹھوس معاشی اصولوں کی بنیاد پر کیا جائے اور اسے ہر طرح کے سیاسی ملحوظات سے پاک رکھا جائے لیکن یہ ایک ایسا مثالی مشورہ معلوم ہوتا ہے جس پر عمل کرنا ناممکن ہے۔

Unrra کے قیام میں ایک عنصر زر اور وصولیابی کی مشینری (زیادہ تر ریاستہائے متحدہ میں) کا تھا اور دوسرا یو۔ ایس کے فوجی ذخائر کا۔ ان کی وجہ سے یہ تنظیم اپنا کام تیزی سے شروع کرنے کے قابل ہو گئی۔ ابتداءً اس میں نمایاں حصہ لینے والے ریاستہائے متحدہ (72 فیصد) دولت متحدہ (15 فیصد) اور کناڈا (6 فیصد) تھے۔ باقی حصہ داریاں بشمول روس بہت تھوڑی تھیں۔ پہلا ٹرینچ یا حصہ جس کی رقم بقدر 1.3 ملین ڈالر تھی آہنی پردے کے پیچھے والے ممالک میں بانٹا گیا کیونکہ مغربی یورپ کے ملک یا تو اس کے قیام میں پہلے ہی حصہ لے چکے

تھے یا ان کے پاس بیرونی زرِ مبادلہ کے زرر موجود تھے۔ بارہ مقبوضہ علاقے تھے۔ جب دوسرے ٹرینچ پروڈنگ کا وقت آیا تو برطانیہ نے آسٹریا اور اٹلی کو فوجی راحت سے Unrra منتقل کرنے کی خواہش ظاہر کی کیونکہ وہاں کل خرچ میں ان کا حصہ نسبتاً زیادہ

کو براہ راست امداد دینے کا فیصلہ کیا اور ان تبدیلیوں پر رضامند ہونے پر معاوضے کے طور پر سوویت روس نے یہ اصرار کیا اور بیورروسس سرلو کرائن کے "الگ ملکوں" کو آبادکاری کے لیے دیے جانے والے سامان کا مستحق تسلیم کیا جائے۔ 17 ممبروں کی کونسل میں ریاستہائے متحدہ کا صرف ایک ہی ٹرینچ میں اس کا حصہ کل کا 78 فیصد تھا اس کا ابتدائی حصہ جملہ کناڈا کا حصہ) - اس کونسل نے یہ فیصلہ کیا کہ مستقبل میں اس کی پر صنعت بازی کی ضرورت سے گریز کیا جائے گا۔ دوسرے ٹرینچ کی تقسیم کے بعد Unrra کو ختم کر دیا گیا۔ ریاستہائے متحدہ نے Unrra کے بعد راحت کا ایک پروگرام صرف آسٹریا اور اٹلی کے لیے تیار کیا کیونکہ یوگوسلاویہ، پولینڈ، اور ہنگری سے تعلقات خراب ہو جانے کی وجہ سے ان کی راحت سے متعلق ضروریات کے بارے میں ریاستہائے متحدہ کا نظریہ جانبدارانہ ہو گیا تھا۔

برآمد۔ درآمد بینک اور اینگلو امریکن مالیاتی سمجھوتہ :

1945 کے موسم گرما میں یہ بات واضح ہو گئی کہ بین الاقوامی بینک اور فنڈ کو اپنا کام شروع کرنے میں ابھی وقت لگے گا۔ نیز یہ کہ اس وقت تک کے لیے صورت حال کو قابو میں رکھنے کے لیے کچھ نہ کچھ کیا جانا چاہیے۔ اس مقصد کے لیے برآمد۔ درآمد بینک کے سرمائے میں 3 ملین ڈالر کا اضافہ کیا گیا۔ فرانس جیسے آزاد کرائے گئے ممالک اور لاطینی امریکہ کے اتحادیوں کو تعمیر نو کے کاموں کے لیے قرضے دیے گئے۔ کچھ عرصے تک 1 ملین ڈالر کی رقم سوویت یونین کے لیے محفوظ رکھی گئی جب اس نے کوئی درخواست نہ دی یا کوئی درخواست اسے نہ ملی۔ (اور بہرحال سیاسی تعلقات کے بگڑنے پر یہ ہونا ہی تھا) ـــــ تو اس رقم کو دوسرے قرض مانگنے والوں کو دے دیا گیا۔

برآمد۔ درآمد بینک کے سرمائے میں اضافہ کے فوراً بعد ہی یہ بات واضح ہو گئی کہ دولت مشترکہ کو در پیش مالیاتی حل کرنے کے لیے نہ تو یہ بینک کافی ہو گا اور نہ ہی بین الاقوامی بینک۔ قرضہ۔ پٹہ یک لخت بند ہو جانے کے بعد صورت حال خاص طور پر کچھ ایسی ہی ہو گئی

تھی۔ 1945ء کے آخر میں لارڈ کینز کی زیر قیادت ایک برطانوی وفد امداد کی ایک بہت بڑی رقم کے بارے میں مذاکرات کے لیے واشنگٹن آیا تاکہ برطانیہ کے دوبارہ اپنے
اور وہ دیگر ممالک کے جنگ کے بعد والے تعمیراتی کاموں میں اپنا رول ادا کر سکے۔ بریٹن وڈ بینک اور فنڈ کی مخالفت میں رچرڈ ولیم نے جو شہرۂ آفاق کلیدی۔کرنسی کا اصول پیش کیا تھا اس کی رو سے برطانیہ کو امداد دی جانی چاہیے تھی۔ انھوں نے کہا تھا کہ تمام ممالک کو ایک ساتھ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے میں مدد دینے کی کوشش کرنا غلط ہوگا اس کی بجائے ایک وقت میں ایک کرنسی کو مضبوط بنانا چاہیے اور اسے دوسری کرنسیوں کے سہارے کا ستون تصور کرنا چاہیے۔ لارڈ کینز کے ذہن میں 5 ملین پونڈ یا اس سے بھی زیادہ رقم کے ایک بڑے قرض کی اسکیم تھی جس پر کوئی سود نہ لیا جائے اور ممکن ہو تو یہ رقم بطور گرانٹ دی جائے اس کے برعکس ریاستہائے متحدہ صرف 3750 ملین ڈالر سود اور واپسی کی شرائط کے ساتھ دینے پر تیار تھا۔ اس نے یہ اصرار کیا کہ قرض ملنے کے 12 ماہ کے اندر برطانیہ کرنسی کی بدل پذیری کو بحال کرے۔ یہ بارہ ماہ جولائی 1947ء میں ختم ہو گئے۔ اس وقت تک برطانیہ کو اپنی نو آبادیوں اور ساتھیوں کے ساتھ ان کی جمع شدہ اسٹرلنگ کی بڑی واجب الادا رقوم کو کم کرانے یا برطانیہ میں روکے رکھنے کے بارے میں معاہدات کرنے میں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ وہ جنوبی افریقہ اور آسٹریلیا کو بہت زیادہ سرمایہ بھیج چکا تھا نیز بلجیم اور ارجنٹائنا کو اپنی رقوم واپس لینے سے باز رکھنے میں ناکام رہا تھا۔ بدل پذیری کے ساتھ ہی اسٹرلنگ پر چڑھائی شروع ہو گئی جس سے قرض کا بیشتر حصہ چھ ہفتوں میں ہی ختم ہو گیا۔ زرمبادلہ سے متعلق پابندیوں کو تب پھر سے نافذ کرنا پڑا۔

ٹرومین کا فلسفہ اور مارشل پلان:

1947ء کے موسم بہار تک یہ بات صاف ہو گئی کہ برآمد۔درآمد بینک کے سرمایہ میں اضافے نیز اینگلو امریکن مالیاتی معاہدے کے باوجود بھی Unrra بین الاقوامی بینک اور فنڈ یورپ کی جنگ کے بعد از سر نو تعمیر کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ناکافی رہیں گے۔ ایک سخت ترین موسم سرما اور بہار سے زراعتی اور صنعتی پیداوار کو دھکا لگ چکا تھا لیکن اس سے پہلے بھی مغربی یورپ کی معیشت کی تعمیر نو اور ذخیرہ اندوزی کا کام تکمیل سے بہت دور تھا۔ فرانس اور

نیدرلینڈز جیسے ممالک میں بیرونی زرمبادلہ کے زرزر کم پڑتے جارہے تھے۔ برآمد۔ درآمد بینک، فنڈ اور بینک کے قرضوں کے باوجود صورت حال ابتر ہوتی جارہی تھی اور وہ اپنی دینداریاں پوری کرنے کی حالت میں نہیں تھے۔

دسمبر 1946ء میں برطانوی حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ جرمنی کے اپنے مقبوضہ علاقے کے شہریوں کو امداد دیتے رہنا جاری نہیں رکھ سکتی اور یہ کام ریاستہائے متحدہ نے اپنے ذمہ لے لیا۔ فروری 1947ء میں برطانیہ کو مجبوراً یونان کی مالی امداد کا سلسلہ بند کرنا پڑا۔ صدر ٹرومین نے اس صورت حال کے پیش نظر یونان اور ترکی کے لیے فوجی اور مالی امداد کے ایک پروگرام کا اعلان کیا۔ ترکی کو اس پروگرام میں شامل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ یونان کی طرح اسے بھی بیرونی جارحیت کا خطرہ درپیش تھا۔

جون 1947ء میں سکریٹری آف اسٹیٹس جارج سی۔ مارشل نے ایک خطاب کے دوران یہ تجویز پیش کی کہ اگر یورپ جزوی اور وقتی کارروائیوں کی بجائے معاشی بحالی کے لیے کسی ہمہ گیر اور مربوط منصوبہ کو اپنانے پر آمادہ ہو تو اس کام میں ریاستہائے متحدہ اسے مدد دینے پر غور کرسکتا ہے۔ یورپی معاشی تعاون کی ایک کمیٹی نے اس طرح کا ایک پروگرام تیار کیا: ابھی اس پر بحث جاری تھی کہ ایک عبوری امداد کے پروگرام پر خاص طور سے فرانس اور نیدرلینڈز کے لیے عمل درآمد شروع ہوا۔ مورخہ 3 اپریل 1948ء کو مارشل پلان کا آغاز ہوا جس کی رو سے آنے والے چار سالوں میں تقریباً 16 بلین ڈالر کے خرچ کا منصوبہ بنایا گیا۔ سوویت یونین نے اس میں شرکت نہیں کی اور نہ ہی اس نے اپنے حلقۂ اثر کے ملکوں کو اس میں حصہ لینے دیا۔ مغربی جرمنی جس نے جون 1948ء میں زری اصلاح کے ایک پروگرام کو لاگو کیا تھا۔ Garioa سے مارشل پلان میں منتقل کر دیا گیا۔ آئس لینڈ سے ترکی تک 17 ممالک کو دی جانے والی امداد کی سطح 5.2 بلین ڈالر سالانہ رہتی تھی اور 30 جون 1952ء کے بعد گھٹ کر صفر رہ جانے کی توقع کی جاتی تھی۔

مارشل پلان کی افادیت کا تفصیلی جائزہ لینا مشکل ہے کیونکہ دو سال بعد جون 1950ء میں کوریا میں جنگ چھڑ جانے کی وجہ سے مسئلہ کی نوعیت بڑی حد تک بدل چکی تھی۔ مغربی یورپ کو معاشی امداد مقررہ وقت پر یا اس سے پہلے ہی کم ہوتی گئی لیکن فوجی مدد میں زبردست اضافہ ہوا۔ تاہم اس بارے میں عام طور پر اتفاق رائے ہے کہ امداد کی رقوم کا کارگر ڈھنگ سے استعمال کیا گیا اور اس نے یورپ کی معیشت کو ایسے مقام پر لا کھڑا کر دیا جہاں سے معاشی ترقی کی راہ پر تیزی سے

دوڑ پڑنے میں آگے کوئی دشواری محسوس نہ ہوئی۔

فوجی امداد اور دفاعی سہارا:

کوریا کی لڑائی نے یورپ میں دفاعی صورت حال کی کمزوری کو بے نقاب کردیا اور نئے فوجی اقدامات کرنے کی اہمیت پر زور دیا۔ شمالی اٹلانٹک سمجھوتہ تنظیم نے (Nato) جس میں یورپی معاشی تعاون کے 17 ممبروں سے کچھ کم ملک شامل تھے بہت سے بین الاقوامی پہلوؤں کو دھیان میں رکھتے ہوئے دفاعی خرچ کا ایک پروگرام مرتب کیا۔ اس میں ایک شق یہ تھی کہ ریاستہائے متحدہ اپنے حواریوں کو فوجی ساز و سامان مہیا کرے گا۔ دوسری بات یہ تھی کہ ریاستہائے متحدہ یورپ کی فیکٹریوں سے ساز و سامان خریدے گا جسے انجام کار یا تو ریاستہائے متحدہ استعمال کرے گا یا یورپ کی دیگر افواج۔ تیسری دفعہ بعض دفاعی تنصیبات جیسے ہوائی پٹیاں، پائپ لائن، گودام، وغیرہ تیار کرنے سے متعلق تھی۔ ان تنصیبات کو فرانسیسی میں 'زیر پاڈھانچہ' کہتے ہیں۔ (انگریزی میں 'پاؤں کے نیچے' نہیں 'بالائے سر' کا استعمال کیا جاتا ہے۔)

ایک اہم معنی میں فوجی امداد کے لیے ساز و سامان سب سے زیادہ سستے بازار سے خریدنے کو فوجی امداد کہنا غلط ہوگا۔ آج ایسے کرائے پر لڑنے والے استعمال نہیں کیے جاتے جیساکہ جارج سوم نے ہیسنز کو کیا تھا اور غیر ملکی ساز و سامان استعمال کرنے اور بیرونی دفاعی سہارے پر بھروسہ کرنے میں قومی وقار کو کبھی تھوڑا بہت دھکا پہنچتا ہے۔ لیکن اگر ہر ایک ملک اپنی افواج کے جذبہ حب الوطنی پر منحصر رہنا ترک کرے تو دفاع بھی بڑی آسانی سے بین الاقوامی تجارت کا موضوع ہو سکتا ہے۔ اور دفاع کو بھی ایسے ہی خریدا جا سکتا ہے جیسے ہم کیلے، کافی، ٹن، اور ربر خریدتے ہیں۔ پس کافی بڑی حد تک فوجی امداد اتنا دوسروں کو مدد نہیں ہوتی جتنا مقامی صرف کے لیے خریداری۔

امدادی سہارا کسی ملک کو شہری آبادی کے لیے دی جانے والی امداد کو کہتے ہیں تاکہ مذکورہ ملک اپنے وسائل کو فوجی کاموں میں منتقل کر سکے۔ ریاستہائے متحدہ میں فوجی امداد دینے کا کام محکمہ دفاع کرتا ہے اور سہارا دینے والی امداد بین الاقوامی ایجنسی برائے ترقی کے ذریعہ فراہم کی جاتی ہے۔ پہلے یہ کام بین الاقوامی تعاون کا انتظامیہ (ICA) اور معاشی تعاون کا انتظامیہ (ECA) انجام دیتے تھے۔ 31 مارچ 1967 تک 1967 کی اس مالی امداد کی 336 ملین ڈالر کی رقم میں سے

دو تہائی ویتنام کو دی جا چکی تھی۔ لاؤس کو ۳۴ ملین ڈالر، جارڈن کو 25 ملین ڈالر، کوریا کو 12½ ملین ڈالر اور ڈومینیکن ریپبلک کو ۱۰ ملین ڈالر دیے گئے تھے۔

ٹیکنیکی تعاون اور ترقیاتی امداد:

۱۹۴۹ء میں صدر ٹرومین کی افتتاحی تقریر کے چوتھے نکتے میں پسماندہ ممالک کو امداد کے ایک بڑے پروگرام کی ضرورت پر زور دیا گیا تھا۔ زراعت، صحت عامہ، اور تعلیم کے میدانوں میں ٹیکنیکی امداد اس پروگرام کے اہم عنصر کے طور پر سامنے آئی۔ جزوی طور پر یہ کام اقوام متحدہ کی مشینری کے ذریعہ انجام دیا گیا۔ یہ مشینری خود عالمی صحت تنظیم (WHO)، کھانا اور زرعی تنظیم (FAO)، بین الاقوامی محنت تنظیم (ILO) جیسی مخصوص ایجنسیوں میں بٹی ہوئی تھی۔ باقی کام ان ماہرین نے کیا جن کی خدمات اقوام متحدہ نے اس غرض سے حاصل کی تھیں۔ اس کے علاوہ ریاستہائے متحدہ نے سرکاری اور نجی سطحوں پر کافی کام کیا آخرالذکر میدان میں فاؤنڈیشنوں، مذہبی اداروں اور مختلف قسم کی نجی تنظیموں نے کام کیا۔ پھر وہ وقت بھی آیا جب روسی ٹیکنیکی ماہرین بہت سے پروجیکٹوں میں امداد دینے کے لیے باہر جانے لگے۔ ریاستہائے متحدہ نے امن دستوں کی داغ بیل ڈالی۔ ان میں زیادہ تر ایسے نوجوان اور کسی حد تک ناتجربہ کار افراد شامل ہوتے تھے جن کے دل میں پسماندہ ممالک کے عوام الناس کی تربیت کرنے کے کام میں حصہ لینے کا جذبہ کارفرما ہوتا تھا۔ نکتہ چار کے پروگرام کے شروع ہونے کے بعد کافی ابتدائی مراحل پر ہی یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ پسماندہ ممالک میں خوشحالی پر ورترقی کو بروئے کار لانے کے لیے صرف ٹیکنیکی امداد کافی نہیں تھی۔ اور اس سے کہیں زیادہ سرمائی امداد درکار تھی جو ان ممالک کو نجی سرمایہ کاروں اور بین الاقوامی ایجنسیوں سے مل رہی تھی۔ ریاستہائے متحدہ سے دی جانے والی اس طرح کی امداد میں ہر سال اضافہ ہوتا گیا۔ اس کام کے لیے کسی حد تک ایک بار پھر اقوام متحدہ کی تنظیموں کا استعمال کیا گیا لیکن بہت سے مقاصد کے لیے یہ امداد زیادہ تر براہ راست طور پر دی گئی۔ شروع میں زور دفاع پر رہا اور امداد کا انتظام ایجنسی برائے تحفظ باہم نے کیا جو معاشی تعاون کے انتظامیہ کی جانشین تھی۔ یہ انتظامیہ یورپی معاشی بحالی پروگرام کے یو۔ ایس والے سرے پر کام کرتا رہا تھا۔ کام کے پھیل جانے پر MSA کی جگہ انتظامیہ برائے بین الاقوامی تعاون نے لے لی اور بعد میں ایجنسی برائے ترقی عالم نے جس کے اختصار کے حروف

بجاطور پر AID ترقیاتی قرضوں کا فنڈ ICA کے اندر ہی 1958 میں پسماندہ ممالک کو دیے جانے والے قرضوں کا انتظام کرنے کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ عوامی قانون (P.L.) 480 اناج کے فالتو ذخائر میں سے پسماندہ ملکوں کو تجارتی سودوں سے باہر مقامی کرنسی میں ادائیگی کے بدلے اناج فراہم کرنے کے لیے پاس کیا گیا۔ 1961 میں بین امریکی ترقیاتی بینک قائم ہوا۔ امریکن ممالک کی تنظیم بہت سالوں سے اس کی مانگ کر رہی تھی۔ اس کی رقم بنیادی طور پر یو۔ ایس۔ ڈالر میں فراہم کی گئی۔ اس بینک کا کام ایسے سماجی اور معاشی مقاصد کے لیے قرضے فراہم کرنا تھا جو بین الاقوامی بینک برائے تعمیر و ترقی، اور ترقیاتی قرضوں کے فنڈ کے دائرۂ کار میں نہیں آتے۔ اسی سال ریاستہائے متحدہ نے پُنتا دَل اِست کے مقام پر اتحاد برائے ترقی پر دستخط کیے۔ اس کے تحت اس نے لاطینی امریکہ میں معاشی ترقی کے وسیع کردہ پروگراموں کو مدد دینے کا کام سنبھالا جن کو پورا کرنے کے لیے متعلقہ ملکوں میں ضروری تحصیلی اقدامات اور زرعی اصلاحات کو نافذ کیا جائے گا۔ 1966 میں ایشیائی ترقیاتی بینک کے نام سے ایک ایسا ہی ادارہ اور قائم کیا گیا اور اس نے 1967 میں اپنا کام شروع کر دیا۔

1967 میں AID نے خالص معاشی امداد فراہم کی۔ اس کی دو خاص شکلیں تھیں ۔ پروجیکٹ امداد جو سرمائی تکنیکی اور معاون پروجیکٹوں کی امداد پر مشتمل تھی اور ترقیاتی قرض کے فنڈ اور تعاون برائے ترقی کے قرضے نیز متعلقہ امداد کے امدادی پروگرام۔ جیسا کہ باب 20 میں واضح کیا جا چکا ہے ماہرین معاشیات پروجیکٹ قرضوں کی نسبت پروگرام کے لیے دیے جانے والے قرضوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں کیونکہ ان کی رائے میں اول الذکر کچھ غلط طور پر بندھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایجنسی پروگراموں کے لیے زیادہ کام کرنا چاہتی ہے مگر کانگریس پروجیکٹ قرضے دینا زیادہ پسند کرتی ہے۔ گرانٹ کی بجائے قرض کی جانب رجحان کے لیے بھی کانگریس ذمہ دار ہے وہ اول الذکر کو تکنیکی اور معاون امداد کے لیے مخصوص کرنا چاہتی ہے۔ کانگریس میں اہم آوازیں بیرونی امداد کو یک دم بہت کم کر دینا چاہتی ہیں اور دوسرے امداد کے لیے ملکوں کی ایک محدود تعداد پر توجہ مرکوز کرنے کی حمایت کرتے ہیں۔ AID کے کام کا ایک اہم پہلو نجی سرمایہ کاروں کو مخصوص خطرات سے محفوظ رکھنے کا پروگرام ہے۔ ان میں جنگ، بغیر معاوضے کے قبضہ، اور سرمائے و آمدنی کے لیے زرِ مبادلہ ملک میں لانے کی عدم سہولت کے خطرات خاص طور پر شامل ہیں۔

بین حکومتی امداد کے مسائل :

گزشتہ صفحات میں ہم نے بین حکومتی معاشی امداد کے کام میں صرف ان اشکال کی نشاندہی پر اکتفا کیا ہے۔ جن کے تحت ریاستہائے متحدہ گزشتہ بیس سال میں یہ کام کرتی رہی ہے۔ اس باب میں اب ہمارے پاس جتنی جگہ باقی رہ گئی ہے اس میں صرف ان مسائل اور پیچیدگیوں کا تذکرہ ہی ممکن ہے جو اس امداد کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ تیز فہم پڑھنے والا اس بات کو فوراً ہی سمجھ لے گا کہ ان میں سے بعض پیچیدگیاں گھریلو میدان میں بھی کبھی اپنا ثانی رکھتی تھیں لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہاں ان کو حل کرنے میں کوئی خاص دشواری پیش نہیں آتی۔ مثال کے طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ بیروزگاری کے خلاف بیمے سے کام کرنے کی تحریک کو شدید خطرہ لاحق ہے۔ ممکن ہے آج امداد کے میدان میں ایسے بعض مسائل جو بڑے نازک معلوم ہوتے ہیں ان کے بارے میں بھی وقت کوئی حتمی حل تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائے، یہ مسائل ضرورتِ اعانت کی نوعیت، امداد دینے کے اصولوں، شرائط وغیرہ سے متعلق ہیں۔

امداد بعض مقاصد کیلئے دی جائے یا عام وسائل کی شکل میں؟

برطانیہ کو قرضہ دینے کے دوران ریاستہائے متحدہ کی امداد کے سائز کے بارے میں ایک سنگین مسئلہ یہ درپیش تھا کہ برطانیہ اپنی نارمل برآمدات کس حد تک جاری رکھے گا۔ ان برآمدات میں وہ وسائل کام آجاتے تھے جنھیں دیگر صورت میں جنگی مقاصد کے لیے استعمال کیا جا سکتا تھا اور نتیجہ میں امداد کی ضرورت کم ہو سکتی تھی۔ موجودہ بحث کے لیے یہ بات غیر اہم ہے کہ کیا برطانیہ کو امن کے دور میں اپنے تجارتی شرکا، کے مزید قرضوں میں دیا رہنے دیا جائے جب کہ جنگ کے اختتام پر اس کی نارمل برآمدات کی سطح از حد کم ہو چکی تھی۔ اہم اور ضروری نکتہ یہ ہے کہ امداد کے کسی مجوزہ پروگرام کو فراہم کردہ وسائل کے صرف مخصوص استعمال پر اپنی توجہ مرکوز نہیں کرنی چاہیے بلکہ امداد پانے والے ملک کے زیر اختیار تمام وسائل کو مجموعی حیثیت سے دیکھنا چاہیے۔

اس اصول پر ہمیشہ عمل نہیں کیا جاتا۔ تعمیر و ترقی کے بین الاقوامی بنک کے قرضوں کی پروجیکٹ بنیاد پہلے نوٹ کیا جا چکا ہے۔ اسی طرح انتظامیہ برائے معاشی تعاون مارشل پلان کے تحت مثال کے طور پر فرانس کو فراہم کردہ فولاد کے استعمال پر نظر رکھتا تھا جب کہ اس کی توجہ کا مرکز تمام فولاد کا کارگر

استعمال ہونا چاہیے تھا بلکہ اسے فولاد بنانے میں کام آنے والے تمام وسائل پر دھیان دینا چاہیے تھا۔ کسی مخصوص مقصد کے لیے دی جانے والی امداد کا مناسب استعمال کیا گیا ہے یا نہیں یہ بات سیدھی اور آسان ضرور ہے مگر اصل اہمیت صرف کُل وسائل کی ہے۔

اس اصول سے فوجی امداد اور دفاعی سہارے سے متعلق ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے۔ یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ امداد کی ان دونوں اقسام کو معاشی ترقی کے لیے دی جانے والی امداد کے سوال سے الگ رکھنا چاہیے اور ریاستہائے متحدہ میں ان کا انتظام محکمہ دفاع کے ہاتھ میں ہونا چاہیے۔ لیکن فوجی اور معاشی امداد کے بیچ امتیاز کو واضح رکھنا نہایت دشوار ہے۔ کسی ملک کو ایک مقررہ پروگرام کے تحت دفاعی امداد ملنے سے اس کے اپنے وسائل معاشی ترقی کے لیے آزاد ہو جاتے ہیں اور اس کے برعکس کسی مقررہ ترقیاتی پروگرام کی صورت میں معاشی ترقیاتی امداد دفاعی صلاحیت یا صرف یا خرچ کی کسی دیگر مد میں اضافہ کا سبب بن جاتی ہے۔ فوجی اور معاشی امداد کے بیچ امتیاز صرف ایسی صورت میں بامعنی ہو سکتا ہے جب ہر ایک کا تعین جداگانہ طور پر ہر ایک دیگر خرچ کو جامع مانتے ہوئے کیا جائے۔ اگر دونوں کے بارے میں ابھی فیصلہ کرنا باقی ہے تو انھیں علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔

یہی بات ترقیاتی امداد کو پروجیکٹ کے ساتھ منسلک کرنے کے اس طریقۂ کار کے بارے میں کہی جا سکتی ہے جس پر تعمیر و ترقی کا بین الاقوامی بینک اور ایجنسی برائے بین الاقوامی ترقی عمل کر رہے ہیں۔ امداد کو سرمائی پروجیکٹوں کے ساتھ باندھنے کا مقصد یہ ہے کہ اسے اس غیر حقیقی مفروضے کی بنیاد پر ضائع نہ کیا جا سکے کہ دیگر ہر چیز غیر متغیر رہتی ہے۔ زیادہ تر حالات ایسے ہوتے ہیں جن میں پروجیکٹ کو بہر صورت پورا کرنا ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اس کے لیے مدد دینا دراصل صَرف کو سہارا دینے کے مترادف ہوتا ہے یا اس سے سرمائی برآمدات یا کسی دیگر مقصد کو بڑھاوا ملتا ہے۔ کسی مخصوص کام کے لیے دی جانے والی امداد عام طور پر عمومی معاشی امداد کا کیس بن جاتی ہے۔ اس کا استعمال صحیح ہوتا ہے یا اسے ضائع کر دیا جاتا ہے اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ کوئی ملک خود اپنے وسائل کو کتنے بہتر طور پر استعمال کرتا ہے۔ اہم چیز کوئی ایک پروجیکٹ نہیں بلکہ ایک پورا پروگرام ہے اور اسی لیے AID کے ماہرین معاشیات پروگرام کے طریقے کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ پوزیشن معاشی صف آرائی کے اس اصول کے بالکل برعکس ہے جسے ہم نے باب 8 میں پیش کیا تھا۔ بمباری (یا ناکہ بندی وغیرہ) دشمن کو عام وسائل کی بجائے کسی خاص کام میں لگے ہوئے وسائل سے اسی وقت محروم کر سکتی ہے جب یا تو وہ ایک پیشے سے دوسرے میں وسائل منتقل کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو یا اس کو

درکار مہلت نہ دی جائے۔

امداد کی مناسب رقم:

جنگ کے دوران امداد کی مناسب رقم کا تعین قدرے آسانی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔ ریاستہائے متحدہ کو اپنی فوجی کوششوں پر رقم خرچ کرنے کی بجائے اس وقت تک برطانیہ کی مدد کرنی چاہیے جب تک ایک ڈالر کے بقدر وسائل برطانیہ میں ریاستہائے متحدہ کے مقابلہ میں دشمن پر مار کرنے والا زیادہ گولہ بارود خرید سکیں۔ قومی خودداری کی بنا پر اس اصول میں کچھ ترمیم کرنے کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ فوجی کارروائی غیر منقسم ہو سکتی ہے یا دیگر حالات کے تحت ایسا کرنا پڑ سکتا ہے لیکن بنیادی طور پر حساب بالکل سیدھا ہے۔

اس کے برعکس امن کے زمانے میں فیصلہ کرنے کے لیے کوئی ایک واحد معیار یا کسوٹی نہیں ہوتی یہ دلیل پیش کی جاسکتی ہے کہ جب تک دونوں ملکوں میں فی کس آمدنی برابر نہ ہو جائے امداد جاری رکھنی چاہیے لیکن یہ بات قومی نقطہ نظر نہ ہو بلکہ عالمی سطح پر سوچا جائے تبھی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے لیکن بہت کم ممالک مانتے ہیں۔

مارشل پلان کے تحت پروگرام ملکوں کی بنیاد پر تیار کیے گئے تھے اور ان پروگراموں کے نتیجہ میں میزان ادائیگیوں میں پیدا ہونے والے خساروں کو پورا کرنے کے لیے امداد مانگی جاتی تھی لیکن یہ طریقہ غلط تھا۔ جیسا کہ میچلپ نے بتایا خسارے ناقابل تبدیلی پروگراموں پر منحصر نہیں ہوتے تھے بلکہ پروگراموں کا انحصار اس امر پر رہتا تھا کہ ان کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے خساروں کے لیے کتنی رقم دستیاب ہو سکتی تھی۔ اور جب یورپی معاشی تعاون کی کمیٹی نے سرمایہ کاری کے پروگراموں کا پہلا تخمینہ تیار کیا اور اس میں چار سال میں رونما ہونے والے خسارہ کا اندازہ 30 بلین ڈالر نکلا تو کمیٹی کو اس پروگرام میں تبدیلی کرنی پڑی کیونکہ کلیٹن اور ڈگلس نے مطلع کیا کہ ریاستہائے متحدہ سے مذکورہ رقم کی توقع نہیں کرنی چاہیے یہ بہت زیادہ ہے۔

پروگرام نہ صرف خسارے کا تعین کرتا ہے — جب کہ ہونا اس کے برعکس چاہیے — بلکہ خساروں کی بنیاد پر درکار امداد کا حساب لگانے سے محرکات بدل جاتے ہیں اور خراب کارکردگی کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ ایک ایسا ملک جو کفایت شعاری سے کام لے کر سرمایہ سازی کے لیے خود اپنے وسائل بہم پہنچاتا ہے اس کا خسارہ اس ملک کے مقابلہ میں کم رہتا ہے جو پیداواری کاموں کے لیے ضروری بچت کرنے میں ناکام رہتا ہے اور وہ اس اصول کی بنا پر کہ خدا ان کی مدد کرتا

ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں کم امداد کی بجائے ٹیکسوں کی طرح مالی امداد بھی لوگوں کو کوشش کرنے سے باز رکھتی ہے۔ اس کج روی کو کم سے کم کرنے کے لیے امداد کی رقم کو مقرر رکھنے کا کچھ جواز ضرور نکلتا ہے تاکہ اپنی مزید کوششوں کا فائدہ پانے والے ملک کو پہنچے مدد دینے والے ملک کو نہیں۔ نظریاتی ماہرین نے اکٹھے تدریجی ٹیکسوں کی ایک بڑی دانشمندانہ (مگر ناقابل عمل) اسکیم بنائی ہے۔ یہ ٹیکس متوقع قوتِ آمد پر لگائے جاتے ہیں۔ ٹیکس کی مقررہ رقم اضافی کوشش سے ملنے والی مختتم آمدنی کو مختلف آمدنیوں والے افراد کے لیے برابر کر دیتی ہے اور کوشش میں تساہل کے امکان کو کم سے کم کر دیتی ہے۔ اسی طرح ایک یا یکمشت دی جانے والی مالی امداد جس کا تدریجی بنیاد پر دیا جانا ضروری نہیں ہے سے کوشش کا جذبہ مجروح نہیں ہوگا اور اس طرح کی ناکارکردگی کو بڑھاوا نہیں ملے گا جیسی معاشی امداد خسارے کی بنیاد پر دینے سے پیدا ہو سکتی ہے۔

معاشی امداد چھوٹی ہو یا بڑی غلط محرکات سے بھری ہوتی ہے۔ قحط سالی کے تدارک کے لیے ہندوستان کو غذائی امداد دینے سے اناج کی قیمتیں کم ہوتی ہیں اور کسانوں کی پیداوار کو زیادہ کرنے کی کوششیں کمزور پڑتی ہیں۔

قومی نصب العین کو دستیاب وسائل پر نظر رکھنی چاہیے لیکن وہ کچھ نہ کچھ امید تاریخی، پسندیدہ، اور قابلِ حصول ذرائع سے بھی لگائے رہتا ہے آخر الذکر میں وہ سب کچھ شامل ہے جو مقامی طور پر اور باہر سے دستیاب ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ مارشل پلان کے تحت برطانیہ کا نصب العین ایک ایسے معیار زندگی کا حصول تھا جو اٹلی سے اونچا ہو لیکن اٹلی جس معیار زندگی کے لیے کوشاں تھا وہ برطانیہ کی بجائے جنگ سے پہلے والے اٹلی کے مقابلہ میں زیادہ رکھا گیا تھا کیونکہ جنگ سے پہلے کی اٹلی میں غریبی کا دور دورہ تھا۔

چند سال پہلے ملیکان اور روسٹو نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ ہر ایک ملک کی سرمایہ جذب کرنے کی گنجائش کا واضح طور پر تعین کیا جا سکتا ہے اور یہ تجویز پیش کی تھی کہ کسی ترقی یافتہ ملک کی معاشی نشوونما کے لیے امدادی پروگرام میں ایسے ملکوں کو جن کی فی کس آمدنی ایک خاص سطح سے نیچی ہو وہ تمام امداد دی جانی چاہیے جس کو وہ جذب کر سکیں۔ یہ تجویز مارشل پلان کے تحت مناسب امدادی رقم کے مبہم تصور سے کہیں زیادہ ٹھوس اور واضح تھی۔ سرمایہ جذب کرنے کے تصور پر دو ابواب میں پیچھے بحث کی جا چکی ہے۔ لیکن ملیکان۔ روسٹو تجویز اس نظریہ کی مثال کے طور پر

خصوصی اہمیت کی حامل ہے کہ امداد کا تعین صرف معاشی مقاصد کی بنیاد پر ہی کیا جانا چاہیے ان کی دلیل پر دو اعتراضات کیے جا سکتے ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ امداد دینے والا ملک خارجی پالیسی میں مخالفت، سفارت خانے کے سامنے سڑک پر فساد اور ریاستہائے متحدہ کی اطلاعات کی ایجنسی کی لائبریری کو نذر آتش کر دینے جیسے واقعات کو نظرانداز نہیں کر سکتا۔ بیرونی امداد خارجی پالیسی کا ایک ہتھیار ہے اور اس کے استعمال سے خود کو محروم رکھنے کے حکم پر قایم رہنا بہت مشکل ہے۔ دوم امداد دینے والے ملک کے لیے اس امر کو یقینی بنانا جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، ناممکن ہے کہ امدادی رقم کا استعمال اس مقصد کے لیے کیا جائے گا جس کے لیے امداد دی گئی ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کو دی جانے والی معاشی امداد معاشی ترقی کی بجائے ایک دوسرے کے خلاف استعمال کی جا سکتی ہے۔ جیکب جے کپلان ایک پیشہ ور معاشی ہیں اور بیرونی امداد کے بارے میں انھیں 20 سال کا تجربہ ہے۔ وہ صرف معاشی ترقی کی نیت سے دی جانے والی امداد کو خود فریبی قرار دیتے ہیں۔ دوسری خود فریبیوں کے ساتھ واشنگٹن کے اہل اختیار اس کا بھی استعمال کرتے ہیں کیونکہ وہ اس حقیقت سے منہ چھپانا چاہتے ہیں کہ غیر ملکی امداد خارجی پالیسی کا ایک ہتھیار ہے۔

ایک آخری الجھن کا سامنا سوویت یونین سے دی جانے والی حریفانہ امداد کے سلسلے میں کرنا پڑتا ہے جس ملک کو سوویت یونین سے امداد ملتی ہے وہ امریکہ سے اس سے زیادہ، اس کے برابر یا اس سے کم کتنی امداد کا حقدار ہونا چاہیے؟ پسماندہ ممالک چاہیں گے کہ جواب 'زیادہ' ہونا چاہیے کیونکہ معاملہ مقابلہ کا ہے۔ اس کے برعکس اگر ملک سرمائے کی ایک محدود مقدار ہی جذب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو دیگر ذریعہ سے امداد ملنے پر اس کی ضرورت کم ہو جاتی ہے۔ لیکن کسی عملی صورت میں سوویت یونین سے پسماندہ ملک کو دی جانے والی امداد کے جواب میں ریاستہائے متحدہ کو نہ تو امداد میں بڑا اضافہ کرنا چاہیے اور نہ ہی اسے بہت کم کر دینا چاہیے صحیح راہ ان دونوں کے کہیں درمیان میں ہو گی۔

بالواسطہ مدد :

یہ ضروری نہیں کہ کسی ملک کی امداد براہ راست طور پر ہی کی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض صورتوں میں یہ صاف طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ کس ملک کی مدد کی جا رہی ہے۔ 1941 کے بائیڈے

ہارک سمجھوتے کے تحت ریاستہائے متحدہ نے جو اشیاء برطانیہ کو قرضہ۔ پٹہ پر فراہم کی تھیں وہ کناڈا بھیجدی گئیں جہاں انھیں برطانیہ کی طرف سے جنگی کوششوں کے سلسلے میں استعمال کیا گیا۔ اگر اس امداد کی عدم موجودگی میں کناڈا برطانیہ کی اعانت کرنے سے قاصر رہتا تو اسے بجا طور پر برطانیہ کو دی جانے والی امداد کہا جا سکتا تھا۔ لیکن اگر بہر صورت کناڈا سے یہ مدد ملتی ہی رہتی اور اتنی ہی مقدار میں تب قرضہ۔ پٹہ کی جو رقومات برطانیہ کو دی گئیں انھیں درحقیقت کناڈا کی امداد سے تعبیر کیا جاتا۔

اس طرح کی بالواسطہ امداد میں جنگ کے بعد کے دور میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ اینگلو امریکن مالیاتی سمجھوتے کو برطانیہ کی وساطت سے دنیا کے دیگر ممالک کو جن میں سامراجی نوآبادیاں اور لاطینی امریکہ شامل ہیں مدد دینے کی کوشش تصور کیا جاتا ہے۔ اس قرض کی رقم سے برطانیہ اور نوآبادیاں نیز لاطینی امریکہ ان اشیاء کی تجارت کر سکے جن کی تجارت وہ دیگر صورت میں نہ کر پاتے۔ بعد میں یورپ کے معاشی بحالی کے متعلق پروگرام میں امریکہ نے کناڈا اور لاطینی امریکہ میں باہر جانے والی اشیاء کو حاصل کر کے ان کی بکری کو یورپ میں فروغ دینے کے لیے بدل پذیر کرنسیوں کی شکل میں رقم فراہم کی۔

یورپ میں معاشی بحالی کے اس مرحلہ کے دوران یورپ میں اشیاء تعیش کے خلاف وسیع پیمانے پر امتیاز برتا گیا۔ امید یہ تھی کہ اس طرح وہ فاضل ڈالر حاصل کیے جا سکتے ہیں جن سے شمالی امریکہ سے ضروریات زندگی خریدی جا سکیں گی۔ اس صورت سے جرمنی کو دینے کے لیے اٹلی میں لیموں کی امریکی خریداری یورپ کی مدد تصور کی جا سکتی تھی۔ اٹلی کو ایسی اشیاء بیچنے کی سہولت فراہم ہو گئی جن کے بدلے وہ دیگر صورت میں ڈالر حاصل کرنے کی امید نہیں کر سکتا تھا۔ اور جرمنی کو وہ لیموں مل گئے جنھیں وہ پہلے حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ یہ طریقہ بہر حال وقتی ضرورت کو پورا کرنے والا تھا اور مخصوص سودوں کے لیے رقم فراہم کرنے کی ضرورت تھی۔

ساحل سے دور خریداری کے انتظام کرنے میں دشواری کی وجہ سے مشروط امداد کا ارتقاء ہوا۔ مان لیجیے کہ برطانیہ اور فرانس دونوں میں سے ہر ایک کا ریاستہائے متحدہ سے ۱۰۰ ڈالر کا خسارہ ہے لیکن اس کے علاوہ فرانس کا برطانیہ کے ساتھ تجارتی خسارہ بقدر ۵۰ ڈالر ہے جو ظاہر ہے برطانیہ کی بیشی ہے۔ اب ریاستہائے متحدہ دونوں ملکوں کے میزان ادائیگی میں کل خسارے (۵۰ ڈالر فرانس کا اور ۵۰ ڈالر برطانیہ کا) کے لیے مجموعی طور پر رقم فراہم کر سکتا ہے یا وہ اُن کے جداگانہ (ہر ایک کا ۱۰۰ ڈالر) خسارے کے لیے رقم دے سکتا ہے۔ ریاستہائے متحدہ سے دی جانے

والی امداد دونوں صورتوں میں برابر ہوگی۔ پہلی صورت میں فرانس کو دیے جانے والے 150 ڈالروں میں سے 50 ڈالر اس شرط پر دیے جانے چاہئیں کہ فرانس اپنی نارمل درآمدات برطانیہ سے خریدے گا اور ان کے لیے 50 ڈالر کی رقم بدل پذیر کرنسی کی شکل میں دے گا۔ یا اگر ہر ایک ملک کو 100 ڈالر دیے جائیں تو برطانیہ کو دیے جانے والے 50 ڈالر کے ساتھ یہ شرط لگائی جاسکتی ہے کہ وہ فرانس کے ساتھ (عطیہ یا قرض) اپنے بڑھے ہوئے میزان ادائیگی کے لیے رقم بہم پہنچائے گا۔ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ فرانس اور برطانیہ میں سے ہر ایک دونوں میں سے کس طریقہ کو پسند کرے گا۔ اور ہر ایک طریقہ سے تجارت کی نارمل ہیئت میں فرق آئے گا۔ فرانس کو 150 ڈالر دینے سے وہ برطانیہ سے اشیاء خریدنے کی پرواہ نہیں کرے گا۔ اور 100 ڈالر برطانیہ کو دینے سے وہ فرانس کو مال مہیا کرنے کے بارے میں کوئی پابندی محسوس نہیں کرے گا۔ پس مشروط امداد کا نظام جو بین یورپ ادائیگی اسکیم کے تحت کام کرتا تھا۔ 1950ء میں یورپی ادائیگی یونین (EPU) کے حق میں ترک کر دیا گیا۔

EUP کے تحت ریاستہائے متحدہ نے OEEC کو یورپ کے ممالک کے مابین باہمی دینداریوں کے لیے درکار رقم کے طور پر استعمال کے لیے 500 ملین ڈالر سے زیادہ رقم دی۔ تمام بین یورپ تجارت کو بنیاد جہتی بنا دیا گیا یعنی بین یورپ تجارت کی دو طرفی واجب الادا ادائیگیوں کو ایسی رقوم میں تبدیل کر دیا گیا جو یا تو EPU کو دی جاتی یا اس سے لی جاتی تھیں۔ ہر ایک ملک کا ایک کوٹہ مقرر کیا گیا جو پانچ حصوں یا ترنچوں میں منقسم تھا۔ قرضدار ڈالر (یا سونا) دیتے تھے اور اس کے بدلے انھیں قرض دیا جاتا تھا۔ ہر ایک ترنچ کے لیے دیے جانے والے قرضے کا تناسب مختلف رکھا گیا تھا۔ اور قرضخواہ ڈالر پاتے تھے اور قرضے مہیا کرتے تھے۔ یہ کام مندرجہ ذیل جدول کے مطابق ہوتا تھا۔

کوٹے کا ترنچ	قرضدار		قرضخواہ	
	دیے گئے ڈالر	لیا گیا قرض	لیے گئے ڈالر	دیے گئے قرض
	(فیصد میں)		(فیصد میں)	
1	10	90	0	100
2	30	70	50	50
3	40	60	50	50
4	50	50	50	50
5	70	30	50	50
اوسط......	40	60	40	60

اوسطاً حساب صاف کرنے کے لیے آخر کار قرضدار قرضخواہوں کو درکار ڈالر ادا کریں گے لیکن فنڈ کو ایسے مواقع کے لیے املاک پاس رکھنے کی ضرورت پڑتی تھی جب قرضداروں کو اس سے زیادہ رقوم بطور قرض دی جارہی ہوتی تھیں جتنی قرضخواہ فراہم کر رہے ہوتے تھے۔ ایسی صورت مثال کے طور پر اس وقت رونما ہوتی تھی جب پہلے یا دوسرے ٹرینچ پر بیشتر قرضدار قرض کے طور پر 90 یا 70 فیصد لے رہے ہوتے تھے جبکہ بعض محتاط قرضخواہ قرض کی شکل میں صرف 50 فیصد ہی فراہم کرتے تھے۔ ریاستہائے متحدہ کے فراہم کردہ سرمایہ کا مقصد اس طرح کی صورت حال سے عہدہ برآ ہونا تھا اور اس سرمایہ کو استعمال کرنے کی بجائے بچا کر رکھا جاتا تھا۔

یورپی ادائیگی یونین کو 1960 میں ختم کر دیا گیا۔ بیشتر ممبروں کے لیے بدل پذیری بحال ہوجانے کے بعد اس کا مقام ایک ذرا ڈھیلی تنظیم یورپین زرنی سمجھوتے نے لیا۔ اس کی عملی طور پر کوئی خاص اہمیت نہیں تھی۔ واجب الادا لین داریوں اور دین داریوں کو لمبے عرصے کے قرضوں میں تبدیل کر دیا گیا۔ پسماندہ ممبر ملکوں (اسپین، پرتگال، یونان، ترکی) کی مخصوص ضروریات کے لیے قرضے دینے کی غرض سے الگ سرمایہ رکھا گیا۔ یہ ملک تنظیم برائے معاشی تعاون و ترقی کے ممبر تھے جس نے تنظیم برائے یورپین معاشی تعاون کی جگہ لے لی تھی۔ اس کے ممبروں میں کناڈا اور ریاستہائے متحدہ بھی شامل تھے اس کی ذمہ داریاں صرف یورپ کی معاشی بحالی تک محدود نہ تھیں۔ اس کا تعلق تمام دنیا میں اٹلانٹیک سماج کی معاشی ذمہ داریوں سے تھا۔

یورپی ادائیگی یونین کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کامیابی کا سبب بڑی حد تک یونین کو قایم کرنے والوں کی دانشمندی اور اس میں حصہ لینے والے ممالک کی خیر خواہی تھی۔ تاہم کسی حد تک اس کا سبب یہ بھی تھا کہ ابتدائی مراحل میں اس کے مستقل طور پر مقروض رہنے والے ممالک آسٹریا، یونان، اور ترکی کے خساروں کو ریاستہائے متحدہ نے پورا کر دیا تھا اور اس لیے انھوں نے یونین کی املاک کو جذب نہیں کر لیا تھا۔ نظریاتی اعتبار سے اس کی ایک کمزوری بڑی اہم تھی۔ تمام ممالک سے نظام کے اندر اپنی ادائیگیوں میں توازن رکھنے کے مطالبہ کا مطلب یہ تھا کہ تنظیم سے باہر بھی یہ سب ملک ایسا کر سکتے تھے۔ اس کا مطلب یہ بھی تھا کہ کوئی بھی ملک اپنے اندرونی بیشی سے باہر کے خسارے کو پورا کر کے اپنی کل تجارت کو متوازن کرنے میں کامیاب نہ تھا۔ لیکن یہ نظریاتی کمزوری غیر اہم ثابت ہوئی۔ اس کی کچھ وجہ تو یہ تھی کہ باہر کا بڑا خسارہ ـــــ ڈالروں میں ـــــ کو دیگر طور پر پورا کیا جا رہا تھا اور کچھ سبب یہ تھا کہ وہ دوسری بڑی کرنسی جس میں خسارہ ممکن ہو سکتا تھا اسٹرلنگ۔

تھی اور تمام اسٹرلنگ علاقہ ادائیگی یونین میں شامل تھا۔

لیکن جس میکنیزم نے یورپ میں شاندار طور پر کام کیا اسے یورپ سے باہر کہیں نہیں آزمایا گیا اگرچہ لاطینی امریکہ اور ایشیا کے لیے اس کی بڑی وکالت کی گئی۔ ان علاقوں میں اس نظام کی نظریاتی کمزوری ضرر رساں ثابت ہوتی اور ان میں وہ خوبیاں بھی مفقود تھیں جنھوں نے ای یو پی (EPU) کی کامیابی میں نمایاں کام کیا تھا یعنی یورپ تجارت کا بڑا اہم اور متاثر کن سیاسی یکجہتی۔ ایشیا میں اور لاطینی امریکہ میں اس طرح کی ادائیگی یونین کا ہر ایک ممبر اسے باہر خرچ کرنے کے لیے کرنسیاں کمانے کے ذریعہ کے طور پر استعمال کرنے کی امید رکھتا۔ یہ بات صریحاً ناممکن ہوتی یہی وجہ ہے کہ دنیا میں کہیں اور اسی طرح کے نظام ادائیگی کے قیام کے تقاضے بے جان ہو گئے ہیں۔

امداد کی شرطیں :

سیاستداں نہ سہی لیکن علم سیاسیات کے ماہرین اس بارے میں تقریباً ہم خیال ہیں کہ معاشی امداد کے لیے اہم شرط یہ ہونی چاہیے کہ متعلقہ ملک اپنی حالت سنوارنے کے لیے ہر ممکن کوشش کر رہا ہے ـــــ اس سے محرکات سے متعلق وہ الجھن سامنے آتی ہے جس پر اوپر بحث کی جا چکی ہے۔ لیکن اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ نوعیت کے اعتبار سے ان کا سلسلہ خالص سیاسی ملحوظات سے لے کر امداد کی ان معاشی شرائط تک پھیلا ہوا ہے جن پر غیر مناسب مداخلت کا الزام عاید کیا جا سکتا ہے۔

خالص سیاسی نوعیت کے سوالات ایک معاشی کتاب کے احاطے میں نہیں آتے لیکن اس کے باوجود یا اس لیے اور بھی؟ حقیقی ہیں کیا ہندوستان کے مقابلہ میں کسی تقابلی بنیاد کی رو سے پاکستان کو اس وجہ سے زیادہ امداد ملتی ہے کہ وہ جنوبی مشرقی ایشیا معاہدہ تنظیم میں شامل ہے جبکہ ہندوستان سختی کے ساتھ غیر جانبداری کی راہ پر گامزن ہے۔؟ کیا مٹیو کے کمیونسٹ رہنے کے باوجود یوگوسلاویہ کو امداد دینا کوئی مستحسن کام ہے؟ کیا پولینڈ کی از سر نو تعمیر میں مدد دینے سے سوویت یونین کا ایک بوجھ کم ہو جانے کے باعث اسے بالواسطہ طور پر امداد حاصل ہوتی ہے یا وہ سوویت روس کے دائرۂ اثر سے اور زیادہ نمایاں طور پر آزاد ہو جاتا ہے؟ ریاستہائے متحدہ کی سرکار کے کارکن شعبہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ بھوک کے شکار کمیونسٹ چین کو خوراک فراہم کرنے کی بجائے کمیونسٹ بلاک کے ان مذکورہ ممبروں کو مدد دینا سیاسی اعتبار سے زیادہ سودمند ثابت

ہوگا۔ تاہم انتخابات والے سال میں قانون سازی کا شعبہ اس امداد کے خلاف ووٹ دینے کی جانب مائل ہوتا ہے۔

بہرحال ان بڑے سیاسی مسائل سے قطع نظر نیم سیاسی یا سیاسی نوعیت کی بہت سی قدرے کم سنگین الجھنیں ایسی ہوتی ہیں جن میں معاشی مسائل ملوث ہوتے ہیں۔ کیا کسی ملک کے اندر امداد کے بیشتر فوائد کسی ایک طبقے کو حاصل ہوتے ہیں اور اس طبقے کے طرز عمل سے معاشی ترقی کی رفتار یا بحالی میں کوئی بڑی دشواری پڑتی ہے؟ کیا مذکورہ ملک نجی عزم کی مخالفت کرتا ہے اور اس غیر ملکی سرمائے کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے جس سے اس کی بیرونی امداد کی ضرورت کم ہو جاتی ہے؟ کیا بیرونی امداد ملک کے اندر سیاسی طاقتوں کو مشکل فیصلے کرنے کی ضرورت سے بچنے کا موقع فراہم کرتی ہے — مثلاً یہ کہ بحالی یا معاشی ترقی کے بار کو کیسے مختلف طبقوں یا علاقوں میں بانٹا جائے گا — اور اس طرح موثر مقامی کارروائی کو التوا میں ڈالے رکھتی ہے؟ یا کیا ملک کے اندر تعمیری قوتیں امداد کی شرطوں کا سہارا لے کر دیگر مقامی مفادات کو ایسی پالیسیوں پر عمل پیدا ہونے کی ترغیب دے سکتی ہیں جس سے معاشی ترقی کی رفتار تیز ترین ہو جائے؟ لاطینی امریکہ میں اتحاد برائے ترقی کے سلسلے میں آج کل اس بارے میں بڑا حوصلہ شکن تجربہ ہو رہا ہے۔ امداد کی پیش کش خاص طور پر ان اصلاحات کی پیش رفت کی بنیاد پر کی گئی تھی — افراط زر کو روکنے اور بجٹ کو متوازن کرنے کے لیے ٹیکس لگائے جائیں گے اور پیداواری صلاحیت نیز جمہوریت کے مفاد میں زرعی اصلاحات نافذ کی جائیں گی۔ امداد کے افسران امداد کی شرط کے طور پر پہلے یہ اصلاحات چاہتے تھے۔ لاطینی امریکہ کے ارباب حکومت کو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں رودڑان کا تختہ نہ الٹ دیں اس لیے وہ اصلاحات کی شرط کے طور پر وہ پہلے امداد کے طالب تھے۔ مجموعی طور پر آخرالذکر اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔ آج کل امداد کے لیے ایک نئی شرط رکھی جا رہی ہے — اپریل 1967 میں کیے گئے فیصلے کے مطابق (ایک بار پھر یوروگا کے پنتا دل اسٹے کے مقام پر) لاطینی امریکہ کے بازار کو مربوط کرنے کے سلسلے میں پیش رفت۔ یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ لاطینی امریکہ کی حکومتیں اس مقصد کے حصول کی راہ میں حائل سیاسی رکاوٹوں پر قابو پانے میں کس حد تک کامیاب ہو سکیں گی۔

ایک طریقہ جیسے یورپین بحالی پروگرام کے تحت وضع کیا گیا تھا اور جیسے فاضل زرعی پیداوار جیسے ترقیاتی امداد کے بعض پروگراموں میں بھی استعمال کیا گیا تھا یہ ہے کہ ریاستہائے متحدہ کی امداد کا مقامی کرنسی والا متقابل حصہ اس کی منظوری سے ہی خرچ کیا جائے گا۔ اشیا جن میں ریاستہائے متحدہ

کی امداد دی جاتی ہے صارفین اور فرموں کو نہیں دی جاتیں بلکہ مقامی کرنسی میں فروخت کردی جاتی ہیں، اس مقامی نعم البدل کی رقوم کا استعمال دور رس نتائج کا حامل ہوتا ہے۔ اگر ان کو بچالیا جائے یعنی سرکاری قرضوں کو لوٹانے کے لیے استعمال کیا جائے خاص طور پر خزانہ عامرہ کو مرکزی بینک سے دی گئی رقوم کو تو امداد سے صاف ظاہر ہے افراط زر کو روکنے میں مدد ملے گی۔ بہر حال ان رقوم کو سرمایہ سازی یا باقاعدہ اخراجات تک کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے جس سے قومی آمدنی کی سطح برقرار رہے گی یا اس میں اضافہ ہوگا اور درآمدات بڑھیں گی۔

ان رقوم کے خرچ کرنے کے بارے میں ریاستہائے متحدہ کی ..... شرطاً اس ملک کے نمائندں کو بحالی یا ترقیاتی پروگرام کے مالیاتی پہلوؤں سے متعلق بحث میں شریک کرتی ہے۔ اس طرح کی بحث کے نتائج بڑی مختلف اہمیت کے حامل ہوسکتے ہیں، ایک سرے پر جیسا کہ برطانیہ میں یورپین بحالی پروگرام کے دوران دیکھنے میں آیا، اصل کے مقابل ان رقوم کے جمع ہونے جانے سے پیدا ہونے والے ترنیم زر کے اثر کو خزانہ عامرہ اور مرکزی بینک کی دیگر کارروائیوں کے ذریعہ پورے طور پر زائل کیا جاسکتا ہے۔ اہل برطانیہ نے کئی سالوں تک ان رقوم کے استعمال سے متعلق کوئی تجاویز پیش نہیں کیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ ریاستہائے متحدہ سے اجازت لینے کی شرط کو ناپسند کرتے تھے۔ اس کے برعکس دوسرے سرے پر ترکی جیسے ملک نے اپنی مالیاتی پالیسی کا تانا بانا زیادہ تر ان رقوم کے استعمال کے ارد گرد تیار کیا اور اس پالیسی کے جملہ پہلوؤں پر ریاستہائے متحدہ سے مشورے کا خواہاں ہوا۔ کسی ملک کے اندر افراطِ زر کی سیاسی جڑیں گہری ہونے کی صورت میں سرکاری اخراجات کو پورا کرنے کے لیے ان رقوم کے استعمال کی درخواست منظور نہ کرنے سے متعلقہ حکومت مالیاتی بحران کا شکار ہوسکتی ہے۔ پس اس طریقہ کار کی حدود کافی واضح ہیں۔ لیکن دیگر صورتوں میں ان رقوم کے استعمال کے بارے میں ریاستہائے متحدہ سے پیشگی اجازت لینے کی شرط نے وزیر خزانہ یا مرکزی بنک کار کے ہاتھ میں افراطِ زر کی داخلی قوتوں کے خلاف سیاسی لڑائی میں کار آمد ہتھیار کا کام کیا ہے کیونکہ وہ باہری ضرورت کے نام پر اپیل کرسکتا تھا۔

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کی رائے میں امداد بالکل غیر مشروط طور پر دی جانی چاہیے۔ چند صورتوں میں مثلاً برطانیہ اور اس کی نوآبادیوں کے مابین جہاں مدد دینے اور مدد لینے والا ملک دونوں ایک ہی طرح کے سیاسی اور معاشی معیار پر کام کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو کافی اچھی طرح

سمجھتے ہیں یہ رائے مناسب ہو سکتی ہے۔ لیکن بشکل دیگر اس کا کوئی مصرف معلوم نہیں ہوتا۔ مدد دینے والے ملک کو کم از کم اتنا تو معلوم ہونا ہی چاہیے کہ جس ملک کو امداد دی جا رہی ہے وہ اس کا استعمال کس طور سے کرنا چاہتا ہے اور کسی حد تک یہ اندازہ بھی ہونا چاہیے کہ وہ کہاں تک اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اگر وہ ان مقاصد کو منظور کرتا ہے تو پھر دوسری تمام شرائط کا ندران مقاصد کے کارگر حصول پر رہنا چاہیے۔ سیاسی زاویے سے اس تجویز سے یہ تاثر ملتا ہے کہ قلیل مدتی مقاصد کو غیر ضروری قرار دے کر کم سے کم کرنا چاہیے یہ مقاصد سیاسی اور معاشی آزادی کے طویل مدتی سیاسی نصب العین تک کی راہ میں رکاوٹ بن سکتے ہیں۔ معاشی اعتبار سے اس تجویز کا منشا صرف اتنا ہی ہے کہ متعلقہ ملک کو اپنے وسائل کا جہاں تک ہو سکے بہتر سے بہتر استعمال کرنا چاہیے۔

ایک شرط جو ریاستہائے متحدہ نے اپنے بیشتر امدادی پروگراموں ـــــ قرضہ۔ پٹہ، جنگ کے بعد کے حسابی سمجھوتوں، اینگلو امریکن مالیاتی معاہدے، اور مارشل پلان ـــــ میں لگائی یہ تھی کہ امداد حاصل کرنے والے ملک تجارت اور ادائیگیوں کے ایسے عالمی نظام کی تشکیل میں ریاستہائے متحدہ کا ساتھ دیں گے جو بسیار جہتی اور غیر امتیازی نوعیت کا ہو۔ امداد پانے والوں کے لیے اس تصور کی حمایت کا یقین دلانا نسبتاً آسان تھا کیونکہ اس یقین دہانی کی کوئی عملی اہمیت نہیں تھی (علاوہ برطانوی قرض کے سلسلے میں بدل پذیری کی تباہ کن شرط کے)۔ یہ ممالک یقین دہانی کے وقت بے شک اس بارے میں نیک نیتی سے کام لیتے تھے۔ بعض مشاہرین طویل مدتی اصولوں پر قائم رہنے کی شرط پر اعتراض کرتے ہیں۔ اپنے طویل مدتی مفادات کے لیے سبھی ملک اپنے قلیل مدتی مفادات کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اور ان سے بار بار کسی اعتقاد سے وابستگی کے بارے میں یقین دہانی کا مطالبہ کرتے رہنے میں یہ اندیشہ ہے کہ اس کی وقعت ہو سکتا ہے اس سے زیادہ نہ رہ جائے جتنی ان لوگوں کی حمد و ثنا کی ہوتی ہے جن میں نجات دہندہ فوج بھوک سے بچانے والی ہوتی ہے۔

قرضے بنام گرانٹ (عطیات)

اصلاح سے قبل کے یورپ اور آج کی بیشتر مسلم دنیا میں قرضوں پر سود سے متعلق مذہبی اعتراض کی بنیاد یہ اخلاقی اصول تھا کہ دوسروں کی پریشانیوں سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے۔ ایسے معاشی حالات میں جہاں فصل کبھی اچھی کبھی خراب ہوتی رہتی تھی قرض پریشانی کے عالم اور صرف کی

غرض سے لیا جاتا تھا سود لینے کا مطلب اپنے بھائی کی بدبختی کا ناجائز فائدہ اٹھانا تصور کیا جاتا تھا۔

جب قرضوں کا نمایاں مقصد سرمایہ سازی ہو گیا صَرف نہ رہا تو عیسائی کلیسا نے سود کے بارے میں اپنی مخالفت میں نرمی پیدا کی۔ کیونکہ قرض سے لینے والے کو فائدہ حاصل ہوتا تھا لہٰذا وہ اس سرمائے کے لیے معاوضہ ادا کرنے کی گنجائش رکھتا تھا جس سے قرضہ دینے والا عارضی طور پر محروم ہو جاتا تھا۔

بین الاقوامی معاشی امداد کو قرض کی صورت اختیار کرنی چاہیے یا گرانٹ کی اس سوال کے پیچھے بھی اسی طرح کے اخلاقی عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ فوجی امداد اور دفاعی سہارا گرانٹ کی شکل اختیار کرتے ہیں کیونکہ اس کے بدلے میں حاصل کرنے والا ملک مشترکہ فوجی کاوشوں میں ہاتھ بٹاتا ہے۔ اس کے علاوہ تباہی کے بعد آبادکاری اور تعمیر نو کے لیے امداد زیادہ تر گرانٹ کی شکل میں دی جاتی ہے جبکہ ترقیاتی امداد یا تعمیر نو کے لیے ایسی امداد دینے میں جس سے پیداواری صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہو قرض کو زیادہ بہتر سمجھا جاتا ہے۔ تعمیر نو سے متعلق امداد کے اخلاقی پہلو کو پہچاننے میں ناکامی کی وجہ سے ہی پہلی عالمی جنگ کے بعد جنگی قرضوں کی وصولیابی اور دوسری عالمی جنگ کے بعد قرضہ۔ پٹے کے یک لخت روک دیے جانے کے خلاف احتجاج کی آواز اٹھائی گئی۔

واضح رہے کہ یہ امتیازات جنھیں صرف ڈھیلے ڈھالے طور پر استعمال کیا جاتا ہے مانگ کی نوعیت پر منحصر ہیں۔ امداد دینے والے ممالک کے نقطۂ نظر سے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ بین الاقوامی معاشی امداد دینے پر انھیں حقیقی وسائل سے دست بردار ہونا پڑتا ہے جو تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اور اس وجہ سے اسے سود بردار قرض کی بنیاد پر ہی دیا جانا چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ رسد کے پہلو پر صرف بعض صورتوں میں ہی غور کیا جاتا ہے مثلاً فالتو اشیاء کی شکل میں دی جانے والی امداد۔ انھیں یا تو تحفہ کے طور پر دیا گیا تھا یا نرم قرضوں کی بنیاد پر (جنھیں مقامی کرنسی میں واپس کیا جا سکتا تھا۔ جنھیں پھر معاشی ترقی کے کاموں کے لیے دے دیا جاتا تھا) کیونکہ ان قرضوں کی لاگت کو ڈوبا ہوا تصور کیا جاتا تھا۔ اشیاء قرض کارپوریشن پہلے ہی اشیاء حاصل کر چکی ہے۔ انھیں باہر قرض کے طور پر بھیجنے سے کمیاب وسائل سے محرومی جیسی کوئی تکلیف پیدا نہیں ہوتی بلکہ ان کی ضرورت سے زیادہ فراوانی سے پیدا ہونے والی پریشانی کم ہوتی ہے اب جبکہ فالتو اسٹاک ختم ہو چکے ہیں تب بھی 480 .P.L امداد بے لاگت ہی ہے۔ بنیادی طور پر یہ امداد غیر ملکی صارفین کی نہیں ریاستہائے متحدہ کے کسانوں کی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ 1967 میں قحط کا سایہ

پھیلنے کے باوجود گیہوں کے زیر کاشت رقبہ میں اضافہ کرنے کی بجائے اسے کم کیا گیا کیونکہ امریکی گیہوں کی قیمتیں نرم پڑ رہی تھیں اور 1968ء کے انتخابات سے پہلے ان میں سختی لانے کی ضرورت تھی۔

بعض ماہرین سڑکوں، بندرگاہوں، اسکولوں، ہسپتالوں وغیرہ جیسے سماجی سرمایہ ریزی کے لیے دی جانے والی امداد اور صنعتی سرمایہ کی فراہمی کے بیچ امتیاز کرتے ہیں۔ ان کی رائے میں اول الذکر کو گرانٹ کی بنیاد پر دینا بہتر ہوگا اور آخر الذکر کو قرضوں کی شکل میں مہیا کرنا مناسب رہے گا۔ دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ ایسی امداد جس سے کسی ملک کی برآمد کرنے کی صلاحیت میں اضافہ ہو یا موجودہ درآمدات کو مقامی اشیاء سے بدلنے کا موقعہ ملے قرض کی بنیاد پر دی جا سکتی ہے جبکہ بنیادی طور پر ایسے داخلی پروجیکٹ کے لیے جس سے میزانِ ادائیگی کو براہ راست کوئی سہارا لگنے کی توقع نہ ہو ضروری رقم گرانٹ کے طور پر دی جا سکتی ہے۔ ایک تیسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ایسے پروجیکٹوں کے لیے جن میں سرمایہ کاری اور صلاحیت پیداوار میں اضافے سے فائدہ حاصل ہونے کے بیچ لمبا عرصہ درکار ہو قرضوں کی بجائے گرانٹ کا مستحق قرار دیا جانا چاہیے۔

ان میں سے کسی بھی رائے میں زیادہ جان نہیں ہے۔ اگر سماجی اوپری سرمایہ پیداواری صلاحیت کا حامل ہے تو اس کی وجہ سے معیشت میں کہیں نہ کہیں پیداوار میں اضافہ ہوگا اور اگر ٹیکس کی مشینری معقول ہے تو حکومت اس اضافہ کے ایک حصہ پر قابض ہو کر اسے قرض لی گئی رقم کو واپس کرنے کے لیے استعمال کر سکتی ہے۔ تاہم اگر یہ مشینری نااہل ہے یا سرمایہ کاری سے پیداوار میں اضافہ بڑی حد تک غیر یقینی ہے تو قرضوں کی بجائے گرانٹ دینے کا زیادہ جواز موجود رہتا ہے۔ اس مغالطہ پر کہ ہر ایک پروجیکٹ میں اپنے سرمائے کو لوٹانے کی صلاحیت ہونی چاہیے۔ ہم پہلے روشنی ڈال چکے ہیں۔ ضروری بات یہ ہے کہ پیداوار میں ہونے والے اضافہ میں سے ضروری حصہ کو صرف سے الگ کرنے کی صلاحیت ہونی چاہیے اور حاشیہ پر معیشت کے وسائل میں سے برآمد یا درآمد کی حریف صنعتوں میں لگانے کے لیے کافی مقدار دستیاب ہونی چاہیے۔ اگر وسائل کے استعمال میں تبدیلی نہیں لائی جا سکتی تب پھر فیصلہ گرانٹ کے حق میں جائے گا (لیکن ترقی کی زیادہ امید نہیں کی جا سکے گی) آخر میں کسی پروجیکٹ پر کام کے آغاز اور اس کے آمدنی دینے کے بیچ لمبی تاخیر کا مطلب صرف یہ ہے کہ پروجیکٹ کی سرمائی لاگت سود کی اس سالانہ مجموعی رقم کے بقدر اور زیادہ ہو جاتی ہے جو پروجیکٹ کے مکمل ہونے سے پہلے کے سالوں میں اس زرِ خرچ کردہ سرمائے پر ادا کرنی پڑتی۔ اس طرح اصل میں سود کو جوڑنے سے پروجیکٹ میں لگائے گئے سرمایہ کی لاگت زیادہ ہو جاتی

ہے۔ اگر اس بڑھی ہوئی لاگت کے اعتبار سے بھی پروجیکٹ کی تکمیل مناسب سمجھی جاتی ہے تو زیر غور وقفہ میں سود کی ادائیگی کے لیے درکار قرض کو بھی حق بجانب قرار دیا جانا چاہیے۔

سماجی اخلاقیات کو گرانٹ کو پریشانی کے حالات یا صَرف کو قائم رکھنے کی ضرورت تک ہی محدود نہیں رکھنا چاہیے۔ اور یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ پیداواری صلاحیت یا صرف میں اضافے کے لیے صرف قرضہ ہی دینا چاہیے ایک بین الاقوامی سماجی فلاحی رابطے کا یہ تقاضہ ہو سکتا ہے کہ ایک مجوزہ فی کس آمدنی والے ممالک کو گرانٹ دی جائے چاہے وہ اس کا استعمال صَرف کے لیے کریں یا پیداواری صلاحیت بڑھانے کے لیے اور اس سطح آمدنی سے اوپر والے ملکوں کو قرضے دیئے جائیں۔ یہ منطق بڑی عجیب وغریب معلوم ہوتی ہے کہ برطانیہ کو تو اپنا صَرف فی کس 750 ڈالر (مثال کے طور پر) سے اوپر رکھنے کے لیے کروڑوں ڈالر گرانٹ کے طور پر دیئے جائیں اور ہندوستان کو اپنی فی کس آمدنی 60 ڈالر سالانہ سے اوپر اٹھانے کے لیے سرمایہ بطور قرض دینے پر اصرار کیا جائے۔

جس نکتہ پر زور دینے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ قرضوں اور گرانٹ کا معاملہ معاشی نہیں بلکہ تہذیبی، اخلاقی اور سماجی نوعیت کا ہے۔ خاندان اور دوستوں کے حلقے میں دُکھ سُکھ بانٹے جاتے ہیں سودے بازی باہر والوں سے کی جاتی ہے۔ اور دوستی نیز تجارت کے بیچ بعض رشتے نہایت پیچیدہ طور پر بدلتے ہیں اور ان کے بارے میں کوئی پیش گوئی کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

دوفریقی بنام علاقائی بنام بین الاقوامی انصرام:

ایک مزید سیاسی مسئلہ جس پر ہم صرف سرسری نظر ڈالتے ہیں امدادی پروگراموں کے انصرام کا سوال ہے۔ UNRRA کے سلسلے میں ریاستہائے متحدہ کو پیش آنے والی مشکلات کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ وہ اُن پروگراموں کی 79 فیصد لاگت برداشت کرتا تھا لیکن رقوم کی تقسیم و استعمال کے بارے میں وہ 17 میں سے صرف 1 ووٹ کا مالک تھا۔ ایسی صورت میں ریاستہائے متحدہ سے UNRRA کو جاری رکھنے کی توقع اسی وقت کی جا سکتی تھی جب ایسے ٹھوس اصولوں کا پہلے سے تعین کر لیا گیا ہوتا جن کی بنیاد پر امدادی رقوم تقسیم کی جاتی تھیں۔ لیکن اگر تقسیم کا معاملہ سیاسی طور پر طے پاتا ہو تو پھر امداد دینے والے کو اپنے مفادات کے تحفظ کا حق پہنچتا ہے۔

امداد کی تقسیم ایک سیاسی معاملہ ہے۔ یورپین بحالی پروگرام کے دائرے میں ریاستہائے متحدہ نے ۱۷ ملکوں سے اس مرکی وضاحت چاہی کہ ان کی رائے میں امداد کو کیسے بانٹا جائے جبکہ کسی واحد ملک کو دی جانے والی امداد کی سطح کی منظوری کا حق اس نے دو فریقی سمجھوتوں کے ذریعہ اپنے لیے محفوظ رکھا۔ ریاستہائے متحدہ کسی ملک کے لیے تنظیم برائے یورپین معاشی تعاون کو کتنی امداد دے گا اس کے بارے میں شکوک و شبہات کو ختم کرنے کے لیے تمام ملکوں کی سفارش اہمیت رکھتی تھی۔ کسی ایک ملک کو دی جانے والی امداد کے بارے میں حق تنسیخ کو محفوظ رکھنا اس لیے اہم تھا تاکہ ہر ایک کیس میں طے شدہ مقاصد سے انحراف کی نگرانی کی جا سکے۔

تمام ملکوں سے مشترکہ سفارش حاصل کرنے کا کام ریاستہائے متحدہ کے لیے کافی مشکل تھا۔ اس کے لیے ایک طرح کے سیاسی ارتباط کی ضرورت تھی۔ یہ بات واضح نہیں ہے دنیا کے دیگر علاقوں میں ہم آہنگی کی کوئی ایسی بنیاد موجود ہے یا نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مثال کے طور پر اگر عرب ممالک کو مجموعی طور پر کسی امداد کی پیش کش کی جائے تو وہ اس کی تقسیم کی کسی بنیاد پر متفق ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ یہی سوال مشرق بعید کے ملکوں کے بارے میں کیا جا سکتا ہے۔ مارشل پلان کی مانند کولمبو پلان میں بھی امداد دو طرفہ بنیاد پر دی جاتی ہے کیونکہ تمام ترقیاتی منصوبے آپس میں مربوط ہونے کی بجائے جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ دراصل کولمبو پلان کا کوئی ایسا مستقل دفتر نہیں ہے جیسا کہ OEEC کا ہوا کرتا تھا۔ اس کی بجائے ہر سال کچھ ہفتوں کے لیے ایک میٹنگ رپورٹ تیار کرنے کے لیے ہوتی ہے۔

اتحاد برائے ترقی میں ایک طریقہ امداد دینے والے ممالک (خاص طور پر ریاستہائے متحدہ) کو ان ممالک کی سیاسی 'نکتہ چینی' سے محفوظ رکھنے کا موجود تھا جن کی امداد خود پر ترقی کی جانب پیش رفت نہ کرنے کی وجہ سے روک لی جاتی تھی یا کسی ملک کی امداد اس رقم سے کم کر دینے کی صورت میں کی جاتی تھی جس کا وہ اپنی رائے میں مستحق ہوتا تھا۔ ممبر ملکوں میں سے نو نام نہاد عقلمند آدمیوں کو ان کی معاشی لیاقت اور سوجھ بوجھ کی بنیاد پر منتخب کیا جاتا تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا ان میں سیاسی توازن کا ادراک نہیں ہوتا تھا۔ امداد کی تقسیم کے بارے میں آخری فیصلہ یہ لوگ کرتے تھے۔ آخر کار ان عقلمند لوگوں نے ایک ساتھ استعفیٰ دے دیا کیونکہ اتحاد ان کے فیصلوں کو نہیں مانتا تھا۔ معاشی نظریہ اور سیاسی حقیقت کے مابین قلیل مدتی ٹکراؤ کی یہ ایک اور کلاسیکی مثال ہے۔

تعمیر و ترقی کے عالمی بینک اور بین الاقوامی زرعی فنڈ نیز اقوام متحدہ کا خصوصی فنڈ میں ووٹ کا حق رکھنے والے ان انجمنوں کو تسلیم کرتے ہیں جن کی وجہ سے امداد کے فراہم کرنے والوں کو اس کے دینے سے انکار کرنے کا حق حاصل ہونا چاہیے تا وقتیکہ رہنمائی کے لیے بالکل واضح اور ایسے اصول موجود نہ ہوں جن کے بارے میں پورے طور پر اتفاق رائے ہو۔ اس حق کی عدم موجودگی میں امداد ٹیکس بن جاتی ہے۔ جب کوئی ملک اپنی خود مختاری کو دوسروں کے ساتھ ضم کر دیتا ہے تو وہ مجموعی طور پر لیے جانے والے فیصلہ کی پابندی کے لیے پہلے سے ہی بندھ جاتا ہے۔ اس حالت میں ٹیکس کا عمل ہی زیادہ مناسب رہتا ہے۔ لیکن جب خود مختاری کو قایم رکھا جاتا ہے تو بین حکومتی امداد کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ دینے یا نہ دینے کا آخری اختیار امداد دینے والے کے ہاتھ میں ہی رہتا ہے۔ تاہم اچھا یہی ہو گا کہ اتفاق رائے کی بنیاد کو جہاں تک ممکن ہو وسعت دی جائے اور امداد کی نوعیت، احاطے، اور تقسیم کے بارے میں بین الاقوامی نیز بین علاقائی سفارشات حاصل کی جائیں۔

بار امداد کی تقسیم:

1950 کی دہائی کے اختتام پر یورپ کی معاشی بحالی اور ریاستہائے متحدہ کی میزان ادائیگی سے متعلق دشواریوں کے پیش نظر یہ سوال پیدا ہوا کہ امداد کے بار کو منصفانہ طور پر تقسیم کیا گیا ہے یا نہیں۔ اس مسئلہ کے تجزیہ کے لیے ہمیں کچھ مزید سوالات اٹھانے ہوں گے۔ ان میں سے پہلا سوال یہ ہے کہ کیا کسی ملک کی میزان ادائیگی اور اس کے بین الاقوامی ذمہ داری کے حصہ کے بیچ کوئی تعلق ہوتا ہے۔

ماہرین معاشیات اس بارے میں تقریباً ہم رائے ہیں کہ اصولاً کسی بار کی تقسیم کی بنیاد آمدنی (یا ممکن ہو تو دولت) ہونی چاہیے نہ کہ میزان ادائیگی۔ میزانِ ادائیگی کو امداد کے اعتبار سے بدلنا چاہیے نہ کہ امداد کے حصہ کو میزانِ ادائیگی کے تقاضوں کے مطابق بدلا جائے۔ غریب آدمی کو امیر انسان کی نسبت خیرات میں صرف اس وجہ سے زیادہ حصہ نہیں لینا چاہیے کہ کسی سال وہ تو کسی نہ کسی طرح کچھ پس انداز کر سکا ہے جب کہ امیر انسان کو اپنے معیار زندگی کو قایم رکھنے کے لیے مجبوراً قرض لینا پڑا ہے۔ تاہم اس کے ساتھ ہی مغربی یورپ کے میزان ادائیگی میں بہتری پیدا ہونے سے لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول ہونے لگی ہے کہ ان میں سے بہت سے ممالک کی

آمدنی اور دولت میں بین حکومتی امداد کے میدان میں کوئی بڑی ذمہ داریاں قبول کیے بغیر تیزی سے اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

پسماندہ ملکوں کو دی جانے والی امداد کے بار کو تقسیم کرنے کے لیے آمدنی کے اعتبار سے کسی مناسب بنیاد کی تشکیل کے سلسلے میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پہلا سوال جیسا کہ اس باب کے شروع میں بحث کی گئی۔ ہے یہ پیدا ہوتا ہے کہ امداد کسے کہتے ہیں۔ اس سوال کے دو حصے ہیں امداد کی کیا اقسام ہوں گی اور مختلف قسم کی امداد کا حساب لگانے کا کیا طریقہ ہوگا۔ جہاں امداد میں مثال کے طور پر فالتو اشیاء شامل کی جاتی ہیں ان کی مالیت کیسے طے کی جائے بازار کی پوری قیمت پر، بازار کی قیمت میں سے سرکاری امداد گھٹا کر، یا فالتو اشیاء کا بار کم ہونے سے دینے والے ملک کو جو فائدہ پہنچتا ہے اس کے لیے متعلقہ ملک کو چھوٹ کے طور پر کچھ کمی کر کے حساب لگایا جائے؟ پروفیسر روسنٹین۔ روڈن نے P.L. 480 کے تحت ریاستہائے متحدہ کی امداد کی مالیت بازاری قیمت کے $\frac{2}{3}$ پر لگائی ہے اور فوجی سہارے کی لاگت کے 20 فیصد پر لیکن اس کے لیے کوئی منطقی جواز نہیں ہے انھوں نے یہ کام من مانے طور پر کیا ہے۔ یا تکنیکی امداد کو لیجیے۔ مان لیجیے ریاستہائے متحدہ کسی ملک کو ایک نہایت قیمتی زیادہ خرچ والی حساب کتاب کی مشین بھیجتا ہے۔ کیا اس کی مالیت کا اندازہ جاپان، اسرائیل، یا مغربی یورپ کے کسی اعتدال والے معیارِ زندگی کے حامل نسبتاً کم تنخواہ والے ماہر کی خدمات کے برابر یا اس کے کسی جز کی برابر سمجھنی چاہیے۔ یہ مسئلہ NATO کو دی جانے والی فوجی امداد کے سلسلے میں خاص طور پر سنگین ہے یہاں ترکی کی حکومت اپنی فراہم کردہ فوج کی کم تنخواہوں کے سبب زیادہ تنخواہ والے امریکن سپاہی کے مقابلہ میں کم قیمت لگائے جانے کو بجا طور پر ناپسند کرتی ہے۔ اور اس کا یہ کہنا صحیح ہے کہ دونوں سپاہیوں کی لڑنے کی صلاحیت کے تناسب کا ان کی اماً تنخواہوں کے (بشکل زر) تناسب سے کوئی قریبی تعلق نہیں ہے۔

لیکن مان لیجیے کہ امداد کی تعریف اور اس کی مالیت کا تعین بغیر کسی تضاد کے ممکن ہے۔ تب ہمیں اسے ہر ایک ملک کی فی کس حقیقی آمدنی سے منسلک کرنا ہوگا۔ اس سلسلے میں کسی مشترکہ اکائی مثلاً ڈالر میں زری آمدنی کا مقابلہ کرنا درست نہ ہوگا کیونکہ قومی آمدنیوں کی تعریف میں اختلاف ہوتا ہے اور کیونکہ بیرونی زرِ مبادلہ کی شرحیں ترقی یافتہ ملکوں کی قیمت ضرورت سے زیادہ اور کم ترقی یافتہ ممالک کی کرنسیوں کی قیمت اصل سے کم لگاتی ہیں۔ لیکن اس معاملہ میں بھی

ضروری اصلاح کر لیجیے۔ اب ہمیں یہ طے کرنا ہوگا کہ امداد میں دیا جانے والا حصہ متناسب ہونا چاہیے یا بتدریجی یا تدریجی کے برعکس اور یہ بھی طے کرنا پڑے گا کہ کوئی نقطۂ انقطاع مثلاً یو۔ ایس ذاتی آمدنی ٹیکس کے 600 ڈالر پر ایسا ہونا چاہیے یا نہیں جس کے نیچے امداد میں کوئی حصہ نہ لیا جائے۔

بدقسمتی سے ترقیاتی امداد کمیٹی ان میں سے کوئی بھی کام انجام نہیں دیتی۔ ایک فیصد کا اصول تناسبی ہے اور جس امداد پر اسے لاگو کیا جاتا ہے اس میں تجارتی سودے شامل کیے جاتے ہیں اور کرنسی کی زاید قیمت نیز فالتو اشیاء کو ختم کرنے کے سلسلے میں امداد کی تعریف میں کوئی تصحیح نہیں کی جاتی۔ مختلف "طبقے" جس طرح بوجھ کو آپس میں بانٹتے ہیں تقسیم بار کی ایسی منزل سے دنیا ابھی کوسوں دور ہے مگر اس کی سمت جانے سے فرار ناممکن معلوم ہوتا ہے۔

خلاصہ:

حکومت کے لین دین میں عام طور سے اضافے کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی سرکاری تجارتی اور غیر تجارتی لین دین کے حجم میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ یہ لین دین جنگ کے زمانے میں زیادہ رہا ہے اور جنگ کے بعد بھی کافی بڑے پیمانے پر جاری ہے۔ آغاز میں اس کا سبب راحت، آبادکاری، تعمیر نو وغیرہ اور حال میں معاشی ترقی کے لیے دی جانے والی تکنیکی اور سرمائی امداد رہی ہے۔ قومی اور بین الاقوامی دفاعی انتظامات میں ایک بار پھر سے دلچسپی بڑھنے کی وجہ سے اس علاقے میں بین حکومتی تجارت اور امداد میں بڑا اضافہ ہوا ہے۔

عام امداد سے مخصوص مقاصد کے لیے دی جانے.... والی امداد کو اس وقت تک الگ نہیں کیا جا سکتا جب تک ان مخصوص مقاصد کو جزوی توازن میں تمام دیگر امور کو غیر متغیر مان کر پورا نہ کیا جائے۔ کسی مجوزہ کیس میں امداد کی مناسب رقم کا تعین کرنے میں بڑے مسائل اور الجھنوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ خساروں کو پورا کرنے کے لیے امداد دینا صریحاً غلط ہے۔ سرمایہ جذب کرنے کی گنجائش کا تصور مبہم ہے۔ یہ فیصلہ کرنے کے لیے کوئی ٹھوس بنیاد موجود نہیں ہے کہ کوئی مجوزہ نصب العین بہت زیادہ اونچا ہے یا نیچا۔ امداد دراصل کن ملکوں کو پہنچتی ہے اس سلسلے میں بھی کافی دلچسپ سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ اور بعض ایسے طریقے بھی ہیں جن کے ذریعہ ایک ہی رقوم کے ذریعہ دو یا دو سے زیادہ ملکوں کی مدد مختلف طور پر کی جا سکتی

یوروپین ادائیگی یونین ایک مخصوص قسم کی ایسی بالواسطہ امداد کا نمونہ پیش کرتی ہے جسے دوسرے
علاقوں میں استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ بین حکومتی معاشی امداد میں قومی خود مختاری کے خطوط تقریبًا
لازمی طور پر مدھم پڑ جاتے ہیں اور ایک قوم دوسری کے معاملات میں دخیل ہو جاتی ہے۔ نعم البدل
فنڈ ایسا کرنے کا ایک طریقہ ہیں۔ یہ طریقہ کتنا کارگر ثابت ہوا ہے اس میں بڑے اختلافات پائے
جاتے ہیں۔ امداد قرضوں کی بنیاد پر دی جانی چاہیے یا گرانٹ کے طور پر یہ فیصلہ معاشی بنیادوں پر
نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں اخلاقی اور تہذیبی امور کو مد نظر رکھنا ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ فیصلہ
کہ امداد کا انتظام بین الاقوامی ہو یا متعلقہ فریقوں کی سطح پر سیاسی معاملہ ہے (معاشی نہیں)۔
بین الاقوامی تنظیموں کی تجاویز پیش کرنے کے لیے حوصلہ افزائی کرنے کی وجوہات موجود ہیں گو امداد
دینے والوں کو انھیں ماننے یا نہ ماننے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔

بین حکومتی امداد کے بار کو مناسب طور پر کیسے تقسیم کیا جائے اس سلسلے میں ابھی بین الاقوامی
اصول اور مشینری ارتقائی دور میں ہیں۔

مطالعہ کے لیے تجاویز:

درسی کتب دیکھیں:

J.N.Behrman and W.E.Schmidt, International Economics (New York : Rinehart & Co. Inc. 1957) Chaps. xvii , xix, xx,

T.C. Schelling International Economic (Boston; Allyn and Becon Inc 1958) Chap. xx 1 , xxviii, . See also Peter B.Kenen, Giant among Nations , (New York Harcout & Co. Inc, 1960) Chaps viii & ix

تحقیقی رسائل:

Robert E.Asher, Loans and Local Currencies (Washington D.C. The Brookings Institutions, 1961) (Paper back)

I.M.D.Little and J.M.Clifford, International Aid (London; George Allen Unwin Ltd 1965((Paperback).

Harry G Johnson, Economic Policies Towards Less Developed Countries (Washington D.C: The Brookings Institution, 1966)

John A.Pincus, Economic Aid and International Cost-Sharing (Baltimore, Md: The Johns Hopkins Press, 1965)

John A.Pincus , Trade Aid and Development : The Rich and Poor Nations (New York: Mc Graw Hill Book Co. Inc, 1967)

P.N.Rosenstein-Rodan گا ہے بگا ہے شائع ہونے والے ادب میں ممتاز یہ ہیں۔

"International Aid for Underdeveloped Countries", R.E.S S, May 1961.

یہ مقالہ عالمی امداد کی ضروریات کا حساب لگانے کی ایک بڑی کوشش ہے اس میں اس امر کا جائزہ بھی لیا گیا ہے کہ امداد کے اس بار کو تقسیم کرنے کا مناسب طریقہ کیا ہے۔

J.A.Pincus "The Cost of Foreign Aid-C R.E.S8, November 1963 and W.E.Schmidt- The Economic of Charity : Loans Vs Grants" J.P.E Aug.1964.

پسماندہ ممالک کو دی جانے والی روسی امداد جس کا اوپر کے موضوعات کی بھیڑ سے بھرے ہوئے باب میں مشکل سے ہی تذکرہ کیا گیا ہے اس کے جائزے کے لیے دیکھیں۔

Marshall I.Gordman, Soviet Foreign Aid (New York Frederick A. Praeger Inc 1967)

نکات:

ملیکان۔ روسٹو کی جس کتاب کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے وہ یہ ہے۔ Millikan and W.W.Rostow

A Proposal : Key to an Effective Foreign Policy (New York: Harper Brothers , 1957)

OECD کی ترقیاتی امداد کمیٹی (DAC) ترقی یافتہ ممالک کی پالیسیوں کا ایک سالانہ جائزہ شائع کرتی ہے 1966 کی جلد DAC کے صدر جناب ویلارڈ۔ آئی۔ تھورپ نے تیار کی ہے اور اس کا نام ہے Development Assistance Efforts and Policies .

(Paris, OECD September 1966).

W.G.Friedmann, G.Kalmanoff R.F.Meagher, International Financial Aid (New York :Columbia University Press1966)
میں دا تعاتی مطالعوں کا ایک نہایت کارآمد سلسلہ دستیاب ہے ۔

J.J.Kaplan, The Challange of Foreign Aid, Policies, Problems, Possibilities (New York: Fredrick A.Praeger Inc. 1967)
ایک مقبول عام کتاب ہے جس میں امداد کے بارے میں کانگریس کے مخالفانہ رویہ پر سخت نکتہ چینی کی گئی ہے ۔

حصہ ششم

میزان ادائیگی کا توازن اور بین الاقوامی زرعی انتظامات

باب 23
بیرونی زرِ مبادلہ کا بازار

بیرونی مبادلہ کے سودے میں ایک قومی زر کو دوسرے کے بدلے بیچا یا خریدا جاتا ہے۔ 1913ء سے پہلے بیرونی مبادلہ کے بازار میں جن تمسکات کی تجارت ہوا کرتی تھی وہ مبادلہ کے بل ہوتے تھے۔ یہ بل بیشتر بینکوں کے قبول کردہ ہوتے تھے۔ برآمد کرنے والے انھیں تیار کرتے تھے اور درآمد کرنے والوں کے بینک انھیں وقت پر بھنانے کے لیے قبول کرتے تھے۔ یہ بل زر نہ ہو کر قریب زر تھے۔ آج کل تقریباً تمام سودے مانگ جمع میں ہوتے ہیں جو زر ہوتی ہیں۔ پس اوپر دی گئی تعریف میں لفظ 'زر' کے بارے میں کسی تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

لفظ 'قومی' کو زیادہ اہمیت دی جانی چاہیے۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ بیرونی مبادلہ کا سودا کسی غیر ملکی زر کے بدلے گھریلو زر کی خرید یا فروخت پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس خیال سے احتراز کیا جانا چاہیے۔ "گھریلو" میں رہائش کا مفہوم پنہاں ہے۔ اگلے باب کے موضوع بحث میزانِ ادائیگی کے لیے یہ ایک صحیح تصور ہے لیکن بیرونی مبادلہ کے بازار میں اس کا استعمال گمراہ کن ہے۔ معاشی ادب نیویارک بیرونی مبادلہ بازار یا لندن، پیرس یا فرینکفرٹ بازار کے تذکرہ سے بھرا ہوا ہے۔ معاشی اعتبار سے یہ اصطلاحات زیادہ صحیح نہیں ہیں۔ اس کی بجائے ڈالر، پونڈ، فرانسیسی فرینک یا جرمن مارک کے بیرونی مبادلہ بازار کا حوالہ دیا جانا چاہیے، چاہے ان کا لین دین کہیں بھی ہوتا ہو۔

نیویارک سے لندن کے یورو۔ ڈالر بازار میں رقوم کے انتقال کا تصور کر کے اس نکتہ کی تشریح کی جا سکتی ہے۔ یہاں رقم گھریلو سے غیر ملکی کرنسی میں منتقل ہو جاتی ہے لیکن اسے بیرونی مبادلے کے سودے سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ یورو۔ ڈالر کو غیر ملکی زر قرار دینا عجیب معلوم ہو سکتا ہے لیکن یہ گھریلو زر تو نہیں ہوتا اور زر یہ بلاشبہ ہے (اور اگر مدتی جمع ہے تو تقریباً زر ہے۔)

غالباً زری قومیت کی اہمیت اور جائے رہائش کی بے وزنی کی اور بہتر وضاحت اس نکتہ سے ہوجائے گی کہ زیر بار ترتیب بیرونی مبادلہ کی مانگ اور رسد کا ایک دوسرے کے برابر ہونا ضروری نہیں ہے۔ پونڈ کی زائد رسد ہونے کی صورت میں اسے لندن میں ڈالر کے بدلے فروخت کیا جاسکتا ہے یا اگر پونڈ کی مانگ رسد سے زیادہ ہے تو لندن میں پونڈ کے بدلے ڈالر بیچ کر اسے پورا کیا جاسکتا ہے۔ بیرونی مبادلہ کا بازار کسی قومی کرنسی کا ایسا بازار ہوتا ہے جو دنیا میں کہیں بھی ہوسکتا ہے کیونکہ دنیا کے مالیاتی مراکز ایک واحد بازار میں مربوط ہیں۔ بہرحال یہ ارتباط دائمی حیثیت کا حامل نہیں ہے کیونکہ سیاسی اور معاشی انتشار و بحران کے ادوار آتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ 1930 اور 1940 کی دہائیوں میں ہوا۔ ایسے مواقع پر مبادلہ کنٹرول اور دیگر طریقے قومی مبادلہ بازاروں کو کارگر طور پر الگ الگ کر دیتے ہیں۔ بہرنوع جہاں تک اہم کرنسیوں کا تعلق ہے ان کے قومی بازاروں کے بیچ دہائی 1950 کے اواخر سے کافی قریبی ربط قائم ہے۔

بیرونی مبادلہ بازار کے کام :

بیرونی مبادلہ بازار تین کام انجام دیتا ہے : قوت خرید کے انتقالات عمل میں لانا، غیر ملکی تجارت کے لیے قرض فراہم کرنا، اور بیرونی مبادلہ کے خطرات کی تلافی کی سہولتیں بہم پہنچانا۔ تینوں میں سب سے زیادہ اہم قوت خرید کا انتقال ہے یعنی ایک ملک سے دوسرے ملک میں اور ایک کرنسی سے دوسری کرنسی میں۔ ان انتقالات کو عمل میں لانے کا طریقہ اپنے خدوخال کے اعتبار سے بالکل وہی ہے جس کا استعمال گھریلو تجارت میں کیا جاتا ہے یعنی مخالف سمتوں میں ادائیگیوں کو بے جان کر کے۔

بین الاقوامی بے باقی :

بیرونی مبادلہ بازار قوت خرید کے انتقالات کو عمل میں لانے کے لیے جس طریقۂ کار کا استعمال کرتا ہے وہ عالمی سطح پر حساب بے باق کرنے کے اسی مقامی طریقے کی شبیہہ ہے جسے ایک ہی ملک کے بینک غیر رسمی طور پر شہری بیباق گھروں، فیڈرل ریزرو ڈسٹرکٹ کے اندر، اور بین اضلاعی بیباقی فنڈ میں بروئے کار لاتے ہیں۔ کسی ملک سے اشیاء برآمد کرنے والوں کو باہر سے وصولیابی کرنی ہوتی ہے اور درآمد کرنے والوں کو باہر ادائیگیاں کرنی ہوتی ہیں۔ اشیاء

تو ملکوں کے بیچ حرکت کرتی ہیں لیکن ادائیگیاں ملکوں کے اندر ہی نظامِ بیباقی کے ذریعہ ہو جاتی ہیں سوائے بقایا رہ جانے والی رقموں کے ۔

نیچے کی بحث میں ہم اس امکان پر غور نہیں کریں گے کہ بین الاقوامی تجارت مثال کے طور پر کسی یورو۔کرنسی میں ہوگی، یورو ڈالر میں یورو۔ ڈالر بازار میں ڈالر لیتے رہنے پر آمادہ ہوں گی اور آپس میں نیز یو۔ ایس کے ساتھ اشیاء کی خرید و فروخت ڈالر کے ذریعہ کریں گی۔ ایسا نظام ارتقائی منزلیں طے کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن مان لیجیے کہ قومی اور گھریلو زر بالکل ایک ہی ہے۔ کوئی ملک اپنی درآمدات کے لیے ادائیگی برآمدات سے ہی کرتا ہے۔ کسی مجوزہ ملک کے برآمد کنندگان کو اپنے مال کی قیمت ملک کے درآمد کنندگان سے اپنی کرنسی میں مل جاتی ہے۔ آخر الذکر اس طرح باہر سے اپنی خرید کردہ اشیاء کی قیمت گھریلو کرنسی میں چکا دیتے ہیں ۔ اشیاء اور قرض کے رقعے سرحدوں کو پار کرتے ہیں لیکن عمل بے باقی کے (حصہ کے) طور پر ادائیگیاں مقامی کرنسی میں ملک کے اندر ہی ہو جاتی ہیں۔ شکل 1-23 میں اس بنیادی اصول کی تشریح پیش کی گئی ہے۔ ریاستہائے متحدہ کا برآمد کرنے والا برطانیہ کے درآمد کرنے والے کو اشیاء جہاز سے بھیجتا ہے۔ اور ریاستہائے متحدہ میں مال درآمد کرنے والا برطانیہ کے مال برآمد کرنے والے سے اشیاء حاصل کرتا ہے۔ قیاس یہ کیا جاتا ہے کہ ریاستہائے متحدہ کے برآمد کرنے والے کو برطانیہ کا درآمد کرنے والا رقم ادا کرتا ہے اور برطانیہ سے برآمد کرنے والا ریاستہائے متحدہ کے درآمد کرنے والوں کو رقم ادا کرتا ہے لیکن انجام کار ہوتا یہ ہے کہ ریاستہائے متحدہ کا درآمد کرنے والا ریاستہائے متحدہ سے برآمد کرنے والے کو ادائیگی کرتا ہے اور برطانیہ کا درآمد کرنے والا اس ملک کے برآمد کرنے والے کو اس کام کی تفصیلات کا انحصار اس امر پر ہے کہ سودوں کی تنظیم کس طور پر کی گئی ہے ۔

مان لیجیے کہ برطانوی درآمد کنندہ یو۔ ایس کے برآمد کنندہ کو ادائیگی کرنے کے لیے ڈالر خریدتا ہے۔ لندن کے بازار میں ڈالر کہاں سے پیدا ہو جاتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ برطانیہ سے ریاستہائے متحدہ کو ڈالروں کے بدلے برآمدات سے یو۔ ایس کا درآمد کنندہ برطانیہ کے برآمد کنندہ کو جو ڈالر ادا کرتا ہے برطانوی درآمد کنندہ اسی سے خرید کر ریاستہائے متحدہ کے برآمد کنندہ کو ادا کر دیتا ہے۔

یا سودوں کی شروعات اسٹرلنگ کے سرے سے ہو سکتی ہے اور یہ کام نیویارک کے مبادلہ بازار کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔ یو۔ ایس کا برآمد کنندہ اپنے برطانوی گاہک کے نام اسٹرلنگ میں ایک بل تیار کر کے اسے اپنے بینک سے بھنا لیتا ہے۔ پھر بینک اسے لندن دوبارہ بھنانے کے لیے

بیجتا ہے۔ اس طرح جو اسٹرلنگ حاصل ہوتے ہیں انھیں وہ یو۔ ایس درآمد کنندہ کو بیچ دیتا ہے جسے برطانیہ سے خرید کردہ اشیاء کی قیمت چکانے کے لیے ان کی ضرورت ہوتی ہے۔

غیر ملکی مبادلہ بازار کے ذریعہ بین الاقوامی بے باقی۔

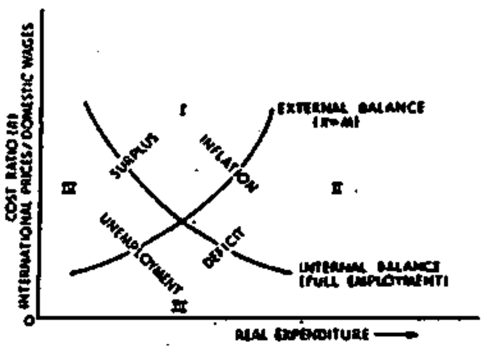

اگر ہم اس کیس کو حذف کر دیں جہاں برطانوی درآمد کنندہ کام کا آغاز یورو۔ ڈالروں سے کرتا ہے اور یو۔ ایس برآمد کنندہ انھیں ادائیگی کے لیے قبول کرتا ہے تو حساب بے باق کرنے والے مختلف ممکنہ میلوں کو اختصار کے ساتھ مندرجہ ذیل طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

بیرونی مبادلہ کا لین دین	برطانوی درآمد کنندہ کی طرف سے یو۔ ایس برآمد کنندہ کو ادائیگی	ریاستہائے متحدہ کے درآمد کنندہ کی طرف سے برطانوی برآمد کنندہ کو ادائیگی
یو۔ ایس برآمد کنندہ نیویارک میں یو۔ ایس درآمد کنندہ کو $ بیچتا ہے	ادائیگی $ میں	ادائیگی $ میں
برطانوی برآمد کنندہ لندن میں برطانوی درآمد کنندہ کو £ بیچتا ہے	ادائیگی £ میں	ادائیگی £ میں
یو۔ ایس برآمد کنندہ برطانوی برآمد کنندہ کو (اس سے £ خرید کر) $ بیچتا ہے	ادائیگی $ میں	ادائیگی £ میں
یو۔ ایس درآمد کنندہ برطانوی درآمد کنندہ سے (جو ڈالر بیچ کر) $ خریدتا ہے	ادائیگی £ میں	ادائیگی $ میں

مبادلہ بازار کی بین الاقوامی نوعیت اس بات سے واضح ہو جاتی ہے کہ ان سودوں میں سے

تیسرا اور چوتھا دو برآمد کنندگان یا دو درآمد کنندگان کے مابین لندن یا نیویارک میں سے کہیں بھی ہو سکتا ہے۔

یہ ایک محدود مثال ہے۔ اس میں ایک برآمد کے لیے ادائیگی ایک درآمد سے کی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ دونوں سودوں کی رقموں کا باہم برابر ہونا ضروری ہے۔ کافی بڑے پیمانے پر لین دین بے باق کرنے کے لیے مثلاً جیسا گھریلو سودوں اور حقیقی بیرونی مبادلہ بازار میں ہوتا ہے۔ مختلف رقوم کے تقریباً بے شمار رقموں کا استعمال ہوتا ہے۔ دونوں طرف دَین داری اور دینداری؛ بڑی رقوم آپس میں کٹ جاتی ہیں اور حساب کتاب بالکل صاف کرنے کے لیے بڑی معمولی سی رقم بقایا رہ جاتی ہے۔ تاہم بنیادی بات بالکل واضح ہے۔ حساب بیباق کرنے کے کسی اور انتظام کی طرح بیرونی مبادلہ کا بازار بین الاقوامی سطح پر دونوں سمتوں میں ایک ساتھ واجب الادا قرضوں کو آپس میں کاٹ کر ادائیگیوں کا کام انجام دیتا ہے۔

حساب کی بے باقی کا دوطرفہ ہونا ضروری نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تجارت کو سب سے زیادہ فروغ اسی صورت میں ملتا ہے جب بے باقی بسیار جہتی ہوتی ہے۔ ملایا ریاستہائے متحدہ کو مال بیچ کر ڈالر کماتا ہے۔ وہ یہ ڈالر برطانیہ کو کیمیاوی اشیاء خریدنے میں دے دیتا ہے اور برطانیہ ان ڈالروں سے ریاستہائے متحدہ سے خریدی جانے والی مشینری کی قیمت چکا دیتا ہے۔ یا کناڈا مبادلہ بازار اور بسیار جہتی بے باقی کی مدد سے برطانیہ کو گیہوں اور سور کا گوشت بیچ کر اس سے امریکہ سے موٹریں اور کوئلہ خرید لیتا ہے۔ بیرونی مبادلہ کے بازار کا بسیار جہتی بنیاد پر کیا جانے والا بے باقی کا کام ملکوں کو اشیاء کے لئے پیچیدہ تبادلہ کو بروئے کار لانے میں مدد دیتا ہے جس کا بیرونی مبادلہ کے فراہم کردہ ادائیگیوں کے بین الاقوامی ذرائع کے بغیر تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بسیار جہتی ادائیگیاں عام طور پر دنیا کی کسی اہم کرنسی میں کی جاتی ہیں۔ اس کی مرکزی حیثیت کو واضح کرنے کے لیے اسے کبھی کبھی 'گاڑی کرنسی' کہا جاتا ہے۔ 1913 تک پونڈ اسٹرلنگ اس طرح کی کرنسی تھی۔ اور کم حد تک 1931 تک بھی۔ جنگ کے بعد کے زمانے میں 1945 کے بعد ڈالر نے پونڈ کے مقام کو حاصل کر لیا تھا۔ پس آج ایک جرمن درآمد کنندہ ڈالر خرید کر ان کے بدلے فرینک حاصل کر کے فرانسیسی اشیاء کی قیمت ادا کر سکتا ہے (جرمن) مارک۔ (فرانسیسی) فرینک کے براہ راست بازار کے مقابلہ میں ان دو کرنسیوں کا ڈالر بازار اتنا زیادہ وسیع ہے کہ گھما پھرا کر کرنے سے سودا سستا پڑ سکتا ہے۔ اس طرح ڈالر ایسے بہت سے سودوں

میں کام آتا ہے جن میں ریاستہائے متحدہ کے رہنے والے براہ راست کوئی حصہ نہیں لیتے۔
COMECON کا منظم کردہ مشرقی تجارتی بلاک کی ایک خامی یہ ہے کہ روبل زیادہ مضبوط کرنسی نہیں ہے اس لیے تجارت کرنے والے ملک اسے اپنے پاس جمع رکھنے کے لیے آمادہ نہیں رہتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بے باقی حساب صفائی سے کام نہیں کرتا کیونکہ یہ بسیار جہتی نہ ہو کر دو طرفہ ہی رہ جاتا ہے۔

جب کسی ملک کی وصولیابیاں بیرونی سودوں کے سلسلے میں اس کی ادائیگیوں سے مختلف ہوتی ہیں تو بقایا رقم کا انتظام کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ رقم بیرونی مبادلہ کی فاضل مانگ یا رسد (قومی کرنسی کی رسد یا مانگ) کو ظاہر کرتی ہے۔ اسے سٹہ باز، قلیل مدتی سرمائی حرکات، زرئی اختیارات، یا سونے کی حرکات، بازار سے ہٹا سکتے ہیں یا پھر قیمت کو بدلنا پڑے گا۔ حاشیہ پر عدم توازن کے امکان سے بیرونی مبادلہ بازار پیچیدہ ہو جاتا ہے اور متعدد ممکن نتائج رونما ہونے کا راستہ کھل جاتا ہے لیکن حاشیہ سے اوپر کے سودوں کا بخوبی انتظام ہو جاتا ہے اور اس طرح بازار اپنا بنیادی فریضہ انجام دے دیتا ہے یعنی غیر ممالک کے ساتھ ہونے والے سودوں میں وصولیابیوں کے مقابل ادائیگیوں کا انتظام کر دیتا ہے۔

قرض کی فراہمی:

ادائیگیوں کی بیباقی کے اپنے بنیادی کام کے علاوہ بیرونی مبادلہ بازار کو قرضے بھی فراہم کرنے پڑتے ہیں۔ ہم اس معاملہ پر تفصیلی بحث کا ارادہ نہیں رکھتے۔ اس موضوع کی سب سے بہتر جگہ غیر ملکی تجارت کے طریقوں سے متعلق کتابوں میں ہے اور اس کے لیے قرض کے ان رقعوں پر تفصیلی بحث کی ضرورت پڑتی ہے جن کا بیرونی زرمبادلہ کے بازار میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ہم یہاں صرف یہ واضح کرنا چاہیں گے کہ قرض کی فراہمی کا کام دو حصوں میں بنٹا ہوتا ہے۔ قومی اور بین الاقوامی۔ بین الاقوامی تجارت کے لیے قرض کی حاجت ہوتی ہے یہ تو اس حقیقت سے ہی آشکارا ہے کہ سبھی تجارت کے لیے قرض کی ضرورت ہوتی ہے۔ بیچنے والے سے خریدنے والے تک سامان پہنچنے میں وقت لگتا ہے۔ اس وقفہ میں سودے کی رقم کسی نہ کسی کو فراہم کرنی ہی پڑتی ہے۔ ممکن ہے یہ رقم اس سے بھی طویل وقفے کے لیے درکار ہو۔ عام حالات میں برآمد کرنے والی فرم کو اس عرصے کے لیے قرض کی ضرورت پڑتی ہے جو اشیاء کے بنانے میں صرف ہوتا ہے۔

نیز جب تک درآمد کرنے والے بھی اس عرصے کے لیے قرض کے طلبگار ہوتے ہیں جو اشیاء کے لیے ادائیگی کرنے اور ان کو ان کی ابتدائی شکل یا ان سے تیار کردہ مال کو بیچ کر رقم حاصل کرنے کے درمیان حائل ہوتا ہے۔ لیکن اگر برآمد کرنے والا پیداوار کے کام اور درآمد کرنے والا اسے بیچنے کے لیے درکار رقم کو خود فراہم کر سکیں تب بھی اشیاء کو ایک سے دوسری جگہ بھیجنے کے لیے قرض لینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر درآمد کرنے والا نقد ادائیگی کرتا ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ سودے کی رقم وہی فراہم کرتا ہے۔ اگر برآمد کرنے والا قبول کردہ مبادلہ طویل کو اپنے حساب میں رکھ لیتا ہے یا درآمد کرنے والے کو رقم بعد میں ادا کرنے کا قرض دے کر برآمد کی رقم فراہم کرتا ہے تو رقم فراہمی کا کام اس نے کیا ہے۔ بہر حال عام طور پر جب بیرونی مبادلہ بازار کے خصوصی قرض کی سہولتوں کا استعمال کیا جاتا ہے تو کسی بینک کا غیر ملکی شعبہ یا ایک دوسرے ملک کے بل بازار کو قرض کی رقم فراہم کرنی ہوگی۔

انیسویں صدی میں دنیا اپنی تجارت کے لیے مالیاتی انتظام اسٹرلنگ میں کرتی تھی۔ لندن مال بھیجنے والے لندن میں واجب الادا مبادلہ کے بل تیار کرتے تھے۔ اس لیے غیر ملکی بینک ان کے اسٹرلنگ بلوں کو بھنایا کرتے تھے اور اس سے حاصل ہونے والی رقم کو اپنے زرنی بازاروں کو بھیج دیا کرتے تھے۔ نیویارک کا کوئی بینک جو مثال کے طور پر ملک کے اندر اپنی رقم پر ۸ فیصد کما سکتا تھا مگر لندن میں اسے صرف ۴ فیصد حاصل ہوتا تو اس کے لیے اسٹرلنگ بلوں کو اپنے پاس رکھنا ایک احمقانہ فعل ہوتا۔ مقامی برآمد کنندہ کا بل بھنانے میں اس نے نیویارک کی شرح کا استعمال کیا تھا لیکن اس نے اس بل کو لندن میں کم شرح پر دوبارہ بھنایا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تین ماہ کے جس بل کے لیے اس نے ۹۹ (۸ فیصد سالانہ تین ماہ کے لیے ۲ فیصد ہوتا ہے) دیے تھے اسے وہ دوبارہ ۹۹ میں بھنا سکتا تھا۔ لندن کی شرحیں بیرونی شرحوں کے مقابلے میں نمایاں طور پر کم ہوتی تھیں۔ پس اسٹرلنگ میں بل بنانے اور انھیں لندن میں بھنانے کے لیے زبردست تحریک موجود تھی۔ اس طرح لندن اپنی درآمدی تجارت کے لیے مالیات فراہم کرتا تھا۔

بہر حال لندن اپنی برآمدات کے لیے بھی مالیات کا انتظام کرتا تھا۔ لندن کے بینک اپنے برآمد کرنے والے گاہکوں کی غیر ملکی کرنسیوں میں بل بنانے کے لیے حوصلہ افزائی کر کے اور ان بلوں کو ادائیگی کا وقت آنے تک اپنے پاس رکھ کے زیادہ آمدنی حاصل کر سکتے تھے۔

لیکن اس میں مبادلہ کا خطرہ بھی لاحق رہتا تھا جسے یہ بینک لینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ان بلوں کی ادائیگی کا وقت آنے تک کے عرصے میں غیر ملکی کرنسیوں کی قیمت بدل سکتی تھی۔ پس لندن کے بینکوں کو اپنے بازار میں ملنے والی سود کی کمتر شرح پر قناعت کر لینے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ برطانیہ کے برآمد کنندگان اپنے بل اسٹرلنگ میں تیار کرتے تھے۔ یہ لندن میں بھنائے جاتے تھے اور ادائیگی کا وقت آنے تک وہیں رکھے رہتے تھے۔ اس میں بیرونی درآمد کنندگان کے لیے نقصان کا خطرہ رہتا تھا۔ ان کے پاس وہ اشیاء پہنچی تھیں جن کے لیے انھیں تین ماہ میں غیر ملکی کرنسی میں ادائیگی کرنی ہوتی تھی۔ لیکن کیونکہ اسٹرلنگ دنیا کا معیار قدر تھا اس لیے اسٹرلنگ سے متعلق خطرات کو مول لینے میں کوئی تامل نہیں کرتا تھا۔ اس طرح لندن اپنی درآمدات اور برآمدات کے لیے مالیاتی انتظام کرتا تھا اور اس کی یہ درآمدات و برآمدات باقی دنیا کی (بالترتیب) برآمدات و درآمدات کا قابل لحاظ حصہ ہوا کرتی تھیں۔ اس کے علاوہ لندن دوسرے ممالک میں تیسرے ملکوں کے درآمد کنندگان کے نام بنائے گئے اسٹرلنگ بلوں کو بھنا کر اس تجارت کے لیے بڑی مالیات فراہم کرتا تھا جو اس کے ساحل کو نہیں چھوتی تھی۔

یورو-ڈالر بازار :

اسٹرلنگ مبادلہ بل کے زوال کے بعد سے بیرونی مبادلہ بازار کا قرض دینے کا فعل ایک دم بدل گیا ہے۔ ریاستہائے متحدہ کی برآمد اور درآمد کی تجارت کے لیے مالیات روز افزوں طور پر ڈالروں میں فراہم کی جا رہی تھی اور باقی ماندہ دنیا کو تجارتی قرضے دینے کے لیے بھی اسی کا استعمال کیا جا رہا تھا۔ اس کی وجہ سے ریاستہائے متحدہ سے سرمائے کی قلیل مدتی حرکات اور اشیائی تجارت میں ہونے والی تبدیلیوں کے بیچ بڑا گہرا تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ (تاہم دوسرے اور تیسرے ممالک کے مابین تجارت کی مالیات کے سلسلے میں ڈالر کے قرضوں کو زیادہ استعمال نہیں کیا گیا کیونکہ نیویارک کے بینکوں نے نطاٹا اپنے قرضوں کو یو۔ ایس کی تجارت سے ہی منسلک رکھا تھا۔) 1958 کے بعد اور یورپ میں کرنسی کی بدل پذیری بحال ہو جانے پر یورپ میں بہرحال یورو-ڈالر نامی بازار کا ایک پیچیدہ ادارہ کسی حد تک اتفاقی طور پر رونما ہوا جس کے ذریعہ ریاستہائے متحدہ اور بہت سے دیگر ملکوں نے قرضے فراہم کیے۔

یورو-ڈالر بازار کے ارتقاء کا سبب کافی حد تک فیڈرل ریزرو سسٹم کا وہ ضابطہ Q تھا

جس کی رو سے مُدتی جمع پر لیے جانے والے سود کی شرحیں تو مقرر کر دی گئی تھیں لیکن جن کا اطلاق غیر ملکیوں کے مدتی جمع کھاتوں پر نہیں ہوتا تھا۔ نیویارک کے بینکوں میں مسابقت کی وجہ سے ان جمع رقوم پر 1958 اور 1959 میں سود کی شرح ۵ ضابطہ کی شرح سے ایک فیصد کا ½ زیادہ ہو گئی۔ اس سے لندن کے بینکوں میں ڈالر کی جمع حاصل کرنے کی دوڑ شروع ہو گئی اور ان رقوم کو انھوں نے پھر اسے نیویارک کو قرض دے دیا۔ علاوہ ازیں رقوم کے بعض جمع کرنے والے مثلاً سوویت روس کی سرکاری ایجنسیاں یورپ میں (زیادہ تر لندن میں) امریکی دائرۂ اختیار سے باہر اپنے ڈالر کھاتے رکھنے میں سہولت محسوس کرنے لگے۔ یورپ کے ڈالر میں قرض دینے اور لینے والے بھی نیویارک کے مقابلہ میں لندن میں ڈالر کی تجارت کا کام زیادہ آسان سمجھنے لگے کیونکہ اوقات ایک ہی تھے یعنی یورپ اور ریاستہائے متحدہ کے بینک ایک ساتھ کھلنے کی وجہ سے تجارت چند گھنٹوں تک محدود رکھنے کی مجبوری ختم ہو گئی تھی۔

1960 کی دہائی کے سالوں میں یورو۔ ڈالر بازار کا نشوونما بڑی تیزی کے ساتھ ہوا۔ ڈالر کے علاوہ باقی کرنسیوں کی تجارت ان گھریلو بازاروں سے باہر ہوئی۔ 1967 تک آٹھ یورپی ممالک کی یورو کرنسیوں پر مشتمل بینک دینداریاں ڈالر میں 14.7 ملین ڈالر اور دیگر یورو۔ کرنسیوں میں بقدر 3.6 ملین ڈالر تک پہنچ چکی تھیں۔ (ان کے علاوہ، یورو۔ کرنسیاں، کناڈا اور جاپان کے اندر ہیں۔) لندن اس بازار کا اہم ترین مرکز ہے۔ ان رقوم کو جمع کرنے والوں میں یورپ کے مرکزی بینک، فرمیں اور افراد، اور بینک نیز ریاستہائے متحدہ اور یورپ کے باہر تیسرے ملکوں کی فرمیں اور افراد شامل ہیں۔ 1966 کے اختتام پر قرض لینے والوں میں ریاستہائے متحدہ کے بینکوں کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ ان بینکوں نے گذشتہ موسم گرما میں ملک میں قرضوں پر سخت پابندیوں کی وجہ سے اس بازار سے 2.5 ملین ڈالر ادھار لیے تھے۔ ان کے علاوہ قرض لینے والوں میں وہ برطانوی میونسپلٹیاں اور یورپ کی مختلف النوع فرمیں (جن میں غالباً ریاستہائے متحدہ کی ضمنی کمپنیاں بھی) شامل تھیں جو مقامی طور پر دستیاب قرضوں سے زیادہ سستے قرضوں کی متلاشی تھیں۔

یورو۔ ڈالر کے بہت سے سودوں میں کسی بیرونی زرمبادلہ کی ضرورت نہیں پڑتی۔ جہاں یو۔ایس کے جمع کنندگان کے پاس لندن میں ڈالر موجود ہوں اور ریاستہائے متحدہ کے بینک اور فرمیں ریاستہائے متحدہ میں استعمال کرنے کے لیے لندن میں ڈالر ادھار لیں تو یورو۔ ڈالر بازار کو

صرف نیویارک کی توسیع سمجھنا چاہیے۔ ریاستہائے متحدہ کا میزان ادائیگی ضرور متاثر ہوتا ہے۔ کیسے اس کا انحصار اعداد و شمار جمع کرنے کے طریقے پر ہے۔ تاہم اس سلسلے میں بیرونی زرمبادلہ کا کوئی سودا نہیں ہوتا۔ بہرحال اگر جمع رقوم کسی یورپین کھاتے میں ہیں تو ماضی میں بیرونی زرمبادلہ کا کوئی سودا جس کے نتیجہ میں ڈالر حاصل کئے گئے عام طور پر ضرور ہوا ہوگا۔ اور جب رقوم کو یورپ میں خرچ کرنے کے لیے ادھار لیا جاتا ہے تو انھیں استعمال سے پہلے مقامی کرنسی میں عام طور پر تبدیل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ بیرونی مبادلہ (ڈالر) میں سٹے کے اعتبار سے جمع کنندہ کی بڑی اور قرضدار کی چھوٹی پوزیشن ہوتی ہے۔

ایک ادارے کی حیثیت سے یورو۔ کرنسی بازار ابھی ارتقائی منازل سے گذر رہا ہے۔ اس لیے اس پر حتمی طور سے بحث کرنا ممکن نہیں ہے۔ تاہم اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنے پچھلے پن کی اور خاص طور پر جن ملکوں کو امداد کی ضرورت ہے انھیں تھوڑے عرصے کے قرضوں کی شکل میں بڑی رقوم فراہم کرنے کی صلاحیت نے مالیاتی اور معاشی مشاہدین کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ ۱۹۶۳ اور ۱۹۶۴ میں اٹلی کے زرعی بازار نے یورو۔ ڈالر بازار سے تقریباً 1.5 ملین ڈالر کا قرض بغیر کسی غیر مناسب دشواری کے حاصل کر لیا اور ۱۹۶۶ کے جولائی و اگست کے مہینوں میں یو۔ ایس بینکوں نے قریب 2.5 ملین ڈالر ادھار لیے۔ ۱۹۶۶ کے اختتام پر یورو۔ ڈالر بازار میں سال کے خاتمہ پر قرضوں کی کمیابی کے اندیشے کی وجہ سے بہت سے مرکزی بینکوں بشمول سوئس نیشنل بینک اور نیویارک کے فیڈرل ریزرو بینک نے سود کی شرحوں میں تیز اضافے کو روکنے کے لیے اس بازار میں تھوڑے عرصے کے لیے مزید ڈالر جمع کیے۔ بہت سے مشاہدین کی رائے میں اسے ایک بین الاقوامی قرض بازار میں بین الاقوامی سطح پر کھلے بازار کی مہموں کے آغاز سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یورو۔ ڈالر یا یورو۔ کرنسی بازار کا ارتقاء از خود مرحلہ بہ مرحلہ طور پر ہوا ہے۔ زرعی اصلاحات کے منصوبوں پر باب 27 میں بحث کی جائے گی ان دونوں کے بیچ بڑا دلچسپ فرق ہے۔

باڑھ بندی کا کام :

بیرونی مبادلہ بازار کا بے باقی حساب اور قرض سے متعلق کاموں کے علاوہ ایک تیسرا کام باڑھ بندی کی سہولتیں فراہم کرتا ہے ایک درآمد کنندہ کو جسے مستقبل میں غیر ملکی کرنسی ادا کرنی ہے۔ یہ خطرہ لاحق رہتا ہے کہ رقم واجب الادا ہو جانے اور ادائیگی کیے جانے کے اوقات کے درمیان

کے عرصے میں مذکورہ کرنسی کی قیمت میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ خود کو اس خطرہ سے محفوظ رکھنے کے لیے درآمدکنندہ آئندہ ادا کیے جانے والے قرض کی برابر رقم ابھی باہر جمع کر سکتا ہے یا وہ آمدہ بیرونی مبادلہ خرید سکتا ہے۔ اسی طرح سے بیرونی مبادلہ کی شکل میں آئندہ آنے والی رقوم کے سلسلے میں برآمدکنندہ کو یہ خطرہ ہے کہ معاہدہ کرنے اور ادائیگی کی تاریخوں کے درمیان بیرونی شرح مبادلہ گر سکتی ہے۔ اس سے محفوظ رہنے کے لیے وہ بیرونِ ملک قرض لے کر غیر ملکی کرنسی کو مقامی کرنسی کے بدلے فروخت کر کے حاصل شدہ رقم اپنے استعمال میں لا سکتا ہے اور جب اس کی برآمدات کی قیمت وصول ہو تو اس رقم سے اپنا قرض ادا کر سکتا ہے یا وہ متوقع بیرونی زرمبادلہ کی آمدہ فروخت کر سکتا ہے۔ مبادلہ سے متعلق کسی خطرے سے بچنے کی تدابیر کو باڑھ بندی کہتے ہیں تاجر کے پاس نقد رقم یا قرض کی سہولیات بشمول بیرونی سہولیات ہونے کی صورت میں حالیہ بازار کے ذریعہ باڑھ بندی ممکن ہے۔ آمدہ معاہدے کا طریقہ زیادہ آسان ہے۔

ایک ایسا معاہدہ جس میں کسی دیگر کرنسی کے بدلے بیرونی مبادلہ مستقبل میں کسی مقررہ تاریخ پر فریقین کے مابین اب طے شدہ قیمت پر خریدنے یا بیچنے کا انتظام کیا جائے آمدہ معاہدہ کہلاتا ہے۔ معاہدے کے وقت کوئی رقم فریقین ایک دوسرے کو نہیں دیتے۔ تاہم اس معاہدہ سے شرح مبادلہ میں ہونے والی تبدیلیوں کو نظر انداز کرنا ممکن ہو جاتا ہے یا ان کی جانب سے تقریباً کوئی فکر نہیں رہتی ان تبدیلیوں سے اس کے حریف کی پوزیشن میں جو بھی تبدیلی ہوگی اس کے اثرات سے محفوظ رہنے کے لیے تاجر کے پاس کوئی طریقہ نہیں ہوتا۔ ایک درآمدکنندہ اس شرح کو طے کرتا ہے جس پر وہ بیرونی زرمبادلہ خریدتا ہے اور اشیاء کی بیرونی قیمتیں مقرر ہوتی ہیں لیکن اگر شرح مبادلہ گر جائے (اور اسی لحاظ سے اشیاء کی قیمتوں میں کوئی تبدیلی نہ ہو) تو تاجر کے حریف کو ایسی قیمت پر مال مل جائے گا جس سے درآمدکنندہ کا سودا متاثر ہوگا۔

آمدہ بازار کی موجودگی سے کسی مبادلہ پوزیشن کی باڑھ بندی ممکن ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے مقامی کرنسی ہاتھ میں نہ ہوتے ہوئے اور باہر قرض ملنے کی توقع معدوم ہونے کی صورت میں بھی سٹہ بازی کی جا سکتی ہے بشرطیکہ کسی کی ساکھ اتنی عمدہ ہو کہ اس کا بینک اسے آمدہ مبادلہ کے لیے موزوں گاہک سمجھتا ہو۔ وہ مبادلہ پوزیشن کیا ہوگی جس کی کسی ایسے فرد کو باڑھ بندی کرنی چاہیے جو سٹہ بازی میں کوئی دلچسپی نہ رکھتا ہو؟ یہ ایک پیچیدہ سوال ہے۔ اشیاء کو مقررہ قیمتوں پر خریدنے اور بیچنے کے معاہدوں کی باڑھ بندی ہونی چاہیے۔ عام اشیائی تاجر کے لیے اپنی پیداواری لائن کے بارے

میں ہی کافی الجھنوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بیرونی مبادلہ بازار کے اتار چڑھاؤ کے بارے میں پیش گوئی کی مزید الجھن وہ اپنے اوپر لینا نہیں چاہتا۔ لیکن لندن میں کسی کے پاس کپاس ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کے پاس گویا اسٹرلنگ ہے۔ اگر اسٹرلنگ کی قیمت بدلتی ہے تو کپاس کی قیمت بھی بدلتی ہے اور یہ تبدیلی مخالف سمت میں ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کی قیمت کا تعین ڈالر میں ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے کپاس میں کوئی مبادلاتی خطرہ مضمر نہیں ہوتا پس اس کی باڑھ بندی نہیں کی جانی چاہیے۔ اس کے برعکس اگر برطانیہ میں کسی تاجر کے پاس ایسی اشیاء ہوتی ہیں جنھیں خاص طور پر برطانوی بازار کے لیے ہی تیار کیا گیا ہو یا جن کی نقل و حرکت بہت مہنگی پڑتی ہو اور ان وجوہات کی بناء پر انھیں اسٹرلنگ میں ہی فروخت کیا جاتا ہو تو یہ صورت حال اسٹرلنگ میں ایک کھلی پوزیشن کے مساوی ہوگی۔

مالیاتی املاک کے بارے میں اور بھی پیچیدہ سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ کسی غیر ملکی کرنسی میں مانگ یا مدتی جمع کھاتوں میں بیرونی مبادلہ سے متعلق خطرہ مضمر ہوتا ہے۔ آمدہ فروخت کے ذریعہ اس خطرے کی باڑھ بندی کرنی چاہیے تا وقتیکہ جان بوجھ کر اسے نہ قبول کیا جا رہا ہو (بے شک یہاں یہ مان لیا گیا ہے کہ کوئی آمدہ دین داری ایسی نہیں ہے جس کے لیے رقم جمع رکھی گئی ہے۔) زمین یا کمپنی کے عام حصوں جیسی املاک کو باڑھ بندی کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ ان کی قیمت شرح مبادلہ میں تبدیلی کے مخالف بدلنے کی توقع کی جاتی ہے۔ سب سے زیادہ دلچسپ سوال لمبے عرصے کے جامد زری مطالبوں مثلاً بونڈوں کے بارے میں پیدا ہوتا ہے۔ یہاں مبادلہ کا خطرہ صاف ظاہر ہے۔ لیکن تقریباً سبھی آمدہ بازاروں میں 6 ماہ یا سال بھر سے زیادہ کے معاہدوں کا رواج بہت ہی کم ہے اور 10 سال کی کسی املاک کے خطرے کو 3 ماہ کی آمدہ فروخت سے باڑھ بند کرنے کی کوشش کوئی معنی نہیں رکھتی۔ خطرات سے بچنے والے لوگوں کی اس دنیا میں مبادلہ کی شرحیں اگر اکثر بدلتی رہیں گی تو امکان یہ ہے کہ لمبے عرصے کا بین الاقوامی سرمائی بازار خشک ہو جائے گا۔ لیکن اس کے برعکس ریاستہائے متحدہ اور کناڈا کے بیچ لمبے عرصے کی سرمائی حرکات مبادلہ کی لچکیلی شرحوں کے باوجود بند نہیں ہوئیں کیونکہ اس مصنف کی رائے میں بازار کا خیال یہ تھا کہ لمبے عرصے میں کناڈا کا ڈالر ریاستہائے متحدہ کے ڈالر کے آس پاس ہی کہیں رہے گا یعنی یہ قربت بہر نوع اتنی ضرور ہوگی جس سے سود کی شرحوں میں وسیع اختلافات کا مداوا ہو جائے گا۔

ایک اہم سوال یہ ہے کہ کیا آمدہ بازار کی موجودگی نے مبادلہ بازار کی فطرت بنیادی طور پر

بدل جاتی ہے۔ مختصر جواب انکار ہے۔ تفصیلی جواب ضمیمہ H میں دیا گیا ہے۔ یہاں ایک لفظ میں دیے گئے مختصر جواب کو واضح تر کیا جاسکتا ہے۔ اس جزکے آغاز میں اس امر کی جانب اشارہ کیا گیا تھا کہ مالیہ بازار کے ذریعہ بالڑھ بندی کا کام کیا جاسکتا ہے۔ یعنی آمدہ ضروریات کے لیے رقوم جمع رکھی جاسکتی ہیں یا باہر رقوم قرض لے کر انھیں مالیہ بازار کے ذریعہ ملک میں منتقل کیا جاسکتا ہے۔ ضروری سہولتوں کی موجودگی قرض کر لینے کی صورت میں یہ کام چاہے مالیہ بازار کے ذریعہ انجام دیا جائے یا آمدہ بازار کے ذریعہ بہر صورت لاگت ایک ہی ہوگی۔ ایک ایسے برآمد کنندہ کا کیس لیجیے جو یا تو باہر قرض لیتا ہے اور حاصل شدہ رقم کو مالیہ بازار کے ذریعہ فروخت کرتا ہے۔ (آخر میں برآمدات سے ملنے والی رقم کے ذریعہ قرض ادا کر دیتا ہے) یا اپنے زرِ مبادلہ کو آمدہ بازار میں بیچ دیتا ہے۔ پہلی صورت میں وہ غیر ملکی قرض پر سود ادا کرے گا لیکن اسے مالیہ بکری سے حاصل شدہ رقم کو اپنے ملک میں بینک کے اندر جمع کرنے پر سود ملے گا۔ اگر باہر سود کی شرح ۶ فیصد اور ملک میں ۴ فی صد ہے تو کل ملا کر وہ 2 فیصد سالانہ سود دے کر اپنے مبادلہ خطرے کو ختم کرنے کا فائدہ حاصل کرے گا۔ اگر وہ آمدہ بازار کے ذریعہ یہ کام کرے تب بھی لاگت 2 فیصد سالانہ ہی ہوگی۔ باہر شرح سود ۶ اور ملک میں ۴ فیصد ہونے کی صورت میں آمدہ بیرونی مبادلہ 2 فیصد کی منہائی پر فروخت کیا جائے گا۔ اگر یہ قیمت اس سے زیادہ ہوگی تو مالیاتی ادارے باہر ۶ فیصد پر رقوم جمع کریں گے اور 2 فیصد سے کم منہائی پر انھیں آمدہ بازار میں فروخت کر کے نفع کمائیں گے۔ اس طریقہ سے انھیں ملک کے اندر دستیاب ۴ فیصد سے زیادہ آمدنی ملے گی۔ یا اگر بیرونی مبادلہ پر شرح منہائی (ہمارے زر پر پریمیم) 2 فیصد سے زیادہ ہوگی تو غیر ملکیوں کو ہمارے یہاں رقوم جمع کرنے میں فائدہ رہے گا کیونکہ ان کو ۴ فیصد سود کے علاوہ 2 فیصد سے زیادہ پریمیم بھی ملے گا۔ اس طرح کل فیصد آمدنی ان کے یہاں مقامی قرضوں پر ۶ فیصد شرح سود سے زیادہ ہو جائے گی۔ حقیقی دنیا میں آمدہ شرح مبادلہ جس کا حساب فیصد سالانہ منہائی پریمیم میں لگایا جاتا ہے۔ سود کی دونوں شرحوں کے درمیان پائے جانے والے اختلاف یا "فرقِ سود" سے عام حالات میں ½ فیصد کم یا زیادہ ہوتی ہے۔ سودی فرق میں تجارت یعنی مالیہ رقوم کو حرکت میں لانے اور انھیں مستقبل میں محفوظ کر [illegible] عمل ملک میں دستیاب آمدنی سے اوپر ½ فیصد سالانہ سے کم مزید آمدنی ملنے کی صورت میں سرگرم عمل نہیں ہوتی۔ تاہم وقت کے ساتھ ساتھ ایسے افراد کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے جو اس سے کم فرق ــــ ایک فیصد کے

$\frac{1}{8}$ تک ـــــ سے بھی مطمئن ہو جاتے ہیں۔

پریشانی کے دور میں سودِ فرق میں تجارت کے فوائد کو سٹّہ باز پامال کر ڈالتے ہیں اور آمدہ بازار کا استعمال مبادلہ پوزیشن سے بچنے کی بجائے انھیں حاصل کرنے لگتے ہیں۔ جب ایسا ہوتا ہے اور "تجارت فرق" کی رقوم سٹّہ بازی کے حجم کے مقابلہ میں بے ہیچ ہو جاتی ہیں یا سرکاری پابندیاں ان میں کمی تنگ کر دیتی ہیں تو آمدہ بازار اپنی ضروریات سودی فرق میں تجارت کے لیے دستیاب مداوائی رقوم سے پوری کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ ایسے مواقع پر آمدہ شرح اور سودی مساوات میں بڑا فرق ہو سکتا ہے اور آمدہ بازار باڑھ بندی کے لیے مہنگی سہولت ثابت ہو سکتا ہے۔

فرقی تجارت:

عام فرقی تجارت سے پہلے سودی فرق میں تجارت کا تذکرہ کر کے ہم اپنی کہانی سے آگے نکل گئے ہیں۔ سودی فرق میں تجارت کے تحت مالیہ بازار میں ایک پوزیشن آمدہ بازار کی ایک پوزیشن سے منسوخ ہو جاتی ہے۔ عام فرقی تجارت میں آمدہ بیرونی مبادلہ کا تاجر بیک وقت کسی ایک کرنسی کو خریدتا اور اسے فروخت کرتا ہے۔ یہ فرقی تجارت ہی ہے جو کسی کرنسی کے بازار کو ساری دنیا میں مربوط رکھتی ہے۔

مان لیجیے کہ نیویارک میں پونڈ کی مانگ بدلتی ہے۔ پونڈ کی ڈالر شرح میں اضافے کی اطلاع فرقی تجارت کے ذریعہ تقریباً ایک دم نیویارک سے لندن پہنچ جائے گی۔ لندن میں ڈالر کی شرح 2.40 ڈالر فی پونڈ ہونے کی صورت میں نیویارک میں پونڈ کی شرح 2.4015 ڈالر پر قائم نہیں رہ سکتی کیونکہ فرقی تاجروں کو لندن میں 2.40 ڈالر کی شرح پر پونڈ خرید کر انھیں نیویارک میں 2.4010 ڈالر کی شرح بیچنے سے فائدہ حاصل ہوگا۔ اس عمل سے لندن میں اسٹرلنگ کی مانگ اور نیویارک میں اس کی رسد بڑھ جائے گی۔ یہ کام اس وقت تک جاری رہے گا جب تک دونوں مقامات پر قیمتیں برابر نہ ہو جائیں یا ان میں فرق تاروں اور سود کی لاگت جتنا نہ رہ جائے۔ فرضی تجارت کرنے والے سٹّہ باز نہیں ہوتے۔ چند لمحات کو چھوڑ کر غیر ملکی کرنسی میں ان کی پوزیشن کھلی نہیں رہتی۔ وہ اپنا نفع غیر ملکی کرنسیوں کو بیچ ـــــ اور خرید کر کماتے ہیں اور انجام کار ان کے پاس وہی کرنسی رہ جاتی ہے جس سے انھوں نے اپنے

کام کا آغاز کیا تھا۔

دو نکاتی فرقی تجارت وہ کہلاتی ہے جس میں کوئی فرقی تاجر دو بازاروں میں اپنی کرنسی کی قیمت مختلف پاتا ہے۔ ان میں عام طور پر ایک بازار اس کا اپنا ہوتا ہے اور دوسرا غیر ملکی۔ سہ نکاتی فرقی تجارت نیویارک میں فرینک کی خریداری، پیرس۔ پونڈ کے بدلے ان کی فروخت اور لندن یا نیویارک میں ڈالروں کے بدلے پونڈ کی بکری پر مشتمل ہوگی۔ اس کیس میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ پیرس اور نیویارک میں فرینک کی شرحیں ایک دم برابر ہیں اور اسی طرح لندن اور نیویارک میں پونڈ کی شرحوں میں سر مو کوئی فرق نہیں ہے۔ لیکن لندن اور پیرس میں پونڈ اور فرینک کی شرحیں غیر مساوی ہیں۔ پس نیویارک میں کسی فرقی تاجر کی سہ نکاتی تجارت وہی کام انجام دے گی جو لندن یا پیرس سے دو نکاتی فرقی تجارت کرے گی۔ سہ نکاتی فرقی تجارت اس وقت رونما ہوتی ہے جب مبادلہ کے مقامی تاجروں کو نفع کے مواقع کا علم نہیں ہوتا یا انھیں ان کا فائدہ اٹھانے سے روک دیا جاتا ہے۔ ایسا شاذ ہی ہوتا ہے۔

فرقی تجارت ایک ایسا نظام ہے جو دو ایسے بازاروں کو جو طبعی طور پر الگ ہوتے ہیں معاشی لحاظ سے ایک کر دیتا ہے۔ ایک واحد بازار کی تعریف اس مقام سے کی جاتی ہے جہاں کسی چیز کے خریدنے اور بیچنے والے اس کی تجارت ایک ہی قیمت پر کرتے ہوں۔ ایک بازار میں قیمت صرف ایک ہوتی ہے۔ جہاں کسی چیز کے لیے لگاتار قیمت ایک ہی چلتی رہتی ہے وہاں ایک ہی بازار (اس چیز کا) ہوتا ہے۔ جہاں دو بازار ہوں اور ایک میں خریدنے نیز دوسرے میں فروخت کرنے کی لاگتیں معمولی ہوں وہاں فرقی تجارت سے بنیادی طور پر ایک بازار اور ایک قیمت پیدا ہو جائیں گے۔ جہاں کسی نہ کسی وجہ ـــــــ رسل و رسائل کے ناقص انتظام دیگر قیمتوں سے ناواقفیت یا ممانعت ـــــــ سے فرقی تجارت نہ ہو سکتی ہو وہاں بازاروں کے بیچ قیمتوں میں فرق رہے گا۔ آخر الذکر صورت میں یعنی جب فرقی تجارت کی اجازت نہیں ہوتی قیمتوں میں بڑے اختلافات سے غیر قانونی تجارت کی حوصلہ افزائی ہوگی کیوں کہ قانون شکنی کے انعامات بڑے ہوتے ہیں۔

مبادلہ کنٹرولوں کی عدم موجودگی میں کسی کرنسی کا بیرونی مبادلہ بازار جس میں وہ تمام ممالک جہاں اس کی تجارت ہوتی ہے اور جن کے فرقی لین دین رہتا ہے شامل ہوتے ہیں دنیا کا تقریباً کامل ترین بازار ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زر تمام اشیاء میں سب سے زیادہ ایک جیسا ہوتا ہے اور

اسے ایک دم منتقل کیا جا سکتا ہے۔ عام حالات میں شکاگو اور لیور پول کے گیہوں کے بازاروں میں بڑا قریبی تعلق رہتا تھا لیکن اتنا قریبی نہیں جتنا بیرونی مبادلہ کے بازاروں میں پایا جاتا تھا۔ طلائی معیار کے تحت سونے کا بین الاقوامی بازار بہت سے بازاروں کے ایسے سلسلے پر مشتمل ہوتا تھا جو ایک حد تک سونے کے ایک سے دوسرے ملک میں بھیجنے کی لاگتوں کے حساب سے الگ الگ رہتے تھے۔ لیکن بیرونی مبادلہ کے معاملہ میں تاروں کی لاگت اور زر پر اس عرصے کے سود کے زیاں جتنی دیر وہ فرقی تجارت میں بندھا رہتا ہے زر کی اس رقم کے مقابلے میں بہت کم ہوتے ہیں جسے منتقل کرنا ہوتا ہے۔ وقت کا عنصر تقریباً ختم ہو جاتا ہے۔ نتیجۃً نیو یارک میں اسٹرلنگ کی قیمت لندن میں ڈالر کی الٹی قیمت سے بہت زیادہ اور زیادہ وقت کے لیے انحراف نہیں کرتی۔ فرقی تجارت وہ طاقت ہے جو ایک واحد بازار کو دو علیحدہ بازاروں میں منقسم ہو جانے سے باز رکھتی ہے۔

بیرونی شرح مبادلہ:

بیرونی مبادلہ کے لیے مانگ اور رسد غیر ملکی شرح مبادلہ کا تعین کرتی ہیں۔ کوئی ملک جس بیرونی مبادلہ نظام کے تحت کام کرتا ہے اس کی نوعیت سے یہ تعین متاثر ہوتا ہے۔ بیرونی مبادلہ کنٹرول اگر فرض کیجیے نہ ہوں تو تاجر، بینک، اور سٹے باز اس میں کسی بھی نظام کے تحت تجارت کریں گے۔ طلائی معیار میں سونے کی قیمتوں میں فرق کے اندر تجارت کرنے والے بھی ہوں گے۔ سونے کے علاوہ مقررہ مبادلہ معیار کے تحت زرئی اہل اختیار بھی موجود ہوں گے۔ زرئی اختیار یے تغیر پذیر مبادلہ شرحوں کے معیار یا طلائی معیار کے تحت بھی کام کرتے ہیں۔

سب سے سادہ نظام گو اس کا سب سے بہتر ہونا ضروری نہیں ہے تغیر پذیر مبادلہ کا وہ نظام ہوتا ہے جس میں حکام کوئی مداخلت نہ کریں۔ بیرونی مبادلہ کی قیمت اس کی مانگ اور رسد سے طے پاتی ہے اور ان کا اپنا تعین اشیاء اور خدمات کی گھریلو نیز غیر ملکی قیمتوں، ملک میں اور باہر تجارت کے مواقع کی جانکاری، بین الاقوامی سرمائی حرکات، مبادلہ شرحوں کے آئندہ راہِ عمل کے بارے میں سٹہ بازوں کے اندازوں اور ایسے ہی دیگر عوامل پر منحصر ہوتا ہے۔ بازار نظام قیمت کے ذریعہ مانگ اور رسد کو برابر کر لیتا ہے۔ بعض علمی ماہرین کا اصرار ہے کہ ایسا بازار مستحکم ہوگا۔ پرانی قیمت پر مانگ رسد سے زیادہ ہونے کی صورت میں سٹہ باز اُسے تھوڑے عرصے میں نیچا رکھنے کے لیے کام

کرے گا یا اس کے برعکس حالات میں اسے اونچا رکھے گا۔ تغیر پذیر مبادلہ معیار پر ہم بحث کو باب 27 تک کے لیے ملتوی کریں گے۔

بہرحال دیگر انتظامات کے تحت شرح مبادلہ کے اندر تبدیلیاں محدود رہتی ہیں۔ طلائی معیار کے تحت یہ حدود ایک سے دوسرے بازار میں سونا بھیجنے کی لاگتوں سے طے پاتی ہیں۔ ان لاگتوں میں نہ صرف نقل و حمل، بیمہ، اور بار برداری کے اخراجات شامل ہوتے ہیں بلکہ اس رقم پر سود بھی جو سونے کے فرقی تاجر کام میں لگاتے ہیں۔ شکل 25.2 میں ٹکسالی مساوات سونے کے برآمدی اور درآمدی نقاط کی حدود متعین کرنے کے علاوہ اور کوئی کام انجام نہیں دیتی۔ اس مساوات کا حساب ایک کرنسی میں سونے کی دی ہوئی مقدار کی قیمت کو دوسرے میں اتنے ہی سونے کی قیمت سے تقسیم کرکے لگایا جاتا ہے۔ اگر ریاستہائے متحدہ میں ایک اونس سونا 35 ڈالر میں ملتا ہے اور لندن میں 292 شلنگ میں تو ٹکسالی مساوات 2.40 ڈالر ہوگی۔

($ 35 ÷ 292 S = $ 2.40 ÷ 20 S)

طلائی معیار کے تحت طلائی نقاط کے بیچ شرح مبادلہ طے کرنا۔

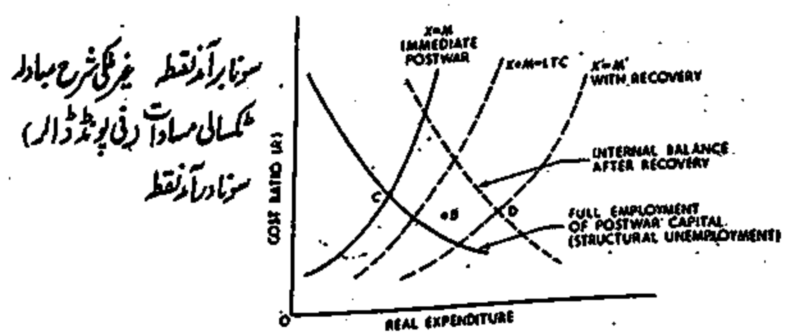

اسٹرلنگ کا حجم جو ڈالر میں بیچا جاتا ہے۔ (ملین پونڈ)

اس کے بعد سونے کے فرقی تاجروں کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ دونوں کرنسیوں کو ٹکسالی مساوات سے اس سے زیادہ منحرف نہ ہونے دیں جتنی سونا بھیجنے میں لاگت آتی ہے۔ شکل 23.3 میں مانگ اور رسد کو طلائی نقاط کی حدود کے اندر برابر رکھا گیا ہے لیکن اس طرح کے ٹکسالی

مساوات کی جانب کوئی کھچاؤ نہیں ہے)۔ مانگ اور رسد قوس بالترتیب D – D اور S – S ہیں۔ مانگ بدل کر D′ – D′ ہو جانے پر سونا برآمد کیا جانے لگتا ہے۔ شکل 2.3 b میں رسد S – S سے ہٹ کر S′ – S′ ہو جانے سے سونا درآمد کیا جانے لگتا ہے۔

ان مثالوں میں جو کام سونے نے انجام دیا ہے اسے سٹہ باز اپنے ذمّہ لے سکتے ہیں، بشرطیکہ انھیں یہ یقین ہو کہ لمبے عرصے میں شرح مبادلہ طلائی نقاط میں ہی رہے گی اور یہ کہ غیر ملکی مبادلہ خریدنے میں اس وقت فائدہ رہتا ہے جب شرح سونے کے برآمدی نقطہ کے قریب پہنچتی ہے۔ یہاں سونے کی قلیل مدتی حرکات جیسا کہ باب ۱۹ میں پہلے ہی بتایا جا چکا ہے۔ سونے کی جگہ لے لیتی ہیں یا پھر زرئی اختیاریے بازار میں مداخلت کر سکتے ہیں۔ برطانوی اختیاریے مثال کے طور پر اسٹرلنگ کو بڑھا یا گھٹا کر ان حدود سے بھی زیادہ تنگ حدود میں رکھتے ہیں جن کا تعین سونے کی نقل و حمل کی لاگتوں سے ہوتا ہے[1]

مداخلت کی اقسام:

زرئی اختیاریے کے لیے غیر ملکی شرح مبادلہ کے تحفظ کا کام وہ سٹہ باز جو سونے کے نقاط آنے سے پہلے بازار میں مداخلت کرتے ہیں، سونے کے زرقی تاجر، یا جیسا کہ ابھی بتایا گیا ہے خود زرئی اختیاریہ انجام دے سکتے ہیں۔ جب زرئی اختیاریے مداخلت کرتے ہیں تو دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔ اوّل کون سے حکام یہ کام انجام دیتے ہیں اور دوم وہ یہ کام کیسے کرتے ہیں۔ پہلے سوال کے سلسلے میں

---

[1] بینک آف انگلینڈ اور مبادلہ مساواتی کھاتے کے اسٹرلنگ میں کام کرنے کے طریقے اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہیں جتنا ان پیراگرافوں سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ سونے کی کوئی مقررہ قیمت نہیں ہے سونے کی لندن قیمت بدل سکتی ہے۔ لہٰذا برطانوی زرئی حکام پونڈ اسٹرلنگ کو اس کے لیے بیرونی شرح مبادلہ کے سلسلے میں سرگرم عمل ہو کر متاثر کر سکتے ہیں یا لندن کے سونے کے بازار میں دخل دے کر۔ لندن میں اسٹرلنگ کے بدلے سونا بیچنے سے پونڈ کو سہارا ملتا ہے کیونکہ اس سے لندن میں سونے کی قیمت گرتی ہے اور غیر ملکی کرنسیوں کے بدلے اسٹرلنگ اور اسٹرلنگ کے بدلے سونا خریدنے کے لیے سونے کے زرقی تاجروں کو شہ ملتی ہے۔ بہر حال حال کے برسوں میں بینک آف انگلینڈ کا لندن طلائی پول کا انتظامیہ سرگرم نہیں ہے بجھول ہو گیا ہے۔ مانگ میں تیزی آنے پر وہ بازار کو سونا فراہم کرتا ہے اور جب سونے کی افراط ہوتی ہے تو اسے بازار سے سمیٹ

مثال کے طور پر مان لیجیے کہ A کی کرنسی کی رسد ضرورت سے زیادہ ہے یا B کی کرنسی کی مانگ بڑھی ہوئی ہے۔ B ۔ A شرح مبادلہ کو قائم رکھنے کے لیے B زری حکام مداخلت کر کے A کی کرنسی خرید اور B کی بازار کو مہیا کر سکتے ہیں یا A کے حکام سونا یا B کرنسی فروخت کرنے کے لیے مجبور ہو سکتے ہیں یا وہ بہت سے مختلف طریقوں جیسے سویپ، قرضے میں سے کسی کے ذریعہ B کرنسی حاصل کر سکتے ہیں اور B کرنسی کی آمدہ فروخت کر سکتے ہیں۔ جہاں B کرنسی A کی فاضل رسد کو خود بخود خرید لیتا ہے تو نظام کے اندر ریزرو بینک کے قرضے پھیل جاتے ہیں۔ جہاں A کرنسی B کی موجودہ جمع رقوم میں سے قرض لیتا ہے تو نظام کے کل زری زر روز کم ہو جاتے ہیں (A کے ریزروز کم ہو جاتے ہیں اور B کے بڑھ نہیں پاتے) جہاں A B کو سونا ادا کرتا ہے۔ نظام کے کل زرروز میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

بیرونی مبادلہ بازار میں زری حکام کی مداخلت کی ان اشکال کے بعض معنی پر بحث کی جا چکی ہے۔ باب ۱۹ میں مرکزی بینک کے آمدہ مبادلہ میں سودوں پر بحث خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ اور دیگر پہ جیسے بین الاقوامی زری فنڈ کے رول کا جائزہ ابھی نیچے لیا جائے گا۔ یہاں سویپس اور مشہود معروف روسہ بونڈوں پر نظر ڈالنا کارآمد رہے گا۔ یہ 1960 کے بعد ڈالر کے لیے جن مشہورِ احاطائی تحفظات " کا ارتقاء کیا گیا ہے یہ ان میں سے دو ہیں۔

سویپس ایک ایسا طریقہ ہے جس کے ذریعہ دو زری اختیار یے ایک دوسرے کے خلاف مطالبات حاصل کر سکتے ہیں۔ مان لیجیے کہ اسٹرلنگ بازار میں دباؤ کو کم کرنے کے لیے بینک آف انگلینڈ تھوڑے عرصے کے لیے ڈالر ادھار لینا چاہتا ہے۔ فیڈرل رزرو سسٹم کے ساتھ اپنے معاہدہ کے تحت وہ فیڈرل رزرو سسٹم کے حساب میں مثال کے طور پر 100 ملین پونڈ جمع کرے گا اور اس کے بدلے میں فیڈرل رزرو سسٹم بینک کے حساب میں 240 ملین ڈالر نیویارک میں جمع کر دے گا۔ کل ملا کر قلیل مدتی سرمائے کی کوئی حرکت عمل میں نہیں آئے گی لیکن ڈالر کی کمی کو پورا کرنے کے لیے اب بینک آف انگلینڈ کی پوزیشن بہتر ہو جائے گی۔ (اسی طرح فیڈرل رزرو سسٹم بھی قرض حاصل کر سکتا ہے۔ سویپس کی ابتدائی پوزیشن بالکل یہی ہو گی۔) ایسے سویپس کو ممکن ہے الٹایا نہ جا سکے یعنی یہ آخری سودے ہوں۔ درحقیقت ان کی حیثیت ہمیشہ ایسے عارضی سودوں کی سی رہی ہے جنھیں ابتدائی معاہدوں کے تحت ایک مقررہ مدت کے بعد الٹایا جاتا ہے۔ دراصل بیرونی زرِ مبادلہ کے بازار میں اصلاح 'سویپس' کا مطلب یہ ہے کہ ایک آمدہ

معاہدہ موجود ہوتا ہے۔ پس مرکزی بینک کے سویپس میں کرنسیوں کے موقع پر تبادلہ کے ساتھ ایک ایسا معاہدہ شامل ہوتا ہے جس کی رو سے ایک مقررہ تاریخ پر تبادلہ کو الٹایا جاتا ہے۔

بازاری سویپس بھی عام ہیں۔ انھیں یا تو افراد یا مرکزی بینک کرتے ہیں۔ اٹلی کے حکام جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے۔ اٹلی کے تجارتی بینکوں کے ساتھ گھریلو زری کنٹرول کے ہتھیار کے طور پر سویپس کا استعمال کرتے ہیں یا اس کے ذریعہ سرکاری رزرو میں ڈالر کے غیر ضروری حجم کو کم کرتے ہیں۔ انھیں واپس خریدلینے کے معاہدوں کے تحت اٹلی کے حکام بینکوں کو ڈالر فروخت کریں گے۔ (یعنی ایک مقررہ لیرا قیمت پر ڈالر واپس خریدنے کا ایک آمدہ سمجھوتہ موجود ہوگا)۔ حال اور مستقبل کی شرحوں کا تقرر اس طرح کیا جاتا ہے کہ اٹلی کے بینکوں کو سرمایہ کاری نفع بخش معلوم ہو اس کے لیے ڈالر کی آمدہ شرح اس سے بہتر رکھی جاتی ہے جو عام طور پر بازار میں دستیاب ہوتی ہے۔ کیوں کہ بینک سویپس کے تحت موقعہ پر لیرا دیتے ہیں مقامی بینکوں کے رزرو کم رہ جاتے ہیں اور لیرا قرضوں کو محدود کر دیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی اٹلی کے بیرونی مبادلہ کے شائع کردہ رزروز بھی کم ہو جاتے ہیں، کیونکہ مالیہ مبادلہ آمدہ خریداریوں کے بدلے نجی افراد کردے دیا جاتا ہے۔

فیڈرل رزرو سسٹم نے غیر ملکی مرکزی بینکوں کے ساتھ سویپ یا باہمی قرضوں کے سمجھوتوں کا ایک بڑا سلسلہ تیار کیا ہے۔ 1967 تک ان کی رقوم 5,030 ملین ڈالر تک پہنچ چکی تھیں۔ ان سمجھوتوں کے تحت لیے جانے والے قرضے تھوڑے عرصے کے لیے ہوتے تھے اس لیے وہ بیرونی شرح مبادلہ کی مدافعت میں اتنے کارآمد ثابت نہیں ہوتے تھے جتنا بیرونی مبادلہ یا سونے کی براہ راست ملکیت ثابت ہوتی۔ تاہم کرنسی پر عارضی دباؤ کی صورت میں باب 19 میں مذکور آمدہ معاہدات کی مانند جن سے سویپس کافی مشابہ ہیں یہ سمجھوتے اچھا کام کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تھوڑے عرصے میں جبکہ زیادہ بنیادی اقدامات ابھی کیے جارہے ہوتے ہیں کافی مفید ثابت ہوتے ہیں اور اسی لیے انھیں اصل دفاع کا نام دینے کی بجائے سرحدی دفاع سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

رُوسہ بونڈز کا مقصد اتنا مالیہ دباؤ کو کم کرنا نہیں ہوتا جتنا مستقبل کے امکانی دباؤ کو دور کرنا۔ جہاں A کرنسی کی زاید رسد B اسے خرید کر ختم کردیتا ہے وہاں A پر B کا مطالبہ قائم ہو جاتا ہے۔ ایسے مطالبہ کو جسے سونا خریدنے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہو ایک طویل مدتی مطالبہ میں فنڈ کیا جاسکتا ہے اس فنڈ کی رقم A کی کرنسی میں دکھائی جائے گی۔ لیکن ایسا فنڈ قائم کرکے جو اس بات کی ضمانت دے کہ A کے زر میں تخفیف قیمت کا اس پر کوئی اثر نہ ہوگا اور اس طرح B کی کرنسی میں اس کی مالیت

تبدیل نہ ہوگی اسے B کے لیے مزید پرکشش بنایا جاسکتا ہے۔ یہ طریقہ جو اس وقت کے خزانے کے انڈر سکریٹری رابرٹ دی رُوسہ کے نام سے موسوم ہے بڑے وسیع پیمانے پر استعمال کیا گیا ہے۔ اس کے تحت آسٹریا، بلجیم، جرمنی، اٹلی اور سوئٹزرلینڈ کے زرئی اختیاریوں کو بیرونی کرنسی کے بونڈ جاری کیے گئے ہیں، عملی طور پر انھوں نے بڑی حد تک سویپس یا آمدہ سمجھوتوں کی مانند موجودہ دینداریوں کو مستقبل کی دینداریوں سے بدل دیا ہے۔

غیر ملکی مبادلہ بازار اور میزان ادائیگی:

اگلے باب میں میزانِ ادائیگی پر بحث کے ابتدائیہ کے طور پر یہ پوچھنا مفید رہے گا کہ غیر ملکی مبادلہ کے سودوں کا ریکارڈ کسی معنی میں میزانِ ادائیگی سے مختلف ہوتا ہے۔ دونوں کے درمیان اختلافات قیمت کے تعین، اوقات اور دائرۂ کار کے سلسلے میں رونما ہوتے ہیں۔

غیر ملکی مبادلہ کے سودوں کے کسی ریکارڈ اور میزان ادائیگی کے بیچ قیمت کے تعین میں یہ فرق ہوتا ہے کہ اول الذکر جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے اس کی عکاسی کرتا ہے جبکہ آخر الذکر میں سودوں کو کسی یکساں بنیاد پر ریکارڈ کیا جاتا ہے۔ (مثلاً غالباً برآمدات اور درآمدات دونوں ایف۔ او۔ بی یا ایف۔ اے۔ ایس اور درآمدات سی۔ آئی۔ ایف (لاگت، بیمہ اور بھاڑا) قیمتوں پر ریکارڈ کی جاتی ہیں۔ درآمد کرنے والا برآمد کرنے والے سے مال فیکٹری کے دروازے، بندرگاہ، اپنے ملک کی کسٹم چوکی کہیں پر لے سکتا ہے یا درآمد کرنے والے ملک کے گودام پر وصول کرسکتا ہے اور اس سلسلے میں کرائے اور بیمہ کی رقم ادا کرسکتا ہے اس کے برعکس میزانِ ادائیگی اشیائی تجارت کے ساتھ یکساں برتاؤ کیا جانا چاہیے۔ اور کرائے و بیمہ کی ضروری تخصیصی مدوں کو جیسا درحقیقت ہوا ہے اس کے اعتبار سے درج کرنا چاہیے۔

اوقات کا تعلق اس امر سے ہے کہ سودوں کا اندراج کس وقت کیا جاتا ہے۔ وقت کا انتخاب آرڈر دینے، مال مل جانے، قیمت وصول ہوجانے، یا ادائیگی کردیے جانے کے بیچ کرنا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ بیرونی مبادلہ کے ریکارڈ کا تعلق ادائیگی سے ہوتا ہے اور میزانِ ادائیگی کا برآمدات کے بندرگاہ چھوڑنے اور درآمدات کے پہنچ جانے سے۔ (ان میں کچھ وقت کا وقفہ پڑجاتا ہے جس کی وجہ سے x سے اس ماہ یا اس سال کی برآمدات کا اندراج ممکن ہے M میں اگلے ماہ یا سال کی درآمدات کی حیثیت سے کیا جائے۔) لیکن ادائیگیوں اور مال کی وصولیابی کے

درمیان رشتہ (مثال کے لیے صرف ایک ہی رشتہ لیا گیا ہے) کسی بھی صورت یکساں نہیں رہتا۔ اگر ساری اشیاء کو یکساں طور پر تین ماہ کے ادھار پر فروخت کیا جائے تب بھی میزان ادائیگی کے لیے اس سال کی برآمدات کے ایک حصہ کو بیرونی مبادلہ کے سودوں کے اگلے سال کے اندراج میں شامل کیا جائے گا۔ لیکن یہ رشتہ بدلتا رہتا ہے۔ بعض اشیاء کے لیے پیشگی ادائیگی کی جاتی ہے بعض کے لیے جہاز کے چلانے پر اور کچھ کے لیے تھوڑے وقفہ کے بعد۔ بن ہنسین نے اس حیرت انگیز حقیقت کا پتہ لگایا کہ وقت کے ایک دیے ہوئے نقطہ پر سوئیڈن کی برآمدات کے قریب 10 فیصد کے لیے پیشگی ادائیگی کی گئی تھی۔ اور یہ رشتہ قومی کرنسی کے بارے میں تبدیلی کی توقعات کے ساتھ بدل سکتا ہے۔ جب کسی کرنسی کی قیمت کم کر دیے جانے کا امکان ہوتا ہے تو غیر ملکی درآمد کنندگان ادائیگیوں میں تساہلی سے کام لیتے ہیں۔ اور غیر ملکی برآمد کنندگان وصول کرنے کی رفتار بڑھا دیتے ہیں اس طرح سے "آگے جانے اور پیچھے رہ جانے" کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ عام حالات میں اس مسئلہ کی اہمیت نہ ہونے کے برابر رہتی ہے۔ ادائیگیاں مال کے ملنے سے جتنا آگے یا پیچھے چلتی ہیں وہ وقفہ بہت کم اور یکساں رہتا ہے۔ لیکن اگر کسی ایک سال میں کرنسی کے بارے میں سٹہ بازوں کی رائے بدل جانے کی وجہ سے کسی ملک کی درآمدات جنھیں 3 ماہ کے ادھار کی بنیاد پر فروخت کیا گیا تھا نقد بنیاد پر کر دی جائیں اور اس کی برآمدات تین ماہ کے ادھار کی بنیاد کی بجائے چھ ماہ کے ادھار پر دی جانے لگیں تو ممکن ہے ملک کا میزانِ ادائیگی (برآمد و درآمدات) نہ بدلے لیکن اپنے غیر ملکی مبادلے کے سودوں میں مذکورہ ملک اپنی برآمدات کے لیے 9 ماہ کی واجب الادا رقم پاتا ہے اور اسے 15 ماہ کی درآمدات کے لیے ادائیگی کرنی پڑتی ہے۔

آج زیر بحث مسئلہ کا سب سے زیادہ دلچسپ پہلو دائرۂ کار یا احاطہ کا ہے۔ میزانِ ادائیگی میں ایک ملک اور دوسرے ممالک کے رہنے والوں کے درمیان ہونے والے سودوں کا احاطہ کیا جاتا ہے۔ غیر ملکی مبادلہ کے سودوں کا خلاصہ ان سودوں تک محدود رہتا ہے جن میں قومی کرنسی کو کسی غیر ملکی کرنسی سے بدلا جاتا ہے۔ جو مدیں میزان ادائیگی میں شامل کی جاتی ہیں اور غیر ملکی مبادلہ کے سودوں کے ریکارڈ سے باہر رہتی ہیں وہ یہ ہیں: اشیائی مبادلہ، نجی معاوضے (جہاں کسی ایک کرنسی میں لین داریاں اور دین داریاں کسی بین الاقوامی فرم کے اندر بے باق کر لی جاتی ہیں یا ان فرموں کے درمیان طے ہو جاتی ہیں جو اپنا حساب کتاب بیرونی مبادلہ بازار کے باہر صاف کر لیتی ہیں) یورو۔ ڈالروں میں ہونے والے سودے جہاں ڈالر واپس ریاستہائے متحدہ میں آجاتے

ہیں اور وہیں رکھے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس غیر ملکی مبادلہ کے سودوں کے ریکارڈ میں کل سرمائی سودے شامل ہوتے ہیں لیکن میزان میں انھیں خارج کردیا جاتا ہے (کیونکہ وہ صرف خالص سرمائی حرکات سے سروکار رکھتا ہے)۔ لیکن بیرونی مبادلہ بازار پر بحث کے لیے یہ مسئلہ اتنی دلچسپی کا حامل نہیں ہے جتنا میزانِ ادائیگی کے سلسلے میں جس پر ہم اب غور کریں گے۔

خلاصہ :

ایک قومی زر کے بدلے میں دوسرے کی خرید یا فروخت کو غیر ملکی مبادلہ کا سودا کہتے ہیں۔ بیرونی مبادلہ بازار کے تین کام ہیں: ملکوں کے مابین حساب کتاب کو صاف کرنا، غیر ملکی تجارت کے سیکٹر کو قرض فراہم کرنا یعنی ملکوں کے اندر اور ان کے بیچ دونوں جگہ، اور مبادلہ کے خطرات کے خلاف باڑھ بندی کی سہولت دینا۔ دورِ حاضر میں یورو۔ ڈالر بازار کے ذریعہ بیرونی مبادلہ بازار کے قرض فراہم کرنے کے کام کی نئی راہیں ملی ہیں۔ باڑھ بندی کے لیے استعمال کیے جانے والے آمدہ بازار سے بیرونی مبادلہ بازار کے طرزِ عمل میں کوئی بنیادی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔

مختلف مقاموں میں یا حالیہ اور آمدہ بازاروں میں وقت کے مختلف عرصوں میں کسی کرنسی کی قیمت میں اختلافات کا فائدہ اٹھانے کے لیے اسے ایک ہی وقت میں خریدنے اور بیچنے کے عمل کو فرقی تجارت کہتے ہیں۔ فرقی تاجر مبادلہ سے متعلق کوئی خطرہ اپنے سر نہیں لیتا۔ فرقی تجارت دو بازاروں کو ایک کردیتی ہے خواہ یہ نیویارک میں اسٹرلنگ کا بازار ہو یا لندن میں ڈالر کا بازار یا ڈالر کے بدلے اسٹرلنگ کا مالیہ اور آمدہ بازار۔ فرقی تجارت کے لیے رقوم وافر اور آسانی سے دستیاب ہونے کی صورت میں آمدہ شرح سودی فرق کے برابر ہو جانے کا رجحان رکھتی ہے۔

بیرونی مبادلہ بازار غیر ملکی شرح مبادلہ کا تعین ایسے طریقوں سے کرتا ہے جن پر مختلف زری ادارے اثر انداز ہوتے ہیں۔ سرکاری مداخلت سے مبرّا آزادانہ طور پر تغیر پذیر شرح مبادلہ کے تحت قیمت کی تبدیلیاں بازار کو صاف کردیتی ہیں۔ طلائی معیار کے تحت طلائی نقاط پر سونے کی فرقی تجارت بیرونی مبادلہ کے لیے زاید مانگ یا زاید رسد کا مداوا کردیتی ہے یا بیرونی مبادلہ کو مختلف طریقوں سے حاصل کرکے حکام فاضل رسد کو خرید سکتے ہیں۔ شرح مبادلہ میں تبدیلی کے حدود کے قریب سٹہ بازی بازار کو صاف کرسکتی ہے یا زاید مانگ کو پورا کرسکتے ہیں۔

غیر ملکی مبادلہ کے سودوں کا ریکارڈ قیمت کے تعین، اوقات، اور احاطہ کے اعتبار سے

میزانِ ادائیگی سے مختلف ہوتا ہے۔

مطالعہ کے لیے تجاویز:

درسی کتابیں:

دیکھیں Yeager باب 11 زیادہ گہرے تجزیہ کے لیے دیکھیں Vanek باب V, اور Kemp ابواب X Vii , x Viii

تحقیقی رسائل وغیرہ:

دیکھیں Alan Holmes and F.H.Schott, The New York Foreign Exchange Market (2d. ed, New York : Federal ReserveBank of New York 1965) ; N.N. Trued, United States Official Operations in the Foreign Exchange and Gold Markets (Washington D.C. U.S.Treasury Department 1965) یورو۔ڈالر بازار پر ان مقالوں میں بحث کی گئی ہے ....

O.L.Altman in SP for March 1961, March 1962 and March1965 and in the Annual Report of the Bank for International settlements since 1964. An elementary account entilled "The Decade the Euro-Dollar" is provided in the Economist for July 8,1967.

نکات:

میزانِ ادائیگی اور غیر ملکی مبادلہ کے سودوں میں اختلافات کو بین الاقوامی زری فنڈ کی Balance of Payments Yearbook 1938, 1946, and 1947 پہلی میں پیش کیا گیا ہے۔

'آگے جانے اور پیچھے رہ جانے' پر بہترین مگر ذرا عمیق بحث کے لیے دیکھیں۔

Bent Hansen's Foreing Trode Credits and Exchange Reserves (Amesterdam, North Holland Publisihing Co.1961)

طلائی معیار پر مستند اور جامع کام ہے۔ W.A.Brown Jr.The Gold Standard Reinterpreted 1914 --1934 (New York: National Bureau of Economic Re Research 1934) 2Vols.

باب 24 میزان ادائیگی

مقاصد

کسی ملک کا میزانِ ادائیگی اس ملک اور غیر ممالک کے رہنے والوں کے بیچ دیے ہوئے عرصے میں ہونے والے تمام معاشی لین دین کا ایک باضابطہ ریکارڈ ہوتا ہے۔ ایسا ریکارڈ بڑے اور چھوٹے بہت سے اسباب کی بنا پر بڑا مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ ان ریکارڈوں کو رکھنے کا بنیادی مقصد اہلِ حکومت کو ملک کی بین الاقوامی پوزیشن سے باخبر رکھنا ہوتا ہے ان سے انھیں ایک جانب زرعی اور تحصیلی پالیسیوں کے بارے میں فیصلے کرنے میں مدد ملتی ہے اور دوسری جانب تجارت اور ادائیگیوں سے متعلق مسائل کو حل کرنے میں۔

ایک طرف زرعی اور تحصیلی پالیسی اور دوسری طرف تجارت اور ادائیگیوں کے بیچ امتیاز سے میزانِ ادائیگی کی گوناگوں نوعیت کا پتہ چلتا ہے۔ سب سے پہلے تجارت سے متعلق اعداد و شمار منظرِ عام پر آئے۔ ان اعداد و شمار کو جمع کرنے کا بنیادی مقصد ایک اور دوسرے ملک کے بیچ وسائل کے بہاؤ کو ناپنا تھا۔ اشیا اور بالآخر خدمات کے ان ریکارڈوں میں بیرونی مبادلہ کی دیگر ادائیگیوں اور وصولیابیوں سے متعلق معلومات کو اور جوڑا گیا کیونکہ زرعی حکام اس امر کی یقین دہانی حاصل کرنا چاہتے تھے کہ ملک غیر ملکی اشیا کو خریدنے اور بیرونی کرنسی میں رقت آنے پر ادائیگیوں کو کرتے رہنے کا کام جاری رکھ سکتا ہے۔ زیادہ حال کے برسوں میں قومی آمدنی کا حساب کتاب رکھنے اور 1930 کی دہائی کی کساد بازاری کی ضروریات کے پیشِ نظر میزانِ ادائیگی کو قومی آمدنی پر غیر ملکی لین دین کے اثرات کا اندازہ لگانے کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔

میزانِ ادائیگی کی جانب رجوع کرنے کی ان تینوں راہوں میں سے ہر ایک کو گھریلو کھاتوں کے ایک جداگانہ نظام سے منسلک تصور کیا جا سکتا ہے۔ وسائل کی راہ سے ہم لاگت۔ پیداوار کی ٹیبل پر

جا پہنچتے ہیں۔ بیرونی مبادلہ کے بجٹ کی راہ معیشت کے مالیاتی وسائل کے ذرائع اور استعمالات کے بیان سے وابستہ ہے۔ اور قومی آمدنی کی راہ بلاشبہ قومی آمدنی کے کھاتوں سے جڑی ہوئی ہے۔ اور گھریلو کھاتوں کے یہ تینوں سٹ آپس میں بندھے ہوئے ہیں۔ ان جداگانہ راہوں کے درمیان اختلافات ایسے نہیں ہیں جن کی وجہ سے جیسا کہ نیچے واضح کیا گیا ہے میزان ادائیگی کے حساب کتاب میں بڑا فرق پیدا ہو جائے۔

میزان ادائیگی کے اعداد و شمار میں ان موٹے مقاصد کو پورا کرنے کی غرض سے روزافزوں طور پر سدھار کیا جا رہا ہے۔ سہ ماہی، علاقائی، اور تفصیلی اعداد و شمار پیش کیے جا رہے ہیں تاکہ ان مقاصد کے حصول کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی کاروبار کے مخصوص مسائل پر بھی روشنی ڈالی جا سکے۔

تعریف:

کسی ملک کا میزان ادائیگی "رپورٹ کرنے والے ملک کے باشندوں اور غیر ممالک کے رہنے والوں کے درمیان ہونے والے تمام معاشی لین دین کا ایک باضابطہ ریکارڈ" ہوتا ہے۔ یہ تعریف کافی سیدھی سادھی معلوم ہوتی ہے لیکن یہ کچھ سوالات بھی اٹھاتی ہے۔ مثال کے طور پر 'باشندہ' یا 'رہنے والا' کون ہے؟ معاشی لین دین کسے کہتے ہیں؟۔

سیاح، سفیر، فوجی عملہ، عارضی طور پر آئے ہوئے مزدور اور گھریلو کمپنیوں کی شاخیں ان ممالک کے باشندے سمجھے جاتے ہیں جہاں سے وہ آتے ہیں اس ملک کے نہیں جہاں وہ ہوتے ہیں۔ یہ فیصلے منطقی اور من مانے ہوتے ہیں لیکن کیونکہ باقی تمام حساب کتاب انھیں کی بنیاد پر تیار کیا جاتا ہے اس لیے یہ حقیقت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ ان میں سے بعض فیصلے اگر میزان ادائیگی کو ایک زاویہ سے دیکھنے پر معقول معلوم ہوتے ہیں تو دوسرے زاویہ سے بے معنی دکھائی دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر اٹلی کا میزان ادائیگی جسے قومی آمدنی کی درجہ بندی کے مطابق جمایا گیا ہے مستقل اور عارضی طور پر ملک میں باہر سے آنے والوں کے بارے میں مختلف رویہ اختیار کرتا ہے مگر ان کے بیچ مشکل سے ہی کوئی فرق ہے۔ (یعنی بعض عارضی مزدور درحقیقت مستقل ہیں اور اس کے برعکس بھی) مستقل کام کرنے والوں کی آمدنیاں بیرونی قومی آمدنی کا جز ہیں اور میزان ادائیگی میں ان کی وجہ سے جو بھی اندراج ہوتا ہے وہ باہر سے اٹلی کو 'منتقل' کی گئی آمدنی کی صورت اختیار کرتا ہے۔ تاہم باہر عارضی طور پر کام کرنے والوں کی آمدنیوں کو خدمات کی بکری تصور کیا جاتا ہے جو

اٹلی کی قومی آمدنی کا حصہ ہوتی ہیں اور بیرونی کتابوں میں ان کا اندراج بر آمدات کے تحت ہوتا ہے کرے، کھانے وغیرہ کے لیے ان کا مقامی خرچ در آمدات میں شامل کیا جاتا ہے اور وہ ـــــ جو کچھ گھر بھیجتے ہیں اٹلی کا اندرونی لین دین ہے اور ان رقوم کو میزانِ ادائیگی سے باہر رکھا جاتا ہے۔ کام کسی بھی طریقہ سے کیا جائے کل میزان پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا لیکن اس کیس میں قومی آمدنی کی راہ غیر ملکی مبادلہ بجٹ کے راستے کی دشمن ہے کیونکہ آخرالذکر یہ جاننے میں دلچسپی رکھتی ہے کہ اس ملک کے لوگوں نے باہر سے کتنی رقم اپنے ملک میں بھیجی ہے۔

معاشی لین دین :

معاشی لین دین اقدار کے مبادلہ کو کہتے ہیں یہ نمایاں طور پر ایک ایسا فعل ہوتا ہے جس میں کسی معاشی چیز کا حق ملکیت منتقل ہو جاتا ہے، کوئی معاشی خدمت انجام دی جاتی ہے یا املاک پر حق ایک سے دوسرے فریق کو منتقل ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک بین الاقوامی معاشی لین دین ایک ملک کے رہنے والوں کی جانب سے دوسرے ملک کے رہنے والوں کو حق ملکیت کے ایسے انتقال یا خدمات کی انجام دہی پر مشتمل ہوگا۔

عام طور پر کسی معاشی لین دین کے اندر کسی معاشی چیز، خدمت، یا املاک کے بدلے میں زر کی ایک ادائیگی اور ایک وصولی ہوتی ہے تاہم ایسا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اشیائی مبادلہ میں چیزوں کو چیزوں سے بدلا جاتا ہے اور نجی معاوضہ میں املاک کا بدلا املاک سے کر لیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں کچھ چیزوں کی ملکیت تحفہ کے طور پر منتقل کر دی جاتی ہے اس کے لیے ادائیگی کی توقع نہیں رکھی جاتی۔ ان میں سے ہر ایک کیس میں ایک بین الاقوامی 'لین دین' ہوتا ہے اور میزان ادائیگی میں ایک اندراج کی ضرورت پیدا ہوتی ہے لیکن بعض اندراج بین الاقوامی ادائیگی کے اعتبار سے کوئی بین الاقوامی 'لین دین' ہوئے بغیر ہی کر دیے جاتے ہیں۔ ایک امریکن کارپوریشن کی کوئی غیر ملکی ضمنی کمپنی اپنے بیرونی کاروبار سے نفع کماتی ہے اور اسے وہیں پیداواری کام میں لگا دیتی ہے جہاں وہ کام کر رہی ہے اور سرپرست کمپنی کو کوئی حصہ نفع نہیں دیتی۔ ایسی صورت میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو یہ اصرار کرتے ہیں کہ اسے میزان ادائیگی میں چالو کھاتے کے اندر بطور جمع ـــــ نفع کی وصولیابی ـــــ اور سرمایہ کھاتے میں بطور نام ـــــ نئی سرمایہ کاری ـــــ درج کیا جانا چاہیے گو کوئی غیر ملکی ادائیگی ظہور میں نہیں آئی ہے۔ یا میزانِ ادائیگی میں

کسی جگہ بعض مبالغہ کے اثر کو زائل کرنے کے لیے ایک پاسنگی مخالف اندراج کیا جانا چاہیے اس کی مثال ہم نیچے نقل و حمل کے کھاتے پر بحث میں پیش کریں گے۔ یہاں ایک اندراج ضروری ہوتا ہے اگرچہ سودا خالص گھریلو ہوتا ہے۔

میزان ادائیگی کا حساب کتاب :

نظریاتی اعتبار سے میزان ادائیگی کا حساب کتاب معیاری دوہرے اندراج کے بہی کھاتے کی شکل میں رکھا جاتا ہے۔ اس کے تحت کسی ملک کے باشندے جو بھی بین الاقوامی سودا کرتے ہیں اس کے نتیجہ میں ایک نام اور ایک جمع دونوں مساوی رقم کی رونما ہوتی ہیں۔ اشیار کی حرکت کے لحاظ سے برآمد ایک جمع ہے اس برآمد کے لیے ادائیگی کا ذریعہ نام کی شکل میں رونما ہوگا یعنی کسی غیر ملکی کمپنی یا بینک پر نیا مطالبہ، کسی غیر ملکی تمسک کی خریداری (سرمایہ کا باہر جانا)، سونے کا حصول، وغیرہ وغیرہ اس کے برعکس درآمدات (ایک نام) کے لیے ادائیگی غیر ملکیوں کو واجب الادا رقوم میں اضافے یا غیر ملکیوں پر مطالبوں میں کمی (دونوں اندراج بطور جمع) کے ذریعہ کی جا سکتی ہے۔ فی الواقع محکمہ تجارت جنسی سودوں کی صرف ایک سمت کو ناپتا ہے اور اس میں سے املاک اور دینداریوں میں ہونے والی تبدیلیوں کو وضع کر دیتا ہے۔ جہاں محاسب سودے کو صرف ایک طرف سے گرفت میں لیتے ہیں وہاں ایک پاسنگی اندراج کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر Care کا ایک گروپ باہر بھیجا جاتا ہے۔ نتیجۃً یہ ایک برآمد ہے لیکن غیر ملکیوں پر اس کے مقابل کوئی مطالبہ نہیں ہے۔ یہاں (نام میں) ایک پاسنگی اندراج "عطیات" کے تحت کرنا پڑے گا۔ بین الاقوامی سودوں کا ایک مکمل ریکارڈ تیار کرنے کے لیے ان کے بارے میں ہمیشہ کافی معلومات کا دستیاب ہونا ممکن نہیں ہے بعض مدوں کا صرف تخمینہ لگایا جا سکتا ہے۔ دیگر لین دین وہ افراد کرتے ہیں جو بنک کاروں، دلالوں، تمسکات کے تاجروں، اور بڑی کمپنیوں کے برعکس اپنے غیر ملکی کاروبار کے بارے میں باقاعدگی سے جانکاری فراہم نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام جمع اور تمام نام کو جوڑ لینے کے بعد کھاتے کی دونوں اطراف کو برابر کرنے کے لیے "غلطی اور بھول" کے تحت ایک مزید اندراج کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ جہاں غیر ریکارڈ کردہ سودے زیادہ اور سب ایک ہی سمت میں ہوتے ہیں وہاں یہ بقایا کی مد "غلطی اور بھول" کھاتے میں دیگر مدوں کی نسبت کافی بڑی ہو سکتی ہے۔

کُل میزان کے اندر میزانیں :

یوں تو کل جمع اور کل نام تعریف کے اعتبار سے برابر ہوتے ہیں لیکن پالیسی سے متعلق سوالات کے سلسلے میں کل میزان کے اندر مدوں کے مختلف گروہوں کا تجزیہ کرنا پڑتا ہے۔ کم از کم پانچ الگ قسم کی میزانوں میں امتیاز کیا جاتا ہے۔ — اشیائی میزان، رواں کھاتے کی میزان، بنیادی میزان، باقاعدہ سودوں کی میزان، سرکاری سودوں سے طے کی جانے والی میزان۔ ہر ایک میں منتخب جمع مدوں کو منتخب نام مدوں سے ملایا جاتا ہے۔ ہر ایک میزان یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی مدوں کا پاسنگ اہم ہے غالباً اپنی علامت (+ یا −) اور رقم کے اعتبار سے۔ جمع مدیں نام مدوں سے جوڑ میں زیادہ ہوں تو پاسنگ باقی کہلاتا ہے۔ نام زیادہ جمع کم ہو تو خسارہ۔ کیونکہ تعریف سے ہی کل جمع اور کل نام برابر ہوتے ہیں یا مکمل ریکارڈ کرنے کے نظام میں جہاں غلطی اور بھول کی مد صفر ہو گی برابر ہوں گی۔ جیسا کہ ہم فرض کریں گے — اس لیے میزان ادائیگی کی کچھ مدوں کے میزان کا مطلب یہ ہو گا کہ باقی دیگر تمام مدیں بھی (الٹی علامت کے ساتھ) جوڑ میں اتنی ہی ہوں گی۔ طالب علم کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ بعض جدولیں 'الٹی علامت' کی بنیاد پر تیار کی جاتی ہیں اور کسی باقی کو نفی کی علامت کے ساتھ دکھایا جا سکتا ہے۔

اشیائی — تجارت میزان :

سب سے زیادہ عام اور سب سے کم دلچسپ میزان اشیائی میزان ہے۔

$$X\ merch + M\ merch = 0 \quad \ldots\ldots \quad (1)$$

جہاں X merch اشیائی برآمدات (ایک جمع یا مثبت) اور M merch, اشیاء کی درآمدات (ایک نام یا منفی) ہے۔ وسائل کے اعتبار سے اس میزان کی کچھ اہمیت ہے لیکن خدمات اشیاء کے ساتھ وسائل۔ پیداوار کی جدول میں دکھائی جاتی ہیں۔ تجارت نوازوں کے عہد میں جب خدمات کا میزان ادائیگی میں غیر اہم معمولی رول تھا یہ میزان زیادہ بامعنی تھا آج اس کی بہت کم اہمیت ہے۔ ایک بڑی اشیائی درآمد باقی کے لیے رقم جہازی آمدنی، سود اور نفع حصص، سیاحی اور دیگر خدمات کے ذریعہ آمدنی سے فراہم کی جا سکتی ہے، بیرونی مبادلہ کے بحث یا قومی آمدنی کے نقطۂ نظر سے یہ بیکار ہے۔ اشیائی میزان کو دی گئی اہمیت کو یہ کہہ کر مسترد

کرنے کی ترغیب موجود ہے کہ یہ غلط قسم کے ٹھوس پن کے سراب کا شاہد ہے ۔ یعنی کسی تصور کو اس وجہ سے تجزیاتی اہمیت کا حامل سمجھا جاتا ہے کیونکہ وہ ایسی چیزوں کا حوالہ دیتا ہے جن کا حجم اور ٹھوس شکل ہوتی ہے۔ تاہم اشیائی میزان کا ایک پہلو ایسا ہے جس سے وہ توجہ حق بجانب قرار دی جاسکتی جو اس میزان پر پریس میں دی جاتی ہے۔ کسی تازہ ترین میزانِ ادائیگی کے بارے میں اشیائی تجارت کے اعداد و شمار سب سے پہلے دستیاب ہوتے ہیں اس لیے X merch اور M merch. کو کل اشیاء اور خدمات کی برآمد اور درآمد کا نمائندہ سمجھ لیا جاتا ہے۔ لیکن یہ بات درست ہے کہ اشیائی میزان پر ضرورت سے زیادہ توجہ صرف کی جاتی ہے۔

رواں کھاتے کی میزان :

رواں کھاتے کی میزان میں خدمات اور اشیاء شامل ہوتی ہیں۔ اس سے ہمیں میزانِ ادائیگی کے اندر اشیاء اور خدمات کی برآمدات اور درآمدات کے ساتھ دیگر اہم مدوں کو پیش کرنے کی گنجائش فراہم ہو جاتی ہے :

$$X + M = 0 = LTC + STC + \varepsilon \qquad (2)$$

جہاں LTC لمبے عرصے کا سرمایہ ہے (اندر آتے ہوئے سرمائے کے لیے + یا جمع، باہر جانے والے سرمائے کے لیے - یا نام)، STC تھوڑے عرصے کا سرمایہ ہے (علامتیں یہی رہیں گی) اور ε سرنا ہے (+ یا جمع برائے برآمدات، - یا نام برائے درآمدات) غلطیاں اور بھولیں، انتقالات، اور ایسی ہی پیچیدگیوں کو حذف کر دیا گیا ہے۔

جب برآمدات نئی تیار کردہ اشیاء پر مشتمل ہوتی ہیں اور درآمدات حتمی استعمال میں آتی ہیں تو قومی آمدنی کے حسابات کے اعتبار سے رواں کھاتے کا میزان دلچسپی کا حامل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ باب 16 میں نوٹ کیا گیا ہے M - x مثبت یا منفی غیر ملکی سرمایہ کاری ہوتی ہے۔

$$X + M = Y - (C + Id + \varepsilon) \qquad (3)$$

جب M - x مثبت ہوتا ہے تو ملک کے باقی دنیا پر کل ملا کر مطالبات حاصل ہو رہے ہوتے ہیں۔ اور غیر ملکی سودوں سے قومی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے۔ خواہ وہ لمبے عرصے کے تمسکات خریدنے کے لیے باقی تمام دنیا سے رقوم ادھار لے رہا ہو وہ اس وقت تک اپنے قرض ادا کرنے کے قابل رہتا ہے جب تک X +M 70 اور جو املاک اس نے خریدی ہیں وہ اس سے زیادہ

قیمتی ہیں جتنا ان کے لیے ادا کیا گیا ہے، اگر گھریلو خالص سرمایہ کاری بھی مثبت ہو تو ملک کی خالص املاک میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح رواں کھاتے کی میزان نفع اور نقصان کے لیکھے میں کسی لاگت برابر یا صفر نفع پوزیشن کے مانند ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس مثال کو زیادہ آگے نہیں بڑھایا جاسکتا۔ ایک معاشی جو فرموں کو اپنے منافع بیشترین کرنے کی ہدایت دیتا ہے اگر وہ قوموں کو بھی اسی پالیسی پر چلنے کا مشورہ دینا شروع کر دے یعنی انھیں اپنے رواں کھاتے کی باقیات کو بیشترین کرنے کا مشورہ دینے لگے تو وہ تجارت نوازوں کی پالیسی پر سختی سے عمل کرنے کی اہمیت پر زور دے گا۔

لیکن رواں کھاتے کا میزان بیرونی مبادلہ بجٹ کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتاتا۔ اس کے لیے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ رواں کھاتے کا بجٹ بیرونی سرمایہ کاری کے ان فیصلوں سے کیسے میل کھاتا ہے جو بازار کے ذریعہ کیے جاتے ہیں۔ یہ ضرورت ہماری رہنمائی نام نہاد بنیادی میزان کی طرف کرتی ہے۔

بنیادی میزان:

بنیادی میزان میں مساوات نمبر 2 کا لمبے عرصے کا سرمایہ بائیں ہاتھ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے[1]:

$$X + M + LTC = 0 = STC + G \qquad (4)$$

—— اس مساوات میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ لمبے عرصے کی سرمائی حرکات اختیاری ہوتی ہیں اور تھوڑے عرصے کی سرمائی حرکات عبوری۔ یہ مسئلہ انتقال کا خلاصہ پیش کرتی ہے۔ $X + M + LTC = 0$ ہونے کی صورت میں عمل انتقال مکمل ہو جاتا ہے۔ اگر $X + M$ مثبت ہوتا ہے تو LTC منفی یا سرمایہ کے باہر جانے کا مظہر ہوتا ہے۔ اگر $X > M$ تو LTC کو مثبت ہونا چاہیے اور سرمایہ ملک میں آئے گا۔

اگر مساوات (4) کی دونوں اطراف صفر سے مختلف ہیں تو ان کی علامات ایک دوسرے کے مخالف ہونی چاہئیں۔ جب بائیں جانب جوڑ مثبت ہوتا ہے کیونکہ فاضل برآمدات

---

[1] قومی آمدنی کے حساب لگانے میں $X - M$ وہی ہے جو میزان ادائگی میں $X + M$ ہے کیونکہ اول الذکر تصور صرف مطلق مقداروں کا استعمال کرتا ہے بغیر ان کی مضمر علامتوں کے۔

باہر جانے والے سرمائے سے زیادہ ہوتی ہیں تو ملک باہر کی دنیا سے کم عرصے کے مطالبات یا سونا حاصل کر رہا ہوتا ہے جو منفی یا نام ہوتے ہیں۔ جب مساوات کی دونوں اطراف صفر سے انحراف کرتی ہیں اور اُن کی علامات مختلف ہوتی ہیں تو معیشت بنیادی توازن حاصل کرنے میں ناکام رہتی ہے۔ سرمائے کے دھارے منتقل نہیں کیے جا رہے ہیں اور وہ لوگ میزان ادائگی کو عدم توازن کے لیے بنیادی میزان کو ہی صحیح تصور قرار دیتے ہیں۔

توازن میزانِ ادائیگی کی وہ صورت حال ہوتی ہے جسے بغیر کسی مداخلت کے قایم و باقی رکھا جا سکتا ہے۔ بے شک یہ غیر ضروری ہے کہ مساوات (4) ہر گھنٹے، دن، ہفتہ، مہینے، موسم، سال یا سائیکل کے جز قایم رہے تا وقتیکہ متعلقہ وقت میں خواہ وہ کچھ بھی ہو میزان ادائیگی باضابطہ سائیکلی پالیسی کی کارروائی کے ساتھ یا اس کے بغیر خود مطابقت حاصل کر لیتا ہے۔ عمل انتقال کے آغاز میں طویل مدتی سرمائے کو قلیل مدتی سرمائے سے بیلنس کیا جاتا ہے یعنی اس کی کمی یا زیادتی کو دور کیا جاتا ہے۔ اور رواں کھاتے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ لیکن اگر انتقال کا عمل حرکت میں آتا ہے تو اس عبوری صورت حال کو عدم توازن نہیں کہا جا سکتا۔

واضح رہے کہ اس تعریف کے اعتبار سے ایک ایسا ملک جو لمبے عرصے کے قرضے اپنی فاضل برآمدات سے زیادہ رقوم کے دے رہا ہے اور دونوں کے فرق کو پورا کرنے کے لیے باہر سے تھوڑے عرصے کے قرضے لے رہا ہے اسے خسارہ کا شکار قرار دیا جائے گا۔

$$X + M + LTC = STC + g \neq 0 \quad (4a)$$

(4a) میں مان لیجیے بائیں طرف کا جوڑ منفی ہے اور برابر کرنے والی دائیں طرف کا جوڑ مثبت ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ جتنا طویل مدتی سرمایہ باہر جاتا ہے اتنا ہی قلیل مدتی سرمایہ ملک میں آتا ہے۔ ملک لمبے عرصے کے قرضے دے رہا ہے اور کم عرصے کے قرضے لے رہا ہے۔ بنیادی میزان کے اعتبار سے یہ خسارہ ہے۔ اس کے برعکس کوئی ملک جو باہر سے لمبے عرصے کے قرضے اس سے زیادہ لے رہا ہے جتنی رقم وہ فاضل درآمدات کے ذریعہ ملک میں منتقل کر سکتا ہے اپنے بنیادی میزان میں بیشی کا تجربہ کرے گا۔

مساوات (4) کو "بنیادی" میزان کہنے سے وہ توازن کا تصور نہیں بن جاتی۔ ایسے بہت سے لوگ یہ مقام دیتے ہیں۔ مرحوم رگنار نرکسے نے اس تصور کو توازن کی تعریف کے طور پر استعمال کیا تھا (گو انھوں نے نثر کا استعمال کیا تھا علامات کا نہیں)۔ ریاستہائے متحدہ کی 1963

ں بروسٹر رپورٹ میں بھی اسے توازن کا مرکزی تصور قرار دیا گیا تھا اور برطانیہ کے اہل اختیار اپنے ادائیگیوں کے مسائل پر بنیادی میزان کے مفہوم میں ہی بحث کرنے کا رجحان رکھتے ہیں۔ دوسرے لوگ اسے ناکافی تصور کرتے ہیں - بنیادی میزان وسائل کے نقطۂ نظر سے (غیر ملکی سرمایہ کاریوں کو حقیقی اشیاء اور خدمات میں تبدیل کیا جا رہا ہے) قومی آمدنی کے نقطۂ نظر سے (مجوزہ گھریلو سرمایہ کاری سے مجوزہ بچتیں بقدر مجوزہ بیرونی سرمایہ کاری زیادہ ہوتی ہیں) یا بیرونی مبادلہ کے بجٹ کے لحاظ سے (بیرونی سرمایہ کاری کے لیے بیرونی مبادلہ کی مانگ فاضل برآمدات سے پیداشدہ رسد کے برابر ہوتی ہے) تسلی بخش ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ بھی بین الاقوامی زرئی امکانات کا احاطہ نہیں کرتی۔

مثال کے طور پر مان لیجیے کہ مساوات کا داہنا پہلو ($STC + G$) صفر کی برابر ہے لیکن STC اور G دونوں کافی بڑے ہیں نیز بڑھ رہے ہیں۔ ملک میں بیرونی رقوم کو سونے میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔ (یعنی باہر جانے والے کم عرصے کے سرمائی دھارے کو جو ایک نام اندراج ہے سونے کی برآمدات سے جو جمع اندراج ہیں کاٹا جا رہا ہے)۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ اگر ملک پر غیر ملکی مطالبات اس کے سونے کے ذخیرہ سے بڑھ جائیں تو اس کے پاس سونا ختم ہو جائے اور اسے اپنی غیر ملکی شرح مبادلہ کو گرانا پڑے۔ لہٰذا ایسا ہو سکتا ہے کہ میزانِ ادائیگی کی موجودہ صورت حال کو برقرار نہ رکھا جا سکے۔ وہ بحالت توازن نہ رہے گی۔ اس امکان کے پیش نظر محکمہ تجارت نے مساوات (۴) کی متوازن صورت میں ایک اور شرط کو شامل کرنے کے لیے ہمہ گیر توازن یا باقاعدہ سودوں کے بارے میں توازن کے تصور کو وضع کیا تھا۔

باقاعدہ سودوں کا میزان:

محکمۂ تجارت نے میزانِ ادائیگی کے توازن کی تعریف اس طرح کی ہے۔

$$X + M + LTC + STC_{d} = 0 = STC_{f} + G \quad (5)$$

جہاں کم عرصے کے سرمائے (STC) کو دو عناصر مقامی (STC_{d}) اور غیر ملکی (STC_{f}) میں بانٹ دیا گیا ہے۔

توازن کی اس کسوٹی کو بعض اوقات 'سیالی' تعریف کے نام سے پکارا جاتا ہے اس کا سروکار اس امر کو یقینی بنانے پر ہے کہ ملک کے ذمہ غیر ملکی مطالبات اس حد تک نہ بڑھ جائیں جہاں

اگر انھیں یک لخت ادائیگی کے لیے پیش کر دیا جائے تو ملک انھیں ادا کرنے سے قاصر رہے۔ یہاں فکر کا اصل مرکز ذخیرہ کی پوزیشن ہے یعنی قرض کی میزان جس پر نیچے بحث کی گئی ہے نہ کہ میزان ادائیگی جو ایک دھارائی تصور ہے۔ یہ ہمہ گیر میزان ملک کی سیالی پوزیشن میں تبدیلیوں کی فکر کے لحاظ سے بنیادی میزان سے آگے نکل جاتا ہے۔

گھریلو اور غیر ملکی کم عرصے کے سرمائے کے ساتھ برتاؤ میں تیکھے فرق پر غور کیجیے۔ محکمۂ تجارت اسے اس بنیاد پر حق بجانب قرار دیتا ہے کہ یہ یقینی نہیں ہے کہ ریاستہائے متحدہ غیر ملکیوں کے ذمہ اپنے مطالبوں کو وصول کر سکے لیکن اسے ایسی پوزیشن میں ضرور ہونا چاہیے کہ اگر غیر ملکی ریاستہائے متحدہ پر اپنے مطالبات کو وصول کرنے کا فیصلہ کریں تو وہ یہ کام انجام دے سکے۔ باقی دنیا کے ذمہ ریاستہائے متحدہ کے قلیل مدتی مطالبات کی ادائیگی کو غیر دستیاب قیاس کیا جاتا ہے جبکہ ریاستہائے متحدہ کے ذمہ بیرونی مطالبات کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ سب کے سب کسی بھی وقت ادائیگی کے لیے پیش کیے جا سکتے ہیں۔

برتاؤ میں اس فرق کو تنقید سے مبرا نہیں کہا جا سکتا۔ یہ بعض ایسی مدوں کو الگ کرتا ہے جو فی الحقیقت جڑی ہوئی ہیں۔ اگر کوئی مقامی کارپوریشن نیویارک کے اندر کسی کناڈائی بینک میں رقوم جمع کرتی ہے اور انھیں مانگتے ہی واپس زر کے بازار میں جو نیویارک حصص بازار کو مالیات فراہم کرتا ہے لگایا جاتا ہے تو یہ مد میزانِ ادائیگی کی ہوگی کیونکہ کناڈائی بینک کے ساتھ غیر ملکیوں جیسا سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ لیکن اسے بیرونی مبادلہ کا سودا نہیں کہہ سکتے کیونکہ ریاستہائے متحدہ کو مجموعی بنیاد پر بحالت خسارہ ریکارڈ کیا جاتا ہے۔ کناڈائی بینک کو کم عرصے کی دینداری ـــــ مانگتے ہی دیا جانے والا قرضۂ زر ـــــ مساوات کے دائیں جانب تصور کی جاتی ہے ـــــ عام زبان میں "لائن سے نیچے" ـــــ جبکہ کناڈائی بینک میں ریاستہائے متحدہ کی جمع "لائن سے اوپر" سمجھی جاتی ہے۔ یا ریاستہائے متحدہ میں جاپانی جمع رقوم لائن سے نیچے ہوتی ہیں جبکہ جاپان کو دیے جانے والے یو۔ایس بینکوں کے قرضے ـــــ ایک بالمقابل کھاتہ ـــــ لائن سے اوپر ہوتے ہیں۔ یا یورپ کے مالیاتی مراکز کے ذمہ یو۔ایس مطالبات ـــــ اکثر ڈالروں میں اور 1966ء کے موسم گرما میں سیال ثابت شدہ ـــــ کو منجمد مانا جاتا ہے جب کہ نیویارک میں بالمقابل جمع کو انتہائی سیمابی اور نازک مزاج رقم تصور کیا جاتا ہے۔

۲۱ امکان سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ رقوم جو کناڈا کے بینکوں میں جمع کی گئی ہیں یا

بورو۔ ڈالر بازار میں لگائی گئی ہیں سب کی سب باہر دوبارہ بطور قرض دی جاسکتی ہیں اور ضرورت پڑنے پر واپس بلانے یا پھر سے ادا کرنے کے لیے دستیاب نہیں ہوتیں۔ تاہم یہ مفروضہ بڑا مضبوط ہے کہ ایسا ہوگا اور تجربہ شاہد ہے کہ یہ مفروضہ سراسر غلط ہے۔ کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ STC_{d} اور STC_{fo} دونوں لائن کے ایک ہی طرف ہوتے ہیں۔ میزانِ ادائیگی کے اعداد و شمار کا جائزہ لینے کے لیے ایڈورڈ ایم برنسٹائن کی زیر صدارت بجٹ بیورو کی مقرر کردہ ایک خصوصی کمیٹی نے ایک نیا تصور تجویز کیا جس نے سرکاری کو نجی غیر ملکی قلیل مدتی سرمائے سے جدا کر دیا۔

سرکاری سودوں سے بیباق شدہ میزان :

سرکاری سودوں سے بیباق شدہ میزان ادائیگی میں کم عرصے کے بیرونی نجی سرمائے کو مساوات کے بائیں طرف لائن سے اوپر رکھا جاتا ہے۔

$$X + M + LTC + STC_{d} + STC_{d} + STC_{fp} = 0 = STC_{fo} + G \quad (6)$$

جہاں STC_{pf} کم عرصے کی وہ سرمائی حرکات ہیں جنہیں نجی غیر ملکیوں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اور STC_{of} غیر ملکی زری اختیاریوں یا افسروں کی قلیل مدتی سرمائی حرکات۔ چونکہ ریاستہائے متحدہ میں کم عرصے والی سرکاری سرمائی حرکات کو سونے کے زر روز کے ساتھ لائن کے نیچے رکھا جاتا ہے اس لیے (6) کو آسانی سے تبدیل کر لیتے ہیں یعنی۔

$$X + M + LTC + STC_{p} = 0 = STC_{o} + G \quad (7)$$ میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

جہاں STC_{p} کل نجی کم عرصے والا سرمایہ ہے اور لائن سے اوپر کی مدوں میں آتا ہے، اور STC_{o} کم عرصے کا سرکاری سرمایہ ہے اور لائن کے نیچے جاتا ہے۔ ایک سال سے زیادہ کی مدت میں واجب الادا یہ۔ ایس تمسکات جو غیر ملکیوں کے ہاتھ میں ہوں۔ یعنی ریاستہائے متحدہ کی حکومت کے عام تمسکات اور رُدسہ بونڈوں کے مخصوص سودے — LTC میں نہیں STC_{o} میں شامل کیے جانے چاہئیں۔ یو۔ ایس کے خسارے کو کم رکھنے کے لیے ریاستہائے متحدہ کی حکومت کو غیر ملکی دینداریوں کی پیشگی ادائیگیوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جانا چاہیے۔ یہ تشکیل کم عرصے کے سرمائے کی نجی اور سرکاری حرکات کے بیچ امتیاز کو غالباً بہت زیادہ تیکھا کر دیتی ہے۔ بنک آف اٹلی کے اپنے ڈالروں کو تجارتی بنکوں سے دوبارہ خرید لینے کے ایک معاہدے کے تحت بیچ دینے کے رواج کا ذکر گذشتہ باب میں کیا گیا تھا۔ سوئس اور جرمن

پرائیوٹ بینک ہر جون اور دسمبر میں بیرونی مبادلہ کے ذخیروں کو متعلقہ مرکزی بینکوں پر لاد دینے کا رجحان رکھتے ہیں کیونکہ وہ "دریچہ آرائی" کرتے ہیں یعنی بینک کی صورت حال کا ششماہی کچا چٹھا تیار کرتے ہیں جس میں وہ غالباً بڑی گھریلو رقوم اور بیرونی مبادلہ کی کم مقدار دکھانا پسند کرتے ہیں ـــــ گویا وہ کسی کو بھی بیوقوف بنا سکتے ہیں۔

اختیاری بنام تلافی کن مدیں :

مساوات (7) جو تمام نجی افعال کو لائن سے اوپر سرکاری لین دین کو لائن کے نیچے رکھتی ہے اس امتیاز کا اعادہ کرتی ہے جو بین الاقوامی زرِ نقد فنڈ نے اپنی پہلی 1949 میں جاری کردہ Balance of Payments Year Book میں ایک جانب اختیاری اور نجی لین دین اور دوسری طرف سرکاری یا تلافی کن مدوں کے بیچ کیا تھا۔ اختیاری اور تلافی کن حرکات کے بیچ امتیاز کرنا درست ہے۔ جب اختیاری طور پر ہونے والی حرکات کسی مناسب مدت میں ایک دوسرے کی نفی کر دیتی ہیں اور تلافی کن حرکات کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی میزان ادائیگی متوازن رہتا ہے لیکن نجی حرکات کو اختیاری سمجھنا اور سرکاری کو تلافی کن کہنا تجزیہ کو مناسب حدود سے آگے لے جانے کے مترادف ہے۔ مثال کے طور پر پروفیسر میچلپ نے اس وقت IMF کی مذمت کی جب فنڈ نے مارشل پلان کے تحت سرکاری لین دین کو تلافی کن ادائیگیوں میں شامل کیا۔ انھوں نے کہا کہ یہ کہنا اتنا ہی یا اس سے بھی زیادہ صحیح ہے کہ یورپ کے چالو کھاتے کے خسارے مارشل پلان کے تحت سرکاری انتقالات سے رونما ہوئے ہیں۔ جتنا یہ کہنا کہ مارشل پلان کے انتقالات نے رواں کھاتے کے خساروں کو پورا کیا۔

دشواری کی جڑ یہی ہے۔ اختیاری حرکات کو لائن کے اوپر اور تلافی کن حرکات کو لائن کے نیچے رکھنا قطعی درست ہے۔ لیکن کوئی صرف ایک اور نہ بدلنے والا ایسا طریقہ نہیں ہے جس سے حتمی طور پر یہ طے کیا جا سکے کہ کونسی حرکت کس خانے میں جائے گی۔ آغاز میں بیرونی امداد تلافی کن ہو سکتی ہے لیکن غیر محسوس طور پر اختیاری شکل اختیار کر سکتی ہے۔ سمندر میں کب تبدیلی آئے گی یہ کہنا ناممکن ہے۔ اور کوئی نیا تلا قاعدہ جس کا یہ دعویٰ ہو کہ فلاں اور فلاں لین دین ہمیشہ اختیاری ہوگا اور فلاں اور فلاں تلافی کن کبھی نہ کبھی دشواری کا شکار ہوگا۔

بنک کار بنام تاجر :

مساوات (6) (5) اور (7) سب ہی قلیل مدتی سرمائی حرکات کے ایک بڑے حصے کو لائن سے اوپر رکھتی ہیں یا مساوات کے بائیں جانب۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کچھ قلیل مدتی سرمایہ خاص طور پر گھریلو، تجارت کے حجم میں رجحانات جیسے گہری جڑوں والے عوامل کے نتیجہ میں حرکت کرتا ہوا خیال کیا جاتا ہے اور اس لیے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس میں ادائیگیوں کے رُخ بدلنے سے کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوتی۔ ریاستہائے متحدہ کے قلیل مدتی سرمائے کے باہر کی جانب بہاؤ اور تجارت کے حجم کے بیچ تعلق کو باب ۱۹ میں نوٹ کیا گیا تھا۔ لیکن یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ سارے کا سارا گھریلو نجی قلیل مدتی سرمایہ تھوڑے عرصے کے محرکات سے بے نیاز ہوتا ہے۔ 1966ء کے موسم گرما میں باہر سے ملک کے اندر قلیل مدتی سرمائے کا بہاؤ اس کا ثبوت مہیا کرتا ہے اسے میزان میں باقاعدہ لین دین کی مدوں میں شمار کیا گیا تھا اور سرکاری لین دین سے بے باق کردہ بقایا کو ریاستہائے متحدہ میں طویل مدتی سرمائی بہاؤ کے مساوی قرار دیا گیا تھا۔

آپ کو باب ۱۹ کے حوالے سے یاد ہوگا کہ سود کی شرحوں میں تبدیلیوں کے زیر اثر پیدا ہونے والی قلیل مدتی سرمائی حرکات موٹے طور پر میزان ادائیگی میں اور کسی حد تک زرعی نظام کے اندر سونے کی حرکات کے مانند کام کرتی ہیں۔ سونے کی حرکت تلافی کن ہونے کی صورت میں قلیل مدتی سرمائے کا وہ بہاؤ جو دو معنیٰ میں اس کی جگہ لیتا ہے اور جسے سرکاری پالیسی کے اقدام سے تحریک ملی ہوتی ہے۔ (مثلاً یوں سمجھئے کہ منہائی کی شرح میں تبدیلی سے) باعتبار نوعیت تلافی کن قرار دیا جا سکتا ہے۔ ہال بی لیری جو موجودہ آفیسر والتھر لیڈیر رہے کچھ عرصے پہلے تک محکمہ تجارت میں میزان ادائیگی کے تخمینے تیار کرنے کے ذمہ دار تھے ان کی رائے میں تلافی کن حرکات کے اندر لائن کے نیچے ان تمام قلیل مدتی سرمائی حرکات کو شامل کیا جانا چاہیے جو زرعی پالیسی یعنی سود کی شرحوں میں تبدیلیوں کے زیر اثر رونما ہوتی ہیں۔

لیری کی از سر نو مرتب میزان ادائیگی کی مساوات ان سرمائی حرکات کو، جو شرح سود میں تبدیلیوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں باقی قلیل مدتی حرکات سے جن کو یہ تبدیلیاں متاثر نہیں کرتیں الگ کرنے کی دشواری کے پیش نظر ممکن ہے ناقابل استعمال ہو تاہم انھوں نے بنک کار

اور تاجر کے بیچ جو امتیاز کیا ہے وہ پر معنیٰ ہے۔ اس امتیاز کا لب لباب یہ ہے کہ جو بنے تلے روایتی اصول کسی تاجر کے لیے موزوں ہوتے ہیں ان کا کسی بنک کار پر لاگو ہونا ضروری نہیں ہے نیز یہ کہ محکمہ تجارت کی توازن کی تعریف اس ملک کے لیے صحیح ہو سکتی ہے جو بنیادی طور پر تاجر ہے لیکن ریاستہائے متحدہ کے لیے جو بین الاقوامی بنک کاری تجارت کا ایک حصہ دار ہے اس میں ترمیم کی بڑی گنجائش ہے۔

کسی عام تجارت کی مثال لیجیے۔ یہ 1 : 2 کا یہاں املاک یا رواں تناسب حاصل کرنا چاہتی ہے یعنی اپنی جلد واجب الادا یا رواں دینداری کے ایک ڈالر کے بدلے 2 ڈالر بشکل زر نقد یا دیگر سیال املاک کی صورت میں رکھنا چاہتی ہے۔ اس سے اسے اپنے ذمہ مطالبات کے یک لخت پیش کر دیے جانے کے خلاف تحفظ کی گنجائش نکل آتی ہے اور وہ مال کے ذخیرہ کو تیزی سے فروخت کرنے یا اپنے مطالبات کو وصول کرنے میں پیش آنے والی امکانی دشواریوں سے بے نیاز ہو سکتی ہے۔ رواں تناسب سیاست کا ناپ ہے قرضے ادا کرنے کی صلاحیت کا نہیں۔ اس کا حساب لگانے میں مانگتے ہی ادا کی جانے والی تمام دینداریوں کو خطرناک تصور کیا جاتا ہے اور سب ہی رواں املاک کو زر نقد میں تبدیلی کے لائق نہیں مانا جاتا۔

اس کے برعکس ایک بینک اپنی تجوری کے زر نقد اور فیڈرل رزرو سسٹم کے پاس جمع رزروز اور اپنی مانگ دینداریوں کے بیچ لگ بھگ 1 سے 6 یا 8 کے تناسب پر کام کرتا ہے۔ وہ تجربہ سے جان جاتا ہے کہ اس کی سبھی دینداریوں کو زر نقد میں تبدیلی کے لیے بہر حال پیش نہیں کیا جاتا ہے۔ ان دینداریوں کا استعمال بطور زر کیا جاتا ہے اور وہ ایک سے دوسرے ہاتھ میں پہنچتی رہتی ہیں۔ ہر ایک بینک کو اپنے پر چڑھائی (جمع کردہ رقوم کی واپسی ایک دم بڑی مانگ) کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اس کے لیے اسے اپنے ثانوی رزروز کو زر نقد کی شکل دینے اور فیڈرل رزرو سسٹم نیز FDIC جیسی ایجنسیوں سے بلوں کو دوبارہ بھنانے کی امداد لینے کی ضرورت پڑ سکتی ہے لیکن اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اس کی صلاحیت کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ وہ موجود جمع رقوم کے نکالے جانے کی ضرورت کو جمع کردہ نئی رقوم اور وقت پورا ہو جانے کے سبب واپس لوٹتے ہوئے قرضوں نیز سرمایہ کاری سے دستیاب زر نقد کے ذریعہ کس حد تک پورا کر سکتا ہے۔ یہ دعویٰ تجزیہ کے غلط استعمال پر دلالت کرتا ہے کہ جب بھی کسی بنک کی جمع رقوم اور قرضے نیز سرمایہ کاری بڑھتی ہے یا اس کی سیال املاک کا تناسب

2 سے کم ہو جاتا ہے وہ خسارہ میں رہتا ہے۔

ریاستہائے متحدہ بلاشبہ ایک فرم ہے اور بینک بھی لیکن اس کی سیالیت کسی فرم کی نسبت بینک کی سیالیت سے زیادہ مماثلت رکھتی ہے۔ جیسا کہ تمام ابھی ابتدائی درسی کتابوں میں بیان کیا جاتا ہے بینکوں کے رزرو زر ایک عجوبہ ہوتے ہیں۔ جب کوئی بھی بینکوں کو مشکوک نظر سے نہیں دیکھتا ان کی حاجت نہیں ہوتی (سوائے اس صورت کے جب ادائیگیوں اور وصولیابیوں کے عام بہاؤ میں ہم آہنگی نہیں رہتی)۔ جب بینک پر کوئی بھی اعتبار نہیں کرتا تو 100 فیصد رزرو بھی ناکافی ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بات صحیح ہے کہ بینکوں کا نشو و نما ہوتا ہے ان کی املاک اور دینداریاں بڑھتی ہیں۔ اگر ان کی املاک میں ہونے والے اضافہ کا شمار کیے بغیر ان کی واجب الادا دینداریوں میں اضافے کو دیکھا جائے تو وہ دیوالیہ ہوتے ہیں عام طور پر املاک میں اتنا ہی اضافہ ہوتا ہے۔ مگر بینکوں کی نشو و نما کا جائزہ لینے میں اس امر کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے تاہم املاک عام طور پر دینداریوں کے تناسب میں بڑھتی ہیں۔ ریاستہائے متحدہ کے کیس میں بنیادی املاک سونا حال کے برسوں میں 25 ملین ڈالر کی مالیت سے گھٹ کر 12 ملین ڈالر کے برابر رہ گیا ہے جبکہ 20 سال پہلے کے مقابلہ میں (1947) مانگ دینداریاں 5 ملین ڈالر سے بڑھ کر 29 ملین ڈالر ہو گئی ہیں۔ 1947ء کا رزرو تناسب فیاضانہ طور پر اونچا تھا لیکن یہ تناسب اتنی مستعدی سے کم ہوتا رہا ہے کہ آج بینک پر اعتماد کو مشکوک تصور کرنے کا جواز موجود ہے۔

سرکاری سودوں سے بے باق میزان میں نجی اور سرکاری جمع کے بیچ امتیاز مضر ہے۔ اس امتیاز کا مفروضہ یہ ہے کہ نجی جمع لوگ اپنی مرضی سے بینک میں رکھتے ہیں جبکہ سرکار ایسا مجبوراً کرتی ہے۔ اس فرق میں کچھ جان معلوم ہوتی ہے جیسا کہ فرانس کی اپنی بیشتر جمع کو واپس نکال لینے کی کارروائی اور دیگر زرئی اختیاریوں کے مالیہ باقیات کو زیادہ تر سونے کی شکل میں لینے کے عمل سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس امتیاز کو مبالغہ کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ ڈالر دنیا کا مبادلہ کا ذریعہ اور حساب کی اکائی ہے۔ ایسی صورت میں فرانسیسی حکام تک اپنی کام چلاؤ رقوم ڈالر کی شکل میں رکھتے ہیں۔ صرف احتیاط اور سٹہ بازی کے لیے درکار رقوم (بقول کینز) سونے میں رکھی جاتی ہیں۔

کوئی بینک "خسارہ میں" اس وقت ہوتا ہے جب وہ اپنی واضح اور یقینی دینداریوں کے بالمقابل مشکوک املاک کے رہا ہو۔ (جس سے قرضوں کی ادائیگی کی صلاحیت کے بارے میں

وہ سوال پیدا ہوتا ہے جس پر مساوات (3[2]) کے سلسلے میں بحث کی جا چکی ہے) یا جب اس کی فہرست تمسکات غیر متوازن ہو اور اس میں سیال املاک تناسب کم ہوتا جا رہا ہو۔ لیکن لمبے عرصے کے قرضے دینے اور کم مدت کے قرضے لینے سے ہی خسارہ کی صورت پیدا نہیں ہو جاتی بشرطیکہ زر رد کے تناسب کو قائم رکھا جا رہا ہو۔ لمبے قرض دینا اور چھوٹے قرض لینا یہ کام تو مالیاتی ادارے جن میں بینک بھی شامل ہیں کرتے ہی ہیں۔ ہاں اس میں زیادتی ہو سکتی ہے۔ سیال، ثانوی، اور طویل مدتی املاک میں تمسکات کو مناسب مقام حاصل ہونا چاہیے اور جمع کردہ رقوم کی نازک مزاجی پر نظر رکھنی چاہیے۔ لیکن ایسے روایتی اصول کہ فلاں املاک کو شامل کرنا چاہیے یا فلاں دینداری سے احتراز کرنا چاہیے۔ ضرورت سے زیادہ میکانکی ہوتے ہیں۔

ایک پرانی کہانی ایک ایسے آدمی کا تذکرہ کرتی ہے جس نے خادمہ کو دو ابلے ہوئے انڈے اور ایک میٹھا بول رینے کی فرمائش کی اور یہ میٹھا بول کیا نکلا "انڈے مت کھاؤ"۔ پس یہاں میزانِ ادائیگی کے توازن کے پانچ تصورات پیش کیے گئے ہیں۔ تجارتی ملکوں کے لیے بنیادی میزان کافی ہے اور ریاستہائے متحدہ میں تاجرانہ رول کے لیے بھی یہ اتنا ہی موزوں ہے۔ تاہم جب ہم بنک کاری کے میدان میں قدم رکھتے ہیں تو نپے تلے روایتی اصول رہنمائی کی بجائے گمراہ کرتے ہیں۔ اعداد و شمار پر مبنی کسی حسابی طریقہ میں امکانات کی تقسیم کا اوسط اور فرقیہ نکال کر یہ کہا جا سکتا ہے اور ہر ایک جمع کو واپس نکالا جا سکتا ہے۔ اچھے بنک کار یہی کام فطرتاً کرتے ہیں حساب کے ذریعہ نہیں۔

ریاستہائے متحدہ کے جمع کنندگان بینک کے اندر کتنا اعتماد رکھتے ہیں اس کی ایک نشاندہی بینک سے سونے کی نکاسی سے ملتی ہے۔ جدول 1۔24 میں بنیادی میزان، باقاعدہ سودوں کی میزان، سرکاری سودوں سے بے باق کردہ میزان، اور ریاستہائے متحدہ کا سونے کا زیاں۔ 1961، 1964 اور 1966 کے سالوں کے لیے پیش کیے گئے ہیں۔ یہ مختلف تعداد رقم کے اعتبار سے اور سال بہ سال مختلف رہتے ہیں۔

2۔ اگر $LTC + STC = 0 = X + M$ جہاں $LTC < 0$ اور $STC > 0$ ہے تو یہ مانا جائے گا کہ طویل مدتی املاک اپنی، لاگت سے زیادہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ورنہ $X + M = LTC + STC \neq$ ہوگی جس میں بائیں طرف منفی ہوگی اور دائیں مثبت جو ایک خسارائی پوزیشن ہے۔

جدول 24.1

حال کے برسوں میں متبادل تعریفوں کے تحت ریاستہائے متحدہ کے میزانِ ادائیگی میں عدمِ توازن کا ناپ (بلین ڈالر)

	1964	1965	1966
بنیادی میزان	-0.9	-3.0	-2.1
باقاعدہ سرودوں کی (سیالیت) میزان	-2.8	-1.3	-1.4
سرکاری لین دین سے بے باق کردہ میزان	-1.5	-1.3	+0.2
سونا *	-0.1	-1.7	-0.6

* خسارے کو سونے کی برآمدات سے پورا کیے جانے کو ظاہر کرنے کے لیے علامات کو الٹ دیا گیا ہے۔

بحوالہ: یو۔ ایس محکمہ تجارت "مالیہ تجارت کا جائزہ" جون 1967

1965 میں فرانس کے بعد زیادہ سونا نکالنے کے بعد 1966 میں سونے کے زیاں میں کمی آنے سے بہرحال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بینک (ریاستہائے متحدہ کا) 1964 اور 1965 کے مقابلہ میں 1966 میں زیادہ بہتر طور پر کام کر رہا تھا اگرچہ پرانی کسوٹیاں اس کے خلاف شہادت فراہم کرتی ہیں۔ یہ بات بڑی مضحکہ خیز ہوگی اگر حال کے برسوں میں میزانِ ادائیگی کا اتنا باریک مطالعہ کرنے کے بعد بھی ہم اسی ناقص نتیجہ پر پہنچیں جس سے سونے پر بہت زیادہ زور دینے والے تجارت نوازوں کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔

اعداد و شمار :

جدول 24.2 میں بروکنز کی رپورٹ سے 55-1953 اور 60-1958 کے لیے میزانِ ادائیگی کی مدوں کے اوسط پیش کیے گئے ہیں۔ اس میں بنیادی میزان اور باقاعدہ سرودوں کے میزان یا میزان سیالیت پر زور دیا گیا ہے (یہاں اسے کل باقی میزان کہا گیا ہے)۔ جدول 24.3 برنسٹائن کمیٹی رپورٹ سے ایک مختصر کردہ خلاصہ پیش کرتی ہے۔ اس میں

سرکاری سودوں سے بے باق کردہ میزان اور باقاعدہ سودوں سے متعلق میزان میں ہم آہنگی پیدا کی گئی ہے۔ ان جدولوں کو مختلف تصورات کے بیچ بے اصولی رشتوں کو واضح کرنے کے لیے پیش کیا گیا ہے اگرچہ سرکاری میزان ہمیشہ باقاعدہ سودوں کی میزان سے کم رہتا ہے۔

جدول 24.2

ریاستہائے متحدہ کے بنیادی اور کل باقی میزان ادائیگی میں رونما ہونے والی اہم تبدیلیاں۔
اوسط برائے 55-1953 اور 60-1958 (ملین ڈالروں میں)

مد	1953-55 اوسط	1958-60 اوسط	تبدیلی
اشیاء اور خدمات	13.1	17.3	+4.2
اشیاء کی برآمدات	-10.9	-14.3	-3.4
اشیاء کی درآمدات	2.2	3.0	+.8
میزان تجارت	-2.7	-3.2	-0.5
فوجی اخراجات	1.7	2.2	+.5
سرمایہ کاری سے خالص آمدنی	-.2	-.5	-.3
دیگر خدمات (خالص)	.9	1.5	+.6
خالص اشیاء اور خدمات			
امداد اور طویل مدتی سرمایہ			
سرکاری امداد	-2.1	-2.7	-.7
یو۔ایس نجی طویل مدتی سرمایہ	-.9	-2.5	-1.6
غیر ملکی طویل مدتی سرمایہ	.3	.4	+.1
خالص امداد اور طویل مدتی سرمایہ	-2.6	-4.9	-2.2
بنیادی میزان	-1.7	-3.4	-1.7
غیر ملکی قرضوں کی پیشگی ادائیگی	.....	.1	+.1
یو۔ایس قلیل مدتی سرمائے کی درج شدہ حرکات اور غلطی و بھول	.1	-.5	-.6
کل خالص (باقی) میزان	-1.6	-3.7	-2.1

ان جدولوں سے ایک ایسا نکتہ سامنے آیا ہے جس پر بہت زیادہ زور دینے کی ضرورت ہے۔ میزان ادائیگی دو مدوں کو اس وقت تجزیاتی اعتبار سے آپس میں منسلک کرنا غلط ہے جب تک ان میں باہم تعلق کا کوئی آزادانہ ثبوت موجود نہ ہو۔ جیسا کہ مثال کے طور پر کناڈائی بینک کی نیویارک شاخ میں جمع کردہ رقوم کے ریاستہائے متحدہ میں دوبارہ بطور سرمایہ لگایا جانا۔ لندن میں ڈالر کی ان جمع رقوم کا کیس تھا جنھیں نیویارک میں لگایا گیا تھا۔ ہم باب 25 میں سود اور نفع کے حصہ کو لاطینی امریکہ میں لگائے گئے نئے سرمائے سے مقابلہ کرنے کی غلطی کا ذکر کر چکے ہیں۔ یہ نکتہ اور عام مفہوم میں پیش کرنے کے لائق ہے۔

جدول 24.3

ریاستہائے متحدہ کے میزان ادائیگی 66-1958 کا مختصر خلاصہ مع ہم آہنگی پیدا کرنے والی مدوں کے (ملین ڈالروں میں)

1966	1965	1964	1963	1962	1961	1960	1959	1958	
4.2	5.8	7.6	4.9	4.3	4.9	3.2	2.0	1.5	اشیاء، خدمات اور بھیجی گئی رقوم
24.2	26.2	25.3	22.0	20.0	19.9	19.5	16.3	10.3	اشیائی برآمدات
-25.5	-21.5	18.6	-17.0	-16.1	-14.5	-14.7	-15.3	-13.0	اشیائی درآمدات
3.3	3.2	1.0	2.1	2.2	2.0	1.1	1.2	1.0	خالص خدمات اور بھیجی گئی رقوم
-2.8	2.1	2.1	2.2	2.3	2.6	2.7	2.8	-3.1	فوجی ادائیگیاں اور وصولی
-3.4	-3.0	-3.7	-3.4	-3.7	-3.5	-2.8	-2.4	-2.0	یو-ایس کی امداد اور سرمایہ (خالص) قرضوں کی پیشگی ادائیگیوں کو چھوڑ کر
-1.5	-4.6	-4.3	-3.3	-2.7	2.2	2.1	1.7	2.6	طویل مدتی نجی سرمایہ (خالص)
2.7	0.1	1.5	0.6	0.1	0.0	0.1	1.1	0.0	بیرونی ملکوں کے قلیل مدتی قرضے (خالص)
0.1	1.2	-1.7	-0.3	-0.5	-1.3	-1.0	-0.1	-0.2	دیگر قلیل مدتی نجی سرمایہ (خالص)
-1.0	0.2	0.0	0.3	0.7	0.4	0.0	0.4	0.3	غیر ملکی سرکاری سرمایہ زری اداروں کے مطالبات کو چھوڑ کر
-0.4	-0.4	-0.9	-0.3	1.1	[illegible]	-0.8	0.7	0.5	خالص غلطی اور بھول
+0.2	-1.3	-1.5	-2.3	-3.3	-2.0	-3.5	-2.5	-3.0	سرکاری طور پر بے باقی میزان

نفی: غیر ملکی بینکوں کے قلیل مدتی آنے والے سرمائی دھارے	2.7	0.1	1.5	0.4	0.1	0.6	0.1	1.1	0.0
دیگر بیرونی سیال مطالبات	0.2	0.3	0.3	0.4	0.1	0.1	-0.2	-0.0	0.2
غیر ملکی سرکاری سرمایہ جیسے اوپر	1.0	0.2	0.0	0.3	0.4	0.4	0.6	0.4	0.3
جمع: دیگر کاٹ چھانٹ بشمول عددی صفائی	0.3	0.6	0.5	0.1	0.1	0.0	0.1	-0.2	0.0
باقاعدہ سودوں سے متعلق میزان	-1.4	1.3	-3.8	-3.5	-3.6	3.1	-3.9	-4.2	3.5

میزان ادائیگی میں تمام نام اندراج تمام جمع اندراجوں کا تعین کرتے ہیں اور اس کے برعکس یہی صحیح ہے۔ اور تجزیاتی اعتبار سے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ بعض جمع کردہ نام اندراجوں اور جمع اندراجوں کے بیچ عدم توازن کسی ایک یا زیادہ نام و جمع اندراجوں میں تبدیلی کی وجہ سے رونما ہوتا ہے۔ جدول 24.2 میں مجموعی اور بنیادی میزان کے خراب ہونے کی ذمہ داری اتنی ہی مقدار کے باہر جانے والے نجی سرمائے کے سر تھوپنے کی طمع دل میں پیدا ہو سکتی ہے لیکن اس سے بچنا چاہیے۔ یا جدول 24.3 کو ریاستہائے متحدہ کی سرکاری امداد در دیے جانے والے قرضوں میں شیطان چھپا نظر آتا ہے۔ کبھی کبھی ہمیں اس بات کا علم ہوتا ہے کہ سود اور حصص نفع کا کچھ حصہ باہر پھر بطور سرمایہ لگا دیا گیا ہے اس لیے یہ مدیں منسلک ہوتی ہیں یا غیر ملکی امداد بندھی ہوئی ہوتی ہے پس برآمدات کو امداد کے ساتھ جوڑا جاتا ہے۔ ایسی جانکاری دستیاب نہ ہونے کی صورت میں ہم صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک عام توازن کا نظام ہے۔ یہاں سب سب کا تعین کرتے ہیں یہ کام اُن کڑیوں کے ذریعہ انجام پاتا ہے جو انھیں گھریلو اور بیرونی قیمتوں اور آمدنیوں کی جانب لے جاتی ہیں اور ان کے پیچھے شوق دلپسند، وسائل، ٹکنالوجی، گھریلو اور غیر ملکی پالیسیوں سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ درحقیقت اشیائی برآمدات اور درآمدات کے بیچ اس مقابلہ کے خلاف جیسا مساوات (۱) میں کیا گیا ہے ایک بڑا مضبوط کیس تیار کیا جا سکتا ہے حالانکہ ایسا مقابلہ کرنا ایک بڑی پرانی روایت ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اشیائی برآمدات دیگر تمام جمع اندراجوں کے ساتھ مل کر درآمدات سے منسلک ہیں اور تمام دیگر نام اندراجوں سے بھی۔ نام اندراجوں کا کوئی زمرہ ایسا نہیں ہے جس سے وہ دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ تعلق

رکھتی ہوں (سوائے اس صورت کے جہاں ہمیں اشیاء سے اشیاء کے تبادلے کا براہ راست علم ہو)

اگر اشیاء کی میزان کے تصور کی افادیت مشکوک و مبہم ہے تو سیاحت کی میزان سود اور حصص نفع کی میزان، تکنیکی فرق (جیسے پیٹنٹس اور ٹکنالوجی کے لیے دی گئی رقوم میں قرضوں کو نکال کر نا پایا جاتا ہے) کے تصورات تو دور بھی زیادہ مشتبہ ہو جاتے ہیں۔ غالباً یہ نسبتی فائدہ یا خصوصیت برداری کے اچھے ناپ ہیں تاہم ان کا مطلب یہ نکلتا معلوم ہوتا ہے کہ صفر میزان کی تھوڑی بہت اہمیت ہوتی ہے یا بیشی حاصل کرنے کی کوشش کی جانی چاہیے۔ اس طرح کی میزانی مساوات کی ایک جارحانہ شکل ریاستہائے متحدہ کا یہ اصرار ہے کہ جرمنی کو اس سے اتنی ہی مالیت کا فوجی سامان خریدنا چاہیے جتنا ریاستہائے متحدہ جرمنی میں (خود اپنی حفاظت کے لیے) فوج رکھنے پر خرچ کرتا ہے۔ ریاستہائے متحدہ کے لیے سیاحت کے فرق پر توجہ مرکوز کرنا بھی بیکار ہے۔ اس کی وضاحت اس امکان سے ہو جاتی ہے کہ غیر ممالک جوابی کارروائی کے طور پر سود اور حصص نفع کے فرق کو کم کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ مصنف کا ایک معاشی دوست اس تصور پر طنز یہ حملہ کرتے ہوئے ریاستہائے متحدہ کے کیلا فرق کا رونا روتا ہے۔

قرضداری کا میزان :

جدول 24.7 ریاستہائے متحدہ کا 1914 سے 1966 تک منتخب سالوں کا میزان قرضداری پیش کرتی ہے۔ اس کتاب کے پچھلے ایڈیشنوں میں قرضداری کی میزان کو بڑی نرمی کے ساتھ میزان ادائیگی سے کم اہمیت کا حامل تجویز کیا گیا تھا کیونکہ مختلف اقسام کی املاک کی مالیت کا تخمینہ لگانا مشکل ہوتا ہے اور اصل میں پوری جانکاری بھی نہیں مل پاتی۔ براہ راست بیرونی سرمایہ کاری کو کتابی قیمت پر لیا جاتا ہے یعنی ابتدائی سرمایہ کاری میں آئندہ ہونے والے اضافے جوڑ دیے جاتے ہیں اور کمیاں اس میں سے کم کر دی جاتی ہیں۔ یہ بازاری قیمت کا صحیح ناپ ہے یا اسے ان کی چالو ادارے کی حیثیت سے قیمت کا نمائندہ نہیں کہا جا سکتا۔ علاوہ ازیں بعض سرکاری قرضے شاذ ہی کسی قیمت کے حامل ہوتے ہیں کیونکہ ان کی واپسی غیر ملکی کرنسیوں میں کی جاتی ہے اور انھیں زرِ نقد میں واپس پانے کا امکان بہت کم ہوتا ہے۔

تاہم بیان کی شکل میں اپنی کمزوری کے باوجود میزانِ قرضداری کے اندر دلچسپی میں اضافہ ہوا ہے کیونکہ ریاستہائے متحدہ کے بینک کار کی حیثیت کے تصور نے زیادہ نمایاں

پوزیشن حاصل کرلی ہے۔ بعض املاک کی قیمت کم کی جانی چاہیے تھی مگر کی نہیں گئی اور کچھ مخفی املاک دکھائی نہیں جاتیں ان وجوہات کی بنا پر ممکن ہے کسی بینک کا تختہ میزان ۱۰۰ فیصد وضاحت کا حامل نہ ہو، کوئی بینک کتنا مضبوط اور سیال ہے یہ اندازہ لگانا رقم جمع کرنے والے کا ہنر ہے۔ خورد بینک کے لیے یہ کام بینک انسپکٹر انجام دیتا ہے۔

جدول 24.4

ریاستہائے متحدہ کی منتخب سالوں میں بین الاقوامی سرمایہ کاری کو میدان میں پوزیشن
۱۹۱۴ - 66 (ملین ڈالروں میں)

	1914	1919	1930	1939	1946	1955	1966
ریاستہائے متحدہ کی بیرونی سرمایہ کاریاں	3.5	7.0	17.2	11.4	18.7	44.9	112.0
نجی	3.5	7.0	17.2	11.4	13.5	29.0	86.2
طویل مدتی	3.5	6.5	15.2	10.8	12.3	26.7	75.6
براہ راست	2.6	3.9	8.0	7.0	7.2	19.3	54.6
تمسکاتی	0.9	2.6	7.2	3.8	5.1	7.4	21.0
قلیل مدتی		0.5	2.0	0.6	1.3	2.4	10.7
یو۔ ایس حکومت					5.2	15.9	25.6
طویل مدتی					5.0	15.2	21.0
قلیل مدتی					0.2	0.7	4.4
ریاستہائے متحدہ میں بیرونی سرمایہ کاریاں	7.2	4.0	8.4	9.6	15.9	29.6	60.4
طویل مدتی	6.7	3.2	5.7	6.3	7.0	12.6	27.0
براہ راست	1.3	0.9	1.4	2.0	2.5	4.3	9.1
تمسکاتی	5.4	2.3	4.3	4.3	4.5	8.3	17.9
قلیل مدتی*	0.5	0.8	2.7	3.3	8.4	17.0	33.4
ریاستہائے متحدہ کی کل املاک قرضخواہی پوزیشن	3.7	3.0	8.8	1.8	2.8	15.3	51.6

* یو۔ایس کے تمسکات شامل ہیں

خالص طویل مدتی	69.8	29.3	10.3	4.5	9.5	3.3	3.2
خالص قلیل مدتی	19.2	13.9	7.4	2.7	0.7	0.3	0.5

خلاصہ :

کسی ملک کا میزان ادائیگی رپورٹ کرنے والے ملک کے باشندوں اور تمام غیر ممالک کے باشندوں کے مابین ہونے والے کل معاشی لین دین کا ایک منضبط ریکارڈ ہوتا ہے۔ کون باشندہ ہے اور معاشی لین دین کیا ہے ان امور کو طے کرنے کے بعض مسائل کو پہلے حل کرنا پڑتا ہے لیکن حصول مقصد کے لیے رپورٹ کرنے کی کوئی بھی باوضع اسکیم اس وقت تک معقول رہتی ہے۔ جب تک اس کی تنظیم اس طرح کی جاتی رہے جس سے جن کاموں کے لیے اسے استعمال کرنا مقصود ہو وہ پورے ہوتے رہیں۔ بیشتر ممالک کے میزان ادائیگی کا اہم ترین استعمال کسی ملک کے بین الاقوامی معاشی رابطوں کو اختصار کے ساتھ پیش کرنے کے لیے ہوتا ہے تاکہ وہ زری، تحصیلی، مبادلہ اور دیگر پالیسیوں میں ہماری رہنمائی کر سکیں۔ شروع میں میزان ادائیگی کا تخمینہ بیرونی زر مبادلہ کے ذرائع اور استعمالات کو واضح کرنے کے لیے تیار کیا جایا کرتا تھا اور بعد میں اس کو یہ پتہ لگانے کے لیے استعمال کیا جانے لگا کہ گھریلو آمدنی کے تعین میں بین الاقوامی لین دین کا مثبت یا منفی کتنا حصہ رہتا ہے۔ آج کل ریاستہائے متحدہ میں دلچسپی کا مرکز پھر بیرونی زر مبادلہ ہوتا جا رہا ہے۔ ریاستہائے متحدہ کی بین الاقوامی سیالیت کی پوزیشن پر خاص طور سے نظر رکھی جا رہی ہے۔

میزان ادائیگی میں کل لین داریاں کل دینداریوں کے برابر ہونے کی وجہ سے توازن سے قربت کو دیکھنے کے لیے متعدد جزوی میزانیہ تیار کیے گئے ہیں۔ اس مقصد کے لیے اشیائی میزان دو ... روں کھاتہ بہت زیادہ کارآمد ثابت نہیں ہوتے۔ بنیادی میزان سے یا روان کھاتے میں سے ہوئی مدتی ... نی ... مدت نکال کر (یا سرمائی درآمدات جمع کر کے) یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ طویل ... یہ منتقل ہوا ہے یا نہیں ہے۔ ہمہ گیر میزان یا باقاعدہ سودوں سے متعلق میزان استعداد ادائیگی سے زیادہ سیالیت کو ناپنے کے لیے تیار کیا جاتا ہے اور یہ فرض کر لیتا ہے کہ مانگ دینداریوں کو ... نا دی ہوگا جبکہ اس کے لیے ضروری سیال املاک دستیاب نہیں ہوتیں۔ سرکاری لین دین سے

متعلق میزان یہ مان لیتا ہے کہ باہر سے آنے والا نجی سرمائے کا دھارا رضاکارانہ طور پر جاری رہتا ہے لیکن سرکاری دھارے غیر رضاکارانہ ہوتے ہیں اور صرف حساب کتاب کی کمی کو پورا کرنے کے لیے عمل میں لائے جاتے ہیں۔ یہ تمام تصورات کسی ایسے ملک پر جو بنک کار کے طور پر کام کرتا ہے کم اور تاجر کی حیثیت رکھنے والے ملک پر زیادہ لاگو ہوتے ہیں۔

جب تک یہ بات یقینی طور پر معلوم نہ ہو کہ زیر غور مدوں کے بیچ سببی رشتہ موجود ہے اس وقت کسی نام مد کو کسی جمع مد سے منسلک کرنا یا کسی بیشی یا کمی کو مخالف علامت کے ساتھ کسی واحد مد سے جوڑنا صحیح نہ ہوگا۔

میزان قرض واجب الادا مطالبات اور دینداریوں کا ایسا بیان ہوتا ہے جس کی صحت ناپنے کی دشواریوں کے پیش نظر مشکوک رہتی ہے تاہم ایک بنک کار ملک کی سیالی پوزیشن پر کشش ہونے کی وجہ سے اس کے اندر دلچسپی میں اضافہ ہو رہا ہے۔

مطالعہ کے لیے تجاویز :

درسی کتابیں

دیکھیں Snider ابواب xvi, xviii ، Yeager باب iii ، Kenen حصہ اول، Kemp باب ... - اسی ترتیب میں یہ مطالعے دشوار ہوتے جاتے ہیں۔

تحقیقی رسائل وغیرہ

دیکھیں

Report of the Review Committee for Balance of Payments statistics to the Bureau of the Budget, The Balance of Payments Statistics of the United States, A Review and Appraisal (Bernstier Report (Washingten D.C.U.S. Government) Printing Office 1965)

Walter S.Salant et al , The United States Balance of Payments in 1968 (Brooking Report (Washington D.C:The Brookings Institution 1963) (Papeerback) ; Hal B.Lary, Problems of the United States as world Trader and Banker

(Princeton No.) ; Princeton University Press 1963)

R.Nurkse in American گا ہے بگا ہے شائع ہونے والے ادب میں دیکھیں مقالہ

Economic Association, Reading in the Theory of International Trade; Walther Ledere, The Balance on Foreign Transactions; Problems of Definition and Measurement, Special Papers in International Economic (Princetion N.S.September 1963)

C.P.Kindleberger, Balance of Payments Deficits and the International Market for Liquidity" NIP N May 1965; and Robert Triffen , The Balance of Payments and the Foreign Investment Position of the United States",September 1966.

لیڈرل۔ محکمہ تجارت کی پوزیشن پر نکتہ چینی کرنے والا ایک قدر پرانا مضمون یہ ہے۔

Walter R.Gardner "An Exchange-Market Analysis of the United States Balance of Payments" SP May 1961.

نکات

جدول 24.1 محکمہ تجارت کے Survey of Current Business

(Washington D.C 24.1 U.S.Govern- ment Printing Office, monthly کے میزانِ ادائیگی کے بیانات سے اخذ کی گئی ہے۔ جدول 24.4 کا بھی یہی ذریعہ ہے۔ جدول 24.2 برونکز رپورٹ کے صفحہ 15 سے لی گئی ہے اور جدول 24.3 برنسٹائن کمیٹی رپورٹ کے صفحہ 9 سے ہے اس میں کچھ چیزیں بعد کے survey of Current Business سے لی گئی ہیں۔ جدول 24.4 میں میزان قرض بھی اسی کے اگست کے شماروں سے درج ہیں۔

IMF کے ترمیمی مالیات کے تصور پر پروفیسر میچلپ کی نکتہ چینی کے لیے دیکھیں ان کا مقالہ

Three concepts of the Balance of Payments and the So-called Boller Dollar Shortage" EJ Harch 1950, reprinted in F Matchlup "International Payments Debts and Gord 'New York' : Charles Seribner's Sons 1964.

باب 25 توازن میں خلل اندازیاں

توازن :

گذشتہ باب میں میزان ادائیگی کی ہر ممکن نوعِ توازن پر بحث کے پیشِ نظر ایسا معلوم ہوتا ہے گویا یہ تصور ہماری گرفت سے باہر ہے۔ موجودہ باب کے مقاصد کے لیے ہم بنیادی میزان کو بطور توازن استعمال کریں گے اور اس سے انحراف کا جائزہ لیں گے۔ رواں کھاتہ اور طویل مدتی سرمائی دھارا ایک دوسرے سے مطابقت کر لیتے ہیں۔ طویل مدتی سرمائی حرکت بچتوں کی ارادی سطحوں اور "کامل روزگار" کے نقطہ پر گھریلو سرمایہ کاری کے لیے موزوں سمجھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ رواں کھاتہ کے پس پشت شوقِ دلپسند، وسائل، پیداواری رابطوں بشمول ٹکنالوجی اور زرعی رسد ہوتے ہیں۔ جو پہلے ہی سے قیمتوں کی گھریلو اور بیرونی سطحوں کے بیچ شرح مبادلہ کے ذریعہ ایک مناسب باہمی ربط پیدا کر دیتے ہیں۔ کسی ملک کے اندر باہر کے مقابلہ میں قیمتیں نسبتاً بہت زیادہ اونچی ہونے کی صورت میں رواں کھاتہ کے طویل مدتی سرمائی حرکت کے اعتبار سے منفی یا ناکافی طور پر مثبت ہونے کا امکان رہتا ہے اور شرح مبادلہ کو ضرورت سے زیادہ تصور کیا جاتا ہے اس کے برعکس اگر بیرونی قیمتوں کے مقابلہ میں ملک کے اندر قیمتیں کم رہتی ہیں تو رواں کھاتہ ناکافی طور پر منفی یا بہت زیادہ مثبت رہتا ہے اور شرح مبادلہ ضرورت سے زیادہ نیچی خیال کی جاتی ہے۔

مساوات قوت خرید کا فیصلہ :

پہلی عالمی جنگ کے اختتام پر سوئیڈن کے ایک معاشی گسٹو کیسل نے "توازن" سے انحراف کا حساب لگانے کے لیے ایک طریقہ اخذ کیا تھا۔ دورانِ جنگ تجارت میں خلل پڑا تھا۔

مختلف ملکوں میں زری حالات الگ الگ راہوں پر چل نکلے تھے۔ اور جب غیر ملکی تجارت دوبارہ شروع ہوئی تو مبادلہ کی ایک ایسی نئی شرح منتخب کرنے کا مسئلہ سامنے آیا جو حساب کتاب کو متوازن رکھ سکے۔ کیسل نے یہ تجویز پیش کی اس شرح کو مقرر کرنے کے لیے مساواتِ قوت خرید کی سطح مناسب رہے گی۔ اس کا حساب کسی عرصہ بنیاد سے جہاں میزان ادائیگی میں تسلی بخش ہم آہنگی رہ چکی ہو قیمتوں کی سطحوں میں نسبتی انحرافات کو ناپ کر لگایا جا سکتا تھا۔ دو کرنسیاں A اور B جن کی ادائیگیاں عرصہ 0 میں معقول طور پر ہم آہنگ رہ چکی ہوں انھیں وہ شرح مبادلہ (R) منتخب کرنی چاہیے جو ان کی قیمتوں میں عرصہ 0 اور بعد کے عرصہ 1 کے بیچ تبدیلیوں کی عکاسی کرے۔

$$R_1 : R_0 = \frac{P_{a1}}{P_{b1}} \quad \frac{P_{a0}}{P_{b0}}$$

یا

$$R_1 : R_0 \quad \frac{P_{a1}}{P_{a0}} \quad \frac{P_{b1}}{P_{b0}}$$

اگر A میں قیمتیں (P)، B میں قیمتوں کی نسبت دوگنی ہو جاتی ہیں (عرصہ 0 اور 1 کے درمیان) تو شرح مبادلہ (R) آدھی رہ جانی چاہیے۔ (یا مقامی کرنسی میں بیرونی زر مبادلہ کی قیمت دوگنی ہو جانی چاہیے)۔ یہ مساواتِ قوت خرید کے فلسفہ کی 'نسبتی' شکل ہے۔ دوسرا اور 'مطلق' فلسفہ اس مفروضے پر تکیہ کرتا ہے کہ تجارت کے باعث اشیائی قیمتیں تمام دنیا میں مساوی ہو جانی چاہئیں۔ A کی قیمتوں کو رائج شرح مبادلہ کے ذریعہ B کی کرنسی میں بدلنے پر اشیاء A کی نسبت B میں زیادہ مہنگی ہونے کی صورت میں A کی کرنسی کی قیمت اس مہنگائی کی فیصد سے ضرورت سے زیادہ اونچی ہو گی۔

بلاشبہ مساواتِ قوتِ خرید کا نظریہ اپنی 'مطلق' شکل میں تجارت کے ذریعہ اشیائی قیمتوں کے برابر ہو جانے پر تکیہ نہیں کر سکتا۔ اس کا سبب نقل و حمل کی لاگتیں ہیں۔ نقل و حمل کی لاگتوں کی وجہ سے جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں تمام اشیاء تجارت میں شامل نہیں ہو پاتیں اور یہ کہ درآمد کرنے والے ملک میں اشیاء برآمد کرنے والے ملک کی نسبت بقدر نقل و حمل کی لاگت زیادہ ہوتی ہیں۔ بارتھ تھیکر جو مطلق مفہوم کے پیروکار ہیں ایک زیادہ پیچیدہ دلیل کا سہارا لیتے ہیں۔ تجارت قریب قریب عوامل پیداوار کو مساوی بنانے کی کوشش کرتی ہے۔ پیداواری عوامل کی قیمتیں برابر ہو جانے

اور تجارت نہ کی جانے والی اشیاء کے پیداواری رابطے ایک جیسے ہونے پر جن اشیاء کی تجارت نہیں ہوتی ان کی قیمتیں تجارت میں شامل ممالک کے اندر برابر ہوں گی چاہے ایسے بازاروں کو اشیائی حرکت کے ذریعہ جوڑنا ناممکن ہی کیوں نہ ہو۔

مساواتِ قوتِ خرید کا فلسفہ یہ فرض کر لیتا ہے کہ بنیاد میں میزانِ ادائیگی بحالتِ توازن تھی اور مزید یہ کہ اس توازن کے پس پشت کارفرما عوامل میں کوئی ڈھانچائی تبدیلیاں نہیں ہوئی ہیں یعنی ٹکنالوجی، وسائل، شوق و پسند بشمول رجحان بچت کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ ایسی تبدیلی کی ایک مثال جس سے مساواتِ قوتِ خرید کا نظریہ ڈگمگانے لگتا ہے۔ ٹیزلر نے پیش کی ہے۔ یہ سرمائی حرکت میں ہونے والی وہ تبدیلی ہے جسے ہم مان لیجیے بچت کے رجحان میں ہونے والی کمی کا نتیجہ قرار دے سکتے ہیں۔ اگر کسی ملک کے پاس فالتو بچتیں ہیں اور وہ انھیں عرصہ 0 میں باہر سرمایہ کاری کے لیے استعمال کرتا ہے لیکن عرصہ 1 میں صرف کی شرح نسبتاً اونچی اور بچت کی کم رکھتا ہے جس سے سرمائے کی برآمدات کم ہو جاتی ہیں تو عرصہ 1 میں قیمتیں عرصہ 0 کے مقابلہ میں اونچی رہ سکتی ہیں کیونکہ اب سرمایہ باہر منتقل کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ایک مثال سیموئلسن نے پیش کی ہے۔ اس میں لاگتیں یکساں رہتی ہیں اور تین اشیاء ہیں۔ پہلے ملک A چیز x برآمد کرتا تھا اور y اور z اشیاء درآمد۔ اب شوق و پسند میں تبدیلی کے پیش نظر A کو x اور y برآمد کرنی پڑتی ہیں اور z درآمد۔ لاگتوں یا قیمتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی لیکن y کو درآمدات سے برآمدات کے خانے میں لانے کے لیے شرح مبادلہ کو بدلنا پڑے گا۔

مساوات قوت خرید پر نظریاتی اعتراضات کو بلاسا کے تجربی عملہ سے تقویت پہنچتی ہے۔ انھوں نے ہاؤتھ تھیکر کے اشیاء صرف کی قیمتوں کے اعشاریوں کے استعمال کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ ہاؤتھ تھیکر نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ جرمن سرکار کے Statistisches Bundesamt کے مرتب کردہ ان اشاریوں کے لحاظ سے مارچ 1962 میں ریاستہائے متحدہ کا ڈالر ڈوئس مارک کے مقابلہ میں بقدر 2.22 فیصد شرح میں ضرورت سے زیادہ قیمت رکھتا تھا۔ بہت سی حکومتیں مختلف مقامات پر رہن سہن کی لاگت کا حساب لگاتی ہیں تاکہ وہ اپنی فارن سروس کے عملہ کے مہنگائی الاؤنس کو ضرورت کے مطابق درست رکھ سکیں۔ جرمنی کی اعداد و شمار سے متعلق حکام نے اس سلسلہ میں خاص طور پر احتیاط سے کام لیا ہے۔ اور اپنے نتائج کو شائع کیا ہے۔ نشر کے مثالی فارمولے کے حساب سے ریاستہائے متحدہ کی قیمتیں جرمن قیمتوں سے 2.22 فیصد

زیادہ ثابت ہوئیں۔ لہٰذا ڈالر کی قیمت بقول ہاؤسٹھ تھیکر مطلق معنیٰ میں بقدر 2.22، فیصد زیادہ اونچی رہی ہے۔

قوت خرید کی مساواتوں کا حساب لگانے میں کس قیمت اشاریہ کا استعمال کیا جانا چاہیے یہ سوال بڑا پیچیدہ رہا ہے۔ اگر ان اشیاء کی قیمتوں کو لیا جائے جن کی بین الاقوامی تجارت ہوتی ہے اور جن کے سلسلے میں نقل و حمل کی لاگتیں غیر اہم ہوتی ہیں تو ایک قیمت کا قانون اس فلسفہ کو بیکار کر دیتا ہے۔ ان اشیاء کی تجارت ایک واحد بازار میں ہوتی ہے۔ اور کسی واحد بازار میں صرف ایک ہی قیمت ہو سکتی ہے۔ صرفی قیمتوں کے اشاریوں میں وہ اشیاء بھی شامل ہوتی ہیں جن کی بین الاقوامی تجارت نہیں ہوتی۔ لہٰذا وہ مساوات قوت خرید کے فلسفہ کے تکرار بالمعنی عنصر سے دور رہتے ہیں۔

لیکن صرفی اشاریوں میں جیسا بلاسہ نے بتایا ہے بہت سی ذاتی خدمات شامل ہوتی ہیں۔ ان کی نہ صرف تجارت نہیں ہوتی بلکہ ان کی قیمتیں معاشی نشو و نما سے ہم آہنگ نہیں رہتیں۔ اس کا سبب بڑا پیچیدہ ہے۔ کارکردگی بڑھنے سے مشاق صنعتوں میں اجرتیں زیادہ ہو جاتی ہیں۔ تاہم اجرتوں میں اضافے کے باوجود ان صنعتوں میں تکنیکی ترقی کی وجہ سے اشیاء کی قیمتیں پرانی سطح پر قائم رہ سکتی ہیں۔ لیکن جن صنعتوں میں تکنیکی ترقی نہیں ہوئی ہے یا اس ترقی کی رفتار دھیمی رہی ہے انھیں بھی اپنے مزدوروں کی اجرتوں میں اضافہ کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ انھیں چھوڑ کر کسی اور پیشے میں نہ چلے جائیں۔ کارکردگی میں جمود اور اجرتوں میں اضافے کے سبب ان صنعتوں کی تیار کردہ اشیاء کی قیمتیں بڑھ جائیں گی۔ ذاتی خدمات، تعلیمی کام وغیرہ —— کی قیمتوں میں اضافہ کے لحاظ سے رہن سہن کی لاگت تو بڑھ جاتی ہے مگر میزان ادائیگی پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یک طرفہ تکنیکی ترقی کی اس دنیا میں مساوات قوت خرید سے مطلق یا نسبتی انحرافات کو رہن سہن کی لاگت سے نہیں ناپا جا سکتا۔

اس نکتہ کو زیادہ عام شکل میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ مساوات قوت خرید مختلف اقسام کی اشیاء کے لحاظ سے مختلف ہوگی اور اس لیے وہ شرح مبادلہ بھی جو اس کی رو سے طے پانی چاہیے مختلف رہے گی۔ O E C D نے زرئی آمدنیوں کو بازاری شرح مبادلہ کے ذریعہ مختلف ملکوں کے بیچ حقیقی آمدنی سے مقابلہ کیا تو بڑے زبردست اختلافات سامنے آئے۔ اشیاء سے خدمات کی جانب آنے پر پتہ چلا کہ زیادہ پیداواری کارکردگی والے ملکوں کی

مبادلہ شرحوں میں (اصل کے مقابلہ میں) زیادتی قیمت کا عنصر بڑھتا جا رہا ہے۔ مبادلہ کی چالو شرحوں پر زرعی آمدنیوں کو تبدیل کر کے حقیقی فی کس آمدنی کا مقابلہ کرنا یکسر گمراہ کن ہے خوش قسمتی سے ماہرین معاشیات کے مقاصد کے لیے قومی آمدنی کے کافی محدود زمروں کے لیے ہی حقیقی پیداوار کا مقابلہ کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اخذ کردہ تخمینوں سے ہم مختلف اقسام کے حریفوں کے لیے علیحدہ علیحدہ مساواتِ قوت خرید نکال سکتے ہیں۔

آخر میں یہ اور یاد رکھنا چاہیے کہ مساوات قوت خرید کا فلسفہ رواں کھاتے کے سودوں کو ہی سب سے زیادہ زیب دیتا ہے جب کہ مبادلے کے بازار بہت سی اقسام کی سرمائی حرکات سے بھی متاثر ہوتے ہیں۔ بجت کے دھاروں کی بابت میٹزلر کے نکتہ کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ یہ دھارے ملکوں کے مابین نسبتی قیمتوں کے علاوہ اور بہت سے عوامل کا اثر قبول کر سکتے ہیں۔ سوئٹزرلینڈ کا رواں کھاتہ روایتی طور پر خسارہ کا شکار رہتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی اشیاء اور خدمات کی قیمتیں نسبتاً اونچی رہتی ہیں۔ تاہم سوئٹزرلینڈ کی کرنسی کو ملک کے اندر سیال سرمائے کی بڑی رقوم آتے رہنے کی وجہ سے مبادلہ بازار میں عام طور پر بڑا مضبوط تصور کیا جاتا ہے اور دنیا میں کسی بھی دیگر جگہ بحران کے وقتوں میں شرح میں اضافہ کا اہم امیدوار رہتا ہے۔ مساوات قوت خرید کا فلسفہ تاجر قوموں کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ وہ ایسے ملک کی شاذ ہی کوئی رہنمائی کر سکتا ہے جو بیک وقت تاجر بھی ہو اور بینک کار بھی۔

بنیادی عدم توازن :

بین الاقوامی زری فنڈ کے سمجھوتے کے ضابطے جن پر ۱۹۴۴ میں بریٹن وڈ کے مقام پر دستخط کیے گئے تھے شرح مبادلہ میں تبدیلی کے لیے حدود کا تعین کرتے ہیں: فنڈ نے جس ابتدائی شرح کی منظوری دی ہو اس میں 5 فیصد تک تبدیلی کسی بھی وقت ...... کی جا سکتی ہے۔ ۱۰ فیصد تبدیلی فنڈ کو بتا کر کر سکتے ہیں۔ اور بنیادی عدم توازن کی صورت میں فنڈ کے ڈائرکٹروں کی اجازت سے کوئی بھی تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ لیکن سمجھوتے کے ضابطوں میں کسی بھی جگہ بنیادی عدم توازن کی تعریف نہیں کی گئی ہے اور نہ ہی فنڈ کے دروازے کھلنے کے تقریباً 2 سال بعد تک کے عرصے میں اس کے ڈائرکٹروں کے غور و خوض نے اس پر مزید کوئی روشنی ڈالی۔ قیمت کی سطحوں کے مقابلہ کے ذریعہ عدم توازن کو ناپنے کی دشواری گذشتہ جز میں واضح کی جا چکی ہے۔

کسی خاص توازن کو بنیادی نوعیت کا حامل قرار دینا بھی اتنا ہی دشوار ہے۔ بنیادی کا مطلب انحراف کے سائز اور اس کی گہرائی سے ہو سکتا ہے۔ بہرحال معاشی تجزیہ کسی ایک واحد قسم کے عدم توازن کو کسی اور کے مقابلہ میں زیادہ بنیادی ثابت کرنے میں ناکام رہا ہے۔

عدم توازن کی قسمیں:

ایک بعد والی سرکاری تنظیم O E C D کی معاشی پالیسی کمیٹی کی جماعتِ عاملہ نمبر 3 نے 1966ء میں "ان کیسوں کے درمیان جہاں عدم توازن متعلقہ ملک میں گھریلو مانگ کی سطح ناکافی ہونے، یا عالمی بازاروں میں مسابقانہ طاقت بہت زیادہ یا کم ہونے یا ضرورت سے زیادہ سرمائی حرکات کے سبب پیدا ہوا ایک موٹے امتیاز" کو مفید پایا۔ عاملہ جماعت کی رپورٹ اپنے تجزیہ کو یہ کہہ کر مشروط کرتی ہے کہ عدم توازن کے کثیر اسباب پیدا ہو سکتے ہیں۔ بہرحال بعض حالات میں ادائیگیوں میں نابرابری کا سبب اور اس کا علاج دونوں بالکل سیدھے سادے ہوتے ہیں۔ مانگ کی کسی غیر مناسب سطح کو گھریلو مانگ میں تبدیلی کرکے ٹھیک کرنا چاہیے۔ مسابقانہ قوت کی زیادتی یا کمی شرح مبادلہ میں ضروری رد و بدل سے صحیح کی جا سکتی ہے اور ضرورت سے زیادہ سرمائی حرکات کو ان پر کنٹرول کے ذریعہ قابو میں رکھا جا سکتا ہے۔

یہ ضرورت سے زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے۔ یہ حل تو مانگ کی سطح غیر مناسب ہونے کے اسباب کے معاملہ کی گہرائی میں جاتا ہے اور نہ ہی مسابقانہ طاقت میں تبدیلی کی وجوہات پر غور کرتا ہے۔ یہ طویل مدتی سرمائی حرکات کی کمی کا کوئی لحاظ نہیں رکھتا اور یہ تاثر دیتا ہے کہ یہ

جدول 25.1

بین الاقوامی معاشی توازن کی قسمیں

	آمدنی	آمدنی اور/یا قیمت	قیمت
قلیل مدتی	سائیکلی عدم توازن	افراط زر؛ شرح مبادلہ میں غیر مناسب تبدیلی	اشیائی سطح پر ڈھانچائی عدم توازن
طویل مدتی یا گہری جڑوں والا		تبدیلی منضبط تکنیکی	عوامل کی سطح پر ڈھانچائی عدم توازن

حرکات بہت زیادہ تو ہو سکتی ہیں مگر بہت کم نہیں۔ موجودہ مقاصد کے پیش نظر ان معاشی عوامل کا اعادہ کرنا بہتر ہوگا جو میزانِ ادائیگی کے پس پشت کارفرما ہوتے ہیں۔ ان عوامل کا تعلق معاشیات خورد و کلاں دونوں سے ہے۔

آیئے ہم عدم توازن کی ان صورتوں میں امتیاز کریں جن میں طویل مدتی سرمایہ حرکات ہوتی ہیں یا نہیں ہوتیں یا جن میں یہ حرکات ناکافی رہتی ہیں۔ طویل مدتی سرمائی حرکات کی عدم موجودگی میں یا یہ حرکات ناکافی ہونے پر عدم توازن کو تین خانوں میں باٹنا جا سکتا ہے: وہ جو آمدنی سے پیدا ہوتے ہیں، وہ جو ڈھانچائی اسباب سے ظہور میں آتے ہیں اور نسبتی قیمتوں پر مشتمل ہوتے ہیں اور وہ جو آمدنی اور قیمت دونوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ جدول 25.1 درجہ بندی کی ایک ایسی اسکیم پیش کرتی ہے جسے قلیل اور طویل مدت کے اثرات کے لحاظ سے بھی تقسیم کیا گیا ہے۔

آمدنی کے عدم توازن وہ ہوتے ہیں جن میں نسبتی قیمتوں میں کسی اہم تبدیلی کے بغیر باہر کی قومی آمدنیوں کے مقابلہ میں قومی آمدنی بدل جاتی ہے (یا اس کے برعکس ہوتا ہے)۔ ڈھانچائی تبدیلیاں وہ ہوتی ہیں جو بنیادی طور پر نسبتی قیمتوں میں رونما ہوتی ہیں ان کے لیے قومی آمدنی میں کسی اہم تبدیلی کا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ درمیانی زمرے میں شرح مبادلہ میں شرح مبادلہ یا گھریلو افراطِ زر کی تبدیلیوں کے سبب قیمت میں کمی یا زیادتی پیدا ہو جانے کے کیس شامل ہیں یہ آمدنی اور قیمت کے کیس ہیں۔ ان میں باضابطہ تکنیکی تبدیلیاں بھی آجاتی ہیں جو زری آمدنی میں اضافے یا قیمتوں میں کمی یا دونوں کا سبب ہو سکتی ہیں۔ اس بات پر پھر زور دینے کی ضرورت ہے کہ یہ درجہ بندی حد درجہ من مانی ہے کینز کے ماڈل کی سہولت کچھ بھی کیوں نہ ہو حقیقی دنیا میں نسبتی قیمتوں میں تبدیلیاں پیدا کیے بغیر آمدنی میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ معیشت کے زرعی اور صنعتی سیکٹروں کے بیچ شرائط تجارت کا سائیکلی طرزِ عمل اس امر کا ایک ثبوت ہے۔ نسبتی قیمتوں میں کسی تبدیلی کے بغیر سطح قیمت میں تبدیلی تبھی ممکن ہو سکتی ہے جب تمام اشیاء کے لیے آمدنی لچکیں برابر ہوں اور رسد کے قوس ملتے جلتے ہوں۔

اس کے برعکس آمدنی کی کل سطح میں کسی طرح کی تبدیلی کے بغیر نسبتی قیمتوں میں تبدیلی کا امکان بہت ہی کم ہوتا ہے۔ برآمد یا درآمد کی قیمتوں میں کوئی بھی ایسی تبدیلی جس سے برآمدات اور درآمدات بدل جائیں مثال کے طور پر آمدنی میں تبدیلی کا سبب بن جائے گی۔ x یا (y) m میں کسی بھی تبدیلی سے y لازماً متاثر ہوگی۔

افراطِ زر :

ایسے بہت سے ماہرینِ معاشیات ہیں جو میزان ادائیگی سے متعلق بیشتر دشواریوں کو گھریلو افراطِ زر کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ اس سے یہ مطلب نکالا جا سکتا ہے کہ میزانِ ادائیگی کی زیادہ تر مشکلات کو زر کی بے افراطی کے ذریعہ حل کیا جا سکتا ہے۔ (افراطِ زر کے خلا کو ختم کر کے اور کارگر مانگ کو کامل روزگار کی سطح تک گھٹا کر) یا کم از کم افراطِ زر کو روک کر اور شرح مبادلہ میں ضروری تبدیلی کر کے ایسا کیا جا سکتا ہے۔

اس موقف میں سچائی کا بڑا عنصر ہے۔ بہت سے حالات میں زر کی بے افراطی سے میزانِ ادائیگی میں کافی سدھار پیدا کیا جا سکتا ہے۔ کچھ تو آمدنی کم ہونے سے درآمدات براہِ راست طور پر کم ہو جاتی ہیں اور جن اشیاء کو پہلے ملک میں خریدا جا رہا تھا اب وہ باہر بھیجنے کے لیے دستیاب ہو جاتی ہیں۔ دوسرے قیمتیں گرنے سے ملک کا بازار غیر ملکیوں کے لیے خریداری کے لیے بہتر اور مال بیچنے کے لیے خراب ہو جاتا ہے اس سے برآمدات کو سہارا ملتا ہے درآمدات کم ہوتی ہیں۔ پھر آج کل کے مقرر کردہ قیمتوں کے زمانے میں افراطِ زر دور کرنے سے مقامی آرڈر منسوخ کر دیے جاتے ہیں اور اس طرح بیرونی آرڈروں کو پورا کرنے میں تاخیر کم ہوتی ہے اور آخر میں افراطِ زر کو روکنے اور شرح مبادلہ کو درست کرنے سے سٹہ بازی کا وہ استحکام کش رخ بدل سکتا ہے جس سے افراطِ زر سے بیرونی زرِ مبادلہ کے رزرو کے براہِ راست ہونے والے نقصان میں اور اضافہ ہو رہا تھا۔ اور اگر افراطِ زر روکنے کی مہم کو قاعدے سے چلایا جاتے تو باہر لگا ہوا گھریلو سرمایہ لوٹنا شروع کر سکتا ہے اور زرِ مبادلہ کے عاملہ رزرو زیریں پھر سے وجود میں آسکتے ہیں۔

جب بہت زیادہ صَرف سرمایہ کاری یا سرکاری اخراجات کی وجہ سے افراطِ زر مانگ آزیدہ ہوتا ہے تو عدمِ توازن بنیادی طور پر آمدنی کی کا ہوتا ہے۔ اگرچہ جیسا کہ ابھی کہا گیا ہے تبدیلی قیمتوں میں بھی ہوگی۔ جہاں افراطِ زر مزدوری۔ قیمت دھکے ۔۔ طے کردہ اجرتوں میں اضافے سے طے کردہ قیمتوں میں اضافہ ہونے سے ۔۔۔ پیدا ہو تو بنیادی طور پر قیمت کے رابطوں کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اگر ملک حد درجہ مسابقانہ بازاروں میں اپنا مال بیچتا ہو تو برآمدات کی قیمتیں دی ہوئی ہونگی اور افراطِ زر کا دباؤ برآمد کنندگان کے نفع کو نچوڑ دے گا۔ جہاں برآمد کنندگان خود ہی اپنی قیمتوں کو مقرر کرتے ہیں وہاں نفع کی گنجائش بنی رہ سکتی ہے لیکن مہنگی ہونے کی وجہ سے اشیاء

بتدریج عالمی بازاروں سے نکال دی جائیں گی۔

یہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ ہم نسبتی افراطِ زر کی بات کر رہے ہیں مطلق کی نہیں۔ اگر تمام ملکوں میں افراطِ زر ایک ہی شرح ہو رہا ہو اور کوئی زری سراب موجود نہ ہو یعنی کوئی شخص اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کر اپنی خرچ کی عادتیں نہ بدلے کہ اس کی زری آمدنی بڑھنے سے اس کی حقیقی آمدنی میں اضافہ ہو گیا ہے تو میزان ادائیگی میں کوئی عدم توازن رونما نہ ہو گا۔ دشواری اس بات سے پیدا ہوتی ہے کہ ایک کی نسبت دوسرے ملک میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے کا رجحان یا مزدوری۔ قیمت دھکا زیادہ تیز ہوتا ہے۔

تجارت میں رکاوٹ کے بعد زیادتیٔ شرح:

جنگ اور اس کے بعد تعمیر نو سے افراطِ زر پیدا ہوتا ہے۔ اونچی گھریلو مانگ اور کمیابیوں اور بہت سی مرتبہ تجارتی شاہراہوں کی ناکہ بندی کی وجہ سے تجارت میں رکاوٹ پڑنے کے دوران مختلف ملکوں میں افراط مختلف شرحوں پر رواں دواں ہوتا ہے۔ تجارت شروع ہونے پر مبادلہ شرحیں صحیح راستے سے ہٹی ہوئی ہوتی ہیں۔ اجرتوں اور زری آمدنیوں کو کم کرنے کی دشواریوں —— اجرتیں اس اعتبار سے مماثلت سے عاری ہوتی ہیں کہ وہ جس تیزی اور آسانی سے بڑھتی ہیں گرتی نہیں —— کے سبب عام طور پر شرح مبادلہ کو افراطِ زر کی شرحوں کے ساتھ ہم آہنگ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ مساوات قوت خرید کے فلسفہ کے سلسلے میں اس صورت حال پر پہلے ہی بحث کی جا چکی ہے۔
سائیکلی عدم توازن، آمدنی کے مختلف انداز اور درآمدات کے لیے مانگ کی ایک جیسی لچکیں۔

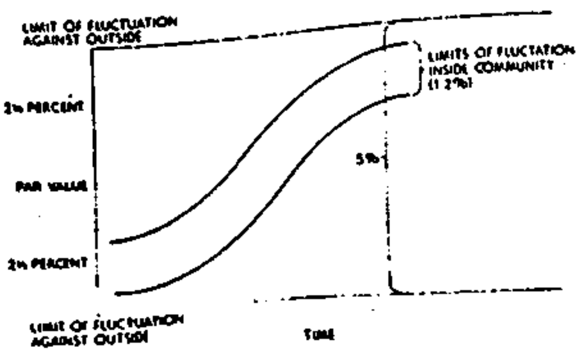

آمدنی کا سائیکلی راستہ :

سائیکلی عدم توازن یا تو مختلف ملکوں میں تجارتی سائیکلوں کی مختلف راہیں اختیار کرنے کی وجہ سے یا درآمدات کے لیے مختلف ملکوں میں مانگ کی لچکوں میں اختلاف کے سبب پیدا ہوتا ہے۔ دو ملکوں کی مثال لے کر ہم اس امر کی وضاحت کچھ آسان خاکوں کے ذریعہ کر سکتے ہیں۔ شکل 25.1 میں B میں قومی زرعی آمدنی مستحکم رہتی ہے اور A میں سائیکلی طور پر بڑھتی گھٹتی ہے۔ درآمدات کے لیے آمدنی لچک وہی رہ سکتی ہے یا بدل سکتی ہے۔ B میں آمدنی مستحکم رہنے کی وجہ سے وہاں درآمدات کے لیے آمدنی لچک کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس صورت حال میں A کی درآمدات (اور B کی برآمدات) مندی میں کم اور خوشحالی کے زمانے میں بڑھیں گی۔ B کی درآمدات (A کی برآمدات) پرانی سطح پر قائم رہیں گی۔ نتیجۃً مندی میں A کو فاضل برآمدات حاصل ہونگی اور خوشحالی میں درآمدات برآمدات سے زیادہ رہیں گی۔ اور B کو A میں مندی ہونے پر خسارہ رہے گا اور A میں خوشحالی ہونے پر اس کو فاضل برآمدات حاصل ہوں گی۔

اگر A اور B دونوں کی قومی آمدنیاں A کے سائیکلی راستے پر گامزن ہوں اور دونوں ملکوں میں درآمدات کی آمدنی لچکیں اکائی کے برابر ہوں اور اس لیے مساوی تو کوئی عدم توازن رونما نہیں ہوگا۔ اس کی تشریح شکل 25.2 سے ہوتی ہے۔ برآمدات اور درآمات قومی آمدنی کے ساتھ بڑھتی اور گرتی ہیں۔ لیکن ایک ہی مقدار سے۔ خالص سائیکلی عدم توازن کے لیے سائکلیں ایک ضروری شرط ہیں لیکن کافی شرط نہیں۔

آمدنی لچکوں کا رول :

شکل 25.3 ایک ایسی صورت حال تجویز کرتی ہے جہاں قومی آمدنیاں ایک ہی سائیکلی راہوں میں مختلف ہوتی ہیں۔ لیکن درآمدات کے لیے آمدنی لچکیں مختلف رہتی ہیں۔ اس کیس میں A کی آمدنی لچک اکائی سے زیادہ ہوسکتی ہے اور B کی اکائی سے کم۔ A درآمدات اشیائے تعیش ــ سیاحی سفر، عطریات، اور مثال کے طور پر ورہسکی ــ پر مشتمل ہوتی ہیں اس کے برعکس B کی درآمدات ضروریات زندگی ــ گیہوں، مکان گرم کرنے کے لیے کوئلہ، اور اخباری کاغذ ــ پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ان مفروضوں کے ہوتے ہوئے بھی مندی میں A کی برآمدات فاضل ہوں گی،

جبکہ اس کی درآمدات (B کی برآمدات) اس کی برآمدات (B کی درآمدات) سے نیچے گر جاتی ہیں۔ B کے میزانِ ادائیگی پر اس کا الٹا اثر ہو گا۔

سائیکلی آتار چڑھاؤ کا ارتقاء پذیر نمونہ:

اس کتاب کے گذشتہ ایڈیشنوں میں بغیر کسی حیل و حجت کے یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ ریاستہائے متحدہ کی میزانِ ادائیگی خوشحالی کے دور میں مخالف اور مندی کے زمانے میں موافق ہو جاتی ہے۔ اور موٹے طور پر یہ بات آج بھی صحیح معلوم ہوتی ہے لیکن ادائیگی کی سائیکل کی شکل آج ذرا کم واضح ہے اس کا سبب ایک جانب تجارت کے ڈھانچہ میں اور دوسری جانب توقعات میں ہونے والی تبدیلیاں رہی ہیں۔

قومی آمدنی کے مقابلہ میں درآمدات زیادہ مستحکم ہو گئی ہیں یعنی درآمدات کے لیے مانگ کی آمدنی لچک کم ہو گئی ہے۔ کسی حد تک اس کی وجہ یہ ہے کہ اب خام اشیاء اور نیم مصنوعات کی درآمدات جن میں تغیر و تبدّل کا رجحان زیادہ ہوتا ہے کم ہو گئی ہیں اور ان کی بجائے اشیائے صرف درآمد کی جانے لگی ہیں جن میں کم آتار چڑھاؤ آتا ہے۔ اس صورت میں خاص طور پر ایسا ہوتا ہے جب تحصیلی نظام کے استحکامی عناصر کی پہلے سے موجودگی استعمال پذیر آمدنی کو جو اشیائے صرف پر خرچ کی جاتی ہے قومی آمدنی کی نسبت کمتر حدود میں کم یا زیادہ ہونے دیتے ہیں۔ ایک خرید عامل یہ معلوم ہوتا ہے کہ درآمد کی جانے والی خام اشیاء کی قیمتوں سے متعلق توقعات لچکیلی نہ رہ کر غیر لچکیلی ہو گئی ہیں۔ کوریا کی [illegible]نی سے پہلے لچکیلی توقعات خام مال کی درآمدات میں سائیکلی حرکات کو شہ دینے کا رجحان رکھتی تھیں۔ 1951 سے مندی اور تیزی قیمتوں کے محدود اختلاف کی راہ سے گذر رہی ہیں۔ نتیجہ یہ ہو[illegible] ہے کہ آج ریاستہائے متحدہ میں گذشتہ دہائیوں کے مقابلہ میں درآمدات مختصر حدود میں حرکت [illegible] رہی ہیں۔

علاوہ ازیں مغربی یورپ کی معیشتوں میں نشو و نما کی تیز رفتار نے تقریباً 1950 سے اس بر عظم میں سائیکلوں کو ہموار کر دیا ہے اور برآمدات مانگ کے دھکے کی نسبت رسد کی کھینچ سے زیادہ متاثر ہوئی ہیں۔ نتیجہ: ایک اور جانا پہچانا سائیکلی رابطہ بدل گیا ہے۔ سڈنیس رابرٹسن نے ایک مرتبہ ریاستہائے متحدہ کی سائیکلوں پر یورپ کے دارو مدار کا حوالہ دیا تھا۔ انھوں نے کہا تھا "جب ریاستہائے متحدہ کو چھینک آتی ہے تو یورپ نمونیہ کا شکار ہو جاتا ہے۔" دونوں

معیشتوں کے بیچ آج طویل رشتہ اس درجہ بدل چکا ہے کہ اس کی پُرانی سائیکلی تشریح بالکل بے معنی ہوگئی ہے۔ آج جب امریکہ کو چھینک آتی ہے تو یورپ مشکل سے یہ کہنے کی زحمت کرتا ہے کہ "خدا آپ پر رحم کرے۔"

طویل عدم توازن :

کسی بند معیشت میں معاشیات کلاں کے تجزیہ کے اعتبار سے ایک جانب ایسی سائیکلیں جو استحکام سے انحراف کو بڑھاوا دیتی ہیں موجود ہو سکتی ہیں اور دوسری جانب جمود یا سرگرمی کی طویل لہریں۔ طویل مدتی جمود کے تحت کامل روزگار سے مطابقت رکھنے والی بچتوں کو جذب کرنے کے لیے سرمایہ کاری کے کافی مواقع دستیاب نہیں ہوتے۔ اس کے برعکس معاشی سرگرمی کے لمبے عرصوں میں سرمایہ کاری معیشت کی بچتوں کی نسبت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ بلاشبہ کینز کے نظام میں عدم توازن کا سبب بچت اور سرمایہ کاری کے پیچھے کارفرما عوامل کا اختلاف اور دونوں ہی کا شرح سود کی نسبت کم لچکیلا ہونا ہوتا ہے۔ بچتیں آمدنی اور کسی حد تک دولت اور ادارائی عوامل مثلاً جیون بیمہ اور رہن چھڑانے کے طریقے کے تفاعل ہوتی ہیں۔ ان کے برعکس سرمایہ کاری ایجادات و اختراع، آبادی میں تبدیلیوں، اور انتظامی صلاحیت کی دستیابی جیسے عوامل سے متاثر ہوتی ہے۔ معاشی نشوونما کے اولین مراحل میں ملکوں کے اندر سرمایہ کاری کے مواقع بچتوں کے مقابلہ میں خاص طور پر زیادہ ہوتے ہیں لیکن بعد میں یہ صورت حال الٹ جاتی ہے۔

کسی ملک کی معاشی نشوونما میں بچت اور گھریلو سرمایہ کاری کے بیچ کے رشتوں کو معیشت کھلی ہوئی ہونے کی صورت میں طویل مدتی سرمائی حرکات آسان بنا سکتی ہیں۔ نشوونما کے ابتدائی مراحل میں جب سرمایہ کاری کے مواقع بچتوں سے زیادہ ہوتے ہیں تو کوئی ملک ان کے بیچ کے فرق کو بین الاقوامی قرضوں کے ذریعہ پُر کر سکتا ہے۔ بعد ازاں جب اس کی آمدنی اور بچت اس کی سرمایہ کاری کی ضروریات سے زیادہ ہو جاتی ہے تو وہ قرض واپس کر دیتا ہے اور خود اس کی بیرونی سرمایہ کاری بڑھنے لگتی ہے۔ اور بھی بعد میں اس کی بچت کا رجحان دوبارہ نیچے آ سکتا ہے کیونکہ اثرِ نمائش کے تحت صَرف میں اضافہ ہوتا ہے اور پیداواری مہم سُست پڑ جاتی ہے۔ اس مرحلہ پر ملک اپنے ذخیرہ شدہ بیرونی سرمائے میں سے خرچ کرنے کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ یہ وہ بنیادی عوامل ہیں جن کی تفصیلات تو مختلف ہو سکتی ہیں مگر جو مختلف ملکوں کی میزانِ ادائیگیوں کی اس پُرانی درجہ بندی کے

بس پشت کار فرما تھے جو معاشی ارتقا میں جنگ کے بعد پیدا ہونے والی دلچسپی سے بہت پہلے مروج تھی۔

درجہ بندی کا یہ نظام تجارت کی اشیائی میزان پر ٹکا ہوا تھا۔ بے شک اصل اہمیت رواں کھاتے اور طویل مدتی سرمائے کی ہے۔ ابتداً نشو و نما کے چار مدارج میں امتیاز کیا گیا تھا۔ جو میزانِ قرضداری میں تبدیلی پر منحصر تھے (جدول 25.2)

جدول 25.2

میزان ادائیگی باعتبار مدارج نشو و نما 1

میزانِ قرضداری	رواں کھاتے سے متعلق میزان ادائیگی
نوجوان قرضدار	مجہول
پختہ سال قرضدار	فعال
نوجوان قرض خواہ	فعال
پختہ سال قرض خواہ	متوازن یا مجہول

اس بنیاد پر نوجوان قرضدار قرض لیتا ہوا ہوتا ہے۔ کہنہ سال قرضدار قرض ادا کر رہا ہوتا ہے۔ نوجوان قرضخواہ قرض دیتا ہے اور پختہ سال قرضخواہ یا تو قرض دینا بند کر دیتا ہے یا پھر سرمایہ خرچ کر رہا ہوتا ہے۔ پختہ سال قرضدار اور نوجوان قرضخواہ کے بیچ فرق کی بنیاد میزان ادائیگی نہیں بلکہ میزان قرضداری ہوتی ہے۔ کسی ملک کے ایک سے نکل کر دوسرے مرحلے میں پہنچنے کے عرصے میں میزان ادائیگی لگاتار فاضل برآمدات کو ظاہر کرتا ہے۔ سیدھی بات یہ ہے کہ مطالبات کے مقابلہ میں دینداریوں کی زیادتی دینداریوں پر مطالبات کی زیادتی کا روپ اختیار کر لیتی ہے۔

یوں تو بیشتر مقاصد کے لیے یہ نظام تسلی بخش ہے تاہم آخری مرحلہ کے بارے میں ابہام اور پہلے اور دوسرے کے درمیان کی راہ بے ربط ہونے کی وجہ سے دو اور مراحل کا اضافہ کرنا بہتر رہتا ہے۔

جدول 25.3

میزان ادائیگی باعتبار مدارج نشو و نما۔ 2

مدارج	میزان قرضداری	میزان ادائیگی رواں کھاتہ
1	نوجوان قرضدار	

مدارج	میزان قرضداری	میزان ادائیگی رواں کھاتہ
2	بالغ قرض دار	متوازن
3	پختہ سال قرض دار	فعال
4	نوجوان قرض خواہ	فعال
5	بالغ قرض خواہ	متوازن
6	پختہ سال قرض خواہ	مجہول

شکل 4.25 میزانِ قرضداری اور میزانِ ادائیگی کا ایک اسکیمی خاکہ میزان قرضداری کے مختلف ارتقائی مدارج کے لحاظ سے پیش کرتی ہے شروع کے مدارج میں قرضداری کی پوزیشن مثبت ہوتی ہے اور میزانِ ادائیگی میں رواں کھاتہ منفی رہتا ہے۔ دوسرے مرحلے کے وسط میں رواں کھاتہ بدل کر مثبت ہوجاتا ہے (اور پانچویں مرحلہ کے وسط میں پھر منفی)۔ جب یہ مثبت ہوجاتا ہے تو قرضدار کی میزان قرضداری گھٹنے لگتی ہے اور تیسرے مرحلے کے اختتام پر صفر خط پار کرجاتی ہے (یعنی قرضخواہ کی پوزیشن میں آجاتی ہے) تاہم یہ تبدیلی رواں کھاتے میں قرضخواہ پوزیشن میں کسی تبدیلی کے بغیر ہوتی ہے۔

مختصراً طور پر نشوونما کے عمل کے دوران رواں کھاتے اور اس کے ساتھ طویل مدتی سرمائی حرکات کا یہ طرزِ عمل ہونا چاہیے۔ بہرحال جب طویل مدتی سرمائی حرکات ناکافی ہوتی ہیں تو طویل عدم توازن پیدا ہوجاتا ہے۔ نوجوان اور تیز رفتار سے ترقی کرتے ہوئے ملکوں میں اگر سرمایہ کاری کے مواقع گھریلو بچتوں کی نسبت زیادہ اور زمین نیز محنت موجود ہوں مگر بیرونی قرضے دستیاب نہ ہوں تو ان کا بنیادی میزان خسارہ کا شکار ہوسکتا ہے۔ سرمایہ لگانے کا دباؤ اتنا زبردست ہوتا ہے۔ کہ اسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا لیکن میزان ادائیگی کے خلاء کو پر کرنے کے لیے سرمائی حرکات ناپید رہتی ہیں۔ یا کسی مالدار ملک کے اندر اگر سرمایہ کاری کے مواقع کے مقابلہ میں بچتوں کی زیادتی ہوتی ہے لیکن باہر سرمایہ لگانے والے ادارے کم ہوتے ہیں تو بنیادی میزان میں ہمیشہ بیشی کی صورت رہے گی۔ ممالک کی ایک ایسی دنیا میں جہاں مختلف ملک معاشی نشوونما کے مختلف مدارج پر ہوں اور ان کی ترقی کی رفتاریں یکساں نہ ہوں وہاں بعض ملکوں میں سرمایہ کاری پر بچت

کی زیادتی اور دوسروں میں اس کی کمی کو دور کرنے کے لیے طویل مدتی سرمائی حرکات کی ضرورت رہتی ہے۔ جب اس طرح کی سرمائی حرکات محدود رہتی ہیں جیسا کہ 1930 کی دہائی اور جنگ کے بعد ابتدائی سالوں میں ہوا تھا تو اس کا نتیجہ طویل عرصے کے عدم توازن میں رونما ہوتا ہے۔ بریٹن وڈ میں طویل مدتی سرمائے کی اس ضرورت کو تسلیم کیا گیا تھا اور کارگر بازار سرمایہ کی عدم موجودگی میں ترقیاتی قرضے کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے تعمیر و ترقی کا بین الاقوامی بینک قائم کیا گیا تھا۔

تکنیکی تبدیلی :

ترقیاتی عمل کا ایک اور پہلو جس کا تعلق بچت اور گھریلو سرمایہ کاری کا تعین کرنے والے گہرے عوامل سے ہے لیکن جو بنیادی میزان کو آزادانہ طور پر متاثر کرتا ہے باربط تکنیکی تبدیلی ہے۔ جہاں ملکوں کے مابین ایجادات و اختراعات کی تقسیم اتفاقی طور پر ہوتی ہے وہاں ان کی وجہ سے میزانِ ادائیگی کے لیے ڈھانچائی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں یعنی نسبتی فائدہ میں تبدیلی کے ساتھ مطابقت کیسے پیدا کی جائے۔ بہرحال اگر وہ اتفاقی اور بہت زیادہ نہ ہوں تو تشویش کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی اب کوئی ملک بیشی میزان خود اپنی برآمدات بڑھانے یا درآمدات گھٹانے والی اختراعات کے ذریعہ حاصل کرے گا۔ اور ان خطوط پر جنھیں باب ۱۲ میں پیش کیا گیا تھا خود کو کسی دوسرے ملک کی برآمد بڑھانے یا درآمد گھٹانے والی اختراع کے مطابق ڈھالنے پر مجبور محسوس کرے گا۔

باربط تکنیکی تبدیلی زیادہ مشکل مسئلہ کھڑا کر سکتی ہے۔ ملک A میں ہونے والی کسی اختراع سے B کو برآمدات میں اضافہ یا وہاں سے درآمدات میں کمی کا سبب ہوتی ہے۔ B کے لیے اس وقت تک کے لیے عبوری خسارہ پیدا ہو جاتا ہے جب تک وہ جوڑ کر اس صورت حال میں ایک نئے نسبتی فائدہ سے ہم آہنگ نہیں کر لیتا۔ A میں ایک اور اختراع رونما ہونے پر یہ عمل پھر سے دوہرانا پڑتا ہے۔ اور پھر ایک تیسری B کے لیے عبوری خسارہ جمع ہوتا جاتا ہے اور اختراعی عمل کی سلسلہ وار نوعیت کی وجہ سے ایک دائمی عدم توازن کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ یہ بات یقینی نہیں ہے کہ یہ اکٹھا ہوتا ہوا خسارہ طویل مدتی سرمائی انتقال سے پورا ہو جاتا ہو کیونکہ خسارہ کسی حد تک صرف میں اضافہ کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جو آمدنی کم ہونے پر گھٹنے کے لیے کچھ وقت لیتا ہے اور نسبتی فائدہ کی نئی لائنوں میں نئی سرمایہ کاری سے قومی دولت میں اتنا اضافہ نہیں ہوتا جتنا وہ باہر کی اختراع کے سبب ضائع ہونے والے سرمائے کی تلافی کرتی ہے۔ نتیجۃً پیداوار میں کوئی ایسا

اضافہ نہیں ہوتا جس سے خدمت قرض کی ادائیگی کی جا سکے۔

دوسری عالمی جنگ کے فوراً بعد ڈالر کی اس کمیابی کے دور میں جو کم از کم علمی حلقوں میں 1957 تک جاری رہا متعدد تجزیہ کاروں نے یو۔ایس کی بیشی اور اس کے ساتھ دنیا کے خسارے کو یو۔ایس کی مسلسل اختراع کا سبب قرار دیا۔ ولیمس، کراوتھر، رابرٹسن، میک ڈوگل اور ہوف سیر اُن لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے اس وضاحت کے لیے بڑا مواد فراہم کیا۔ جب بعض اصحاب کی رائے میں 1951 میں اور دوسروں کے مطابق 1958 میں ریاستہائے متحدہ کی میزان ادائیگی نے پلٹا کھایا تو اس کا سبب بقول سیموکسن اور باتوں کے ساتھ یہ بھی تھا کہ یورپ ٹکنیکی میدان میں یو۔ایس کے قریب آپہنچا تھا۔ قیمتیں، آمدنی، سرمایہ کی حرکات وغیرہ سب اس پوزیشن سے مطابقت حاصل کر چکے تھے جس میں ریاستہائے متحدہ یورپ کے مقابلہ میں اختراعات زیادہ تیزی کے ساتھ کر رہا تھا۔ جب یورپ نے موٹر گاڑیاں، ٹرک، ٹیلی ویژن سٹ، ریفریجریٹرز وغیرہ اپنے لیے خود تیار کرنا سیکھ لیا تو ڈالر جس کی قیمت بین الاقوامی بازار میں یو۔ایس کی اختراعی پیش رفت کے اعتبار سے صحیح تھی اب قیمت میں ضرورت سے زیادہ ہو گیا۔ کمپیوٹروں، ہوائی جہازوں، خلائی ٹکنولوجی اور جوہری توانائی کے میدانوں میں یورپ پر ریاستہائے متحدہ کی ٹکنیکی برتری جس کا ادراک یورپ کے متعدد مشاہدین کر 1966 اور 1967 میں ہوا کیا میزان ادائیگی کو مخالف سمت میں اسی طرح متاثر کرے گی اس بارے میں ابھی حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ یہ ٹکنیکی برتری جن اشیاء کا احاطہ کرتی ہے ان کی تعداد ممکن ہے اہمیت کے لحاظ سے کافی نہ ہو۔

اشیائی سطح پر ڈھانچائی عدم توازن:

اشیائی سطح پر ڈھانچائی عدم توازن اس وقت پیدا ہوتا ہے جب برآمدات یا درآمدات کی مانگ یا رسد میں تبدیلی سے پہلے سے موجود توازن بدل جاتا ہے یا جب دو بنیادی حالات بدل جاتے ہیں جن کے تحت آمدنی باہر کمانے یا خرچ کرنے دونوں ہی صورتوں میں معیشت میں کسی اور جگہ متوازی تبدیلیاں کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس کی سہل ترین وضاحت مانگ کی تبدیلی سے مل جاتی ہے مان لیجیے کہ شوق و پسند میں تبدیلی کی وجہ سے سوئی کشیدہ کاری کی عالمی مانگ کم ہو جاتی ہے جو وسائل پہلے کشیدہ کاری میں لگے ہوئے تھے وہ اب یا تو کہیں اور منتقل کیے جائیں یا اپنے اخراجات کم کریں۔ جہاں تک سارے ملک کا سوال ہے یا تو بٹے گئے وسائل یا کچھ دیگر وسائل برآمدات کی کسی اور

لائن میں لگائے جائیں یا در آمدات کو کم کیا جائے۔ اگر اس طرح کی تبدیلی کامیاب نہیں ہوتی یا ناکافی رہتی ہے تو ملک کو ڈھانچائی عدم توازن کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جو وسائل کشیدہ کاری کے کام میں لگے رہیں گے ان کی آمدنی اس سے کم ہوگی۔ جتنا وہ کسی اور صنعت میں کما سکتے ہیں۔ یہاں مفروضہ یہ ہے کہ مانگ میں کمی واقع ہونے سے پہلے وہ بحالتِ توازن تھے۔ اگرچہ مضروب فیہ کے کارفرما ہونے اور درآمدات کے مختتم رجحان کی وجہ سے درآمدات کچھ کم ہوں گی تاہم وہ برآمدات سے زیادہ رہیں گی۔

تاریخ مانگ میں تبدیلی کے واقعات سے پُر ہے۔ جاپانی ریشم اور چلی کے نائٹریٹ کے مصنوعی دھاگوں کے مسابقت کا عروج، کوئلہ کی جگہ تیل کا آنا، قدرتی چربیوں اور تیلوں کی بجائے ڈیٹرجینٹس کا استعمال، برطانیہ کا اپنے کوئلے اور کپڑے کے لیے عالمی بازاروں سے ہاتھ دھو بیٹھنا، سمندر پار کے پیداکردہ اناج سے مسابقت جس کا تجربہ یورپ کو پہلی بار، 1870 اور 1860 کی دہائیوں میں ہوا ـــ سب کی سب ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں جن کی کم و بیش اہمیت رہی ہے۔ شوق و پسند یا ٹکنولوجی یا کسی بھی ایسی چیز میں بے ربط تبدیلی جس سے کسی برآمد کی قیمت کم یا زیادہ ہو جائے ڈھانچائی عدم توازن کا سبب بن سکتی ہے۔ کسی ملک کی پیداوار کے لیے بیرونی مانگ میں اضافہ ایک قسم کا ڈھانچائی عدم توازن ہوتا ہے لیکن یہ ایسا نہیں ہوتا جس سے نپٹنے میں کوئی دشواری پیش آتی ہو۔ متعلقہ چیز کی پیداوار میں اضافہ اور صرف نیز درآمدات میں زیادتی اس کا حل ہے۔

انحراف کا سبب رسد میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ اس کی کلاسیکی مثال فصل خراب ہو جانا تھی جس سے کسی ملک کی برآمدات کی رسد رک جاتی تھی وہ درآمدات سے نیچے گر جاتی تھیں۔ یا ہر فصل بہت اچھی ہونے کی وجہ سے عالمی قیمتیں کم ہونے پر بھی اسی طرح کے اثرات مرتب ہو سکتے ہیں، ایسی ہی دوسری مثالیں مٹی کی زرخیزی یا معدنیات کا ختم ہو جانا وغیرہ ہیں۔

درآمدات کی گھریلو مانگ اور غیر ملکی رسد نیز برآمدات کے لیے بیرونی مانگ اور گھریلو رسد میں غیر موافق تبدیلی سے ڈھانچائی عدم توازن پیدا ہو سکتا ہے۔ فصل کی خرابی یا کسی اہم صنعت میں ہڑتال کے باعث درآمدات میں اضافہ اور برآمدات میں کمی پیدا ہو سکتی ہے۔ اس سلسلے میں جو بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں ریاستہائے متحدہ کی فولاد کی صنعت میں بھی ہڑتال ان میں سے ایک ہے اس ہڑتال کی وجہ سے یورپ اور جاپان سے ریاستہائے متحدہ کو فولاد کی برآمدات کو بڑھا دا ملا۔

آج فصل کی خرابی کو میزانِ ادائیگی میں تبدیلی کا کم اہم سبب قرار دیا جاتا ہے۔ خشک ممالک میں فصل میں بڑے اتار چڑھاؤ کی وجہ سے برآمد کے لیے دستیاب اور باہر سے درآمد کے لیے مانگی جانے والی زرعی اشیاء کی مقدار میں بڑی تبدیلی پیدا ہونے کا امکان رہتا ہے۔ ہندوستان میں پہلے پنج سالہ منصوبے کو بڑی کامیابی ملنے کا ایک سبب بارشوں کا اچھا ہونا تھا۔ 1947ء میں خراب سردی اور بدتر موسم بہار نے یورپ میں موسم گرما کی خشک سالی کے ساتھ مل کر مغربی یورپ کی میزانِ ادائیگی سے متعلق مشکلات میں مزید اضافہ کر دیا جب 1948ء کی بہت عمدہ فصل نے ... معاشی بحالی لانے میں مارشل پلان کے اثر کو مبالغہ آمیز بنا دیا تھا۔

اشیائی تجارت کے علاوہ صورت حال میں اور بھی عوامل شامل ہو سکتے ہیں۔ رواں کھاتے کی میزانِ ادائیگی کو خدماتی آمدنی کے نقصان سے بڑا دھکا لگ سکتا ہے۔ اس نقصان کا سبب بیرون ملک لگے ہوئے سرمائے کا دیوالیہ پن یا اس کا ضبط کر لیا جانا یا قومیا لیا جانا ہو سکتا ہے۔ کانگو سے بلجیم کو تانبے سے ملنے والی آمدنی کا زیاں یا جون 1967ء میں اسرائیل کے ہاتھوں شکست کی وجہ سے نہر سویز اور سیاحت کی آمدنی سے مصر کی محرومی اس کی ایک مثال ہیں۔ غالباً سب سے زیادہ دور رس اور پیچیدہ کیس مختلف علاقوں اور خاص طور پر یورپ کی پوزیشن پر گزشتہ دو عالمی جنگوں سے پڑنے والا اثر پیش کرتا ہے۔

جنگ یہ کہا جاتا ہے معاشی تبدیلی اور ترقی کی رفتار کو تمام مدارج پر جن میں زوال کا آخری سے پہلا مرحلہ بھی شامل ہے تیز تر کر دیتی ہے۔ اس لیے جنگ کے اثرات کو طویل مدتی قرار دینا مناسب ہوگا اور میزانِ ادائیگی میں اس سے پڑنے والے خلل کو طویل نوعیت کا قرار دیا جا سکتا ہے۔ جنگ سے ایسی ڈھانچائی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں جو اشیاء سے گزر کر تناسب عوامل کی سطح تک جا پہنچی ہیں۔ لہذا یورپ کے معاشی بحالی پروگرام کو عوامل کی سطح پر ڈھانچائی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں جو اشیاء سے گزر کر تناسب عوامل کی سطح تک جا پہنچتی ہیں۔ لہٰذا یورپ کے معاشی بحالی پروگرام کو عوامل کی سطح پر ڈھانچائی عدم توازن کو درست کرنے کی کوشش سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ تاہم کیونکہ یہ اثرات اتنے تھوڑے عرصے میں مرکوز رہے ہیں اور مانگ رسد، ٹکنولوجی، اور ادارائی انتظامات کی بےشمار تبدیلیوں سے متعلق ہیں ہم جنگ کے بعد والے عرصے پر عدم توازن کو اپنے موجودہ مقاصد کے لیے بڑی حد تک اشیائی سطح پر ڈھانچائی عدم توازن کا عکاس تصور کریں گے۔

ڈھانچائی عدم توازن ۔ عوامل کی سطح پر :

عوامل کی سطح پر ڈھانچائی عدم توازن عوامل کی ایسی قیمتوں کے سبب رونما ہوتا ہے جو عوامل کے عطیات کی صحیح عکاسی کرنے میں ناکام رہتی ہیں ۔ اس عدم توازن کا میزانِ ادائیگی میں براہ راست طور پر ظاہر ہونا ضروری نہیں ہے ۔ معیشت مثال کے طور پر عوامل کی جو بھی قیمتیں ہوں ان کے ساتھ ہم آہنگ ہوسکتی ہے اور نسبتی فائدے اور نسبتی نقصان کی ایسی لائنوں یا ان برآمدات و درآمدات کی سطح آمدنی اور شرح مبادلہ کا انتخاب کرسکتی ہے جو عوامل کی مذکورہ قیمتوں پر میزانِ ادائیگی کو بحالت توازن رکھیں ۔ تاہم اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کوئی ایک یا زیادہ عوامل ڈھانچائی بیروزگاری کا شکار رہیں گے ۔ محنت کی قیمت خاص طور پر بہت زیادہ رہتی ہے اور سرمائے کی بہت کم ۔ اس کا سبب مزدوروں کی سودے بازی کی اجتماعی طاقت یا معاشیات میں ہماری سماجی دلچسپی کی نوعیت میں مضمر ہوسکتا ہے ۔ بہرحال اس کی فوری وجہ پہلی جنگ عظیم کے سبب اٹلی سے لوگوں کی آمد رک جانے اور ریاستہائے متحدہ میں جہاں تک محنت کا تعلق ہے 1919 اور 1921 ۔ کے باہر سے آکر بسنے والوں کے متعلق قوانین یا سرمائے کے معاملہ میں اس فلسفہ کا غلط استعمال سود کی شرحیں بہت اونچی ہیں اور سرمایہ کاری کی راہ میں رکاوٹ ڈالتی ہیں ——— عوامل ہو سکتے ہیں ۔

محنت کی قیمت بہت زیادہ ہونے کی صورت میں ملک نسبتی فائدہ کی ایسی لائنوں کا انتخاب کرے گا جن میں محنت کا استعمال ضرورت سے کم کیا جاتا ہے اور ایسی اشیاء کو برآمد کرے گا جن میں محنت کا عنصر موزوں سے زیادہ ہوگا ۔ زیادہ محنت جذب کرنے والی اشیاء اور خدمات میں ملک کا نسبتی فائدہ اصل سے کم اور ان لائنوں میں اس کا نسبتی نقصان حقیقت سے زیادہ معلوم ہوگا ۔ میزانِ ادائیگی ایسی صورت میں بھی برابر ہوسکتی ہے لیکن اس کی قیمت محنت کی بیروزگاری کی شکل میں ضائع ہوگی ۔ اگر اس محنت کو کام پر لگانے کی کوشش کی جائے گی تو ایسا عوامل کے ایسے تناسبات کا استعمال کرکے ہی کیا جاسکتا ہے جو باقی معیشت میں مستعمل تناسبات سے مختلف ہوں ۔ فالتو سرمایہ قابلِ حصول نہیں ہے ۔ قیمت کم ہونے کی وجہ سے اس کا استعمال پہلے ہی ضرورت سے زیادہ کیا جارہا ہے اور ہم یہ فرض کرسکتے ہیں کہ فالتو زمین بھی دستیاب نہیں ہے ۔ پس محنت کے لیے مزید روزگار کی فراہمی WPA کی مانند پتیاں چننے یا گھریلو تعمیرات کے کاموں میں جہاں زیادہ سے زیادہ محنت

اور کم سے کم سرمائے کی ضرورت پڑتی ہے ہی ممکن ہو سکتی ہے۔

وسیع تر مفہوم میں عوامل کی قیمتوں کے عطیات سے ہم آہنگ نہ ہونے کی صورت میں میزان ادائیگی عدم توازن کی حالت میں ہو سکتا ہے۔ یہ قیمتیں پیداواری ڈھانچہ میں عوامل کے استعمال کو اس سے مختلف کر دیتی ہے جو قیمتوں کے مناسب ہونے کی صورت میں ہوتا۔ برآمدات کا درآمدات کے ساتھ خواہ کوئی بھی رشتہ ہو یہ بات صحیح ہے۔ محدود معنیٰ میں میزان ادائیگی کے توازن کے بارے میں بھی یہی کہا جا سکتا ہے۔ یہ توازن ٹریفوں، مالی امداد، یا دیگر گڑبڑ پیدا کرنے والی رکاوٹوں کے اثرات کی وجہ سے مثالی کارگر توازن سے کمتر رہتے ہیں۔ لیکن عوامل کی غیر موزوں قیمتوں کے سبب پیدا ہونے والا ڈھانچائی عدم توازن ٹریف کے کیس میں پیدا ہونے والے عدم توازن سے قدرے محدود معنیٰ کا حامل ہوتا ہے۔ ڈھانچائی بیروزگاری میں لوگ سرکاری کارروائی کے لیے چیخ اٹھتے ہیں۔ اس کارروائی سے افراط زر پیدا ہو سکتا ہے۔ اس سے محدود ساکن عدم توازن رونما ہوتا ہے جو برآمدات اور درآمدات میں نابرابری کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

ضرورت سے زیادہ سرمائی حرکات:

جدول ۱۔ 25 میں عدم توازنوں کی ایک اسکیم اس مفروضے کی بنیاد پر پیش کی گئی ہے کہ رواں کھاتہ موجودہ وسائل، ٹکنولوجی، شوق پسند، رجحانات خرچ، اور ایسے ہی دیگر عوامل کے دیے ہوئے ہونے کی صورت میں جو کچھ ہونا چاہیے تھا اس سے مختلف ہو جاتا ہے یا یہ کہ نظام کے بنیادی عناصر کے اعتبار سے تو رواں کھاتہ موزوں و مناسب تھا مگر طویل مدتی سرمائی حرکات اس کی ضرورت سے کم رہ گئیں۔ اب ہمیں اس کیس پر غور کرنا چاہیے جہاں سرمائی حرکات ضرورت سے زیادہ یا غلط سمت میں ہوتی ہیں۔

ایک شکل جو سرمائی حرکات اختیار کر سکتی ہیں وہ سرمائے کے فرار کی ہے۔ کسی کم ترقی یافتہ ملک میں جہاں سرمایہ کاری کا رجحان زیادہ اور دستیاب بچت کم ہوتی ہے سرمایہ درآمد کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے لیکن اسے سرمائی برآمدات سے نقصان پہنچ سکتا ہے کیونکہ اس کے مالدار شہری جنگ، بھاری ٹیکس، یا ضبط کر لیے جانے کے خطرے سے بچنے کے لیے اپنی رقوم باہر حفاظت کی خاطر منتقل کر دیتے ہیں۔ 1930 کی دہائی کے یورپ اور آج کے کم ترقی یافتہ ملکوں میں یہ صورت حال عام طور پر دیکھنے میں آتی ہے۔ اس کی مدافعت میں بعض تجزیہ کار یہ موقف اختیار کر سکتے ہیں کہ سرمائی

حرکات خواہ کسی بھی سمت میں ہوں اور ان کی رقم کچھ بھی ہو ردّاں کھاتے کو ان سے مطابقت پیدا کرنی چاہیے۔ تاہم ایسے لوگوں کی تعداد نہایت کم ہے۔ بیشتر ماہرین معاشیات سرمائے کے نقطۂ نظر سے مالدار ملکوں میں کم سرمائے والے ممالک سے سرمائے کے انتقال کو غیر معاشی قرار دیتے ہیں اور اس پر کنٹرول کی سفارش کرتے ہیں۔ ہاں سرمایہ کاری میں تنوع لانے کے لیے سرمائی بہاؤ کے بنیادی دھارے کے خلاف تھوڑی بہت غیر خالص حرکات شاید گوارا کی جا سکتی ہیں۔

یا بحرانِ اعتماد کی وجہ سے وہ ممالک جنھوں نے پہلے کسی ایک مخصوص کرنسی کی شکل میں اپنے بیرونی مبادلہ کے زرِ ذخائر جمع کر رکھے تھے انھیں سونے کی شکل میں نکال سکتے ہیں یا کسی دوسرے مالیاتی مرکز کو منتقل کر سکتے ہیں۔ اس طرح کی سرمائی حرکت پریشان کن ثابت ہوتی ہے۔ تاہم اس پر ہم یہاں عدم توازن کے ساتھ غور کرنے کی بجائے بعد میں بین الاقوامی زری نظام کے عنوان کے تحت اعتماد کے سوال کے سلسلے میں بحث کریں گے۔

زیادہ دلچسپ سوال یہ ہے کہ کیا نجی سرمائی حرکات ضرورت سے زیادہ ہو سکتی ہیں یا کیا ردّاں کھاتے کو ان تمام سرمائی حرکات سے سمجھوتہ کرنا چاہیے جو نظام کے اندر پیدا ہوتی ہیں۔ 1960 کی دہائی کے وسط میں ریاستہائے متحدہ کے لیے یہ سوال خاص طور پر معنی رکھتا ہے اور سود کو برابر کرنے والے ٹیکس (IET) نیز قرضوں پر روک کے پروگرام (VCRP) نے یہ صاف ظاہر کر دیا ہے کہ حکومت کی نظر میں سرمایہ ضرورت سے زیادہ باہر جا رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ ریاستہائے متحدہ میں آمدنی کی ترمیم یا نسبتی قیمتوں میں کمی (یا یورپ میں آمدنی یا قیمت کی افراط) کے ذریعے انتقال قابل عمل طریقہ تصور نہیں کیا جاتا۔ یا تو یورپ ایسی توسیع بروئے کار نہیں لائے گا۔ جو پانے والے ملک کی کوششوں سے انتقال کا کام انجام دے سکتا ہے۔ انتقال کا امکان ختم ہو جانے کی صورت میں نیز مطلق قدر میں $X + M < LTC$ ہونے پر مسئلہ کا حل LTC کو کم کرنے میں ہی مضمر معلوم ہوتا ہے۔

اگر کوئی شخص بنیادی میزان کے تصور پر ہی جمے رہنے پر اصرار کرتا ہے تو آخری جملہ کی منطق سے فرار ممکن نہیں ہے۔ اور یہ بات تسلیم کی جانی چاہیے کہ معاشی معنیٰ میں سرمائی حرکات ضرورت سے کہیں زیادہ ہو سکتی ہیں۔ سرمایہ کار متعارفین سے کم اثر نمائش کا شکار اور جونیسز کی طرح رہنے کے خواہشمند نہیں ہوتے۔ 1963 سے 1966 تک یورپ میں منافع گر رہے تھے اور ریاستہائے متحدہ میں ان میں اضافہ ہو رہا تھا لیکن یورپ میں یو۔ ایس کارپوریشنوں کی براہ راست سرمایہ کاری میں

لگاتار اضافہ ہوتا رہا۔ تاہم طویل مدتی تمسکات پر سود کی شرحیں یورپ میں ریاستہائے متحدہ سے اونچی رہیں۔ کم سود کے علاقوں سے سرمایہ زیادہ سود کے علاقوں میں جا رہا ہو تو یہ دعویٰ کرنا مشکل ہے کہ سرمائی حرکات ضرورت سے زیادہ ہو رہی ہیں۔

ریاستہائے متحدہ اور یورپ کے سرمائی بازار جتنے قریبی طور پر IET سے پہلے منسلک تھے آج بھی اتنے ہی نزدیک ہیں۔ IET اور VCRP کے باوجود اس تعلق پر کوئی اثر نہیں پڑا ہے۔ اس صورت کے پیش نظر اصل جواب بنیادی میزان کے تصور کی خامی میں مضمر معلوم ہوتا ہے۔ بنیادی میزان کے لیے ضروری ہے کہ مجموعی طور پر قلیل مدتی سرمائی حرکات کا جوڑ صفر ہو اس میں اس مالیاتی میانہ روی کی کوئی گنجائش نہیں ہے جس کے تحت ایک سرمائی بازار لمبے قرضے دے سکے اور دوسرے بازار سے کم مدت کے قرضے لے سکے اور کوئی خالص سرمائی حرکت جیسا کہ M+X میں تبدیلی کی وجہ سے ضروری ہوتا ہے نہ ہو۔ سیالیت کی ترجیح میں نمایاں فرق یا بازار کے ایک یا زیادہ حصوں میں اجارہ داری ہونے کی صورت میں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے سرمائی بازاروں میں ایسی مالیاتی میانہ روی ضرور پیدا ہوتی ہے۔

استدلال کی خاطر مان لیجیے کہ ریاستہائے متحدہ کے مقابلہ میں یورپ سیالیت کو نمایاں طور پر زیادہ اہمیت دیتا ہے حالانکہ کل بچتیں کل سرمایہ کاری کے برابر رہتی ہیں۔ سیالیت کی ترجیح سے متعلق فرق کی بنیاد جنگوں کے پچاس سالوں کی یادیں، افراط زر اور سرمائی تاوان ہو سکتے ہیں جن سے طویل مدتی بونڈوں کے بارے میں محتاط رہنے کا سبق حاصل ہوتا ہے۔ ان مفروضہ حالات میں یورپ میں ریاستہائے متحدہ کی نسبت سود کی طویل مدتی شرحیں زیادہ اور قلیل مدتی شرحیں کم ہوں گی۔ اگر بازار منسلک ہیں تو ریاستہائے متحدہ سے طویل مدتی سرمایہ یورپ اور یورپ سے قلیل مدتی سرمایہ ریاستہائے متحدہ جانے کا رجحان عام ہو گا۔

اس طرح کی غیر خالص طویل و قلیل مدت کی سرمائی حرکات جن کا کوئی بقایا نہیں ہوتا بنیادی میزان کے تحت شرائط توازن سے انحراف کرتی ہیں اور باقاعدہ سودوں سے متعلق میزان سے بھی ہم آہنگ نہیں ہوتیں۔ قلیل مدتی سرمائی حرکات اگر یورپ کے لوگ نجی طور پر عمل میں لائیں تو سرکاری لین دین سے بے باق کردہ سودوں کے میزان سے اس طرح کا انحراف رونما نہیں ہوتا۔ تاہم اگر یورپ کے سرمایہ کاروں کا دائرۂ کار یورپ کے بچت کرنے والوں کے زاویہ نظر سے زیادہ وسیع ہو تو اول الذکر باہر سے لمبے قرضے لیں گے لیکن آخر الذکر ... قرضے باہر دینے سے احتراز

کریں گے۔ ایسی صورت میں قرض کے طور پر حاصل کردہ بیرونی مبادلہ بازار میں فروخت کیا جائے گا اور اس کے زرعی حکام کے علاوہ دیگر خریدار دستیاب نہ ہوں گے۔ اس سے برنسٹائن کے سرکاری سودوں سے متعلق تعریف کے لحاظ سے میزان میں عدم توازن پیدا ہو جائے گا۔

بہرحال یہ سوال اب بھی باقی رہ جاتا ہے کہ سرمائی حرکات ضرورت سے زیادہ ہوتی ہیں یا توازن کی تعریف غیر مناسب ہے۔

خلاصہ:

میزانِ ادائیگی کے توازن کے لیے برآمدات، درآمدات، طویل اور قلیل مدتی سرمائی حرکات میں باہم مناسب ربط کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کے پس پشت قیمتیں، آمدنیاں، مبادلہ کی ایک شرح، املاکی ترجیحات اور ان سب کے پیچھے شوق و پسند وسائل، پیداواری رابطے، ٹکنولوجی وغیرہ کارفرما ہوتے ہیں۔ مساواتِ قوتِ خرید کے فلسفہ کے ذریعہ توازن کو صحیح طور پر نہیں ناپا جا سکتا۔

عدم توازنوں کو آمدنی، قیمت، آمدنی و قیمت دونوں کے توازنوں کے اعتبار سے تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ افراطِ زر ـــ خالص اور سادہ ـــ یا غلط شرح مبادلہ غالباً عدم توازن کی سادہ ترین مثالیں پیش کرتے ہیں۔ آمدنی کے میدان میں گھریلو یا بیرونی آمدنی میں تبدیلی پیدا ہونے سے سائیکلی عدم توازن رونما ہوتے ہیں۔ انھیں آمدنی کی لچکیں متاثر کرتی ہیں۔ طویل عدم توازن کا تعلق گھریلو بچت اور گھریلو سرمایہ کاری کے بیچ فرق کو پورا کرنے میں طویل مدتی سرمائے کی ناکامی یا سلسلہ وار تکنیکی تبدیلی سے ہے۔ اشیائی سطح پر ڈھانچائی عدم توازن مانگ یا رسد میں تبدیلی کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے میں وقت لگ جانے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ عوامل کی سطح پر ڈھانچائی عدم توازن کا سبب عوامل کے عطیات اور عوامل کی قیمتوں میں ہم آہنگی کا فقدان ہوتا ہے۔

کافی لمبے عرصے تک مستقل طور پر جاری رہنے والے عدم توازن کا سبب سرمائی حرکات کی ہچکچاہٹ رہی ہے لیکن 1960 کی دہائی میں ضرورت سے زیادہ سرمائی حرکات کا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے فرار سرمایہ اور زر رد کرنسی کے لیے دوڑ اس کی جانی پہچانی مثالوں میں سے ہیں۔ ایک سوال یہ باقی رہ جاتا ہے کہ کیا بین الاقوامی مالیاتی میانہ روی کو طویل مدتی سرمائے کے ضرورت سے زیادہ بہاؤ کا سبب قرار دیا جانا چاہیے یا یہ سمجھنا چاہیے کہ اس سے بین الاقوامی توازن کے اہم تصورات کی خامیاں واضح ہو جاتی ہیں۔

مطالعہ کے لیے تجاویز :

درسی کتب ۔

Yeager. کے باب xxiv میں ریاستہائے متحدہ کے میزان ادائیگی میں عدم توازن پر بحث کی گئی ہے ۔ element Pfister اور Rothwell. کے باب viii کا عنوان ہے۔ Persistent Disequilibrium. مختلف قسم کے دیگر حوالے بھی ملاحظہ فرمائیں جن میں یہ بھی شامل ہیں ۔ Dollar Shortage and Dollar Glut, Lary, Balassa, Routhakker, and Triffen in B.Blassa(ed) Changing Pattern in Foreign Trade and Payments (New York : W.W. Norton & Co Inc.1964) (Papaerback)

تحقیقی رسائل وغیرہ ۔

See OECD, The Balance of Payments Adjustment Process , a report by working Party No.3 of the Economic Policy committee (Paris , Asugust, 1966)

مساوات قوت خرید کے فلسفہ کے بارے میں دیکھیں Gustav Cussel, Money and Foreign Exchange after 1914 (New York : The Mac Millian co 1923) ; Liyod A. Matzer in International Monetary Policies (Washington D.C. Federal Reserve System October, 1947) P.A. Samuelson. " Theortical. Notes on Trade Problems REES May 1964; and B.Balassa, 'The Purchasing Power Parity Doctrine: A Reappraisal" JPE Dec.1964

ان دونوں نے تنقید کی ہے H.S. Houthouer کے اس مقالہ پر "Exchange Rate Adjustment in . Joint economic committee Factors Affecting the Balance of Payments of the United States, 87th Cong.2nd sess (Washington D.C:US

Govt. Printing Office 1962

سائیکلی عدم توازن کے بارے میں کوئی تازہ ترین مواد تقریباً ناپید ہے۔ ڈھانچائی عدم توازن کے بارے میں دیکھیں F.Matchlup "Structure and Structural Change, Weaselwords and Jargon, and "Equilibrium and Disequilibrium: Misplaced Concreteness and Desguised Politics" reprinted In his Essays in Economic Semantics (Englewood Cliffs, N.J PrenticeHall Inc 1963)

ان تصورات کے بارے میں انھوں نے منفی رویہ اختیار کیا ہے۔

طویل یا دائمی عدم توازن پر دیکھیں۔ T.Balogh :The Dollar Crises (London : Basil Blackwell & Mott Ltd 1949). C.P. Kibdleberger The Boller Shortage (New York: The Technology Press and John Wiley & Sons Inc 1950) S.E.Harris Inter-regional and International Trade (New Uork : McGraw Hill Book Co Inc 1957); E.Zupnik Zupnick Britain, is Postwar Dollar Problems (New York :(Columbia University Prese 1957) Sir Donald Mac Dougall : The World Dollar Problems (London: Macmillian and Co. Ltd 1957) Sir G. Crowther , Balance and Unbalance of Payments (Boston: Harvard University Gradute School of Business Administration 1957) S.Hoffmeyer, Dollar Shortage (Copenhager ; Ejner Munksguards Forlag 1958) ; R.Triffin Europe and the Money Mudde Muddle (New Haven Conn; Yale University Press 1957)

ان سب میں سے صرف آخری کی رائے میں طویل مدتی عدم توازن ممکن ہو سکتا ہے۔ میک ڈوگل نے اپنے نتائج پر ۱۹۶۰ میں نظرثانی کی اوران میں کسی بنیادی تبدیلی کے لیے آمادہ نہیں ہوئے۔ دیکھیں ان کا مقالہ 'The Dollar Problems : A Reappraisal Princeton

University Department of Economic, Essays in International Finance' November 1960

ڈالر کی کمیابی کی صورت حال کے الٹ جانے کے تجزیہ پر اہم مواد کانگریس کی مختلف
شہادتوں میں ملتا ہے اور اس کے علاوہ S.E. Harris (ed). The Dollar
Crisis .... میں اور خاص طور پر R.N Cooper اور W.Lederer
کے مضامین میں ملتا ہے۔ مزید دیکھیں P.A.Samuelson Stability and
Growth in the U.S.Economy ' reprinted in The Collected Works of Paul A.Samuelson (Cambridge Mass :The M.I.T. Press 1966) and C.P.Kindleberger "The Cause and Cure of Disequilibrium in the Balance of Payments of the United States, Jan. 1960 in Europe and the Dollar (Cambridge, Mass: The M.I.T. Press 1966)

اندر اور باہر کی طرف غیر خالص حرکات کے بیچ خالص سرمائی دھارے کی اجزائی ترکیب اور نجی
اور سرکاری کھاتوں کے بیچ کے فرق کا تصور غیر منطقی اور غیر اہم ہوتا ہے اس خیال کے زور دار بیان
کے لیے دیکھیں Donald G Heckerman کا M.I.T. کو پیش کردہ تھیسس جس کا عنوان
"Models of the Balance of Payment Standards of Adjustment" ہے (dissertation M.I.T. 1967)

نکات

حقیقی قومی آمدنی کے ان مقابلوں کے لیے جن سے اخراجات کے مختلف گروہوں کے لیے
قوت خرید کی مساواتوں کو اخذ کیا جا سکتا ہے اس کتاب میں پائی جاتی ہیں۔

Mittion Gilbert ed and Associates, Comparative National Products and Price levels : A Study of Western Europe and United States (Paris OECD, 1958)

باب 26 عدم توازن کو صحیح کرنے کے قومی اور بین الاقوامی طریقے

عدم توازن کو دبایا جاسکتا ہے، صحیح کیا جاسکتا ہے یا اس کے لیے ضروری رقم بہم پہنچائی جاسکتی ہے۔ اگر کسی عدم توازن کو پہچاننے اور پھر اسے دبانے یا صحیح کرنے میں دیر لگتی ہے تو اس عرصہ کے لیے بہرصورت درکار رقم فراہم کرنا چاہیے۔ اور رقم فراہم کرنے کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب مطلوبہ اصلاح کے لیے خودکار عناصر روبعمل ہوتے ہیں لیکن انھیں اپنا کام کرنے میں وقت لگتا ہے۔ ایسی صورت میں مالیاتی انتظام ناگزیر ہوتا ہے۔ رقم فراہم کرنے، دبانے اور اصلاح کرنے غرض سبھی اقدام میں خرچہ آتا ہے۔

نیم اصلاحی اقدامات:

بنیادی اصلاحی پالیسیاں عدم توازن کو درست کردیتی ہیں نیم اصلاحی اقدامات اسے دبا دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں جون ولیمسن نے کارآمد اصلاح وضع کی ہے۔ نیم اصلاحی اقدامات کی ضرورت اس لیے پڑسکتی ہے کہ دوررس اصلاحی اقدامات کام تو کررہے ہوتے ہیں مگر ان کی رفتار سست ہوتی ہے اور عبوری خسارہ کو پورا کرنے والے مالیاتی ذرائع پوری طرح ختم ہوچکے ہوتے ہیں۔ یا ان کا استعمال دوسری سب سے بہتر پالیسی کے طور پر کیا جاسکتا ہے کیونکہ مناسب اصلاحی اقدامات سیاسی لحاظ سے قابلِ قبول نہیں ہوتے یا زری اور تجارتی حکام مسئلہ کی تشخیص ٹھیک طور پر نہیں کرپاتے۔

نیم اصلاحی اقدامات بہت سی پالیسیوں کی شکل اختیار کرتے ہیں جنھیں گذشتہ صفحات میں بیان کیا جاچکا ہے عارضی سرچارج لگاکر جیسا 1964 کے آخری دنوں میں برطانیہ نے کیا تھا درآمدات کو کم کیا جاسکتا ہے یا حکومت باہر کیے جانے والے اخراجات کو کم کرسکتی ہے، غیرملکی امداد کو مشروط بناسکتی ہے بیرونی سفر پر پابندیاں عاید کرسکتی ہے اور غیرملکی امداد گھٹا سکتی ہے جیسا کہ ریاستہائے متحدہ کی حکومت نے کیا ہے۔ قلیل مدتی سرمایہ کو کھینچنے کے لیے سود کی شرحوں میں اضافہ تاکہ خسارے

کے لیے ضروری رقم حاصل کی جاسکے ایک نیم اصلاحی کارروائی ہوگی —— یعنی برنسٹائن کی تعریف خسارہ کے اعتبار سے جو بھی غیر ملکی رقوم کو ترسیمی اور خط کے نیچے قرار دینے کی بجائے انھیں اختیاری اور خط کے اوپر مانتے ہیں۔ نیم اصلاحی کارروائی کی انتہائی صورت مبادلہ کنٹرول ہے جس میں مانگ اور رسد کو انتظامی طور پر مساوی بنایا جاتا ہے نظام قیمت کے ذریعہ نہیں۔ اور جس میں شرح مبادلہ کی قیمتوں اور ملک کے اندر نیز بیرون ملک کی قومی آمدنیوں میں باہمی رشتے مناسب و موزوں نہیں رہتے اس سے عدم توازن کی اصلاح تو نہیں ہوتی لیکن عدم توازن کا ایسا نظام ضرور قایم ہو جاتا ہے جس کے تحت قیمت، مانگ اور رسد کو سرکاری کارروائی کے ذریعہ غیر متوازن اقدار پر قائم رکھا جاتا ہے۔

بیشتر ماہرین معاشیات نیم اصلاحی اقدامات کی بھرپور مذمت کرتے ہیں۔ وہ زیادہ بنیادی کارروائی کرنے کو ترجیح دیتے ہیں اور عبوری دور میں خساروں کے لیے رقم فراہم کرنے کی حمایت کرتے ہیں۔ تاہم بعض حالات میں ان نیم اصلاحی اقدامات کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد معاشی ڈھانچے کی بڑی تعمیر نو کے دوران بیرونی مبادلہ کنٹرول نے عبوری خسارے کو محدود کر کے اتنا کم کر دیا تھا کہ اسے یورپ کی بیرونی املاک فروخت کر کے یا ریاستہائے متحدہ کی امداد کے ذریعہ پورا کیا جاسکا۔ پورے طور پر بحالی کو بروئے کار لانے کے لیے کوٹے کی پابندیوں کو ختم کرنے اور نسبتی فائدے کے خطوط کے مطابق وسائل کی دوبارہ تقسیم کی ضرورت تھی۔ لیکن پیداواری ڈھانچے میں موجود دکھائیوں کو پاٹنے سے پہلے آزاد بین الاقوامی بازاروں کے حصول کی کوشش کے لیے یا تو کہیں زیادہ مالیات کی ضرورت پڑتی یا بحالی کے معیار کے طور پر آمدنی کی کمتر سطح اور قابل لحاظ بیروزگاری کو قبول کرنا پڑتا۔

تقسیم خرچ میں موثر یا ترمیم یا خرچ میں تبدیلی :

بنیادی علاج کے لیے موزوں میزان ادائیگی کی اصلاحات کی اپنی عام اسکیم میں ہیری جونسن نے مجوزہ پالیسیوں کو دو خانوں میں بانٹا ہے۔ وہ جو خرچ کی تقسیم کو بدلتی ہیں اور وہ جو خرچ میں تبدیلی کا سبب بنتی ہیں۔ پہلی صورت میں باب 15 میں بیان کردہ قیمت میں ضروری ردوبدل کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس میں آپ کو یاد ہوگا شرح مبادلہ بدلنی پڑتی ہے یا شرح مبادلہ مقرر رہتی ہے اور قیمتیں تبدیل کرنی پڑتی ہیں۔ دوسری صورت جس پر باب 16 میں بحث کی گئی تھی خرچ یا آمدنی کی سطحوں کو بدلنا ہوتا ہے۔ ترمیم تقسیم میں گھریلو اور بیرونی خرچ کے مابین ردوبدل کرنا ہوتا ہے۔ خرچ کی تبدیلیاں کل خرچ کو بدل دیتی ہیں جبکہ گھریلو اور بیرونی کے درمیان اس کا تناسب قایم رہتا ہے یا پھر یہ تقسیم صرف آمدنی

جھکوں کے ذریعہ عمل میں آتی ہے۔

داخلی اور خارجی توازن:

میزانِ ادائیگی اور روزگار کی سطح پر ترمیم خرچ اور تبدیلی خرچ کی پالیسیوں کے اثر کی وضاحت ٹریور سوان کے تیار کردہ ایک خاکے کے ذریعہ کی جاسکتی ہے۔ شکل 26.1 میں عمودی محور کسی لاگت تناسب (R) کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ تناسب یا تو بین الاقوامی اور قومی قیمتوں کا ہوتا ہے یا بیرونی اور گھریلو اجرتوں کا۔ یہ ملک کی مسابقانہ پوزیشن کی نشان دہی کرتا ہے اس پیمانے پر ہم جیسے جیسے اوپر جاتے ہیں برآمدات زیادہ اور درآمدات کم ہوتی جاتی ہیں کیونکہ شرح مبادلہ قیمت گرتی چلی جاتی ہے۔ گھریلو قیمتوں کے مقابلہ میں بیرونی قیمتیں بڑھتی ہوئی ہوتی ہیں یا گھریلو قیمتیں بیرونی قیمتوں کے مقابلہ میں گرتی ہوئی ہوتی ہیں گو اس کا امکان کم ہے۔ متوازی محور پر حقیقی گھریلو خرچ ہے جو بائیں سے دائیں چلنے پر بڑھتا ہے۔

مذکورہ شکل میں دو قوس دکھائے گئے ہیں ایک داخلی توازن یا کامل روزگار کو ظاہر کرتا ہے اور دوسرا خارجی توازن کو یہ ایک ایسے خارجی رواں توازن کی جو طویل مدتی سرمائے کی کسی مجوزہ اختیاری سطح سے مطابقت رکھتا ہو عکاسی کرتا ہے۔ بے شک سرمائی حرکت کی ہر ممکن سطح کے لیے خارجی میزان کا قوس الگ ہوگا۔ داخلی توازن کا قوس نیچے کی جانب بائیں سے دائیں چلتا ہے۔ اور یہ واضح کرتا ہے کہ برآمدات اور درآمدات کی حریف پیداوار کو گھٹانے والا لاگت تناسب جتنا زیادہ کم ہوگا کامل روزگار کو بنائے رکھنے والا حقیقی گھریلو خرچ اتنا ہی زیادہ ہونا چاہیے۔ قوس کے دائیں اور اوپر کی جانب نقاط افراطِ زر دکھاتے ہیں جہاں برآمدات یا درآمدات کی حریف پیداوار کے مقابلہ میں گھریلو خرچ ضرورت سے بہت زیادہ ہوتا ہے یا اس کے برعکس قوس کے نیچے یا اس کے بائیں طرف بیروزگاری ہے کیونکہ گھریلو خرچ جمع برآمدات اور درآمدات کی جگہ لینے کے لیے پیداوار گھریلو وسائل کو پوری طرح کام پر لگانے کے لیے بہت کم رہ جاتے ہیں۔

ہم ایک خارجی توازن کے قوس کا انتخاب کرتے ہیں یعنی اس کا جہاں طویل مدتی سرمائی حرکات غالباً صفر ہیں اور X = M اس کا ڈھال مثبت ہے لاگت تناسب زیادہ موافق ہونے کی وجہ سے شمال کی جانب بڑھنے پر میزان ادائیگی بہتر ہوتا جاتا ہے (اور غالباً خرچ کی نچلی سطحوں پر یہ برآمدات تھیں) پس شمال مشرق کی جانب حرکت کرنے سے دونوں قوسیں متوازن ہو جاتی ہیں اور خارجی توازن حاصل ہو جاتا ہے۔ قوس کے اوپر اور بائیں طرف میزانِ ادائیگی فاضل رہتا ہے۔

نیچے اور دائیں جانب یہ خسارہ میں رہتا ہے۔ اس طرح اس شکل کو چار خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ I ، افراطِ زر اور میزانِ ادائیگی میں بیشی II افراطِ زر اور خسارہ III بیشی IV بے روزگاری اور میزانِ ادائیگی میں بیشی۔

اس خاکے میں بے شک صرف ایک ہی نقطہ ایسا ہے جہاں دونوں قوس ایک دوسرے کو کاٹتے ہیں۔ اس نقطہ پر ملک کامل توازن کی حالت میں ہوتا ہے۔ حصہ II اور IV میں جہاں بالترتیب خسارہ اور افراطِ زر نیز بیشی اور بیروزگاری پائے جاتے ہیں ملک کو حقیقی خرچ میں تبدیلی کی ضرورت پڑتی ہے۔ حصہ II میں اسے کم اور حصہ IV میں زیادہ کرنا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس حصہ I اور III میں پالیسی کا اہم ہتھیار لاگت تناسب میں تبدیلی کرنا ہوتا ہے مثال کے طور پر شرح تبادلہ کو کم یا زیادہ کرکے ترمیمی پالیسیوں کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ان پالیسیوں کا سب سے اچھا استعمال ان پوزیشنوں کے سلسلے میں کیا جاسکتا ہے جو اس نقطہ سے گذرنے والے عمودی اور متوازی خطوط پر (جنھیں شکل ا ۔ 26 میں دکھایا نہیں گیا ہے) پڑتی ہیں۔ ان متوازی اور عمودی خطوں کے ہر ایک طرف جداگانہ پالیسیوں کو دیگر علاج کے ساتھ ملاکر استعمال کرنا چاہیے۔ حصہ I میں نقطۂ انقطاع سے گذرنے والی عمودی لائن کے دائیں طرف مثال کے طور پر بین الاقوامی قیمتوں کو گھریلو قیمتوں سے نیچے لانے کے لیے شرح میں کیے جانے والے اضافہ کے ساتھ ساتھ داخلی توازن میں مدد دینے کے لیے خرچ کو گھٹانا چاہیے اور حصہ II میں مذکورہ نقطہ سے گذرنے والے متوازی خط کے نیچے خرچ میں کمی کو خارجی توازن کے حصول کی خاطر شرح میں کمی کے ساتھ جوڑنا چاہیے کیونکہ اس سے گذرنے والے متوازی یا عمودی خط سے خاکے کا ہر ایک حصہ تقسیم ہوجاتا ہے لہٰذا پالیسیوں کے آٹھ میل ممکن ہو سکتے ہیں۔

داخلی توازن کا قوس صرف مانگ کی کمی سے پیدا ہونے والی عام بیروزگاری کا تصور کرتا ہے اور ڈھانچائی بیروزگاری کو نظرانداز کردیتا ہے۔ سرمائے کی تشکیل اور محنت میں اضافے سے یہ قوس دائیں جانب ہٹ جاتا ہے۔ سرمائے کے زیاں سے یہ بائیں طرف کھسکتا ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا جاچکا ہے پیداواری صلاحیت کی کسی مقررہ سطح کے لیے اختیاری سرمائی حرکات کی ہر سطح پر خارجی توازن کا ایک الگ قوس ہوتا ہے۔ پیداواری صلاحیت میں تبدیلی سے بھی کسی دی ہوئی سرمائی حرکت کی نمائندگی کرنے والا خارجی توازن کا قوس اپنی جگہ سے ہٹ جائے گا۔ پس X + M قوس سرمائے کی تباہی سے بائیں جانب اور اوپر سرمائے کی تشکیل نیز محنت میں اضافہ سے دائیں جانب

اور نیچے کھسک جائے گا۔ مزید صلاحیت پیداوار کی صورت میں پرانی شرح پر خرچ میں اضافہ کرکے یا بلند تر شرح مبادلہ (کمتر لاگت تناسب) کے ذریعہ خرچ میں بغیر کوئی تبدیلی کیے خارجی توازن کو بنائے رکھنا ممکن ہوتا ہے۔

جنگ کی وجہ سے پیدا شدہ ڈھانچائی عدم توازن کے اہم مسئلہ کی تشریح کے لیے ہم قوسوں اور صلاحیت پیداوار کے مابین رشتوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ جنگ کی تباہ کاری اور مہنگائی کی پرواہ نہ کرنے سے داخلی توازن کا قوس بائیں طرف اور نیچے کی جانب آگیا اور خارجی توازن کا قوس بائیں جانب اور اوپر کی طرف چلا گیا۔ شکل 26.2 میں ان قوسوں کو جنگ کی وجہ سے اپنی جگہ چھوڑ دینے کے بعد دکھایا گیا ہے۔ جنگ کے بعد کی پوزیشن کو B کے مقام پر نقطہ سے دکھایا گیا ہے۔ یہ افراط زر اور زبردست خسارے کی پوزیشن کو ظاہر کرتا ہے۔

مشاہرین کے ایک چھوٹے گروہ کا خیال یہ تھا کہ جنگ کے بعد صحت مند معاشی پالیسی کا تقاضہ یہ تھا کہ بجٹ کو متوازن کیا جاتا اور شرح مبادلہ کو کم یعنی B سے ہٹ کر C پر پہنچا۔ لیکن ہٹے ہوئے قوس جو C پر ایک دوسرے کو کاٹتے ہیں ایک ایسے دوررس ڈھانچائی عدم توازن کی عکاسی کرتے ہیں جس میں ڈھانچائی بیروزگاری اور دائمی طور پر کم شدہ حقیقی خرچ کی سطح ہمارے لیے باقی رہ جاتی۔ مارشل پلان نے جنگ سے قبل کے X = M قوس کو جنگ کے بعد کا X + M = LTC قوس کردیا تاکہ ملک کے اندر کی طرف آنے والے بڑے سرمائی دھارے کے لیے مالیات دستیاب ہو سکے۔ اس سے بتدریج پیداواری صلاحیت بحال ہوگئی اور داخلی اور خارجی توازن (X = M) کے قوس باہر کی طرف ہٹ کر ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں وہ D جیسے نقطہ پر ایک دوسرے کو کاٹنے لگے۔

زری اور تحصیلی پالیسی:

خرچ میں تبدیلی کی پالیسیوں کو مزید دو خانوں میں بانٹا جا سکتا ہے یعنی زری اور تحصیلی۔ تحصیلی پالیسی کو قومی بجٹ خواہ اس میں بچت ہو یا خسارہ۔ پیش کرتا ہے اور سرکار، خاندانوں، یا تجارت کے اخراجات میں تبدیلیوں کے ذریعہ یہ پالیسی جیسا کہ شکل 26.1 میں دکھایا گیا ہے داخلی اور خارجی توازن دونوں پر اثرانداز ہوتی ہے۔ زری پالیسی کے دو اثرات ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ شرح سود کی تبدیلیاں تجارتی سرمایہ کاری کو اور مفروضہ خریداری کی راہ سے صارفین کے خرچ کو متاثر کرتی ہیں۔ دوم وہ بہرحال قلیل مدتی سرمائی حرکات کا سبب بن جاتی ہیں۔ یہاں ہمارا مفروضہ یہ ہے کہ مالیاتی

سکٹر مبادلہ کے خطرات مول لینے کے لیے آمادہ رہتا ہے۔ اس تشکیل کے اعتبار سے خارجی میزان $X + M + LTC + STC = 0$ ہوگا۔ یہ باب 25 میں دی گئی مساوات سے مختلف ہے۔ شکل 26.3 میں داخلی اور خارجی میزان قومی بجٹ اور شرح سود کے بالمقابل تشکیل کیے گئے ہیں جو بالترتیب تحصیلی اور زرئی پالیسی کی نمائندگی کرتے ہیں۔ خارجی میزان ادائیگی کا زیادہ گہرا ڈھال اس بات کی علامت ہے کہ اس پر زرئی پالیسی زیادہ اثر انداز ہوتی ہے جبکہ داخلی میزان تحصیلی پالیسی کا زیادہ اثر لیتی ہے۔ یہ قوسیں قومی اجرتوں کے بین الاقوامی قیمتوں کے ساتھ ایک دیے ہوئے لاگت تناسب کے اعتبار سے کھینچے گئے ہیں جیسے شکل 26.1 میں عمودی محور کے اوپر ناپا گیا ہے۔ شرح مبادلہ میں ہونے والی کسی بھی تبدیلی سے یہ دونوں قوس اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے۔ گھریلو لاگتوں میں شرح میں اضافہ کے باعث غیر ملکی قیمتوں کی نسبت اضافہ مثال کے طور پر خارجی میزان کی قوس کو دائیں جانب کھسکا دے گا اور حکومت کے بجٹ میں کسی مقررہ بچت یا بیشی کی صورت میں توازن کے حصول کی خاطر بلند تر شرح سود کی حاجت ہوگی۔ ساتھ ہی داخلی میزان کا قوس نیچے اور بائیں جانب کھسک جائے گا۔ اس کا سبب یہ حقیقت ہے کہ برآمدات اور درآمدات کے بدل پر خرچ میں کمی کرنے کے لیے کسی مقررہ شرح سود پر کامل روزگار کو بنائے رکھنے کے لیے بجٹ میں زیادہ خسارہ درکار رہتا ہے۔

منڈل جنھوں نے اس تجزیہ کو وضع کیا تھا اس کا استعمال بقول ان کے مسئلہ سپردگی کے سلسلہ میں کیا ہے۔ حصہ II اور IV میں کوئی مسئلہ سپردگی پیدا نہیں ہوتا۔ کسی دیے ہوئے لاگت تناسب پر قیمتیں مستحکم اور شرح مبادلہ جامد ہونے کی صورت میں زرئی اور تحصیلی پالیسی دونوں کو حصہ دو میں توسیع نواز اور حصہ IV میں ترفیم پسند ہونا چاہیے۔ مسائل I اور III میں پیدا ہوتے ہیں۔ اول الذکر میں جہاں کساد بازاری اور خسارہ ہے خارجی توازن کو زرئی پالیسی کے حوالے کر دینا چاہیے اور اس پالیسی کو سخت کر دینا چاہیے۔ تحصیلی پالیسی کو داخلی توازن کو دیکھنا چاہیے اور بجٹ کی بچت کم یا خسارہ زیادہ کیا جانا چاہیے۔ دونوں کو ایک ہی سمت میں استعمال کرنے سے ہم شمال مشرق یا جنوب مغرب کی طرف نکل جائیں گے اور انقطاع توازن پر پہنچے بغیر اس کے متوازی چلتے رہیں گے۔ سہل زر کو سخت تحصیلی پالیسی کے ساتھ جوڑنے سے ہم توازن سے دور شمال مغرب کی جانب چل دیں گے۔ کیونکہ خارجی توازن قوس کا ڈھال داخلی توازن قوس کے ڈھال سے زیادہ ہے۔ زرئی پالیسی کو خارجی اور تحصیلی پالیسی کو داخلی توازن پر کام کرنے میں نسبتی فائدہ ہے۔

منڈل کے اس تجزیہ کو مطابقت قرار دینے پر اعتراض اٹھایا گیا ہے۔ بعض ماہرین معاشیات

کی رائے میں یہ صرف نیم مطابقت ہے۔ زری پالیسی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے سرمائی دھاروں سے رونما ہونے والے سرمائی انتقالات خارجی توازن کی تعریف کی مانند غیر منطقی ہوتے ہیں۔ طویل مدتی افادی نقطۂ نظر سے سرمائی دھارے خاص طور پر غلط سمت میں بہہ سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ان کا رخ مالدار ممالک کی جانب ہو سکتا ہے اور یہ اُن ممالک سے انحراف کر سکتے ہیں جنھیں اپنی معاشی ترقی کے لیے سرمائے کی بڑی ضرورت ہے۔ اس طرح مسئلہ سپردگی کے ساتھ ساتھ ایک 'فلاحی مسئلہ' بھی پیدا ہو جاتا ہے اور تجزیہ کی اہمیت قلیل مدت کے علاوہ بہت کم رہ جاتی ہے۔

عام توازن میں تبدیلی :

اجرتوں، روزگار، آمدنی، زر کی رسد، خرچ، سود کی شرح، اور میزان ادائیگی اگر ہم ان سب کو ساتھ لے کر مذکورہ چار حصوں پر غور کریں تو ہمارا تجزیہ اور بھی پیچیدہ ہو جائے گا۔ یہ کام شکل 26.4. میں کیا گیا ہے۔ اس میں جروس لادوینک کے طریقے کو چارلس اسٹیلے کی ترمیم کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔ حصہ I میں اسی کی جانب محنت کی مانگ اور رسد قوسیں ہیں جنھیں حقیقی مزدوری اور روزگار کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ پھر حصہ II میں عمودی محور پر قومی آمدنی یا پیداوار کی شکل میں دکھایا گیا ہے۔ اس کے لیے ایک پیداواری تفاعل کا استعمال کیا گیا ہے جس میں پیداوار کو روزگار کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ محنت کے لیے گھٹتے ہوئے ماحصل دکھاتا ہے اور اس لیے اوپر کی طرف جاتا ہے۔ حصہ III میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے اسے سیموئلسن جدید کلاسیکی تعین آمدنی کی ترکیب کہتے ہیں یا اے ہینس۔ ہکس خاکہ کہا جا سکتا ہے۔ LM قوس زر کی ایک دی ہوئی رسد کو ظاہر کرتا ہے IxMS سطح توازن کے خرچ کو جہاں M + S = X + I ہے۔ کینزیائی تجزیہ کے تحت سیالیت کے کھانچے میں LM قوس متوازی ہے اور SM x I عمودی۔ اس مثال میں خرچ قومی آمدنی کا تعین کرتا ہے اور زر کی رسد صرف سود کی شرح کو متاثر کرتی ہے۔ اس کے برعکس کلاسیکی تجزیہ کے تحت یہ قوس الٹ جائیں گے۔ SM x I قوس بہت مسطح ہو جائے گا کیونکہ شرح سود کے ساتھ خرچ انتہائی لچکیلا ہوتا ہے اور زری قوس عمودی۔ اس صورت میں زر کی رسد قومی آمدنی کا تعین کرتی ہے (رفتار گردش یکساں ہونے کی وجہ سے) اور IxSM قوس شرح سود طے کرتا ہے (جو سرمائے کی مختتم کارکردگی ہوتی ہے) جدید کلاسیکی ترکیب میں IxMS قوس LM قوس کو اس کے اوپر جاتے ہوئے حصہ پر کاٹتا ہے (اسے نیچے کی طرف جاتے ہوئے دکھایا گیا ہے کیونکہ اس حصہ میں ہم سر کے بل کھڑے ہوئے ہیں) زر کی رسد اور توازنی خرچ مل کر

قومی آمدنی اور شرح سود دونوں کا تعین کرتے ہیں۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ خرچ قوس بر آمدات و در آمدات پر مشتمل ہے مگر ان کے بیچ برابری کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے بیچ کا فرق غیر ملکی سرمایہ کاری کے برابر ہونا چاہیے کیونکہ X – M = S – I (جہاں I گھریلو سرمایہ کاری ہے)۔

ہم میزان ادائگی پر چوتھے حصہ میں پہنچتے ہیں جہاں پہلے حصہ کے متوازی محور کی جگہ (اصل اجرتیں یا W) کی جگہ اصل پیداوار (Y) نے لے لی ہے۔ یہ نقطہ آغاز سے صرف اتنا ہی فاصلہ ناپتا ہے جتنا پہلے اور تیسرے حصہ میں جہاں میزان ادائگی کی جدول ملک کے اندر اور بیرونی قیمتوں (شکل 26.1 میں لاگت کا تناسب R) اور سود کی بیرونی شرحوں اور ساتھ ہی قومی آمدنی نیز گھریلو شرح سود کا تفاعل ہوتا ہے۔ شکل 16.8 کے خالص کینزیائی نظام میں قومی آمدنی کا تعین تمام تر قومی آمدنی سے ہوتا، شرح سود سیالیت کے کھانچے میں پھنسی رہتی اور X+M+LTC = 0 توس طویل مدتی سرمائی حرکات اس سطح پر متوازی ہوتا۔۔۔ جو رواں کھاتے کو متوازن کر دیتی۔

اس شکل کو اس طرح تیار کیا گیا ہے کہ میزان ادائگی چوتھے حصہ میں بحالت توازن ہو۔ تاہم محنت بازار میں گھریلو خرچ میں اور زری بازار میں توازن بیرونی ادائگیوں میں کسی توازن کے بغیر قائم ہو سکتا ہے۔ X + M + LTC = 0 کو نیچے کھسکائیے (یعنی اس کی موجودہ پوزیشن سے) لیکن قومی آمدنی اور سود کی شرح کو جوں کا توں رہنے دیجئے۔ اس عمل سے حصہ IV میں انقطاع اسی جگہ رہے گا لیکن اسے خسارے کے میدان میں پہنچا دے گا۔ جب تک زر روز ہیں ان کو خرچ کر کے اس پوزیشن کو باقی رکھا جا سکتا ہے۔ اگر وقتی تبدیلیوں کی بجائے اسے بنیادی تبدیلیوں کے ذریعہ صحیح کرنے کا فیصلہ کیا جائے تو انتخاب ان پالیسیوں کے درمیان کرنا ہوگا۔

1۔ شرح مبادلہ میں کمی کرنا جس سے X + M + LTC = 0 اوپر کھسک کر بیشی کے دائرے کو بڑھا دے گا (یہ IS × SM توس اور غالباً Y/E کو بھی اپنی جگہ سے ہٹا دے گا بشرطیکہ شرائط تجارت نمایاں طور پر بدلیں لیکن خاص تبدیلی چوتھے حصہ میں ہی رونما ہوگی)

2۔ سخت تحصیلی پالیسی جو IS × SM کو (دکھائے گئے مقام سے) اوپر بائیں جانب کھسکا دے گی اور حقیقی پیداوار کو کم کر دے گی۔ چوتھے حصہ میں حقیقی پیداوار میں ہونے والی کمی کمتر شرح سود کے باوجود Y اور r کے نقطہ انقطاع کو مشرق کی جانب، خسارے سے دور، اور بیشی کی طرف متحرک کر دے گی۔

3۔ زر کی رسد میں کمی کرنا جس سے LM توس اپنی موجودہ جگہ سے) نیچے آجائے گا سود کی

شرحیں بڑھ جائیں گی اور بیشی کے نزدیک تر + نئے انقطاع سے y میں کمی اور r میں اضافہ رونما ہوگا۔
تمام علم معاشیات کی مانند تجزیہ یہاں بھی نسبتاً سادہ و آسان ہے۔ لیکن مختلف قوسوں کے ان ڈھالوں کو ناپنا بے حد دشوار ہے جو یہ طے کرتے ہیں کہ نظام درحقیقت کیسے کام کرتا ہے۔ ایک کینز یائی نظام میں خرچ توازن پیدا کرتا ہے۔ نظریہ مقدار زر کے تحت زر کی رسد یہ کام قیمت سطح اور سرمائی دھارے کو متاثر کر کے انجام دیتی ہے۔

مالیاتی عدم توازن :

"جس کا علاج نہ کیا جا سکے اسے برداشت کرنا پڑے گا" اور جسے نہ دبایا جا سکتا ہو اور نہ ٹھیک کیا جا سکتا ہو اس کے لیے مالیات کا انتظام کرنا ہوگا۔ اس کے علاوہ مالیاتی ضرورت اس وقت بھی پڑتی ہے جب دبانے یا اصلاح کرنے والی پالیسیوں کو اپنا کام کرنے میں وقت لگتا ہے۔ یا جتنے عرصے میں خودکار اصلاحی عوامل ثمر آور ہوتے ہیں۔ آخری صورت میں مالیاتی انتظام سب سے عمدہ علاج ہو سکتا ہے۔

گذشتہ باب میں جن سائیکلی عدم توازنوں پر بحث کی گئی ہے غالباً اس کی انتہائی مخالف مثال پیش کرتے ہیں۔ ملک کے اندر شروع ہونے والی تجارتی سائیکل کے ہر ایک مرحلہ میں بین الاقوامی ادائیگیوں کو متوازن کرنا ملک کو مندی میں بیشی اور خوشحالی میں خسارہ کی استحکامی قوتوں سے محروم کرنے کے مترادف ہوگا۔ ادائیگیوں میں نابراری کو گھریلو عدم توازن میں اضافے کی قیمت پر ہی کم کیا جا سکتا ہے۔ اور باہر شروع ہونے والی تجارتی سائیکلوں کے ہر ایک مرحلہ میں بین الاقوامی ادائیگیوں کو متوازن کرنا ملک کو بیرونی سائیکلی طرز عمل (جو کم و بیش آمدنی لچکوں پر منحصر کرتا ہے) کا پتہ لگانے پر مجبور کرنے کے مترادف ہوگا۔ لہٰذا یہ ایک غلط فہمی ہے کہ لچکدار شرح مبادلہ جیسے کسی خودکار اور فوری طور پر متوازن ہو جانے والے نظام ادائیگی سے سائیکلی عدم توازن کا سامنا کیا جا سکتا ہے۔ دورانِ سائیکل رونما ہونے والے عدم توازن کو مالیاتی کارروائی کے ذریعہ ٹھیک کرنا بہتر رہتا ہے۔ بیرونی تیزی یا گھریلو مندی کے دوران غیر ملکی زر مبادلہ کے زرر وز جمع کرنے چاہئیں۔ اور انھیں غیر ملکی کساد بازاری یا گھریلو توسیع کے دوران (بالترتیب) خرچ کرنا چاہیے۔ جب نظام کے اندر پہلے سے موجود استحکامی عناصر اور سائیکلی مخالف، پالیسیوں کی مدد سے یا ان کے بغیر عدم توازن از خود ٹھیک ہو جانے والے ہوتے ہیں تو انھیں دبانے یا ان کی اصلاح کرنے کی بجائے مالیاتی کارروائی

کرنی چاہیے اور یہ فرض کر لینا چاہیے کہ اس کام کے لیے درکار ضروری رقم دستیاب ہو ہی جائے گی۔ ضروری تبدیلیوں کے پیدا ہونے میں وقت لگتا ہے اور جب تک ان کو بروئے کار لانے والی پالیسیاں اپنا کام پورا کریں مالیاتی تدارک کی ضرورت رہتی ہے۔ یہ عبوری عرصہ کتنا ہوگا اس کا انحصار اس امر پر ہوتا ہے کہ مذکورہ پالیسیوں کو کس عزم کے ساتھ لاگو کیا جاتا ہے۔ خود اس عزم کا تعلق پالیسیوں پر عمل در آمد کی لاگت سے ہو سکتا ہے۔ اس پر نیچے بحث کی گئی ہے۔ لاگت مالیاتی کارروائی کی بھی ہوتی ہے۔ درکار تبدیلیوں رفتار اور خسارے کو دور کرنے کے لیے مالیاتی کارروائی غیر دانشمندانہ طور پر کی جا سکتی ہے۔ ایسا عدم توازن کی نوعیت کا صحیح اندازہ نہ ہونے کی صورت میں ہو سکتا ہے: "مسئلہ کو نظر انداز کر دینے سے وہ از خود حل ہو جاتا ہے"۔ حکومت کا فن یہ ہے کہ اسے اس کا علم ہونا چاہیے کہ کس مسئلہ کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور کسے نہیں۔ اور سبھی حکومتیں اس فن کو نہیں جانتیں۔

مالیات کے ذرائع :

مالیات کی فراہمی قومی رزروز سے سونے اور/یا بیرونی زرمبادلہ کی شکل میں کی جا سکتی ہے۔ ضروری رقم قلیل مدتی سرمائی حرکات سے دستیاب ہو سکتی ہے۔ شرح مبادلہ میں تبدیلیوں کے ساتھ یہ حرکات اپنے آپ رونما ہوتی رہتی ہیں غالباً ان کی حدود طلائی نقاط یا ان سے ملتی جلتی ہوتی ہیں۔ یا پھر قومی اور بین الاقوامی زری اختیاریوں سے قرضے لیے جا سکتے ہیں۔ قومی رزروز کا استعمال اسی صورت میں ممکن ہے جب ایسے رزروز پریشانی شروع ہونے کے وقت موجود ہوں۔ اگر ابتدائی اشیا پیدا کرنے والا کوئی ملک جس کی برآمدی قیمتوں میں سائیکلی اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہوں صحیح مرحلہ پر یعنی سائیکل کے زوال کے دوران میزانِ ادائیگی کے سلسلے میں سائیکل مخالف مالیاتی پالیسی اختیار کرے تو وہ خوشحالی کے عرصے میں رزروز جمع کر سکتا ہے اور انھیں مندی میں خرچ کر سکتا ہے شرط یہ ہے کہ وہ قیمتوں، آمدنیوں، برآمدات و درآمدات، سرمائی حرکات کے جیسے عوامل کے طرزِ عمل کا پہلے سے صحیح اندازہ لگا سکے اور اس میں اتنی ہمت ہو کہ رزروز کو پہلے جمع ہوتا اور بعد میں ختم ہوتا ہوا دیکھ کر ارادے میں کوئی تبدیلی نہ آئے۔ بہرحال بالکل صفر سے آغاز کرنا زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ غیر متوقع حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے رزروز کی ایک نارمل سطح بنائے رکھنی ہوتی ہے اور وہ کسی سائیکلی پالیسی پر اس بات کو ذہن میں رکھ کر عمل کرتا ہے۔

شرحیں بڑھ جائیں گی اور بیشی کے نزدیک تر + نۓ انقطاع سے y میں کمی اور r میں اضافہ رونما ہوگا۔

تمام علم معاشیات کی مانند تجزیہ یہاں بھی نسبتاً سادہ و آسان ہے۔ لیکن مختلف قوسوں کے ان ڈھالوں کو ناپنا بے حد دشوار ہے جو یہ طے کرتے ہیں کہ نظام درحقیقت کیسے کام کرتا ہے۔ ایک کینزیائی نظام میں خرچ توازن پیدا کرتا ہے۔ نظریہ مقدارِ زر کے تحت زر کی رسد یہ کام قیمت سطح اور سرمائی دھارے کو متاثر کر کے انجام دیتی ہے۔

مالیاتی عدم توازن :

"جس کا علاج نہ کیا جا سکے اسے برداشت کرنا پڑے گا" اور جسے نہ دبایا جا سکتا ہو اور نہ ٹھیک کیا جا سکتا ہو اس کے لیے مالیات کا انتظام کرنا ہوگا۔ اس کے علاوہ مالیاتی ضرورت اس وقت بھی پڑتی ہے جب دبانے یا اصلاح کرنے والی پالیسیوں کو اپنا کام کرنے میں وقت لگتا ہے۔ یا جتنے عرصے میں خودکار اصلاحی عوامل ثمر آور ہوتے ہیں۔ آخری صورت میں مالیاتی انتظام سب سے عمدہ علاج ہو سکتا ہے۔

گذشتہ باب میں جن سائیکلی عدم توازنوں پر بحث کی گئی ہے غالباً اس کی انتہائی مخالف مثال پیش کرتے ہیں۔ ملک کے اندر شروع ہونے والی تجارتی سائیکل کے ہر ایک مرحلے میں بین الاقوامی ادائیگیوں کو متوازن کرنا ملک کو مندی میں بیشی اور خوشحالی میں خسارہ کی استحکامی قوتوں سے محروم کرنے کے مترادف ہوگا۔ ادائیگیوں میں نابراری کو گھریلو عدم توازن میں اضافے کی قیمت پر ہی کم کیا جا سکتا ہے۔ اور باہر شروع ہونے والی تجارتی سائیکلوں کے ہر ایک مرحلے میں بین الاقوامی ادائیگیوں کو متوازن کرنا ملک کو بیرونی سائیکلی طرزِ عمل (جو کم و بیش آمدنی لچکوں پر منحصر کرتا ہے) کا پتہ لگانے پر مجبور کرنے کے مترادف ہوگا۔ لہٰذا یہ ایک غلط فہمی ہے کہ لچکدار شرح مبادلہ جیسے کسی خودکار اور فوری طور پر متوازن ہو جانے والے نظام ادائیگی سے سائیکلی عدم توازن کا سامنا کیا جا سکتا ہے۔ دورانِ سائیکل رونما ہونے والے عدم توازن کو مالیاتی کارروائی کے ذریعہ ٹھیک کرنا بہتر رہتا ہے۔ بیرونی تیزی یا گھریلو مندی کے دوران غیر ملکی زرِ مبادلہ کے زرِ روز جمع کرنے چاہئیں۔ اور انہیں غیر ملکی کساد بازاری یا گھریلو توسیع کے دوران (بالترتیب) خرچ کرنا چاہیے۔ جب نظام کے اندر پہلے سے موجود استحکامی عناصر اور سائیکلی مخالف، پالیسیوں کی مدد سے یا ان کے بغیر عدم توازن از خود ٹھیک ہو جانے والے ہوتے ہیں تو انہیں دبانے یا ان کی اصلاح کرنے کی بجائے مالیاتی کارروائی

کرنی چاہیے اور یہ فرض کر لینا چاہیے کہ اس کام کے لیے درکار ضروری رقم دستیاب ہو ہی جائے گی۔
ضروری تبدیلیوں کے پیدا ہونے میں وقت لگتا ہے اور جب تک ان کو بروئے کار لانے والی پالیسیاں اپنا کام پورا کریں مالیاتی تدارک کی ضرورت رہتی ہے۔ یہ عبوری عرصہ کتنا ہو گا اس کا انحصار اس امر پر ہوتا ہے کہ مذکورہ پالیسیوں کو کس عزم کے ساتھ لاگو کیا جاتا ہے۔ خود اس عزم کا تعلق پالیسیوں پر عمل درآمد کی لاگت سے ہو سکتا ہے۔ اس پر نیچے بحث کی گئی ہے۔ لاگت مالیاتی کارروائی کی بھی ہوتی ہے۔ درکار تبدیلیوں رفتار اور خسارے کو دور کرنے کے لیے مالیاتی کارروائی غیر دانشمندانہ طور پر کی جا سکتی ہے۔ ایسا عدم توازن کی نوعیت کا صحیح اندازہ نہ ہونے کی صورت میں ہو سکتا ہے: "مسئلہ کو نظر انداز کر دینے سے وہ از خود حل ہو جاتا ہے" حکومت کا فن یہ ہے کہ اسے اس کا علم ہونا چاہیے کہ کس مسئلہ کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور کسے نہیں۔ اور سبھی حکومتیں اس فن کو نہیں جانتیں۔

مالیات کے ذرائع :

مالیات کی فراہمی قومی زرِ ذخائر سے سونے اور / یا بیرونی زرمبادلہ کی شکل میں کی جا سکتی ہے۔ ضروری رقم قلیل مدتی سرمائی حرکات سے دستیاب ہو سکتی ہے۔ شرح مبادلہ میں تبدیلیوں کے ساتھ یہ حرکات اپنے آپ رونما ہوتی رہتی ہیں غالباً ان کی حدود طلائی نقاط یا ان سے ملتی جلتی ہوتی ہیں۔ یا پھر قومی اور بین الاقوامی زری اختیاریوں سے قرضے لیے جا سکتے ہیں۔ قومی زرِ ذخائر کا استعمال اسی صورت میں ممکن ہے جب ایسے زرِ ذخائر پریشانی شروع ہونے کے وقت موجود ہوں۔ اگر ابتدائی اشیاء پیدا کرنے والا کوئی ملک جس کی برآمدی قیمتوں میں سائیکلی اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہوں صحیح مرحلہ پر یعنی سائیکل کے زوال کے دوران میزانِ ادائیگی کے سلسلے میں سائیکل مخالف مالیاتی پالیسی اختیار کرے تو وہ خوشحالی کے عرصے میں زرِ ذخائر جمع کر سکتا ہے اور انھیں مندی میں خرچ کر سکتا ہے شرط یہ ہے کہ وہ قیمتوں، آمدنیوں، برآمدات و درآمدات، سرمائی حرکات کے جیسے عوامل کے طرزِ عمل کا پہلے سے صحیح اندازہ لگا سکے اور اس میں اتنی ہمت ہو کہ زرِ ذخائر کو پہلے جمع ہوتا اور بعد میں ختم ہوتا ہوا دیکھ کر ارادے میں کوئی تبدیلی نہ آئے۔ بہرحال بالکل صفر سے آغاز کرنا زیادہ تر مشکل ہوتا ہے۔ غیر متوقع حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے زرِ ذخائر کی ایک نارمل سطح بنائے رکھنی ہوتی ہے اور وہ کسی سائیکلی پالیسی پر اس بات کو ذہن میں رکھ کر عمل کرتا ہے۔

بین الاقوامی زری فنڈ :

اگر کوئی ملک مستقل طور پر ان خساروں کا شکار نہ ہو (اور ان کے ساتھ بچت بھی ہوتی ہے) جن سے بعض ممالک کے رزرروز ختم ہوتے جاتے ہیں تو وہ ایک بین الاقوامی رزرو قایم کر سکتا ہے۔ لیکن 1930 کی دہائی میں یہ شرط پوری نہیں ہوتی تھی اور بین الاقوامی زری رزرروز میں بڑی کمی آ گئی تھی۔ لہٰذا جنگ کے بعد نئی شروعات کے لیے 1944 میں بریٹن ووڈز کے مقام پر بین الاقوامی زری فنڈ قایم کیا گیا تاکہ محدود رزرروز والی کرنسیوں کو قلیل مدتی اور عبوری خساروں کو پورا کرنے کے قابل بنایا جا سکے۔ فنڈ کو مرکزی بینکوں کے رزرروز اور قومی کرنسیوں کے طور پر قایم کیا گیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ ایسے خساروں کو پورا کرنے کے لیے جن کے از خود ٹھیک ہو جانے کا امکان رہتا ہے یا وقت گذرنے کے ساتھ پہلے ہی سے اپنائی گئی پالیسی کے نتیجہ میں دور ہو جائیں گے ممبروں کو کچھ شرطوں کے تحت ضروری مالیاتی رقوم فراہم کی جائے گی۔ تاہم فنڈ دائمی قسم کے خساروں کے لیے رقم فراہم کر کے اپنا کام جاری نہیں رکھ سکتا تھا۔ لہٰذا فنڈ متعلقہ ملک کے حالات اور پالیسیوں کا بغور جائزہ لینے کے بعد ہی کوئی کارروائی کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔

فنڈ اس معنی میں بین الاقوامی مرکزی بینک سے مختلف ہے کہ وہ خود اپنی دینداریوں سے کام کرنے کی بجائے قومی کرنسیوں کی مدد سے کام کرتا ہے۔ ابتداءً ہر ایک ملک کو ایک کوٹہ دیا گیا تھا اور ان کوٹوں میں وقتاً فوقتاً اضافہ کیا جاتا رہا ہے۔ ہر ایک ملک کو اپنے کوٹے کا 25 فیصد سونے میں اور 75 فی صد اپنی کرنسی کی شکل میں ادا کرنا ہوتا ہے۔ اس طرح جمع کیا ہوا سونا اور قومی کرنسیاں ممبر ملکوں کو اپنی کرنسیوں کے بدلے خریدنے کے لیے دستیاب ہوتی ہیں۔ یہ خریداری اس قومی کوٹے کے زیادہ سے زیادہ 200 فیصد تک ہو سکتی ہے جسے فنڈ کسی ملک کی کرنسی کی صورت میں اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ملک اپنے کوٹے کے 125 فیصد تک غیر ملکی کرنسی خرید سکتا ہے کیوں کہ کوٹے کے اندر اس کی اپنی کرنسی 75 فیصد ہی ہوتی ہے۔ پہلا 25 فیصد یا "طلائی ترجیح" ملک کو مانگنے پر از خود مل جاتا ہے۔ ایک مزید "اشیائی ترجیح" نیم خودکار طور پر جیسا کہ باب 10 میں ہم نے دیکھا تھا فراہم کیا جاتا ہے۔ یہ اس وقت دیا جاتا ہے جب کم ترقی یافتہ ملک میں اشیائی قیمتیں گرتی ہیں۔ باقی 25 فیصد ترجیحیں سود کی بلند تر شرحوں اور زیادہ سخت شرائط کے تحت دی جاتی ہیں کیونکہ فنڈ میں قومی کرنسی کی مقدار میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ رقوم کا استعمال عارضی مالیاتی کا مدعا

کے لیے ہی استعمال کی جائے دائمی خساروں کو پورا کرنے کے لیے نہیں۔

عدم توازنوں کے لیے رقوم ایک حد تک ہی فراہم کی جا سکتی ہیں۔ بین الاقوامی زرِ فنڈ جس حد تک مالیاتی رقوم فراہم کر سکتا ہے اس کا تعین فنڈ کی پالیسیوں اور ملک کے کوٹے سے ہوتا ہے کمی بیشی والے ملک کی کرنسی کو فنڈ کس حد تک استعمال کر سکتا ہے اس کا انحصار ابتدائی کوٹے پر ہے جس کا 75 فی صد قومی کرنسی کی شکل میں دستیاب ہوتا ہے۔ اس کے بعد فنڈ کسی ملک کی کرنسی کو صرف سونے کے بدلے ہی حاصل کر سکتا ہے۔ کوئی خسارے والا ملک جو خود اپنے سونے اور بیرونی کرنسی کے زرِ ردز کا استعمال کرنا چاہتا ہے۔ اس کی کامیابی ان کے سائز تک ہی ہو سکتی ہے۔ بیشک کسی ملک کی بیشی کا مالیاتی انتظام زیادہ لمبے عرصے کے لیے کیا جا سکتا ہے کیونکہ دنیا میں سونے کے ذخائر تو محدود ہیں لیکن بیرونی مبادلہ کے زرِ ردز کسی بھی حد تک بڑھائے جا سکتے ہیں۔ لیکن یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ بیشی والے ملک کو اشیاء کو جن کی حقیقی لاگت ہوتی ہے ایسے ملنے والے مطالبات کے بدلے دینے میں ہچکچاہٹ ہوتی جنھیں مستقبل میں ممکن ہے حقیقی اقدار میں تبدیل نہ کیا جا سکے۔ دورِ حاضر کے ادارائی انتظامات کے تحت یہ صحیح ہے کہ خسارے والے ملکوں کی نسبت بیشی والے ملک پر اپنی میزانِ ادائیگی میں بچتوں کے مالیاتی انتظام کو بند کرنے کا دباؤ کم ہوتا ہے تاہم اس کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

طویل مدتی سرمائی کھاتے کے ذریعہ ادائیگیوں کو متوازن کرنا:

میزانِ ادائیگی میں عدم توازنوں کے مالیاتی انتظام کی ایک مخصوص شکل جو حال کے برسوں میں کافی توجہ کا مرکز رہی ہے۔ طویل مدتی تمسکات کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا رہی ہے گویا وہ قلیل مدتی ہوں۔ اس میں جیسے جیسے بچتیں اور خسارے ایک دوسرے کے بعد رونما ہوتے ہیں طویل مدتی بونڈوں کے تمسکات کو (بالترتیب) جمع اور کم کیا جاتا ہے .... یہ قلیل مدتی سرمائی دھاروں کے ذریعہ اسی مالیاتی کارروائی کے مانند تصور کی جا سکتی ہے جسے ہم نے نیم مطابقت کا نام دیا ہے۔ مالیات کا ذریعہ مانگ دینداری کی بجائے طویل مدتی ہونے سے یہ نظام اور محفوظ ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

یہ مسئلہ اول پروفیسر انگرام نے اٹھایا تھا۔ انھوں نے پورٹوریکو میں میزان ادائیگی کے نظام مطابقت کا مطالعہ کیا تھا۔ ان کے مشاہدے میں یہ بات آئی کہ میزان ادائیگی کے اندر بیشی کے

عرصوں میں پورٹوریکو کے بینک یو۔ ایس حکومت کے تمسکات جمع کر لیتے تھے اور خسارے کے دوران انھیں فروخت کر دیتے تھے۔ خودکار نظام آمدنی بے شک اپنا کام کرتا تھا خرچ اور زر کی رسد دونوں میں تبدیلیاں ہوتی رہتی تھیں۔ لیکن انگرام کی رائے میں تمسکاتی املاک میں تبدیلی طویل مدتی سرمائے کے ذریعہ کامل مسابقت کا مظہر تھی اور اس لیے انھوں نے اس نظام کو پھیلانے کی پیروی کی۔

لیکن پورٹوریکو کی یہ مثال ایک مخصوص قسم کا کیس ہے۔ یہ یو۔ ایس کے زری نظام کا ایک حصہ ہے اور اس کے بینک یو۔ ایس کے بانڈوں کو اپنے ثانوی رزرروز میں شامل رکھتے ہیں۔ لہٰذا مطابقت کا مذکورہ نظام خارجی نہیں بلکہ داخلی نوعیت کا ہے یعنی اس میں مدتی سرمائے کا ایک مربوط بازار ہے۔ یہ وہ عام کیس نہیں ہے جس میں صرف قلیل مدتی سرمائی بازار آپس میں منسلک ہوتے ہیں۔ اصولاً ایک ملک کے بینک دوسرے ملک کے تمسکات کو سرمایہ کاری کے لیے کوئی بنیادی چیز تصور نہیں کرتے۔ طویل مدتی بانڈ بازار کے ذریعہ کام کرنے والا انگرام کا نظام مطابقت کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ تازہ ترین دلچسپی کا اظہار اس نظام مطابقت میں کیا گیا ہے جہاں قومی بازار دونوں مشترک تمسک کی وسیع ملکیت کے ذریعہ آپس میں جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ یعنی جہاں مالیاتی املاک کا بازار مربوط ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ اشیا، اور زر (قلیل مدتی سرمایہ) کے بازار بھی۔ یعنی دلچسپ نظریاتی نتائج سامنے آئے ہیں لیکن یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ اب تک یہ نتائج صرف نظریاتی ہی ہیں عملی نہیں کیونکہ مطلوبہ درجۂ ارتباط ابھی حاصل کرنا باقی ہے۔

تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ حال کے برسوں میں یو۔ ایس کی ادائیگیوں میں خساروں کے لیے مالیات فراہم کرنے والے درمیانی عرصے کے بعض ذرائع غالباً دوسرے ممالک کے لیے درمیانی اور لمبے عرصے کی سرمایہ کاری میں اپنے رزرروز لگانے کا دروازہ کھول چکے ہیں۔ یو۔ ایس کے خزانہ نے مغربی یورپ کے ترضخواہ ممالک کے ہاتھ بڑی رقوم کے روسہ بونڈ فروخت کیے ہیں۔ اس میں جرمن منمد بینک کو DM اور اٹلی کے بینک کو لیرا میں بونڈوں کے وہ بڑے اجرا بھی شامل ہیں جن سے ملنے والی رقوم سے وہ ڈالر واپس خریدے گئے جنھیں ان بینکوں نے زرِ مبادلہ سے متعلق اپنی کارروائیوں کے دوران حاصل کر لیا تھا۔ ان بونڈوں کی میعاد دو سال تک کی ہوتی ہے اور ان ملکوں کے اندر بیشی کے زمانے میں ان بونڈوں کا ذخیرہ بڑھتا جاتا تھا اور جب جرمنی اور اٹلی خسارے سے دوچار ہوتے تو یہ ذخیرہ کم ہو جایا کرتا تھا۔ سوئس ابل اختیار کے پاس بھی یو۔ ایس خزانے کے ان مخصوص

تمسکات کی بڑی مقدار جمع ہوگئی ہیں۔ دوسری طرف برطانوی خزانے کے پاس یو۔ایس کارپوریشنوں کی جاری کردہ اور دیگر تمسکات کی بڑی املاک جمع ہوگئی تھیں جنھیں گذشتہ جنگ کے زمانے میں لیا گیا تھا۔ حال کے برسوں میں برطانیہ کے سرکاری زرروز میں اضافے کے لیے ان املاک کو فروخت کر دیا گیا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یو۔ایس خزانے کی بعض تازہ ترین ترمیمی کارروائیاں —— سیالی، میزان کو بہتر بنانے کے لیے مدتی جمع اور سرکاری ایجنسی کے ایک سال سے زیادہ میعاد والے تمسکات میں اپنے زرروز کو لگانے کے لیے غیر ممالک کی حوصلہ افزائی —— درمیانی عرصے کے زرروز قایم کرنے کی سمت میں کام کر رہی ہیں کیونکہ بظاہر بہت سے ملک ان پالیسیوں کے مطابق کام کرنے میں مطمئن معلوم ہوتے ہیں اس کے بدلے میں انھیں سود کی اونچی شرحوں سے زیادہ آمدنی دستیاب ہوتی ہے۔ آخر میں بعض زرئی اختیار IMF کے ساتھ اپنی قرضخواہ کی حیثیت کو درمیانی مدت کی ایک اچھی سرمایہ کاری تصور کرتے ہیں۔ فنڈ کو یہ قرضے دیگر ممالک کو کوئی ملک اپنے کرٹے کے تحت ادا شدہ کرنسی ادھار لینے کی اجازت دے کر مہیا کرتا ہے۔ فنڈ کے ذمہ ان مطالبات پر مذکورہ ملک کو کوئی سود تو نہیں ملتا تاہم مبادلہ شرح میں زیاں کے خلاف ملنے والی ضمانت اس سے کہیں زیادہ مضبوط ہوتی ہے جو بیرونی کرنسی کی سرمایہ کاریوں میں پائی جاتی ہے۔

مطابقت اور مالیاتی کارروائی کی لاگتیں:

عدم توازنوں کی لاگتیں ہوتی ہیں اور انھیں دبانے، ان کی اصلاح، اور ان کے لیے مالیاتی کارروائی کرنے کی بھی لاگتیں ہوتی ہیں۔ عدم توازن کی لاگتوں کے ساتھ اُن کا اثر الٹ کرنے والا فائدہ بھی ہوتا ہے۔ خسارے والے ملک میں فائدہ فاضل پیداوار کی کھپت میں ہے۔ زرروز کے زیاں، قلیل مدتی قرضداری، یا وقت پر اس کے مطالبات وصول نہ ہونے پر غیر ارادی بیرونی امداد۔ آخری صورت میں خسارے والے ملک کی بجائے لاگت باہر کے ملکوں پر پڑتی ہے۔ .... بہرحال قرضداری ساکھ کے نقصان کی شکل میں لاگت کا امکان اس صورت میں بھی رہتا ہے۔ بیشی والے ملک میں لاگت کھپت کے پیداوار کی سطح سے نیچے گر جانے کی صورت اختیار کرتی ہے جبکہ تدارک کی فائدہ مستقبل میں زیادہ صرف کی گنجائش کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے البتہ یہ فائدہ اس صورت میں ختم ہو جاتا ہے جب غیر ارادی بیرونی امداد غیر امتناع صرف کر ختم کر دیتی ہے۔

مطابقت کی لاگتوں کو دو خانوں میں بانٹا جا سکتا ہے یعنی جاری رہنے والی اور عبوری۔ جاری رہنے والی لاگتیں خسارے والے ملک میں عدم توازن سے ہونے والے فائدے کے زیاں کی عکاسی کرتی ہیں۔ لیکن اس میں عدم توازن کی بالمقابل لاگتوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اصل مسئلہ عدم توازن اور توازن کے بیچ کی عبوری لاگتوں کا ہے اور ان لاگتوں کا جو بین الاقوامی زری نظام کو کارگر طور پر کام کرتے رہنے کے قابل بنائے رکھتی ہیں۔

نیم مطابقت کی لاگت یہ ہے کہ وسائل کی تقسیم مسخ ہو جاتی ہے اور نظام کو چالو رکھنے پر خرچہ آتا ہے۔ یہ لاگتیں کتنی ہوتی ہیں اس کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔ آزاد روش انھیں بہت زیادہ سمجھتے ہیں مداخلت نواز بہت معمولی۔ آخر الذکر کا اصرار ہے کہ اجارہ، ٹیکس، پیداوار کنندہ اور صارف کی لاعلمی پہلے ہی سے اتنے زیادہ ہیں کہ ترلیف، کوٹوں، سرمائی پابندیوں، اور بیرونی مبادلہ کنٹرول سے وسائل کی غیر موزوں تقسیم میں ہونے والا تھوڑا سا اضافہ کوئی زک نہیں پہنچا پاتا۔ آزاد روش کو یہ فکر لاحق ہے کہ اگر حکومت گہرے جمے ہوئے عناصر کی تبدیلیٔ ہیئت کی کوشش سے مداخلت کا آغاز کرتی ہے تو وہ حالات کو مزید خراب کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ کر سکے گی اور وقت کے ساتھ افسروں کی تعداد میں اضافہ لیکن ان کی کارکردگی میں خرابی پیدا ہوتی جائے گی۔ یہ کتاب ان مسائل کو سلجھانے کی جگہ نہیں ہے تاہم روزگار کو بنائے رکھنے میں حکومت کی کامیابی اور میزانِ ادائیگی کے عدم توازن کی صحیح تشخیص اور علاج میں اس کی مسلسل ناکامی دونوں کا ذکر کرنا غالباً مفید ہوگا۔

مجموعی طور پر بنیادی مطابقت کی لاگتوں کو بخوبی سمجھا جاتا ہے۔ خسارے والے ملک میں ترمیم زر کے ذریعہ مطابقت کی لاگت اس وقت بیروزگاری کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے جب اجرتیں زیادہ گر نہیں پاتیں اور عالمی مانگ میں کوئی خاص تیزی نہیں پائی جاتی۔ بیشی والے ملک میں افراطِ قیمت کے ذریعہ مطابقت کی قیمت یہ ہے کہ قرضدار و قرضخواہ اور جامد/متغیر آمدنی کے باہمی رشتے بگڑ جاتے ہیں۔ شرح مبادلہ کو اس کثرت کے ساتھ بدل کر کہ وہ بالآخر تغیر پذیر شرحوں کے نظام کے قریب پہنچ جائے مطابقت حاصل کرنے میں اندیشہ یہ ہے کہ اس سے استحکام کش سٹہ بازی کی حوصلہ افزائی ہو سکتی ہے گو اس بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ مزید خطرہ عالمی معیشت کا شیرازہ اس درجہ بکھر جانے کا ہے کہ تاجر اور سرمایہ کار خطرات سے بچنا چاہتے ہیں اور ایسے حالات میں بین الاقوامی تجارت اور سرمایہ کاری سے کنارہ کش ہو جانے کی راہ کا انتخاب کریں گے۔

یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ جامد شرحوں کی صورت میں بھی تبدیلی کے خطرات کچھ کم تو نہیں ہوتے بس ان کی شکل بدل جاتی ہے۔ وہ تریفوں، سرچارجوں، مبادلہ کنٹرولوں جیسی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ تاہم جامد شرحوں کے کیس میں ہمیں موجودہ شرح کے آس پاس ہم آہنگی اور توازن پیدا کرنے کے لیے مجبور رہنا پڑتا ہے۔ جس سے قومی حدود سے باہر تجارت اور سرمایہ کاری کرکے تاجروں اور سرمایہ کاروں کو اپنے نفع کو بیشترین کرنے کا حوصلہ ملتا ہے۔ تغیر پذیر شرحوں کی صورت میں اشیائی اور سرمائی بازاروں کے زیادہ مربوط رہنے کا امکان نہیں رہتا۔ اور تغیر پذیر شرحوں سے بعض ایسی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں جن سے وسائل کی تقسیم بدل جاتی ہے مثلاً تجارتی سائیکل کے دوران اور جن تبدیلیوں کو بعد میں الٹانا ضروری ہوتا ہے۔

عدم توازنوں کے لیے مالیاتی کارروائی کی بھی لاگت ہوتی ہے۔ ایک ایسا ملک جو زرروز کو بڑھا اور گھٹا کر سائیکل کے دوران بیرونی مبادلہ میں توازن رکھتا ہے اس کی لاگت یہ ہے کہ اسے زرروز کی ایک اوسط سائیکلی سطح قائم رکھنی پڑتی ہے۔ یہ ایسی رقم ہے جو عدم توازنوں کے مالیاتی انتظام کے لیے درکار نہ ہونے کی صورت میں حقیقی سرمائی املاک پر خرچ کی جا سکتی تھی۔ سونے کے زرروز کو اپنے پاس رکھنے کی لاگت اس موقع لاگت کو کہا جا سکتا ہے جو اس حقیقی پیداواری املاک کو ظاہر کرتی ہے جسے برآمدات سے خریدا جا سکتا تھا۔ تمام دنیا کے لیے سونے کے زرروز کی لاگت وہ محنت اور سرمایہ ہے جو اسے کانوں سے نکالنے۔ اس کی نقل وحمل اور ذخیرہ کرنے میں کام آئے۔ سونے کے مقابلہ میں بیرونی زرمبادلہ کے زرروز کو جن پر سود بھی کمایا جا سکتا ہے اپنے پاس رکھنے میں لاگت صریحاً کم آتی ہے۔ لیکن اگر سیال زرئی املاک کے مقابلہ میں حقیقی املاک سے ہونے والی آمدنی زیادہ ہو تو لاگت مثبت ہوگی۔

پیداوار کھپت سے زیادہ ہونے کی صورت میں بین الاقوامی زرروز میں اضافہ ممکن ہے یعنی فاضل برآت کے ذریعہ زرروز خریدے جا سکتے ہیں۔ لیکن زرروز اُدھار بھی لیے جا سکتے ہیں۔ اچھی ساکھ والا ملک کسی بین الاقوامی مالیاتی مرکز سے لمبے عرصے کے قرضے حاصل کر سکتا ہے اور اس مرکز پر سود دے کر حاصل کردہ رقم کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ ان زرروز کو پاس رکھنے کی لاگت سود کی ان شرحوں کا فرق ہوتا ہے جن پر وہ لمبے قرضے حاصل کرتے اور کم عرصے کے قرضے دیتا ہے۔ جب وہ ان قرضوں کا استعمال بہرحال کسی خسارے کو پورا کرنے کے لیے کرتا ہے تو اسے زرروز سے ملنے والی آمدنی سے محروم رہنا پڑتا ہے اور خسارے کو پورا کرنے کی بھی لاگت ہو جاتی ہے۔ اگر میزان ادائیگی

کے از خود متوازن ہو جانے کا امکان ہو یا اختیار کردہ پالیسیوں سے اسے متوازن کیا جا سکتا ہو تو اس لاگت کے بہت زیادہ ہونے کا امکان نہیں رہتا۔ اس کے برعکس اگر عدم توازن دائمی نوعیت کا ہے تو ابتدائی قرض پر لمبے عرصے تک سود ادا کرنا ہو گا۔

قرض لینے کی لاگتیں سود کی ادائیگی تک ہی محدود نہیں رہتیں۔ اور قرض دار ملکوں کو قرضے حاصل کرنے کے لیے پالیسیوں میں اکثر بڑی تبدیلیوں کی ضمانت دینی پڑتی ہے۔ چھوٹے ملکوں کے لیے ساکھ ترجیح قرضے دینے سے پہلے IMF ان سے مبادلہ کی شرحوں، اور زرئی و تحصیلی پالیسیوں میں تبدیلیوں کے بارے میں ٹھوس اور پختہ وعدے کراتا ہے۔ جب بڑے صنعتی ممالک بہت زیادہ قرضے لیتے ہیں تو خواہ یہ قرضے IMF کی معرفت ہی کیوں نہ لیے جائیں انھیں اکثر ان پالیسیوں پر عمل کرنا پڑتا ہے جو قرض دینے والے تجویز کرتے ہیں۔ بڑے ملکوں کے مابین اس طریقۂ کار کو رسمی طور پر "بسیار ذریقی نگرانی" کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کے تحت مختلف ممالک کے افسران اپنی ماہانہ نشستوں میں ایک دوسرے کی پالیسیوں کا جائزہ لیتے ہیں اور اکثر ان پر کڑی تنقید بھی کرتے ہیں۔

خسارے اور بیشی والے ممالک کے مابین عدم توازن کی لاگتوں نیز ذمہ داری کو تقسیم کرنا:

برٹن وڈ کے سامنے پیش کردہ اپنی بین الاقوامی بے باقی یونین کی اسکیم میں کینز نے یہ تجویز رکھی تھی کہ سود بے باقی یونین میں بقایا رقوم پر لیا جائے خواہ یہ باقیات مثبت ہوں یا منفی۔ مقصد یہ تھا کہ بین الاقوامی ادائیگیوں میں بیشی اور خسارہ دونوں ہی کی سرزنش کی جائے اور بیشی والے ممالک کو اپنا عدم توازن ٹھیک کرنے کے لیے ایسی ہی ترغیب مہیا کی جائے جیسی خسارے والے ممالک کے سلسلے میں خسارے کی لاگت کی شکل میں موجود ہے۔ دورانِ جنگ اور اس کے بعد ایسی دیگر تجاویز پیش کی گئیں جن میں مطابقت کا تمام تر بوجھ بیشی والے ملک پر ڈال دیا گیا۔ ان میں بعض تجاویز ایسی بھی تھیں جن کی رو سے بیشی والے ممالک کو ایک معینہ مدت میں اپنے واجب الادا مطالبات کو یا تو خرچ کر ڈالنا تھا یا پھر انھیں ختم مان لینا۔ اس تجویز پر عمل کرنے کا مطلب یہ ہوتا کہ ان ممالک کو اپنی فاضل برآمدات سے دستبردار ہونا پڑتا۔

یہ بات صحیح ہے کہ موجودہ طریقۂ کار کے تحت عدم توازن کی تقریباً ساری لاگت خسارے والے ملک کو برداشت کرنی ہوتی ہے اور یہ کہ اس کا منصفانہ ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس صورت میں

یہ بات صریحاً غیر منصفانہ ہو جاتی ہے جہاں کوئی ملک خود کو کساد بازاری سے ہمکنار کر کے بیشی حاصل کرتا ہے۔ ایسی صورت میں ترقیم زر کرنے والا ملک ادائیگیوں میں نابرابری کا ذمہ دار ہوتا ہے اور اپنے داخلی عدم توازن (بیروزگاری) کو خارجی عدم توازن (ادائیگیوں میں بیشی) کے ذریعہ نرم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن اس کی لاگت باہر کے بے قصور ملک یا ممالک کو برداشت کرنی پڑتی ہے۔ اس کے برعکس جب خسارے کا سبب باہر ترقیم زر کی بجائے خود ملک کے اندر کا افراطِ زر ہوتا ہے تو عدم توازن کی ذمہ داری خسارے والے ملک کے اوپر ہوتی ہے اور وہ باہر سے اشیاء حاصل کر کے اپنی قیمتوں کو کچھ کم کرنا چاہتا ہے۔ ایسی صورت میں مناسب یہی ہوگا کہ عدم توازن کی اصلاح اور اس کے لیے رقم فراہم کرنے کی لاگت وہ خود برداشت کرے

پس اس سوال کے جواب کا انحصار کہ ادائیگیوں میں عدم توازنوں کے مالیاتی انتظام نیز اصلاح کی لاگتوں کو کیسے تقسیم کیا جائے عالمی استعمالِ وسائل کی صورت حال پر ہے۔ مندی کے زمانے میں بیشی والا ملک باقی دنیا کو بیروزگاری برآمد کر رہا ہوتا ہے اور اس سے جائز طور پر ان لاگتوں کا بڑا حصہ برداشت کرنے کے لیے کہا جا سکتا ہے۔ یہ دلیل اور 1930 کی دہائی کی یادیں ان تجاویز کے پیچھے کارفرما ہیں جن کی رو سے لاگتوں کا ایک حصہ بیشی والے ملک کو منتقل کیا جانا چاہیے۔ عدم توازن کے لیے وہ ذمہ دار ہوتا ہے اور اس لیے اس سے متعلق مالیات اور اصلاح کی لاگتیں بھی اسے ہی برداشت کرنی چاہئیں۔ جب عدم توازن دائمی اور لمبے قسم کا ہوتا ہے اور ترقی پذیر ممالک میں کافی عرصے تک جیسا ہم کہہ چکے ہیں رفتار پکڑتا جاتا ہے نیز ترقی یافتہ ممالک میں گھریلو سرمایہ کاری سے بچت زیادہ رہتی ہے تو بازارِ سرمایہ کو اس طرح منظم کیا جانا چاہیے جس سے بیشی والے ملک کے رواں کھاتے میں سرمائے کی فاضل برآمدات پیدا ہوں اور خسارہ بردار سرمائی کھاتے والے ممالک میں سرمائی درآمدات بڑھیں لیکن ایک ملک کی فالتو بچت کا دوسرے ملک کی زاید سرمایہ کاری کے برابر ہونا ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلسل ترامیم کے ذریعہ ایسی سرمائی حرکات پیدا کی جائیں جو خرچ اور سرمایہ کاری کے مقامی رجحانات سے ہم آہنگ ہوں اور بعد ازاں یہ ترامیم ان رجحانات کو سرمائی حرکات کے مطابق کر دیں یہاں تک کہ بالآخر لمبی سرمائی حرکات رواں کھاتے کی ایسی بیشیوں اور خساروں سے ہم آہنگ ہو جائیں جو "ارادی" مفہوم میں باہم مساوی ہوں۔ اس کے لیے اسے کھائی کو پاٹنے کی غرض سے جسے عالمی بینک اور غیر ملکی امداد نہ بھر سکے بیشی والے ملکوں میں سرمائی بازار کے اداروں کو پروان چڑھانے اور خسارے والے

ملکوں میں قرض کے لیے ساکھ قایم کرنے کی ضرورت ہے۔ کلاسیکی نظام کے تحت خسارے والے ملکوں کی زاید بچت کے لیے مانگ سود کی شرح کے ذریعہ بیشی والے ملکوں کی فالتو بچت کی رسد کے بے شک برابر ہو جاتی ہے۔ مندی کے زمانے میں یہ نظام ناکام ثابت ہوتا ہے گو عالمی خوشحالی کے دور میں یہ زیادہ بہتر طور پر کام کرنے لگتا ہے۔

خلاصہ:

ادائگیوں کے عدم توازنوں کو دبایا جا سکتا ہے، ان کی اصلاح کی جا سکتی ہے یا ان کے لیے مالیات کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ نیم مطابقتیں جن سے عدم توازنوں کو دبانے کا کام لیا جاتا ہے۔ تقسیم وسائل کو خراب کر دیتی ہیں اور انتہا یہ ہے کہ بیرونی مبادلہ کنٹرول کی صورت میں نظام عدم توازن کی نمائندگی کرتی ہیں۔ اصلاح کے لیے بنیادی مطابقتوں کو بروئے کار لانے کی ضرورت ہوتی ہے ان میں خرچ میں ترامیم یا خرچ میں تبدیلیاں زیادہ نمایاں حیثیت کی حامل ہیں۔ ترمیم خرچ شرح مبادلہ کی تبدیلیوں یا جامد شرح کے ساتھ زر کی نسبتی افراط یا ترفیم کے ذریعہ گھریلو قیمتوں یا اجرتوں کے ساتھ بین الاقوامی قیمتوں کے تناسب کو بدلنے پر مشتمل ہوتی ہے۔ خرچ میں تبدیلیاں تحصیلی یا زری پالیسی کے ذریعہ عمل میں لائی جا سکتی ہیں۔ معیشت کے اندر داخلی توازن کے سلسلہ میں تحصیلی پالیسی زیادہ مفید ثابت ہوتی ہے جبکہ سرمائی حرکات پر اپنے اثر کی وجہ سے خارجی توازن میں زری پالیسی زیادہ کارگر رہتی ہے۔ جس حد تک یہ سرمائی حرکات قلیل مدتی ہوتی ہیں یا معاشی ترقی و فلاح کے اعتبار سے غلط سمت میں طویل مدتی ہوتی ہیں اسی حد تک سرمائی حرکات پر زری پالیسی کا اثر بنیادی کی بجائے نیم مطابقت پیدا کرتا ہے۔

جب عدم توازن اپنی اصلاح خود کر لیتے ہوں یا جو بنیادی اقدامات کیے گئے ہیں انہیں اپنا کام کرنے میں وقت لگتا ہو تو ان کے لیے مالیاتی انتظام درکار ہوتا ہے۔ دبانے، اصلاح کرنے، مالیاتی کارروائی کرنے میں لاگت آتی ہے۔ ان لاگتوں کا بار خاص طور پر خسارے والے ملک پر پڑتا ہے۔ یہ بات بہرحال مندی میں غیر منصفانہ ہے۔

مطالعہ کے لیے تجاویز:

درسی کتب۔

Yeager.. Chaps. 6.7 8. element, Pfister and Rothwell chap. V

تحقیقی رسائل وغیرہ :

See essays by Swan "Long-Term Problems of the Balance of Payments", Johnson , "Towards a General Theory of the Balance of Payments", and Metzler "The Process of International Adjustment under Conditions of Full-employment: A Keynesian View" in American Economic Association, Readings in International Economics Mundell's "The Appropriate use of Monetary and Fiscal Policy for Internal and External Stability" SP, April 1963 and W.Fellner, F.Machlup and R.Triffin (eds) Maintainnign and Restoring Balance in International Payments Princeton N.J. Princeton University Princeton Press 1966

نکات :

John H. Williamson بنیادی اور نیم مطابقت کے بیچ فرق کے لیے دیکھیں "The Crawling Peg" EIF 1965

جاری رہنے والی اور مطابقتی لاگتوں (بسلسلہ مطابقت) کے بیچ امتیاز کے لیے دیکھیں Benjamin J.Cohen in Adjustment Costs and the Distribution of New Reserves Princeton Studies in International Finance NO. 18 (Princeton N.J. Princeton University Press, 1966)

جیمس ٹوبن کا میزان ادائیگی کے عدم توازنوں کو طویل مدتی بانڈوں کے ذریعہ درست کرنے کا مشورہ جس مقالہ میں ملتا ہے وہ ہے ۔

"A Prospoasal for Financial Integration of the Atlantic Community" in Joint Economic Committee, Factors Affecting the United States Balance of Payments, 87th Congress 2nd sess.Washington D.C. U.S.Government Printing Office, 1962)

مربوط سرمائی بازاروں کے بازاروں کے بارے میں ایک اعلیٰ ترین نظریاتی تجزیہ اس

R.I.Mackinnon and W.E.Oates, the Implicuations مقالہ میں لکھا ہے۔

of International Economic Integration for Monetary, Fiscal and Be Exchange Rate Policy Princeton Studies in International Finance No.16 (Princeton N.J: Princeton University Press, 1966)

باب 27 بین الاقوامی زرنی انتظامات

مطابقت، سیالیت، اور اعتماد :

بین الاقوامی زرنی نظام کا جائزہ لینے والے 32 ماہرین معاشیات کے ایک گروہ نے اس مسئلہ کو مطابقت، سیالیت، اور اعتماد تین حصوں میں توڑا تھا۔ گزشتہ باب میں مطابقت پر غور کیا گیا تھا۔ موجودہ باب میں سیالیت اور اعتماد زیر بحث رہیں گے۔ سیالیت کا تعلق مالیات کی اس مقدار سے ہے جو بین الاقوامی زرنی نظام کو ایسے عدم توازنوں کی ضرورت پوری کرنے کے لیے جنھیں وہ مالیاتی کارروائی کے ذریعہ درست کرنا چاہے یا عمل مطابقت کے دوران درست کرنے پر مجبور ہو اسے بآسانی دستیاب ہو۔ نظام پر اعتماد کی ضرورت اس امر کو یقینی بنانے کے لیے ہوتی ہے کہ انفرادی طور پر وہ ممالک جو نظام کو ٹوٹتا ہوا محسوس کر رہے ہوں، نفع کمانے (بجی استحکام کش سٹہ باز) یا اپنے قومی مفاد کا تحفظ کرنے (زرنی اختیاریے) کی کوششوں سے خود اپنے اندیشوں کی تکمیل کا سبب نہ بن پائیں۔

مطابقت کا اکثر دوبارہ حوالہ دیے بغیر سیالیت اور اعتماد پر بحث نہیں کی جا سکتی۔ مستقل بنے رہنے والے عدم توازن کی صورت میں نہ تو کوئی نظام کافی سیالیت فراہم کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی نظام پر اعتماد قایم رہ سکتا ہے۔ جلد یا بدیر نیم مطابقتوں کی ضرورت پڑے گی اور بالآخر نظام عدم توازن والا ہو جائے گا۔ اگر عمل مطابقت ٹھیک طور پر کام کرتا ہے تو اس کے برعکس بین الاقوامی زرنی نظام میں شاذ ہی سیالیت کی حاجت ہوگی اور نہ ہی اعتماد قایم رکھنے کے سلسلے میں کوئی مسئلہ پیدا ہوگا۔ سیالیت اور اعتماد کے حقیقی مسائل اسی وقت پیدا ہوتے ہیں جب عمل مطابقت کام تو کرتا ہے لیکن اس کی رفتار سست نیز کارکردگی ناقص ہوتی ہے۔

غیر ملکی مبادلہ کا لچکیلا پن :

بین الاقوامی زرئی نظام کے لیے درکار زر روز کا انحصار بڑی حد تک نظام مطابقت کی خصوصیات پر ہوتا ہے۔ آزادی کے ساتھ بدل سکنے والی شرح مبادلہ کے نظام کے تحت جس میں زرئی حکام مبادلہ بازار میں بالکل مداخلت نہ کرتے ہوں بین الاقوامی زر روز کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی۔ بیرونی مبادلہ کے بازار کو مانگ اور رسد کو برابر کرنا پڑتا ہے اور بات یہاں ختم ہو جاتی ہے۔ بعض ماہرین معاشیات کی رائے میں یہ ایک بہت ہی اچھا نظام ہے۔ ان کی رائے میں یہ بات قرین قیاس ہے کہ زرئی اور تحصیل پالیسی کو بین الاقوامی ادائیگیوں میں استحکام قایم رکھنے کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ بیرونی مبادلہ بازاروں میں استحکام بخش سٹہ ہوگا جو وقت کے ساتھ شرح مبادلہ کو نئے حالات کے مطابق کر دے گا۔ اور آمدہ بازار کے ارتقار کے ذریعہ تجارت کی حوصلہ شکنی کرنے والے خطرات کا سامنا کیا جا سکے گا۔ ان خیالات سے سبھی اتفاق نہیں کرتے۔ آخری نکتہ کے بارے میں مثال کے طور پر ضمیمہ ۱۱ میں یہ دلیل پیش کی گئی ہے کہ آمدہ بازاروں سے حالات میں کوئی بنیادی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی وہ صرف ادارانی سہولت فراہم کرتے ہیں بہرصورت باڑھ بندی کے قلیل مدتی طریقوں کو لمبے عرصے کے خطرات سے محفوظ رکھنے کے ذریعہ کے طور پر استعمال کرنا ناممکن ہے۔ بعض حالات میں سٹہ کو استحکام کش تصور کیا جاتا ہے ــــ خاص طور پر غیر یقینی صورت حال میں اس کی وجہ سے شرح مبادلہ کی حرکات اعتدال پر آنے کی بجائے بڑھ جاتی ہیں۔ ایک رائے یہ بھی ہے ــــ اگرچہ اس پر بحث کی گنجائش ہے ــــ کہ حکام کی تادیب کے لیے مبادلہ کی جامد شرحیں تغیر پذیر شرح سے بہتر ہوتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ زرئی اور تحصیل حکام شرح مبادلہ میں گراوٹ کی نسبت زر روز کے زیاں کی صورت میں زیادہ تیزی سے کارروائی کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا نکتہ ہے جس پر نظریہ آسانی سے تشکیل کیا جا سکتا ہے لیکن اس سے یقینی طور پر واقف ہونا مشکل ہے۔

آزادانہ طور پر تغیر پذیر شرح مبادلہ کے خلاف سب سے اہم دلیل یہ ہے کہ وہ قومی معیشتوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے۔ دنیا کو مربوط رکھنے کے لیے درکار تجارت، مالیات اور خاص طور پر طویل مدتی سرمائی حرکات کا جن کی ضرورت عالمی یکجہتی کے لیے ہوتی ہے شرح مبادلہ میں اتار چڑھاؤ کے مزید خطرات کے سبب کم ہو جانا تقریباً یقینی ہے۔

ایک سرے پر آزادانہ طور پر تغیر پذیر شرحوں اور دوسرے سرے پر دائمی طور پر جامد شرح مبادلہ کے بیچ بہت سے امکانات میں سے چار کی نشان دہی کی جاسکتی ہے۔: سرکاری مداخلت کے ساتھ تغیر پذیر شرح، وسیع پٹی، متحرک کھونٹی، اور کھسکنے والی کھونٹی ان سب میں مطابقت کے لیے ترمیم خرچ کی پالیسی اختیار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ سب کے لیے عبوری عدم توازنوں کے مالیاتی انتظام کی خاطر نظام میں سیالیت کی ضرورت پڑتی ہے۔

سرکاری مداخلت کے ساتھ تغیر پذیر شرح یہ مان کر چلتی ہے کہ حکومت۔۔ان عبوری عوامل کی شناخت کرسکتی ہے جنھیں شرح پر اثرانداز نہیں ہونے دینا چاہیے یا استعمال وسائل میں تبدیلی کے عمل کو شروع کرنے سے باز رکھا جانا چاہیے اور وہ ایسا کرتے ہیں۔ جس قسم کی تجارتی سائیکل کا تذکرہ باب 25 میں کیا گیا ہے، اس کے دوران مثال کے طور پر سرکاری حکام زرِ دوز کو خرچ کریں گے یا خسارے کے زمانے میں IMF سے رقم لیں گے اور بیشی کے دوران زرِ روز کو بنائیں گے یا فنڈ کی رقم واپس کریں گے۔ حکام دیگر عوامل ــ مثلاً ڈھانچائی قسم کے ــ زیرِ اثر شرح کو بدلنے دیں گے یہ عوامل مانگ یا رسد میں تبدیلی کو ظاہر کریں گے۔ مداخلت کی مخالفت کرنے والا تغیر پذیر شرح مبادلہ کا حامی یہ سمجھتا ہے کہ عارضی اور دور رس اثرات کے بیچ حکومتیں بھی سٹہ بازوں سے بہتر امتیاز نہیں کرپاتیں۔ جو لوگ مداخلت کے ساتھ تغیر پذیر شرح کی حمایت کرتے ہیں ان کا موقف یہ ہونا چاہیے کہ ایسا ہوتا ہے۔

چوڑی پٹی کی تجویز جسے اول کینز نے پیش کیا تھا اور جسے جارج ہام نے نئی زندگی دی ان دو نظریات کے بیچ ایک قسم کا سمجھوتہ ہے۔ یہ پٹی اتنی کافی چوڑی ہوتی ہے جس میں شرحوں کے آزادانہ طور پر بدلنے سے وسائل کی تقسیم تو متاثر ہوتی ہے لیکن خطرے کی بنا پر بین الاقوامی معاشی کاروباری تعلقات پر کوئی ناگوار اثر نہیں پڑتا۔ جو موجودہ نظام کے مساوات سے 1 یا 2 فیصد کے برعکس 10 فیصد تک کے مثبت یا منفی انحراف کو بہتر خیال کیا جاتا ہے۔ خیال یا امید یہ ہے کہ مبادلہ کی شرحوں میں وسیع تر ردوبدل کی گنجائش رکھنے سے تھوڑی بہت مطابقت ترمیم خرچ کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہے اور اسی کے ساتھ استحکام کش سٹہ کو محدود رکھا جاسکتا ہے نیز شرح مبادلہ میں اس بہت زیادہ اتار چڑھاؤ کو روکا جاسکتا ہے جس سے خطرے سے بچنے والے خوف کھاتے ہیں۔ قیاساً پٹی کے اندر ہونے والے اتار چڑھاؤ نہ تو اتنے زیادہ ہی ہوتے ہیں جس سے تجارت اور سرمایہ کاری کی حوصلہ شکنی ہو اور نہ ہی اتنے کم جس سے عمل مطابقت میں رکاوٹ پڑے۔ چوڑی پٹی کی تجویز

مبادلہ کے جمود اور لچکیلے پن کے درمیان کا راستہ ہے۔ یہ ان دونوں انتہائی پوزیشنوں کے حامیوں میں سے کسی کو بھی مطمئن نہیں کرپاتی۔

متحرک کھونٹی ایک ایسی جامد شرح ہوتی ہے جسے وقتاً فوقتاً بدلا جاتا رہتا ہے۔ ۱۹۴۴ میں بریٹن ووڈز کے مقام پر IMF کے سمجھوتے کے ضابطوں میں درحقیقت اسی صورت حال کو اپنایا گیا تھا۔ یہاں یہ طے پایا تھا کہ شرح میں معمولی تبدیلی کسی بھی وقت کی جاسکتی ہے اور بڑی تبدیلی کی اجازت بنیادی عدم توازن کی صورت میں دی جائے گی۔ تاہم عملی اعتبار سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بین الاقوامی زرری نظام کے قدم جامد شرحوں کی منزل کی طرف بڑھتے جا رہے ہیں۔ متحرک کھونٹی سے کہا جاتا ہے استحکام کش سٹے کو فروغ ملتا ہے کیونکہ اس میں سٹہ بازاروں کو "یک طرفہ اختیار" حاصل ہوجاتا ہے۔ : جب کسی کرنسی پر آفت آتی ہے تو اس کے اوپر جانے کا کوئی امکان نہیں ہوتا اور نیچے گرنے کا امکان کافی رہتا ہے۔ پس اس کے خلاف سٹہ کرنے میں کوئی خطرہ نہیں رہتا۔ علاوہ ازیں جب شرح میں تبدیلیاں کی جاتی ہیں تو ان کے ضرورت سے کہیں زیادہ آگے نکل جانے کا امکان رہتا ہے۔ کسی ضرورت سے زیادہ قیمت والی کرنسی جس پر دباؤ جاری ہے کی نئی شرح ایسی سطح پر مقرر کی جاتی ہے کہ اس میں مزید ضرررساں سٹہ بازی کی گنجائش باقی نہ رہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی قیمت اب ضرورت سے زیادہ کم ہوجائے گی۔ کسی ایک کرنسی کی قیمت ضرورت سے کم ہونے پر کسی دیگر کرنسی یا کرنسیوں کی قیمت ضرورت سے زیادہ ہوجائیگی اس لیے فنڈ یا کم مدت کے سٹہ کا رُخ ان کی جانب ہوجائے گا۔ اس طرح مطابقت سے متعلق ایک قومی بحران بڑھ کر "ڈھانچائی بحران" بن جاتا ہے اور اس کے بعد غالباً "نظاموں" میں بحران کی صورت پیدا ہوجاتی ہے جس سے زرری نظام درہم برہم ہوجاتا ہے۔ لیکن صرف تھوڑی سی تبدیلی کرنے سے یہ امکان باقی رہ جاتا ہے کہ مزید تبدیلی کرنی پڑے گی۔ جب مارچ 1961 میں جرمن مارک اور ڈچ فلورن کی شرحوں میں 5 نیصد کا اضافہ کیا گیا تو بازار نے اسے پہلا قدم قرار دیا اور اسٹرلنگ و ڈالر سے فرار اختیار کرکے DM اور فلورن میں پناہ لی۔ اس کی وجہ سے بحرانوں پر قابو رکھنے کے لیے بیسل سمجھوتے کیے گئے جن کی رو سے سوئٹزرلینڈ میں بیسل کے مقام پر عالمی انتظام کے بینک کے تحت اہم مرکزی بینکوں کے افسران کی بیٹھک میں یہ طے پایا کہ کسی بحران کی صورت میں وہ کمزور کرنسیوں کو خریدیں گے اور اپنے پاس جمع رکھیں گے اور اس طرح بڑی تعداد میں کم مدت کے قرضے دیں گے۔ بحران ختم ہوجانے کے بعد ڈالر پوزیشن الٹا دی جاتی اور بندس بینک کے پاس جمع اسٹرلنگ IMF سے لیے قرضوں

میں بدل لیے جاتے۔ گو اس واقعہ نے جیسل انتظامات کی تشکیل کے ذریعہ بین الاقوامی زری مشینری کو بہتر بنا دیا تاہم اس کے سبب شرح مبادلہ میں مطابقت میں مزید دلچسپی کم ہو گئی۔ شرح مبادلہ میں ضروری ترمیم اسی وقت کی جائے گی جب کسی کرنسی پر دباؤ ناقابل برداشت ہو جائے مثال کے طور پر جیسا ۱۹۴۹ء اور ۱۹۶۷ء میں اسٹرلنگ اور ۱۹۵۸ء میں فرانسیسی فرینک کے سلسلہ میں ہوا۔ تاہم قابل ترمیم (متحرک) کھونٹی کو نظام کا درجہ نہیں دیا جاتا۔

کھسکنے یا رینگنے والی کھونٹی سمجھوتے کا ایک مزید اور نفیس طریقہ تھا۔ اس میں ایک جانب ترمیم خرچ و بین الاقوامی اقدار میں اعتماد سے حاصل ارتباط کے ذریعہ مطابقت کی کوشش کی جاتی اور دوسری جانب استحکام کش سٹے کو قابو میں رکھا جاتا اس اسکیم کے تحت شرحوں کو بدلتے رہنے کی آزادی ہوتی ہے لیکن ہر ایک عرصے میں وہ بس تھوڑی بہت ہی بدل سکتی ہیں۔ یکے بعد دیگرے عرصہ میں تبدیلیاں سلسلہ وار ایک ہی سمت میں ہونے سے تبدیلی امتیازی نوعیت کی ضرور ہو جائے گی لیکن کسی ایک مدت میں ہونے والی تبدیلی سٹے کی حوصلہ افزائی کے لیے کافی نہ ہوگی۔ اگر تبدیلی کا رجحان ایک ہی سمت میں ہو تو ایک تجویز مثال کے طور پر یہ پیش کی جاتی ہے کہ سونے یا مبادلہ کو سہارا دینے والے نقطہ میں تبدیلی کو ½ فیصد ماہانہ یا 2 فیصد سالانہ تک ہی محدود رکھا جائے حملہ کا شکار کرنسی کی قلیل مدتی سودی شرحوں کے 'محفوظ' مالیاتی مرکز سے اونچا ہونے کی صورت میں سٹے کا نفع نسبتاً کم پرکشش رہ جائے گا۔ کھسکنے والی کھونٹی کے نظام نے کافی علمی دلچسپی پیدا کی ہے لیکن شرح مبادلہ کے لچکیلے پن سے متعلق دیگر تجاویز کی طرح تجارتی یا سرکاری حلقوں نے اس تجویز پر بھی کوئی توجہ نہیں دی ہے۔

کناڈائی لچکیلی شرح:

یہ آخری بیان بہت زیادہ صحیح نہیں ہے۔ کناڈا نے ۱۹۵۰ء میں ایک لچکیلی شرح کو سرکاری مداخلت کے ساتھ اختیار کیا لیکن 11 سال بعد اسے ترک کر دیا۔ کناڈا میں آنے والا اور وہاں سے باہر جانے والا قلیل مدتی سرمایہ استحکام بخش اثرات کا حامل تھا لیکن لمبے عرصے کی سرمائی حرکات شرح کی تبدیلیوں کو نظر انداز کر دیتی تھیں اور کناڈا میں سود کی اونچی شرحوں کی وجہ سے شرح مبادلہ کو اوپر کی طرف دھکیلتی رہتی تھیں۔ سود کی اونچی شرحوں سے کساد بازاری پیدا ہوتی تھی۔ اس کا سبب براہ راست طور پر خرچ کے اندر واقع ہونے والی کمی تو اتنا نہیں ہوتی تھی جتنا یو۔ ایس سرمائے

کا ملک میں آنا، کناڈائی ڈالر کی بیرونی قیمت میں اضافہ ہونا اور برآمدات کے لیے پیدا وار نیز درآمدات کی بدل اشیاء کی پیداوار میں کمی ہونا۔ زرعی پالیسی کو گھریلو استعمال کے لیے آزاد چھوڑ دینے کی بجائے لچکیلی شرح مبادلہ کا نظام خود میکنیزم ہی کو بدل ڈالتا تھا۔

یہ کوئی ایسا عام نتیجہ نہیں ہے جسے تمام ممالک پر لاگو کیا جا سکے۔ ریاستہائے متحدہ اور کناڈا کے سرمائی بازار بڑی مدت سے آپس میں مربوط رہے ہیں اور سرحد کے دونوں جانب طویل مدتی توقع یہی رہی ہے کہ لمبے عرصے میں یو۔ایس اور کناڈا کے ڈالر ایک دوسرے سے بہت زیادہ انحراف نہیں کریں گے۔ طویل مدتی بانڈوں کے معاملے میں شرح مبادلہ میں کسی ممکن پریمیم یا منہائی کو بونڈ کی مدت کے سالوں سے تقسیم کرنے پر اس کے اتنا اہم ہونے کا امکان نہیں ہے جتنا سال بہ سال اس پر آمدنی میں 1 فیصد کے فرق کا۔ جہاں کوئی ایسی ٹکاؤ سطح نہ ہو جس پر شرح کے لوٹ آنے کا امکان ہو یا جس سے اس کا بہت دور جانا ممکن نہ معلوم ہو وہاں یقینی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ طویل مدتی سرمائی حرکات باقی و جاری رہیں گی۔

پس کناڈا کے تجربے کو حتمی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کچھ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ یہ لچکیلی شرح مبادلہ جسے کناڈا کی کج فہم زرعی پالیسی نے تباہ کر دیا۔ ایک کامیاب آزمائش تھی۔ دوسرے لوگ اس سے یہ سبق لیتے ہیں کہ لچکیلی شرح مبادلہ کا نظام تقریباً انھیں خطوط پر گھریلو پالیسی کو بین الاقوامی اثرات سے پاک رکھنے میں ناکام رہتا ہے جیسے باب 17 کی لارینن مینڈل تھیورم۔ دونوں ہی صورتوں میں یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس تجربہ کو وسیع پیمانے پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔

کرنسی کا مثالی علاقہ:

دائمی طور پر جامد شرحوں کا نظام بالکل ایسا ہی ہے جیسے پوری دنیا کا زر ایک ہی ہو۔ اس کے برعکس ایک ایسا نظام جس میں شرحیں بدل سکتی ہوں دنیا کو مختلف زروں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ دنیا کی تقسیم کتنی باریک ہو؟ ملکوں پر ہی کیوں رکا جائے اس کی بجائے ملکوں کے گروہوں کی بلند تر یا علاقوں، ریاستوں، علاقوں کی نچلی سطحوں پر کیوں نہیں؟ کیا ایشیا کے لیے علیحدہ کرنسی اور متغیر شرح اختیار کرنا سودمند ثابت ہوگا۔؟ ان تمام سوالات کو ایک مسئلہ میں سمویا جا سکتا ہے۔ کرنسی کا مثالی علاقہ کیا ہوگا۔؟

یہ سوال سب سے پہلے منڈل نے اٹھایا تھا اور انھوں نے اس کا جواب کلاسیکی انداز فکر میں

عوامل کی حرکت پذیری کو دھیان میں رکھ کر دیا تھا۔ کوئی علاقہ ایک ایسا خطّہ ہوتا ہے جس میں عوامل حرکت پذیر رہتے ہیں۔ جبکہ علاقوں کے بیچ وہ حرکت پذیر نہیں ہوتے۔ مطابقت کے ذریعہ کے طور پر اس حرکت پذیری کی عدم موجودگی میں کسی اور قسم کی آزادی کی ضرورت پڑتی ہے۔ جیسے وہ جو شرح مبادلہ کی تغیر پذیری فراہم کرتی ہے۔ علاقہ کی بقول ان کے ایک علیٰحدہ کرنسی ہونی چاہیے۔ یہ علاقہ کبھی یورپی معاشی برادری کی مانند ایک ملک سے بڑا اور کبھی کناڈا کے بحری صوبوں یا ریاستہائے متحدہ میں اپیلشیا کی مانند اس سے چھوٹا ہوگا۔ یہ تو طے ہے کہ ایک کو دوسرے زر میں تبدیل کرنے میں خرچ آتا ہے اور سہولت کے اعتبار سے کسی کرنسی کا علاقہ جہاں تک ہو سکے وسیع ہونا چاہیے۔ لیکن جہاں شرح جامد اور ترک وطن محدود ہو وہاں بین علاقائی حساب کتاب کو متوازن رکھنے کے لیے اس فائدہ کی لاگت بیروزگاری برداشت کر کے ادا کرنی پڑتی ہے۔

منڈل کے ایک ناقد میک کینن کا استدلال یہ ہے کہ کرنسی کے مثالی علاقے کے تصور کی جان عوامل کی حرکت پذیری نہیں ہے۔ ان کی رائے میں اصلی ضرورت ایک بند معیشت ہوتی ہے یعنی ایک ایسی معیشت جس میں داخلی لین دین بہت زیادہ اور خارجی بہت کم ہو تاکہ جب شرح مبادلہ میں تبدیلیاں ہوں تو بیرونی قیمتوں کی تبدیلی سماج کے معیارِ زندگی کو قابلِ توجہ حد تک متاثر نہ کر سکے۔ ضرورت جس بات کی ہے اسے سراب مبادلہ کہا جا سکتا ہے۔ یہ سراب زر سے مشابہ ہوتا ہے جس میں ہم قیمتوں میں ہونے والی تبدیلیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور زری آمدنی میں ہونے والی تبدیلیوں کو حقیقی آمدنی کی تبدیلیوں کے برابر خیال کرتے ہیں۔ یعنی اس وقت بھی جبکہ قیمتیں بدل چکی ہوتی ہیں۔ معاشی پالیسی کے تین نصب العین ہوتے ہیں: کامل روزگار، متوازن بیرونی ادائیگیاں اور استحکام قیمت۔ ایک کھلی ہوئی معیشت میں جہاں شرح میں تبدیلیوں کا استعمال پہلے دو مقاصد کو حاصل کرنے میں کیا جاتا ہے تیسرا مقصد فوت ہو جاتا ہے کیونکہ شرح کی گراوٹ سے بیرونی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں یا شرح میں اضافے سے وہ کم ہو جاتی ہیں۔ قیمتوں میں تبدیلی سے حقیقی آمدنی بدلتی ہے جس سے خرچ میں ردو بدل کرنے کی ترغیب ملتی ہے۔ اس کے برعکس ایک بند معیشت میں بیرونی قیمتوں میں تبدیلی پر کوئی دھیان نہیں دیتا اور شرح مبادلہ کے بدلنے سے خرچ میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ ممکن ہے کہ بند معیشتیں عوامل کی خارجی حرکت پذیری کے انھیں علاقوں سے میل کھا جائیں یا نہیں جنھیں منڈل نے کرنسی کے مثالی علاقے کے طور پر تجویز کیا ہے۔ معیار مختلف ہوتا ہے۔ بحری صوبے اور اپیلشیا کو — زر تبدیل کرنے کی لاگت سے

قطع نظر — علیحدہ کرنسی کے علاقے قرار نہیں دیا جا سکتا۔ دیگر عدم مماثلتیں بھی ہو سکتی ہیں: ریاستہائے متحدہ زیادہ تر ایک بند معیشت ہے اور سراب شرح کی شکار — اس کے برعکس وہ بہت سے ممالک جن کے ساتھ ریاستہائے متحدہ تجارت کرتا ہے مثلاً کناڈا اور لاطینی امریکہ کے ملک — ریاستہائے متحدہ سے اتنا زیادہ سامان خریدتے ہیں کہ اس کی قیمتیں ان کی رہی سہی...لاگت پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ یہ ملک ڈالر علاقے میں شامل ہو سکتے ہیں ریاستہائے متحدہ کو اس کی پرواہ نہیں ہے کہ وہ اس میں شامل ہوتے ہیں یا نہیں۔

کناڈا میں جاری کردہ اپنے ایک پمفلٹ میں منڈل نے یہ خیال پیش کیا تھا کہ سودیت بلاک سے باہر کی دنیا کو تین بڑے کرنسی علاقوں میں منظم کرنا مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ علاقے ڈالر، اسٹرلنگ، اور یورپی کرنسیوں سے منسلک ہوتے ہیں۔ تینوں کے مابین شرح مبادلہ کی تبدیلیوں پر کوئی پابندی نہ ہوگی (اگرچہ بعض عدم توازنوں کو سونے کے ذریعہ بے باق کیا جاتا ہے) لیکن ہر ایک بلاک کے اندر شرحیں جامد رہتی ہیں اور عدم توازنوں کو بیرونی زر مبادلہ سے ختم کیا جاتا ہے۔ یہ بڑا صاف ستھرا منصوبہ ہے۔ غالباً ضرورت سے زیادہ صاف۔ جاپان یا آسٹریلیا جیسے تیسرے ممالک بھی ہوں گے جو دونوں بلاکوں میں رہیں گے جیسا کہ جنگ سے پہلے کناڈا نے کیا تھا اور جو ڈالر۔ اسٹرلنگ شرح کے بدلے پر فرق کا فائدہ اٹھانا چاہیں گے۔ اسٹرلنگ علاقے کے نسبتاً چھوٹے ممالک کو بھی صرف اسٹرلنگ ہی اپنے پاس رکھنے پر مجبور نہیں کیا جانا چاہیے یا اسی طرح اپنے سونے یا ڈالروں کے بدلے ایک زر دو کرنسی کے ارتقار پر اثر کے معاشی حلقے اتنے صاف اور واضح نہیں ہوتے۔

جامد شرح مبادلہ کا نظام :

1961 سے شرح مبادلہ کے ارتقار سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مثالی کرنسی کا علاقہ سودیت بلاک سے باہر کی دنیا ہے۔ بین الاقوامی مطابقت پیدا کرنے کے معاملے میں اس نظام کی آزادی کسی قدر کم ہو گئی ہے۔ اگر ترمیم زر کو بھی چھوڑ دیا جائے تو کینزیائی نظام کے تحت مطابقت آمدنی میں تبدیلیوں نیز بیشی والے ملکوں میں کامل روزگار پر پہنچ جانے کے بعد قیمتوں میں اضافہ کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے۔ یہ سست رفتار سے کام کرتا ہے۔ اس لیے اس کے لیے زیادہ مالیات کی ضرورت پڑتی ہے۔ مالیات فراہم کرنے کی لاگت اور بیشی والے ملک میں افراطِ زر سے ہونے والے نقصانات

اس نظام کی لاگتوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ تاہم اگر ایسے نظام کے تحت جس میں شرحیں بدلتی رہتی ہوں عالمی معیشت کے تجارت اور سرمائی بازاروں کے معاملے میں ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے سے پیدا ہونے والے نقصانات کے معاملہ میں یہ لاگتیں کم ہوں تب اس نظام کو ضرور اختیار کیا جانا چاہیے۔

سیالیت کے لیے مناسب رزروز:

بہت پہلے 1958 میں متعدد ماہرین نے جن میں برطانیہ کے لارڈز ینکس و میکسول اسٹیمپ اور ریاستہائے متحدہ کے روبرٹ ٹریفن کے نام قابل ذکر ہیں یہ رائے قایم کی کہ مذکورہ نظام کو بنائے رکھنے کے لیے دنیا کے رزروز بہت تھوڑے ہیں پروفیسر ٹریفن نے مبادلہ معیار نظام کی دشواریوں کی جانب اشارہ کیا ان پر ہم اگلے جز بعنوان 'اعتماد' میں بحث کریں گے۔ انھوں نے اس بات . رٹ کیا کہ سونے کی پیداوار میں ہر سال 1½ فیصد کا اضافہ ہوتا ہے جبکہ جنگ کے بعد ترقی کی 8 یا 9 فیصد تیز رفتار شرحوں کے ساتھ عالمی تجارت عام طور پر 3 فیصد سالانہ کی شرح سے بڑھ رہی ہے۔ 1938 کے ساتھ تاریخی موازنہ —— جب عالمی زرئی سونے کی مقدار عالمی درآمدات کے 90 فیصد سے زیادہ تھی —— بے شک گمراہ کن ہوگا کیونکہ .... سونے کی قیمت میں حال ہی میں (1934) اضافہ ہوا تھا اور عالمی تجارت میں بے حد کساد بازاری کا دور دورہ تھا۔ لیکن جب 1950 کی دہائی کے اختتام کے بعد تجارت میں اضافہ ہوتا گیا اور سونے کا صنعتی استعمال بڑھتا رہا اور ریاستہائے متحدہ کے باہر زرئی ذخائر میں اضافہ ہوا تو مجموعی طور پر عالمی تجارت کے ساتھ سونے کا تناسب کم ہوتا گیا۔ ریاستہائے متحدہ کے اندر اس میں خاص طور پر کمی واقع ہوئی۔ یہاں یہ سالانہ درآمدات کے 100 فیصد سے بھی زیادہ رہ چکا تھا۔ یہ تناسب ریاستہائے متحدہ اور برطانیہ سے باہر فی الحقیقت زیادہ ہو گیا۔

ٹریفن نے یہ نپا تلا اصول پیش کیا تھا کہ ...... رزروز کی مقدار سالانہ درآمدات کے 40 فیصد کے برابر ہونی چاہیے۔ یہ اصول رزروز کی رفتار گردش کو غیر متغیر مان کر چلتا ہے اور عالمی زر کے مقداری نظریہ کا عکاس معلوم ہوتا ہے ممکن ہے تاجر ممالک کے لیے یہ اصول درست و مناسب ہو۔ وہ ملک جو بینکوں کی حیثیت سے کام کرتے ہیں جیسا کہ باب 24 میں بتایا گیا تھا ان کے لیے رزروز کی ضرورت نہیں ہوتی شرط یہ ہے کہ ان کے گاہک اپنی دینداریوں کو قبول کریں اور اگر اپنے حسابیہ

خساروں کو پورا کرنے کے علاوہ ان ممالک کو پُرانے قرضے بھی ادا کرنے ہوں تو ان کے لیے بہت بڑی رقوم کی حاجت ہوگی۔ ان پر یہ اصول شکل ہی سے لاگو ہوتا ہے۔ لیکن ٹریفن کا قیاس یہ تھا کہ خساروں کو پورا کرنے کے لیے زرِ رزو پیدا کرنے والی اس قسم کی بین الاقوامی بنک کاری ـــ خاص طور پر زرِ جوان تعریفوں کے تحت آتی ہے جو بین الاقوامی مالیاتی میانہ روی کو ادائیگیوں کے خساروں میں شمار کرتی ہے ـــ کا جاری رہنا ناممکن ہے۔ لہٰذا اور بہت سے مشاہرین کے ساتھ ان کی رائے میں نظام کے لیے سیالیت کی نئی صورتیں بہم پہنچانے کی ضرورت تھی۔

سیالیت کو بڑھانے کے بہت سے طریقے ہیں۔ برطانیہ کے سررائے ہیروڈ اور فرانس کے جیکورف سونے کی قیمت بڑھانا چاہتے ہیں۔ اس سے موجودہ ذخائر کی مالیت میں اضافہ ہو جائے گا اور سونے کی تازہ پیداوار کا حجم اور مالیت دونوں بڑھ جائیں گے۔ بیشتر ماہرین معاشیات اسے ایک ایسا طریقۂ کار قرار دیتے ہیں جس میں بے جا لاگتیں اور فوائد رونما ہوتے ہیں۔ اگر ان پر سنجیدگی کے ساتھ غور کیا جائے تو سونے میں سٹہ بازی شروع ہو جائے گی اور اگر اس پر عمل کیا جائے تو یہ بات آئینہ کی طرح صاف دکھائی دے گی کہ سونے کی اپنی کوئی قیمت نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسا حقیر ٹکڑا ہے جس کی من مانے طور پر جس وقت جو قیمت چاہیں رکھ دیں۔

اگر زرِ رزو بیرونی زرِ مبادلہ کی شکل میں رکھے جائیں تو ممالک کسی بھی مقررہ وقت پر باہمی سودے کر سکتے ہیں تاکہ کل (خالص میں نہیں) زرِ رزو میں اضافہ کیا جا سکے۔ یا وہ خسارہ والے ملک کی املاک کم کرنے کی بجائے اس کی دینداریوں میں اضافہ کر کے خسارے کو بے باق کر سکتے ہیں۔

اگر میزانِ ادائیگی کی ازسرِ نو تعریف اس طرح کی جائے کہ اس میں اہم بین الاقوامی مالیاتی مراکز کی وہ مالیاتی میانہ روی شامل کرلی جائے جس کے تحت وہ لمبے قرضے دیتے اور کم عرصے کے قرضے لیتے ہیں تو نظام کے اندر اس صورت میں زرِ رزو میں اضافہ ہو سکتا ہے جب اچھی ساکھ والے افراد اور ممالک باہر سے لمبے عرصے کے قرضے لیتے ہیں اور قلیل مدتی املاک حاصل کرتے ہیں۔

کسی ملک اور مجموعی طور پر تمام دنیا کے لیے زرِ رزو کی موزونیت کی کسوٹیاں کیا ہیں؟ مقداری نظریہ کا تاجر کے لیے ۵۰ فیصد کا روایتی اصول اور بنک کار ملک کے لیے کوئی غیر معینہ تناسب دونوں کا تذکرہ ہم کر چکے ہیں۔ زیادہ باریک تجزیے سے بہت سے دیگر امکانات سامنے آتے ہیں۔ کسی ملک کے لیے زرِ رزو کی مثالی سطح اس نقطہ پر ہو سکتی ہے جہاں انھیں اپنے پاس رکھنے کی لاگت ان سے حاصل ہونے والے فوائد کے برابر ہو جائے۔ ان فوائد کو امکانات کی شکل میں بیان کیا جانا

چاہیے ۔ ان کا حساب رزرروز کے خالی ہو جانے کے امکان اور ایسا کرنے کی صورت میں جرمانہ کی بنیاد پر لگایا جانا چاہیے یا بعض تجاویز کی رو سے اہم چیز رزرروز کی مطلق مقدار نہیں بلکہ اس میں ہونے والی تبدیلی ہے ۔ اور جب تک یہ تبدیلی مثبت ہو اس وقت تک صورت حال تسلی بخش رہتی ہے ۔ پروفیسر مچلپ نے یہ تجویز پیش کر کے اپنی بیوی کے ملبوسات کی الماری کو لازوال کر دیا ہے کہ رزرروز کو عورتوں کے لباسوں کی سطح کے مانند تصور کیا جا سکتا ہے جن کی کوئی بھی سطح کافی نہیں معلوم ہوتی اور مثالی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ ان میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے ۔

ساری دنیا کے لیے بحیثیت مجموعی پھر مقداری نظریہ سامنے آتا ہے ۔ اس کی اساس تجارت اور نظام کے طرزِ عمل پر زور دینے والی کسوٹیاں ہیں ۔ بہت سے تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ اگر عالمی قیمتیں مستحکم ہوں یا کافی معتدل رفتار سے اوپر کی جانب چلیں تو موجودہ رزرروز ضرورت کے لیے کافی ہیں ۔ ایسی صورت میں عالمی قیمتوں میں کمی رزرروز کی غیر موزونیت اور ان میں تیزی سے اضافہ ضرورت سے زیادہ فراوانی کی عکاسی کریں گی ۔ یا اس معاملہ کو کمی اور بیشی والے ممالک پر پڑنے والے دباؤ کی روشنی میں دیکھ سکتے ہیں ۔ جب مطابقت کا بوجھ بنیادی طور پر خسارے کے شکار ملکوں پر آپڑتا ہے تو منڈی کی رائے میں عالمی رزرروز ضرورت میں کم ہوتے ہیں جب یہ بار بیشی والے ملکوں پر پڑتا ہے تو وہ ضرورت سے زیادہ ہوتے ہیں ۔ اس انداز فکر کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے عالمی رزرروز کی تقسیم روشنی میں آجاتی ہے لیکن یہ عملی اعتبار سے غیر اہم ہے ۔ میزان ادائیگی کی اصلاح کے دباؤ کو ناپنے یا اس کا مقابلہ کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے ۔

اعتماد :

اگر رزروز کا حساب صرف سونے کی بجائے سونے اور بیرونی زرِ مبادلہ دونوں کے اعتبار سے لگایا جانے تو پتہ چلے گا کہ کل حجم کافی تغیر پذیر ہے ۔ A کے زرِ مبادلہ کے بدلے B میں سونا فروخت کرنے سے کل رزروز میں اضافہ کیا جا سکتا ہے جہاں پہلے صرف سونا ہوا کرتا تھا وہاں اب سونا و بیرونی مبادلہ دونوں کام آتے ہیں ۔ یا بیرونی مبادلہ کو سونے میں تبدیل کر کے رزرروز کو کم کیا جا سکتا ہے ۔ ٹریفن کا کہنا تھا کہ سونا مبادلہ معیار حد سے زیادہ غیر مستحکم تھا ۔ کوئی کرنسی مضبوط ہے دیگر ممالک اس ملک میں بیرونی مبادلہ کے رزرروز اکٹھا کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ وہ اس کوشش میں کامیاب رہتے ہیں ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باقی دنیا کے لیے اس کرنسی کی دینداریاں بڑھ جاتی

ہیں اور یہ کمزور معلوم ہونے لگتی ہے۔ لہٰذا غیر ممالک اپنے زرِ روز کو سونے یا دیگر مضبوط کرنسیوں میں تبدیل کرنے لگتے ہیں جس سے نظام کے اندر کل زرِ روز کم ہو جاتے ہیں۔ اگر زرِ رو کا مرکز اپنے پاس جمع کردہ زرِ روز کو ادھار دینے میں بینک کی طرح کام کرے اور خود اپنی املاک کو زرِ نقد میں بدلنے یا انھیں دوبارہ بھنانے سے قاصر رہے تو ممکن ہے کہ یہ ملک اپنی دینداریوں کو ادا نہ کر سکے ایسی صورت میں اسے اپنی کرنسی کی شرح گھٹانی پڑے گی۔

سونا مبادلہ معیار پر یہ تنقید صحیح ہے۔ جب تک اسے کسی صورت مستحکم نہ بنایا جا سکے سونا مبادلہ معیار غیر مستحکم ہی رہے گا۔ یہ ایک بڑا پرانا مظہر ہے اور اس اصول میں مضمر ہے جس کا سر تھومس گریشم نے جو ملکہ الزبتھ اول کے وزیرِ خزانہ تھے پتہ لگایا تھا یعنی یہ کہ خراب زر اچھے زر کو چلن سے نکال باہر کرتا ہے۔ جب تک ان کی باہمی قیمت سختی کے ساتھ مقرر نہ رہے دو زر ساتھ ساتھ اچھی طرح کام نہیں کر سکتے۔ مثال کے طور پر قیمت اتنی ہی مضبوطی کے ساتھ قایم رہنی چاہیے جیسے ریاستہائے متحدہ میں مانگ جمع اور کاغذی زر کی باہمی قیمت رہتی ہے۔ دو دھاتوں کے نظام یا اونچی قیمت والی دھات کے سکے جو کاغذی زر کے ساتھ ساتھ چلن میں رہتے ہوں یا سونا اور کوئی قومی کرنسی یہ سب ایسے زری نظام ہیں جو غیر مستحکم رہنے کا رجحان رکھتے ہیں۔

اعتماد کے مسئلہ کو حل کرنے کے لیے متعدد تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ ایسے منصوبوں کی ایک قسم وہ ہے جو بیرونی زرِ مبادلہ کے مالکان کو سونا دینے کی ضمانت دے کر سونے اور بیرونی زرِ مبادلہ کے بیچ قیمت مقرر کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ ان ضمانتوں کے سلسلے میں ایسی انتظامی دشواریاں پیش آتی ہیں جن کے سبب انھیں اپنایا نہیں جا سکا ہے۔ نیدرلینڈ کے پروفیسر پوستھوما نے تجویز پیش کی ہے کہ سبھی مرکزی بینکوں کو بیرونی مبادلہ اور سونے کا ایک معیاری تناسب بنائے رکھنا چاہیے۔ اس تجویز کو ناقابلِ عمل تصور کیا جاتا ہے کیونکہ جو زیادہ سے زیادہ تناسب بعض مرکزی بینکوں کے لیے قابلِ قبول ہو سکتا ہے وہ بہت سے مرکزی بینکوں کی موجودہ سطحوں سے کہیں اونچا ہے اور ان کے لیے کم سے کم ثابت ہوگی اور زرِ مبادلہ کا سونے میں فوری تبادلہ گھٹنے کی بجائے بڑھ جائے گا۔

تجاویز کا ایک دوسرا گروہ یہ چاہتا ہے کہ بین الاقوامی زرِ رو کے ذریعہ کی سونے اور زرِ مبادلہ کی دو قسموں کو گھٹا کر ایک کر دیا جائے۔ فرانسیسی منصوبوں کے تحت جنھیں خاص طور پر پروفیسر رَف نے پیش کیا ہے بیرونی زرِ مبادلہ کے ذخائر کو ختم کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے،

اس کے لیے سونے کی قیمت میں اضافہ کرنا ہوگا تاکہ عالمی زرزرِ مبادلہ کے حجم میں قابل لحاظ کمی کو روکا جا سکے دوسرا راستہ یہ ہے کہ سونے نے نکل کر بیرونی مبادلہ میں داخل ہو جائیں۔ میچلپ اور ڈیسپرسس ہر ایک نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ ریاستہائے متحدہ کو سونے کی قیمت کم کر دینی چاہیے یا وہ سونا بیچنا شروع کر دے اور اسے واپس نہ خریدے تاکہ سونے کا ذخیرہ کرنے والوں کی حوصلہ شکنی ہو اور وہ اپنے ذخیرے بھی خالی کرنا شروع کر دیں۔ انتہائی صورت یہ ہے کہ عالمی زر کے طور پر سونے کی حیثیت کو ختم کر دیا جائے اور ایک واحد بیرونی مبادلہ معیار کی طرف قدم بڑھایا جائے۔

ٹریفن منصوبہ:

سونا مبادلہ معیار کی کمزوری دور کرنے اور موجودہ یا مستقبل کے (کون سے یہ بات قطعی طور پر واضح نہیں ہے) عالمی زرزر کی کمی کو پورا کرنے کے لیے ٹریفن نے بین الاقوامی زرزئی املاک کو عالمی تحویل میں دینے کی تجویز پیش کی ہے۔...

.... ایک نئی عالمی تنظیم یا ایک وسیع کردہ بین الاقوامی زرئی فنڈ (XIMF) موجودہ ڈالروں اور اسٹرلنگ کا مالک ہوگا جو اسے بطور دینداری منتقل کیے جائیں گے۔ ان کے بدلے میں اسے ریاستہائے متحدہ اور برطانیہ سے مطالبہ کا حق ہوگا۔ جنھیں اس شرح سے جو عالمی میزان ادائیگی کے استحکام کے لیے موزوں ہو آہستہ آہستہ ختم کیا جائے گا۔ یہ دینداریاں ایک نئی کرنسی بینکور کی شکل اختیار کریں گی جو سونے کے ساتھ ساتھ عالمی زرزرِ املاک قرار پائے گی۔ کھلے بازار کے عمل کے ذریعہ قومی تمسکات کی نئی بینکور دینداریوں میں تبدیل کرکے XIMF نئے بینکور وجود میں لا سکتا ہے۔ یا XIMF بینکور سے بین الاقوامی بینک برائے تعمیر وترقی کے بانڈ خرید سکتا ہے جنھیں IBRD کم ترقی یافتہ ممالک (LDCs) کو بطور قرض دے گا۔ اس طرح XIMF ایک تیر سے تین چڑیوں کا شکار کر سکے گا: سونا مبادلہ معیار کو استحکام بخشنا، عالمی زرزر کو وسعت دینا اور LDCs کو حقیقی وسائل بہم پہنچانا۔ آخری کام اس اسٹیمپ منصوبے کا بھی مرکزی خیال تھا جس کے تحت LDCs کو نئے بین الاقوامی زر کے اجرا سے جسے وہ ترقی پسند ممالک سے برآمد کی جانے والی اشیاء پر خرچ کرتے عالمی زرزر میں اضافہ ہو جاتا۔

ٹریفن منصوبے کے پہلے اور تیسرے خدوخال پر سوالات اٹھائے گئے ہیں۔ بیرونی زرمبادلہ کے زرزر کو بینکور میں تبدیل کرنے پر بھی دو بین الاقوامی زرزرِ املاک باقی رہ جاتی ہیں یعنی بینکور

اور سونا اور ان دونوں کے درمیان تناسب کے غیر مستحکم رہنے کا امکان بنا رہتا ہے۔ جب تک قومی مرکزی بینک سونے اور بینکورر کے درمیان آگے پیچھے حرکت کر سکتے ہیں عدم استحکام کا مسئلہ بدل تو جاتا ہے مگر حتمی طور پر ختم نہیں ہو پائے گا۔ مزید برآں ترقی یافتہ ملکوں میں خرچ کرنے کے لیے LDC's کو قرض دینے سے پیدا ہونے والے رزروز کا تقاضہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خساروں اور قرضوں کا یہ سلسلہ دائمی طور پر چلتا ہی رہے گا۔ اور یہ بات کے کسی بھی نظام کے لیے یہ صورت حال تسلی بخش بنیاد قرار نہیں دی جا سکتی۔ LDC's پر IBRD کے قرضے جیسے جیسے بڑھیں گے اور IMF x پر ترقی یافتہ ممالک کے مطالبات میں اضافہ ہو گا تو اس میں ضروری بھرم کو قایم رکھنا کہ بینکور کی کوئی قیمت ہے اور بھی دشوار ہوتا جائے گا۔ کسی بین الاقوامی زر کی قیمت بس اتنی ہی ہوتی ہے جتنی اشیا وہ خرید کر سکتا ہے۔ ڈالر اور اسٹرلنگ کے پیچھے ریاستہائے متحدہ اور برطانیہ کی معیشتوں کی پیداواری صلاحیت پشت کام کرتی ہے۔ معمولی صلاحیت پیداوار والے LDC's کے ذمہ مطالبات ان بالمقابل رقوم کی نسبت جنھیں ریاستہائے متحدہ نے اپنے بیرونی مبادلہ کے رزروز میں شامل نہ کیا ہو، کسی بین الاقوامی زر کے لیے مشکل ہی سے زیادہ بہتر بنیاد ثابت ہو سکتے ہیں۔

رزرو اکائیاں :

ٹریفن کا سیالیت کے حجم کا تجزیہ ان کے سونا مبادلہ معیار کے عدم استحکام کو دو رزرو املاک کے ذریعہ دور کرنے کی تجویز کے مقابلہ میں زیادہ مقبول ہوا۔ سیالیت میں اضافہ کرنے کی تجاویز تمام اطراف سے پیش کی گئیں۔ ان میں سے بیشتر نے اس بات کی سفارش کی کہ ایک تیسری بین الاقوامی رزرو املاک کا اضافہ کاغذی سونے، رزرو اکائیوں یا عالمی اکائیوں کی شکل میں ہونا چاہیے۔ ان میں سب سے اہم اور نمایاں تجاویز رابرٹ وی روسہ — انھوں نے یو۔ ایس خزانہ کے انڈر سکریٹری کی پوسٹ سے استعفیٰ دے دیا تھا — ای۔ ایم برنسٹین — جو IMF کے اسٹاف میں رہ چکے ہیں — اور گسکارڈ ڈی اسٹینگ اس وقت کے فرانسیسی وزیر مالیات نے پیش کی تھیں۔ کچھ عرصے تک فضا بین الاقوامی زری اصلاحات کے منصوبوں سے رنگین رہی۔

1963 میں ریاستہائے متحدہ کے خزانے نے خود اس صورت حال کو قبول کیا کہ دنیا کو زیادہ سیالیت کی ضرورت ہے۔ یہ توقع کی جاتی تھی کہ ریاستہائے متحدہ کے میزانِ ادائیگی کے

خسارے IET اور VCRP کے سبب رک جائیں گے۔ ایسا ہو جانے کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ سونے کی نئی پیداوار بین الاقوامی زرِ روزِیں سالانہ 3 فیصد کا از خود اضافہ کرنے کے لیے ناکافی ہوگی۔ یہ بات مشکوک تھی کہ یورپ کے مرکزی بینک مزید ڈالر قبول کرنے کے لیے آمادہ ہوں گے۔ لہٰذا خزانہ کے سکریٹری نے یو۔ ایس کا زری اصلاحات کا منصوبہ پیش کیا۔ زیادہ تر روسہ اور برنسٹائن کے خیالات کا مظہر تھا۔ جب یہ بات واضح ہوگئی کہ کسی منصوبہ پر اس وقت تک مذاکرات کا امکان نہیں ہے جب تک یو۔ ایس کا میزان ادائیگی خسارے کا شکار ہے تو ریاستہائے متحدہ نے ایک " وقت ضرورت قابل استعمال منصوبہ " اپنایا تاکہ ملک اس وقت کے لیے تیار رہے جب خسارے رک جائیں اور اس کے عالمی سیالیت میں سالانہ اضافے ناکافی ہوں۔ ایک منصوبے کے بارے میں مذاکرات کا کام دس کے گروہ نے اپنے ذمہ لیا۔ یہ گروہ سوئٹزرلینڈ کو چھوڑ کر دنیا کے دس مالیاتی میدان میں رہبر ممالک پر مشتمل تھا۔ سوئٹزرلینڈ نے گذشتہ مارچ کے ان ہیسل انتظامات کے بعد جنھیں قرض لینے کے عام انتظامات کے نام (GAB) سے پکارا جاتا ہے۔ ستمبر 1961 میں IMF کو مزید قرضے لینے کے اختیارات دے دیئے تھے۔ دس کے گروہ (جسے بعض اوقات G-10 کہا جاتا ہے) کی مختلف تنظیموں نے ایک نئی زرِ زر اکائی کے بارے میں رپورٹیں تیار کیں۔ یہ رپورٹیں اگست 1964، مئی 1965 اور جولائی 1966 میں پیش کی گئیں۔ لیکن G-10 کسی ایک واحد پلان پر متفق نہ ہوسکا۔

نئی مجوزہ بین الاقوامی املاک کو بنیادی طور پر قومی کرنسیوں کی ضمانت پر پیدا کیا جانا تھا۔ مختلف ممالک اپنی کرنسی دیں گے اور انھیں بین الاقوامی زرِ زر اکائیاں RU's ملیں گی جنھیں وہ سونے کے ساتھ بین الاقوامی ادائیگی کے آخری ذریعہ کے طور پر قبول کرنے کے لیے آمادہ رہیں گے۔ فوراً ہی بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

RU's کے بارے میں کون فیصلہ کرے گا اور خاص طور پر یہ کہ کیا کسی ایک ملک یا ملکوں کے گروہ کو حق تنسیخ حاصل ہوگا۔

RU's کے ابتدائی اجرا کس کریں گے اور خاص طور پر یہ کہ کیا RU's کو مالیاتی اعتبار سے ذمہ دار ممالک کے محدود حلقے میں ہی رکھا جائے گا جو قیمتی قومی کرنسی کو رہن رکھ سکتے ہیں یا انھیں ... کو مزید زرِ زر دیئے جانے چاہئیں۔

کیا SDR's کی تخلیق تجارت کی ضرورت کے پیش نظر کی جانی چاہیے یا مالیاتی ضرورت کو بھی مدِ نظر رکھا جائے گا؟ کتنی SDR's پیدا کی جائیں گی؟ کیا کچھ سالوں تک ان کی مقدار جامد رہے گی یا اس میں حالیہ صورت حال کے پیش نظر تبدیلی کی جایا کرے گی۔؟

SDR's کو کیسے چلن میں رکھا جا سکتا ہے؟ کیا وہ اتنے ہی کارگر ثابت ہوں گے جتنا کہ سونا؟ کیا وہ ساتھ ہی ڈالر اور اسٹرلنگ سے بہتر ثابت نہ ہوں گے۔؟ کسی ملک کے پاس کتنے SDR's بیک وقت ہو سکتے ہیں کیا اس کے لیے کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ کی حدیں مقرر کرنا مناسب رہے گا۔ اس زیادہ سے زیادہ حد کے بعد اسے SDR's کو سونے میں بدلنے کا حق رہے گا۔؟

کیا SDR's سیدھے طور پر دے دیا جائے گا یا ان سے قرض لیا جائے گا اور IMF کے حقوق مطالبہ کی مانند ان کو واپس لوٹایا جائے گا۔؟

ان سوالات کے بارے میں خسارے اور بچت والے ملکوں میں فطری طور پر اختلاف رائے ہے۔ ریاستہائے متحدہ کو بادل نخواستہ یہ تسلیم کرنا پڑا کہ جب تک اس کی میزان ادائگی خسارے کا شکار ہے کسی منصوبہ کی ضرورت نہیں ہے اور یہ کہ جب تک بڑا خسارہ جاری رہے گا کوئی منصوبہ کام نہیں کر سکے گا۔ تاہم وہ چاہتا تھا کہ زیادہ بڑی رقوم باقاعدہ بنیاد پر اور سیدھے طور پر دی جائیں جب کہ فرانس کی رہنمائی میں بچت والے ملکوں کی رائے یہ تھی کہ نسبتاً کم مقداریں دی جائیں اور انھیں لوٹانے کی شرط رکھی جائے۔ فرانسیسیوں نے ایک مرتبہ یہ تک تجویز پیش کی کہ SDR's کا اجراء سونے کے عالمی ذخائر کی بنیاد پر کیا جائے اس سے سونے کے لیے دوڑ شروع ہو جاتی اور عالمی زرِ مبادلہ بہت کم رہ جاتے۔ ایسا منصوبہ سونے کے موجودہ ذخائر کی قیمت میں اضافہ کے مترادف ہوتا اور نئی پیداوار (سونے کی) اس کے دائرے میں آتی تھی۔ ایک تجویز یہ تھی کہ سونے کے ذریعہ بے باقیوں میں SDR's کا ایک مقررہ تناسب رہنا چاہیے اس سے رواں سودوں کے لیے سونے کی قیمتیں بڑھ جاتیں لیکن سونے کے لیے کوئی استحکام کش دوڑ شروع نہ ہوتی۔ لیکن اوپر دی گئی فہرست میں سے چوتھا سوال یہ ظاہر کرتا ہے کہ دس گروہ نے اپنے ذمہ یہ ناممکن نہیں تو مشکل کام ضرور لیا تھا کہ سونے اور بیرونی مبادلہ کے موجودہ زرِ روز کے ساتھ نئی بین الاقوامی اکائی پیدا کی جائے اور گریشم یا ٹریفن کے مسئلۂ اعتماد کو حل کیا جائے۔ اگر سونے اور ڈالر کے بیچ قیام مساوات میں دشواری ہوتی ہے تو ایسی بین الاقوامی املاک کو

پیدا کرنا جو اتنا ہی عمدہ ہو جتنا سونا مگر ڈالر سے بہتر نہ ہو ایک ایسا ہی کام ہوگا جیسے کسی دائرہ کو چوگوشہ بنا دیا جائے۔

1967 کے موسم گرما میں ۱۰ – جی کے بیچ ایک اتفاق رائے ان خطوط پر پیدا ہوا جو قرضخواہ ممالک کے موقف کی حمایت کرتے تھے۔ RU's یا کاغذی سونے کی بجائے جو واپس نہ لوٹانے کی بنیاد پر جاری کیے جاتے۔ IMF خصوصی حقوقِ مطالبات (SDRs) جاری کرے گا جو باضابطہ کوٹوں اور قرض لینے کے عام انتظامات کے علاوہ ہوں گے۔ ان SDRs کی رقم کا ایک حصہ واپس کرنا ہوگا اس معنیٰ میں کہ جو ملک بھی انہیں استعمال کرے گا اسے SDRs کے بدلے سونا یا بیرونی زرِ مبادلہ دے کر اپنے ابتدائی الاٹمنٹ کے کم از کم 30 فیصد حصہ کو مقررہ اوقات بدلنا ہوگا۔ SDRs، IMF میں قومی کوٹوں کے تناسب کے اعتبار سے جاری کیے جائیں گے۔ اور اجراء کی صورت میں اس سے LDC's کے رزرو میں تھوڑا اضافہ ہو جائے گا۔ IMF کے ضابطوں میں SDRs کے اجراء کو ممکن بنانے کے لیے ایک بار ضروری تبدیلی ہو جانے کے بعد اجراء کے عمل میں لانے کے لیے 80 فیصد اکثریت کے ووٹ درکار ہوتے ہیں اس سے EEC کو نئے اجراء کے بارے میں حقِ تنسیخ حاصل کر لینے کا امکان پیدا ہو گیا ہے۔

جس وقت یہ سطور لکھی جا رہی ہیں نئے پروگرام کے سلسلہ میں بہت کچھ کیا جانا باقی ہے۔ IMF کے گورنروں کے بورڈ کی منظوری، مختلف ممالک کی قانون ساز اسمبلیوں کی توثیق خاص طور سے ریاستہائے متحدہ کی کانگریس کی اجازت اور آخر میں IMF میں 85 فیصد اکثریت کا حصول اور فی الواقع اجراء یہ سب کام ہونے باقی ہیں۔ عملی اعتبار سے یہ منصوبہ کیسا ثابت ہوگا اس بارے میں قیاس آرائی فی الحال قبل از وقت ہوگی۔ اور ان مذاکرات کرنے والوں پر نکتہ چینی کرنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا جنھوں نے اختلاف رائے کی اس دنیا میں جتنا عمدہ اتفاق رائے وہ حاصل کر سکتے تھے انھوں نے کیا لیکن کل ملا کر بین الاقوامی زر کی مشین روب گولڈبرگ کی سی صورت اختیار کرتی ہوئی معلوم پڑتی ہے۔ : سونا، ڈالر، اور اسٹرلنگ، IMF کے حقوقِ مطالبہ قرض لینے کے خصوصی انتظامات، سیو پیس، رودسہ بونڈ اور اب ایک نیا مخلوط حقِ مطالبہ یہ سب اس میں شامل ہیں۔ بین الاقوامی سیالیت کے مسئلہ کو مقداری نظریہ کے میکانیکی انداز میں حل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن مختلف زرِ رد املاک کو ایک دوسرے کے مساوی رکھنے کا کام جو مسئلہ اعتماد کا تقاضہ ہے اتنا آسان معلوم نہیں ہوتا۔ اور کیا یہ مشین بہت زیادہ پیچیدہ ہے؟

مالکانہ بنام مستعار زرروز اور بحران:

کسی بحران میں باہر جانے والے سرمائی دھارے کے لیے ضروری مالیات کے لیے مالکانہ زرروز کے حجم کا پرسکون ادوار میں ضرورت سے زیادہ ہو جانے کا امکان رہتا ہے درحقیقت اتنا زیادہ کہ ان زرروز کو اپنے پاس رکھنے کی لاگت ــــ ان کو حقیقی املاک کے لیے خرچ نہ کرنے کا نقصان ــــ کا بوجھ متعلقہ ملک کے لیے کمر توڑ ثابت ہوگا۔ عام حالات کے عرصے میں بنک کاری کے بین الاقوامی نظام کے لیے اپنے مالکانہ زرروز کی ضرورت ہوتی ہے لیکن بحرانی حالات میں دوبارہ بھنانے کی سہولت کی ضرورت پڑتی ہے جیسا کہ گھریلو نظام بنک کاری میں بھی ہوتا ہے۔ والٹر بیگہوٹ مرکزی بنک کاری کے نظام کا منطقی جواز پیش کرنے والے پہلے ماہر معاشیات ہیں انھوں نے اس بات پر زور دیا تھا کہ کسی بحران کے دوران مرکزی بنک کا کام مہیا کرنا اور بے روک ٹوک مہیا کرنا ہوتا ہے۔ سالیت کے بارے میں بیشتر بحث مالکانہ زرروز کے حساب سے کی گئی ہے جو تجارتی فرموں اور پرسکون حالات کے لیے موزوں ہے۔ تاہم زیادہ تر بحث سے دوبارہ مہیائی کی سہولتوں کی فراہمی غایب نظر آتی ہے۔ ان سہولتوں کی ضرورت مالیاتی مراکز کو اس وقت خاص طور پر پڑتی ہے جب ان پر استحکام کش سٹے کا دباؤ پڑتا ہے۔

بیسل سمجھوتے نے ایک ایسا طریقہ کار فراہم کیا تھا اور مارچ ۱۹۶۱ میں ڈالر اور اسٹرلنگ کی دوبارہ بھنائی شروع ہونے کے بعد کناڈائی ڈالر، اٹلی کے بعد اور تین دیگر مواقع پر پونڈ کے سلسلہ میں بھی یہ کارروائی کی گئی۔ یہ غیر رسمی انتظامات ہیں کسی ملک پر دباؤ کی صورت میں اسے دوسرے مرکزی بنکوں کو قرضے فراہم کرنے کے لیے مجبور کرنے کے ایسے کوئی حقوق حاصل نہیں ہوتے جیسا کہ کسی تجارتی بینک کو اپنے ملک کے مرکزی بینک سے حاصل ہوتے ہیں۔ وہ صرف امداد کی درخواست کا حق رکھتا ہے۔ تاہم اس نظام نے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ اپنا کام انجام دیا ہے۔ بے شک ایک بین الاقوامی مرکزی بینک زیادہ بہتر ثابت ہوتا بشرطیکہ ایسے ادارے کے ضوابط تیار کرنے کے سلسلہ میں نظام کی ضروریات پر کافی اتفاق رائے ہو سکتا۔ بریٹن وڈ کا تجربہ زیادہ حوصلہ افزا نہیں رہا ہے: IMF اقومی کرنسیوں کے ذریعہ اور محدود دائرہ میں کام کرتا ہے جو کہ بیگہوٹ کے اس اصول کے خلاف ہے کہ اسے بغیر کسی حد کے کام کرنا چاہیے۔ اور ۱۰-G کے بحث ومباحثے

ملکوں کے درمیان موجودہ بنیادی اختلاف رائے کا پتہ چلتا ہے۔ (یہ ایک طنزیہ امر ہے کہ ریاستہائے متحدہ ہی وہ طاقت تھی جس نے ۱۹۴۴ء میں لارڈ کینز کی اسکیموں کو رد کا جبکہ ریاستہائے متحدہ دنیا کا سب سے اہم قرضخواہ ملک تھا لیکن جیسے ہی اس کی حیثیت بدل کر خسارے والے ملک کی ہوئی اس نے اپنا موقف بدل دیا) ایک غیر رسمی انتظام جو کام کر سکے اس زیادہ وسیع تنظیم سے بہتر ہے جس کے دستور عمل کے بارے میں اتنا کم اتفاق رائے ہو جس سے مسئلہ حل نہ ہو سکے۔

سیالیت اور بین اقوامی مالیاتی میانہ روی:

مالکانہ اور مستعار زرروز کے بیچ امتیاز کی اہمیت مالیاتی بحرانوں سے آگے جاتی ہے۔ بین الاقوامی زری نظام پر موجود ادب میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ زرروز اپنے ہونے چاہئیں انھیں ادائیگیوں کی بیرونی زرِمبادلہ میں کمائی گئی بیشی سے حاصل کرنا چاہیے۔ یہ زرمبادلہ ادائیگیوں میں خساروں کو پورا کرنے کے لیے مالیاتی مراکز کو دینا چاہیے۔ لیکن یہ کسی بھی صورت ضروری نہیں ہے کہ یہ بیشیاں اور خسارے بالترتیب بچت اور منفی بچت کو ہی ظاہر کرتے ہوں۔ میزان ادائیگی کے توازن کی جو تعریفیں آج عام طور پر مستعمل ہیں ان کی روشنی میں یہ مالیاتی میانہ روی پر مشتمل ہو سکتے ہیں یعنی خسارے والا ملک لمبے عرصے کے قرضے دے اور کم عرصے کے قرضے لے سکتا ہے اور بیشی والا ملک زیادہ لمبے عرصے کے قرض لے اور کم عرصے کے قرض دے سکتا ہے اس سے نظام کے لیے سیالیت پیدا ہو جاتی ہے اور بیرونی زرِمبادلہ میں قرض لینے سے ملک کی سیالیت بھی بڑھ جاتی ہے۔ ایسی سیالیت جب اور جتنی ضرورت ہو فراہم کر دی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ اس سیالیت سے مختلف ہوتی ہے جو بین الاقوامی زری نظام میں سونے کی کان کنی سے داخل ہوتی ہے، یا IMF سے مہیا کی جاتی ہے جو دونوں ہی کسی حد تک بے اصولی ہیں۔

خوش اسلوبی کے ساتھ کام کرتا ہوا بین الاقوامی سرمائی بازار اچھی ساکھ رکھنے والے ممالک اور ایسے ملکوں کی فرموں نیز سرکاری اداروں کو ضروری سیالیت فراہم کر سکتا ہے۔ اس طرز عمل کے لیے میزانِ ادائیگی عدم توازن کی تعریف پھر سے کی جانی چاہیے تاکہ کبھی بین الاقوامی مالیاتی میانہ روی کو خسارہ قرار نہ دیا جا سکے۔ کوئی ملک لمبے قرضے دینے اور کم عرصے کے قرضے لینے میں حد سے زیادہ آگے بڑھ سکتا ہے بالکل ایسے ہی جیسے کوئی بینک کر سکتا ہے۔ لیکن جس طرح کوئی بینک جو لمبے قرضے دیتا اور کم عرصے کے قرضے لیتا ہے ضروری نہیں ہے کہ وہ خسارے کا شکار ہو

اور اس کا دیوالہ نکلنے والا ہو اسی طرح کسی مذکورہ ملک کی بھی یہ حالت ہونا ضروری نہیں ہے بشرطیکہ قرضے قابل وصول ہوں اور بیرونی جمع کو اتنا زیادہ قبول نہ کیا جائے جس سے ملک کی اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی صلاحیت کے بارے میں شبہات پیدا ہونے لگیں تو مالیاتی میانہ روی ایک کارآمد عمل ثابت ہوتی ہے اور نظام کے لیے سیالیت فراہم کرنے کا ایک اچھا طریقہ بن جاتی ہے۔

بین الاقوامی زری نظام آج خود کو ایک عجیب وغریب صورت حال سے دو چار محسوس کرتا ہے۔ بیشتر ماہرینِ معاشیات اور زیادہ تر سرکاری افسران اس نظام کو غیر اطمینان بخش خیال کرتے ہیں اور بڑی اصلاحی کارروائی کے ذریعہ اسے یکسر بدل ڈالنا چاہتے ہیں۔ دشواری یہ ہے کہ جبکہ نظام کی خامیوں — ناکافی مطابقت، سیالیت، یا اعتماد — کے بارے میں سب ایک رائے رکھتے ہیں اس کے علاج کے سلسلہ میں خیالات میں ہم آہنگی نہیں ہے۔ لہٰذا غیر تسلی بخش نظام کو بدلا نہیں جا سکتا اور اسے گھسٹنا پڑ رہا ہے۔ بہت سے مشاہرین بحرانوں کی پیش گوئی کرتے ہیں۔ جیسا کہ وہ گذشتہ دس سال سے کرتے رہے ہیں۔ تاہم اس تمام عرصے میں یہ نظام نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اپنا کام انجام دیتا رہا ہے۔ عالمی تجارت میں ہر سال اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ڈالروں کو سونے میں بدل کر نظام کو تبدیل کرنے کی ایک فرانسیسی کوشش کا کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ ریاستہائے متحدہ کے میزانِ ادائیگی مطابقت کی رفتار سست رہی ہے مگر 1959 میں رواں کھاتے کی بیشی 1 ملین ڈالر سے بڑھ کر 1964 تک آتے آتے 7 ملین ڈالر ہو گئی ہے۔ سود مساواتی ٹیکس اور قرضوں پر رضاکارانہ روک کے پروگرام کے باوجود ڈالر باہر جاتے رہے ہیں اور ضرورت مند ممالک کو سیالیت فراہم کرنے کے سلسلے میں یورو۔ ڈالر بازار انتہائی مفید خدمت انجام دے رہا ہے۔ 1963 اور 1964 میں اٹلی کو 1.5 ملین ڈالر اور 1966 کے موسم گرما میں ریاستہا متحدہ کو 2.5 ملین کی سیالیت اس بازار سے حاصل ہوئی ہے۔ نظام میں بجز اس کے اور کوئی خرابی معلوم نہیں ہوتی کہ ماہرینِ معاشیات اور سرکاری افسران اس کو سمجھنے میں ناکام رہے ہیں اور اس لیے اسے ناپسند کرتے ہیں۔ یہ بڑی مضحکہ خیز بات ہے کہ ریاستہائے متحدہ نیویارک اور بین الاقوامی بازار کے درمیان کی ان کڑیوں کو توڑنے کی فکر میں ہے جو بین الاقوامی زری نظام کے سیالیت فراہم کرنے کا لچکیلا اور کارگر ذریعہ بنی ہوئی ہیں جبکہ وہ اس کی جگہ

ایک بڑے پیچیدہ اور الجھے ہوئے طریقہ کو اپنانے کے لیے آمادہ ہے۔

خلاصہ:

اس بارے میں اتفاق رائے ہے کہ کسی بین الاقوامی زری نظام کے اہم مسائل، مطابقت، سیالیت کی فراہمی، اور اعتماد قایم رکھنا ہوتے ہیں اور یہ تینوں ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ مداخلت سے بری لچکیلی مبادلہ شرح کے نظام میں مطابقت کا کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا اور سیالیت یا اعتماد کی کوئی حاجت نہیں ہوتی۔ لیکن اس میں استحکام کش سٹہ کو بڑھاوا ملنے اور قومی معیشتوں کے مربوط ہونے کی بجائے الگ تھلگ ہو جانے کا امکان رہتا ہے۔ آزادانہ طور پر بدل سکنے والی مبادلہ شرح اور جامد شرح کے بیچ مطابقت کے عمل کو تیز کرنے کے لیے چار حل سمجھوتے کے طور پر پیش کیے گئے ہیں:۔ سرکاری مداخلت کے ساتھ تیرتی ہوئی شرح، وسیع پٹی، متحرک کھونٹی، اور کھسکنے والی کھونٹی۔ ان میں سے ہر ایک میں سیال زرروز کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثالی کرنسی علاقہ جس میں ایک ہی زر کا استعمال ہونا چاہیے یا مبادلہ کی شرح میں جامد رہنی چاہیئں وسائل کی حرکت پذیری (منڈل) یا معیشت کی بند نوعیت (میک کنن) کی بنیاد پر طے کیا جا سکتا ہے۔

جامد شرح کے نظام میں سیال زرروز کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان کو سونے اور بیرونی زر مبادلہ کی شکل میں فراہم کیا جاتا رہا ہے۔ کل ذخیرہ میں سونے کی نئی پیداوار سے ہونے والے اضافے کی رفتار عالمی تجارت میں اضافے کی رفتار سے زیادہ سست ہے اور حال کے برسوں میں اسے لوگوں نے اپنے پاس دبا کر رکھ لیا ہے۔ عالمی زرروز کو سونے کی قیمت میں اضافہ کر کے بڑھایا جا سکتا ہے۔ بیشی اور خساروں، سوپس، اور بین الاقوامی قرضوں کے ذریعہ بیرونی مبادلہ کے زرروز بآسانی پیدا کیے جا سکتے ہیں ان کی خامی یہ ہے کہ ان کی مسلسل تخلیق سے اعتماد کا ایک مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔

گارنٹیوں، جامد تناسبات انتقال، زرروز کی بین اقوامی تحویل، یا نئی زرر و املاک کی تخلیق کے ذریعہ اعتماد کے مسئلہ کو حل کرنا آسان کام نہیں ہے۔ زرر و املاک کی تعداد کم کر کے ایک کر دینے سے یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ عالمی زری اصلاح کیسے کی جانے یہ معاملہ نزاع کی ایک وسیع دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔ ان جھگڑوں میں خسارے اور بیشی والے

ملک ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہیں۔

اصلاح کے بیشتر منصوبے مالکانہ زرریزرو پر زور دیتے ہیں۔ لیکن کسی بحران کا مقابلہ کرنے کے لیے ایسے جتنے زرریزرو درکار ہوں گے وہ پرسکون حالات میں فالتو دکھائی دیں گے۔ لچکیلا زرریزرو زیادہ کارآمد رہتا ہے۔ اس میں مالکانہ زرریزرو پرسکون حالات کی بنیاد پر رکھے جاتے ہیں لیکن بحران کے دوران دوبارہ بھنائی کے ذریعہ ان میں توسیع کرلی جاتی ہے۔ ایک عالمی مرکزی بینک کا قیام اس مسئلہ کا دوسرا حل ہے۔ عالمی سرمائی بازار کی دنیا میں سیال زرریزرو میں تھوڑی بہت لچک بین الاقوامی مالیاتی میانہ روی سے پیدا ہوجاتی ہے۔

مطالعہ کے لیے تجاویز :

درسی کتابیں

دیکھیں

Delbert A Snider, International Monetary Relations
(New York, Random House Inc.1966) (Paperback) ; and W.M.
Scammell, International Monetary Policy (2nd.ed ; London
Macmillan & co. Ltd.1961) (Papaerback)

تحقیقی رسائل وغیرہ

ایک مجموعی طائرانہ جائزہ کے لیے دیکھیں:

Frits Machlup and Burten G
Malkiel ; (ed) International Monetary Arrangements ; The
Problem of Choice ; Report in the Deliberations of an
International Study Group of 32 Economists (Princeton ,
N.J.;Princeton University Press Aug 1964) ; and Robert
Triffen ; Gold and the Dollar Crises (New Haven, Conn: Yale
University Press 1960 (PaPaerback)

مخصوص مسائل پر بحث کے لیے دیکھیں

Milton, Friedman ; The Cure for
Flexible Exchange Rates in American Economic Association ,
Readings in International Economics ; Egon Sohmen, Flexible

Exchange Rate (2nd ed; Chicago : The Univeristy of Chicago Press, 1968) and C.P. Kindleberger "Flexible Exchange Rates" in the Europe and the Dollar ; Georage N. Halm: The 'Band' Proposal ; The Limits of the Permissible Exchange Rate Variations, Special Papaers in International Economics No.6 (Princeton N.J: Princeton University Press, Februrary , 1965) ; John H.Williamson , "The Crawling Peg" BIP No 50 December 1965; Miroslav A.Kriz (Gold) : Barbarous Relic or Useful Intrument." BIP No. 60,June 1967 ; Robert A.Mudell" A Theory of Optimum Currency Area, " AER Sep, 1961 and R.I. Mckinnon "Optimum Currency Area" AER Sept. 1963

بین الاقوامی زرئی اصلاح پر ۱۰ – جی کی دستاویزیں یہ ہیں -

Ministerial Statement of Group of Ten and Annex Prepared by the Deputies 10th Aug. 1964

Group of Ten, Report of the Study Group on the Creation of Reserve Assets 31st May 1965.

Group of Ten, Communique of Ministers and Governors and Report of Deputies July 1966.

مشترک معاشی کمیٹی کے بہت سے کارآمد مضامین میں سے ایک یہ ہے -

Contingency for U.S. International Monetary Policy Statement by Private Economists, 89th Cong 2nd Seio (Washington D.C. U.S.Govt. Printing Office 1966.)

نکات

تین اہم کرنسی علاقوں کے مابین تکنیکی اور ان کے اندر جامد شرحوں سے متعلق منڈل کی تجویز ان کے اس مقالہ میں ہے -

The International Monetary System : Conflict, and Reforms, (Montereal : The Private Planning Association of Canada July 1966)

روسہ منصوبہ آر۔ وی روسہ کے Monetery Reform for the World Economy
(New York : Herpar and Row 1966) میں پیش کیا گیا ہے۔ مسٹر روسہ کے
سرکاری کاغذات کا اس مضمون پر ایک قیمتی مجموعہ اور ساتھ ہی دیگر دستاویزات اور تبصرہ
ان کی The Doller and the World Liquidity : (New York, Random House 1967) میں ملتا ہے۔

ڈالر میں بیسل کارروائی پر وقتاً فوقتاً چارلس کومبس نیویارک فیڈرل ریزرو بینک کے
بیرونی مبادلہ کے انچارج وائس پریسیڈنٹ نے بینک کے Monthly Review کے
مختلف اجراؤں میں بحث کی ہے۔

خصوصی حقوقِ مطالبہ کی پلان پر کارآمد بحث کے لیے دیکھیں 'New Plan for
International Monetary Reserve". Hearing before the Sub-
Committee on the International Exchange and Payments of the Joint
Economic Committee Sept. 14.1967
اس مختصر شنوائی میں ضمیمہ کے طور پر یہ ایس فرینڈ کی ایک یادداشت: The need for International Reserve.
تازہ ترین جدولوں کے شامل ہے۔

باب 28 بین الاقوامی معاشی نظام

کلاسیکی نظام:

کلاسیکی بین الاقوامی معاشی نظام تین اداروں پر مشتمل ہے: آزادانہ تجارت، ہر سال متوازن بجٹ، اور طلائی معیار۔ آزادانہ تجارت خالص مسابقت کی مدد سے ہر ملک کے اندر وسائل کی بہترین تقسیم کر دیتی تھی۔ ہر سال متوازن بجٹ کوئی واضح تجویز نہیں تھی لیکن کامل روزگار کی وجہ سے جسے عوامل کی رسد میں عدم لچک اور "سے" کا قانونِ بازار قایم رکھتے تھے۔ خرچ میں تبدیلی کی کوئی حاجت محسوس نہیں کی جاتی تھی۔ طلائی معیار مختلف ممالک میں زر کے حجم میں تبدیلیوں کے ذریعہ ہم آہنگی پیدا کر دیتا تھا۔ بیشی والے ملکوں میں اس سے قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ اور خسارے والے ملکوں میں قیمتیں نیچے گر جاتی تھیں۔

آزادانہ تجارت اور "سے" کے قانون کی فیاضانہ حکمرانی کی وجہ سے حکومت کے لیے کوئی کام باقی نہ رہ جاتا تھا۔ حکومت کو یہ ہدایت دی جاتی تھی کہ وہ "طلائی معیار کے کھیل کے اصولوں" کی پابندی کرے اگرچہ ان اصولوں کو کبھی پوری وضاحت کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا تھا۔ کسی حد تک اسی وجہ سے کلاسیکی مکتبہ خیال کے جدید پیروکار آج جامد شرح مبادلہ کے توقف سے ہٹ کر آزادانہ طور پر بدل سکنے والی شرحوں کے زیادہ آزاد روش بازاری میکنزم کو جس میں سرکار مداخلت نہ کرے اپنا لینا چاہتے ہیں۔ اگر طلائی معیار کی جگہ لچکیلی شرح مبادلہ کو دے دی جائے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ حکومت بین الاقوامی معاشی نظام میں تالا لگا کر چابی پھینک سکتی ہے۔

آج اس حد تک معاشی آزادی کو اپنانے اور اس کی حمایت کرنے پر بہت کم لوگ آمادہ ہوں گے۔ قومی حکومتیں زری اور تحصیلی پالیسیوں کے ذریعہ کامل روزگار کو بنائے رکھنا اپنے فرائض میں سے سمجھتی ہیں۔ عالمی معاشی برادری کی ممبری کا مطلب یہ ہے کہ مجموعی طور پر لچکیلی مبادلہ شرحوں کے نظام کو اپنانے کے لیے تیار نہیں ہیں کیونکہ خطرات میں اضافہ ہونے کی وجہ سے

ایسے نظام میں بین الاقوامی معاشی ربط ضبط کم ہو جاتا ہے۔ کامل روزگار کے لیے طلائی معیار میں ترمیم کرنے کی ضرورت ہے اور جب تبدیل شدہ غیر ملکی حالات کے پیش نظر عوامل کی گھریلو تقسیم میں اچانک اور دوررس تبدیلی کی ضرورت ہوتی ہے جس سے ترمی دشواری پیدا ہو تو تجارت کی آزادی محدود کرنے کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ لیکن عدم مداخلت والی حکومت کی جگہ ایسے انتظامیہ کو لانا جو بہترین نتائج حاصل کرنے کے لیے راہ عمل کے بارے میں فیصلہ کر سکے یہ طے کرنا ہوگا کہ حکومت کس چیز کو بیشترین کرنا چاہتی ہے۔

قومی آمدنی کو بیشترین کرنا:

ایک ایسی حکومت جو قلیل مدتی نقطۂ نظر سے قومی آمدنی کو بیشترین کوشش میں مصروف ہو غالباً مثالی ترفیوں اور مثالی سرمائی حرکات کی پالیسیاں اختیار کرنا چاہے گی بشرطیکہ اس سے ہونے والے فوائد ردعمل کے سبب رونما ہونے والے امکانی نقصان کے مقابلے میں زیادہ معلوم ہوں۔ معاشیات کلاں کے میدان میں وہ لچکیلی مبادلہ شرح سے گریز کرے گی جس کی وجہ سے وہ مقامی طور پر یا باہر شروع ہونے والی دونوں ہی تجارتی سائیکلوں پر بیرونی تجارت کے اعتدالی اثرات سے محروم رہے گی شرح کی تبدیلیوں کو وقتاً فوقتاً آمدنی کے گھریلو اثرات پیدا کرنے اور گھریلو آمدنی کو گھریلو اور بیرونی سیکٹروں کے مابین تقسیم کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ زرنی حکام سونے اور سود بردار بیرونی زر مبادلہ میں سے کبھی ایک اور کبھی دوسرے کی جانب مائل ہوں گے۔ اس کا انحصار سونے کی قیمت میں ہونے والی تبدیلیوں کی متوقع حالت پر رہے گا اور سونے کا سٹہ جس یک طرفہ انتخاب عمل کی اجازت دیتا ہے اسے اپنایا جائے گا۔

تاہم اس بارے میں بعض شکوک ہیں کہ کیا ایسی دنیا جس میں ملکوں کے پاس قلیل مدتی بازاری طاقت موجود ہو اور وہ سبھی اس کے استعمال کرنے کا تہیہ کیے ہوئے ہوں درحقیقت ٹھیک طور پر اپنا کام انجام دے سکے گی۔ اگر بیشتر ممالک اور خاص طور پر طاقتور ملک بین الاقوامی معاشی مشینری کے بارے میں ایک طویل مدتی نقطۂ نظر اختیار کریں تو ایک یا دو حکومتیں اپنی قلیل مدتی بازاری طاقت کا استعمال کر کے اس سے فیضیاب ہو سکتی ہیں۔ مثالی ٹریف ان کی شرائط تجارت کو بہتر بنا دے گا کیونکہ کوئی جوابی کارروائی نہیں ہوگی۔ سونے اور بیرونی مبادلہ کے بیچ استحکام کش سٹہ کا اثر دیگر حکومتوں کی اس کے برعکس استحکام بخش

پالیسیوں سے زائل ہو جائے گا۔ ان قلیل مدتی بیشترین کرنے والی کارروائیوں سے نظام کمزور پڑتا ہے لیکن اگر یہ زیادہ نہ ہوں تو نظام ان کے باوجود زندہ رہ سکتا ہے۔

تاہم جب سب ہی حکومتیں مثالی تریفیوں کا استعمال کرتی ہیں اور مثالی سرمائی حرکات عمل میں لاتی ہیں تو وہ سب کی سب بیرونی بازار کو سرگرمی کے ساتھ قومی آمدنی کے استحکام کے لیے استعال کر رہی ہوتی ہیں اور قومی مفاد کے تحفظ کی خاطر سٹہ کرنے لگتی ہیں تو نظام ناقابل عمل ہو سکتا ہے۔ زیادہ بڑی حکومتیں اوسط فرم کے برعکس بازاری طاقت کی حامل ہوتی ہیں۔

ایک ملک مثالی تریف نافذ کرتا ہے..

...........................تو دوسرے جوابی کارروائی کریں گے

....

کیونکہ ایسا کرنے میں انھیں اکثر فائدہ حاصل ہوگا۔ وقت کے ساتھ ممکن ہے کارروائی کا مقصد قومی آمدنی کو بیشترین کرنے سے بدل کر دوسرے زیادہ طاقتور ممالک کو باقی دنیا کی قیمت پر فائدہ اٹھانے کو کوششوں سے باز رکھنا ہو جائے۔ لاگت کی پرواہ کیے بغیر پولیس کارروائی کی جا سکتی ہے۔ جب کوئی ملک یا ممالک بیرونی زرمبادلہ کرا نچے پاس رکھنے کے لیے تیار نہ ہو اور سب سونے کے لیے دوڑ رہے ہوں تو سونے کی قیمت بڑھتی ہے مبادلہ کی شرحیں بے ترتیبی سے گھٹتی بڑھتی ہیں اور سب خطرات سے گریز کرنے والے غیر ملکی تجارت اور قرض دینے سے احتراز کرنے لگتے ہیں اور گھریلو سودوں کی طرف راغب ہو جاتے ہیں اسی طرح جب بین الاقوامی زری نظام درہم برہم ہو جاتا ہے جیسا کہ 1930 کی دہائی میں ہوا تھا تو ملکوں کو ڈاکٹر ہلمار شیٹ کے تحت والے جرمنی کی مانند بیرونی مبادلہ کنٹرول کے ایک عدم توازن کے نظام کو بروئے کار لانا پڑتا ہے جس میں بیرونی دنیا کے ساتھ اشیاء کے محدود ادل بدل اور بے باقی کے سودوں کی گنجائش رہتی ہے اور پالیسی کا معاشی زور بنیادی طور پر گھریلو محاذ پر مرکوز ہو جاتا ہے۔

بین الاقوامی معاشی نظام کی تعمیر:

تمام فرمیں اور سب چھوٹے اور کم ترقی یافتہ ممالک کا قرض قلیل مدت میں بیشترین کرنا ہوتا ہے۔ لیکن زیادہ بڑے اور طاقتور ملک یا ان میں سے بیشتر کو ان کی پیروی کرنے میں محتاط رہنا چاہیے۔ یہاں تشکیل کا سراب اپنا کام کرتا ہے۔ آدم اسمتھ کی دنیا معدوم نظر آتی ہے سوال یہ ہے کہ نظام کو کس طرح چلایا جائے۔

ایک امکان یہ ہے کہ ہر ایک ملک قومی مفاد میں کام کرنے کی بجائے عام مفاد میں کام کرے۔ امان الکانٹ کے واضح اصول کا تقاضہ یہ ہے کہ افراد کا طرزِ عمل ایسا ہو جسے عمومی شکل دی جاسکے۔ ایسے اقدام سے احتراز کیا جانا چاہیے جو اس صورت میں کیے جاسکتے ہیں جبکہ کوئی ایک ہی فرد یا ملک ان کو اختیار کرے۔ مرکزی بینک کی مانند جس سے تجارتی یا بچت بینکوں کی طرح روپیہ کمانے کی توقع نہیں کی جاتی بلکہ بینک کاری نظام کے مفاد میں کام کرنے کی امید کی جاتی ہے روشن خیال حکومتوں سے بین الاقوامی معاشی نظام کے مفاد میں کام کرنے کے لیے کہا جاسکتا ہے۔ اس کا تقاضہ یہ ہوگا کہ وہ مثالی ترلیفوں اور قرضے دینے کی مثالی شرحوں سے احتراز کریں نیز استحکام کش سٹہ نظام کو محفوظ رکھیں۔ خود مختار قومی حکومتوں کی اس دنیا میں اس راہ پر چلنا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ جہاں قلیل اور طویل مدت کے مفادات میں ٹکراؤ ہوتا ہو وہاں اس امر کو جائز قرار دینا یا اس کی وضاحت پیش کرنا مشکل ہوسکتا ہے کہ لمبے عرصے کے مبہم مفاد کی خاطر کسی حکومت نے ملک کے قلیل مدت کے ٹھوس فائدہ کے کسی موقعہ کو کیوں ہاتھ سے نکلنے دیا۔

بین الاقوامی سمجھوتہ ایک کارآمد آلۂ کار ہے۔ نظام کو نقصان پہنچانے والے قلیل مدتی فائدوں کو نظر انداز کرنے کے لیے ممالک خود کو پابند کرسکتے ہیں شرط یہ ہے کہ دیگر ملک بھی ایسا ہی کریں۔ ترلیفوں کو کم کرنے کے سمجھوتے جیسے مثال کے طور پر کینیڈی دور میں ہوئے یا بین الاقوامی زرئی نظام کو بہتر بنانے کے بارے میں اتفاق رائے کسی ایک ملک کے اقدام کو ممکن بنا دیتا ہے کیونکہ دوسرے ملک بھی اس کے حق میں کارروائی کرتے ہیں۔ OECD کی جماعتِ عاملہ نمبر 2 میں تمام فریقوں کی نگرانی کی وجہ سے ہر ایک ملک کی زرئی اور تحصیلی پالیسی پر یہ گروہ کڑی نظر رکھتا ہے اور اس امکان کو بہت محدود کر دیتا ہے کہ کوئی ملک دوسرے ممالک کی قیمت پر طویل مدتی فائدہ حاصل کرسکے۔

یو۔ ایس کا اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ اکثر یہ شکایت کرتا ہے کہ اس کی اپنی اکائیاں نہیں ہیں دو دو ڈالر کی کوئی ایسی جماعت نہیں ہے جو کانگریس میں اپنی آواز بلند کرے اور مفاد عامہ کے لیے اقدام پر مجبور کرنے کے لیے دباؤ ڈالے۔ محکمہ تجارت، محنت، داخلی امور، خزانہ اور دیگر محکمات کے برعکس یہ محکمہ پورے ملک کی مجموعی طور پر نمائندگی کرتا ہے اس کے کسی ایک حصہ پر ہی اس کی تمام تر توجہ مرکوز نہیں رہتی۔ غیر ممالک کے لیے قبول کردہ اس ملک کی ذمہ داریاں اور ان ممالک سے بدلے

ہیں اس ملک کو پہنچنے والے فوائد سے اس دلیل کا زور کچھ کم ہو جاتا ہے بالکل ختم نہیں ہوسکتا۔ بیرونی تجارت ہمارے اور ان کے درمیان ہوتی ہے۔ تجارت، محنت، داخلی امور اور خزانے کے محکمے ہم سے متعلق ہیں۔ اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کا ان کے بارے میں تشویش کرنا حب الوطنی کے خلاف ہے۔

قومی اقدامات میں تال میل پیدا کرنا:

جب ہم صرف ایسی کارروائی سے باز رہنے کی بجائے جس سے ایک ملک کو دوسرے کی قیمت پر فائدہ پہنچتا ہو ان امور کی جانب آتے ہیں جہاں دو زیادہ ملکوں کا اپنے مثبت اقدامات میں تال میل قایم کرنا ضروری ہوتا ہے تو زیر غور مسئلہ پیچیدہ صورت اختیار کر لیتا ہے۔ گذشتہ صفحات میں ہم نے ایسے بہت سے مواقع کا تذکرہ کیا ہے:

اگر ترقی یافتہ ممالک کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ کم ترقی یافتہ ممالک آمدنی کی از سر نو تقسیم کس طرح ان کے حق میں مناسب طور پر کر سکتے ہیں تو مثالی تریف کی بجائے کم ترقی یافتہ ملکوں کا کم ترلیف عاید کرنا اور ترقی یافتہ ملکوں میں وسائل کی غیر مناسب تقسیم کو ٹھیک کرنے کے لیے مالی امداد دینا زیادہ بہتر اقدام ہوں گے۔ (صفحہ 209)

جب ممالک کی آمدنیاں بیرونی تجارت کے مفروضہ فیہ میں بیرونی اثرات سے منسلک ہوتی ہیں اور داخلی وخارجی توازن کے لیے دونوں ملکوں میں خرچ سے متعلق پالیسیاں اختیار کی جاتی ہیں تو تین مساوات اور چار نامعلوم اعداد اس وقت تک قایم رہتے ہیں جب تک دونوں ملک یہ طے نہ کریں کہ ان کے مابین ان پالیسیوں کا بار کس طرح تقسیم کیا جائے گا۔ (صفحہ 587)

بین الاقوامی معاشی ارتباط کے لیے آزادیٔ تجارت اور عوامل کی حرکات میں رکاوٹوں کی موجودگی کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت بھی ہوتی ہے اس کے لیے ٹیکس، اجرت، بیرونی مبادلہ، زرئی اور تحصیلی پالیسیوں میں ہم آہنگی کی ضرورت پڑتی ہے (صفحہ 193)

بین الاقوامی کارپوریشن کے منظر عام پر آنے سے بھی بہت سے میدانوں میں پالیسیوں کو ہم آہنگ کرنے کی ضرورت پڑ سکتی ہے خاص طور پر کارپوریشن ٹیکس کے اور ٹرسٹ مخالف معاملات میں' تاکہ بین الاقوامی کارپوریشنوں کو ایک ملک میں ایسا قدم اٹھانے سے باز رکھا جاسکے جس کی اجازت کسی دیگر ملک میں نہیں دی جاتی۔ ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ دو یا زیادہ حکومتیں

بین الاقوامی کارپوریشنوں کو بیک وقت ایسے احکامات جاری کرنے سے احتراز کریں جس سے وہ ایسی ناممکن صورت حال کا شکار ہو جائیں جس میں انھیں ایک دوسرے کی کاٹ کرنے والی کارروائیوں پر عمل کرنا پڑے۔ ایسا کرنا دوہرے ٹیکس کے مترادف ہوگا۔ اس کے لیے بھرپور ضرورت ہم آہنگی پیدا کرنے کی ہے۔ (صفحہ ۴۵۴)

لچکیلی شرح کے ایسے نظام کی صورت میں جہاں حکومت مداخلت کرتی ہو دی ہوئی شرح کے دونوں جانب کی حکومتوں کا تعاون ضروری ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ دونوں میں سے ہر ایک شرح کو مخالف سمت میں بدلنے کی کوشش کرے یعنی B کے لیے A کرنسی دے کر وہ اپنی شرح کو کم کرنا چاہے اور B میں زری حکام A کے لیے B کرنسی دے کر اپنی شرح گھٹانا چاہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں کے پاس ایک دوسرے کی کرنسی تو جمع ہو جائے گی لیکن شرح مبادلے کی توں بنی رہے گی۔

اگر قلیل مدتی بازار سرمایہ یورو۔ ڈالر بازار جیسے کسی ادارے سے قریبی طور پر منسلک ہوں تو قومی زری پالیسی پر زری حکام کی گرفت ڈھیلی پڑ جانے کا قوی امکان رہتا ہے۔ زری بازار میں زر بڑھانے سے اس کے باہر بھاگنے کا اندیشہ رہتا ہے۔ ملک میں سود کی شرحیں کم ہونے سے رقوم زیادہ اونچی شرحوں کی تلاش میں باہر جانے لگتی ہیں۔ زر کو نظام سے باہر کھینچ لینے پر باہر سے نئی رقوم ملک میں آنے لگتی ہیں۔ زری پالیسی کو مؤثر بنانے کے لیے منسلک زری بازاروں کے مابین اس میں تال میل قایم کرنا چاہیے اس کے لیے ضروری ہے کہ زری حکام ایک ہی سمت میں قدم آگے بڑھائیں۔ نیویارک جو کہ سب سے بڑا مالیاتی مرکز ہے اس کے اور دیگر مراکز کے بیچ کسی قدر عدم مماثلت نظر آتی ہے۔ جب نیویارک اپنی شرح سود بدلتا ہے تو پورا ڈھانچہ اس کے ساتھ جھولتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ جب دیگر مالیاتی مراکز کسی شرح سود کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں تو کچھ عرصے تک فرق رہتا ہے اور پھر بڑی مقدار میں بیرونی رقوم اندر آکر یا گھریلو رقوم باہر جاکر سود کی پرانی سطح کو بحال کرا دیتی ہیں۔ اس بیان میں کچھ مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا ہے۔ تاہم عدم مماثلت ایک امر حقیقی ہے لہذا 'وفاقی کھلے بازار کی کمیٹی' پر جسے غالباً 'اٹلانٹک کھلے بازار کی کمیٹی' کے نام سے پکارا جا سکتا ہے۔ برطانیہ، فرانس، جرمنی، اٹلی وغیرہ کو زیادہ نمائندگی دینے کی ضرورت ہے [illegible] اسے کم کرنے کی۔

جب کوئی کرنسی زد پر ہو تو دوسروں کو قلیل عرصے میں اسے تحفظ دینا چاہیے؛ ورنہ اس

کرنسی کے ملک کو ان بچانے والوں کو ان کی امداد سے انھیں پہنچنے والے نقصان سے بچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ 1931 میں بینک آف بلجیم اور نیدرلینڈ کے بینک دونوں کو پونڈ کی شرح میں تخفیف سے بڑا نقصان پہنچا جبکہ انھوں نے پونڈ کی شکل میں بڑی رقوم کو اپنے پاس بنائے رکھا یہ تجربہ بڑا مہنگا ثابت ہوا اس سے بین الاقوامی زرئی نظام کے بارے میں شکوک میں اضافہ اور تعاون میں کمی پیدا ہوئی۔ دنیا کی تمام کرنسیاں ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔ کشتی کا تو ایک جھٹکا برداشت کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ باقی افراد جھٹکا دینے والے کے خلاف اپنا وزن ڈال کر اسے استحکام بخشنے کی کوشش کریں۔ لیکن اگر تین یا چار جھٹکا دینے والے پیدا ہو جائیں تو وہ استحکام بخشنے والوں کا جینا دوبھر کر سکتے ہیں۔ بیسل جیسی کئی کامیاب کارروائی کے بعد جتنی جلد ممکن ہو بحران کا شکار کرنسی کی خریداریوں کو عالمی زرئی فنڈ کے ذریعہ ادا کر دیا جانا چاہیے۔ امدادی کارروائی ناکام ہو جانے کی صورت میں جس کا امکان بہت کم ہے اس کرنسی کو جس کے حق میں یہ کوشش کی گئی تھی نظام کے مفاد میں مدد کرنے والوں کے نقصان کی تلافی کرنی چاہیے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گی تو یہ نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

تحریری دستور سازی بنام ارتقاء:

بین الاقوامی معاشی اشتراک کا یہ نظام زیادہ تر غیر تحریری طور پر تعمیر کیا گیا ہے۔ جنگ کے بعد بہت سے اداروں میں شرکت کے لیے ممالک کو رضامند کرنے میں ریاستہائے متحدہ نے پہل کی ان سمجھوتوں کے ضابطے بڑے تفصیلی اور پیچیدہ رہے ہیں۔ ان میں اقوام متحدہ، بین الاقوامی زرئی فنڈ، بین الاقوامی بینک برائے تعمیر و ترقی، بین الاقوامی تنظیم تجارت کا ہوانا چارٹر، خوراک و زراعت کی تنظیمیں وغیرہ شامل ہیں۔ IMF کو دس سال تک مشکل ہی سے کوئی کام کرنا پڑا۔ ITO کا ہوانا چارٹر مردہ پیدا ہوا اس کو پیش کرنے والے ریاستہائے متحدہ نے اس پر کبھی دستخط نہیں کیے۔ IBRD کو پتہ لگا کر وہ تعمیر نو کے مسئلہ کو حل نہیں کر سکتا۔ اور ترقیاتی کاموں کے لیے قرضے دینے کے سلسلہ میں ایسے طریقوں کو بروئے کار لانا پڑا جن کا تصور بھی نہیں تھا۔ بین الاقوامی معاشیات میں جنگ کے بعد کا سب سے زیادہ دلچسپ ادارہ یورو۔ ڈالر بازار رہا ہے، جس کا ارتقاء، بازاری عوامل کے ذریعہ کم و بیش اتفاقی طور پر کسی معاشی تجزیہ یا بین الاقوامی سمجھوتے کے بغیر عمل میں آیا۔

قانون داں اپنی ہر 'ن' پر نقطہ لگانے اور ہر 'ت' کو کاٹنے پر بڑے محتاط ہوتے ہیں وہ

ہر ضرورت کے پیدا ہونے سے قبل اس کا انتظام کر لینا چاہتے ہیں۔ بین الاقوامی زرعی نظام میں یہ رجحان بالکل ننگا اور خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ ایسے سمجھوتے کے بارے میں مذاکرات کا کام جس میں بالکل صحیح اور قطعی طور پر یہ طے کیا جائے کہ بہت سی ایسی آفات کے تحت جن کا تصور کیا جا سکتا ہے کیا ہوگا کون کیا کرے گا اور حساب کس طرح بیباق کیا جائے گا ایک پریشان کن تجربہ ثابت ہوا ہے۔ ریاستہائے متحدہ کا سیاسی طریقۂ کار مزید برآں ایسا ہے جس سے اس طرح کے سمجھوتے کو قانونی شکل دینے میں بہت وقت برباد ہوتا ہے اور فرضی آفات کے بارے میں بحث پریشان کن ہوتی ہے۔ انجام کار یہ ممکن ہے کہ ماہرین معاشیات اور قانون داں ان حالات کی صحیح نوعیت کا اندازہ لگانے میں بالکل ہی ناکام رہیں۔ جن سے بحران کو مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ پس ضرورت اس بات کی ہے کہ معاملہ فہمی کچھ ایسی ہو جسے ماہرین سماجیات ''دھندلا'' قسم کی کہتے ہیں اور جو ایک ایک سماج میں شامل افراد کے درمیان پائی جاتی ہے یعنی وقت پڑنے پر وہ ایک دوسرے کی جہاں تک ممکن ہو مدد کرتے ہیں اور ایسا کرنے کے سلسلے میں کسی کی بے جا سرزنش نہیں کی جاتی قرضہ۔ پٹہ بین الاقوامی معاشی معاملہ فہمی کی ایسی پہلی مثال تھی۔ امداد کا یہ طریقۂ کار کامیاب رہا جبکہ پہلی عالمی جنگ کے قرضوں کے معاہدات کامیاب نہیں رہے تھے۔ بین الاقوامی معاشی نظام میں اہم تبدیلیاں کرنے کے لیے مذاکرات کی رسمی کاوشوں میں قومی نقطۂ نظر کے اختلافات نمایاں معلوم ہوتے ہیں۔ احساس ضرورت کے تحت جزوی تبدیلیاں یا مسائل کا ارتقائی جواب دشواری سامنے آنے سے پہلے امداد کی یقین دہانی فراہم کرنے میں ناکام رہنے کا اندیشہ رہتا ہے۔ تاہم ایسے معاہدات کے مقابلہ میں جو پہلے سے کر لیے جائیں ان اقدامات نے وسیع تر اور زیادہ موثر سطح پر تعاون کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

بین الاقوامی معاشی ارتباط و یکجہتی :

گذشتہ باب میں اس خیال کا اظہار کیا گیا تھا کہ سوویٹ بلاک سے باہر کی دنیا بخوبی مثالی کرنسی کا علاقہ بن سکتی ہے۔ واضح رہے کہ اس سے ہماری مراد ترقی یافتہ ممالک سے تھی ان کم ترقی یافتہ ملکوں سے نہیں جن میں شرح کی تخفیف اور افراط زر آگے پیچھے چلتے رہنے کا ایک اکتا دینے والا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ کنیڈی دور نے ٹریفوں کو گھٹا کر ۱۰ فیصد تک کر دیا تھا۔ سرمائی بازار آپس میں منسلک ہیں اور اسی طرح سے اونچی تربیت کے سائنسی ماہرین کی محنت کا بازار بھی

بین الاقوامی کارپوریشنیں سب سے مہنگے بازار میں فروخت کے لیے ارزاں ترین بازار میں پیداوار
کا کام دھیرے دھیرے شروع کرتی ہیں۔ اس کے برعکس قومی نظام میں جہاں ہر بازار میں جو
اشیاء فروخت کی جاتی ہیں ان کی پیداوار بھی وہیں عمل میں آتی ہے۔ اگر سرکاری پالیسیوں میں اور
زیادہ تال میل اور ہم آہنگی قائم کی جائے تو جامد شرحوں کے ساتھ صورت حال تقریباً ویسی ہی
ہونے لگے گی جیسی ریاستہائے متحدہ کی طرح کی کسی بڑی وفاقی ریاست میں پائی جاتی ہے۔
وفاقی حکومت صلاحیت ادائیگی کے مطابق ٹیکس وصول کرتی ہے اور (زیادہ تر) علاقائی خطوط کا
لحاظ کیے بغیر خرچ کرتی ہے تسلیم کرنا ہوگا کہ اس کی اس کارروائی سے اہم فرق پڑ جاتا ہے۔ ہم دیکھتے
ہیں تو تقسیم کی بین الاقوامی کارروائیاں کہیں زیادہ کم ہیں — اقوام متحدہ کا بجٹ، مخصوص تنظیموں کے
بجٹ، کانگو میں امن فوج کا کام اور جون 1967 سے پہلے غازہ پٹی میں امن رکھنے کے لیے فوجی
انتظامات، اور سب سے زیادہ اہم غیر ملکی امداد — ان سب کے ہوتے ہوئے بھی جس تقسیمی معیار
کو کسی ملک کے اندر اپنایا جاتا ہے ہم اس سے بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔ فرانس اور روس کی حکومتوں
نے کانگو اور غازہ پٹی میں امن فوج کے اخراجات میں اپنے حصہ کی ادائیگی نہ کرنے کا فیصلہ کیا اور معاشی
امداد کسی حد تک دائرۂ اثر کے اعتبار سے تقسیم کی جاتی ہے اور کسی حد تک مسابقانہ بنیاد پر۔ ریاستہائے
متحدہ کے بعض علاقوں کی یہ تشویش کہ وہ جتنے ٹیکس ادا کر رہے ہیں اُس کے مقابلہ میں انھیں فوائد کم
حاصل ہو رہے ہیں وہ ان ممالک کے احساس خود مختاری کی عکاسی کرتی ہے جو عالمی تنظیموں میں خرچ
کی ذمہ داری سے گریز کرتے ہیں اور ایسا احساس قومی اتحاد کی بیخ کنی کرتا ہے۔
بجٹ کا زاویۂ نظر آمدنی علاقائی خود اختیاری تو تقسیم کو دھیان میں رکھتا ہے جو غالباً ملک
کے کم ترقی یافتہ اور اس لیے غریب تر علاقوں کے بین علاقائی کھاتوں کو متوازن کرنے میں مدد دیتا
ہے تاہم اس نکتہ سے قطع نظر ریاستہائے متحدہ کی فضائی معیشت اور بین الاقوامی نظام کے
بیچ جس مشابہت کا ارتقاء ہو رہا ہے وہ بڑی حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے۔ تریف غایب ہیں۔
قومی فرموں کی بالادستی کے خلاف مزاحمت۔ جیسے چین اسٹور مخالف قوانین۔ ختم کر دیے گئے
ہیں۔ مقامی فرم یہ جانتی ہے کہ اسے علاقے سے باہر کی فرموں کے ساتھ امتیازی اشیاء، یا بہتر
خدمت کے ہتھیار کے ذریعہ ہی مقابلہ کرنا ہوگا۔ توسیع کی فکر میں قومی کارپوریشنیں کسی روایتی مقام
گیری کی پابند نہیں رہتیں۔ کم ترقی یافتہ علاقے انھیں اپنی جانب تریفوں نے نہیں مالی امداد کی
پیش کش کے ذریعہ متوجہ کرتے ہیں۔ ملک کے وسطی علاقے سے دونوں ساحلوں کی جانب تربیت

یافتہ عالی دماغ ماہرین فن کھنچے جا رہے ہیں۔ مالیاتی مراکز درجہ وارانہ منظم کیے جا رہے ہیں جن کی چوٹی پر سانفرانسسکو، فلاڈلفیا، بوسٹن، شکاگو اور نیو یارک ہیں۔ نیو یارک پورے ملک کے مالیاتی میانہ روی کی سہولیات بہم پہنچاتا ہے۔ اس کام کو باقاعدہ بنانے کی شاذ ہی کوئی کوشش کی جاتی ہے اتنا ضرور ہے کہ تمسکات اور مبادلہ کمیشن جعل سازی کو روکنے میں دلچسپی لیتا ہے، حکومت بیمہ کو منضبط کرتی ہے، اور بنک کاری پر بھی ایک قسم کا کنٹرول ہے۔ 12 صفحوں میں مقامی مرکزی بنیک کے حکام زیادہ تر خانہ داری کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ پالیسی میں ان کا ہاتھ واشنگٹن ڈی سی میں دکھائی دیتا ہے تاہم پالیسی سے متعلق بنیادی ذمہ داری نیو یارک اور واشنگٹن کی رہتی ہے۔

قومی معاشی نظام کی اس تصویر کی بین الاقوامی نظیر کیا ہوگی اس کی وضاحت کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ : ترلیفوں کا کمزور پڑتا ہوا اثر، بین الاقوامی فرم کا منظر عام پر آنا، ترقی یافتہ ممالک کی (کم ترقی یافتہ ملک کی نہیں) ان فرموں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوششیں، تربیت یافتہ باصلاحیت محنت کا انتقال، مالیاتی مراکز کی درجہ وارانہ تنظیم، نیو یارک ریورو۔ ڈالر بازار کی بابت پڑھیے) مالیاتی میانہ روی میں اہمیت اور بین الاقوامی زری پالیسی کے تعین میں فیڈرل ریزرو سسٹم کی پیش رفت یہ سب اسی ابھرتی ہوئی نظیر کے واضح خدوخال ہیں۔

قومی بنام بین الاقوامی پالیسی :

پالیسی کے بارے میں تذبذب باقی ہے۔ آرام دہ کلاسیکی دنیا میں ہر ایک ملک اور ہر ایک شخص جب بھی اپنے مفاد کو آگے بڑھاتا ہے وہ مفاد عامہ میں بھی اسی قدر اضافہ کرتا ہے۔ اس کی حکومت سب سے بہتر ہے جو سب سے کم حکم چلاتا ہے۔ آزادانہ تجارت، متوازن بجٹ، اور طلائی معیار یا اور بھی زیادہ کلاسیکی آزادانہ طور پر بدلنے والی مبادلہ شرحیں حکومت کے لیے مشکل ہی سے کوئی کام باقی چھوڑتی ہیں۔ یا پھر عالمی حکومت کا تصور کیجیے، جہاں علیحدہ ممالک پر جواب ایک بڑی اکائی کے محض حصے ہیں پالیسیوں کا ایک واحد مربوط سٹ لاگو کر دیا جائے گا۔ تاہم اگر کوئی عالمی حکومت نہ ہو اور جس کے قیام کا امکان بھی معدوم ہے ممالک یہی فوائد اپنی پالیسیوں کو یک رنگ بنا کر اور اقدامات میں تال میل پیدا کر کے حاصل کر سکتے ہیں لیکن انھیں عمل نہ کرنے کا پورا حق حاصل ہوتا ہے یہی نہیں وہ قلیل مدت میں آمدنی کو بیشترین یا خطرات کو کمترین کرنے کے ان جملہ مواقع سے فائدہ اٹھانے کا اختیار رکھتے ہیں جو ایسی دنیا میں آزادی کی بدولت انھیں حاصل ہوتے ہیں جہاں نظام

کو چلانے کی ذمّہ داری سبھی پر عاید ہوتی ہے۔

لیکن مان لیجیے سوال بین الاقوامی نظام سے فائدہ اٹھانے کا نہیں ہے بلکہ اپنے قومی مفاد سے سروکار رکھنے کا ہے فرض کیجیے کہ یورپ سود کی اونچی شرحوں پر اصرار کرتا ہے کیونکہ اسے تجزیاتی اعتبار سے یا بوجہ تعصب یہ یقین ہے کہ گھریلو تحصیلی اور زرری پالیسی میں استحکام زیادہ سودمند ثابت ہوتا ہے۔ مان لیجیے اس کا مطلب یہ ہے کہ ریاستہائے متحدہ میں سود کی شرحیں اونچی ہو جاتی ہیں تاکہ سرمایہ ملک سے باہر نہ جائے اور سرمایہ سازی و ترقی کی رفتار کم ہو جاتی ہے روزگار کی اونچی سطح کا قلیل مدتی استحکام تحصیلی پالیسی کی مدد سے قایم رکھا جا سکتا ہے لیکن اس سے صرف میں اضافہ اور سرمایہ سازی میں کمی کا امکان پیدا ہو جاتا ہے (کم ٹیکس اونچی سودی شرحیں)۔ اگر ہم نشو و نما کی رفتار اور تحصیلی زرری اختلاط کے بارے میں فکر کرتے ہیں تو اونچی سودی شرحوں کے لیے یورپ کے اصرار کی حمایت کرنا دشوار ہوگا۔ یو۔ ایس کے بازار زر کو عالمی بازار سے علیحدہ کرنے اور زرری پالیسی میں آزادی کے دوبارہ حصول کی خاطر امریکہ کے گھریلو ماہرین معاشیات لچکیلی مبادلہ شرحوں کی ضرورت پر زور دیتے ہیں یا سرمائے کو باہر جانے سے روکنے کی تلقین کرتے ہیں بین الاقوامی تجارت کا ماہر معاشیات جو اشیاء اور عوامل کے عالمی بازاروں کو بنائے رکھنے کو زیادہ اہمیت دیتا ہے بین الاقوامی پالیسیوں میں تال میل پر اصرار کرتا ہے۔ لیکن اچھی طرح جانتا ہے کہ یورپی اختیاریوں کے کیا اعتقادات اور تعصبات ہیں نیز وہ اس غلط فہمی کا شکار بھی نہیں ہے کہ وہ ریاستہائے متحدہ میں موجود مخالف نظریہ کا خیال کر کے اپنے موقف میں کوئی ردّ و بدل کریں گے۔

یا انتظامی سہولیت کی بات لیجیے۔ اس کی ایک وجہ کہ گھریلو استحکام میں دلچسپی رکھنے والے امریکن ماہرین معاشیات زرری پالیسی کو بین الاقوامی سرمائی بازاروں سے مربوط رکھنا نہیں چاہتے یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ فیڈرل رزرو سسٹم کو زرری پالیسی بدلنے کا اختیار حاصل ہے جبکہ تحصیلی پالیسی میں تبدیلی کے لیے آئینی منظوری لینی پڑتی ہے اس میں نہ صرف وقت لگتا ہے بلکہ نامنظوری کا اندیشہ بھی رہتا ہے۔ ایسے ممالک میں جہاں فیصلہ کی ذمہ داری کابینہ پر ہوتی ہے جیسے انگلینڈ تحصیلی پالیسی کو اتنی ہی تیزی سے بدلا جا سکتا ہے جیسے زرری پالیسی کو اور ایسے ممالک ہمیشہ ان معاشی پالیسیوں کے بارے میں ہمدردانہ رویہ نہیں اپناتے جو کسی مخصوص (یا غیر کارکرد ؟) سیاسی نظام کے لیے اختیار کی جاتی ہیں۔ مختلف روایات، اداروں اور تقاضوں کی صورت میں پالیسیوں کو ہم آہنگ کرنا اور ان میں تال میل کا کام دشوار ہو جاتا ہے۔

گھریلو اور بین الاقوامی ماہرین معاشیات کا ان مسائل کے بارے میں ہم رائے نہ ہونا ایک عام بات ہے ۔ عام اور ساتھ ہی اقتدار فیاض اور بہی خواہ شہنشاہیت حکومت کی بہترین شکل ہوتی ہے بشرطیکہ بادشاہ فیاض و مہربان رہے جو ابھی تک ناممکن ثابت ہوا ہے اور ساتھ ہی مستقل مزاج بھی ہو۔ تاہم بہت سے متغیرات کے حامل مسائل کے معاملہ میں جنھیں آج کل نظامی مسائل کہتے ہیں مشفق و مہربان بادشاہ کے لیے کسی پالیسی کے اہم اور ثانوی تمام اثرات کو بیک وقت ذہن میں رکھنا مشکل اور اکثر ناممکن ہوتا ہے۔ مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں ماہرین کی رائے اہم ہوتی ہے۔ یہ ماہرین اس مسئلہ پر کسی مخصوص پس منظر یا مفاد کے زاویہ نظر سے غور کر سکتے ہیں۔ پس منظر یا مفادات کے ٹکراؤ سے پالیسی انتخاب کی راہیں روشن ہو جائیں گی اور زیرک فیصلے کرنے میں مدد ملے گی۔ لیکن بین الاقوامی تجارت کا ماہر معاشیات کبھی کسی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی مانند ایسا محسوس کرتا ہے کہ نظام کے وسیع تر مفادات کو اس کے حصّوں کے مفادات کا تابع بنایا جا رہا ہے۔ ان کو (آخرالذکر کو) سہولت یا رواج کے پیش نظر ایسے طریقوں سے حل کیا جاتا ہے جو عام بہبود کی سے میل نہیں کھاتے۔ اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی مانند غالباً بین الاقوامی تجارت کا معاشی بھی ایسا تصوّر کرتے ہیں ایک افسوسناک غلطی کا شکار ہو رہا ہے اس بیان میں تھوڑی بہت سچائی کا عنصر ضرور ہے۔

مسابقانہ بازاروں کی کلاسیکی دنیا جس میں بیرونی مبادلہ بازار شامل ہوتا ہے اور حکومت معدوم یا ایسی عالمی حکومت جس کی تشکیل کسی طرح مہربان و ہمہ داں بادشاہ کے خدوخال کی طرح کی جا سکے بین الاقوامی معاشی نظام کو حقیقت میں بدل سکتی ہے۔ یہ کہنا دشوار ہے کہ کارروائی کی طاقت رکھنے والی حکومتیں اور قومی مفاد میں ان طریقوں سے کارروائی کرنے کی ضرورت جس کی قومی روایات متقاضی ہوتی ہیں اور جو قومی اداروں کے متعلق دائرہ میں رہتے ہیں انھیں اس درجہ ہم آہنگ اور مربوط کیا جا سکتا ہے کہ اسے ایک بین الاقوامی معاشی نظام قرار دیا جا سکے۔ زیادہ تر کام آج بھی نظام قیمت کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ کسی حد تک حکومتوں کا کام مثالی مداخلت کی کوشش کی بجائے مداخلت سے احتراز کرنا ہوتا ہے۔ اور مداخلت کی ضرورت پڑنے پر بھی ایسا شاذ ہی ہوتا ہے کہ اکائی اور نظام کے مفادات ایک دوسرے سے ہم آہنگ نہ ہوں۔ ایسے بعض حالات میں جبکہ ان دونوں کے مفادات مختلف ہوتے ہیں بین الاقوامی تجارت کے معاشی کا کام یہ نہیں ہوتا کہ وہ نظام کے مفادات پر اکائی کے مفادات کو قربان کر دے۔ اس کا کام متبادل پالیسیوں کی نشان دہی کرنا اور دونوں کے لیے ان کے نتائج کو واضح کرنا ہوتا ہے۔

خلاصہ :

کلاسیکی معاشی نظام جس میں حکومت کا کام بڑا محدود ہوتا ہے یہ مان کر چلتا ہے کہ کُل اور اس کے حصوں کے مفادات کے بیچ کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا اور نہ ہی حکومت کو پالیسی کے بارے میں کوئی فیصلہ لینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ مجموعی طور پر یہ ایک سراب ہے۔ قومی حکومتیں اپنا کردار ادا کرنے کی صورت میں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ دیگر ممالک کی قیمت پر ملک کے قلیل مدتی مفادات کو بیشتر بن کرنے کی کوشش کرتی ہیں یا بین الاقوامی نظام کی بقا کی خاطر طویل مدتی پالیسیاں اختیار کرتی ہیں جس میں وہ غالباً فیاض حکومتوں کو اپنے عمل سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش چھوڑ دیتی ہیں۔ حکومتیں سمجھوتے کے ذریعہ خود کو فیاضانہ طرزِ عمل کا پابند بنا سکتی ہیں۔ لیکن ایسے مواقع آئیں گے جب جداگانہ متوازی کارروائی ناکافی رہے گی اور اقدامات میں تال میل پیدا کرنا پڑے گا۔ سبھی پیش آنے والے امکانات کا پہلے سے اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اور سمجھوتوں میں ان کا خیال نہیں رکھا جا سکتا۔ نہ ہی تمام حکومتوں سے بالکل ایک جیسے طرزِ عمل کی توقع کی جا سکتی ہے کیونکہ ان کی روایات، ادارے اور غالباً مقاصد مختلف ہوتے ہیں۔

ایسا بین الاقوامی معاشی نظام جس میں حکومت مداخلت کرتی ہو قومی سرکاری نظام کے طریق عمل سے قریبی مشابہت رکھتا ہے فرق بس آمدنی کی ازسرِنو تقسیم کے معاملہ میں ہوتا ہے جو مرکزی بجٹ کی راہ سے ادائیگیوں کے عدم توازن پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ایک مزید فرق یہ ہے کہ ایک مرکزی اکائی کی بجائے فیصلے بہت سی نسبتاً چھوٹی اکائیوں میں کیے جاتے ہیں۔ بین الاقوامی معاشی نظام میں علیحدہ طور پر قومی فیصلے کرنے کی وجہ سے پالیسیوں کو ہم آہنگ اور کارروائی کو مربوط کرنے کی ضرورت پڑتی ہے جو ایک مشکل کام ہے۔

معاشی کا کام انتخاب کرنا نہیں ہے خاص طور پر اس صورت میں جب ملک اور بین الاقوامی معاشی نظام کے مفادات ایک دوسرے سے ٹکراتے ہوں۔ اس کا کام متبادل پالیسیوں اور ان کے اثرات کو قوم اور نظام کے مفادات کی روشنی میں پیش کرنا ہوتا ہے۔

ضمیمہ A برائے باب 2

رسدِ عوامل، ٹکنولوجی، اور امکاناتِ پیداوار

پیداواری تفاعل اور عوامل کی رسدوں سے بدل قوس کو اخذ کرنا

پیداواری تفاعل عوامل کی خدمات کی مقداروں اور ان سے کسی چیز کی طبعی پیداوار کے باہمی تعلق کو بیان کرتا ہے۔ جیومیٹرائی اعتبار سے ہم اسے متعلقہ چیز کی مطلوبہ مقداروں کو پیدا کرنے کے لیے درکار دو عوامل کے مختلف میلوں کو گراف پر دکھا کر واضح کر سکتے ہیں شکل A.1 میں T-T ایک مقدار مساوی کا قوس ہے۔ جو ایک واحد چیز کپڑے کی مقررہ مقدار کو ظاہر کرتا ہے۔ T'-T' ایک بلند تر مقدارِ مساوی قوس ہے یعنی کپڑے کی زیادہ مقدار مثلاً اگر T-T 100 گز کو ظاہر کرتا ہے تو یہ 200 گز کو۔ کسی دیے ہوئے نقطہ جیسے W پر اگر محنت اور زمین کی مختتم طبعی پیداوار کا تناسب دونوں عوامل کی قیمتوں کے تناسب کی برابر ہو تو پیداوار بحالتِ توازن ہو گی۔ ایک ایسا خط جو مقدارِ مساوی قوس کے ساتھ مماس ہو زمین و محنت کی نسبتی قیمت کو ظاہر کرتا ہے۔ اگر کوئی نقطہ پیداوار W دیا ہوا ہو تو عوامل کی نسبتی قیمت معلوم کی جا سکتی ہے جو S-S کے ڈھال کے برابر ہو گی۔ یا اگر پیدا کی جانے والی مقدار T-T کا علم ہو اور عوامل کی قیمتیں S-S بھی معلوم ہوں تو دو کمترین لاگت کا میل W معلوم کیا جا سکتا ہے۔ OR نسبتی قیمت S-S کا آگے بڑھنے کا راستہ ہے (S'-S' اس کے متوازی ہے) نسبتی قیمتیں S-S کے ڈھال کے برابر ہونے کی صورت میں زمین اور سرمائے کی خدمات کو جوڑ کر ہم OR کی راہ پر بلند تر مقدارِ مساوی قوس کی طرف بڑھتے ہیں۔ اگر پیمانے کے ماحصل یکساں ہوں تو عوامل کی قیمتیں یکساں رہنے کی صورت میں آگے بڑھنے (پیداوار میں توسیع) کا یہ راستہ ایک خطِ مستقیم ہو گا۔ پیداواری تفاعل کی سہل ترین شکل خطی و یکساں کہلاتی ہے شکل A.1 میں T-T مقدارِ مساوی قوس یہ بتاتا ہے کہ کپڑے کی پیداوار میں زمین کی جگہ محنت کا استعمال طبعی طور سے

بآسانی کیا جاسکتا ہے اور اس کا الٹا بھی ہو سکتا ہے۔

اوپر جو کچھ کہا گیا ہے اس کا مقصد یاددہانی کرانا تھا۔ شکل ط ا۔ A میں ہم نے گیہوں اور کپڑے کے لیے دو پیداواری تفاعل دکھلائے ہیں۔ ان میں عوامل کے تناسبات سختی کے ساتھ مقرر ہیں لیکن دونوں چیزوں کے لیے مختلف ہیں۔ پیداوار میں توسیع کے راستے کپڑے کے لیے OX اور گیہوں کے لیے OY عوامل کی قیمتوں کے کسی مثبت سٹ کے لیے سیدھے خطوط ہیں۔ مقدار

پیداواری رابطہ: متناسب عوامل جامد

گیہوں

زمین

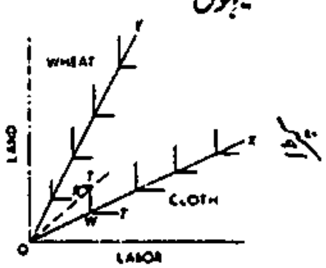

محنت

کپڑے کے لیے رابطہ پیداوار

زمین
(ایکڑ)

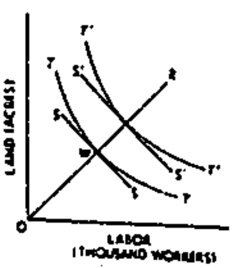

محنت
(ہزار مزدور)

مساوی قوس T — T پر OW کی بجائے OR جیسا تناسبات عوامل کا کوئی بھی اور سٹ ایک عامل (اس کیس میں زمین) کی طبعی مختتم پیداوار کو صفر کر دے گا۔ اس کی قیمت بھی صفر ہو جائے گی۔

شکل ط ا۔ A میں کپڑا غیر مبہم طور پر زیادہ محنت چاہتا ہے اور گیہوں زمین۔ زمین اور محنت کی کسی بھی مثبت نسبتی قیمت پر گیہوں کے مقابلہ میں کپڑے کے لیے زمین کی نسبت زیادہ محنت استعمال میں آئے گی۔

شکل 2 ۔ A میں ہم مشہور و معروف ایج ورتھ۔ باؤلے بکس نما خاکہ بناتے ہیں۔ اس میں بکس کی پیمائشیں کسی ملک میں جسے ہم برطانیہ کہیں گے زمین اور محنت کی مقداروں کو ظاہر کرتی ہیں۔ عوامل کی ان رسدوں کو ہم رنگ نوعیت کا اور مقداریں جامد تصور کر لیا گیا ہے۔ کپڑے کا پیداواری تفاعل نقطہ آغاز O بکس کے نچلے بائیں جانب کے کونے پر لے کر کھینچا گیا ہے۔ اس کے مقدار مساوی قوس T - T، 'T - 'T وغیرہ ہیں جو باہر کی جانب اوپر کی طرف

جامدتناسب عوامل کے ساتھ ایج ورتھ باؤلے بکس خاکہ

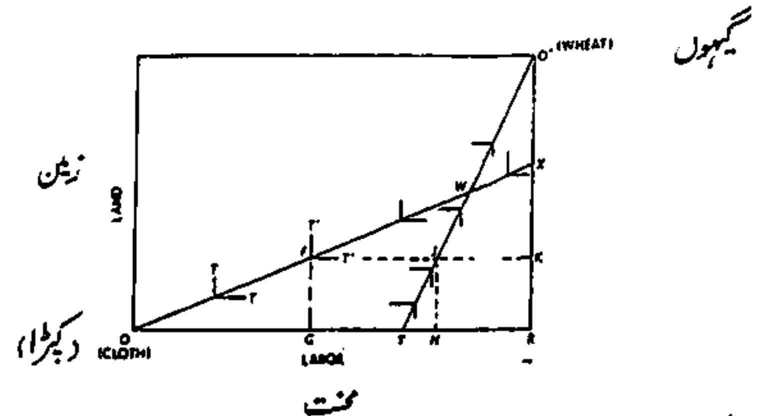

متحرک ہیں۔ اس کا پیداواری توسیع کا راستہ O x ہے۔ اگر برطانیہ میں دستیاب تمام محنت (O R) کا استعمال کپڑا بنانے میں کیا جائے تو صرف R x زمین درکار ہوگی اور O x' زمین بیکار رہ جائے گی ــ x پر زمین کی مختتم طبعی پیداوار صفر ہوگی۔

گیہوں کے پیداواری تفاعل کو الٹا اوپر سے نیچے نقطۂ آغاز O' لے کر آگے نیچے کی طرف بائیں جانب بڑھتے ہوئے کھینچا گیا ہے۔ اس کی پیداواری راہِ توسیع O'Y ہے۔ Y پر تمام زمین استعمال میں آجائے گی اور R Y محنت کا استعمال ہوگا لیکن O Y محنت بے روزگار رہے گی۔

O X اور O'Y ایک دوسرے کو W پر کاٹتے ہیں جو ایک ہی ایسا پیداواری نقطہ اس خاکے میں ہے جہاں کامل روزگار اور دونوں عوامل کے لیے مثبت قیمتیں ممکن ہیں دونوں میں سے کسی بھی راہ توسیع پر کسی دیگر نقطہ مثلاً O X پر F پر زمین اور محنت گیہوں کی راہِ توسیع پر ل پر پیداوار

جامدتناسب عوامل کے ایج ورتھ باؤلے بکس خاکے سے اخذ کردہ تبدیلیٔ ہیئت توس

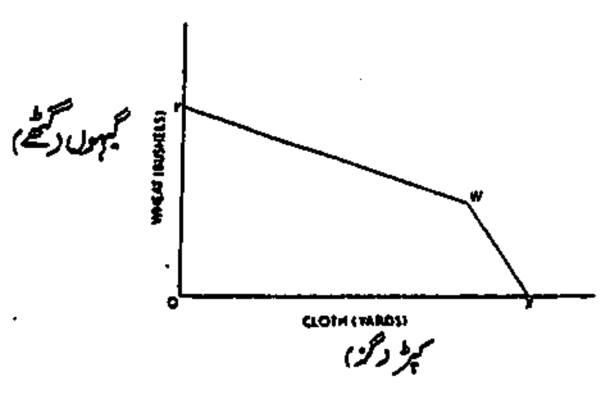

کرسکیں گے ۔ O 6 محنت کپڑے کی پیداوار میں لگے گی اور R H گیہوں کی پیداوار میں۔ R K زمین کپڑے اور 'O'K گیہوں کی پیداوار میں استعمال ہوگی۔ تاہم H 6 محنت بیروزگار رہے گی۔

شکل 2 . A میں توس 'OWC دراصل ایک بدل توس ہے جو گیہوں اور کپڑے کے ان مختلف میلوں کی نشان دہی کرتا ہے جو عوامل پیداوار کے عطیات کی روشنی میں برطانیہ میں پیدا کیے جاسکتے ہیں - دونوں عوامل کو کامل روزگار اور مثبت قیمتیں فراہم کرنے والا صرف ایک ہی نقطہ W ہے ۔ 'OWO ایک بدل توس کی مانند نظر نہیں آتا کیونکہ اسے پیداوار کی طبعی اکائیوں کی بجائے زمین اور محنت کی طبعی اکائیوں کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ اگر ہم گراف کو گیہوں اور کپڑے کی اکائیوں کی شکل میں دکھائیں اور اس کے دائیں جانب کو اوپر کردیں تو یہ ایک عام امکاناتِ پیداوار کا توس نظر آئے گا گو W پر خمیدہ ہوگا جیسا کہ شکل 3 . A میں دکھایا گیا ہے ۔

اگر کپڑا اور گیہوں جامد تناسبات عوامل کے ساتھ پیدا کیے جائیں اور تناسب آپس میں برابر ہوا، تو توسیع پیداوار کی دونوں راہیں ایک ہو جائیں گی جیسا کہ a 4. A میں دکھایا گیا ہے۔ اور بدل توس ایک خطِ مستقیم کی شکل اختیار کرے گا جیسا کہ b 4 A میں دکھایا گیا ہے لیکن اسکا مطلب یہ ہوگا کہ زمین اور محنت ہمیشہ ایک ہی میل میں استعمال کیے جاتے ہیں اور اس لیے انھیں ایک ہی عامل قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ قدر کے نظریۂ محنت اور اس کی وجہ سے پیدا ہونے والے سیدھے بدل توس پر دلالت کرتا ہے۔ یکساں لاگتوں اور دونوں اشیاء کے بالکل ایک جیسے پیداواری تفاعل سے بھی ایسا ہی سیدھا بدل توس رونما ہوگا۔ لیکن یکساں لاگتوں اور یکساں موقعہ لاگتوں کے فرق پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ مستقیم خط بدل توس یکساں موقعہ لاگتوں کو ظاہر کرتا ہے۔ دونوں اشیاء کے پیداواری تفاعل کے مختلف ہونے کی صورت میں بدل توس محراب دار ہوگا خواہ ہر ایک چیز میں جداگانہ طور پر پیمانے کے ماحصل یکساں ہی کیوں نہ ہوں۔

شکل a 4 B سے اخذ کردہ

تبدیلیٔ ہیئت توس

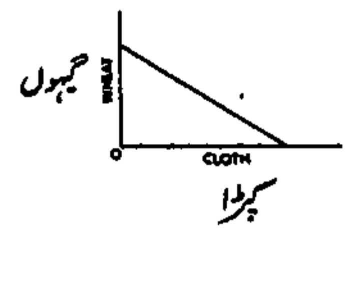

یکساں موقعہ لاگتیں : ایک جیسے جامد

تناسبات عوامل

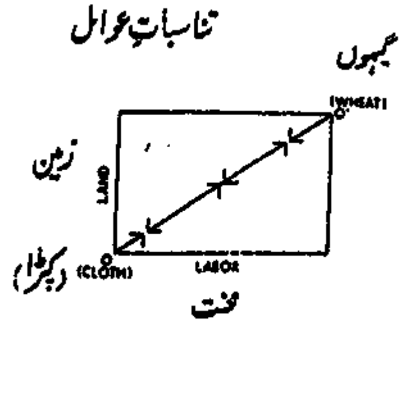

جب کسی چیز کی پیداوار میں ایک کی جگہ دوسرے عامل کو استعمال کرنے کی گنجائش ہوتی ہے تو پیداواری توسیع کی راہ غیر معینہ رہتی ہے۔ عوامل کی قیمتوں کے کسی بھی سٹ کے لیے ایک ایسی علیحدہ راہ کو دکھایا جا سکتا ہے۔ باہم دونوں اشیاء کے لیے مساوی مقدارِ پیداوار کا قوس کھینچ سکتے ہیں اور ان کے درمیان مماسی نقطوں کا راستہ دکھا سکتے ہیں۔ یہ راستہ کارکردگی کی راہ کو ظاہر کرے گا یا دونوں چیزوں کی پیداوار کے ان بیشترین میلوں کی نشان دہی کرے گا جو عوامل کی موجودہ رسد سے پیدا کیے جا سکتے ہیں۔ یہ صورت حال شکل ۵ A میں دکھائی گئی ہے۔ مان لیجیے کہ پیداوار راہِ کارکردگی سے ہٹ کر نقطہ W پر ہوتی ہے۔ W کپڑے کے مقدارِ مساوی قوس 7 پر ہے اور گیہوں کے ایسے ہی قوس 5 پر۔ لیکن کپڑے کے مقدارِ مساوی قوس 7 پر ایک نقطہ T بھی ہے جو گیہوں کے ایک بلند تر (6) مقدارِ مساوی کے قوس پر پڑتا ہے۔ پس بغیر کپڑے کی کسی قربانی کے زیادہ گیہوں پیدا کیا جا سکتا ہے یا گیہوں کے مقدارِ مساوی قوس 5 پر کوئی نقطہ 'T ہے جو کپڑے کے مقدار مساوی قوس 8 پر پڑتا ہے اب گیہوں کی پرانی مقدار کے ساتھ ہی زیادہ کپڑا پیدا کرنا ممکن ہے۔ لہٰذا دو پیداواری تفاعل کے مقدارِ مساوی قوسوں کے نقاطِ مماس کی راہ سے ہٹ کر کوئی بھی نقطہ کارکردگی سے محروم ہو جاتا ہے کیونکہ مذکورہ راہ پر واپس آ کر ایک چیز کی پیداوار میں دوسری کی پیداوار کم کیے بغیر اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

راہِ کارکردگی نظریہ مبادلہ میں 'معاہدہ قوس' کی مانند ہے۔ یہاں بکس کی پیمائشیں اشیاء کی مقررہ رسدوں کو دکھاتی ہیں 'معاہدہ قوس' سے دور کوئی نقطہ دونوں افراد کے ابتدائی اثاثہ کو ظاہر کرتا ہے جبکہ افادیت کے نقشے دونوں کونوں سے شروع ہوتے ہیں اور دونوں افراد ابتدائی اثاثہ کے نقطے سے معاہدہ قوس پر آ کر اپنی افادیت میں اضافہ کر سکتے ہیں۔

جب پیداوار کے لیے اتیج ورتھ۔ باؤلے بکس کا استعمال کیا جاتا ہے تو وہ پیداواروں کا سب سے عمدہ میل ہی نہیں بلکہ عوامل کا میل اور عوامل کی قیمتوں کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ بدل قوس کے برعکس (ط 5 A) یہ بہرحال گیہوں اور کپڑے کی نسبتی قیمت کو نہیں دکھا سکتا۔ تاہم اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ پیداوار T پر ہے تو OT کا ڈھال کپڑے میں تناسبات عوامل کو بتائے گا۔ اور 'OT گیہوں میں ان کی نشان دہی کرے گا۔ یہ تو ظاہر ہی ہو گا کہ مذکورہ استعمال تمام زمین اور تمام

شکل ہ 5 A سے اخذ کردہ
تبدیلی ہیئت قوس

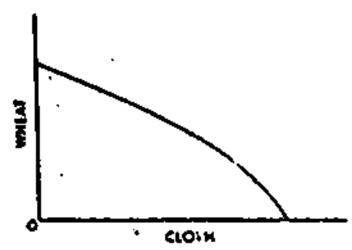

تغیر پذیر تناسبات عوامل کے تحت بیشترین
کارکردگی کا راستہ

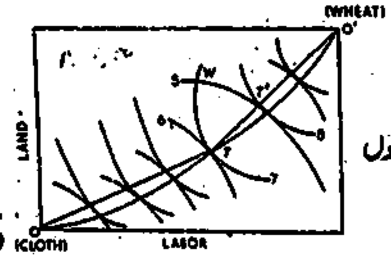

محنت کو کام پر لگا دے گا۔ بیشترین راہ کارکردگی کے نقطہ T پر مماس کے ڈھال سے ان پیدا واروں کی موجودگی میں زمین اور محنت کی نسبتی قیمت ظاہر ہو جاتی ہے۔

موقعہ لاگتیں بنام حقیقی لاگتیں :

ابتدائی نظریاتی ماہرین جنھوں نے قدر کے نظریۂ محنت کا استعمال کر کے نسبتی لاگت کے اصول کا ارتقاء کیا تھا محنت کو صرف اور اشیاء کی لاگت کو حقیقی لاگت تصور کرتے تھے۔ قدر کے نظریہ محنت کا مقام تغیر پذیر تناسبات کے قانون کو مل جانے کے بعد ایک دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ زمین اور سرمائے کی حقیقی لاگت ہونا ضروری نہیں ہے۔ اب حقیقی لاگتوں کا نہیں بلکہ صرف موقعہ لاگت یعنی کسی چیز کی قربانی کا ہی تصور کیا جا سکتا ہے۔

لیکن لاگت نظریہ کے ماہرین اپنے موقف کو ترک کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ پروفیسر دیر ابھی تک حقیقی لاگت کے موقف پر جمے ہوئے ہیں ان کا دعویٰ ہے کہ بہت سے معنوں میں محنت کو اصل لاگت قرار دیا جا سکتا ہے یا سرمائے کو گذشتہ محنت کہا جا سکتا ہے۔ ان کا موقف بہت کچھ قدر کے نظریۂ محنت سے ملتا جلتا ہے۔ تاہم مدافعت میں اتنا وقت صرف نہیں کیا جاتا جتنا نکتہ چینی کرنے میں۔ موقعہ لاگت کے نظریہ کے اس مفروضے کی بنا پر سخت تنقید کی جاتی ہے کہ لوگ پیشوں کے انتخاب کے سلسلے میں بے نیازی برتتے ہیں اور محنت کی قیمت خواہ کچھ بھی ہو وہ کام کرنے کے لیے آمادہ رہتے ہیں۔ عوامل کی رسد کے غیر لچکیلے ہونے کا یہ مفروضہ صریحاً غیر حقیقی ہے۔ اگر بدل جدول ایسے پیداواری تفاعل سے تشکیل کی جاتی ہے جو طبعی امکانات کے بیانات

ہوتے ہیں تو وینر کی رائے میں کوئی لازمی وجہ نہیں ہے کہ کوئی ملک اپنے بدل قوس کے اندر کہیں ہونے کی بجائے اس کی سرحد پر کیوں ہو۔ بدل قوس کا یہ نادیدہ مفروضہ کہ عوامل کی رسد بالکل غیر لچکیلی ہوتی ہے اس کی صحت کو ناقص بنا دیتا ہے۔ موقعہ لاگت کے فلسفہ میں اس امکان کی کوئی گنجائش ہے نہیں کہ تجارت کی وجہ سے کوئی ملک جتنا کام پہلے کرتا تھا اتنا ہی کام کرتا رہے اور اشیاء کی شکل میں زیادہ نفع حاصل کرنے کی بجائے پہلے جتنی حقیقی آمدنی کے لیے اپنے کام میں کمی کر دے۔

لیکن حقیقی لاگتوں کے میدان میں دشواریاں معدوم نہیں ہیں۔ زمین میں حقیقی لاگت کی عدم موجودگی اور سرمائے میں حقیقی لاگتوں کی ڈھلی ہوئی نوعیت کے مسئلہ کو نظر انداز کرنا جائز نہیں ہے۔ علاوہ ازیں یہ فلسفہ اس امکان کا جائزہ لینے سے قاصر رہتا ہے کہ مختلف لوگوں کا ردعمل مختلف کاموں کے بارے میں مختلف ہوتا ہے اس لیے کوئی مقررہ پیداوار اس اعتبار سے مختلف حقیقی لاگت کی مظہر ہوگی کہ اس پیداواری کام کو کون لوگ انجام دے رہے ہیں۔

ہے۔ وینک نے یہ واضح کر دیا ہے کہ دو طرح کے پیداواری امکانات کے قوسوں کے بیچ امتیاز کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جو دو اشیاء کے بیچ تکنیکی بدل جدول پیش کرتا ہے اور یہ عوامل کی قیمتوں میں تبدیلی سے عوامل پر ہونے والے ردّ عمل کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ دوسرا معاشی ہوتا ہے جو ایسے تمام ردّ عمل کو دھیان میں رکھ کر بنایا جاتا ہے۔ معاشی اعتبار سے ممکن قوس تکنیکی اعتبار سے بنائے جا سکنے والے قوس کے اندر ہوتا ہے۔ سوائے اس کے کہ ایک یا زیادہ قیمتوں پر وہ آپس میں مل جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تکنیکی امکانات کی سرحد ایک

....

لفافہ نما قوس ہوتا ہے جس میں وہ سب قوس بند رہتے ہیں جنھیں عملاً بنایا جا سکتا ہے۔

مطالعہ کے لیے تجاویز:

نسبتی فائدے اور رسد عوامل پر بڑا زبردست ادب موجود ہے اور ہم طالبعلم کے لیے R.E.Caves Trade and Economic Structure کی سفارش کرتے ہیں جس میں اسے تبصرہ اور کتب شناسی ملے گی۔ دو بے نظیر مقالے Romney Robinson "Factor Proportions and Economic advantage" QJE May 1956, and T.M.

Rybczynski "Factor Endrosement and Relative Commodity Prices" Econ.Rev. 1955,

امریکن اکنامک ایسوسی ایشن کے 1967 کے Readings in International Economics میں دوبارہ چھاپے گئے ہیں۔

حقیقی اور موقع لاگتوں پر نزاع کے لیے دیکھیں Viner: P P 489-93, Haberler

Pf 129 & 175, and J.Vanek : "An Afterthought on the Reed Cost & Opportunity Cost Dispute" and Some Aspects of General Equilibrium Under Conditions of Variable factor Supplies RES Jan.1959 Haberler Red Cost and Opportunity Cost" مزید دیکھیں in International Social Science Bulletin Spring 1961.

ضمیمہ B عامل۔قیمت برابر کرنا

برائے باب 2

عامل۔ قیمت برابر کرنا :

عوامل کی قیمتیں برابر کرنے کے عمل سے متعلق نظریہ کی وضاحت کم سے کم تین طریقوں کے ذریعہ کی جا سکتی ہے۔ شکل B .1 میں پہلا طریقہ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں ایج ورتھ۔ باؤلے بکس کا استعمال کیا گیا ہے جس کی وضاحت ضمیمہ A میں کی گئی تھی۔ یہاں دونوں میں سے ہر ایک ملک ریاستہائے متحدہ اور برطانیہ کے لیے ایج ورتھ۔ باؤلے بکس بنائے گئے ہیں۔ ان میں تناسبِ عوامل ایک دوسرے سے بہت مختلف رکھے گئے ہیں لیکن پیداواری تفاعل بالکل ایک جیسے ہیں جو گیہوں کے لیے مختلف تناسباتِ عوامل کی وجہ سے گیہوں کے دو الگ نقاط آغاز ہوتے ہیں۔ ریاستہائے متحدہ میں y اور برطانیہ میں y' تجارت سے پہلے دونوں ملک یہ مان لیا گیا ہے بالترتیب S اور T پر پیداوار صَرف میں مشغول ہیں۔ ان نقاط کا تعین علیحدہ طور پر مانگ کی صورت حال سے ہوا ہے۔ برطانیہ کی نسبت ریاستہائے متحدہ میں زمین محنت تناسب بالترتیب گیہوں اور کپڑے میں زیادہ ہے۔ (خاکے کو سادہ رکھنے کی غرض سے وتر نہیں کھینچے گئے ہیں۔ لیکن کپڑے میں oS کا ڈھال oT سے اور گیہوں میں Sy کا ڈھال Ty' سے زیادہ ہے۔)۔ برطانیہ کی نسبت ریاستہائے متحدہ میں دونوں اشیاء کے لیے زیادہ زمین کا استعمال ہونے کی صورت میں محنت کے مقابلہ میں زمین نسبتاً کم مہنگی ہوگی۔ اس کے برعکس دونوں اشیاء میں محنت/زمین تناسب زیادہ اونچا ہونے پر برطانیہ میں ریاستہائے متحدہ کی نسبت محنت کا ماحصل کم رہے گا۔

تجارت ممکن ہو جانے کی صورت میں، یہ مان لیا گیا ہے کہ نقل و حمل کی لاگتیں اور تجارت کی راہ میں دیگر رکاوٹیں معدوم ہونے کی وجہ سے دونوں ملکوں کے اندر عوامل کی قیمتیں بالکل برابر ہو جاتی ہیں۔ یکساں ماحصل دکھانے والے ایک جیسے پیداواری تفاعل کی موجودگی میں نیز

پیدا کردہ اشیاء کی قیمتیں برابر ہونے پر اگر ہر ایک چیز کی پیداوار میں ملکوں کے مابین تناسبات عوامل برابر ہوں یعنی اگر تجارت کے سبب پیداوار R اور u جیسے نقاط پر ہو تو پیداواری عوامل کے ماحصل بھی برابر ہونے چاہئیں۔ R اور u پر تناسبات عوامل کی مساوات کا پتہ اس حقیقت سے لگ جاتا ہے کہ R خطِ مستقیم Ou پر واقع ہے (دونوں ملکوں میں کپڑے کی پیداوار میں تناسباتِ عوامل بالکل برابر ہیں) اور R y اور u y' متوازی ہیں۔

ممکن ہے کہ R اور u جیسے نقاط وجود میں نہ آسکیں۔ اس کے متعدد اسباب ہیں۔ تجارت شروع ہونے کے بعد ایک یا دونوں ملک مکمل طور پر خصوصیت بردار ہوسکتے ہیں برطانیہ y' پر کپڑا اور ریاستہائے متحدہ O پر صرف گیہوں پیدا کرتے رہیں۔ دونوں ملکوں میں مانگ کی صورت حال میں اتنا زیادہ فرق ہوسکتا ہے کہ تجارت کا نتیجہ ریاستہائے متحدہ میں پیداوار O کی بجائے S سے y کی جانب منتقل ہو اور اس کی وجہ سے وہ زمین کی افراط ہوتے ہوئے بھی زیادہ محنت کھپانے والی چیز کو برآمد کرے۔ یا کپڑے اور گیہوں کسی کی بھی پیداوار میں زمین اور محنت اس طرح ایک

تجارت کے بعد قیمتِ عامل کی برابری

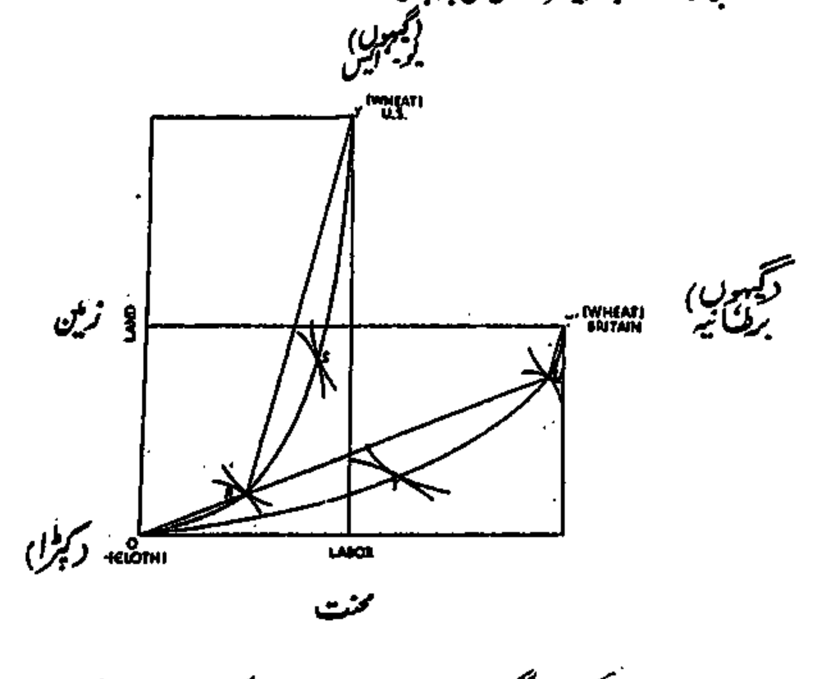

دوسرے کا مقام لے سکتے ہیں کہ گیہوں برطانیہ میں زیادہ محنت اور کپڑا ریاستہائے متحدہ میں زیادہ

زمین کھپانے والی اشیاء ہو جائیں۔ اس خاکے میں اس صورتِ حال کی وضاحت ممکن ہے اس کو دیگر دو طریقوں میں زیادہ آسانی سے سمجھایا جاسکتا ہے۔

عوامل قیمت مساوات کو واضح کرنے کا دوسرا طریقہ اے۔ پی۔ لرنر نے وضع کیا ہے۔ اور جیسا کہ شکل 8.2 میں دکھایا گیا ہے اسے واحد مقدارِ مساوی کے قوس کی مدد سے واضح کیا جاسکتا ہے۔ جو دو اشیاء کے پیداواری تفاعل کی نشان دہی کرتا ہے۔ حکمت یہ ہے کہ دونوں اشیاء کے لیے ایسے مقداری مساوات کے قوس کو لیا جائے جو ان کی نسبتی قیمتوں کو ظاہر کرتا ہو یا ان مقداروں کو جن میں تجارت قائم ہو جانے کے بعد دونوں چیزوں کا باہم تبادلہ کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر مقدارِ مساوی قوس کپڑے کے تین گز اور گیہوں کے دو بوشل یا 30 گز کپڑا اور 20 بوشل یا 300 گز اور 200 بوشل ظاہر کرسکتا ہے کیونکہ پیداواری تفاعل یکساں خطی ہیں اس لیے زیادہ مقداروں کو ظاہر کرنے والے مساوی مقدار قوسوں کی شکل یکساں رہتی ہے۔ (اور دی ہوئی عوامل قیمتوں پر زیادہ اور زیادہ مقداروں سے بننے والا توسیع پیداوار کا راستہ ایک خطِ مستقیم ہوتا ہے) کیونکہ منتخب کردہ اکائیاں اشیاء کی ان قیمتوں کی عکاسی کرتی ہیں جو تجارت کے بعد دونوں ملکوں میں برابر رہتی ہیں (نقل و حمل کی لاگتوں کو معدوم اور مسابقت کامل مانتے ہوئے) شکل 8.2 ریاستہائے متحدہ اور برطانیہ دونوں کی صورتِ حال کو یکساں طور پر ظاہر کرتی ہے۔ اور جس طرح اس شکل کو تیار کیا گیا ہے قیمت عوامل کا صرف ایک ہی تناسب ہوسکتا ہے یعنی دو مقدارِ مساوی قوسوں کے ساتھ مماس کرنے والا خط A - B لہذا یہی قیمتِ عوامل کا مساوات ہوگا۔

لیکن اس صورت حال پر غور کرنے کی ضرورت ہے جس میں دو مقدارِ مساوی کے قوس ایک دوسرے کو ایک سے زیادہ بار کاٹیں جیسا کہ شکل 8.3 میں دکھایا گیا ہے۔ اس صورت حال کا مطلب یہ ہے کہ دونوں میں سے کم از کم ایک چیز میں ایک کی بجائے دوسرے عامل کے استعمال

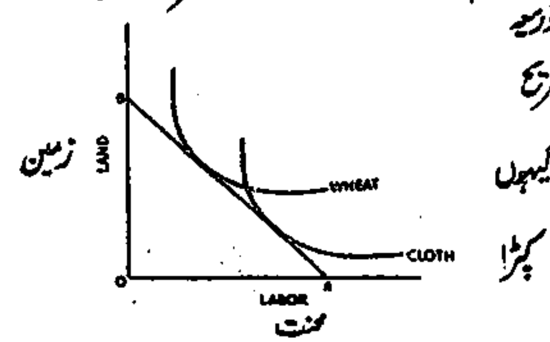

پیداواری روابط کے ذریعہ
عامل قیمت برابری کی تشریح

کی گنجائش بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس کی وجہ سے دونوں ملکوں میں چیز مذکورہ کی قیمت ایک ہی رہ سکنے کا امکان رہتا ہے لیکن عوامل کی قیمتیں مختلف ہوں گی۔ شکل 3 . B میں گیہوں کے لیے تفاعل پیداوار وہی ہے جو شکل 2 . B میں تھا۔ لیکن کپڑے کی پیداوار میں ایک کی بجائے دوسرے عامل کے استعمال کی کافی گنجائش ہے۔ ان حالات میں برطانیہ جہاں محنت/زمین تناسب اونچا ہے عوامل کے ان تناسبات کے ساتھ کپڑا پیدا کر سکتا ہے جن کو O سے شروع ہونے والی شعاع ظاہر کرتی ہے۔ یعنی T — O (جسے کھینچا نہیں گیا ہے) اور گیہوں کو S — O تناسبات کے ساتھ پیدا کیا جا سکتا ہے جن سے B — A عامل قیمت حاصل ہوگی۔ اس ملک میں کپڑے کے اندر محنت کی کھپت زیادہ ہے۔ لیکن ریاستہائے متحدہ میں کپڑے کی پیداوار میں محنت کی نسبت زمین کا استعمال کیا جاتا ہے اور پیداوار 'S اور 'T نقاط پر ہونے کی صورت میں کپڑے میں زیادہ زمین کی کھپت ہوتی ہے۔ اور گیہوں میں محنت کی۔ عوامل کی قیمتوں میں فرق ہوگا اور عوامل کے عطیات کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کون ملک کس چیز کو برآمد کرے گا۔

عامل۔ قیمت مساوات کی تشریح کرنے والا تیسرا طریقہ بیک وقت زیادہ پیچیدہ اور زیادہ کارآمد ہے۔ کیونکہ اس میں تناسبات عوامل، اشیائی قیمتیں، اور قیمت عامل سب خاکہ میں ایک ساتھ دکھائی جاتی ہیں۔ شکل 4 . B خاکے کے اوپری نصف حصہ میں زمین/محنت تناسبات اور اُجرت کی شرحوں کے مابین رشتوں کو دکھاتی ہے۔ اور اجرتوں نیز اشیائی قیمتوں کے بیچ رابطوں کو نچلے نصف حصہ میں۔ وسطی متوازی خط اُجرت/لگان تناسب ہے یا اجرت کی شرح پہ دائیں جانب بڑھنے پر اوپر اٹھتا جاتا ہے خاکے میں اوپری نصف حصہ میں زمین/محنت تناسبات کپڑے اور گیہوں دونوں کے معاملے میں اجرتوں میں اضافہ کے ساتھ ساتھ بڑھتے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔ اُجرت جتنی زیادہ ہوتی ہے فرم کو محنت کے بدلے زمین کے استعمال کی ترغیب اتنی ہی زیادہ ملتی ہے۔ نوٹ کیجیے کہ کپڑا غیر مبہم طور پر زیادہ محنت کا استعمال کرتا ہے یعنی اُجرت کی ہر شرح پہ اس میں کم زمین کھپتی ہے۔ کیونکہ ہر جگہ کپڑے کی جدول X — X گیہوں کی جدول Y — Y کے نیچے رہتی ہے۔

جذبِ عامل کے الٹ جانے کی وجہ سے عوامل کی قیمتوں میں مساوات ناکام

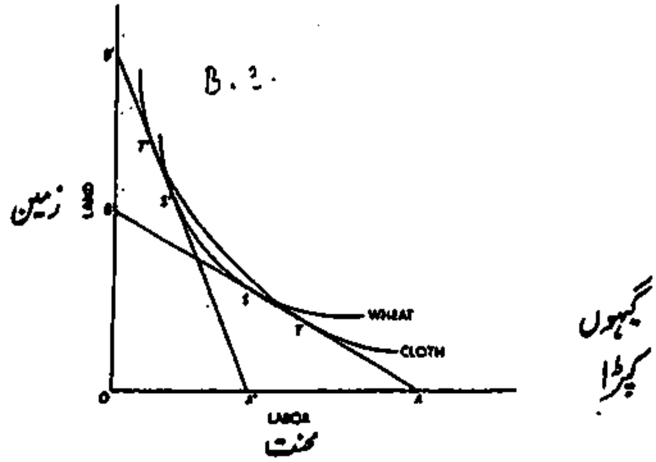

اشیاء اور عوامل کی قیمتوں کے باہم رشتے کو خاکے کے نچلے حصہ میں دکھایا گیا ہے یہاں اشیاء کی نسبتی قیمتوں کو الٹی ترتیب میں ناپا گیا ہے یعنی نیچے کی جانب۔ اُجرتیں جتنی زیادہ ہوں گی کپڑے کی قیمت اسی لحاظ سے اونچی ہوں گی یعنی P-P خط O سے منفی طور پر ناپنے سے اتنا ہی زیادہ اونچا ہوگا۔ ایک طالب علم کو بڑھتی ہوئی قیمتوں کو الٹا نیچے کی طرف آتے ہوئے دیکھنے میں مہارت حاصل ہو جانے کے بعد اسے یہ رشتہ بالکل واضح طور پر نظر آئے گا۔ اجرتوں کی شرحیں جیسے جیسے بڑھتی ہیں زیادہ محنت کھپانے والی اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور خاکے میں دکھائی گئی ہر ایک زمین/محنت تناسب پر کپڑے میں زیادہ محنت کھپائی جاتی ہے۔

برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ کے تناسبات عوامل کو خاکے کے اوپری نصف میں متوازی خطوط سے دکھایا گیا ہے جس سے پتہ لگتا ہے کہ ریاستہائے متحدہ میں نسبتاً زمین کا زیادہ استعمال ہوتا ہے اور برطانیہ میں محنت کا تجارت سے قبل دونوں ملکوں میں پیداوار کا تعین ان کی مانگ کے حالات سے ہوتا ہے لیکن خاکے کے مطابق تجارت سے پہلے برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ کے لیے عمودی خطوط یہ بتاتے ہیں کہ ریاستہائے متحدہ کی نسبت برطانیہ میں کپڑے کی قیمت نیچی ہے اور اجرت کی شرح کم۔ اس کے برعکس ظاہر ہے کہ گیہوں کی قیمت زیادہ اونچی اور لگان زیادہ ہیں۔ تجارت شروع ہو جانے پر اشیاء کی قیمتوں کو ساتھ چلنا ہوتا ہے اور جن شرائط کے تحت انھیں کھینچا گیا ہے نسبتی اُجرت مساوی ہو جاتی ہے جس کا مطلب ہے قیمتِ عوامل مساوات۔

قیمت عوامل کی مساوات کے لیے ضروری مختلف شرائط کی تشریح اس خاکے میں ترمیم کے ذریعہ ہو سکتی ہے لیکن ہم عوامل کی کھپت کے الٹ جانے کے معاملہ کو چھوڑ کر لفظی تصویر کشی پر اکتفا کریں گے۔ علیحدہ سیدھے اشیائی خطوط کے لیے زمین/محنت تناسبات حاصل کرنے کے لیے پیداواری تفاعل کا یکساں اور خطی ہونا ضروری ہے جیسا کہ دکھایا گیا ہے یا کم از کم انھیں ایک دوسرے کا راستہ نہیں کاٹنا چاہیے۔ کامل مسابقت اور نقل و حمل کی لاگتوں کی عدم موجودگی تجارت کے بعد P ۔ P خط پر اشیائی قیمتوں کو مساوی کرنے کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ کامل خصوصیت برداری کی کمی کو واضح کرنا قدرے دشوار ہوتا ہے لیکن اگر تجارت کے بعد قیمت خط S کے بائیں جانب ہٹ جائے جہاں ریاستہائے متحدہ گیہوں میں مکمل خصوصیت کا حامل ہے۔ یا T کے دائیں جانب چلا جائے جہاں برطانیہ کپڑے میں کامل خصوصیت بردار ہے تو پھر اشیائی قیمتوں میں تبدیلی کا مطلب تناسبات عوامل میں تبدیلی نہیں رہ جاتا اور تناسبات عوامل اور عوامل کی قیمتوں میں کوئی ایک مخصوص رشتہ بھی باقی نہیں رہ جاتا۔

یہ شرط کہ مانگ میں زیادہ عدم مماثلت نہیں ہونی چاہیے اس غرض سے لگائی گئی ہے تاکہ تجارت شروع ہونے کے بعد برطانیہ میں کپڑے کی قیمت بڑھے نہ کہ ملک کپڑے کا اس درجہ عادی ہو جائے کہ وہ ریاستہائے متحدہ سے مزید کپڑا خریدنے کی کوشش کرے اور اس طرح تجارت بازاط پائے جانے والے عامل کے ذریعہ پیدا کردہ چیز کی قیمت میں گراوٹ کا سبب ثابت ہو۔

عوامل کی کھپت کو الٹائے جانے سے متعلق شرط کو شکل 5 . 5 میں واضح کیا گیا ہے۔ برطانیہ میں کپڑے کی نسبت گیہوں میں زیادہ زمین استعمال کی جاتی ہے لیکن ریاستہائے متحدہ میں جہاں زمین/محنت کا تناسب کہیں زیادہ اونچا ہے زمین کی اس درجہ افراط ہے کہ کپڑے کی پیداوار میں اسے نمایاں طور پر محنت کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔ غالباً یہ بات بہت زیادہ حقیقت پسندانہ نہیں ہے۔ لیکن اشیاء کا مقام بدلنے سے اور زیادہ ابہام پیدا ہو سکتا ہے۔ دیکھیے کہ جیسے جیسے اجرت کی شرح میں اضافہ ہوتا ہے گیہوں کے مقابلہ میں کپڑے کی قیمت اس وقت تک بڑھتی رہتی ہے جب تک زمین/محنت توس ایک دوسرے کو نہیں کاٹتے

جذب عامل کے الٹا ہو جانے سے عوامل کی قیمتوں میں برابری نہ ہو پانا۔

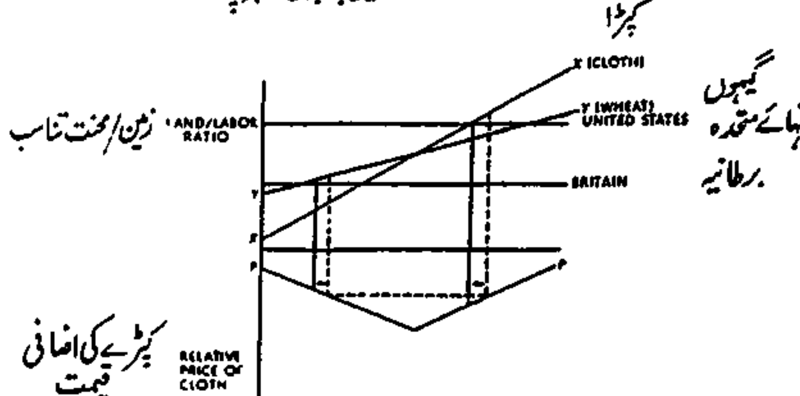

جب کپڑے میں گیہوں کی نسبت زمین کی کھپت زیادہ ہوتی ہے تو اجرتوں میں اضافے کے ساتھ ساتھ کپڑے کی نسبتی قیمت گرتی جاتی ہے۔ ایسے حالات میں عامل کی قیمت مساوی ہوئے بغیر اشیاء کی قیمت مساوی ہو سکتی ہے۔ تجارت کے بعد ہر ایک ملک محنت کی کھپت والی چیز کو برآمد کرتا ہے اور تجارت دونوں ملکوں میں اجرتوں کو بڑھا دیتی ہے۔

عامل۔قیمت۔مساوات کے نظریہ کی تجربی جانچ :

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دنیا میں تجارت عوامل کی قیمتوں کو مساوی کرنے میں ناکام رہی ہے جسے کامل مسابقت اور نقل وحمل کی لاگتوں کے مفروضوں کی وجہ سے اشیائی قیمتوں کو برابر کرنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نظریہ کے بعض مفروضات پورے نہیں ہوئے۔ یہ سوال ابھی تک جواب کا محتاج ہے کہ وہ مفروضات کون سے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ نقل وحمل کی لاگتیں بہت سی بڑے حجم والی اشیاء کی قیمتوں کے برابر ہونے میں مانع رہتی ہیں۔ دیگر اشیاء کے معاملے میں ترِیف رکاوٹ بنتے ہیں، کامل مسابقت نہ تو اشیاء کے بازاروں میں ہوتی ہے اور نہ ہی عوامل کے بازاروں میں، ترِیفوں کی عدم موجودگی کامل خصوصیت بردار ہوتی ہے یا ہو سکتی ہے۔ یہ بات بہت سی مصنوعات اور ابتدائی اشیاء پر مساوی طور سے صادق آتی ہے اس تھیورم کی شرائط تقریباً پوری ہونے لگتی ہیں اگر بازار مثال کے طور پر یورپ مشترکہ منڈی جیسا ہو جہاں پر مختلف معیشتیں کافی حد تک ملتی جلتی ہیں ایک دوسرے کے پاس ہیں اور مصنوعات میں ان کی خصوصیت برداری کامل نہیں ہے۔ یہاں تجارت کے

ذریعہ عوامل کی قیمتوں کے برابر ہو جانے کا زبردست رجحان رہتا ہے۔ بہر حال اور کہیں اس نظریہ کی صحت کہیں زیادہ مشکوک ہے۔

لیونیٹف کے جس تجربہ کا تذکرہ متن میں کیا گیا ہے اس کا ارتقا ریو۔ ایس معیشت کے خدمت۔ پیداوار تجزیہ کے ذریعہ کیا گیا تھا۔ اور یہ واضح کیا گیا تھا کہ توقعات کے برعکس ریاستہائے متحدہ کی برآمدات کے مقابلہ میں اس کی درآمدات زیادہ محنت جذب کرنے والی اشیاء ہیں۔ اس تجربے کی بہت سی مختلف قسم کی توضیحات پیش کی گئی ہیں۔ بہت سے مبصرین کا خیال ہے کہ اس تشریح کی اعداد و شمار والی بنیاد ناکافی تھی۔ لیونیٹف کا دعویٰ تھا کہ دیگر محنت کے مقابلہ میں ریاستہائے متحدہ کے مزدوروں کی کارکردگی تین گنا زیادہ تھی — اور اس کا سبب زیادہ سرمائے کا استعمال نہیں تھا — اس نے اس ملک کو درحقیقت زیادہ محنت جذب کرنے والا ملک بنا دیا تھا۔ وینک اس کے لیے ایک اور عامل یعنی قدرتی وسائل کو موردِ الزام قرار دیتے ہیں۔ ٹریوس کا اصرار یہ ہے کہ لیونیٹف تجربہ تجارت میں مداخلت کا عکاس ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پیداوار اور تجارت تناسبات عوامل کی صحیح عکاسی نہیں کرتے۔ منہاس اور ڈش اور کسی حد تک مصنف کی رائے یہ ہے کہ عوامل کے الٹائے جانے کا عمل حقیقی دنیا میں وقوع پذیر ہوتا ہے لیکن نیشنل بیوریو آف اکنامک ریسرچ کی بعض حالیہ تحقیقات مصنوعات کے سلسلے میں اس تشریح کے بارے میں شبہات پیدا کرتی ہے اگرچہ زراعت کے میدان میں اس عمل کو صحیح مانا جاتا ہے۔ پس یہ ابھی تک ایک کھلا ہوا سوال ہے۔

مطالعہ کے لیے تجاویز:

یہاں بھی بڑا زبردست ادب موجود ہے سیموئلسن کے بے نظیر مقالے

International Trade. E.J. (and the Equilization of Factor Prices

کے جون 1948، اور جون 1949، کے شماروں میں شائع ہوئے تھے۔ ان میں سے

دوسرا امریکی اکنامک ایسوسیشن کے Readings in, International Economics میں دوبارہ

چھاپا گیا ہے۔ لیونیٹف کا ابتدائی مقالہ Domestic Production and International

Trade. The American Re-examined, Economia Internationale یا Posi-tion.

فروری 1954 کے شمارے میں ملتا ہے یا امریکن اکنامک ایسوسی ایشن

کے مذکورہ Readings میں تجربی جانچ والے حصہ میں۔ اگر کوئی طالب علم اور آگے جانا نہیں چاہتا تو وہ بس یہ مضامین پڑھ لے۔ یہ ضمیمہ ان مضامین پر مبنی ہے۔

A.F.Lerner; 'Factor Prices ', and International Trade, Econ. Feb.1952, and H.G.Johnson 'Factor Endowments, International Trade and Factor Prices in Manchester School September 1957, repreinted, in Economic Association ....) 'Readings in International Economics Part I.

عامل۔قیمت برابر کرنے کے عمل پر مزید دیکھیں Caves, Chap iii, Meade, Trade and Bela Blassa' The اور ادب کے کارآمد خلاصہ کے لیے Welfare P P 331-92, Factor Price Equilisation cintroversy Weltwirschattliches Arhiv , 1961.

لیونٹیف کے تجربہ پر خاص طور سے دیکھیں B.S.Minhas ' An International Comparison of Factor and Costs and Factor use(Amestrdaw. 'North Holland, Publishing Co.1963) W.P.Travis 'Theory of Trade and Protection Combridge Mass. Harvard University Press 1964) and J.V.Vanek 'The Netural (Resouru content)of United States Foreign Trade 1870-1955 (Combridge Mass The M.I.T. Press 1963)

ضمیمہ C
برائے باب 3

پیداواری امکانات کے قوس اور نقشہ بے نیازی صرف کے ساتھ پیش کش قوس کا تعلق

جون اسٹوارٹ مل نے جس پیش کش قوس کا تصور کیا تھا اس کا ارتقاء تبادلہ کی جانے والی اشیاء کی رسدوں کو جامد مان کر کیا گیا تھا۔ یہی وہ تصور تھا جس پر فرینک گراہم نے اعتراض اٹھایا تھا کیونکہ انھوں نے برآمدات کے لیے یکساں لاگتوں پر اپنے خیال کے مطابق اشیاء کی پیداوار کے امکانات کی جانب توجہ دلائی۔ لیکن پیش کش قوس کو جامد رسدوں کے کیس تک محدود رکھنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ پروفیسر میڈ نے ایک نہایت واضح جیومیٹرائی طریقہ پیش کیا ہے۔ اس میں پیش کش قوس کو پیداواری امکانات اور صرف کے نقشہ بے نیازی سے تیار کیا گیا ہے۔ اس کی ایک خوبی خلیج کو پاٹ دینے میں مضمر ہے لیکن ایک اچھائی یہ بھی ہے کہ یہ پیداوار، صرف، تجارت کے نفع وغیرہ پر تجارت کے اثر کو نہایت صاف اور سادہ طریقہ سے پیش کرتا ہے۔ بہت سے طالب علموں کو ایک اور جیومیٹرائی طریقہ کو سیکھنے کا خوف پریشان کر سکتا ہے لیکن آپ میں سے جو لوگ بہادر ہیں وہ آگے بڑھنے کی ہمت کریں گے اور ایک نہایت کارآمد تجزیائی اوزار حاصل کرنا چاہیں گے۔

پہلے قدم کے طور پر ملک A کے لیے تجارت کی عدم موجودگی میں پیداواری بلاک اور صرف کا نقشہ بے نیازی معمول کے مطابق بنائے جائیں گے فرق صرف اتنا ہوگا کہ انھیں گرافی نظام کے حسب معمول شمالی مشرقی حصّہ میں دکھانے کی بجائے شمال مغرب میں رکھا جائے گا۔ یہ کام شکل 1۔C میں کیا گیا ہے۔ میڈ کی علامتوں کو اپناتے ہوئے A کی برآمد کے قابل اشیاء کو جو B کی قابلِ درآمد اشیاء ہیں لیا گیا ہے اور عمودی محور پر B کی قابل برآمد اشیاء کو ناپا گیا ہے۔ اب A کے پیداواری بلاک کو ہموار اور سیدھا رکھتے ہوئے تجارت سے بری صرف کے قوس بے نیازی پر اوپر نیچے اس طرح کھسکائیے کہ وہ ایک ہی قوس بے نیازی I سے

مماس کرے۔ بلاک کا نقطۂ آغاز O کا راستہ تجارت کا ایک قوس بے نیازی بنائے گا۔ اس قوس کے ہر ایک نقطہ پر ملک A اس امر سے بے نیاز رہے گا کہ وہ تجارت کرتا ہے یا نہیں یا وہ O پر ٹھہر سکتا ہے اور F پر پیداوار اور صرف کر سکتا ہے۔ یا وہ اس قوس پر چل کر ایسے نقطہ پر جا سکتا ہے جہاں پیداواری امکانات کے بلاک کا نقطۂ آغاز T ہو۔ تب وہ Q پر پیداوار کرے گا اور A کی T H قابل برآمد اشیاء کی تجارت B کی O H قابل برآمد اشیاء سے کرے گا۔ وہ O اور T کے بیچ بے نیازی برتے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی پیداواری امکانات کی جدول میں F یا Q کسی بھی نقطہ پر پیداوار کر سکتا ہے۔ (جدول کے اندر تبدیلیٔ ہیئت کی لاگت کو معدوم فرض کر لیا گیا ہے) اور Q صرف کے اسی قوس بے نیازی پر ہے، جس پر F ہے۔ البتہ Q پر وہ B کی قابل برآمد اشیاء کا ...... O H + S Q استعمال کرتا ہے اور A کی قابل برآمد اشیاء کا صرف SH۔

صرف کے نقشۂ بے نیازی سے تجارت کے نقشۂ بے نیازی کا اخذ کرنا۔

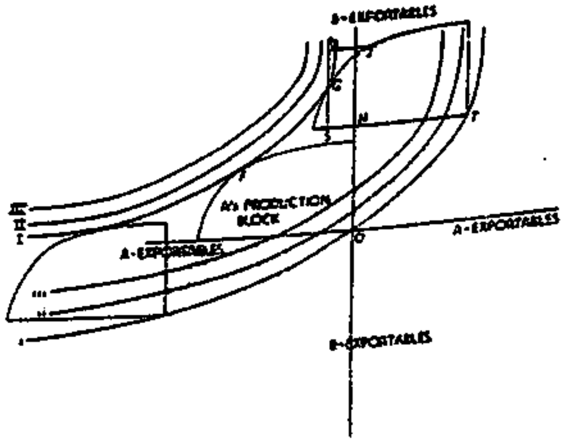

قابل برآمد اشیاء

قابل برآمد اشیاء

واضح رہے کہ تجارت کے قوس بے نیازی کا ڈھال صرف کے قوس بے نیازی کے ڈھال سے مختلف ہے۔ ایسا پیداوار اور استعمال کردہ اشیاء کے تناسبات دونوں میں تبدیلی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اگر A بلاک کی دائیں ہاتھ کی طرف والی پوزیشن میں ز عدم تجارت کی پوزیشن کے F کا جانشین ہو تو یہ بات قطعی واضح ہے کہ O سے T پر منتقل ہونے

کی صورت میں A کی قابل برآمد اشیاء کی پیداوار میں RJ کا اضافہ ہو جائے گا اور B کی قابل برآمد اشیاء کی پیداوار بقدر RQ کم ہو جائے گی۔ پیداوار میں ان تبدیلیوں کو دکھانے کی غرض سے تجارت کا قوس بے نیازی زیادہ مسطح ہو جاتا ہے۔ جب پیداوار جامد ہوتی ہے اور وسائل میں حرکت ممکن نہیں ہوتی تجارت اور صَرف دونوں کے قوس بے نیازی ایک دوسرے کے متوازی ہوں گے۔

صَرف کے ہر ایک قوس بے نیازی کے مقابل ایک قوس بے نیازی تجارت کا ہوتا ہے اور اس لیے تجارت کا نقشہ بے نیازی بھی۔ ملک A کو اتنا ہی زیادہ فائدہ پہنچتا ہے جتنا وہ زیادہ اونچے تجارتی قوس بے نیازی پر پہنچ پاتا ہے۔ کسی واحد قوس پر وہ ایک یا کسی دیگر نقطے کے بیچ بے نیازی برتتا ہے لیکن شکل C.1 میں ملک A جتنے اونچے تجارتی قوس بے نیازی پر پہنچ پاتا ہے اس کی حالت اتنی ہی بہتر ہوتی جاتی ہے۔ (یعنی جنوب مشرق سے شمال مشرق کی طرف چلتے ہوئے)

اب A کا پیش کش قوس بنایا جائے گا۔ تجارتی نقشہ بے نیازی کے سلسلے وار اونچے قوسوں پر مختلف خطوطِ قیمت کے نقاطِ مماس کے سلسلے کو ملانے سے یہ قوس تیار ہو جاتا ہے اسے شکل C.2 میں پیش کیا گیا ہے۔ نقطۂ آغاز سے گذرنے والے پیش کش قوس کا

ملک A کے لیے اس کے تجارتی نقشۂ بے نیازی سے پیش کش قوس اخذ کرنا۔

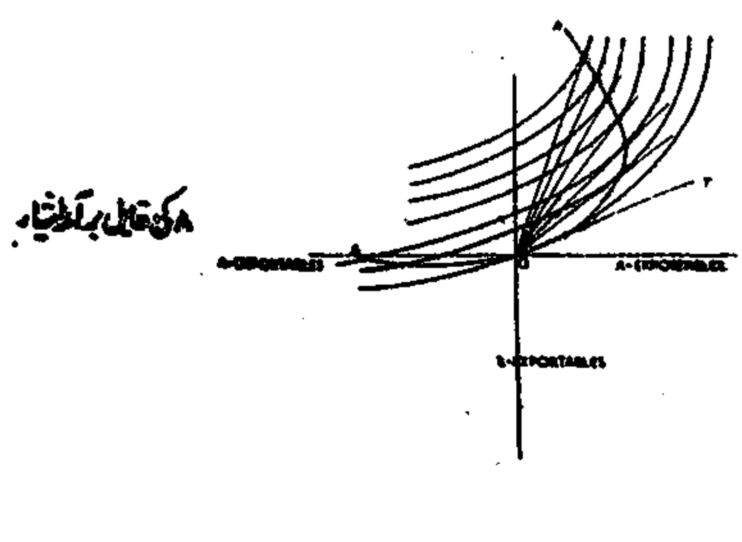

ابتدائی ڈھال اس قیمت کو ظاہر کرتا ہے جو تجارت نہ ہونے کی صورت میں قایم ہوگی۔ B کی قابل برآمد اشیاء کی شکل میں A کی قابل برآمد اشیاء کے لیے جیسے جیسے زیادہ قیمتوں کی پیش کش کی جائے گی A بلند سے بلند تر تجارت کے قوس ہائے بے نیازی پر پہنچا جائے گا اور مذکورہ شکل کے لحاظ سے B کی قابل برآمد اشیاء کی بڑھتی ہوئی مقداروں کے لیے شروع میں A۔ اشیاء کی زیادہ مقداریں دینے کو آمادہ ہوگا اور بعد میں کم۔ واضح رہے کہ B اشیاء کی قیمت OT سے زیادہ ہو جانے کی صورت میں A A۔ اشیاء کے بدلے B کی قابل برآمد اشیاء برآمد کرنے لگے گا۔ پیش کش قوس جنوبی مغربی حصہ میں چلا جاتا ہے لیکن صرف اسی وقت جب B کی قابلِ برآمد اشیاء کی قیمتیں بہت زیادہ ہو جاتی ہیں اور B انھیں درآمد کرنے لگتا ہے جس سے ان کا نام ہی غلط ہو جاتا ہے۔

تجارتی قوس ہائے بے نیازی کے سلسلے اسی طرح ملک B کا پیش کش قوس تیار کیا جا سکتا ہے اور اسے اسی خاکے پر چسپاں کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے لیے B کے پیداواری امکانات کے بلاک کو جنوبی مشرقی حصہ میں واقع صرفی قوس ہائے بے نیازی کے ساتھ کھسکایا جائے گا۔ شکل 3۔ c میں A اور B کے پیش کش قوسوں کو متوازن تجارت کی حالت میں ایک دوسرے کو کاٹتے ہوئے دکھائے گئے ہیں یہاں شرائطِ تجارت کا خط OT A اور B تجارتی قوس ہائے بے نیازی کے ساتھ مماس ہے اور نقطہ آغاز سے گذرتا ہے۔ تجارتی قوس ہائے بے نیازی کے نقاط مماس اور بھی ہیں اور ان سے گذرتا ہوا ایک قوس معاہدہ K-K کھینچا جا سکتا ہے۔ یہ قوسِ معاہدہ شکل a 5 A کے ایج ورتھ۔ بادلے کبس کے قوس کی مانند جب پیداوار میں راہِ کارکردگی کے طور پر نہیں بلکہ مبادلہ میں استعمال کیا جاتا ہے

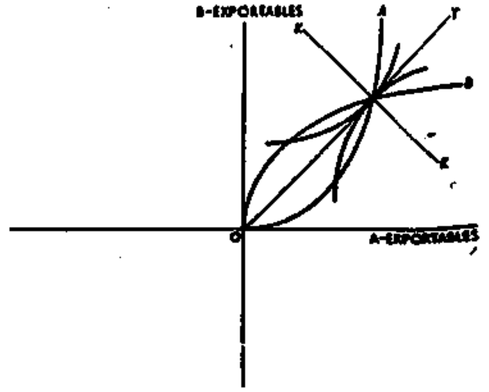

معاہدہ قوس اور تجارتی توازن

تو A اور B کے مابین فلاح وبہبود کی مختلف تقسیموں کو ظاہر کرتا ہے۔ نقطۂ تجارت جتنا زیادہ شمال مغرب کی جانب ہوگا A کی اور جتنا جنوب مغرب کے قریب ہوگا B کی حالت اتنی ہی زیادہ بہتر ہوگی۔ تاہم جہاں OA اور OB ایک دوسرے کو کاٹتے ہیں وہی ایک نقطہ ایسا ہے جس پر آزادانہ تجارت کی صورت میں شرائطِ تجارت A کی برآمدات اور B کی درآمدات کو متوازن کر دیتی ہیں۔

یہ تین خاکے صرفی قوس ہائے بے نیازی اور پیداوار کے ساتھ پیش کش قوس کے تعلق کو بخوبی واضح کر دیتے ہیں تاہم فوائدِ تجارت کی تشریح کے لیے اس طریقے کو زیادہ آسان طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ یہ کام A اور B کے امکاناتِ پیداوار کے بلاکوں کو ایسی حالت میں رکھ کر جہاں تجارت ممکن ہو انجام دیا جا سکتا ہے جیسا کہ شکل 4.c میں دکھایا گیا ہے زیادہ گرنی سے بچنے کی غرض سے تجارت نیز صرف کے قوس ہائے بے نیازی کو حذف کر دیا گیا ہے۔

شکل 4.c میں T پر پیداواری بلاکوں کے نقاطِ آغاز ایک دوسرے سے ملتے ہیں پیداوار کو اسی نقطہ سے ناپا جاتا ہے۔ A میں پیداوار B کی QQ اور A کی QM قابلِ برآمد اشیاء پر مشتمل ہے۔ B'B کی HN اور A کی FH قابلِ برآمد اشیاء پیدا کرتا ہے۔ پیداوار کی ان مقداروں کو بآسانی جوڑا جا سکتا ہے۔ اسی طرح A کی QJ اور B کی HJ قابلِ برآمد اشیاء دونوں ملکوں میں پیدا کی جائیں گی۔

صرف کو ابتدائی پیمانوں سے ناپا جائے گا جو O پر ملتے ہیں۔ A'A کی قابلِ برآمد اشیاء کی صرف QR مقدار استعمال کرتا ہے لیکن B کی قابلِ برآمد اشیاء کی QL مقدار اس کے صرف میں آتی ہے۔ جہاں تک B کا تعلق ہے وہ B اشیاء کی صرف SH مقدار کا استعمال کرتا ہے اور HK مقدار A کی قابلِ برآمد اشیاء کی ایسا تجارت کے سبب بھرپاتا ہے۔ OT شرائطِ تجارت پر A کی OT اشیاء کا تبادلہ B کی TE اشیاء سے کیا جاتا ہے۔

عمل تجارت کے تحت پیدا دار اور صَرف

B کی قابل برآمد اشیار

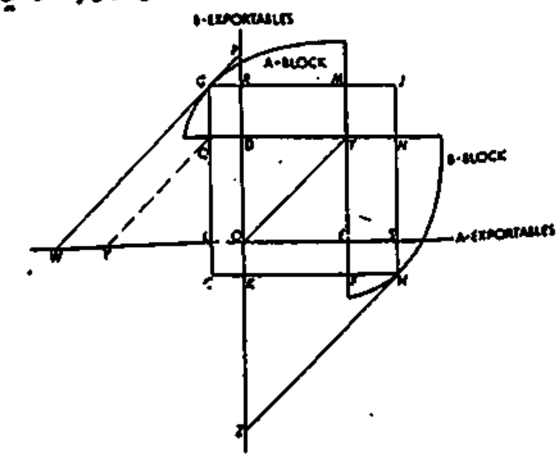

A کی قابلِ برآمد
اشیار

یہ نقل دحمل کی لاگتوں سے مبرّا اور آزادانہ تجارت کی پوزیشن ہے۔ اس صورت میں
شرائطِ تجارت داخلی قیمتوں کے برابر ہوتی ہیں۔ (QW اور ZH باہم نیز OT کے متوازی
ہیں) A کی قومی آمدنی A کی قابل برآمد اشیار کی شکل میں OW اور B کی اشیار میں PO
ہے خواہ ہم پیدا دار کا طریقہ استعمال کریں یا صَرف کا یہ دونوں صورتوں میں ایک ہی ہوگی۔
کیونکہ تجارت متوازن ہے۔ براہِ راست A کی اشیار میں پیدا کی جانے والی آمدنی OY
ہے جو M ہے یا QT کے برابر ہی ہے (YQ کو OT کے متوازی کھینچا گیا ہے) پیدا کردہ
آمدنی کا وہ حصہ جو ابتدائً B اشیار پر مشتمل تھا یعنی Q ہے قیمت ہے W پر YW کے برابر ہے۔
صَرف کردہ آمدنی کے اعتبار سے A کی قابل برآمد اشیار کی R ہے مقدار OL کے
برابر ہے اور B کی قابل برآمد اشیار کی L ہے مقدار ہے W قیمت پر A کی قابل برآمد اشیار
کی شکل میں WL کی برابر ہے۔ WL + LO = WO ۔ B اشیار کی شکل میں ناپی گئی A کی
قومی آمدنی اور دونوں میں سے کسی کی اشیار میں ناپی گئی B میں پیدا اور صَرف کردہ آمدنی
کے لیے اسی طرح کی مزید مشقیں کی جا سکتی ہیں۔

تجارت سے ہونے والے فوائد کا حساب لگانا اور بھی دشوار ہے۔ یہاں اشاریہ کا
مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ ہم A کے فائدے کا حساب یا تو تجارت سے پہلے کی قیمتوں کی بنیاد
پر لگا سکتے ہیں یا تجارت کے بعد کی۔ شکل C.5 میں a اور b تجارت سے پہلے کی

A کی قابل برآمد اشیار کی شکل میں تجارت کے فوائد۔

B کی قابل برآمد اشیار

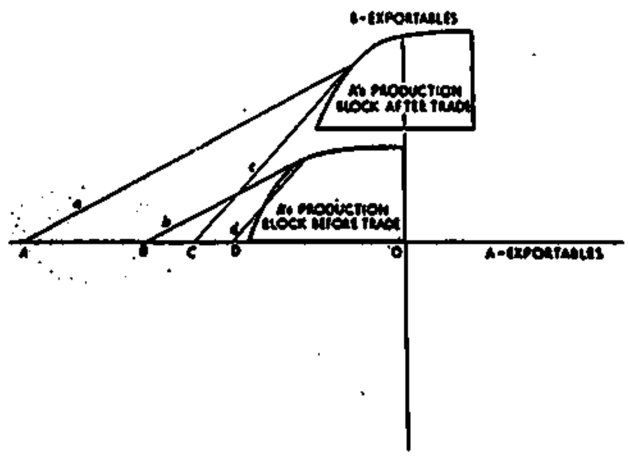

A کی قابل برآمد اشیار

شرائطِ تجارت ہیں جنھیں A کے پیداواری بلاک کے لیے تجارت سے پہلے اور اس کے بعد دکھایا گیا ہے۔ دوسری طرف c اور کہ بلاک کی انھیں پوزیشنوں کے لیے تجارت کے بعد کی قیمتیں ہیں۔ c، b، ہ اور کہ متوازی محور کو c، B، A اور D پر کاٹتے ہیں۔ اب اگر تجارت سے پہلے کی شرائطِ تجارت کا استعمال کیا جائے تو A میں A کی قابل برآمد اشیار کی صورت میں تجارت سے ہونے والا نفع A B کہا جاسکتا ہے اور اگر تجارت کے بعد کی قیمتوں کے لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ نفع D C ہوگا لیکن ایک غلطی سے بچنا چاہیے۔ عدم تجارت کی پوزیشن میں تجارت سے قبل کی قیمتوں پر جو قومی آمدنی ہو (B O) اس کا مقابلہ تجارت کے بعد اور بدلی ہوئی قیمتوں پر حاصل ہونے والی قومی آمدنی (C O) سے کرکے تجارت کے نفع کو ناپنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ ایسا کرنے سے تجارت کا نفع منفی یعنی نقصان (B C) کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

یہ صحیح ہے کہ تجارت سے پہلے اور تجارت کے بعد قیمتوں میں جتنی تبدیلی زیادہ ہوگی تجارت سے ہونے والا نفع اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ قیمت میں تبدیلی جتنی زیادہ ہوگی کھری قوس بے نیازی اتنا ہی زیادہ اونچا ہو جائے گا۔ لیکن قوس ہائے بے نیازی کے درمیانی فاصلے کو ناپنے کے لیے ایک پیمانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ دونوں میں سے کوئی بھی چیز ہوسکتی ہے

لیکن اس کی قیمتوں کا سیٹ ایک ہی رہنا ضروری ہے۔

مطالعہ کے لیے تجاویز:

اس ضمیمہ میں جے۔ ای۔ میڈ کی کتاب Ageometry of. International Trade.
کے ابواب ۱۷ — ۱ سے استفادہ کیا گیا ہے۔
'Trade

ضمیمہ D مثالی ٹریف

برائے باب 7

ٹریف شرائط تجارت کو بہتر بنا دیتا ہے بشرطیکہ اسے نافذ کرنے والے ملک کا پیش کش قوس بے انتہا لچکیلا نہ ہو۔ لیکن کسی ملک کو ٹریف بہت زیادہ اونچا کرنے میں محتاط رہنا چاہیے ورنہ مقدار میں واقع ہونے والی کمی شرائط تجارت میں بہتری سے ہونے والے فائدے کو نہ صرف ختم کر دے گی بلکہ نقصان کا سبب بن جائے گی۔ وہ ٹریف کیا ہوگا جو شرائط تجارت کو حجم میں ہونے والی کمی سے زیادہ بہتر بنا کر تجارت سے ہونے والے نفع کو بیشترین کر سکے گا؟

شکل D.1 میں A اور B کے پیش کش قوس معمول کے مطابق کھینچے گئے ہیں اور ابتدائی آزادانہ تجارت کے نقطہ انقطاع پر A نے اس تجارتی قوس بے نیازی پر ضمیمہ C میں بیان کردہ طور پر پہنچ گیا ہے جسے ہم نمبر 5 کا نام دے سکتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا — اس کی حالت اس سے بہتر ہو سکتی ہے۔؟ اور جواب یہ ہے کہ ایسا ہونا ممکن ہے۔ اسے ٹریف کے ذریعہ اپنے پیش کش قوس کو بدلنا ہوگا تاکہ وہ ایسے مقام پر پہنچ سکے جہاں B کا پیش کش قوس اس کے بلند ترین تجارتی قوس بے نیازی کے ساتھ مماس ہو۔ اس قوس کو یہاں نمبر 15 سے دکھایا گیا ہے۔ واضح رہے کہ ایک ایسا ٹریف جو A کے پیش کش قوس کو بائیں جانب F سے پہلے کسی بھی مقام پر کھسکا دے اسے بہتر حالت میں پہنچا دے گا لیکن خاکے میں دکھایا گیا مثالی ٹریف اسے B کے پیش کش قوس کو چھونے والے سب سے اونچے ممکن تجارتی قوس بے نیازی پر لے جاتا ہے۔ صرف B کے پیش کش قوس پر امکانی نقاط ہو سکتے ہیں کیونکہ تجارت کے لیے دو فریقوں کا ہونا ضروری ہے۔

یہ بتانا ضروری ہے کہ اس خاکے میں تجارت سے بدلا ہوا پیش کش قوس جو میڈ کے تجزیہ کی نہج پر بنایا گیا ہے کتاب کے متن میں باب 7 کے اندر پیش کردہ قوس سے مختلف ہے۔ متن میں ٹریف کو دو پیش کش قوسوں کے درمیانی فاصلے سے ناپا گیا تھا اور ٹریف سے حاصل کردہ رقم کو حکومتوں نے تجارت سے خارج کر کے پوشیدہ رکھا تھا۔ شکل 7-4 میں

کپڑے پر وصول شدہ ٹریف V-'P ہونے پر نئی شرائط تجارت 'P — O ہو جاتی ہیں۔ یہ لرنر کا خاکہ ہے۔ تاہم میڈ کے تجزیہ میں ٹریف کی آمدنی سرکار لے لیتی ہے اور مالی امداد کی شکل میں اسے صارفین کو واپس کر دیتی ہے وہ اسے عام صورت حال کی طرح دونوں اشیاء پر خرچ کرتے ہیں۔ امداد کے نتیجہ میں وہ جتنا کماتے ہیں اس سے زیادہ خرچ کرتے ہیں۔ نئی شرائط تجارت نقطۂ آغاز سے نہیں کھینچی جاتیں کیونکہ ایسا صرف آزادانہ تجارت کی صورت میں کیا جا سکتا ہے۔ اس کی بجائے انھیں متوازی محور پر کسی اور جگہ سے کھینچا جاتا ہے۔ شرائط تجارت کا خط ٹریف لگانے والے ملک کے تجارتی قوس بے نیازی کے ساتھ مماس کرتا ہوا کھینچا جاتا ہے۔ یہ خط جس مقام پر متوازی طور سے ملتا ہے وہی ٹریف کا ناپ ہوتا ہے (شکل D.1 میں SO) اور ٹریف سے ہونے والے فائدے کو بتاتا ہے۔

مثالی ٹریف کی شرح کا حساب غیر ملکی پیش کش قوس کی لچک کے اعتبار سے لگایا جا سکتا ہے۔ شکل D.2 میں T وہ نقطہ ہے جہاں A کا ٹریف سے ترمیم شدہ پیش کش قوس B کے پیش کش قوس کو کاٹتا ہے T پر B کپڑے کی OQ مقدار کے بدلے گیہوں TQ کی تجارت کرے گا۔ لیکن خط قیمت OT (کھینچا نہیں گیا ہے) A کے تجارتی بے نیازی کے قوس کے ساتھ مماس نہیں ہے۔ اور OQ کپڑے کی تجارت سے وہ بحالت توازن نہیں ہوگا۔ T پر A اسی وقت تجارت کرے گا جب اس کے تجارتی قوس بے نیازی پر خط قیمت

ٹریف زدہ پیش کش قوس اور مثالی ٹریف

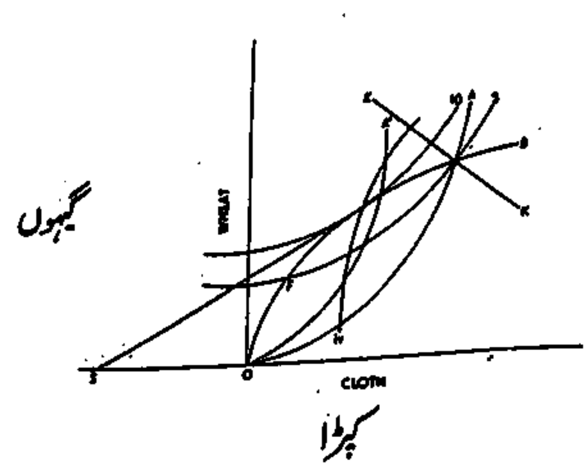

اسی نقطہ پر مماس ہو۔ (پیش کش قوس پر بھی مماس ہو کیونکہ یہ مثالی ٹریف ہے)۔ ایسا ایک مماسی خط کھینچیے اور اسے عمودی محور R سے گذارتے ہوئے متوازی محور پر S تک بڑھا دیجیے۔ A میں یہ توازن قیمت ہوگی۔ A ڈھال ST کے ساتھ ساتھ تجارت کرے گا اور B OT کے ساتھ اگر A میں کپڑے کی برآمدات پر $\frac{SO}{OQ}$ برآمدی ٹیکس نافذ کیا جائے گا یا گیہوں کی درآمدات R U پر $\frac{RO}{UR}$ ٹیکس لگایا جائے گا۔

T پر B کے پیش کش قوس کی لچک درآمد کتنی ہے؟ اس لچک کو ناپنے کے لیے جو درآمدات کی قیمت میں تبدیلی کے لحاظ سے درآمدات میں تبدیلی کو ظاہر کرتی ہے ہم ضروری محور تک مماس کھینچتے ہیں۔ موجودہ کیس میں B کے محور تک ــــ اور ساتھ ہی اس پر ایک عمود ڈالتے ہیں۔ دیے ہوئے نقطہ پر پیش کش قوس کی لچک کو عمودی محور پر عمود کے نقطۂ انقطاع سے نقطۂ آغاز تک کے فاصلے (O U) کو مماس کو کاٹنے کے نقطے سے نقطۂ آغاز تک کے فاصلے (R O) سے تقسیم کرکے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ اگر R نقطہ U اور O کے وسط میں واقع ہے تو T پر پیش کش قوس کی لچک 2 ہوگی۔ اگر پیش کش قوس O سے L تک ایک خطِ تقسیم ہے تو L پر لچک بے انتہا ہوگی کیونکہ U تک کے عمودی فاصلے کو O

مثالی ٹریف کا حساب لگانا

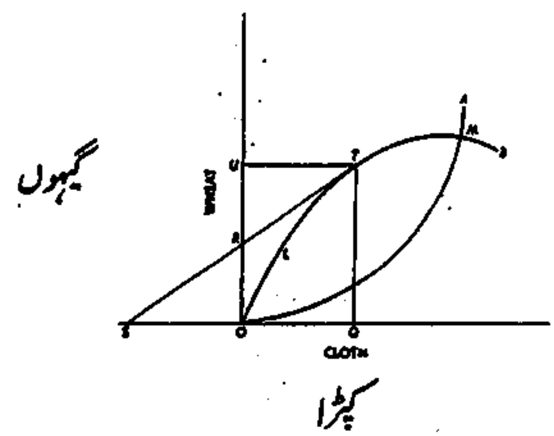

(جہاں تجارتی خط بے نیازی عمودی محور کو کاٹتا ہے) سے تقسیم کرنے سے لامتناہی حاصل ہوگی۔ پیش کش قوس کی درآمد لچک M پر جہاں مماس اور عمودی لائن کو ایک ہی مان لیا گیا

ہے اکائی ہوگی اگر M کے بعد B کا پیش کش توس نیچے کی طرف آتا ہے تو اس کی لچک اکائی سے کم ہوگی کیونکہ مماس عمودی محور کو نقطۂ آغاز سے اس سے بھی آگے کاٹے گا جتنا خطِ مستقیم متوازی محور کو۔

اب ہم ایسی پوزیشن میں آگئے ہیں کہ مثالی تریف کے لیے فارمولا اخذ کیا جاسکتا ہے۔ اگر T، B کے ایسے پیش کش توس پر کوئی نقطہ ہے جو A کے بلند ترین ممکنہ تجارتی توس بے نیازی کو چھوتا ہے تو T نقطہ پر مثالی تریف SO/OQ. ہوگا OQ = UT. بمشکل مثلثوں کی بنیاد پر-

$$\frac{SO}{UT} = \frac{RO}{UR} = \frac{1}{\frac{UR}{RO}} = \frac{1}{\frac{UO - RO}{RO}} = \frac{1}{\frac{UO}{RO} - 1}$$

کیونکہ UO/RO نقطہ T. پر پیش کش توس کی لچک ہے لہٰذا مثالی تریف

$$\frac{SO}{OQ} = \frac{1}{\frac{UO}{RO} - 1} = \frac{1}{e - 1}.$$

اگر نقطہ L پر پیش کش توس کی لچک لامحدود ہے تو ظاہر ہے مثالی تریف صفر ہوگا۔ $1/(\infty - 1) = 0.$ جہاں پیش کش توس ایک خطِ مستقیم پر کوئی تریف شرائطِ تجارت بہتر نہیں کرسکتا ہے۔ M, پر جہاں غیر ملکی پیش کش توس کی لچک ایک ہے۔ مثالی تریف کی کوئی حد نہیں ہے۔ $(1/[1-1] = \infty)$, کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مثالی تریف ایسے نکتہ پر ہی ہوسکتا ہے جہاں مقابل پیش کش توس کی لچک اکائی سے زیادہ ہو لیکن لامحدود نہ ہو۔ لچک اس سے کم ہونے پر ظاہر ہے کہ تریف کے ذریعہ بلند تر توس بے نیازی پر پہنچا سکتا ہے۔

مطالعہ کے لیے تجاویز :

Put as in the Text on Page 565 ؛

Nothing to be translated.

ضمیمہ E کوٹہ کا اجارائی اثر

برائے باب 8

ٹریف اور کوٹے میں ایک اہم فرق یہ ہوتا ہے کہ کسی ٹریف کی کوٹے میں ایسی تبدیلی جس سے درآمدات کے حجم میں کوئی فرق نہ آئے کسی امکانِ اجارہ کو حقیقی اجارے میں بدل دیتی ہے۔ اشکال E.1 اور E.2 اس امر کی وضاحت پیش کرتی ہیں۔

شکل E.1 میں AR کسی چیز کے لیے گھریلو بازار میں اوسط آمدنی یا مانگ کا قوس ہے۔ بین الاقوامی تجارت کی عدم موجودگی میں MR گھریلو صنعت کا مختتم آمدنی کا قوس ہے۔ AC اور MC درآمدات کی حریف گھریلو صنعت کے متعلقہ اوسط اور مختتم لاگت کے قوس ہیں۔ عالمی قیمت OP ہے جس کے بارے میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ درآمد کرنے والے ملک کے اندر کچھ بھی ہونے سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ایک ٹریف 'P.P اس قیمت کو جس پر درآمد کردہ چیز فروخت کی جا سکتی ہے بڑھا کر 'OP کر دیتا ہے۔

ٹریف کے ساتھ جزدی توازن میں امکانی اجارہ

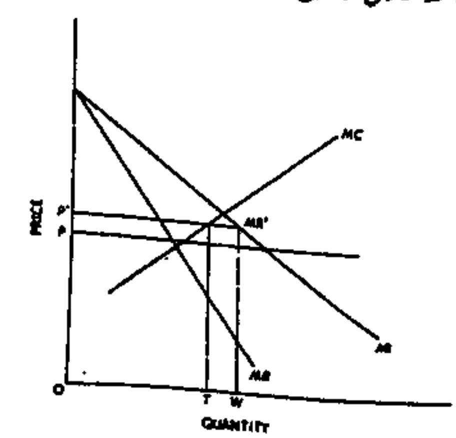

بین الاقوامی تجارت ہونے کی صورت میں اور ٹریف P-P' کے ساتھ P' - O صرف وہ گھریلو قیمت ہی نہیں ہے جس پر غیر ملکی مذکورہ چیز کو فراہم کریں گے یہ مقامی صنعت کے لیے مختتم آمدنی کا قوس LMRi بھی ہو جاتی ہے۔ باہر سے یہ چیز P' - O قیمت پر دستیاب ہونے کی وجہ سے کوئی بھی صارف گھریلو پیدادار کے لیے اس سے زیادہ قیمت دینے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ مقامی صنعت پیداوار اس نقطہ پر کرے گی جہاں مختتم لاگت مختتم آمدنی کے برابر ہو جاتی ہے یعنی OT مقدار۔ اس قیمت پر باقی ماندہ مانگ درآمدات TW سے پوری کی جائے گی۔

اب ہم یہ مانے لیتے ہیں کہ ٹریف کو کوٹے میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ اور لائسنس نیلام کر دیے گئے ہیں، آمدنی، شرائطِ تجارت اور میزانِ ادائیگی کے اوّل اثرات وہی رہیں گے جو ٹریف کی صورت میں تھے۔ لیکن تحفظی، صرفی، تقسیمی، اور میزانِ ادائیگی پر آخری اثرات بدل جائیں گے کیونکہ اب اجارہ کے امکانات حقیقت میں بدل گئے ہیں۔

شکل E.2 میں AR قوس کوٹے کی مقدار TW کے بقدر بائیں طرف ہٹ گیا ہے۔ اور اس ہٹے ہوئے قوس AR' کے ساتھ ایک نیا مختتم آمدنی قوس MR' کھینچا گیا ہے۔ AR' اور MR' دونوں کا وجود اس وقت تک آزادانہ رہتا ہے جب تک اول الذکر عالمی قیمت جمع ٹریف (OP') کے برابر نہیں ہو جاتا۔ تب یہ اس وقت تک کے لیے اوسط آمدنی قوس اور مختتم آمدنی قوس بن جاتا ہے جب تک پرانا اوسط آمدنی قوس نہ آجائے جہاں سے مختتم آمدنی قوس اپنے ابتدائی راستے پر واپس لوٹ آتا ہے۔ گھریلو پیدادار کا یہ حجم جمع درآمد کوٹہ TW ایک قیمت OP" پیدا کریں گے۔ جو کہ پرانی عالمی قیمت جمع ٹریف OP' سے کافی اونچی ہے۔

اس کے برعکس یقینی طور پر کوٹے کی پابندیوں کی ٹریف میں ایسی تبدیلی جس سے اسی مقدار میں درآمدات ممکن ہوں مقامی اجاروں کو درآمدات میں اضافے کے مسابقانہ امکانات سے ڈرا کر ختم کر دے گی۔ یہ کسٹم یونینوں اور آزادیٔ تجارت یعنی QRs' کے ہٹانے اور انھیں ٹریفوں میں بدلنے کے حق میں ایک بڑی وزنی دلیل ہے۔

کوٹے کے تحت امکانی اجارہ کا حقیقی اجارہ میں بدل جانا

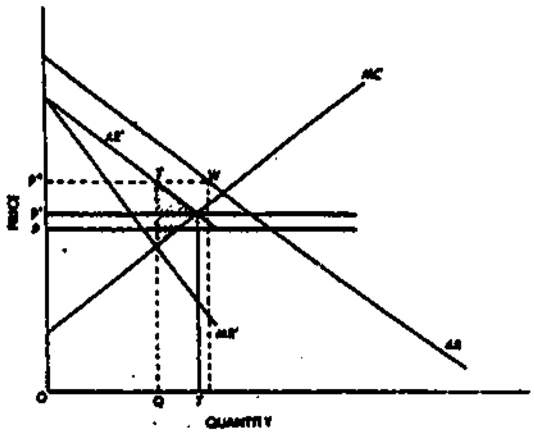

مطالعہ کے لیے تجاویز:

دیکھیں H.Heuser 'The Control of International Trade (London: George Rantledge & Sons Ltd.1939), باب ۱ اور خاص طور پر خاکے 8 اور 9

جگدیش بھگوتی نے گھریلو صنعت کاروں، کوٹہ برداروں اور غیر ملکی برآمد کنندگان کے مابین اجارہ کے امکانات کو عمومی طور پر پیش کیا ہے۔ دیکھیں ان کا مقالہ "On the Equivalence of Tariffs and Quotas" in R.E.Baldwin et at 'Trade Growth and Balance of Payments Essays in Honour of Gottfried Haberler (Chicago: Rand MacNally & CO. 1965)

ضمیمہ | مارشل — لرنر شرط

برائے باب 15

اس ضمیمہ میں ہم اس ماڈل کا جائزہ باقاعدہ اور قدرے تفصیلی طور پر لیں گے جو باب 15 کی بحث کے پس پشت کارفرما ہے۔ مان لیجیے دو ملک A اور B ہیں۔ ہم ان شرائط کو وضع کریں گے جن کے تحت A کرنسی کی تخفیفِ قیمت سے اس کی شرائطِ تجارت انھیں بیرونی مبادلہ میں بیان کیا جائے یا گھریلو کرنسی میں بہتر ہو جاتی ہیں۔ پوری بحث کے دوران مندرجہ ذیل علامات کا استعمال کیا جائے گا۔

XA = A کی برآمدات کی طبعی مقدار

MA = A کی درآمدات کی طبعی مقدار

XB = B کی برآمدات کی طبعی مقدار

MB = B کی درآمدات کی طبعی مقدار

Px = A کی کرنسی میں A کی برآمدات کی قیمت

PM = A کی کرنسی میں A کی درآمدات کی قیمت

r = B کی کرنسی کی ایک اکائی کے بدلے A کی کرنسی کی اکائیوں کی شکل میں شرح مبادلہ

e_x^A = برآمدات کے لیے A کی رسد کی لچک

e_m^A = درآمدات کے لیے A کی مانگ کی لچک

e_x^B = برآمدات کے لیے B کی رسد کی لچک

e_m^B = درآمدات کے لیے B کی مانگ کی لچک

Vm = A کی کرنسی میں A کی درآمدات کی مالیت

Vx = A کی کرنسی میں A کی برآمدات کی مالیت

B_a = A کی کرنسی میں A کی میزانِ تجارت

B_f = بیرونی زرمبادلہ (یعنی B کی کرنسی میں) A کی میزان تجارت

$T = \frac{p_x}{p_m}$ = A کی شرائطِ تجارت یعنی
P_x اور P_m پر ستارے یہ ظاہر کریں گے کہ انھیں B کی کرنسی میں پیش کیا گیا ہے۔
باضابطہ تجزیہ کو شروع کرنے سے پہلے پڑھنے والوں کو یہ یاددہانی کرانا ضروری ہے
کہ ہماری تعریفیں 1. By Mittiedes Chacholiades. دائمی مساوات رابطائی
رشتے اور مفروضے مندرجہ ذیل ہیں۔

تعریفیں

$$e_x^A \equiv \frac{dx_A}{dp_x} \cdot \frac{p_x}{x_A} \equiv x'_A \frac{p_x}{x_A}$$

$$e_m^A \equiv \frac{dM_A}{dp_m} \cdot \frac{p_m}{M_A} \equiv M'_A \frac{p_m}{M_A}$$

$$e_x^B \equiv \frac{dx_B}{d(p_m/r)} \cdot \frac{p_m/r}{x_B} \equiv x'_B \frac{p_m}{r x_B}$$

$$e_m^B \equiv \frac{dM_B}{d(p_x/r)} \cdot \frac{p_x/r}{M_B} \equiv M'_B \frac{p_x}{r M_B}$$

$$V_m \equiv p_m M_A \equiv p_m x_B$$

$$V_x \equiv p_x x_A \equiv p_x M_B$$

دائمی مساوات 2

$$M_A = X_B, \quad X_A = M_B, \quad p_x^* = \frac{p_x}{r}, \quad p_m^* = \frac{p_m}{r}$$

رابطائی رشتے

$$X_A = X_A(p_x)$$

$$M_A = M_A(p_m)$$

$$X_B = X_B(p_m/r)$$

$$M_B = M_B(p_x/r)$$

اوپر کے رشتوں میں قوسین کے اندر دکھائے گئے آزاد متغیرات کو علامات کو سہل بنانے
کی غرض سے نیچے کی بحث میں حذف کر دیا جائے گا۔ تاہم پڑھنے والے کو انھیں ذہن میں

2۔ پڑھنے والے کو ہم یاد دلا دیں کہ یہ دائمی مساوات واقع شدہ (یا حاصل کردہ) تجارت کردہ مقداروں کے لیے ہی
صحیح ہوتی ہیں ان کو برآمد یا درآمد کرنے کی خواہش نہیں سمجھ لینا چاہیے۔ تاہم جب برآمدات و درآمدات کے
بازار متوازن حالت میں ہوتے ہیں تو دونوں ایک ہو جاتے ہیں۔

رکھنے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔

مفروضات

$$\frac{dX_A}{dp_m} \equiv X'_A \geq 0 \qquad \frac{dM_A}{dp_m} \equiv M'_A \leq 0$$

$$\frac{dX_B}{d(p_m/r)} \equiv X'_B \geq 0 \qquad \frac{dM_B}{d(p_m/r)} \equiv M'_B \leq 0$$

■ کی کرنسی میں دیے گئے ▲ کے میزانِ تجارت پر تخفیف قیمت کا اثر

ریاضی کو زیادہ آسانی سے پیش کرنے کی غرض سے عام طور پر اختیار کیا جانے والا
ایک مفروضہ یہ ہے کہ دونوں ملکوں میں رسد کی شرائط لامحدود ہیں۔ اس طرح خود اس کی
اپنی کرنسی میں ہر ایک ملک کی برآمدات کی گھریلو قیمتیں (یعنی p_m اور p_m^*/r) تغیر پذیر
نہیں ہیں۔ یہ مفروضہ کچھ حد تک حقائق کی نفی بے شک کرتا ہے۔ اس وجہ سے اس ضمیمہ
کے آخری حصہ میں مختصر طور پر یہ بتانے کی ضرورت محسوس کی گئی کہ عمومی کیس کو کیسے سمجھایا جا
سکتا ہے۔

B کی کرنسی کی شکل میں A کی برآمدات سے ہونے والی آمدنی $X_A\,(r/p_x)$
کے برابر ہے۔ بہرحال کیونکہ $\frac{A}{\partial x}\,e$ کو لامحدود فرض کر لیا گیا ہے اس حاصل ضرب کا کوئی
مفہوم (سوائے درآمدات کے لیے B کی مانگ کے سلسلہ میں) نہیں نکلتا۔ دوسرے الفاظ
ئر رسد کی لامحدود لچکوں کے مفروضے کے تحت غیر ملکی مانگ برآمدات سے ہونے والی آمدنی
کی حد کا تعین کرنے والا عامل ہے۔ لہٰذا A کی برآمدات سے ہونے والی آمدنی کو $M_B\,(p_x/r)$
نکھنا چاہیے۔ اسی طرح B کی کرنسی میں درآمدات پر کیا جانے والا A کا خرچ $p_m^* M_A$
$\equiv M_A\,(p_m/r)$ کے برابر ہوگا۔ آخر میں B کرنسی کی شکل میں A کے میزانِ تجارت کی
تعریف مندرجہ ذیل طور پر کی جائے گی۔

$$B_f = \left(\frac{p_m}{r}\right) M_B - p_m^* M_A \qquad (1)$$

ہمارا مسئلہ یہ معلوم کرنا ہے کہ r میں اضافہ ہونے کی صورت میں (یعنی جب A کی کرنسی
کی قیمت میں تخفیف کر دی جاتی ہے) B_f پر کیا اثر مرتب ہوگا۔ دوسرے الفاظ میں ہم یہ جاننے

میں دلچسپی رکھتے ہیں کہ اخذیہ $\frac{d\,\text{م}B\text{ک}}{d\text{ر}}$ کیا ہوگا۔ زیادہ صحیح یوں کہیے کہ ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ A کا میزان تجارت بہتر ہو جاتا ہے (یعنی $0 < \frac{d\,\text{م}B\text{ک}}{d\text{ر}}$)، خراب ہو جاتا ہے (یعنی $0 > \frac{d\,\text{م}B\text{ک}}{d\text{ر}}$) یا ویسا ہی رہتا ہے (یعنی $0 = \frac{d\,\text{م}B\text{ک}}{d\text{ر}}$) بے شک $\frac{d\,\text{م}B\text{ک}}{d\text{ر}}$ کی صحیح عددی قیمت کی بھی بہت اہمیت ہے۔ مثال کے طور پر اگر یہ مان لیا جائے کہ $0 < \frac{d\,\text{م}B\text{ک}}{d\text{ر}}$ تو اخذیہ $\frac{d\,\text{م}B\text{ک}}{d\text{ر}}$ جتنا زیادہ ہوگا تو کسی دیے ہوئے خسارہ کو ختم کرنے کے لیے زر کی قیمت میں اتنی ہی کم تخفیف کرنے کی ضرورت ہوگی۔ لیکن اس ضمیمہ میں ہم صرف ان شرائط کا پتہ لگانے میں دلچسپی رکھتے ہیں جن کی تخفیف قیمت کامیاب رہتی ہے خواہ اس کی کامیابی کی ڈگری کچھ بھی ہو[3]

ر کے ساتھ مB کو تفرق کرتے ہوئے ہمیں[4] حاصل ہوتا ہے:

$$\frac{dB\,\text{م}}{\text{ر}} = -\frac{p_m}{\text{ر}^2} M_B - \frac{p_m}{\text{ر}} M_B' \frac{p}{\text{ر}} - p_m^{*} M_A' p_m^{*} = \frac{V_x}{\text{ر}^2}\left(-1 - \frac{M_B'}{\text{ر}}\frac{p_x}{\text{ر}} - \frac{V_m}{V_x}\frac{M_A'}{M_A} p_m\right)$$

ب لچکوں کی پہلے بیان کردہ تعریفوں کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں حاصل ہوتا ہے۔

$$\frac{dB\,\text{م}}{d\text{ر}} = \frac{V_x}{\text{ر}^2}\left(-1 - e_m^B - \frac{V_m}{V_x} e_m^A\right) \qquad (2)$$

تخفیف قیمت (یعنی ر میں اضافہ) میزانِ تجارت کو بہتر کر دیتی ہے (یعنی الجبرائی اعتبار سے مB کو بڑھا دیتی ہے) جب $0 < \frac{d\,\text{م}B\text{ک}}{d\text{ر}}$ ہو جاتا ہے۔ ایسا اس صورت میں ہوتا ہے جب مساوات (2) کے دائیں جانب کی معترضہ علامتیں وہ صفر سے زیادہ ہو جاتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں تخفیف سے قیمت میزانِ تجارت اس وقت بہتر ہو جاتا ہے جب:

$$-1 - e_m^B - \frac{V_m}{V_x} e_m^A > 0$$

3۔ اس طالب علم کو جس کا کلکولس قدرے زنگ آلودہ ہے اسے اس ضمیمہ کے آخر میں حسابی نوٹ ملے گا جس میں وہ تمام قاعدے بیان کیے گئے ہیں جن کا یہاں استعمال کیا گیا ہے۔ ان چند قاعدوں کے علاوہ اسے بس ہائی اسکول کے الجبرے کی اور ضرورت ہوگی۔

4۔ ہم اخذیوں کو ظاہر کرنے کے لیے روایتی نشان ' پرائم کا استعمال کرسکتے ہیں یعنی

$$\frac{dM_A}{dp_m} = M_A', \quad \frac{dM_B}{dp_m^{*}} = M_B'$$

$$-e_m^B - \frac{V_m}{V_n} e_m^A > 1 \qquad (3)$$

اگر درآمدات کے لیے B کی مانگ لچکیلی ہے (یعنی $e_m^B < -1$) تو تخفیف قیمت سے A کا میزانِ تجارت ہمیشہ بڑھے گا (3) میں دی گئی عدم مساوات سے اس کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔ اگر درآمدات کے لیے B کی مانگ لچکیلی نہ ہو تو نتیجہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ انحصار قطعی طور پر اس امر پر رہے گا کہ تخفیفِ قیمت سے پہلے میزانِ ادائگی کی حالت کیسی تھی (یا زیادہ ٹھیک یوں کہیے کہ V_m / V_n تناسب پر) اور درآمدات کے لیے A کی مانگ کتنی لچکیلی تھی۔ V_m / V_x تناسب جتنا زیادہ اور درآمدات کے لیے A کی مانگ جس قدر لچکیلی ہو گی (مطلق معنیٰ میں) میزانِ تجارت بہتر ہونے کا امکان اتنا ہی زیادہ ہو گا۔

کوئی ملک تخفیف قیمت پر اس وقت تک غور نہیں کرے گا جب تک اس کی میزان تجارت خسارہ کا شکار نہ ہو۔ پس گزشتہ پیرے کے مطابق جہاں تک میزان تجارت کا تعلق ہے تخفیف قیمت کے لیے سب سے کم موزوں صورت حال وہ ہوتی ہے جب ہم متوازن تجارت یعنی $V_m = V_n$ سے شروعات کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں عدم مساوات (3)۔

$$-e_m^A - e_m^B > 1 \qquad (4)$$

ہو جاتی ہے۔

عدم مساوات (4) وہی ہے جسے ادب میں مارشل۔ لرنر شرط کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ الفاظ کی شکل میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ بیرونی مبادلہ کی شکل میں میزان تجارت اس صورت میں تخفیفِ قیمت سے ہمیشہ بہتر ہو جاتا ہے جب مانگ کی دونوں لچکوں (مطلق معنیٰ میں) کا جوڑ اکائی سے زیادہ ہوتا ہے۔ اگر ہم آغاز خسارے والے میزانِ تجارت سے کریں تو مارشل۔ لرنر شرط کافی ثابت ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ

$$-e_m^B - \frac{V_m}{V_n} e_m^A \geq -e_m^A - e_m^B$$

جو $e_m^A = 0$ ہونے پر مساوات ہو جاتی ہے پس جب $-e_m^A - e_m^B > 1$ ہے تو $-e_m^B - (V_m / V_n) e_m^A > 1$ ہونا چاہیے۔ تاہم اس کا الٹ صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا مارشل۔ لرنر شرط پوری نہ ہونے کی صورت میں یہ ممکن ہے کہ شرائط تجارت بہتر ہو جائے۔

A کی کرنسی میں بیان کردہ A کے میزانِ تجارت پر تخفیف قیمت کا اثر

تعریف کے لحاظ سے $B_d = rB_f$ لہٰذا

$$\frac{dBd}{dr} = Bf + r\frac{dBf}{dr} \qquad (5)$$

اگر شروعات متوازن میزان تجارت سے کی گئی ہے تو مساوات (5) $\frac{dBf}{dr} = r$ $\frac{dBd}{dr}$ ہو جاتی ہے۔ پس جب $Bf = Bd = 0$ ہو تو $\frac{dBd}{dr}$ صرف اسی وقت مثبت ہوگا جب $\frac{dBf}{dr}$ مثبت ہو۔ پس Bf کو بہتر بنانے کے سلسلہ میں ہم نے جو شرط پہلے اخذ کی تھی وہ Bd کو بھی ضرور بہتر بنا دے گی۔ بہر حال اگر تخفیف قیمت سے پہلے میزانِ تجارت توازن میں نہ ہو تو ان شرائط میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر اگر ہم آغاز خسارے سے کریں تو Bd میں بہتری کا مطلب لازمی طور پر یہ ہوگا کہ Bf بھی بہتر ہو جائے گا لیکن اس کا الٹا عام طور پر صحیح نہیں ہوتا۔ Bf میں بہتری اور Bd میں بگاڑ کا امکان حقیقی معنی میں رہتا ہے نیز اسے تخیلی استدلال سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔

مساوات 5 میں Bf اور $\frac{dBf}{dr}$ کی ان اقدار کو رکھ کر جو مساوات (1) اور (2) میں دی گئی ہیں اور نئی ترتیب دے کر ہمیں مندرجہ ذیل مساوات حاصل ہوتی ہے۔

$$\frac{dBd}{dr} = \frac{Vx}{r} - \frac{Vm}{r} + \frac{Vn}{r}\left(-1 - em^B - \frac{Vm}{Vn}em^A\right) = \frac{Vm}{Vr}\left(-1 - em^A - \frac{Vx}{Vm}em^B\right)$$

پس تخفیف قیمت سے Bd صرف اس وقت بہتر ہوتا ہے جب

$$-(Vn/Vm)em^B - em^A > 1 \qquad (6)$$

اگر درآمدات کے لیے A کی مانگ لچکیلی ہو تو تخفیف قیمت سے Bd میں ہمیشہ سدھار ہوگا۔ تاہم یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ مارشل۔ لرنر شرط Bd میں سدھار کے لیے کافی نہیں ہے۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ مساوات (6) میں مارشل۔ لرنر شرط مضمر ہے۔ اس کی تشریح نیچے دیے گئے خاکے میں کی گئی ہے۔ رنگین علاقے میں کسی بھی نقطہ پر (3) اور (6) عدم مساوات اور ساتھ ہی مارشل۔ لرنر شرط پوری ہو جاتی ہے لہٰذا اس علاقے میں مانگ کی لچکوں کا کوئی بھی میل Bf اور Bd دونوں کو بہتر بنانے کے لیے کافی ہوگا۔ تاہم مثلث LMN میں کوئی بھی نقطہ مساوات (3) اور مارشل۔ لرنر شرط کو پورا کر دیتا ہے (اور اس طرح Bf کو بہتر بنا دیتا ہے) لیکن وہ شرط (6) کو پورا نہیں کرتا اور اس لیے Bd کو خراب

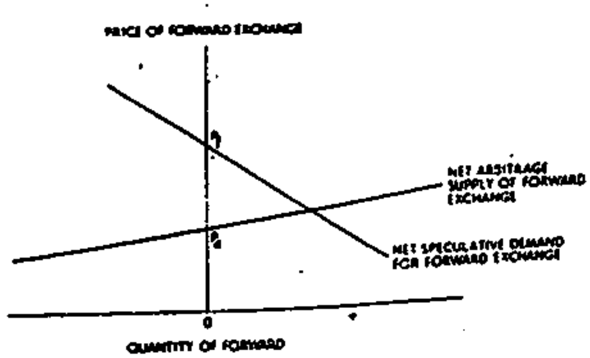

کردیتا ہے۔ آخر میں مثلث KLM میں کوئی بھی نقطہ صرف عدم مساوات (3) کو پورا کرتا ہے۔ پس محو B بہتر ہو جاتا ہے — اگرچہ مارشل۔ لرنر شرط پوری نہیں ہوتی — کا B بگڑ جاتا ہے۔ ان مثلثوں کے رقبے ظاہر ہے تناسب Vm / Vn پر منحصر رہتے ہیں جیسے جیسے Vm / Vn میں اضافہ ہوتا ہے نقاط K اور N بالترتیب نقاط L اور M سے دور ہوتے جاتے ہیں اور دونوں مثلث بڑے ہوتے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس جوں جوں Vm / Vn کم ہوتا ہے دونوں مثلث سکڑ جاتے ہیں۔ جب $1 = Vm / Vn$ ہوتا ہے تو نقاط K اور N بالترتیب نقاط L اور M سے جا ملتے ہیں اور دونوں مثلث معہ ان مجموعوں کے جنھیں وہ جنم دیتے ہیں غائب ہو جاتے ہیں۔ آخری بات یہ ہے کہ جب B کی مانگ لچک صفر ہوتی ہے تو محو B کو بہتر بنانے کے لیے مارشل۔ لرنر شرط کا پورا ہونا ہی کافی ہوتا ہے۔ یہ ایک عام اصول ہے۔ رسد کی لچکیں کچھ بھی ہوں یہ اصول قایم رہتا ہے۔

رسد کی لچکیں لامحدود سے کم ہونے کی صورت میں تخفیف قیمت کے اثرات

اسی عمومی کیس میں r کے حوالے سے محو B کا اخذیہ برابر ہوتا ہے:۔

(7)

$$\frac{dBf}{dr} = \frac{Vn}{r^2}\left[\frac{Vm\, em^A (1+en^B)}{Vn(em^x - en^B)} - \frac{en^A(1+em^B)}{(en^A - em^B)}\right.$$

یا

$$\frac{dBf}{dr} = \frac{en^A\, en^B\, Vn}{r^2 (en^B - em^A)(ex^A - em^B}\left[\frac{em^A\, em^B}{en^A\, en^B}\left(\frac{Vm}{Vn} + \frac{Vm}{Vn} en^B + en^A\right)\right.$$

$$+\frac{em^A}{en^B}\left(1-\frac{Vm}{Vn}\right)+em^A\,\frac{Vn-Vm}{Vn}-(1+em^A+em^B)\Big] \quad (8)$$

اس کے علاوہ مساوات (5) میں Bf اور $\frac{dBf}{dr}$ کی اقدار بالترتیب مساوات (1) اور (7) کی تعریفات کے مطابق رکھ کر ہمیں حاصل ہوتا ہے:

$$\frac{dBd}{dr}=\frac{Vn}{r}\left[\frac{Vm\,en^B(1+em^B)}{V-em^A-ex^B}-\frac{em^B(1+en^A)}{en^A-em^B}\right] \quad (9)$$

مندرجہ ذیل دو صورتوں میں تخفیف قیمت (یعنی $\frac{dBf}{dr}=0$) سے B/f میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی: (a) جب A کی لچکیں صفر ہوتی ہیں (یعنی $ex^A=em^B=0$) اور (b) جب میزانِ ادائیگی تخفیفِ قیمت سے پہلے بحالت توازن ہوتا ہے اور B کی لچکیں صفر ہوتی ہیں۔ (یعنی $Bf=en^B=em^B$)۔ دوسری طرف تخفیف قیمت سے Bd میں جن دو صورتوں کے تحت کوئی فرق نہیں پڑتا وہ یہ ہیں۔ (c) جب B کی رسد لچکیں صفر ہوتی ہیں۔ (یعنے $en^B=em^B=0$) اور (d) جب تخفیف قیمت سے پہلے میزانِ تجارت متوازن ہوتا ہے اور A کی لچکیں صفر ہوتی ہیں (یعنی $Bd=en^A=em^A=0$)۔ مساوات (7) اور (9) براہِ راست مقادیر رکھ کر ان بیانات کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔

جب دونوں رسد لچکیں صفر ہوتی ہیں (یعنی $ex^B=ex^A=0$) تو مساوات (7) اور (9) بالترتیب $\frac{dBf}{dr}=\frac{Vm}{r^2}>0$ ، $\frac{dBd}{dr}=\frac{Vn}{r}>0$ ہو جاتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں دونوں رسد لچکوں کے صفر ہونے کی صورت میں تخفیف قیمت سے Bd اور Bf بہتر ہو جاتے ہیں اس میں بہر حال دو نمایاں منفرد کیس شامل نہیں ہیں یعنی (d)-(a) جن کا پچھلے پیرے میں تذکرہ کیا گیا تھا[6]

1.5. See J-Robinson in American Economic Association Reading in the theory of International Trade P. 90 n 8 and J vanek chap. V

6- دو کیس (i) $en^A=em^B=0$ اور (ii) $ex^B=em^A=0$ کو خارج کر دینا چاہیے کیونکہ میزانِ تجارت کی تعریف پر معنیٰ طور پر نہیں کی جا سکتی۔

مساوات (8) کا دائیں جانب کا حصہ ایک تناسب کا حاصل ہے جو عام طور پر مثبت ہوتی ہے اور قوسین میں لمبے بیان میں پیش کی جاتی ہے۔ $0 >$ [illegible] کے لیے قوسین کے اندر جو کچھ لکھا ہے وہ مثبت ہی ہونا چاہیے۔ اس میں چار تقادیر ہیں پہلی تین ہمیشہ ہی غیر منفی ہوتی ہیں شرط یہ ہے کہ میزانِ تجارت میں اولاً بیشی نہ ہو۔ لہٰذا اگر چوتھی ٹرم ایک دم مثبت ہو تو ہم جانتے ہیں کہ $0 <$ [illegible] ہوتا ہے اور اس لیے تخفیف قیمت کے ساتھ میزانِ تجارت بہتر ہو جاتا ہے سوائے (a) اور (b) کیسوں کے جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن ان چوتھی ٹرم کے مثبت ہونے کی شرط یہ ہے کہ مارشل۔ لرنر شرط پوری ہو۔ دوسرے لفظوں میں ان دو کیسوں کو چھوڑ کر جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے کامیاب تخفیف قیمت کے لیے مارشل۔ لرنر شرط کافی ہوتی ہے مگر ضروری نہیں۔ واضح رہے کہ جب مساوات (8) کے قوسین میں دی گئی ہیں پہلی تقادیر صفر ہو جاتی ہیں تو مارشل۔ لرنر شرط کافی اور ضروری دونوں ہو جاتی ہے۔ ایسا مندرجہ ذیل ان صورتوں میں ہوتا ہے (i) جب A کی مانگ لچک صفر کے برابر ہوتی ہے (یعنی $e_m^A = 0$)، (ii) جب میزانِ تجارت شروعات کے وقت متوازن ہوتا ہے اور B کی مانگ لچک صفر (یعنی $e_m^B = 0$) اور (iii) جب میزانِ تجارت شروعات کے وقت متوازن ہوتا ہے اور دونوں رسد لچکیں لامحدود ہوتی ہیں۔

درآمدات کے A کی مانگ لچکیلی ہونے کی صورت میں تخفیفِ قیمت سے مرB سوائے اس صورت کے جب $e_m^B = e_n^B = 0$ = مرB ہو بہتر ہو جاتا ہے۔ اور درآمدات کے لیے B کی مانگ لچکیلی ہونے کی صورت میں بھی تخفیف قیمت سے مرB بہتر ہو جاتا ہے سوائے اس صورت کے جب $0 = e_m^A = e_n^A$۔ مزید یہ کہ درآمدات کے لیے A کی مانگ لچکیلی ہونے کی صورت میں لہB بہتر ہو جاتا ہے سوائے اس صورت کے جب $0 = e_m^B = e_n^B$۔ اور اگر $0 = e_n^B$ تو بھی لہB ہمیشہ بہتر ہو جائے گا سوائے ان دو منفرد صورتوں کے جنھیں (c) اور (d) کا نام دیا گیا ہے۔ آخر میں یہ بتانا ضروری ہے کہ لہB میں سدھار کے لیے شرط $e_m^B > 1$ نہ تو کافی ہے اور نہ ضروری۔

ریاضی پر نوٹ:

مان لیجیے کہ U اور V، x کے مسلسل اور قابل تفرق تفاعل ہیں۔ اس ضمیمہ میں تفرق

کے صرف مندرجہ ذیل اصولوں کا استعمال کیا گیا ہے۔

(a) تفریق جوڑ۔ x کے حوالے جوڑ (u + v) کا اخذیہ مندرجہ ذیل فارمولے سے حاصل ہوتا ہے۔

$$\frac{d}{dx}(u + v) = u' + v'$$

(b) حاصل ضرب کی تفریق۔ x کے حوالے سے حاصل ضرب uv کا اخذیہ مندرجہ ذیل فارمولے سے ملتا ہے۔

$$\frac{d}{dx}(uv) = vu' + uv'$$

(c) مقسوم علیہ کی تفریق۔ x کے حوالے سے مقسوم علیہ u / v کا اخذیہ مندرجہ ذیل فارمولے سے حاصل ہوتا ہے۔

$$\frac{d}{dx}\left(\frac{u}{v}\right) = \frac{vu' - uv'}{v^2}$$

(d) کسی تفاعل کے تفاعل کی تفریق۔ مرکب تفاعل (u) فو کا x کے حوالے سے اخذیہ اس فارمولے سے ملتا ہے۔

$$\frac{d\,\text{فو}(u)}{dx} = \text{فو}'(u)\,u'$$

ضمیمہ ■ غیر ملکی تجارت کے مضروب فیہ[1]

برائے باب 16

اس ضمیمہ میں ہم باب 16 کے پس پشت کارفرما معاشیات کلاں کے کینزیائی ماڈل کا زیادہ گہری نظر سے جائزہ لیں گے۔ اگرچہ اس ضمیمہ کی بحث میں ہم متن کے کینزیائی مفروضے سے کوئی بڑا اگریز تو اختیار نہیں کریں گے تاہم اسے ایسے عمومی انداز میں ترتیب دیا گیا ہے جس سے زیادہ پیچیدہ کیسوں کے تجزیہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے تاہم یہ بتانا ضروری ہے کہ اس ضمیمہ کے آخری حصے میں پالیسی سے متعلق بعض مسائل پر طائرانہ نظر ڈالی گئی ہے۔ ان مسائل کے لیے ان حسابی اوزاروں کے علاوہ جن کا استعمال اس ضمیمہ میں کیا گیا ہے مزید اوزاروں کی ضرورت نہیں پڑتی۔ پھر بھی ان کا الجبرائی بیان قدرے پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ اگر طالب علم کو ان مسائل سے کوئی خاص دلچسپی نہ ہو تو اسے اس حصہ کو نظر انداز کر دینے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔

اس ضمیمہ میں شروع سے آخر تک مندرجہ ذیل علامات کا استعمال کیا جائے گا۔

Y_A = قومی آمدنی ملک A میں

C_A = کل صرف ملک A میں

I_A = کل سرمایہ کاری ملک A میں

G_A = کل سرکاری خرچ ملک A میں

X_A = ملک A کی کل برآمدات

M_A = ملک A کی کل درآمدات

S_A = ملک A میں کل بچت

Z_A = ملک A میں کل جذب

1. By Miltiades chachaliades.

αC_A = A کے کل صرف کا وہ حصہ جسے گھریلو وسائل سے پیدا کیا جاتا ہے۔

αI_A = A کی کل سرمایہ کاری کا وہ حصہ جسے گھریلو وسائل سے پیدا کیا جاتا ہے۔

αG_A = A کے سرکاری خرچ کا وہ حصہ جو گھریلو وسائل پر صرف کیا جاتا ہے۔

αX_A = A کی کل برآمدات کا وہ حصہ جسے گھریلو وسائل سے پیدا کیا جاتا ہے۔

αZ_A A کے کل جذب کا وہ حصہ جو گھریلو وسائل پر مشتمل ہوتا ہے۔

βC_A = A کے کل صرف کا وہ حصہ جو بیرونی وسائل سے پیدا کیا جاتا ہے۔

βI_A = A کی کل سرمایہ کاری کا وہ حصہ جو بیرونی وسائل پیدا کرتے ہیں۔

βG_A = A کے کل سرکاری خرچ کا وہ حصہ جو بیرونی وسائل پر صرف کیا جاتا ہے۔

βX_A = A کی کل برآمدات کا وہ حصہ جسے بیرونی وسائل پیدا کرتے ہیں۔

βZ_A = A کے کل جذب کا وہ حصہ جو بیرونی وسائل پر مشتمل ہوتا ہے۔

α = تبدیلی کا محیط

P_A = ملک A میں محیط پالیسی

μ, λ = من مانے ثابتے

T = A کی شرائطِ تجارت

ایسی ہی ایک علامت کا اطلاق B نشان کے ساتھ ملک B کے لیے ہوگا۔

رابطائی رشتے اور دائمی مساوات :

βG_A، αG_A، G_A، βI_A، αI_A، I_A، βC_A، αC_A، C_A اور S_A کو Y_A کے اٹوٹ قابل تفریق تفاعل فرض کر لیا گیا ہے۔ ایسا ہی ملک B کے لیے مان لیا گیا ہے[2]

M_A کو α، Y_A اور P_A کا اٹوٹ قابلِ تفریق تفاعل تصور کیا گیا ہے جبکہ M_B کو α، Y_B

---

2 - یہ واضح رہے کہ c قابل استعمال آمدنی $Y - t = Y\alpha$ کا تفاعل ہے جبکہ t ٹیکس کو ظاہر کرتا ہے۔ تاہم کیونکہ t کا انحصار Y پر ہوتا ہے اس لیے ہم c کو براہ راست Y کا تفاعل مان سکتے ہیں۔ اس لیے الجبرا آسان ہو جاتا ہے۔ بہر حال طالب علم کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ S بھی بچت (یعنی $c - Y\alpha$) اور ٹیکس کے جوڑ کو ظاہر کرتا ہے۔

اور a کا اثورث قابل تفریق تفاعل مانا گیا ہے۔

ہم اول جزدی اخذیوں کے لیے Y کے حوالے یں اوپر کے متغیرات کی نشاندہی کیلیے روایتی علامت (') لگائیں گے بالفاظ دیگر $C'_A = \frac{\partial C_A}{\partial Y_A}$; $I'_A = \frac{\partial I_A}{\partial Y_A}$; etc

اپنے مخصوص مسئلہ پر بحث کا آغاز کرنے سے پہلے مندرجہ ذیل دائمی مساوات کو نوٹ کرنا چاہیے۔

$$C_A = C_{Ad} + C_{Af} \quad (1)$$

$$I_A = I_{Ad} + I_{Af} \quad (2)$$

$$G_A = G_{Ad} + G_{Af} \quad (3)$$

$$X_A = X_{Ad} + X_{Af} \quad (4)$$

$$M_A = C_{Af} + I_{Af} + G_{Af} + X_{Af} \quad (5)$$

$$Z_A = C_A + I_A + G_A \quad (6)$$

$$Z_{Ad} = C_{Ad} + I_{Ad} + G_{Ad} \quad (7)$$

$$Z_{Af} = C_{Af} + I_{Af} + G_{Af} = M_A - X_{Af} \quad (8)$$

$$Z_A = Z_{Ad} + Z_{Af} \quad (9)$$

$$M_A = X_B \quad (10)$$

$$M_B = X_A \quad (11)$$

$$T = X_A - M_A = M_B - M_A \quad (12)$$

$$C'_A = C'_{Ad} + C_{Af} \quad (13)$$

$$I'_A = I'_{Ad} + I'_{Af} \quad (14)$$

$$G'_A = G'_{Ad} + G_{Af} \quad (15)$$

$$Z'_A = Z'_{Ad} + Z_{Af} \quad (16)$$

$$Y_A = C_A + I_A\, G_A + X_A - M_A \quad (17)$$

$$Y_A = C_{Ad} + I_{Ad} + G_{Ad} + X_{Ad} \quad (18)$$

$$Y_A = Z_A + T = Z_{Ad} + X_{Ad} \quad (19)$$

$$S_A = Y_A - C_A \quad (20)$$

$$S_A + M_A = I_A + G_A + X_A \qquad (21)$$

$$S_A + C_{Af} = I_{Ad} + G_{Ad} + X_{Ad} \qquad (22)$$

$$C_A' + S_A' = 1 \qquad (23)$$

$$C_{Ad}' + C_{Af}' + S_A' = 1 \qquad (24)$$

اگر $G_{Af}' = I_{Af}' = 0$ ہو تو $C_{Af}' = M_A'$ ہوگا اور دائمی مساوات (24) یوں ہو جائے گی:

$$C_{Ad}' + M_A' + S_A' = 1 \qquad (25)$$

یہی دائمی مساوات B کے لیے بھی صحیح ہوگی۔

کیونکہ یہ دائمی مساوات ابتدائی نوعیت کی ہیں اس لیے ان کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔

بنیادی ماڈل:

ہمارے مقاصد کے لیے A اور B دو ملکوں کی بنیادی آمدنی مساوات کی ذرا عمومی صورت دائمی مساوات (17) ہے۔ بعض مصنفین دائمی مساوات (17) کے مقابلہ میں دائمی مساوات (18) کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس سے نتائج میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا بشرطیکہ مصنفین کے دونوں گروہوں کے مفروضات ایک ہی ہوں دائمی مساوات (18) کی واضح سادگی کے باوجود دائمی مساوات (17) کہیں زیادہ جاندار ہے اور اس کے ذریعہ کئی مسائل کو۔ خاص طور پر پالیسی سے متعلق مسائل کو۔ کم محنت اور پیچیدگی کے بغیر پیش کیا جا سکتا ہے اس ضمیمہ میں ہم دائمی مساوات (17) کا ہی استعمال کریں گے۔ پس ہم مندرجہ ذیل نظام سے شروعات کرتے ہیں۔

$$Y_A = Z_A + M_B - M_A + \mathcal{E}\alpha \qquad (26)$$

$$Y_B = Z_B + M_A - M_B + \lambda\alpha$$

ابتدائی توازن میں یہاں α کو صفر مان لیا گیا ہے۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ کسی تبدیلی کے رونما ہونے پر یعنی جب کسی نہ کسی وجہ سے α بدلتا ہے تو قومی آمدنی پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے اور غیر ملکی تجارت کے مضروب فیہ $\frac{dY}{d\alpha}$ کو جو α میں مختلف تبدیلیوں کی صورت میں مختلف ہوتا ہے کیسے اخذ کیا جا سکتا ہے۔ ہمیں λ اور $\mathcal{E}$ ثابتوں کی وضاحت بھی کرنی ہوگی۔

ان محیطوں کے معنی اور کام کو واضح کرنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ متعدد مخصوص

کیسوں پر غور کیا جائے۔ ایسا کرنے سے اور بھی کئی نکات کی وضاحت ہو جائے گی۔

1- $_aZ_A$ میں کسی خود مختار اضافے (یا کمی) کو (یعنی مقامی طور پر پیدا کردہ اشیاء کے جذب میں کوئی آزادانہ تبدیلی) محیط α میں کسی خود مختار اضافے (یا کمی) سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جہاں ثابتے μ اور λ بالترتیب 1 اور 0 ہو جاتے ہیں۔ مزید برآں

$$\frac{\partial M_A}{\partial x} = \frac{\partial M_B}{\partial x} = 0$$

2- $_bZ_A$ میں کسی اضافے (کمی) کو (یعنی B اشیاء کے A کے جذب میں آزادانہ تبدیلی) — جسے A کے اپنی درآمدات کے حق میں اس کے خرچ کی ساخت میں اس تبدیلی سے الگ رکھنا ہوگا جس کا تذکرہ نیچے کیا گیا ہے — محیط α میں ایسے آزادانہ اضافے (کمی) سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جس میں μ اور λ ثابتے بالترتیب 1 اور 0 رہیں۔ نیز $\frac{\partial M_A}{\partial \alpha} = 1$۔ بہرحال جہاں تک $\frac{\partial M_B}{\partial \alpha}$ کا تعلق ہے ہمیں مندرجہ ذیل دو صورتوں میں فرق کرنا چاہیے (a) جب B کی برآمدات میں آزادانہ اضافے کے سبب ساتھ ہی اس کی درآمدات میں اضافہ نہیں ہوتا یعنی جب صرف $_aX_B$ میں تبدیلی ہوتی ہے۔ اور (b) جب B کی برآمدات میں آزادانہ اضافے کی وجہ سے اس کی درآمدات بھی ضرور بڑھتی ہیں یعنی جب $_bX_B$ اور $_aX_B$ دونوں ہی بدلتے ہیں پہلی صورت میں $\frac{\partial M_B}{\partial \alpha} = 0$ ہوتا ہے اور دوسری صورت میں $\frac{\partial M_B}{\partial \alpha} > 0$۔

3- Z_A میں کسی آزادانہ اضافے (یا کمی) کا سبب $_aZ_A$ یا $_bZ_A$ یا دونوں میں اضافہ (کمی) ہو سکتے ہیں۔ پہلے دو متبادل اسباب پر (1) اور (2) میں بالترتیب روشنی ڈالی جاچکی ہے۔ موجودہ کیس میں تیسرے امکان (یعنی $_aZ_A$ اور $_bZ_A$ دونوں میں تبدیلی) پر غور کیا جائے گا۔ اسے ایک بار پھر α میں آزادانہ تبدیلی تصور کیا جاسکتا ہے۔ جہاں μ اور λ بالترتیب 1 اور 0 ہو جاتے ہیں۔ مزید برآں $\frac{\partial M_B}{\partial \alpha} = 0$ اور $1 > \frac{\partial M_A}{\partial \alpha} > 0$ اس مرحلہ پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ جزوی اغذیہ $\frac{\partial M_A}{\partial \alpha}$ عام طور پر A کے درآمد کرنے کے مختتم رجحان کی برابر نہیں ہوتا یعنی M'_A کی۔ اول تو چونکہ ہم ایک خود مختار تبدیلی کی بات کر رہے ہیں اس لیے جزوی اغذیہ (یعنی B کی اشیاء پر A کے خرچ میں سے صرف کردہ رقم میں آزادانہ تبدیلی کے ہر ایک ڈالر میں سے سینٹ کا نمبر) 0 اور 1 ایک بیچ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اس اہم سبب کے علاوہ اس کا ایک اور زیادہ بنیادی سبب ہے

کیونکہ $\frac{\partial M_A}{\partial \alpha} \neq \overline{M_A'}$ ۔ درآمد کا مختتم رجحان (M_A') یہ بتاتا ہے کہ A کی قومی آمدنی کے ہر ایک ڈالر اضافے میں سے درآمدات پر کتنا خرچ کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس جزوی اخذیہ $\frac{\partial M_A}{\partial \alpha}$ یہ واضح کرتا ہے کہ A کے خرچ میں اضافے کے ہر ایک ڈالر میں سے درآمدات پر کتنا خرچ کیا جاتا ہے۔ لیکن جب A کی قومی آمدنی بقدر ΔY_A بڑھتی ہے تو A کا خرچ بقدر ΔY_A نہیں بڑھتا بلکہ اس میں $(1-S_A')\Delta Y_A$ کی برابر ہی اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ خرچ $(1-S_A')\Delta Y_A$ کی برابر اضافہ ہونے پر درآمدات میں ہونے والا اضافہ $\Delta M_A = \Delta Y_A(1-S_A')\frac{\partial M_A}{\partial \alpha}$ ہوگا۔ لہٰذا

$$\frac{\Delta M_A}{\Delta Y_A} = (1-S_A')\frac{\partial M_A}{\partial \alpha} \qquad (28)$$

پس اگر A کے خرچ میں ہونے والی خودمختار تبدیلی کو موجودہ مختتم رجحانات کے اعتبار سے گھریلو اور بیرونی اشیاء کے بیچ تقسیم کیا جائے تو جزوی اخذیہ $\frac{\partial M_A}{\partial \alpha}$، $\overline{M_A'}$ کے برابر ہوگا۔

4 ۔ A کے خرچ کی ساخت میں ہونے والی کسی بھی آزادانہ تبدیلی کو محیط ہم ایسی خودمختار تبدیلی تصور کر سکتے ہیں جس میں λ اور μ ثابتے صفر رہتے ہوں۔ گھریلو سے بیرونی اشیاء کی طرف رخ بدلنے سے جزوی اخذیہ $\frac{\partial M_A}{\partial \alpha}$ برابر ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس بیرونی سے گھریلو اشیاء کی طرف آجانے سے جزوی اخذیہ $\frac{\partial M_A}{\partial \alpha}$ -1 ہو جاتا ہے۔ $\frac{\partial M_B}{\partial \alpha}$ کا تعین اسی طرح ہوتا ہے جیسے اوپر کے کیس (2) میں۔

5 ۔ dX_A میں کوئی خودمختار اضافہ یا تو A کی اشیاء پر B کے خرچ میں اضافہ یا A کی اشیاء کے حق میں B کے خرچ کی ساخت میں تبدیلی سے ہو سکتا ہے۔ اگر dX_A میں اضافہ A کی اشیاء پر B کے خالص خرچ بڑھنے سے ہوتا ہے تو ہمیں $\frac{\partial M_B}{\partial \alpha} = 1, \lambda = 0, \mu$ حاصل ہوں گے۔ اگر اس کے برعکس dX_A میں اضافہ A کی اشیاء کے حق میں B کے خرچ کی ساخت بدلنے سے ہوتا ہے تو ہمیں $\frac{\partial M_A}{\partial \alpha} = 0, \frac{\partial M_B}{\partial \alpha} = 1, \lambda = 0, \mu = 0$ حاصل ہوں گے۔

dX_A میں کمی واقع ہونے سے ہمیں اوپر کی دو صورتوں میں $\frac{\partial M_B}{\partial \alpha} = -1$ حاصل ہونا چاہیے۔ باقی تمام دیگر محیطوں کی قیمت یہی رہے گی۔

6 ۔ dZ_A میں آزادانہ اضافے کے ساتھ اگر dZ_B میں بالکل اتنی ہی کمی ہو جائے

تو اسے α میں ایسی تبدیلی کہا جا سکتا ہے جس میں ثابتے λ اور m بالترتیب 1- اور 1 ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ $0 = \frac{\partial M_B}{\partial \alpha} = \frac{\partial M_A}{\partial \alpha}$ ۔ اس قسم کی دیگر مثالوں کو پڑھنے والے کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے۔

بیرونی اثرات کے بغیر غیر ملکی تجارت کا مضروب فیہ :

کیونکہ اس جز میں بیرونی اثرات غایب ہیں ہم A اور B نشانات کو حذف کیے دیتے ہیں۔ پس بنیادی آمدنی مساوات یہ شکل اختیار کر لیتی ہے :

$$Y = Z + X - M + \lambda \alpha \quad (29)$$

جہاں ابتدائی توازن میں محیط α کی قیمت صفر ہے۔ α کے حوالے سے مساوات (29) کو کامل طور پر تفرق کرنے سے ہمیں حاصل ہوتا ہے۔ (30)

$$\frac{dY}{d\alpha} = \frac{\lambda - \frac{\partial M}{\partial \alpha}}{1 - Z' + M'}$$

اب ہم مندرجہ ذیل مخصوص کیسوں کے مطالعہ کے لیے تیار ہیں۔

(a) Z یا X میں خود مختارانہ تبدیلی جس کا مطلب ہے کہ $\lambda = 1 \,,\, \frac{\partial M}{\partial \alpha} = 0$

(b) Z یا X میں خود مختارانہ تبدیلی جس کا مطلب ہے کہ $\frac{\partial M}{\partial \alpha} > 0 \,,\, \lambda = 1$ یا زیادہ صحیح طور پر $\frac{\partial M}{\partial \alpha} = \frac{M'}{1-S}$ ،

(c) گھریلو اشیاء کے حق میں خرچ کی ساخت میں خود مختارانہ تبدیلی جس کا مطلب ہے کہ $\lambda = 0 \,,\, \frac{\partial M}{\partial \alpha} = -1$ نتائج مندرجہ ذیل جدول میں پیش کیے گئے ہیں۔

Table 1

بیرونی اثرات کے ساتھ غیر ملکی تجارت کا مضروب فیہ :

مساوات (27)، (26) اور (21) کو α کے ساتھ تفرق کرنے سے ہمیں حاصل ہوگا:

(31). (32). (33) Equation

مساوات (31) اور (32) کو ایک ساتھ لے کر حل کرنے سے ہمیں ملے گا۔

Equation (34). (35)

جہاں

Equation (36)

(33) میں ان نتائج کو رکھنے سے ہم پاتے ہیں۔

Equation (37)

مساوات (34) اور (35) غیر ملکی تجارت کے مضروب فیہ کی سب سے زیادہ عمومی شکلیں ہیں۔ ہم مضروب فیہ کے ان فارمولوں کو پہلے بیان کردہ تمام صورتوں پر لاگو کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ اس کام کو طالب علم کے لیے بطور مشق چھوڑ دیا گیا ہے۔ تاہم ہم ایک ایسے کیس پر غور کریں گے جس کا ذکر متن میں کیا گیا تھا۔ پس A کی اشیا پر خرچ میں ایسے خود مختارانہ اضافے سے .... جو یا تو α Z_A میں اضافے کے سبب ہو سکتا ہے۔ (ایسی صورت میں $\lambda = 0$، $\frac{\partial M_B}{\partial \alpha} = 0$، $\frac{\partial M_A}{\partial \alpha} = 0$، $\mu = 1$) یا A کی اشیا پر B کے خرچ میں خالص اضافے سے α X_A کے بڑھنے کی وجہ سے (اس صورت میں $\lambda = 1$، $\mu = 0$، $\frac{\partial M_B}{\partial \alpha} = 1$، $\frac{\partial M_A}{\partial \alpha} = 0$ ہونا چاہیے) (34) اور (35) مضروب فیہ فارمولوں کی بالترتیب یہ شکل ہو جائے گی:

Equation (38), (39)

مزید برآں اگر $l'_A = q'_A = l'_B = q'_B = 0$ ہو تو $Z_A = C'_A$ اور $C'_B = Z'_B$ ہوں گے اور مساوات (38) اور (39) یہ شکل اختیار کریں گی۔

Equation (40) (41)

پالیسی کے ملحوظات :

اب گذشتہ تجزیہ کو آگے بڑھا کر اس کیس کو لیا جائے گا جہاں ایک یا دوسرا یا دونوں ملک پالیسی کے طور پر بعض ایسے اقدامات اٹھاتے ہیں جن کا مقصد کسی مخصوص متغیر مثلاً قومی آمدنی (داخلی توازن) یا میزانِ تجارت (خارجی توازن) کو نشانہ بنا کر اس پر کسی خود مختارانہ تبدیلی کے اثر کو زائل کرنا ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لیے مساوات (26) اور (27) کو مندرجہ ذیل طور پر بدلا گیا ہے۔

Equations (42) (43)

ابتدائی حالتِ توازن میں تمام محیط (یعنی P_B، P_A اور α) صفر کی برابر ہوتے ہیں۔

جب کوئی خود مختارانہ تبدیلی رونما ہوتی ہے اسے پھر محیط α میں تبدیلی تصور کیا جا سکتا ہے جب کہ λ اور μ حسب سابق مناسب قیمتیں اختیار کر لیتے ہیں۔ لیکن اب ہمیں محیطِ پالیسی پر بھی غور کرنا ہوگا۔ جب بھی کوئی ملک کسی طرح کی پالیسی اختیار نہیں کرتا تو α بدلنے سے اس کے محیط پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی یعنی $\frac{dp}{d\alpha} = 0$ ۔ پس جب دونوں ملک کسی بھی پالیسی پر عمل پیرا نہیں ہوتے تو تمام سابقہ نتائج بھی اس عمومی شکل سے اخذ کیے جا سکتے ہیں جہاں ہم $\frac{dp_\alpha}{d\alpha} = \frac{dp_x}{d\alpha} = 0$ رکھتے ہیں تاہم جب کوئی ملک یا تو داخلی یا خارجی توازن کے لیے کسی پالیسی کو اختیار کرتا ہے تو ہمیں عام طور پر $\frac{dp}{d\alpha} \neq 0$ رکھنا ہوگا۔ پھر $\frac{dp}{d\alpha}$ کوئی عدد نہیں ہے لیکن اس کا تعین اس طرح کیا جانا چاہیے جس سے مذکورہ پالیسی کا مقصد پورا ہو جائے۔ $\frac{dp}{d\alpha}$ کے لیے صحیح قیمت طے کرنے کا طریقہ نیچے کی بحث سے واضح ہو جائے گا۔

پہلے ہمیں اس مسئلہ پر ایک ایسا سادہ کیس لے کر غور کرنا چاہیے جس میں غیر ملکی اثرات مفقود ہوتے ہیں۔ ہم ایک بار پھر نشانات A اور B کو کچھ دیر کے لیے حذف کیے دیتے ہیں۔ پس آمدنی کی بنیادی مساوات یہ شکل اختیار کر لیتی ہے (44)

$Y = Z + X - M + \lambda\alpha + P'$

جہاں محیط α اور ρ ابتدائی توازن کی صورت میں صفر ہیں۔ α کے ساتھ مساوات (44) کو تفرق کر کے ترتیب ٹھیک کرنے سے ہمیں مساوات (45) حاصل ہوتی ہے۔

Equation (45

اگر کسی پالیسی پر داخلی توازن کے لیے عمل کیا جاتا ہے تو $\frac{dy}{d\alpha} = 0$ ہوگا۔ اس کو (45) میں رکھنے سے ہمیں بالآخر مساوات (46) حاصل ہوگی یعنی

Equation (.46)

α میں فی اکائی تبدیلی سے محیط پالیسی میں ہونے والی اس تبدیلی کی شرح کا پتہ جس سے داخلی توازن کا حصول یقینی ہو جاتا ہے۔ مساوات (46) سے ملتا ہے۔

اگر کوئی پالیسی خارجی توازن کے لیے لاگو کی جاتی ہے تو ہمیں حاصل ہونا چاہیے۔

Equations (.47')

مساوات (45) اور (47) کو اب ساتھ لے کر $\frac{dy}{d\alpha}$ اور $\frac{dp}{d\alpha}$ انھیں حل کر کے نکال سکتے ہیں۔

بیرونی اثرات کو جگہ دینے کے لیے ہم مساوات (42)، (43) اور (12) کو α کے ساتھ پورے طور پر تفرق کرتے ہیں۔

Equation (48, 49, 50)

اوپر کی تین مساواتوں میں پانچ نامعلوم ہیں یعنی $\frac{dY_A}{d\alpha}$ ، $\frac{dY_B}{d\alpha}$ ، $\frac{dp_B}{d\alpha}$ ، $\frac{dp_A}{d\alpha}$ اور $\frac{de}{d\alpha}$ ۔ پس اس نظام کو کسی واحد نتیجہ کے لیے حل کرنے کی خاطر دو مزید مساوات کی نشاندہی ضروری ہے۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ دونوں میں سے ہر ایک ملک کیا پالیسی اپنا رہا ہے تو یہ کام فوراً کیا جا سکتا ہے۔ پالیسی کی تمام ممکن صورتوں کو جدول II میں پیش کیا گیا ہے۔

Table II

پس اس کیس کے علاوہ جہاں دونوں ملک خارجی توازن کے لیے کسی پالیسی پر عمل کر رہے ہوں ہمیں دو مساوات حاصل ہوتی ہیں جنھیں مساوات (48 - 50) کے ساتھ لے کر پانچ مساوات اور پانچ نامعلوم مقادیر کا ایک نظام بن جاتا ہے جنھیں ان مقادیر کو دریافت کرنے کے لیے حل کیا جا سکتا ہے۔ طالب علم کو اس بنا پر ہراساں نہیں ہو جانا چاہیے کہ ہم پانچ مساوات کے نظام کی بات کر رہے ہیں کیونکہ یہ نہایت سادہ نظام ہے اور اسے آسانی سے حل کیا جا سکتا ہے۔

اگر دونوں ملک کسی پالیسی پر خارجی توازن کے لیے عمل کر رہے ہوں تو ہمارے سامنے ایک ایسا مسئلہ ہوگا جسے حل نہیں کیا جا سکتا۔ وجہ سیدھی سادھی ہے۔ میزانِ تجارت تو صرف ایک ہے اور اس میں توازن حاصل کرنے کی محیط پالیسی دو ہیں۔ اگر خارجی توازن حاصل کرنے میں ہر ایک ملک پر پڑنے والے بار کا ہمیں علم ہو جائے (جس سے وہ ایک اور مسلمات حاصل ہو جائے گی جس کی ہمیں ضرورت ہے) تو مسئلہ حل ہو جائے گا۔

ضمیمہ ■ آمدہ مبادلہ بازار

برائے باب 23

آمدہ مبادلہ بازار

بیرونی زر مبادلہ کا آمدہ بازار کوئی علیحدہ بازار عام طور پر نہیں ہوتا۔ اور اسے ایسا جداگانہ بازار قرار دینا صحیح نہ ہوگا۔ اسے زیادہ بہتر طور پر بیرونی زر مبادلہ کے پورے بازار کا ایک حصہ تصور کیا جاتا ہے۔ زر مبادلہ کی موقعہ اور آمدہ مبادلہ شرحوں کے بیچ کی کڑی دونوں متعلقہ بازاروں میں سود کی شرح ہوتی ہے۔ اسے 'فرقِ سود کی تجارت' کہا جاتا ہے۔ بیرونی شرح مبادلہ میں متوقع تبدیلی کی عدم موجودگی میں اگر دونوں بازاروں میں سود کی شرحیں ایک سی ہوں تو موقعہ اور آمدہ شرح مبادلہ ایک ہی ہوگی۔ اگر لندن میں سہ ماہی قرض کے لیے شرح سود 6 فیصد سالانہ ہو اور نیویارک میں 4 فیصد تو تین ماہ کے لیے اسٹرلنگ بہر حال 2 فیصد سالانہ کی شرح منہائی پر فروخت ہوگا۔ موقعہ شرح 2.40 $ اور منہائی 012.0$ ($2.40 × 2% ÷ 4 = $0.012) ہونے پر مثال کے طور پر شرح 2.368 $ ہوگی۔ لیکن منہائی یا پریمیم کو عام طور پر فیصد سالانہ کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

آمدہ اسٹرلنگ اس سے زیادہ شرح پر بکنے کی صورت میں نیویارک کے بینکوں کو لندن میں موقعہ پر زیادہ رقوم رکھ کر اور انھیں آمدہ بیچ کر فائدہ حاصل ہوگا کیونکہ وہ اس طرح 4 فیصد سے زیادہ کما سکیں گے۔ اگر پونڈ پر منہائی یا ڈالر پر پریمیم زیادہ ہوگا تو لندن کے بینکوں کو نیویارک میں زیادہ رقوم رکھنے سے فائدہ ہوگا جہاں وہ 4 فیصد سالانہ جمع آمدہ ڈالروں پر 2 فیصد سے زیادہ پریمیم حاصل کر سکیں گے۔ یہ مگر پر 6 فیصد ملنے والی آمدنی سے زیادہ ہوگا۔ سودی فرق میں تجارت یعنی کسی بیرونی زری بازار میں رقوم سود پر دے کر انھیں زر مبادلہ آمدہ بکری سے حاصل کر لینا موقعہ اور آمدہ بازار کے بیچ کی کڑی ہے عملی دنیا میں آمدہ بازار میں منہائی یا پریمیم فرقِ سود سے مختلف ہوگا۔ سودی فرق میں تجارت

کے باوجود مذکورہ فرق ½ فیصد سالانہ کا رہے گا یہ ½ فیصد وہ کم سے کم قیمت ہے جو فرق تجارت کرنے کے لیے بینک ضرور لینا چاہتا ہے۔ جب فرق ½ فیصد سالانہ سے زیادہ کا ہوتا ہے تو وہ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ سودی فرق کی تجارت پر کس طرح کی رکاوٹ کارفرما ہے۔

قومی بازاروں کے بیچ سود کی شرح میں کئی وجوہات سے فرق ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے زرعی اور بینک کاری حکام بینکوں کے قرض دینے کے عمل میں توسیع کرنے یا اسے گھٹانے کی کوشش کر رہے ہوں ایسی صورت میں شرح بالترتیب کم یا زیادہ ہو جائے گی۔ سود کی شرح پر سرکاری بونڈ بازار کو متاثر کرنے والے عوامل کا غلبہ ہو سکتا ہے۔ یا جیسا کہ ہم ابھی دیکھیں گے شرح کو غیر ملکی رقوم کو کھینچنے یا واپس دھکیلنے کے لیے (بالترتیب) زیادہ یا کم کیا جا سکتا ہے۔

جب کسی کرنسی کے ذمہ دار حکام سرمائے کے باہر جانے پر روک لگانے کی غرض سے سودی فرق میں تجارت کی ممانعت کر دیتے ہیں تو آمدہ بازار اور موقعہ بازار الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ اب کسی کرنسی پر منہائی یا پریمیم 30، 40 یا 50 فیصد سالانہ تک اونچا جا سکتا ہے۔ اتنی اونچی شرحوں کا مطلب یہ ہوگا کہ آمدہ بازار کا حال پتلا ہے وہ لوگ جو کرنسی آمدہ بیچنے کے لیے بے چین ہیں انھیں خریداروں کو اکسانے کے لیے زیادہ بڑی منہائی کا لالچ دینا پڑے گا۔ ہر ایک آمدہ بکری کے لیے ایک آمدہ خریدار کو تلاش کرنا ضروری ہے کیونکہ آمدہ مبادلہ کے لیے موقعہ کے سوپس کی اجازت نہیں ہوتی۔ جب آمدہ بازار موقعہ بازار سے اس طرح الگ کٹ جاتا ہے تو وہ اپنا باڑھ بندی کا کام انجام نہیں دے پاتا سٹہ باز خریداروں اور بیچنے والوں کے لیے تھوڑی بہت گنجائش ہی فراہم کر پاتا ہے۔

جب یہ (آمدہ بازار) بیرونی زرمبادلہ بازار کے ایک مربوط حصے کے طور پر کام کرتا ہے یعنی سوپس کے ذریعہ جن میں سودی فرق کی تجارت ہوتی ہے تو آمدہ بازار قرض دینے کا کام انجام دیتا ہے اور ساتھ ہی باڑھ بندی کا بھی۔ مان لیجیے کہ ریاستہائے متحدہ میں کوئی درآمد کرنے کا ارادہ رکھنے والا شخص یہ سمجھتا ہے کہ اسے اسٹرلنگ کی حاجت ہوگی۔ فرض کیجیے کہ آمدہ ڈالر پر منہائی اور اسٹرلنگ پر پریمیم ہے کیونکہ لندن کے مقابلہ میں نیویارک میں شرح سود زیادہ ہے۔ اگر درآمد کرنے والا آمدہ اسٹرلنگ خریدتا ہے تو وہ آمدہ اسٹرلنگ پر

پریمیم کو اور بھی آگے بڑھا دیتا ہے۔ اس سے یوں سمجھ لیجیے کہ نیویارک کا ایک بینک موقعہ اسٹرلنگ خریدنے کی طرف راغب ہوتا ہے اور اسے پریمیم پر آمدہ بیچ دیتا ہے (درآمد کرنے والے کو)۔ لندن کو منتقل کردہ موقعہ رقوم جن کا مالک نیویارک بینک ریاستہائے متحدہ کے درآمد کنندہ کے ساتھ آمدہ معاہدے کو پورا کرنے کے لیے رکھتا ہے وہی رقوم تصور کی جا سکتی ہیں جنھیں درآمد کنندہ انجام کار اپنی خریداری کے لیے استعمال کرے گا۔ اگر وہ یہ رقم نیویارک میں کسی بینک سے ادھار لیتا اس سے موقعہ اسٹرلنگ خریدتا، اور اسے لندن میں 4 فیصد سالانہ پر اس وقت تک کے لیے لگائے رکھتا جب تک تین ماہ بعد اسے بالآخر اس کی ضرورت نہ پڑتی۔ تب بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا۔ اس صورت میں مبادلہ خطرے سے بچنے کی لاگت نیویارک میں رقوم کی قیمت نفی لندن میں ہو سکنے والی آمدنی ہوگی۔ یہ اتنی ہی ہوگی جتنا آمدہ بازار میں اسٹرلنگ پر پریمیم ہوگا۔ نیویارک کے بینکوں اور درآمد کنندہ کے لیے سودا کسی بھی طرح سے ہو کوئی خاص فرق نہیں پڑتا سوائے اس کے کہ درآمد کنندہ کے مقابلے میں لندن کے سودے کو سنبھالنے کی نیویارک کے بینک زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس بنیاد پر آمدہ بازار اسے مبادلہ خطرے کو ختم کرنے کی ایک متبادل راہ فراہم کرتا ہے۔ یعنی وہی کام انجام دیتا ہے جو قرض لے کر کیا جا سکتا تھا اور باڑھ بندی کی سہولت میں خوبی کا ایک عنصر ضرور موجود ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے آمدہ بازار یا تو ایسا آلہ ہے جو غیر بینک سٹہ بازوں کی اختیار کردہ مجموعی پوزیشن کو موقعہ بازار میں سرمائے کی قلیل مدتی حرکات کی شکل دے دیتا ہے یا اگر اسے موقعہ بازار سے حکماً الگ کر دیا جاتا ہے اور مانگ و رسد برابر کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے تو وہ باڑھ بندی کا ایک محدود طریقہ رہ جاتا ہے۔

حفاظتی طور پر کام آنے والی رقوم:

یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ نیویارک کا بینک محفوظ پوزیشن کا حامل کیسے ہو سکتا ہے۔ یعنی غیر ملکی کرنسی کی املاک اس کی دینداریوں کے برابر ہوں — جبکہ اس کے پاس ضرورت مند گراہک کو بیچنے کے لیے فالتو غیر ملکی کرنسی موجود رہتی ہے۔ ایک محفوظ پوزیشن کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ مطالبات اور دینداریوں میں سے کوئی ایک دوسرے سے زیادہ نہیں ہوتا۔ اور پھر بھی ان گاہکوں کی ضرورت پوری کرنے کے لیے جو رقم بذریعہ تار منتقل کرنا چاہتے ہیں اسٹرلنگ

کی کافی کام چلاؤ رقوم کا موجود ہونا ضروری ہے۔ بینک یہ توقع نہیں کر سکتا کہ تار کے ذریعہ منتقلی کے سبب روزانہ اس کے پاس اتنی ہی غیر ملکی کرنسی پہنچے گی جتنی وہ خود باہر منتقل کرنا چاہتا ہے۔ کسی بھی تجارت کی طرح اس کے پاس بھی کچھ ذخیرہ رہنا چاہیے۔

اس سوال کا جواب آمدہ بازاروں اور اسی کے ساتھ اس حقیقت میں مضمر ہے کہ لندن اور نیو یارک دونوں بیرونی زرِمبادلہ بازار کے احاطہ میں ہیں۔ نیو یارک کے سبھی بینکوں کو اپنا کام چلانے کے لیے مثال کے طور پر کم سے کم 50,000,000 £ اپنے پاس رکھنے ہوتے ہیں۔ نیو یارک کے آمدہ بازار میں ان کی بازھ بندی کی جا سکتی ہے بشرطیکہ ان کے گاہک جتنا وہ آمدہ فروخت کرتے ہیں اس سے 50,000,000 £ زیادہ آمدہ خریداری کیلیے آمادہ ہوں لیکن ان گاہکوں سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ آمدہ سودوں میں اس حد تک آگے جائیں گے ـــ اصولاً تو یہی توقع کی جانی چاہیے کہ وہ بھی ایک متوازن پوزیشن حاصل کرنا چاہیں گے جس میں موقعہ اور آمدہ مطالبات خالص موقعہ اور آمدہ دینداریوں سے برابر ہو جائیں گے۔ ان حالات کے تحت وہ بینکوں سے اگر 50,000,000 £ خریدنے کے قابل نہیں ہوں گے تا وقتیکہ انھیں 50,000,000 £ کی مالیت کی فالتو درآمدات کی توقع نہ ہو جس کے لیے درآمد کنندگان کو اس سے زیادہ اسٹرلنگ کی ضرورت ہوگی جتنا برآمد کنندگان مہیا کر سکتے ہیں۔ یہ ایسی صورت ہے جس کی امید نہیں کی جا سکتی۔

بینک اس مسئلہ کو لندن میں 50,000,000 £ کی آمدہ فروخت کے ذریعہ حل کرتے ہیں۔ اتنے زیادہ آمدہ اسٹرلنگ خریدنے کے لیے (اتنے مالیت کے آمدہ ڈالر فروخت کرنے کے لیے) لندن کے بینکوں کو موقعہ بازار میں مساوی رقم کے ڈالر خریدنے ہوں گے (یعنی 120,000,000 $ ڈالر 2.40 کی شرح پر)۔ اس طرح سے لندن اور نیو یارک کے بیرونی زرِمبادلہ کے بازاروں کو ایک دوسرے کی کرنسی میں کوئی مبادلہ پوزیشن اختیار کیے بغیر کام چلاؤ رقوم فراہم کی جا سکتی ہیں۔ ہر ایک بازار دوسرے بازار میں موقعہ مبادلہ کو آمدہ بیچنے کا معاہدہ کرے گا۔ تب نیو یارک کے پاس 50,000,000 £ موقعہ اسٹرلنگ ہوں گے اور وہ اتنی ہی رقم لندن میں آمدہ فروخت کرے گا۔ لندن نیو یارک میں 140,000,000 $ کا مالک ہوگا جو اس نے نیو یارک کے بینکوں کو آمدہ فروخت کیے ہیں۔ کسی بھی ملک کی مبادلہ پوزیشن کھلی ہوئی نہیں رہ جاتی۔ ہر ایک کے پاس مبادلہ کا ایک

ذخیرہ مانگنے والے گاہکوں کو بیچنے کے لیے تیار رہتا ہے۔[1]

اگر نیویارک کے بینک مجموعی طور پر کسی مبادلہ پوزیشن کو کھولنا چاہتے ہیں ان لیے 2,000,000 £ کم تو اب وہ اس رقم کو موقعہ یا آمدہ فروخت کر سکتے ہیں۔ موقعہ بکری سے ان کے کام چلاؤ رقوم 50,000,000 £ میں سے سیدھے 2,000,000 £ کم ہو جائیں گے۔ (واضح رہے کہ اتنا سرمایہ ریاستہائے متحدہ کے اندر آئے گا) بہرحال اگر وہ آمدہ فروخت کا فیصلہ کرتے ہیں تو انھیں یہ کام لندن میں کرنا چاہیے تا وقتیکہ ریاستہائے متحدہ میں غیر بنک کاری عوام بے سوچے سمجھے یہ فیصلہ ہی نہ کر لیں کہ وہ منفی علامت کے ساتھ اتنی رقم کی مبادلہ پوزیشن لیں گے یعنی 2,000,000 £ لینے کے لیے آمدہ ہوں۔ لندن میں نیویارک کے بنکوں کی اسٹرلنگ کی آمدہ فروخت کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ لندن کے بینک ڈالروں کو آمدہ بیچیں اور اسٹرلنگ کو آمدہ خریدیں اپنی پوزیشن کو محفوظ رکھنے کے لیے آخر الذکر کو زیادہ ڈالر کی موقعہ خرید کرنی پڑے گی۔ اس طرح سے نیویارک بنکوں کے آمدہ اسٹرلنگ فروخت کرنے سے نیویارک میں لندن کی جمع رقوم میں اضافہ ہوگا۔ (سرمایہ ریاستہائے متحدہ میں آئے گا) یہ اضافہ 4,800,000 $ کے بقدر ہوگا۔

یہ نکتہ موضوع بحث رہا ہے کہ کیا آمدہ تجارت کی سہولتیں دستیاب ہو جانے سے بیرونی مبادلہ بازار کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ عام خیال یہ ہے بازار کی نوعیت میں ضرور تبدیلی آتی ہے۔ تاہم یہ نظریاتی امکان موجود ہے کہ اس طرح کی کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ حقیقی دنیا میں ایسا

۱۔ غالباً یہ بتانا ضروری ہے کہ سرمائی حرکات کا حساب لگانے میں آمدہ معاہدے کی رقم کو مطالبہ یا دینداری شمار نہیں کیا جاتا۔ نیویارک 50,000,000 £ کی موقعہ رقم کا مالک ہوتا ہے اور 120,000,000$ کا موقعہ دیندار۔ اس لیے کل ملا کر نہ تو قرضخواہ ہوتا ہے اور نہ ہی قرضدار۔ اس کے برعکس لندن کے مطالبات اور دینداری میں فرق رہتا ہے۔ جہاں تک سرمائی حرکات کا تعلق ہے وہ کرنسیاں جن میں مطالبات اور قرضوں کو دکھایا جاتا ہے کسی فرق کو ظاہر نہیں کرتیں۔ آمدہ معاہدہ نہ تو املاک ہوتا ہے اور نہ دینداری گو ایک مشروط معنیٰ میں یہ دونوں ہی ہوتا ہے۔ پس میزان قرضداری کا حساب لگانے میں اسے شمار نہیں کیا جاتا۔

ہوتا ہے یا نہیں یہ سوال بے شک مشاہدے سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن تجزیہ کو آمدہ اور موقعہ مبادلہ کی مانگ اور رسد کی لچکوں کی شکل میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

— سودی فرق میں تجارت دو طرح کی ہوتی ہے تاجرانہ اور پیشہ ورانہ۔ تاجرانہ فرق تجارت آمدہ پریمیم یا منہائی اور فرق سود میں اختلاف کے نتیجہ میں برآمد کنندگان اور درآمد کنندگان کے موقعہ اور آمدہ بازاروں کے بیچ اپنی پوزیشن بدلتے رہنے سے رونما ہوتی ہے۔ وہ بیرونی مبادلہ خرید و فروخت کر کے اپنی تجارتی ضروریات کی باڑھ بندی کرتے ہیں۔ لیکن موقعہ اور آمدہ بازار سے کوئی سروکار اس کے علاوہ نہیں رکھتے کہ آئندہ پریمیم یا منہائی اور سودی فرق کے بیچ اختلاف سے انھیں اپنی پوزیشن بدلنے کی ترغیب ملتی ہے۔ اس کے برعکس سودی فرق میں پیشہ ورانہ تجارت دونوں بازاروں میں ایک ساتھ جاری رہتی ہے۔

شکل H.1a موقعہ بازار اور شکل H.1b آمدہ بازار کو دکھاتی ہے جن میں اسٹرلنگ کی مانگ بجائے ڈالر کے یو۔ ایس کے درآمد کنندگان کی جانب سے پیدا ہوتی ہے (یعنی برطانوی برآمد کنندگان) اور ان کی رسد یو۔ ایس کے برآمد کنندگان (برطانیہ کے درآمد کنندگان) کی طرف سے آتی ہے۔ اس صورت حال کو ٹھوس خطوط D - D اور S - S سے دکھایا گیا ہے۔ قلیل مدتی سودی شرحیں لندن اور نیویارک میں برابر ہیں (سودی فرق صفر ہے) اور موقعہ و آمدہ شرحیں بالکل مساوی ہیں۔ اب مان لیجیے کہ لندن میں شرح منہائی بڑھا دی جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے لندن میں رقوم پر زیادہ آمدنی کا فائدہ اٹھانے کے لیے بعض اسٹرلنگ طلب کرنے والوں کو آمدہ سے موقعہ بازار میں آنے کی ترغیب ملے گی۔ اور جیسا کہ نقطہ دار خطوط D' - D' سے دکھایا گیا ہے موقعہ مانگ میں اضافہ اور آمدہ مانگ میں کمی آئے گی اس کی وجہ سے کچھ اسٹرلنگ فراہم کنندگان بھی موقعہ بازار سے ہٹ کر آمدہ بازار میں آجائیں گے۔ مقصد پھر وہی ہوگا یعنی اونچی شرحوں سے فائدہ اٹھانا۔ اس موقعہ رسد کا قوس بائیں اور آمدہ رسد کا قوس دائیں جانب ہٹ جائے گا۔ دونوں بازاروں میں مانگ اور رسد کی ان تبدیلیوں کے سبب موقعہ شرح زیادہ اور آمدہ شرح کم ہو جائے گی اور آمدہ اسٹرلنگ منہائی کا شکار ہو جائے گا۔ اگر موقعہ اور آمدہ شرحوں کے فاصلے (جزو سوم) کو سالانہ فیصد میں بدلنے پر وہ سودی فرق کے برابر ہو جاتا ہے تو پیشہ ور فرق کے تاجر سرمائی حرکات کو عمل میں نہیں لائیں گے۔ علاوہ ازیں جس طرح اشکال H.1a اور H.1b کو بنایا گیا ہے

تاجرانہ فرقی تجارت سے بھی کوئی سرمائی حرکات پیدا نہیں ہوتیں موقعہ مبادلہ پہلے جتنا ہی خرید و فروخت کیا جاتا ہے۔ موقعہ مانگ قوس کے ہٹ جانے کے علاوہ اس کی وجہ مثال کے طور پر یہ ہے کہ ہٹتے ہوئے قوس پر بھی مقام بدل جاتا ہے۔ وہ تاجر جو آمدہ سے موقعہ بازار میں منتقل ہوتے ہیں وہ ان تاجروں اور سٹہ بازوں کی برابر ہی ہوتے ہیں جو نئی بلند تر قیمت پر بازار سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔

اگر تاجرانہ فرقی تجارت اس رقم سے کم یا زیادہ ہوتی ہے جو آمدہ منہائی کو سودی فرق کے برابر کرنے کے لیے درکار ہے تو پیشہ ورانہ فرقی تجارت حرکت میں آجائے گی۔ یہ رقوم لندن کو منتقل کر دے گی (موقعہ خرید اور آمدہ بیچ کر) اور مانگ کے نئے قوسوں ڈ - ڈ کو جنھیں کھینچا نہیں گیا ہے شکل H.1a میں دائیں طرف جنم دے گی اور شکل H.1b کے دائیں طرف ایک نیا گ - گ قوس پیدا کر دے گی۔ اس سے لندن کی جانب سرمائی حرکت رونما ہوگی۔ تاجرانہ فرقی تجارت ضرورت سے بہت زیادہ ہو جانے کی صورت میں جس سے اسٹرلنگ کی منہائی بہت بڑھ جائے گی پیشہ ورانہ فرقی تاجر آمدہ خریدیں اور موقعہ فروخت کریں گے اور اس طرح موقعہ بازار میں گ - گ اور ی - ی کے اور آمدہ بازار میں ڈ - ڈ اور ڈ - ڈ کے درمیانی فاصلوں کو کسی حد تک کم کر دیں گے۔

تجارت اور پیشہ ورانہ فرقی سودوں کی رقوم کی بہتات ہو تو جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے آمدہ بازار کے اضافے سے اس وقت تک کوئی اہم تبدیلی رونما نہیں ہوگی جب تک اس کے سبب استحکام بخش سٹہ کے حجم میں اضافہ نہ ہو۔ زیر بحث مسئلہ اور جس کا تعلق مشاہدے سے ہے یہ ہے: کیا آمدہ بازار سے نئے تاجروں اور سٹہ بازوں کا اضافہ ہوتا ہے یا وہ صرف موجودہ تاجروں اور سٹہ بازوں کو دونوں تاجروں کے بیچ از سر نو تقسیم کر دیتا ہے۔ اگر وہ صرف تقسیم بدلتا ہے تو اس کی وجہ سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ اگر وہ سٹہ کے حجم اور مانگ و رسد کی لچکوں میں اضافہ کر دیتا ہے تو وہ طلائی نقاط کے درمیان یا جامد تبدیلی معیار کی سہارا دینے والی حدوں کے درمیان شرحوں کے طرزِ عمل کو یقیناً مستحکم بناتا ہے اور لچکیلی شرح مبادلہ کے معیار کے تحت بھی عام طور پر ایسا ہی کرتا ہے لیکن بہر صورت شرط یہ ہے کہ سٹہ استحکام بخش ہی ہو۔ جب کوئی کرنسی جامد معیار کے تحت سخت حملہ کا شکار ہوتی ہے تو سود کی شرح میں اضافہ کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ بعض تجزیوں میں اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ

ایسا سودی فرق میں تجارت کا چشمہ خشک ہو جانے کے باعث ہوتا ہے۔ اس کو زیادہ حقیقت
پسندانہ طور پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ سودی فرق کی تجارت سے متعلق رقوم کے کسی بازار میں
منتقل ہونے کے لیے سٹے کا استحکام بخش ہونا ضروری ہے۔ جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ فلاں کرنسی
مستحکم ہے تو آمدہ شرح سہارے کی نچلی حد سے نیچے نہیں گر سکتی کیونکہ اس حد پر آمدہ کرنسی
کے لیے سٹہ بازوں کی مانگ غیر محدود طور پر لچکیلی ہو جاتی ہے۔ اس حد پر بلند تر سود کی شرح کی
وجہ سے موقعہ خرید اور آمدہ فروخت اس وقت تک جاری رہتی ہے جب تک موقعہ شرح
بڑھ کر سودی فرق کے برابر نہیں ہو جاتی۔ لیکن اگر تین ماہ کے اندر جو بیشتر آمدہ معاہدات کی
مدت ہوتی ہے تخفیف قیمت کا واقعی امکان ہو تو اس قیمت پر سٹہ بازوں کا سہارا دستیاب
نہیں ہوتا اور آمدہ شرح کے گرنے کی کوئی حد نہیں رہ جاتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سودی فرق کے
تاجر کے لیے اس معمولی منہائی پر جس سے وہ فائدہ اٹھا سکتا ہے اپنی موقعہ خریداری کو آمدہ
بکری سے محفوظ کرنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہ جاتا۔ یہی وہ صورت ہے جب آمدہ شرح کو
سہارا دینے کا کوئی حقیقی جواز پیدا ہوتا ہے بشرطیکہ زری حکام کو اس بات کا یقین ہو کہ تخفیف
قیمت سے گریز کیا جائے گا۔

کبھی کبھار سودی فرق کی تجارت کی رقوم کا چشمہ حقیقتاً بالکل خشک ہو سکتا ہے۔
ایسا اس وقت ہوتا ہے جب اندیشہ شرح میں تبدیلی کا نہیں مبادلہ کنٹرول کا ہو جس سے بیرونی
رقوم ایک مقام پر بند ہو جاتی ہیں۔

مطالعہ کے لیے تجاویز:

آمد بازار پر پال انزگ کی Dynamic Theory of Forward Exchange
(London; Macmillan Co. Ltd. 1961) ایک اہم اور نمایاں کام ہے۔ مسٹر انزگ نے
یہاں پیش کردہ اس خیال پر سخت نکتہ چینی کی ہے کہ کسی آمدہ بازار کے اضافہ سے بیرونی زر
مبادلہ کے بازار کے طریقہ کار میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ مزید دیکھیں Herbert G.
Grubel, 'Forward Exchange, Speculation and the International Flow of Capital (Stanford, Calif Stanford University Press 1966)

جن کی رائے میں سودی فرق میں سہ طرفہ تجارت سے اہم فرق رونما ہوتا ہے ۔

J.L.Stein 'The Naturaand Efficiency of the Foreign Exchange Market'-EIF No.40 June 1962.) Petir.B.Kenon 'The speculation and the Forward Exchange Rate' in RE Baldwin et (al) 'Trade Growth and the Balance of Payments (Chicago, Rand McNally &Co.1965) and Fred R.Gelshe 'An Empirial Study of the Foreign Exchange Market Tests of Theory, Princeton, Studies in International Finance (Princeton N.J., Princeton University Press, 1967")

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

نوٹ: طلبہ واساتذہ کے لیے خصوصی رعایت۔ تاجران کتب کو حسب ضوابط کمیشن دیا جائے گا۔

ہندوستان کا صنعتی ارتقاء

مصنف: ڈی۔آر۔گیڈگل

صفحات: 343

قیمت: -/130 روپے

شماریات اور کاروبار میں ان کا استعمال

مصنف: اے۔ایل۔باڈنگٹن

صفحات: 392

قیمت: -/150 روپے

ہندوستان کی معاشی تاریخ (جلد اوّل)

مصنف: رمیش دت

صفحات: 436

قیمت: -/161 روپے

ہندوستان اور مشرق وسطیٰ کے تجارتی تعلقات

مصنف: حامد اللہ ندوی

صفحات: 149

قیمت: -/22 روپے

معاشیات کے بنیادی اُصول (حصہ اوّل)

مصنف: سراج الحسن

صفحات: 368

قیمت: -/82 روپے

معاشیات

مؤلفہ: رضیہ نظامی

صفحات: 381

قیمت: -/87 روپے

ISBN: 978-81-7587-412-1

कौमी काउन्सिल बराए फ़रोग़-ए-उर्दू ज़बान

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

National Council for Promotion of Urdu Language

Farogh-e-Urdu Bhawan, FC- 33/9, Institutional Area,
Jasola, New Delhi-110 025